سُبُلُ الہُدیٰ والرشاد

فی

سیرتِ خیرُ العِبَاد (اردو)

جلد سوم - چہارم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

زاویہ پبلشرز
8-C دربار مارکیٹ، لاہور
Ph: 042-37248657- 37112954
Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466
Email: zaviapublishers@gmail.com

سُبُلُ الہُدیٰ والرشاد

فی سیرۃ خیر العباد ﷺ

(اُردو)

تصنیف:
حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ لاہور
042-37248657 Fax:042-371129
300-9467047 - 0321-9467047 - 030

زاویہ پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اردو ترجمہ)

سُبُلُ الہُدیٰ والرشاد

فی

سیرتِ خیرُ العباد

اردو

سبل الہدیٰ والرشاد

فی

سیرتِ خیر العباد

جلد سوم - چہارم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

زاویہ پبلشرز
8-C دربار مارکیٹ - لاہور
Ph: 042-37248657- 37112954
Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466
Email:zaviapublishers@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2013ء

بار اول.......................1100

ہدیہ.......................

زیرِ اہتمام............نجابت علی تارڑ

کمپوزنگ..........ایمان گرافکس (عبدالقادر)

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

راولپنڈی کے سول ڈسٹری بیوٹر

اسلامک بُک کارپوریشن

فضل داد پلازہ - اقبال روڈ - کمیٹی چوک ○ راولپنڈی 051-5536111

فہرست جلد سوم

حضور اکرم ﷺ سے یہود اور منافقین کی عداوت

❁❁❁❁

فہرست جلد چہارم

غزواتِ مصطفی ﷺ

(اردو ترجمہ)

سُبُلُ الھُدیٰ وَالرَّشَاد
فِی سِیْرَۃِ خَیْرِ الْعِبَاد ﷺ

جلد سوم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

معراجِ مصطفیٰ

علیہ التحیۃ والثناء

اس موضوع پر میں نے ایک عظیم تصنیف رقم کی ہے۔ میں نے اس کا نام "الآیات البینات فی معراج سید اھل الارض والسماوات" رکھا۔ پھر میں ایسے امور پر آگاہ ہوا جن کا تذکرہ میں نے اس کتاب میں نہیں کیا تھا۔ پھر میں نے اس موضوع پر دوسری کتاب لکھ دی۔ میں نے اس کا نام "الفضل الفائق فی معراج خیر الخلائق" رکھا۔ میں نے ان کتب میں ایسے فوائد اور نفائس لکھے ہیں جو صرف ان کا ہی حصہ ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس جگہ ان کا خلاصہ ذکر کر دوں۔

❀❀❀❀

پہلا باب

رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کے بعض فوائد

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ① (الاسراء:۱)

ترجمہ: ''ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد ونواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا۔''

اس آیت طیبہ پر کئی اعتبار سے بحث

1- اس کا شان نزول

امام، عالم حضرت ابوحیان علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر ''النہر'' میں تحریر کیا ہے کہ اس آیت طیبہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کا تذکرہ فرمایا تو کفار مکہ نے آپ کی تکذیب کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

ماقبل کے ساتھ تعلق

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اور امام برہان النسفی نے لکھا ہے'' ماقبل کلام کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔ ان کے مبارک اوصاف، اور حریم ناز میں ان کے مقام کا تذکرہ ہے۔ ملت حنیفیہ کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عقائد دینیہ میں ان کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سورت مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے سچے دل کے ساتھ ان کی ملت کی اقتداء کی۔ حق پر ان کی سنت کو قائم کیا۔ اس سورت مبارکہ کے اختتام پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: "(اے محبوب!) بلائیے لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے۔"

بعد میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

وَ اصۡبِرۡ وَ مَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا تَکُ فِیۡ ضَیۡقٍ مِّمَّا یَمۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ (النحل:۱۲۷)

ترجمہ: "اور آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان کی (ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔"

صبر ناپسندیدہ امور کو برداشت کرنا ہی ہے۔ یہ تحمل تجمل (خوبصورتی) کی طرف لے جاتا ہے۔

"النہر" میں ہے۔" جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا اور کفار پر غمزدہ ہونے سے منع فرمایا نیز منع فرمایا کہ آپ ان کے مکروفریب سے تنگدل نہ ہوں۔ ان کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹ، سحر اور شعر وغیرہ کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا تھا۔ اس کے بعد رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شرف، فضل اور آپ کا بلند مقام بیان فرمایا جو آپ کو رب تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے۔"

الشیخ نے "مناسبات" میں ذکر کیا ہے" یہ سورت مبارکہ اور اس کے بعد کی چار سورتوں کا نزول قدیم ہے امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:" سورت بنو اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ اور الانبیاء کا نزول قدیمی ہے۔ اور انہیں ابتدائے اسلام میں یاد کر لیا گیا تھا۔" یہی ان کی ترتیب کی وجہ ہے۔ یہ سورت بھی ان کے قدیمی نزول میں مشترک ہے۔ یہ سورتیں مکی ہیں۔ یہ ساری قصص پر مشتمل ہیں۔

میرے لیے اس کا سورت النحل کے ساتھ اتصال میں ایک اور سبب بھی ظاہر ہوا۔ وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس سورت کے اختتام میں فرمایا:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَی الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ ؕ (النحل:۱۲۴)

ترجمہ: "صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی تھی جنہوں نے اختلاف کیا تھا۔"

اس سورت مبارکہ میں اہلِ سبت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس تورات کا ذکر جمیل ہے جو انہیں دی گئی۔ جیسے کہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:" تورات ساری کی ساری سورت بنو اسرائیل کی پندرہ آیات پر مشتمل تھی۔" رب تعالیٰ نے ان کی نافرمانیاں، فساد، مساجد کو برباد کرنے کا ذکر کیا۔ پھر رب تعالیٰ نے ذکر کیا کہ انہوں نے کس طرح حضور اکرم ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ آپ کو مدینہ طیبہ سے باہر نکالنے کی سعی کی۔ آپ ﷺ سے

روح کے بارے سوال کیا۔ پھر اس سورت کا اختتام حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے نو معجزات پر کیا۔ فرعون کو ان کے خطاب سے آگاہ کیا۔ بتایا کہ فرعون نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو نقصان دینے کی کوشش کی۔ تو اسے برباد کر دیا گیا۔ اس کے بعد بنو اسرائیل کو ان کی زمین کا وارث بنا دیا گیا۔ اس میں مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ تھا کہ جس طرح انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ طیبہ سے باہر نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ عنقریب خود ہی یہاں سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شہر خوباں کے مالک بن جائیں گے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح فرعون برباد ہوا تھا جب اس نے بنو اسرائیل کو نقصان دینے کی کوشش کی تھی۔ اس سورت میں مسجد اقصیٰ کے گرنے کا تذکرہ ہے۔ اس کا آغاز سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج پاک سے کیا گیا۔ کیونکہ آپ اس میں تشریف لے گئے تھے۔"

تسبیح سے آغاز کرنے میں حکمت

ابن جوزی نے زاد المسیر میں لکھا ہے "اس جگہ تسبیح سے آغاز کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔

- ➊ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ عجیب امر کے وقت تسبیح کیا کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرا کے مخلوق کو تعجب میں ڈال دیا۔
- ➋ گویا کہ اسے ان کے رد کے قائم مقام رکھا۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی معراج کا ذکر فرمایا تو کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ اس امر سے منزہ اور پاک ہے کہ وہ جھوٹے کو اپنا رسول بنائے۔

قاضی تاج الدین بکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں لکھا ہے کہ امام سے سوال کیا گیا کہ اس سورت پاک کا آغاز تسبیح سے کیوں کیا گیا ہے جبکہ سورۃ الکہف کا آغاز تحمید سے کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جہاں کہیں بھی ان دونوں کا تذکرہ ہوا ہے تسبیح کو تحمید سے مقدم کیا گیا ہے۔ مثلاً

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ (النصر: ۳)

ترجمہ: "تو اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔"

سبحان اللہ والحمد للہ۔

ابن زملکانی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ سورت معراج پاک پر مشتمل ہے۔ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی آپ کی تکذیب گویا کہ رب تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ اس کا آغاز سبحان سے کیا گیا کہ رب تعالیٰ اس امر سے پاک اور مطہر ہے کہ جھوٹ

کو اس کی طرف منسوب کیا جائے جبکہ سورۃ الکہف مشرکین کے اصحاب کہف کے بارے سوال کے بعد میں نازل ہوئی۔ وحی میں بھی تاخیر ہوئی۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ رب تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان پر اپنی نعمتوں کو منقطع نہیں فرمائے گا۔ بلکہ کتاب حکیم کو نازل کر کے ان پر اپنی نعمت کو مکمل کرے گا۔ لہٰذا اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے لیے اس کا آغاز حمد سے کیا گیا۔

سبحان اللہ کے بارے گفتگو

حضرت محمود الکرمانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''برہان'' میں لکھا ہے۔ ''اس کلمہ کو اللہ رب العزت نے اپنی ذات والا کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ سورت بنی اسرائیل کی ابتداء اس کے مصدر سورۃ الصف کی ابتداء اور سورۃ الحشر کی ابتداء اس کی ماضی اور سورۃ الجمعۃ اور سورۃ التغابن کی ابتداء اس کے مضارع سے کی۔ سورۃ الاعلیٰ کی ابتداء اس کے امر سے کی تاکہ اس مبارک کلمہ کی ساری صورتیں استعمال ہو سکیں۔ امام حاکم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے ''سبحان اللہ'' کے معنی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''ہر برائی سے رب تعالیٰ کی تنزیہ''

ابن ابی حاتم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''سبحان اللہ اسم ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ اپنی تعظیم بیان فرماتا ہے۔ اس کلمہ سے ہر برائی سے کنارہ کش ہوتا ہے۔'' امام ماوردی نے لکھا ہے'' یہ ایسا ذکر ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ اپنی تعظیم بیان فرماتا ہے۔ یہ کلمہ صرف اسی کے لیے موزوں ہے۔'' صاحب النظم نے لکھا ہے کہ لغت میں السبح تباعد کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ (المزمل: ۷)

ترجمہ: ''یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں۔''

سبحان اللہ کا معنی ہے کہ رب تعالیٰ ہر اس امر سے پاک ہے جو اس کے مناسب نہیں ہے۔ التسبیح کے اور معانی بھی ہیں جنہیں میں نے ''القول الجامع الوجیز لخادم للقرآن العزیز'' میں بیان کیا ہے۔

امام موفق الدین نے شرح المفصل میں لکھا ہے'' جان لو کہ علماء کرام نے اعلام کو معانی پر معلق کیا ہے۔ انہوں نے ان کا اطلاق اعیان پر کیا ہے۔ اس میں سے اہل عرب کا قول ''سبحان'' بھی ہے۔ یہ ہمارے نزدیک عَلَم ہے جو تسبیح کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مصدر ہے۔ اس کا معنی برأت اور تنزیہ ہے۔ اس سے فعل نہیں ہے یہ اس تسبیح پر دلالت کرتا ہے جو حقیقت میں مصدر ہے۔ اس معنی پر اسے عَلَم بنا دیا گیا ہے۔ یہ اس کی معرفت ہے۔ یہ معرفہ اور الف نون کی زیادتی کی وجہ سے

غیر منصرف ہے۔ شاعر کے اس قول "سبحانه ثم سبحاناً یعود له" میں تنوین کی دو وجوہات لکھی گئی ہیں:

- ❶ یہ ضرورت کے لیے ہے۔
- ❷ اس نے تصور کا ارادہ کیا ہے۔

ضیاء بن العلیج نے البسیط میں لکھا ہے کہ یہ سبّح کا مصدر ہے۔ جب انسان سبحان اللہ کہتا ہے یہ سبحان التنزیہ کا مدلول ہے لفظ کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں "تسبیح تنزیہ کے معنی میں بھی ہے کیونکہ سَبَّحْتُ کا معنی ہے میں نے رب تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی۔ اس وقت تنزیہ کے معنی پر ان کی مطابقت قائم ہوگئی۔ سبحان کو تسبیح پر معلق کرنا درست ہوگیا۔ بطور علم اس کا استعمال بہت قلیل ہے۔

یہ اکثر اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ مضاف ہوتا ہے تو یہ علَم نہیں ہوتا کیونکہ اعلام مضاف نہیں ہوتے۔ شعر میں "سبحان" کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جس کے لیے وہ علم ہے۔ وہ خود علم نہیں ہے۔

ابن عمرو بن حاجب نے لکھا ہے کہ شاعر کا یہ شعر اس بات کی دلیل ہے کہ سبحان تسبیح کا علم ہے۔

قد قلت لمّا جاء نی فخره سبحان من علقمة الفاخر

اگر یہ علم نہ ہوتا تو اسے منصرف کرنا ضروری ہوتا۔ کیونکہ الف اور نون علمیت کے ساتھ غیر منصرف ہوتا ہے۔ الشہاب السمین نے اپنی کتاب الاعراب میں لکھا ہے "ایک قول یہ ہے کہ یہ مصدر ہے کیونکہ اس کا ثلاثی فعل سنا گیا ہے۔ یہ ایسے اسماء میں سے ہے جو مضاف ہو سکتے ہیں۔ یہ مفرد بھی ہو سکتا ہے جب یہ مفرد ہو تو یہ معرفہ ہونے اور الف نون کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ جیسے کہ سابقہ شعر سے عیاں ہے۔ جیسے شاعر کا شعر ہے:

سبحانه ثم سبحانا یعود له و قبلنا سبّح الجودی والجمد

ایک قول یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اس طرح کیا گیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ قبل اور بعد کے قائم مقام ہے۔ اگر اس کے معرفہ ہونے کی نیت کی جائے تو یہ اپنی حالت پر برقرار رہے گا۔ اگر اسے نکرہ سمجھا جائے تو اسے منصرف کا اعراب دیا جائے گا۔ یہ شعر اس امر کی مدد کرتا ہے کہ وہ مصدر ہو مصدر کا اسم نہ ہو۔ کیونکہ یہ منصرف وارد ہوا ہے۔ پہلے قول کو اپنانے والے سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ یہ نکرہ ہے معرفہ نہیں ہے۔ یہ ان اسماء میں سے ہے جو مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں۔ یہ غیر منصرف ہے۔ یہ اس مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کا اظہار جائز نہیں۔"

حضرت ابوشامہ نے لکھا ہے "جب یہ منصوب ہو تو اس مفعول مطلق کی وجہ سے منصوب ہوگا جس کے فعل کا اضمار لازم ہوتا ہے۔ اس کا فعل یا تو فعل امر ہے یا خبر ہے اس سورت میں یہ لفظ دو امور کا احتمال رکھتا ہے یعنی یا تو سبحوا الذی

اسریٰ یاسبح الذی اسریٰ کے معنی میں ہے۔یعنی رب تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے آپ کی تعریف کی جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا: "الحمد للہ رب العالمین"

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ سیبویہ کے مذہب کے مطابق اس میں عامل وہ فعل ہے جو اس کے معنی میں ہے لفظ میں نہیں۔کیونکہ اس کے لفظ سے فعل نہیں آتا۔یہ "قعد القرفصاء و اشتمل الصماء" کی مثل ہے یہ عبارت یوں ہے۔"انزہ اللہ تعالیٰ تنزیھا" تیسرے قول کے مطابق یہ "تنزیھا" کے قائم مقام ہو گیا۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے "سبحان" تسبیح کے لیے علَم ہے۔جیسے عثمان انسان کا نام ہوتا ہے۔یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔جو مقدر ہوتا ہے۔اسے ظاہر کرنا چھوڑ دیا گیا ہے۔یہ عبارت دراصل یوں تھی: "اسبح اللہ سبحان۔" پھر اسے فعل کے قائم مقام کر دیا گیا۔یہ اس تنزیہ پر دلالت کرتا ہے جو ان تمام قبائح سے پاکیزگی بیان کرے جنہیں رب تعالیٰ کے دشمن اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

امام الطیبی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "اس ترکیب سے یہ مصدر لکھنے سے مقصد تاکید ہے۔یہ عبارت دراصل یوں تھی اسبح تسبیحا و اسبح سبحان۔ پھر عامل کو حذف کر دیا گیا اور اس کو اس کے مقام پر رکھ دیا گیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ ذات سے مقصود مصدر ہے۔فعل تابع ہے۔یہ تنزیہ کے وجود کی سرعت کے بارے خبر دینے کے بارے بتانے کا فائدہ دیتا ہے۔

امام کسائی نے لکھا ہے کہ یہ دراصل منادی ہے۔اصل عبارت یوں تھی: "یا سبحانك" مگر جمہور نے ان کے اس قول کا انکار کیا ہے۔اسفاقسی اور السمین نے لکھا ہے کہ کسائی کا یہ قول مردود ہے۔کیونکہ اس پر حرف نداء کے دخول کے بارے نہیں سنا گیا۔بعض علماء نے گمان کیا ہے کہ اس کا لفظ تثنیہ کا لفظ ہے اور اس کا معنی بھی اسی طرح ہے۔جیسے لبیک مگر یہ مؤقف غریب ہے۔ورنہ لازم آئے گا کہ اس کا مفرد سُبْحًا ہو اور یہ منصوب نہ ہو بلکہ مرفوع ہو۔اس کی نون اضافت سے ساقط نہ ہو اور اس پر فتح لازم ہوتا ہے۔

عجیب وغریب تو بات وہ ہے جسے امام ماوردی نے لکھا ہے کہ ابان بن تغلب نے لکھا ہے کہ سبحان کلمہ کی اصل نبطیہ ہے۔یعنی اس کی اصل شبھانك۔ اس کو معرب بنا کر سبحانك بنا دیا گیا۔جسے سبحان کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔وہ اس کا مفعول بہ ہوتا ہے۔کیونکہ اس کی تسبیح بیان کی جاتی ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فاعل ہو۔اس کا یہ معنی ہو کہ وہ ذات پاکیزگی بیان کرتی ہے جس نے اپنے بندہ خاص (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سیر کرائی۔

اسریٰ پر بحث

برہان نسفی میں ہے کہ اہل لغت نے لکھا ہے کہ اسریٰ اور سریٰ دو لغتیں ہیں۔ بعض نے اسے رات کے وقت چلنے کو اس کے ساتھ مختص کیا ہے۔ السمین نے لکھا ہے کہ سریٰ اور اسریٰ سقی اور اسقی کی طرح ہے۔ اس جگہ ہمزہ تعدیہ کے لیے نہیں ہے۔ لیکن ابن عطیۃ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ یہ بعبدہٖ کی باء سے متعدی ہے۔ سورۃ البقرہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ فاعل کے مفعول کے ساتھ مصاحبت کا تقاضا نہیں کرتا لیکن المبرد کا اس سے اختلاف ہے۔

اسفاقسی نے لکھا ہے کہ الباء تعدیہ کے لیے ہے۔ جمہور کے نزدیک ہمزہ اس کے ساتھ ترادف کرتا ہے۔ لیکن المبردی سے اختلاف کرتے ہیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ الباء کے ساتھ تعدیہ فاعل کی مفعول کے ساتھ مصاحبت کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً تم یہ کہو قعدت بہ۔ تو اس کے ساتھ مشارکت ضروری ہے۔ خواہ وہ مشارکت ہاتھ کے ساتھ ہی ہو۔ مگر اس آیت طیبہ سے ان کا رد کر دیا گیا ہے۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ۔ (البقرہ:۱۷)

ترجمہ: "لے گیا اللہ ان کا نور۔"

کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ وصف بیان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نور کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن شاعر کا یہ شعر ان دونوں کا رد کرتا ہے:

دیار التی کانت و نحن علی منی   تحل بنا لو لا نجاء الرکائب

تحل بنا. تحلنا کے معنی میں ہے۔ اس جگہ باء تعدیہ کے لیے ہے۔ مگر یہ مشارکت کا تقاضا نہیں کرتی۔ کیونکہ دیار حرام نہیں تھے کہ وہ حلال ہو گئے ہیں۔ کیونکہ الباء ہمزہ کے معنی میں ہے۔ ان دونوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ یوں نہیں کہا جا سکتا: اذھبت بزید۔

ابن دحیہ اور ابن منیر نے المبرد کے قول کی تائید کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسریٰ بعبدہٖ سے وہ امور حاصل ہوتے ہیں جو اس طرح کہنے سے حاصل نہیں ہوتے بعث الی عبدہٖ کیونکہ الباء مصاحبت کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی ذات خداوندی الطاف کریمانہ، عنایت ربانیہ اور مدد کے لحاظ سے آپ کے ساتھ ساتھ تھی۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے" آپ ﷺ کی یہ دعا بھی اس امر کی گواہی دیتی ہے۔" اللھم انت الصاحب فی السفر' مولا! سفر میں تو ہی ساتھی ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ جس نے کہا" مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے لازم ہے کہ میں فلاں کے ساتھ حج کروں گا تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ حج کرے۔ لیکن اگر اس نے کہا" للہ علی ان احج فلانا" تو اس پر لازم ہوگا

کہ وہ اپنے مال سے اس کے سفرِ حج کی مدد کرے۔ اس میں فرق یہ ہے کہ الباء مصاحبت کا فائدہ دیتی ہے۔ اس کا رد پہلے گزر چکا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اسریٰ السُّری سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد رات کے وقت چلنا ہے۔ اہلِ عرب رات کے وقت چلنے کو اسریٰ اور سریٰ کہتے ہیں۔ یہ اکثر اہلِ عرب کا قول ہے لیکن الحوفی نے لکھا ہے کہ اسریٰ رات کے وقت چلنے کو جبکہ سریٰ دن کے وقت چلنے کو کہا جاتا ہے۔"

الحافظ نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اسریٰ رات کے اول حصہ میں اور سریٰ رات کے آخری حصہ میں چلنے کو کہتے ہیں۔

یہ معنی اقرب ہے قراء نے اسریٰ میں اختلاف نہیں کیا جبکہ رب تعالیٰ نے اس فرمان:

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ۔ (ھود:۸۱)

ترجمہ: "پس آپ لے کر نکل جائیے اپنے اہل وعیال کو۔"

اسے ہمزہ وصلی اور قطعی کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس میں اس شخص کی گرفت ہے جو یہ کہتا ہے کہ اسریٰ اور سریٰ ایک ہی معنی میں ہیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ السُّریٰ سریت سے مشتق ہے۔ جب میں رات کے وقت چلوں۔ یہ لازم ہے۔ جبکہ الاسراء معنی میں متعدی ہے لیکن اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ گمان کرنے والے نے گمان کیا کہ یہ ایک ہی معنی میں ہے۔ اسریٰ بعبدہٖ کا معنی ہے۔ کہ اس ذات نے براق بھیجا۔ جو آپ کو سیر کے لیے لایا۔ جیسے کہ تم کہو امضیتُ یہ جعلته یمضی کے معنی میں ہے۔ مفعول کو حذف کر دیا گیا کیونکہ اس پر دلالت قوی ہے۔ یہ ذکر کرنے سے مستغنی ہے۔ کیونکہ ذکر سے مقصود حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ وہ سواری نہیں جو آپ کو لے کر گئی تھی۔ جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کی داستان کا معنی ہے کہ یہ جس بھی سواری پر سوار ہوں۔ انہیں اسی پر اپنے ساتھ لے چلیں۔ یہ معنی اس وقت ہوگا جب ہمزہ قطعی پڑھا جائے۔ جب ہمزہ وصلی ہو تو اس کا معنی ہے کہ رات کے وقت انہیں لے کر چلیں۔ اسراء میں تو اس طرح نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس طرح کہنا کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ "سریٰ بعبدہٖ"

حافظ اور نسفی نے لکھا ہے کہ جو بات یقین سے کہی جا سکتی ہے وہ اس حیثیت سے ہے جس میں اشارہ عاجز آجاتا ہے۔ کیونکہ آپ نے رات کے وقت سفر براق پر کیا تھا۔ اگر آج کوئی یوں کہے "سرت بزید" اور وہ مصاحبت کا معنی لے تو اس کا یہ معنی صحیح ہوگا۔

العبد پر کلام

مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس جگہ "عبد" سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ لغت میں اس سے ذوالعقول کی نوع میں سے مملوک مراد ہے۔ المحکم میں ہے "العبد سے مراد انسان ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو کیونکہ وہ اپنے خالق کا مملوک ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ تعبد سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تذلل ہے۔" ابن الانباری نے لکھا ہے کہ عبد سے مراد رب تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع کرنے والا ہے۔ طریق معبد وہ رستہ ہوتا ہے جسے لوگوں نے خوب روندھا ہو۔ امام جمال الدین بن مالک نے عبد کی جمع کے بارے دو اشعار لکھے تھے۔ الشیخ نے دو اشعار کے ساتھ اس کا تتمہ لکھا ہے۔ ان سے قبل بھی ایک شعر کا اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"ابن مالک نے عبد کی جمع کے بارے اشعار لکھے ہیں۔ میں نے ان پر ان کی مثل اضافہ کیا ہے۔ فائدہ اٹھاؤ خوب کوشش کرو۔

عبد کی جمع عباد، عبید اور اعبد آتی ہے۔ اسی طرح اس کی جمع اعابد اور عبد آتی ہے۔ اسی طرح اس کی جمع عُبدان اور عِبدان، عبدی آتی ہے۔ اگر چاہو تو ان میں توسیع کر لو۔ اعباد، عبود، عبدة کا اضافہ کیا گیا ہے۔ فتح کے ساتھ تخفیف کر لو اسی طرح عبدّان بھی ہے اسی طرح یہ جمع اعبدة، عبدون اور عبیدون آتی ہے۔ یہ سیکھ جاؤ۔ تمہیں صحیح رستہ پر چلنا نصیب ہوگا۔"

الاسنوی نے لکھا ہے کہ سیبویہ نے لکھا ہے کہ العبد دراصل صفت ہے لیکن اب اسے اسماء کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ الشیخ زکریا رحمہ اللہ نے فتح الرحمان میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے بعبدہ فرمایا ہے۔ نبیہ یا حبیبہ نہیں فرمایا تاکہ آپ ﷺ کی امت گمراہ نہ ہو جائے یا رب تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے عبودیت کا وصف بیان کرنا اشرف مقامات میں سے ہے۔

الاستاذ، ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ مومن کے لیے مقام عبودیت سے افضل، اعلیٰ اور اشرف کوئی مقام نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اشرف مقامات پر اسی نام سے یاد فرمایا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔ (الاسراء:۱)

ترجمہ: "ہر (عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔ (الکہف:۱)

ترجمہ: "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے نازل فرمائی اپنے بندے پر یہ کتاب۔"

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ (النجم:۱۰)

ترجمہ: ''پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔''

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (الفرقان:۱)

ترجمہ: ''بڑی خیر و برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندے پر۔''

شیخ عبدالباسط البلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ''اسی سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو اس وصف سے کیوں یاد فرمایا جبکہ اپنے اس فرمان سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے سیادت کا وصف بیان فرمایا۔

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا۔ (آل عمران:۳۹)

ترجمہ: ''سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا۔''

امام ابوالقاسم القشیری نے فرمایا ہے: ''اسی مفہوم میں یہ اشعار پڑھو:

یا قومِ قلبی عند زهراء   یعرفه السامع والرائی

لا تدعنی الابیا عبدها   فانّه اشرف اسمائی

ترجمہ: ''اے میری قوم! میرا دل زہراء (محبوب) کے پاس ہے۔ ہر سننے والا اور دیکھنے والا اسے جانتا ہے۔ تم مجھے "یا عبدھا" کے لقب سے ہی یاد کرو۔ یہ نام میرے سارے اسماء میں سے افضل ہے۔''

العوفی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ الٰہیت، سیادت اور ربوبیت درحقیقت اللہ رب العزت کے لیے ہیں۔ کسی اور کے لیے نہیں۔ اس کے علاوہ ہر مخلوق کے لیے عبودیت کا وصف حقیقی ہے۔ جب وہ مقام عبودیت میں ہوگا وہ درحقیقت اپنے اصلی مقام پر ہوگا۔ حقیقی مرتبہ اشرف مراتب میں سے ہوتا ہے کیونکہ حقیقت کے بعد مجاز ہوتا ہے حق کے بعد گمراہی ہی ہے۔''

البرہان النسفی نے لکھا ہے ''جب حضور نبی کریم ﷺ شب معراج بلند درجات اور رفیع مراتب تک پہنچے رب تعالیٰ نے آپ پر وحی کی: ''محمد عربی! ﷺ کس نام سے پکاروں؟ آپ نے عرض کی: ''مولا! اپنی ذات کی طرف عبودیت کی نسبت کو فراموش نہ کرنا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔ (الاسراء:۱)

ترجمہ: ''ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات سیر کرائی جس نے اپنے محبوب بندے کو۔''

عبد اور عبودیت کے بارے علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ الفاظ کے معانی مختلف ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مقام و منصب کے مطابق گفتگو کی ہے۔ ابوحفص النیساپوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''عبد وہ ہوتا ہے جو اپنے آقا کے اوامر پر

خوشی خوشی عمل کرتا ہے۔ وہ اسے جو بھی حکم کرتا ہے۔" ابن عطاء رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "عبد وہ ہوتا ہے جس کی ملکیت میں کچھ بھی نہ ہو" الجریری نے لکھا ہے "عبد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے اخلاق کو اپنا لے" حضرت رویم رحمہ اللہ نے کہا ہے: "عبد کی عبودیت اس وقت متحقق ہوتی ہے جب وہ مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دے۔ اپنی قوت و طاقت سے برأت کا اظہار کرے وہ جان لے کہ سب کچھ اس کے لیے اور اس کے ساتھ ہے۔" حضرت عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "تم اس وقت وصفِ عبودیت سے متصف ہو گے جب تم اپنے آپ کے لیے کچھ بھی ملکیت نہ دیکھو تم یہ سمجھو کہ تم کسی نقصان یا فائدہ کے مالک نہیں ہو۔" رب تعالیٰ اس پر رحم کرے جس نے یہ اشعار لکھے ہیں:

و کنت قدیما اطلب الوصل منهم	فلمّا اتانی العلم و ارتفع الجهل
تیقنت ان العبد لا مطلب له	فان قربوا فضل و ان ابعدوا عدل
ان اظهروا لم یظهروا غیر و صفهم	و ان ستروا والستر من اجلهم یحلو

ترجمہ: "میں قدیمی زمانہ سے ان سے وصال کا متمنی تھا۔ جب میرے پاس علم آیا تو جہالت ختم ہو گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ عبد کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ قرب بخش دیں تو یہ فضل ہے اگر وہ دور کر دیں تو یہ عدل ہے۔ اگر وہ ظاہر کریں تو اپنے وصف کے علاوہ کسی کا اظہار نہ کریں اگر وہ مخفی کریں تو ان کی وجہ سے پوشیدگی بھی شیریں ہوتی ہے۔"

امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "عبد کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جسم اور روح سمیت معراج کرائی کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴿۱۰﴾ (العلق: ۹،۱۰)

ترجمہ: "(اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔"

لیلاً پر گفتگو:

الحافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے "لیلاً" الاسراء کے لیے ظرف ہے یہ تاکید کے لیے ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مجاز کا وہم ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی اس کا اطلاق دن کے وقت چلنے پر بھی ہوتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے یہ سیر رات کے کچھ حصہ میں ہوئی۔ ساری رات میں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اہل عرب کہتے ہیں سریٰ فلان لیلاً۔ جب وہ رات کا کچھ حصہ ہی چلے۔ "سریٰ فی لیلۃ" اس وقت کہتے ہیں جب وہ ساری رات چلے جب یہ چلنا رات کے وقت ہو تو

اسریٰ لیلاً نہیں کہا جاتا۔" رات کے ابتدائی حصہ میں چلنے کو ادلج کہا جاتا ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے فرمایا:

فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا ۔ (الدخان:۲۳)

ترجمہ: "لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات۔"

ابو شامہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے "اسریٰ کو رات کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ سفر رات کے وقت ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ (یونس:٦٧)

ترجمہ: "اور روشن دن بنایا۔"

یعنی اس میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ لیل نائم و ساھر کے باب سے ہے یعنی اس میں نیند اور بیداری حاصل ہوتی ہے۔ یہ مجاز کے ابواب میں سے مشہور باب ہے۔

بہت سے لوگوں نے اسے مشکل سمجھا ہے کہ "لیلاً" الاسراء کی ظرف ہو۔ اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ الاسراء سے مراد رات کو چلنا ہے۔ الاسراء کو جب مطلق رکھا جاتا ہے تو یہ بات سمجھ آجاتی ہے۔ کہ یہ رات کے وقت واقع ہوا تھا۔ یہ الصبوح فی شرب الصباح کی طرح ہے۔ یہ اس قول کا محتاج نہیں ہے۔ میں نے وقتِ صبح، صبح کا مشروب پیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت اسی طرح ہے لیکن اہلِ عرب بعض اوقات یوں کر لیتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ تاکید کا ارادہ کریں۔ تاکید ان کے کلام کی انواع میں سے ایک نوع اور ان کا اسلوب ہے۔ عرب کہتے ہیں اخذ بیدیہ و قال بلسانہ۔ قرآن عزیز میں ہے:

وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ ۔ (الانعام:۳۸)

ترجمہ: "اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے۔"

یَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ ۔ (آل عمران:١٦٧)

ترجمہ: "وہ کہتے ہیں اپنے مونہوں سے۔"

فَخَرَّ عَلَیۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ ۔ (النحل:۲٦)

ترجمہ: "پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے۔"

جریر نے کہا ہے:

سریٰ نحوها لیلاً کأن نجومه قنادیل فیهن الذبال المنقل

ترجمہ: ''وہ رات کے وقت اس کی طرف گیا گویا کہ اس کے ستارے قندیل ہیں جن میں بتیوں کے دھاگے ہیں''۔

ذبال، ذبالۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد فتیلہ ہے۔

الجوہری نے لکھا ہے 'لیلاً' اس لیے فرمایا ہے اگرچہ سریٰ کا معنی رات کو سفر کرنا ہی ہوتا ہے تاکہ تاکید حاصل ہو جائے یہ اس طرح ہے: ''سرت امس نهارا والبارحة لیلاً''

علامہ زمخشری نے لکھا ہے ''اگر تم کہو کہ الاسراء کا معنی رات کو چلنا ہوتا ہے تو پھر اللیل کا تذکرہ کیوں کیا؟ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے لیلاً جو نکرہ فرمایا جو اسراء کی مدت کی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے لے کر شام تک کا فاصلہ رات کے مختصر حصہ میں طے ہوا۔ حالانکہ یہ چالیس راتوں کی مسافت ہے۔ اس میں تنکیر بعضیت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قرأت ''من اللیل'' بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء:۷۹)

ترجمہ: ''اور رات کے بعض حصہ میں اٹھو اور نماز تہجد ادا کرو یہ نماز زائد ہے آپ کے لیے''۔

اس آیت طیبہ میں بعض رات قیام کرنے کا حکم ہے۔

ابوشامۃ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: ''اس وجہ میں کوئی حرج نہیں۔ امام سخاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: ''رب تعالیٰ نے فرمایا: 'لیلاً' الاسراء رات کے وقت ہی سفر کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جو مسافت اس رات کے حصہ میں طے کی گئی وہ چالیس راتوں سے کم مدت میں بھی طے نہیں ہو سکتی تھی۔ معنی یہ ہوگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے ایک حصہ میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مقام سے اس مقام تک سیر کرائی۔ یہ تعجب کا مقام ہے۔ لیلۃ کی جگہ لیل کا تذکرہ کیا گیا ہے کیونکہ جب کہا جائے سریٰ لیلۃً تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے ساری رات سفر کیا۔ اگر لَیل کا لفظ ذکر کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ رات کے کچھ حصہ میں سفر کیا گیا۔

صاحب الفواد نے علامہ زمخشری کے قول کا تعاقب کیا ہے۔ اس میں الطیبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے: ''یہ بھی امکان ہے کہ تنکیر سے مراد تعظیم و تفخیم ہو۔ مقام اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سورت کا آغاز ایسے کلمہ سے کیا گیا ہے جو اس تعظیم کی خبر دے رہا ہے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ وصف عبدیت سے کیا۔ پھر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا تذکرہ کیا۔ پھر مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکت کا تذکرہ کیا۔ زمانہ کی تعظیم کی گئی۔ پھر ان آیات اور نشانیوں کی تعظیم کی گئی جو

اس کی طرف منسوب ہیں۔آیات کو جمع ذکر کیا۔تاکہ یہ آیات کی ساری انواع کو شامل ہو جائے۔یہ سب کچھ اس امر کی تصدیق کر رہے ہیں جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔مفہوم یہ ہے کہ اس ہستی پاک کی کیا شان ہے جس کو سیر کرائی گئی جس کے لیے مقام عبدیت متحقق ہے۔آپ نے رات کے مختصر حصہ میں عنایات سرمدیہ حاصل کیں۔اس رات کی شان کتنی عظیم ہے۔

ابن المنیر رحمہ اللہ نے فرمایا:"رات کے وقت معراج اس لیے ہوئی کیونکہ یہ خلوت کا وقت ہوتا ہے۔خصوصیت کا وقت ہوتا ہے۔یہ اس نماز کا وقت ہے جو صرف آپ پر فرض تھی۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (المزمل:۲)

ترجمہ: "(نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا۔"

اور تاکہ اہل ایمان کے ایمان بالغیب میں اضافہ ہو اور کافر کے لیے فتنہ بنے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے:"اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت ہمارے نبی کریم ﷺ پر کئی کرم نوازیاں کیں۔ان میں سے بعض یہ ہیں:

1. چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔جنات کا آپ ﷺ پر ایمان لانا۔آپ کے صحابہ کرام کا ان کی آگ دیکھنا۔(صحیح مسلم)

رات کے وقت آپ کا غار کی طرف تشریف لے جانا۔رات اصل ہے۔مہینہ کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔اس کی سیاہی بصارت کی روشنی کے ساتھ ملتی ہے۔اس میں داستان گوئی سے لطف اٹھایا جاتا ہے۔آپ اکثر سفر رات کے وقت ہی کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:"تم رات کا سفر کیا کرو۔رات کے وقت زمین کو سمیٹ دیا جاتا ہے۔رات عبادت کے لیے کوشش کرنے کا وقت ہوتا ہے۔آپ رات کے وقت اتنا زیادہ قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدمین شریفین سوجھ جاتے تھے۔رات کے وقت قیام کرنا آپ پر واجب تھا۔آپ کی عبادت رات کے وقت زیادہ ہوتی تھی۔اسی لیے آپ کو رات کے وقت ہی معراج کرائی گئی۔تاکہ آپ کی تصدیق کرنے والے کا اجر زیادہ ہو سکے۔تاکہ وہ ایمان بالغیب والوں کی صف میں شامل ہو سکے۔رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں رات کو دن سے مقدم ذکر کیا ہے۔ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ۔ (الاسراء:۱۲)

ترجمہ: "اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو قدرت کی دو نشانیاں۔"

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝ (الفرقان:۶۲)

ترجمہ: "اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لیے جو چاہتا ہے کہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔"

صحیح روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہمارا رب تبارک وتعالیٰ رات کو جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے" ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اسے معاف کروں۔"

یہ خصوصیت دن کو عطا نہیں کی گئی۔ حضور ﷺ نے اس رحمت، دوگنا اجر اور دعا کی اجابت کی جلدی کا تذکرہ کیا جو اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس میں فلسفیوں کے اس قول کا بھی ابطال ہے کہ رات کی شان میں سے اہانت اور شر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت کئی اقوام کو سرفرازیاں عطا کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں فرمایا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ۔ (الانعام:۷۶)

ترجمہ: "پھر جب چھا گئی ان پر رات۔"

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ۔ (الحجر:۶۵)

ترجمہ: "آپ لے کر نکل جائیے اپنے اہل وعیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے۔"

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً۔ (الاعراف:۱۴۲)

ترجمہ: "اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس راتوں کا۔"

ہم نے ان کے ساتھ مناجات کیں۔ رات کے وقت انہیں اپنے اہلِ خانہ کو لے جانے کا حکم دیا۔ بعض اہلِ اشارات نے لکھا ہے: "جب اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی کو مٹایا:

وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔ (الاسراء:۱۲)

ترجمہ: "اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن۔"

رات کا دل ٹوٹ گیا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کو معراج کرائی گئی۔

ابوامامۃ بن نقاش علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "حضور اکرم ﷺ کے حق میں شب معراج لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ جبکہ آپ کی امت کے حق میں لیلۃ القدر افضل ہے۔ کیونکہ امت کو ایک رات عبادت کرنے کا ثواب اسی سال سے زائد ملتا ہے۔ جبکہ شب معراج میں عمل کرنے کے ثواب کا تذکرہ نہ صحیح روایت میں ہے نہ ضعیف میں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اسے معین نہیں فرمایا۔ امام بلقینی علیہ الرحمۃ کے اس شعر سے بھی یہی علم ہوتا ہے شب معراج لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

اولاک رؤیتہ فی لیلۃ فضلت　　لیالی القدر فیھا الرب ارضاک

ترجمہ: "اس نے اس رات کو آپ کو اپنا دیدار کرایا جو شب قدر سے فضیلت پا گئی اس میں آپ کے رب نے آپ

کو راضی کر دیا۔"

"الاصطفاء" میں ہے: "شاید اس میں یہ حکمت ہے کہ اس میں آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا جو ہر چیز سے افضل ہے۔ اس لیے اسے کسی عمل کا مطلق ثواب نہیں بنایا۔ بلکہ وہ اسے روزِ قیامت اپنے بندوں پر بطور احسان فرمائے گا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا دن افضل ہے یا رات؟ کسی نے دن کو اور کسی نے رات کو ترجیح دی۔ امام ابو الحسین بن فارس نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس میں ہر ایک کے افضل ہونے کی علیحدہ علیحدہ وجوہات بیان کیں ہیں۔

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پر گفتگو

اس جگہ مِنْ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ علامہ زرکشی نے اپنی کتاب "اعلام الساجد باحکام المساجد" میں لکھا ہے کہ اَلمَسجِد اَلمَفعِل کے وزن پر ہے۔ یہ سجدہ کرنے کی جگہ کا نام ہے۔ یہ فتح کے ساتھ اسم مصدر ہے۔ ابوزکریا الفراء نے لکھا ہے: "ہر وہ فعل جو فَعَلَ یَفْعُلُ کے وزن پر ہو۔ جیسے دَخَلَ یَدْخُلُ تو اس میں اَلمفعل کا صیغہ فتح کے ساتھ آتا ہے۔ خواہ وہ اسم ہو یا مصدر۔ ان میں فرق نہیں ہوتا جیسے دَخَلَ مَدْخَلاً۔ وہ اسماء جن کے عین کلمہ کو کسرہ دیتے ہیں۔ وہ یہ ہیں المسجد، المطلع، المغربی، المشرق وغیرھا۔ انہوں نے کسرہ کو اسم کی علامت قرار دیا ہے۔ بعض اہلِ عرب نے اسے فتح دیا ہے۔ المسجد کو المسجَد اور المطلِع کو المطلَع بھی پڑھا گیا ہے۔ فتح ان سب میں جائز ہے۔ اگرچہ ہم نے اس کے بارے نہیں سنا۔

"الصحاح" میں ہے: "المسجَد انسان کی پیشانی کی وہ جگہ ہے جس پر سجدہ کیا جاتا ہے۔" ابوحفص الصقلی نے اپنی کتاب تثقیب اللسان میں لکھا ہے: "اسے مَسجد پڑھا گیا ہے۔ کئی علماء نے اسی طرح لکھا ہے۔ مسجد چھوٹی چٹائی کو کہا جاتا ہے۔ عرف میں زمین کی ہر جگہ کو مسجد کہا جا سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے لیے زمین کو مسجد اور پاکیزگی بنا دیا گیا ہے۔"

سجدہ نماز کے افضل افعال میں سے ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے۔ جگہ کا نام اسی سے مشتق کر لیا گیا ہے۔ اسے مسجد کا نام دیا گیا مَرْ یع نہ کہا گیا عرف میں اس جگہ کو اس نام سے مختص کیا گیا جو پانچ نمازوں کے لیے مختص کی گئی ہو۔ حتیٰ کہ عید گاہ کو مسجد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح مدارس کو بھی مسجد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انہیں اس مقصد کے لیے نہیں بنایا گیا۔

"اَلْحَرَامِ" پر گفتگو

ابوشامہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "الحرام کی اصل المنع ہے۔ اسی سے بیت الحرام ہے۔ فلاں حرام کہا جاتا ہے یعنی فلاں

محرم ہے۔ یہ حلال کی ضد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے محرم کو ان امور سے روک دیا جاتا ہے۔ جو دوسروں کے لیے جائز ہوتے ہیں۔ اسی طرح حرم میں ان امور سے روک دیا گیا ہے جو دوسرے شہروں میں حلال ہیں۔ علامہ ماوردی نے کتاب الجزیہ میں لکھا ہے "ہر وہ جگہ جہاں رب تعالیٰ نے المسجد الحرام کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد حرام ہے۔ مگر رب تعالیٰ کا یہ فرمان اس سے مستثنیٰ ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (البقرۃ:۱۴۴)

ترجمہ: "(لو) پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔"

اس سے مراد خانہ کعبہ معظمہ ہے۔ الحافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "مسجد حرام کا لفظ دراصل خانہ کعبہ کی حقیقت ہے۔" رب تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹۶﴾ (آل عمران:۹۶)

ترجمہ: "بیشک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بڑا برکت والا ہے ہدایت کا سرچشمہ سب جہانوں کے لیے۔"

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس اول مسجد کے بارے عرض کی جو روئے زمین پر سب سے پہلے بنائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" بعد میں یہ لفظ اس مسجد کے لیے استعمال فرمایا جو خانہ کعبہ معظمہ کے اردگرد تھی۔ آپ نے فرمایا: "مسجد حرام میں ادا کی گئی ایک نماز کا ثواب اتنی اتنی نمازوں کے برابر ہے۔" آپ نے یہ استعمال تغلیب مجازی کے طور پر کیا۔ اسی طرح اس شخص نے بھی اسے تغلیب مجازی کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مسجد حرام سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ (الاسراء:۱)

ترجمہ: "ہر (عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے۔"

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ افروز تھے۔ یہ گھر مکہ مکرمہ کے گھروں میں سے ایک تھا۔ حرم پاک ان کے اردگرد تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

ترجمہ: "یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔"

یہ سب کچھ باب تغلیب سے ہے جو مجاز کے لیے جائز ہے۔ اس میں وسعت ہے ورنہ مسجد حرام کے لفظ کی جگہ میں اشتراک لازم آتا۔ مجاز اس سے اولیٰ ہے۔ اشتراک کے بارے کیسے کہا جا سکتا ہے اسے بولتے ہی اس کا اطلاق خانہ کعبہ پر ہوتا ہے۔ یا اس مسجد پر ہوتا ہے جو اس کے اردگرد ہے۔ کسی قرینہ کی وجہ سے ہی اس سے پورا مکہ مکرمہ مراد ہو سکتا ہے۔

اقصیٰ پر گفتگو

علامہ برھان الدین النسفی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ "اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ اس کو مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کے اور مسجد حرام کے مابین بہت زیادہ مسافت ہے۔" علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ اسے مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس سے پرے کوئی مسجد نہ تھی۔ الکفیل نے لکھا ہے کہ اس مسجد کے لیے یہ وصف ثابت ہو گیا ہے اگرچہ اس سے پرے اور بھی مساجد ہوں۔ جو اس سے بھی دور ہوں کیونکہ جب ایک نام کسی سبب کی وجہ سے معروف ہو جاتا ہے تو سبب کے زائل ہونے سے وہ ختم نہیں ہوتا۔

ابن دحیۃ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے لے کر بعد کے سارے انبیاء کرام علیہم السلام اسی جگہ سے تشریف لائے۔ اسی لیے سارے انبیاء کرام علیہم السلام اسی جگہ جمع ہوئے۔ کیونکہ یہ ان کا گھر تھا۔ تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ آپ رئیس مقدم اور امام اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

حضرت ابو شامۃ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "اس سے مراد وہ بیت المقدس ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آباد کیا ہے۔ یہ ہمیشہ محترم و مکرم رہا۔ یہ ان تین مساجد سے ایک ہے۔ جن کی تعظیم اور زیارت کے لیے سفر کیا جاتا ہے۔ یہ مسجد اہلِ مکہ یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت دور تھی۔ اس لیے اسے الاقصیٰ کہا گیا۔ اقصیٰ القصی سے افعل کے وزن پر ہے۔ القاصی سے مراد بعید ہے۔

ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے" آپ کو پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی گئی۔ اس میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ سرکش پر حق کا اظہار ہو سکے۔ اگر مکہ مکرمہ سے آسمان کی طرف سیر کرائی جاتی تو سرکش اور دشمن کے لیے تفصیل و بیان کا راستہ نہ رہتا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ آپ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی تو انہوں نے آپ سے بیت المقدس کی اشیاء کے بارے سوالات کیے۔ کیونکہ انہوں نے اسے دیکھا تھا، اسے جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آپ پہلے وہاں تشریف نہیں لے گئے۔ جب آپ نے انہیں اس کے بارے بتایا تو آپ کی صداقت عیاں ہو گئی کہ آپ نے رات کے قلیل حصہ میں مسجد اقصیٰ کی سیر کی۔ جب اتنے سفر کی صداقت ثابت ہو گئی تو بقیہ واقعات کی صداقت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔

ایک قول یہ ہے تاکہ آپ ﷺ کی معراج بالکل سیدھی ہو۔ کیونکہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آسمان کا ایک دروازہ جسے مصعد الملائکۃ کہا جاتا ہے وہ بیت المقدس کے مقابلہ میں ہے۔ آسمان اس سرزمین سے اٹھارہ میل قریب ہے۔

الحافظ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "اس میں اعتراض کی گنجائش ہے" ایک قول یہ ہے تاکہ آپ ﷺ دونوں قبلوں کو جمع کریں کیونکہ اکثر انبیائے کرام نے بیت المقدس کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ کو بھی اس کی طرف جانے کا سفر حاصل ہو جائے تاکہ فضائل کے سارے اسباب جمع ہو جائیں۔ ایک قول کے مطابق یہ حشر کی جگہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آپ کے قدمین شریفین وہاں بھی لگ جائیں۔ تاکہ ان قدمین شریفین کی برکت سے آپ کی امت پر روزِ حشر آسان ہو جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ کو وہ قبلہ دکھادے جس کی طرف مدت تک آپ رخ انور کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ جس طرح کہ آپ اس خانہ کعبہ کو جانتے تھے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ انہیں آپ کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ ایک قول یہ ہے تاکہ اسے حسًا اور معنًی برکت حاصل ہو جائے۔

ابن دحیۃ نے لکھا ہے "یہ احتمال بھی ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو کہ اس سرزمین کو آپ کے قدمین شریفین کی برکت سے مشرف فرمادے۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کی نماز کی برکت سے اس کی تقدیس مکمل ہو جائے۔ جب اس کی تقدیس مکمل ہو گئی تو آپ نے فرمایا: "زیارت اور تعظیم کے لیے صرف تین مساجد کی طرف منہ کرنا شرعاً روا ہے۔"

- ➊ مسجد حرام۔ کیونکہ یہ آپ کی ولادت گاہ ہے۔ اسی جگہ سے آپ کے سر اقدس پر نبوت کا تاج سجایا گیا ہے۔
- ➋ مسجد نبوی۔ یہ آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ آپ کا روضہ انور اسی جگہ ہے۔
- ➌ مسجد اقصیٰ۔ کیونکہ یہ آپ کی معراج کی جگہ ہے۔

رموز الکنوز میں ہے: "اگر کوئی یوں کہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں تھیں۔ رب تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو آسمان کی طرف جانے کے بارے کیوں نہ بتا دیا؟ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں تاکہ وہ ایمان کی سمت استدراجاً (آہستہ آہستہ) بڑھیں۔ پہلے اسراء کا تذکرہ کیا۔ جب آپ کی صداقت کی علامات عیاں ہو گئیں۔ آپ کی رسالت کے دلائل سچ ثابت ہو گئے۔ وہ اس معجزہ سے مانوس ہو گئے تو انہیں اس معجزہ سے آگاہ فرمایا جو اس معجزہ سے بڑا تھا۔ یعنی آپ کی معراج۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بارے بتایا۔ اللہ رب العزت نے سورۃ النجم نازل کی۔

امام رازی اور برہان نے لکھا ہے "الیٰ" کا کلمہ غایت کی انتہاء کے لیے ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان "اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا" کا مدلول یہ ہے کہ آپ مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے تھے۔ اس میں یہ مدلول نہیں کہ آپ اس کے اندر

بھی تشریف لے گئے تھے۔"

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ محققین نے لکھا ہے جب "الیٰ" انتہائے غایت کے لیے ہو اور قرینہ تقاضا کرے کہ مابعد میں داخل ہو گیا ہو گا تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ جیسے کوئی کہے "قرأت القرآن من اوله الىٰ آخره" آخر کا ذکر اس جگہ قرینہ ہے کیونکہ اسے غایت بنایا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق قرینہ یہ ہے کہ سارے قرآن پاک کے حفظ کی وجہ سے کلام مسبوق ہے۔ یہ امر غایت کے خروج کے منافی ہے۔ لہٰذا دخول کا تعین ہو گیا۔ یا قرینہ مابعد کے خروج پر دلالت کرے گا تو اس پر بھی عمل کیا جائے گا۔ جیسے

اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ (البقرہ:۱۸۱)

ترجمہ: "پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔"

اسراء کی آیت میں قرینہ یہ علم ہے کہ شاید آپ بیت المقدس کی طرف سیر نہ کرائی گئی ہو۔ شاید آپ اس کے اندر تشریف نہ لے گئے ہوں لیکن صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ آپ بیت المقدس میں تشریف لے گئے تھے۔

بارکنا حوله پر بحث

امام راغب علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ برکت سے مراد کسی چیز میں خیر الٰہی کا ثبوت ہے اور مبارک وہ ہوتا ہے جس میں خیر ہو۔ "المصباح میں ہے البرکۃ سے مراد نمو اور زیادتی ہے۔ مبارک دراصل مبارک فیہ ہے۔ "النموذج میں ہے" اگر کہا جائے کہ رب تعالیٰ نے کیسے فرمایا: "بارکنا حوله" لیکن "بارکنا علیه یافیه" نہیں فرمایا۔ جبکہ مسجد کے اندر برکت اس کے اردگرد کی برکت سے زیادہ ہوتی ہے۔ خصوصاً مسجد اقصیٰ میں" ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی برکات جیسے رواں نہریں اور ثمر آور درخت۔ یہ برکات مسجد کے اردگرد ہیں۔ اس کے اندر نہیں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینی برکات ہیں۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقر تھا۔ یہ ان کی عبادت گاہ اور وحی اور ملائکہ کے نزول کی جگہ ہے۔ رب تعالیٰ نے بارکنا حولہ فرمایا تاکہ اس کی برکت عام ہو جائے۔ اس سے مراد مسجد اقصیٰ کے اردگرد وہ امور ہیں جو سرزمین شام اور اس کے اردگرد ہیں۔ یہ بیت المقدس کے رقبہ سے زیادہ ہیں یا گویا کہ بیت المقدس اصل ہے۔ رب تعالیٰ نے جب اس کے اردگرد برکات رکھ دیں ہیں تو اس کے اندر بدرجہ اولیٰ برکات ہوں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینی اور دنیوی برکات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ برکات ہیں جو اس سے پھوٹتی ہیں پھر ساری روئے زمین میں پھیل جاتی ہیں۔ کیونکہ زمین کی ساری نہروں کا منبع بیت المقدس کی چٹان کے نیچے ہے۔

التفیل میں ہے "اگر کہا جائے کہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکت ہے تو پھر مسجد حرام اس سے ممتاز کیسے ہو گی؟ میں کہتا ہوں "مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکات دنیا، شادابی اور سبزہ کے اعتبار سے ہیں۔ جبکہ مسجد حرام کے ارد گرد برکات دین، فضل، اس میں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور اس کی زیارت کرنے والوں کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دینے کے اعتبار سے ہیں۔ کیونکہ اجر تھکاوٹ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہ بے آب وگیاہ وادی ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے دنیاوی شادابی اور وسعت سے منزہ فرمایا ہے۔ تاکہ اس کی طرف قصد دنیا کے قصد کے ساتھ نہ ملا ہو۔ یہ دینی برکت ان دنیاوی برکات سے افضل ہے۔"

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ط

السمین اور ابن عادل نے لکھا ہے کہ عام قراء نے اسے نریہ پڑھا ہے۔ انہوں نے بارکنا کا اعتبار کیا ہے۔ اس میں غائب سے التفات ہے۔ یعنی اسریٰ بعبدہٖ (غائب) سے بارکنا، نریہ (متکلم) کی طرف التفات ہے۔ حسن نے اسے لیریہٗ پڑھا ہے۔ اس قرأت کے اعتبار سے اس میں چار التفات ہوں گے۔ پہلا التفات غائب سے متکلم کی طرف پھر متکلم سے غائب کی طرف پھر متکلم کی طرف اور پھر غائب کی طرف التفات ہے۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے "التفات بلاغت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔"

الطیبی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کا فرمان "سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" یہ آپ ﷺ کی عالم شہادت سے عالم غیب کی سیر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ غائب کے ہی مناسب ہے "الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ" برکات کے انزال منزل کی عظیم شان پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تفخیم کے زیادہ مناسب ہے۔ لنریہ یہ مقام سرا اور اس عالم سے غائب ہونے کا اعادہ ہے۔ اس لیے یہاں غائب ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ من آیاتنا یہ گزشتہ امور کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ آپ کے رفیع مقام، قریب اور رب تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وہ مجھ سے سنتا ہے وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔" غائب کی طرف التفات اس جگہ بہت مناسب ہے۔

رؤیت سے مراد وہ عجائب اور نشانیاں ہیں جو اس رات آپ کو دکھائی گئیں۔ جو رب تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ آپ ﷺ نے کیا۔

ابو شامہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "اس جگہ من تبعیض کے لیے ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ نشانیاں حضور امام الانبیاء ﷺ نے ملاحظہ فرمائی تھیں لیکن وہ علامات اور نشانیاں رب تعالیٰ کی ساری علامات، قدرتوں اور نشانیوں کے اعتبار سے بعض ہی تھیں۔ کسی چیز کی ظاہری علامت کو آیت کہا جاتا ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال اس

امر پر ہونے لگا۔ جو رسل عظام علیہم السلام کی صداقت، معبود برحق اور کرامات اولیاء پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

برھان میں ہے "اگر کہا جائے کہ یہ آیت طیبہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض آیات ہی دکھائی تھیں۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (الانعام:۷۵)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے دکھا دی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔"

یہ فرمان اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ساری نشانیاں دکھائی تھیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معراج حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج سے افضل ہو۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں "آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت بھی بعض نشانیاں بھی ہیں۔ یہ بھی مخصوص نشانیاں ہیں۔ بعض مطلق بعض مخصوص سے افضل ہے۔ کیونکہ مطلق کو کامل کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ اس کا مشہور جواب یہ بھی ہے کہ بعض آیات الٰہیہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت سے افضل ہیں۔"

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

السمین نے لکھا ہے کہ صحیح نظریہ یہ ہے کہ انہ میں ضمیر اللہ رب العزت کے لیے ہے۔ الطیبی نے لکھا ہے "یہ بھی بعید نہیں ہے کہ یہ ضمیر العبد کی طرف لوٹ رہی ہو۔ جیسے ابوالبقاء نے بعض علماء سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "وہ ذات بابرکات ہماری گفتگو سماعت کرنے والی ہے۔ ہماری ذات کو دیکھنے والی ہے۔ ضمیر الفعل کو درمیان میں لانا یہ اس احساس کے لیے ہے کہ یہ عزت صرف اسی ذات والا کے ساتھ مختص ہے، شاید اس ضمیر میں جو جواز ہے وہ دونوں امور کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت کو دیکھا بھی اور اس کا کلام بھی سنا۔"

علامہ ماوردی نے لکھا ہے "اس جگہ السمیع اور البصیر کو دو وجوہات کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے۔

1. اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی ذاتِ والا کا وصف بیان کیا۔ اگرچہ یہ ایسی صفات ہیں جو سارے احوال میں رب تعالیٰ کی ذات کو لازم ہیں کیونکہ اسراء کی شب، رات کی تاریکی میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت اسی ذات نے کی تھی۔ آپ کا اس میں نہ دیکھنا آپ کو نقصان نہیں دیتا۔ اس ذاتِ والا نے اپنے عبد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں سنیں اور ہر التجاء کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔

2. جب آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "السمیع" وہ تصدیق یا تکذیب کو سن رہا ہے۔ البصیر

جو کچھ آپ نے معراج کی رات کو کیا تھا۔ وہ رب تعالیٰ دیکھ رہا تھا۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے "وہ ذات بابرکات حضور اکرم ﷺ کے فرامین کو سنتی ہے۔ البصیر وہ آپ کے افعال مبارکہ کو دیکھتی ہے۔ وہ ان کے خلوص اور تہذیب سے آگاہ ہے۔ اسی کے مطابق وہ آپ کو اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔" علامہ الطیبی اور السکونی نے گرفت نہیں کی۔

صاحب الکفیل نے لکھا ہے "اس جگہ رب تعالیٰ نے دو اوصاف السمیع اور البصیر کا تذکرہ کیا ہے یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ وہ ذات بابرکات خوب جانتی ہے کہ وہ اپنے رسالات اور کرامات کو کہاں رکھے۔ وہ اپنی نشانیوں کو دیکھ رہا ہے جیسے وہ ذات اعلم ہے اسی طرح وہ السمیع اور البصیر بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ سن رہا ہے اسراء کی تصدیق کون کر رہا ہے اور تکذیب کرنے والے کو دیکھ رہا ہے۔" انہوں نے علامہ زمخشری کا سابقہ کلام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے "اس کلام میں جزاء کے وجوب اور اس عقیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ نبوت کے فضائل مکتسبہ ہیں۔" اس عقیدہ سے اجتناب کرو۔

امام غزالی نے لکھا ہے: "سمیع وہ ہوتا ہے جس کے ادراک سے کوئی مسموع نہ چھپ سکے خواہ وہ کتنا ہی مخفی ہو۔ وہ سر اور سرگوشی سن لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی ادق اور مخفی چیز کو سن لیتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں سخت چٹان پر چلنے والی کالی چیونٹی کے چلنے کی آواز سن سکتا ہے۔ وہ کانوں اور سوراخوں کے بغیر سن لیتا ہے۔ اس کا سننا اس بات سے پاک ہے کہ واقعات اس کی طرف راہ پائیں۔ تم مسموعات کے تغیر سے سمع کی جتنی بھی پاکی بیان کرلو کہ وہ کانوں اور آلہ سے سنتا ہے تم یہ جان لو گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سمع ایسے وصف سے عبارت ہے جس سے مسموعات کی صفات کے کمال منکشف ہوتے ہیں۔ جو اس مسئلہ میں دقتِ نظر سے غور و فکر نہیں کرتا وہ لازماً تشبیہ کے سمندر میں گر جاتا ہے۔ ہوشیار رہو۔ اسے دقیق نظر سے دیکھو۔"

انہوں نے فرمایا ہے "اسی طرح بصیر وہ ذات ہوتی ہے جو دیکھتی ہے مشاہدہ کرتی ہے۔ زیر زمین بھی کوئی چیز اس سے نہیں چھپ سکتی۔ اس کا دیکھنا اس بات سے منزہ ہے کہ وہ پلکوں یا حلقہ سے ہو۔ وہ اس امر سے پاک ہے کہ صورتیں اور رنگ اس کی ذات میں منعکس ہوں جس طرح انسان کے آنکھ کے حلقہ میں اشیاء اور رنگ منعکس ہوتے ہیں۔ یہ تغیرات اور تاثیر حدث کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہ ذات پاک اس سے منزہ ہے۔ اس ذات کے حق میں بصر اس وصف سے عبارت ہوگا جس سے مصنوعات کی صفات کا کمال عیاں ہوتا ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

❁❁❁❁

دوسرا باب

سورۃ النجم کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۗ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم: ۱ تا ۱۸)

ترجمہ: ''قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جب وہ نیچے اترا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جوان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے بڑے دانا نے۔ پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ درماندہ ہوئی چشم مصطفیٰ اور نہ (حدِ ادب) سے آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

اس کے نزول کا سبب

اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین نے بکواس کیا حضور نبی کریم ﷺ قرآن پاک خود گھڑ لیتے ہیں۔

ماقبل سے مناسبت

امام رازی اور برہان النسفی نے فرمایا ہے: ''کہا گیا ہے کہ اس سے سابقہ سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسماء کی قسمیں اٹھائیں ہیں۔ حروف کی قسمیں نہیں۔ جیسے کہ سورۃ الصافات، سورۃ الذاریات اور سورۃ الطور اور یہ سورت مبارکہ۔ پہلی سورت میں قسم وحدانیت کے اثبات کے لیے ہے۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ (الصافات:۴)

ترجمہ: ''تمہارا معبود ایک ہی ہے۔''

دوسری سورت میں وقوع حشر اور جزاء کے لیے قسم اٹھائی۔ جیسے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ (الذاریات:۵،۶)

ترجمہ: ''بیشک جو وعدہ تم سے کیا گیا وہ سچا ہے اور یقیناً سزا کا دن ضرور آئے گا۔''

تیسری آیت طیبہ میں حشر کے وقوع کے بعد عذاب کی ہمیشگی کے لیے قسم اٹھائی۔ فرمایا:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ (الطور:۸،۷)

ترجمہ: ''یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔''

اس سورت مبارکہ میں بیانِ نبوت کے لیے قسم اٹھائی۔ فرمایا: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ (النجم:۱) تاکہ وحدانیت، حشر اور نبوت کے تینوں اصول مکمل ہو سکیں۔ اس کی ماقبل کے ساتھ مناسبت کا ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سرکشی اور بغاوت کی حد کر دی۔ اور آپ کے کلام مبارک پر طعن کیا جیسے کہ اس سورت میں گزر چکا ہے اس سورت میں وہ چیز بیان کی جو آپ کے دعویٰ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ آپ کے کلام مبارک کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ اسے قسم کے ساتھ مؤکد کر کے بیان کیا۔

اس سے مابعد سورتوں کے ساتھ اس کی مناسبت کئی اعتبار سے ہے:

۱۔ اس سورت کا اختتام اور اس سورت کا آغاز النجم سے کیا۔

۲۔ اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کا حکم دیا۔ فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ (الطور:۴۸)

ترجمہ: ''اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے۔''

صبر ایک مشکل کام ہے۔اس سورت کی ابتداء میں وہ امر ذکر کر دیا جو آپ کی عظیم شان اور رفیع منزلت پر دلالت کرتا ہے۔تا کہ صبر کرنا آپ کے لیے آسان ہو جائے۔

۳- جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ (الطور:۴۹)

ترجمہ: ''اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عیاں ہو گیا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو عمدہ جزاء دی ہے۔پھر فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ (النجم:۲)

ترجمہ: ''تمہاری (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔''

شیخ نے اس کی مناسبت کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔وہ یہ کہ سورۃ الطور میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی ذریت کا تذکرہ کیا کہ وہ اپنے آباء کے ہمراہ ہوں گے۔جبکہ اس سورت میں یہودیوں کی اولاد کا ذکر کیا۔فرمایا:

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (النجم:۳۲)

ترجمہ: ''اس وقت سے تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں۔''

ابن المنذر اور ابن حبان نے حضرت ثابت بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہودیوں کا چھوٹا بچہ مرجاتا تو وہ اسے صدیق کہا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا:''یہودی جھوٹ بولتے ہیں جو بچہ بھی رب تعالیٰ ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے وہ شقی یا سعید ہوتا ہے۔''اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے حق میں فرمایا:

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور:۲۱)

ترجمہ: ''اور ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں ان کے عملوں کی جزاء میں ذرہ بھر۔''

یعنی ہم جو کچھ اولاد کو دیں گے اس کی وجہ سے ان کے آباء کے اعمال میں کمی نہیں کریں گے اس وقت کفار یا کبیرہ گناہ کرنے والوں کے بارے کہا:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ (النجم:۳۹)

ترجمہ: ''اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

یہ اس امر کے برعکس ہے جو جھوٹے اہلِ ایمان کے بارے فرمایا:

ابوحیان نے لکھا ہے یہ سورت مبارکہ مکی ہے۔ ما قبل کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ (الطور:۳۳)

ترجمہ: ''کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔''

انہوں نے آپ کو شعر کی طرف منسوب کیا۔ کاہن کہا، مجنون کہا۔ رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ آپ گمراہ نہیں۔
کچھ آپ کے پاس آتا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔ یہ پہلی سورت مبارکہ ہے۔ جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے حرم پاک میں تلاوت
تھا۔ مشرکین نے اسے سنا تھا۔ آپ نے سجدہ کیا تو ایمان والوں، مشرکین اور جن وانس سب نے سجدہ کیا تھا۔ مگر ابولہب
سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس نے مٹھی بھر مٹی لی اور اپنی پیشانی کی طرف لے گیا۔ اس نے کہا: ''یہ کافی ہے'' میں کہتا ہوں ''اس
ابولہب کا ذکر عجیب ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ
سورت جس میں سجدہ تھا وہ النجم تھی۔ حضور ﷺ نے سجدہ کیا سارے لوگوں نے سجدہ کیا۔ مگر ایک شخص نے سجدہ نہ کیا۔ میں
اسے دیکھا اس نے مٹھی بھر مٹی لی اس پر سجدہ کیا۔ میں نے اسے دیکھا کہ اس حالت کفر میں مارا گیا وہ امیہ بن خلف تھا۔
مردویہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا۔ اس وقت جن وا
اور درختوں نے سجدہ کیا۔ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے ''مگر دو افراد نے سجدہ نہ کیا۔ ان میں سے ایک امیہ بن خلف اور دوسرا
بن مغیرہ تھا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا۔ آپ کے
مسلمانوں، مشرکین اور جن وانس نے سجدہ کیا۔

قسم پر بحث

حضرت شیخ نے الاتقان میں فرمایا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ رب تعالیٰ کا قسم اٹھانے کا مفہوم کیا ہے۔ اگر وہ اہلِ ا
کے لیے ہو تو وہ تو قسم کے بغیر خبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر وہ کافر کے لیے ہو تو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ میں ا
جواب دیتا ہوں کہ قرآن پاک لغت عرب کے مطابق نازل ہوا۔ جب وہ تاکید کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔ وہ قسمیں اٹھا
تھے۔'' حضرت ابوالقاسم القشیری نے اس کا جواب یہ دیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کمالِ حجت اور تاکید کے لیے قسمیں اٹھائیں۔
کی وجہ یہ ہے کہ دو افراد کے مابین فیصلہ یا تو گواہی سے ہوتا ہے یا قسم سے۔ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں دو ا
تذکرہ کیا تا کہ کفار کے لیے حجت باقی نہ رہے۔ فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ ۔ (آل عمران:۱۸)

ترجمہ: ''شہادت دی اُس نے کہ بے شک کوئی خدا نہیں سوائے اس کے اور (یہ گواہی دی) فرشتوں اور اہلِ علم نے۔''

قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ (یونس:۵۳)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے ہاں! بخدا یہ سچ ہے۔''

ایک اعرابی نے جب رب تعالیٰ کا یہ فرمان سنا:

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ۝۲۲ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۔ (الذاریات:۲۲،۲۳)

ترجمہ: ''اور آسماں میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے۔''

وہ چیخ اٹھا۔ اس نے کہا: ''اس جلیل کو کس نے ناراض کر دیا حتیٰ کہ اس نے قسم اٹھا دی۔'' قسم معظم نام کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ کبھی رب تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی۔ قرآن پاک میں ایسے سات مقامات ہیں۔

قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ ۔ (یونس:۵۳)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے ہاں قسم بخدا۔''

قُلْ بَلٰى وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ۔ (التغابن:۷)

ترجمہ: ''فرمائیے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا۔''

فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّیٰطِیْنَ ۔ (مریم:۶۸)

ترجمہ: ''اے محبوب! تیرے رب کی قسم ہم جمع کریں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی۔''

فَوَ رَبِّكَ لَنَسْــٴَـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۝۹۲ (الحجر:۹۲)

ترجمہ: ''پس آپ کے رب کی قسم ہم پوچھیں گے ان سب سے۔''

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ (النساء:۶۵)

ترجمہ: ''(اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔''

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ ۔ (المعارج:۴۰)

ترجمہ: ''پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔''

باقی ساری قسمیں مخلوقات کی ہیں۔ مگر کہا جائے کہ رب تعالیٰ نے مخلوق کی کیسے قسم کھائی حالانکہ مخلوق کی قسم اٹھانے سے منع کیا گیا ہے؟ ہم اس کا جواب کئی اعتبار سے دیتے ہیں:

1. اس کا مضاف حذف ہے یہ دراصل و رَبِّ النجم تھا۔
2. اہلِ عرب ان اشیاء کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کی قسمیں اٹھاتے تھے قرآن پاک اسی پر نازل ہوا جسے وہ جانتے تھے۔
3. قسم ان اشیاء کی اٹھائی جاتی ہے۔ قسم اٹھانے والا جنہیں عظیم سمجھتا ہے اور وہ انہیں عظیم سمجھتا ہے۔ رب تعالیٰ سے تو عظیم کوئی چیز نہیں۔ اس لیے اس نے کبھی اپنی ذات کی قسم اٹھائی اور کبھی اپنی پیدہ کردہ اشیاء کی کیونکہ یہ اسی کی قدرت پر دلالت کرتی تھیں۔"

ابن ابی الاصبع نے اپنی کتاب "اسرار الفواتح" میں لکھا ہے "مصنوعات کی قسم صانع کی قسم کو مستلزم ہے کیونکہ مفعول کا ذکر فاعل کے ذکر کو مستلزم ہے کیونکہ مفعول کا وجود فاعل کے بغیر محال ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے جس کے ساتھ چاہا قسم اٹھادی لیکن کسی اور کے لیے روا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھائے۔ قسم یا ظاہری ہوتی ہے یا مضمر۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

1. جس قسم پر لام دلالت کرتی ہے جیسے:

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ ۔ (آل عمران:۱۸۶)

ترجمہ: "یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے۔"

1. قسم جس پر معنی دلالت کرتا ہے جیسے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم:۷۱)

ترجمہ: "اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا۔"

یہاں واللہ مقدر ہے۔

قرآن پاک میں اکثر قسموں کا فعل محذوف ہے۔ ایسی قسمیں واؤ کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اگر یہ باء کے ساتھ ہوں تو فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جیسے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ۔ (الانعام:۱۰۹)

ترجمہ: "اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی۔"

يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ ۔ (النساء:۶۲)

ترجمہ: ''وہ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی۔''

تم باء کے ساتھ قسم فعل کے حذف کے ساتھ نہیں دیکھو گے۔ جس نے باللہ کو قسم کہا اس نے خطاء کی ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان:۱۳)

ترجمہ: ''یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔''

بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ (الاعراف:۱۳۴)

ترجمہ: ''اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔''

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ (المائدہ:۱۱۶)

ترجمہ: ''وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے کوئی حق نہیں اور اگر میں نے کہی ہوتی ایسی بات تو تُو ضرور جانتا اس کو۔''

ابن قیم نے لکھا ہے: ''اللہ رب العزت کچھ امور پر کچھ امور کے ساتھ قسم اٹھاتا ہے۔ وہ اپنے ذات کریمانہ کی صفات کے ساتھ اور ان آیات کی قسم اٹھاتا ہے جو اس کی ذات اور صفات کو متلزم ہیں۔ اس کی اپنی بعض مخلوق کی قسم اٹھانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ چیز اس کی عظیم نشانی ہے۔ قسم یا تو جملہ خبریہ پر ہوگی۔ یہ قسم کثیر ہے جیسے رب تعالیٰ کا یہ فرمان:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۔ (الذاریات:۲۳)

ترجمہ: ''پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے۔''

یا قسم جملہ طلبیہ پر ہوگی۔ جیسے رب تعالیٰ کا یہ فرمان:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ (الحجر:۹۲،۹۳)

ترجمہ: ''پس آپ کے رب کی قسم ہم پوچھیں گے ان سب سے اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اس قسم سے کبھی مقسم علیہ کی تحقیق کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت اس کا تعلق خبر کے ساتھ ہوگا۔ کبھی قسم کی تحقیق مراد ہوتی ہے۔ قسم سے مراد مقسم علیہ کی تاکید اور تحقیق مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا تعلق ایسے امور سے ہو جو عمدہ ہوں۔ جیسے غائب اور خفیہ امور۔ جبکہ ان کے ثبوت پر قسم اٹھائی جائے یا وہ امور مشہور اور ظاہر ہوں جیسے سورج، چاند، رات، دن، آسمان اور زمین۔ اس لیے ان کے ذریعہ قسم اٹھائی جاتی ہے۔ ان پر قسم نہیں اٹھائی جاتی۔ جس چیز کی رب تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے وہ اس کی نشانیوں میں سے ہوتی ہے۔ روا ہے کہ وہ مقسم بہ ہو۔ لیکن اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔

امام رازی نے لکھا ہے: ''بعض سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے جمع سے قسم اٹھائی ہے۔ جیسے والذاریات بعض میں واحد کے ساتھ قسم اٹھائی ہے جیسے والطور۔ اس نے "والاطوار والبحار" نہیں فرمایا۔ اس میں گفتگو یہ ہے کہ وہ اکثر جمع جن کی قسم رب تعالیٰ نے اٹھائی ہے متحرکات ہیں۔ واحد ہوا ایک جگہ قائم اور ثابت نہیں ہوتی کہ اس پر قسم واقع ہو سکے۔ بلکہ اس کی کئی اقسام ہیں۔ یہ اپنی انواع سے بدلتی رہتی ہے۔ اس کا مقصود ہی تغیر و تبدل سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس نے والذاریات فرمایا۔ یہ ایک مستقل نوع کی طرف اشارہ ہے۔ غیر مستقل فرد کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ جبکہ پہاڑ ثابت ہوتا ہے اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ ایک پہاڑ طویل عرصہ تک ایک جگہ برقرار رہتا ہے۔ اس لیے اس کی قسم اٹھائی۔ اس طرح ایک ستارے کی قسم اٹھائی۔ اگر وہ "والریح" کہتا تو مقسم بہ کا علم نہ ہو سکتا۔ جبکہ پہاڑ کا علم ہوتا ہے۔ وہ سورتیں جن کا آغاز حروف کو چھوڑ کر اسماء کی قسمیں اٹھا کر کیا گیا ہے تو اس میں قسم اصول ثلاثہ میں سے کسی ایک کے اثبات کے لیے ہے۔ وہ اصول (۱) وحدانیت، (۲) رسالت، (۳) حشر ہیں۔ ایمان انہی کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں میں سے صرف ایک سورت میں وحدانیت کے اثبات کے لیے قسم اٹھائی ہے۔ وہ سورۃ الصافات ہے۔ اس میں فرمایا:

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ (الصافات:۴)

ترجمہ: ''کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔''

کیونکہ کفار اگرچہ کہتے تھے کہ آپ نے مختلف معبودان کو ایک خدا بنا دیا ہے۔ وہ شرک میں مبالغہ کرتے تھے لیکن وہ مختلف حالات اور واقعات میں توحید کی صراحت بھی کرتے تھے وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر:۳)

ترجمہ: ''ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اس کا مقرب بنا دیں۔''

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ (العنکبوت:۶۱)

ترجمہ: ''اور اے حبیب اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنا دیا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔''

وہ حقیقت میں مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ انکار مطلوب اول تھا۔ لہٰذا صرف دلیل پر اکتفاء کیا لہٰذا ان دونوں سورتوں میں زیادہ قسمیں نہیں اٹھائیں۔ بلکہ حضور ﷺ کی صداقت کے اثبات کے لیے قسم اٹھائی۔ آپ کے رسول ہونے پر ایک سورت میں ایک قسم اٹھائی۔ فرمایا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىۙ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰىۚ ۝ (النجم: ۱، ۲)

ترجمہ: "قسم ہے اس ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ تمہارا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔"

دوسری سورت میں دو قسمیں اٹھائیں۔ فرمایا:

وَالضُّحٰىۙ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰىۙ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ ۝ (الضحیٰ: ۱ تا ۳)

ترجمہ: "قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی۔ جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔"

آپ کی رسالت کے اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ نے حروف اور قرآنِ کریم کی بہت سی قسمیں اٹھائیں ہیں۔ ارشاد فرمایا:

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِۙ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَۙ ۝ (یٰسین: ۱، ۳)

ترجمہ: "اے سید! قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔"

ہم نے اس کی تفسیر میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرآن مجید حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی تاکہ قسم میں دلیل کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جبکہ بقیہ سورتوں میں مقسم علیہ حشر اور جزاء ہیں تاکہ کفار کا انکار حد سے خارج ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ سورتوں میں جمع مؤنث سالم کی قسمیں اٹھائیں۔ جمع مذکر سالم کی قسم کسی سورت میں نہیں کھائی۔ ارشاد فرمایا: والصّافّات۔ (الصافات: ۱) والذاریات۔ (الذاریات: ۱) رب تعالیٰ یوں نہیں فرمایا: "والصالحین من عبادی" نہ ہی مقربین کی قسم اٹھائی حالانکہ مذکر مؤنث سے افضل ہوتا ہے کیونکہ واؤ اور نون کے ساتھ جمع غالباً ذوالعقول کی ہوتی ہے۔

ہم نے یہ بھی تذکرہ کر دیا ہے کہ ان اشیاء کی قسمیں اٹھانا صرف ایک صورت میں ہوتا ہے جس میں امر ظاہر ہو۔ اور کفار کی طرف سے اعتراف (توحید) بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن رسالت کے لیے معاملہ یوں نہیں ہوتا کیونکہ اس سورت میں اس کا حصول ہوتا ہے جس میں حروف اور قرآن پاک کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں۔ حشر اور جزاء کے اثبات کا حصول باقی رہا لیکن حشر کا اثبات اس لیے ہے تاکہ صالح کو ثواب اور سرکش کو عذاب دیا جائے۔ اس کا فائدہ ذوالعقول کو ہوتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ قسم ان کے علاوہ کسی اور چیز کی اٹھائی جائے وہ سورتیں جن میں وحدانیت کے اثبات کے لیے قسمیں اٹھائی جاتی ہیں تو ان میں پہلے ساکنات کی قسمیں اٹھائیں۔ فرمایا: "والصافات" جبکہ بقیہ چار سورتوں میں متحرکات کی قسمیں اٹھائیں۔ فرمایا: "والذاریات، والمرسلات، والنازعات والنادیات" کیونکہ حشر میں جمع ہونا اور منتشر ہونا ہوتا ہے۔ یہ حرکت کے زیادہ مناسب ہے۔ چار سورتوں میں ہواؤں کی قسمیں اٹھائیں جو کہ واضح ہے۔ یہ جمع ہوتی اور منتشر ہوتی ہیں۔ وہ ذات والا

جو مختلف ہواؤں کے ذریعے بکھرے بادل کو اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔ وہ ان طریقوں میں سے کسی طریقہ سے متفرق اجزاء کو بھی جمع کرنے پر قادر ہے۔ جسے اس کی مشیت پسند کرے۔"

امام رازی نے ایک اور جگہ میں لکھا ہے: "رب تعالیٰ نے نہ تو وحدانیت پر اور نہ ہی نبوت پر زیادہ قسمیں اٹھائی ہیں۔ سورۃ الصافات میں رب تعالیٰ نے وحدانیت پر قسم اٹھائی۔ نبوت پر اس سورت میں صرف ایک امر کے ساتھ قسم اٹھائی۔ والضحیٰ میں دو امر کے ساتھ قسمیں اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین حشر کے بارے میں ہیں۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ (اللیل:۱)

ترجمہ: "قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے۔"

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ (الشمس:۱)

ترجمہ: "قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی۔"

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ (البروج:۱)

ترجمہ: "قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔"

یہ ساری قسمیں حشر کے بارے ہیں۔ کیونکہ توحید کے دلائل کثیر ہیں۔ یہ سارے عقلی ہیں۔ جیسے کہا گیا ہے:

و فی کل شی له آیة تدل علی انه واحد

ترجمہ: "ہر چیز میں اس کے لیے ایک نشانی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے۔"

اسی طرح نبوت کے بھی بہت سے دلائل ہیں۔ یہ متواتر مشہور معجزات ہیں جبکہ حشر کا امکان عقل سے ثابت ہوتا ہے یہ ظاہر ہے۔ لیکن اس کے وقوع کے امکان صرف سماعت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بارے رب تعالیٰ نے بہت سی قسمیں اٹھائیں تاکہ انسان کو اس پر پورا یقین ہو سکے۔

النجم پر بحث

صاحب القاموس نے لکھا ہے: "المطلع میں ہے کہ طلوع ہونے والے ستارے کو النجم کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع انجم، انجام، نجوم اور نجم ہوتی ہے۔ الثریا کہکشاں کو بھی النجم کہا جاتا ہے۔ ایسی جڑی بوٹی کو بھی نجم کہا جاتا ہے جو تنے کو بغیر ہو۔ اسی طرح مقررہ وقت کو بھی نجم کہا جاتا ہے۔

ابن عادل نے اللباب میں لکھا ہے "ستارے کو اس کے طلوع کی وجہ سے النجم کہا جاتا ہے طلوع ہونے والے ہر

ستارے کو نجم کہا جاتا ہے اسی طرح "نجم السن والقرن والنبت" کہا جاتا ہے۔ امام قرطبی نے یہ اضافہ کیا ہے۔ نجم فلان ببلد فلاں نے سلطان کے خلاف بغاوت کی ہے۔

ابن القیم نے لکھا ہے "لوگوں میں اختلاف ہے کہ نجم سے کیا مراد ہے؟ حلبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد قرآن پاک کی قسم اٹھانا ہے کیونکہ وہ تھوڑا تھوڑا حضور ﷺ پر اترا تھا۔ کبھی تین آیات اور کبھی چار آیات اور کبھی ایک سورت اترتی تھی۔ اس طرح بیس سال میں مکمل نازل ہوا۔ یہ عطاء، مقاتل، ضحاک، مجاہد اور فراء کا قول ہے۔ اس قول کے مطابق ھُوِیّ سے مراد بلندی سے نیچے نزول ہوگا۔ اس اعتبار سے قرآن پاک کو اس لیے نجم کہا جاتا ہے کیونکہ یہ متفرق طور پر نازل ہوا۔ اہلِ عرب تفرق کو تنجم اور متفرق کو منتجم کہا کرتے ہیں۔ نجوم الکتابت سے مراد اس کی اقساط ہیں۔ کہا جاتا ہے "جعلت مالی علی فلان نجوما منجّمة کل نجم کذا و کذا" اس سے مراد قرض کی اقساط ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ اہلِ عرب چاند کی منازل کے مطالع بناتے تھے پھر قرض کے لیے اپنی اقساط کو ان کے مطابق مقرر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے "جب ثریا ستارہ طلوع ہوگیا تو تم پر یہ حلال ہے۔" پھر ہر ہر قسط کو متفرق کر دیا جاتا ہے۔ خواہ اسے طلوعِ نجم کے ساتھ مختص نہ بھی کیا جائے۔"

امام رازی نے لکھا ہے "اس قسم میں حضور ﷺ کے معجزات کے بارے استدلال ہے آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یٰسین: ۱ تا ۳)

ترجمہ: "اے سید! قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ راہِ راست پر ہیں۔"

علی بن ابی طلحہ اور عطیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد ثریا ستارہ ہے۔ جب وہ گرے اور غائب ہو جائے۔ اس صورت میں ھَوٰی کا معنی اس کا غائب ہونا ہوگا۔ یہ مجاہد سے دوسری روایت ہے۔ اہلِ عرب نجم بول کر ثریا مراد لیتے تھے۔ شاعر نے کہا:

اذا طلع النجم عشاء ابتغی الراعی کساء

ترجمہ: "جب عشاء کے وقت ثریا ستارہ طلوع ہوا تو نگران نے چادر کا تقاضا کیا۔"

حدیث پاک ہے: "جب بھی نجم (ثریا) طلوع ہوا اور زمین میں کوئی وباء ہو تو اسے اٹھالیا جاتا ہے۔" (امام احمد)

اس قول کو ابن جریر اور زمخشری نے پسند کیا ہے۔ السمین نے کہا ہے "یہ صحیح موقف ہے کیونکہ یہ غلبہ کی وجہ سے علم بن گیا ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ کا شعر ہے۔

احسن النجم فی السماء الثریا والثریا فی الارض زین النساء

ترجمہ: ''آسمان کا سب سے خوبصورت ستارہ ثریا ہے اور زمین میں ثریا عورتوں کے لیے زینت ہے۔''

امام رازی نے لکھا ہے ''اس قول کی مناسبت یہ ہے کہ دیکھنے والے کو ثریا ستارہ سب سے واضح نظر آتا ہے کیونکہ اس کی علامت ہوتی ہے۔ یہ کسی اور ستارے کے ساتھ ملتبس نہیں ہوتا۔ ہر ایک کے لیے عیاں ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی ذات والا بھی واضح معجزات کی وجہ سے ہر ایک سے ممتاز ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی۔ جب ثریا ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو پھل چننے کا موسم قریب آجاتا ہے۔ جب یہ سردی یا گرمی میں طلوع ہوتا ہے تو امراض ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا تو شک اور امراضِ قلبیہ کم ہوگئیں حکمت کے پھل چنے جانے لگے۔

ابوحمزہ اور ثمالی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ستارے ہیں جو روزِ حشر بکھر جائیں گے۔ یا اس سے مراد الشعراء ستارہ ہے۔ یا اس سے مراد ''الزہرہ'' ستارہ ہے۔ الاخفش نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ جڑی بوٹی ہے جس کا تنا نہیں ہوتا جیسے کہ ارشادِ پاک ہے:

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ (الرحمٰن:٦)

ترجمہ: ''اور آسمان کے تارے اور (زمین) کے درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں۔''

اس صورت میں ھویٰ سے مراد اس کا گرنا ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے: ''اس سے مراد قوی جسمانیہ کی نشو و نما اور ان کی اصلاح ہے۔ قوت عقلیہ اصلاح کی زیادہ مستحق ہے۔ یہ اصلاح رسل عظام سے ہی ممکن ہے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ پسندیدہ موقف یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ستارہ ہے جو آسمان پر ہوتا ہے کیونکہ سامع کے لیے یہ امر عیاں ہے۔ ''اذا ھوی'' اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس سے مراد قرآن پاک اور پھر ثریا مراد ہے۔'' حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا ہے۔ جب آپ شبِ معراج کو واپس تشریف لائے۔ ھویٰ سے مراد آپ کا واپس تشریف لانا ہے۔''

صاحب السراج رقم طراز ہیں: ''اس تفسیر نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ کیونکہ یہ تفسیر آپ کے ساتھ کئی وجوہات کی بناء پر مطابقت رکھتی ہے۔ آپ نجم ہدایت ہیں۔ اس رات میں آپ پر نماز فرض ہوئی۔ دین میں نماز کے ارفع مقام سے تم آگاہ ہو۔ آپ رات کے وقت آسمان اور زمین میں تاباں ہوئے۔ آپ انتہائی سرعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ رات کے وقت تشریف لے گئے۔ یہ ستارے کے طلوع ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ صاحب بصارت پر یہ امور مخفی نہیں ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت ان میں شک نہیں کرتے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ''

مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے آسمان کے سارے ستارے مراد ہیں۔ابوعبیدہ نے اس قول کو یقین کے ساتھ کہا ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ واحد بول کر جمع مراد لیا گیا ہے۔ جیسے شاعر کہتا ہے:

فبانت تعد النجم فی مستحیرۃٍ اس مصرعہ میں النجم بمعنی النجوم ہے۔ایک وجہ یہ ہے لیکن میں اہلِ تاویل میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے یہ قول کیا ہو۔" لیکن میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ حضرت مجاہد سے منقول یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔اسے علامہ ماوردی نے حسن سے بھی نقل کیا ہے۔امام رازی لکھتے ہیں۔ان کے مابین مناسبت یہ ہے کہ ستاروں سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔اسی مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے ان کی قسم اٹھائی گئی۔حضرت عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے"ان سے مراد وہ ستارے ہیں جو شیاطین کو اس وقت مارے جاتے ہیں جب وہ چوری چھپے خبریں سننے جاتے ہیں۔یہ علامہ ماوردی کا قول ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث کرنا چاہا تو آپ کی ولادت سے قبل بہت سے ستارے ٹوٹنے لگے۔ان کی وجہ سے اکثر اہل عرب گھبرا گئے۔وہ کاہن کے پاس گئے۔وہ انہیں حوادثات کے بارے بتاتا تھا۔انہوں نے اس سے ان کے متعلق پوچھا۔اس نے کہا:" ذرا بارہ برجوں کو دیکھو۔اگر ان میں ستارے ٹوٹ رہے ہیں تو دنیا کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔اگر ان میں سے نہیں ٹوٹ رہے تو عنقریب ایک عظیم امر رونما ہوگا۔اس کو تلاش کرو۔جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو یہی وہ امر عظیم تھا اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿١﴾

ترجمہ: "قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔"

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ شہاب باری شیاطین کو اہلِ آسمان سے دور کرتے ہیں۔جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام اہلِ زمین سے شیاطین کو دور کرتے ہیں۔"

ابن قیم نے لکھا ہے" حضرت ابن عباس سے منقول روایت سارے اقوال سے اظہر ہے۔رب تعالیٰ نے اس ظاہری اور واضح نشانی کی قسم اٹھائی جسے بطور علامت مقرر فرمایا۔اس کے ذریعہ اپنی وحی کی حفاظت کی تاکہ شیاطین اسے چوری چھپکے نہ سن سکیں۔یہ امر پر دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں وہ حق ہے وہ سچ ہے۔شیاطین کو اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔بلکہ ستاروں کے ذریعے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔اس مؤقف کے مطابق مقسم بہ اور مقسم علیہ میں بہت زیادہ ربط پایا جاتا ہے۔مقسم بہ میں مقسم علیہ کے لیے دلیل ہے۔وہ ستارے جو شیاطین کو مارے جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔جس سے وہ اپنے دین اور وحی کی حفاظت کرتا ہے۔ان آیات کی حفاظت کرتا ہے جو وہ

اپنے رسل عظام پر نازل کرتا ہے اس سے اس کا دین حق، شریعت مطہرہ، اسماء مبارکہ اور صفات مطہرہ کا اظہار ہوتا ہے۔ ان ستاروں کو جو نظر آتے ہیں۔ ان ہدایت دینے والے ستاروں کے لیے نگران اور خدمت گزار بنایا گیا۔ نزول قرآن کے وقت اسے نجم کہنا واضح نہیں۔ نہ ہی اس کے نزول کو ھوی کہنا درست ہے۔ نہ ہی قرآن پاک میں ایسا کچھ تذکرہ ہے کہ اس لفظ کو اس معنی پر محمول کیا جائے۔ نہ ہی یہ معنی واضح ہے کہ اس قسم کو ثریا کے ساتھ مختص کیا جائے جب وہ غائب ہو جائے نہ ہی یہ معنی واضح ہے کہ اس سے مراد روز حشر ستارے کا ٹوٹ جانا ہے بلکہ یہ ایسا امر ہے جس پر اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے۔ اپنی نشانیوں سے ان کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ وہ اس چیز کے عدم ظہور کی وجہ سے مخاطبین کے لیے دلیل نہیں بناتا۔ خصوصاً جبکہ مخاطبین روز قیامت کے منکر ہوں۔ رب تعالیٰ ایسی چیز سے استدلال فرماتا ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی مخالفت ممکن ہو۔ اس لیے ابن کثیر اور حسن کا موقف ظاہر ہے۔

ھَوٰی کی وضاحت

السمین نے لکھا ہے "اذا" میں عامل یا تو محذوف فعل قسم ہے اصل عبارت یوں ہوگی۔ اقسم بالنجم وقت هويه" لیکن ابو البقاء وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ مشکل ہے فعل قسم انشاء ہے انشاء حال ہے۔ جبکہ "اذا" مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ یہ باہم کیسے مل سکتے ہیں؟ الطیبی نے المقبس سے نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب "اذا" سے مستقبل کا معنی لیا جائے تو صرف وقت کے لیے رہ جاتا ہے۔ جسے آتيك اذا احمرّ البسر "یعنی میں تمہارے پاس اس وقت آؤں گا جب کھجوریں سرخ ہو جائیں گی۔ اس سے استقبال کا معنی لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے غیب ہونے کا وقت ہے" شیخ عبد القاہر نے لکھا ہے، جب رب تعالیٰ نے کسی متوقع امر کی خبر دی ہو تو وہ خبر واقع کی مانند ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں تکلف نہیں ہوتا۔ مستقبل محقق ماضی کی طرح ہوتا ہے۔ السمین نے لکھا ہے "یا یہ مقدر ہوگا۔ یہ نجم سے حال ہوگا کیونکہ اس کی اس حالت کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ جب وہ گر رہا ہو۔ لیکن اس میں دو اعتبار سے مشکل ہے۔

1. نجم ایک جسم ہے زمان اس سے حال نہیں بن سکتا۔ جیسے کہ اس کی خبر نہیں بن سکتا۔
2. اذا مستقبل کے لیے ہوتا ہے وہ حال کیسے ہو سکتا ہے؟

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نجم سے مراد قرآن پاک کا ایک حصہ ہے۔ قرآن پاک بیس سال میں نازل ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس وغیرہما کی تفسیر ہے۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ یہ مقدرہ حال ہے۔ اس کا عامل نجم کا وجود ہے۔ قرآن پاک کی جو مراد ہے۔ یہ ابو البقاء کا نظریہ ہے لیکن اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ قرآن پاک ظرف میں عمل نہیں کرتا۔

جب اس سے مراد یہ ہو کہ یہ اس مخصوص کتاب کا علم ہے۔ایک قول یہ ہے کہ نجم منجم کے معنی میں ہے گویا کہ یوں کہا گیا:

"القرآن المنجّم فی هذا الوقت"

المصباح میں ہے"ھَوَی یَھْوِی باب ضرب یضرب سے ہے۔ھُوَیا اس کا مصدر ہے ابن القوطیۃ نے ھواءً مصدر کا اضافہ کیا ہے۔اس کا معنی ہے بلندی سے نیچے آنا۔شاعر نے کہا ہے:

فشبح بها الا ماعز وهو تهوی　　　　هُوی الدلو اسلمها الرشاء

ھُوِیّ کو فتح اور ضمہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

امام راغب نے لکھا ہے:"الھوی کا معنی ہے بلندی سے گرنا" پھر لکھا ہے الھُوِیّ کا معنی ہے نیچے گرنا جبکہ الھَویٰ کا معنی ہے بلندی کی طرف جانا۔ایک قول یہ ہے لغت میں ھوی کا مقصد ہمیشہ نیچے کی طرف ہوتا ہے۔اگر وہ قصد نہ کرے۔اہلِ لغت نے لکھا ہے ھَوی یھوِی ھویًّا کا معنی ہے بلندی سے گرنا۔جبکہ ھوی یھوٰی ھویً کا معنی ہے بلند ہونا۔امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں ھوی اور انھوی دو لغتیں ہیں ان کا معنی ایک ہی ہے شاعر نے ان دونوں کو اس شعر میں جمع کیا ہے۔

ولم منزل لولای طحت کما هوی　　　　باجرا مه من فلة النیق منهوی

امام رازی نے لکھا ہے کہ اس قسم میں ستارے کو اس کیفیت سے مقید اس لیے کیا ہے کیونکہ وہ جب وسطِ آسمان میں ہوتا ہے۔وہ زمین سے دور ہوتا ہے۔سفر کرنے والا اس سے راہ نمائی نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ وہ اس سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا علم نہیں حاصل کر سکتا۔جب یہ نیچے آتا ہے تو جوانب کا تعین ہو جاتا ہے۔حضور ﷺ بھی اسی وصف سے متصف ہیں۔آپ ﷺ نے اہلِ ایمان کے لیے رحمت کے پر نیچے کیے۔آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔پھر ستارہ کو ھویٰ کے ساتھ مختص کیا طلوع کے ساتھ مختص نہ کیا کیونکہ اس سے دینوی اور دنیاوی ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے۔دنیوی راہ نمائی کا تو تذکرہ ہو چکا ہے جہاں تک دینی راہ نمائی کا تعلق ہے تو جیسے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ○ (الانعام:٧٦)

ترجمہ: "میں پسند نہیں کرتا ڈوب جانے والوں کو۔"

اس میں ایک لطیف نکتہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ نجم کی قسم اٹھانا اس کی تعظیم کا تقاضا کرتا ہے۔بعض مشرکین ستاروں کی پوجا بھی کرتے تھے۔رب تعالیٰ نے اس کے رو بہ زوال ہونے کے بارے آگاہ کر دیا کہ یہ الٰہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ (النجم:۲)

السمین نے لکھا ہے کہ یہ جواب قسم ہے۔ امام رازی اور برہان النسفی نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ ہم ضلال اور غی میں فرق نہیں کرتے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ضلال ھدی کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ کہ غی، رشد کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

(الاعراف:۱۴۶)

ترجمہ: "اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو تو بھی نہ ایمان لے آئیں گے ان پر اور دیکھ بھی لیں راہِ ہدایت تو بھی نہ بنائیں اپنا راستہ۔"

تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ضلال کا مختلف مقامات پر اعم استعمال ہے۔ جیسے تم کہو "ضلّ بعیری و رحلی" لیکن تم غوی نہیں کہہ سکتے۔ ضلال سے مراد یہ ہے کہ راہ رو اپنی منزل تک پہنچنے کا سیدھا راستہ نہ پاسکے۔ جب کہ غوایت یہ ہے کہ اس کی منزل کا سیدھا راستہ نہ ہو۔ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ جو مؤمن صحیح رستہ پر نہ ہو تم اسے انّ سعیہ غیر رشد تو کہہ سکتے ہو۔ لیکن انہ ضالّ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ضال کافر کی طرح ہوتا ہے۔ غاوی فاسق کی طرح ہوتا ہے۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: ما ضَلَّ یعنی مَا کَفَرَ۔ یہ آیت طیبہ ہماری دلیل ہے۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا۔ (النساء:۶)

ترجمہ: "پس اگر محسوس کرو تم ان سے دانائی۔"

یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ الضلال عدم کی طرح ہے جبکہ غوایت درجہ اور مرتبہ میں فاسد وجود کی طرح ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ "مَا جَنَّ" کے معنی میں ہو۔ مجنون "ضالّ" ہوتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کی طرح ہے:

مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ (القلم:۲،۳)

ترجمہ: "آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔"

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ گمراہ نہیں بلکہ ہدایت یافتہ ہیں بلکہ آپ ایسے مرشد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو حریم ناز کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ (القلم:۴)

ترجمہ: ''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔''

یہ اس جگہ اس فرمان کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ (النجم:٣)

ترجمہ: ''اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔''

یہ بھی خلق عظیم ہے۔رب تعالیٰ نے مَا ضَلَّ سے یہ اشارہ کر دیا کہ آپ ایک رستہ پر گامزن ہیں۔مَا غَوٰى سے اشارہ کیا کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" سے یہ اشارہ فرمادیا کہ یہ رستہ ایک وسیع شاہراہ ہے۔آپ اسی شاہراہ پر گامزن ہیں۔آپ اس کے وسط میں رواں دواں ہیں۔یہ رستہ منزل مقصود تک جلد پہنچا دیتا ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ رب تعالیٰ کا فرمان وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نہ گمراہ ہوئے نہ ہی راہ راست سے بھٹکے۔وہ گمراہ کیسے ہو سکتا ہے۔وہ راہِ راست سے کیسے بھٹک سکتا ہے جو اپنی خواہش سے گویاں بھی نہیں ہوتا۔گمراہ تو وہ ہوتا ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر عمل پیرا ہوتا ہے۔رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ (ص:٢٦)

ترجمہ: ''اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہِ خدا سے۔''

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ ماغوٰی کا معنی ہے کہ آپ نے نقصان نہ اٹھایا۔شاعر نے کہا ہے:

فمن يلق خيرا يحمد الناس امره و من يغو لا يعدم على الغي لأ لما

ترجمہ: ''جو بھلائی سے ملاقات کرتا ہے لوگ اس کے معاملہ کی تعریف کرتے ہیں۔جو اس کی جستجو میں نقصان اٹھاتا ہے لوگ اسے ملامت کرتے ہیں۔''

پھر یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر وحی کے بعد کی ہو۔یہ بھی روا ہے کہ یہ خبر آپ ﷺ کے عام احوال کی ہو یعنی آپ ہمیشہ سے توحید الٰہی کا اقرار کرنے والے تھے۔یہی موقف صحیح ہے۔

ابن القیم نے لکھا ہے''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم ﷺ سے اس ضلال کی نفی فرمادی جو ہدایت کے منافی ہے اور اس غی کی بھی نفی فرمادی جو رشد کے منافی ہے۔یہ نفی اپنے ضمن میں یہ گواہی لیے ہوئے ہے کہ آپ ﷺ ہدایت اور رشد پر ہیں۔ہدایت آپ کے علم مبارک اور رشد آپ کے عمل مبارک میں ہے یہ دونوں اصل ہیں جو بندے کے کمال کی غایت ہیں یہ بندے کی سعادت اور اصلاح ہے۔حضور اکرم ﷺ نے خلفاء راشدین کو اسی وصف سے یاد فرمایا ہے۔فرمایا: تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے بعد خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت کی اتباع کرو۔''

راشد، غاوی کی ضد ہے مہدی، ضال کی ضد ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس نے علم نافع اور عمل صالح سے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا ہو وہ ہدایت والا ہوتا ہے۔ دین حق پر گامزن ہوتا ہے۔ ہدایت یافتہ اور راشد کو وہی شخص ضال اور غاوی کہہ سکتا ہے جو ساری مخلوق سے جاہل ہو۔ اس کا دل سارے دلوں سے اندھا ہو وہ حقیقت انسانیہ سے سب سے زیادہ دور ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ   اذا استوت عندہ الانوار والظلم

ترجمہ: ''میرے بھائی نے اس دنیا کو دیکھ کر کیا نفع حاصل کیا جب اس کے نزدیک انوار اور ظلم برابر ہوں۔''

لوگوں کی چار اقسام ہیں:

1. اپنے علم میں ضال، اپنے قصد اور عمل میں گمراہ۔ یہ سارے لوگوں سے سیاہ دل ہوتے ہیں۔ یہی رسل عظام ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔
2. علم میں ہدایت یافتہ، منزل اور عمل میں گمراہ۔ یہ امت میں سے گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ ہر اس شخص کی یہی حالت ہوتی ہے جو حق کو جانتا ہے لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔
3. اپنے علم میں گمراہ۔ لیکن اس کا مقصد بھلائی ہوتا ہے لیکن اس سے شعور نہیں ہوتا۔
4. علم میں ہدایت یافتہ اپنے مقصد میں راشد۔ یہ وہ بلند نصیب لوگ ہوتے ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ورثاء ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد قلیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام ومنصب بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے برگزیدہ ہوتے ہیں۔

ذرا غور کرو رب تعالیٰ نے کیسے فرمایا: "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ" اس کی جگہ آپ کے اسم گرامی کا تذکرہ نہ فرمایا، تاکہ کفار پر دلیل قائم ہوسکے کہ آپ ان کے عمر بھر کے ساتھی ہیں۔ وہ آپ کے حالات، اقوال اور اعمال سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں وہ آپ کو کسی کذب، گمراہی یا ضلالت کی وجہ سے نہیں جانتے۔ وہ کسی ایک نازیبا بات پر بھی آپ کو ملامت نہیں کر سکتے۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرح اشارہ کیا ہے:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ (المؤمنین: ٦٩)

ترجمہ: ''یا انہوں نے اپنے رسول مکرم کو نہ پہچانا تھا۔''

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾ (التکویر: ٢٢)

ترجمہ: ''اور تمہارا ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔''

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم:۳)

اللہ رب العزت نے پہلے "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى" ماضی سے تعبیر فرمایا۔ اب مضارع کا صیغہ ذکر فرمایا۔ یہ انتہائی عمدہ ترتیب ہے۔ یعنی اے مشرکین مکہ! جب آپ ﷺ نے تمہیں چھوڑا۔ تمہارے معبودانِ باطلہ سے رخ انور موڑا۔ آپ خلوت گزیں ہوئے تو آپ گمراہ نہیں ہوئے۔ جب اب آپ مبعوث ہو چکے ہیں۔ اور آپ کو تم پر گواہ مقرر کیا جا چکا ہے تو اب آپ اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں۔ آپ نہ تو پہلے ضال اور غاوی تھے اب تو آپ گمراہی سے بچانے والے مرشد کریم اور ھادی ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ہستیِ پاک کو کفر اور عیوب سے بچپن میں بچا لیتا ہے جسے وہ اپنا رسول بنا کر مبعوث کرنا چاہتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آپ معصوم بچپن میں بھی گمراہ نہ ہوئے کیونکہ آپ اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں۔ ابن عادل نے لکھا ہے کہ ینطق میں فاعل یا تو وہ ضمیر ہے جو حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے یا یہ ضمیر قرآنِ پاک کے لیے ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ (الجاثیہ:۲۹)

ترجمہ: "یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ۔"

ابن قیم نے لکھا ہے "اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی گفتگو کو اس امر سے منزہ فرما دیا ہے کہ وہ خواہشات سے نکلے۔ اس کمال کی آپ کو ہدایت عطا فرمائی۔ آپ کے بارے اس نے یوں نہ فرمایا: "وما ینطق بالھوٰی" کیونکہ عن الھوٰی سے آپ کی نفی زیادہ ابلغ ہے یہ امر اس بات کو متضمن ہے کہ آپ سے گفتگو آپ کی خواہش سے نکلتی ہی نہیں۔ جب یہ کیفیت ہے تو پھر آپ اس کے ساتھ گفتگو کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ دو امور کی نفی کو متضمن ہے:

1. گفتگو کے صدور سے ھوٰی (خواہشات) کی نفی۔
2. اپنی طرف سے گفتگو کرنے کی نفی۔

آپ حق کے ساتھ گفتگو فرماتے ہیں۔ اس کا منبع ہدایت اور رشد ہے۔ گمراہی اور غوایت اس کا مصدر نہیں ہے۔

اللباب میں ہے کہ نحاس نے لکھا ہے کہ حضرت قتادہ نے کہا ہے کہ اس جگہ "عن" ہونا ہی بہتر ہے یعنی آپ کی گفتگو آپ کی رائے سے نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم:۴)

ترجمہ: ''نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

ایک قول یہ ہے کہ یہ الباء کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ باطل کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کہتے تھے: ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جانب سے قرآن گھڑ لیتے ہیں۔'' المصباح میں ہے کہ هوٰی، هویته کا مصدر ہے۔ اس کا معنی کسی سے محبت اور پیار کرنا ہے۔ پھر اس کا اطلاق نفس کے میلان اور کسی چیز سے اس کے انحراف پر ہونے لگا۔ پھر مذموم میلان پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے: ''اتبع هواه''

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ هوٰی کی تفسیر میں سب سے عمدہ قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس سے مراد محبت ہے۔ لیکن نفس کی طرف سے هوية کا معنی اجبته ہے۔ هوٰی کے الفاظ قرب، نزول اور سقوط پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے حاویہ ہے جب نفس حسیس ہو وہ رفعتوں کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ غلیظ اشیاء سے پیار کرنے لگتا ہے۔ اس لیے هوٰی کو نفس امارہ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔''

امام شعبی نے لکھا ہے کہ هوٰی کو هوٰی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے صاحب کو گرا دیتی ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ هوی ایک معبود ہے۔ جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کا ایک شدید شیطان ہے۔ سرکش شیطان اس کی خدمت کرتا ہے۔ جو اس کے بت کی پوجا کرتا ہے یا اس کے شیطان کی اتباع کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے اسے ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (الجاثیہ: ۲۳)

ترجمہ: ''ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنالیا اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اس نے اسے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اس کے بعد کیا تم غور نہیں کرتے۔''

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ (القصص: ۵۰)

ترجمہ: ''اور کون زیادہ گمراہ ہے۔ اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین اشیاء نجات دینے والی اور تین اشیاء ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دلانے والی

اشیاء یہ ہیں:

❶ اعلانیہ اور پوشیدہ رب تعالیٰ سے ڈرنا۔

❷ رضا اور غضب میں عدل کرنا۔

❸ فقر اور غنی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

ہلاکت میں ڈالنے والی اشیاء درج ذیل ہیں:

❶ ایسا طمع جس کی اتباع کی جائے۔

❷ ایسی خواہشات جن کی اتباع کی جائے۔

❸ انسان کا اپنی رائے کو عجیب سمجھنا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "آسمان کے نیچے کوئی ایسا معبود باطل نہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہو۔ جو رب تعالیٰ کے ہاں اس خواہش سے بڑا ہو جس کی اتباع کی جائے۔" بعض حکماء نے لکھا ہے کہ خواہشات عقلوں کو دھوکا دینے والی اور سیدھے رستہ سے پھیرنے والی ہیں۔ یہ اپنے صاحب کو صحیح سے بیمار اور واضح سے خلل والی چیز کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ اندھی ہوتی ہیں مگر دیکھ لیتی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ بہری ہوتی ہیں مگر سن لیتی ہیں۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔" ایک اور عارف نے کہا ہے: "عقل کی بصیرت کے مطابق انسان اشیاء کو دیکھتا ہے جس کی عقل خواہشات نفسانیہ سے سلامت ہو وہ اشیاء کو ان کی حقیقت پر دیکھ لیتا ہے۔ گندا اور وہ نفس جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ اپنی طبیعت کے مطابق اشیاء کو دیکھتا ہے۔" ایک حکیم کی انگوٹھی میں یہ لکھا ہوا تھا "جس کی عقل پر خواہشات کا غلبہ ہو گیا وہ نادم ہوا۔" ابن درید نے اپنی مقصورات میں لکھا ہے:

و آفة العقل الهوى فمن علا   على هواه عقله فقد نجا

ترجمہ: "خواہشاتِ نفسانیہ عقل کے لیے آفت ہے۔ جس کی عقل خواہشات پر غالب آگئی وہ نجات پا گیا۔"

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ (النجم:۴)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ بیان کے لیے تکملہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳" تو گویا کہ کہنے والے نے کہا "پھر آپ کیسے گفتگو کرتے ہیں؟ کیا دلیل اور اجتہاد سے گفتگو کرتے ہیں؟" فرمایا: "نہیں! یہ حریم ناز سے آنے والی وحی کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ یہ کلام "هو وحی یوحی" سے زیادہ بلیغ ہے۔

"اِنْ" مانفی کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح ما شرطیہ اِنْ کے معنی میں ستعمال ہوتا رہتا ہے۔

اللباب میں ہے "یُوْحٰی وحی" کی صفت ہے۔ اس صفت کو استعمال کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ مجاز کی نفی کرتا ہے۔ یعنی وہ حقیقت میں وحی ہے صرف نام کی وحی نہیں۔ یہ اس قول کی طرح ہے "ھذا قول یقال" ایک قول یہ ہے کہ یہ اصل عبارت یوں تھی: "یوحٰی الیہ" اس میں مزید فائدہ ہے۔ امام قرطبی نے السجستانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو اس آیت کو "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ" کا بدل بنالو۔ ابن الانباری نے لکھا ہے "یہ غلط ہے کیونکہ ان حفیفہ "ما" کا بدل نہیں ہوسکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم یوں نہیں کہہ سکتے: "واللہ ما قمت ان انا تصاعد"

ابن القیم نے لکھا ہے: "ضمیر اس مصدر کی طرف راجع ہے جو فعل سے سمجھا جاتا ہے یعنی "ما نطقه الا وحی یوحی" یہ قول اس شخص کے قول سے عمدہ ہے جس نے کہا ہے کہ یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔ یہ فرمان آپ کے قرآن مجید اور سنت مطہرہ کے بارے گفتگو کرنے کو عام ہے۔ کیونکہ یہ دونوں وحی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: "اور اتاری ہے اُس نے آپ پر کتاب اور حکمت۔"

ان سے مراد قرآن پاک اور سنتِ مطہرہ ہیں۔ دارمی نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ پر سنت مطہرہ لے کر اسی طرح اترتے تھے جس طرح قرآن مجید لے کر آتے تھے۔" میں کہتا ہوں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے ایک شخص نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے آپ کی رائے کیا ہے جس نے خوشبو لگانے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا۔" حضور نبی کریم ﷺ نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا پھر آپ خاموش ہو گئے۔ آپ پر وحی آ گئی جب یہ کیفیت جدا ہوئی تو پوچھا: "سوال کرنے والا کہاں ہے؟" اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: "اپنا جبہ اتار دو۔ خوشبو کے اثرات دھو ڈالو اپنے عمرہ میں اسی طرح کرو جس طرح اپنے حج میں کرتے ہو۔"

امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں ہر وہ چیز لکھ لیتا تھا جو حضور اکرم ﷺ سے سماعت کرتا تھا۔ میں اسے یاد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ قریش نے مجھے روک دیا۔" انہوں نے مجھے کہا: "تم ہر وہ چیز لکھ لیتے ہو جو حضور ﷺ سے سنتے ہو۔ آپ بشر (کامل) ہیں۔ آپ رضا اور غصہ کے عالم میں بھی گفتگو فرماتے ہیں۔" میں لکھنے سے رک گیا۔ حتیٰ کہ اس کا تذکرہ بارگاہِ رسالت مآب میں کیا گیا۔ آپ نے اپنی مبارک انگلی سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔ فرمایا: "لکھا کرو۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دستِ تصرف میں

میری جان ہے۔ مجھ سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔"

امام احمد نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: "میں صرف حق بات ہی کرتا ہوں۔" بعض صحابہ کرام نے عرض کی: "یارسول اللہ! ﷺ آپ ہمارے ساتھ خوش طبعی بھی کرتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں صرف حق بات ہی کرتا ہوں۔"

امام احمد، امام الطبرانی اور ضیاء نے اپنی صحیح میں حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ایک شخص کی شفاعت سے دو قبیلوں یا ربیعہ اور مضر میں سے ایک قبیلہ جتنے لوگ جنت میں جائیں گے۔" ایک شخص نے عرض کی: "یارسول اللہ! یہ ربیعہ اور مضر کیا ہیں؟" آپ نے فرمایا: "میں وہی کچھ کہتا ہوں جو کچھ مجھے کہنے کے لیے کہا جاتا ہے۔"

امام رازی نے لکھا ہے: "ھو یا تو معلوم ضمیر ہے یا مذکور ضمیر ہے۔ اس میں دو وجوہات ہیں۔ ان میں سے مشہور یہ ہے کہ یہ معلوم ضمیر ہے۔ اس سے مراد قرآن حکیم ہے گویا کہ فرمایا: "ما القرآن الا وحی" یہ اس شخص کے قول کے مطابق ہے جو کہتا ہے "النجم" سے مراد قرآن پاک نہیں"، لیکن وہ شخص جو کہتا ہے ھو الوحی۔ اس میں مذکور ضمیر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ضمیر ضمناً مذکور کی طرف عائد ہے۔ اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کا کلام مبارک اور فرمانِ عالی شان ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان "وما ینطق عن الھوٰی" اپنے ضمن میں نطق کو لیے ہے اس سے مراد قول اور کلام ہے۔ گویا کہ فرمایا: "وما کلامه ولا نطقه الا وحی" اس میں ایک اور وجہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ان کفار کا رد ہے جو کہتے تھے کہ آپ کی باتیں کاہن اور آپ کا کلام کاہن کا کلام ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: "ان ھو الا وحی یوحٰی" یہ شاعر کا بھی کلام نہیں۔

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ (الحاقۃ: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: "اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔"

رب تعالیٰ کا یہ فرمان "ان ھو الا وحی یوحی" ھو وحی سے ابلغ ہے اس میں مبالغہ فائدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے: "یہ کاہن کا قول ہے یہ شاعر کا قول ہے۔" مراد ان کے قول کی نفی ہے۔ یہ نفی کے صیغہ سے حاصل ہو سکتی تھی۔ فرمایا: "حقیقت اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو" پھر یہ اضافہ کر دیا: "بل ھو وحی"

انوار التنزیل میں ہے: "اس شخص نے اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے لیے اجتہاد روا نہیں سمجھتا۔ اسے یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب آپ پر وحی کی جائے کہ آپ اجتہاد کریں تو وہ آپ کا اجتہاد ہوگا۔ جو آپ کی طرف

منسوب ہو وہ واجب ہوگا۔ لیکن اس مؤقف میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت وحی سے ہی ہوگا۔"

الطیبی نے لکھا ہے: "یہ آیت طیبہ تنزیل کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں سے کسی استدلال کرنے والے کے لیے استدلال کرنا درست نہیں کہ وہ اجتہاد کے اثبات یا نفی کے لیے استدلال کرے۔ کیونکہ ھو کی ضمیر قرآن پاک کے لیے۔ کیونکہ بعض مفسرین نے نجم کی تفسیر قرآن حکیم سے کی ہے۔ انہوں نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ پھر تا بیر النخل کے بارے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔"

امام رازی نے لکھا ہے: "درست مؤقف یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے۔ لیکن ظاہر اس کے برعکس ہے۔ آپ نے جنگ میں اجتہاد کیا تھا۔ آپ نے حرام کیا تھا۔ فرمایا:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (تحریم:۱)

ترجمہ: "کیوں حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا۔"

آپ نے اجازت دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (التوبۃ:۴۳)

ترجمہ: "درگزر فرمایا ہے اس نے آپ سے لیکن کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی۔"

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى پر گفتگو (النجم:۵)

"التبیان" میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ جس نے آپ کو وحی کی تعلیم دی ہے اس میں ایسے اوصاف حمیدہ پائے جاتے ہیں جو شیطان میں پائے جانے والے گندے اوصاف کے متضاد ہیں۔ جو گمراہی اور غوایت کا ہی سبق پڑھاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی مانند ہے:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ (التکویر:۲۰)

ترجمہ: "جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔"

اس ذات کے ایسے اوصاف سے متصف کرنے میں کئی امور پر تنبیہ ہے:

1. اس میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنی طاقت سے شیاطین کو قریب ہونے سے روک سکتا ہے۔ کہ شیاطین اس کے قریب ہو کر کلام الٰہی میں کچھ کمی و بیشی کریں۔ بلکہ جب اسے شیطان دیکھتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ وہ اس کے قریب نہیں جاتا۔

◆ ۲ وہ اس رسولِ کریم ﷺ کا مددگار ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔ وہ اس کا معاون اور ناصر ہے۔ جیسے کہ فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (التحریم: ۴)

ترجمہ: "اللہ آپ کا مددگار ہے۔ جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں۔"

ایسی ذات جس کی مددگار، معاون اور معلم ہو وہ نصرت یافتہ اور ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا ہادی اور ناصر ہے۔

◆ ۳ جس نے اس رسولِ کریم ﷺ سے عداوت رکھی اس نے ان کے صاحب اور معاون سے دشمنی رکھی۔ وہ حضرت جبرائیل امین ہیں۔ جس نے قوت والے اور شدت والے کے ساتھ عداوت رکھی اس نے خود کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا۔

◆ ۴ وہ اس چیز کے نفاذ پر قادر ہے جس کا اسے حکم دیا جاتا ہے اور کوئی اسے یوں کرنے سے روک نہیں سکتا۔

السمین نے لکھا ہے: "علّمه کا فاعل حضرت جبرائیل امین ہیں۔ یہ ظاہر موقف ہے۔ جیسے علامہ ماوردی اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت حسن کے علاوہ سارے علماء کا موقف ہے۔ حضرت حسن نے لکھا ہے کہ اس میں فاعل ذات باری تعالیٰ ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ (الرحمٰن: ۱، ۲)

ترجمہ: "رحمٰن نے (اپنے حبیب) کو سکھایا ہے قرآن۔"

ذو مرۃ کلام کی تکمیل کے لیے ہوگا۔"

اللباب میں ہے: "یہ جائز ہے کہ یہ الهاء حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ہو۔ یہ ہی ظاہری موقف ہے۔ اس کا دوسرا مفعول محذوف ہوگا۔ یعنی علّمه النبی الوحی الی الموحی۔ یہ بھی روا ہے کہ یہ قرآن پاک اور وحی کے لیے ہو۔ اس صورت میں مفعول اُلعل محذوف ہوگا۔ یعنی علّمہ النبی۔" امام رازی نے لکھا ہے "بہتر ہے کہ کہا جائے کہ یہ ضمیر حضور اکرم ﷺ کے لیے ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: "علّم محمدا شدید القوی جبرائیل" یہ ضمیر صاحبکم کی طرف راجع ہوگی۔ شدید القوی سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ اس سے مراد آپ کی عملی اور علمی قوی مراد ہیں۔ جو سارے شدید ہیں۔ شدید القوی میں کئی فوائد ہیں:

◆ ۱ معلم کی مدح متعلم کی مدح ہوتی ہے۔ اگر صرف علّمه جبرائیل کہہ دیا جاتا ان کے اوصاف ذکر نہ کیے جاتے تو حضور اکرم ﷺ کو ظاہری فضیلت حاصل نہ ہو سکتی۔

◆ ۲ اس میں مشرکین کا رد بھی ہے جو کہتے تھے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ فرمایا: "انہیں لوگوں میں سے کسی نے نہیں سکھایا انہیں شدید القوی نے سکھایا ہے۔

◆ اس میں حضرت جبرائیل امین کے قول پر وثوق بھی ہے۔شدید القوی سے یہ وثوق محکم ہوتا ہے۔کیونکہ ادراک کی قوت وثوق کے لیے شرط ہوتی ہے۔اسی طرح حفظ کی قوت بھی۔

ان سارے اوصاف کے جامع ہونے کی وجہ سے انہیں شدید القوی کہا ہے۔یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہوگیا۔

ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر:۲۰،۲۱)

ترجمہ: ''جو قوت والا ہے جو مالکِ عرش کے ہاں عزت والا ہے سردار اور وہاں کا امین ہے۔''

اللباب میں ہے''یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے کیونکہ یہ مرفوع ہے۔یہ غیر حقیقی ہے۔علامہ زمخشری نے اسی موقف کو یقین کے ساتھ کہا ہے۔صاحب الکفیل نے کہا ہے:''نہیں۔بلکہ یہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔انہوں نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔واضح قوت والے کو شدید کہا جاتا ہے۔

ابن عساکر نے حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل امین سے کہا'' آپ کے رب نے آپ کی کتنی عمدہ تعریف کی ہے۔''فرمایا ہے:

ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر:۲۰،۲۱)

ترجمہ: ''جو قوت والا ہے۔مالکِ عرش کے ہاں،عزت والا ہے۔(سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔''

آپ کی قدرت اور امانت کا علم کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی:''میری قوت کا عالم یہ ہے کہ مجھے مدائن لوط کی طرف بھیجا گیا۔یہ چار شہر تھے۔ہر شہر میں چار لاکھ جنگجو افراد تھے۔دیگر لوگ ان کے علاوہ تھے۔میں نے انہیں نچلی زمین سے اٹھایا حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے مرغوں کی اور کتوں کی آوازیں سنیں۔پھر میں نے انہیں الٹا کر نیچے پھینک دیا۔میری امانت کا عالم یہ ہے کہ مجھے جس کا حکم دیا جاتا ہے میں صرف اسی ذات کی طرف اسے لے کر جاتا ہوں جس کے پاس جانے کا حکم دیا جاتا ہے کسی اور کی طرف نہیں لے کر جاتا۔''

حضرت محمد بن سائب نے لکھا ہے:''حضرت جبرائیل امین کی قوت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے شہروں کو سیاہ پانی کے نیچے سے اٹھایا۔انہیں اپنے پر اٹھایا۔آسمان تک لے گئے۔حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے مرغوں اور کتوں کی آوازیں سنیں۔پھر انہیں الٹا دیا۔ان کی قوت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے ابلیس کو دیکھا جو ارضِ مقدس کی ایک گھاٹی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کر رہا تھا۔انہوں نے اس لعین کو پر مارا اور اسے ہندوستان کے پہاڑوں پر پھینک دیا۔ان کی قوت کا عالم یہ ہے کہ وہ لحظہ بھر میں آسمان سے انبیاء کرام کے پاس آتے اور چلے جاتے۔''

ذو مرۃ پر گفتگو

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ قطرب نے کہا ہے کہ اہلِ عرب میں ہر پختہ اور محکم رائے والے کو ذو مرۃ کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

قد کنت قبل لقاء کم ذا مرّۃٍ　　　عندی لکل مخاصم میزانہ

ترجمہ: ''میں تمہاری ملاقات سے قبل عقل و دانش والا تھا۔ ہر جھگڑنے والے کے لیے میرے پاس میزان ہوتا تھا۔''

حضرت جبرائیل امین کی رائے کی اس پختگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی پر امین مقرر کیا تھا۔ جوہری نے لکھا ہے المِرۃ قوت اور شدید عقل کو کہتے ہیں۔ اس سے رجل مریر ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

تری الرجل النحیف فتزدریہ　　　وحشو ثیابہ اسد مریر

ترجمہ: ''تم اسے دبلا پتلا دیکھ کر اس سے نفرت کرتے ہو حالانکہ اس کے کپڑے کا بھراؤ قوی شیر ہے۔''

ابن النقیم نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کا منظر دلکش ہو۔ صورت حسین ہو صاحب جلال ہو۔ شیطان کے یہ اوصاف نہیں ہو سکتے۔ وہ تو رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے قبیح صورت ہے۔ حضرت جبرائیل امین تو ساری مخلوق سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ ساری مخلوق سے زیادہ جمیل اور امین ہیں۔ حضور ایزدی میں ان کا بڑا مقام ہے۔ اس لیے وہ پیغام رسانی کے لیے معتبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم، قوت، حسنِ منظر اور جلالت کے ساتھ ان کا وصف بیان کیا۔ حضور اکرم ﷺ بھی ان اوصاف سے متصف تھے۔ حضور ﷺ ہمارے لوگوں سے زیادہ شجاع، عالم، باجمال اور پاکیزہ نفس تھے۔''

امام نے ذو مرۃ کے بارے لکھا ہے کہ اس میں کئی وجوہ ہیں:

1. قوت والا۔ یہ معنی حضرت مجاہد سے روایت کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے: ''لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرّۃ سوی۔''
2. عقل اور دین میں کمال والا۔
3. دلکش منظر اور عظیم ہیبت والا۔
4. اچھے اخلاق کا مالک۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ماوردی نے پانچویں معنی کا اضافہ کیا ہے وہ ہے: ''غناء والا''

میں کہتا ہوں کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ ان سارے اوصاف سے متصف ہیں۔ اگر اعتراض کیا

جائے کہ ذو مرۃ کا معنی شدید القوی گزر چکا ہے تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کے قویٰ شدید ہیں اور اسے قوت حاصل ہے؟ اس کا جواب دو اعتبار سے دیا گیا ہے:

1. یہ اس وقت درست نہیں ہوتا جب وصف کے بعد وصف ہو جب یہ بطور بدل ہو تو جائز ہوتا ہے۔ گویا کہ یوں کہا گیا: "علّمه ذو قوة نزل شديد القوى" یہ اس کا وصف نہ رہا۔ اصل عبارت یوں تھی: "ذو قوة عظيمة او كاملة"

2. مرۃ کو مفرد ذکر کرنا بعض اوقات یہ تفصیل بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے کہ ان کے قویٰ شدید مشہور ہیں۔ ان میں ایک اور قوت بھی ہے جسے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اس وقت ہم کہیں گے کہ اس سے مراد ذو شدۃ ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ "علّمه من قواه شديدة" یعنی ان کے قوی بھی شدید ہیں اور ان کی ذات میں بھی شدت ہے۔ بعض اوقات انسان کثیر قوت والا اور چھوٹے جسم والا ہوتا ہے۔ اس میں لطف آور بات یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے شدید القوی سے مراد قوت علم لی ہے ذو مرۃ سے قوت جسم مراد لی ہے۔ علم کو جسم سے مقدم کیا۔ جیسے فرمایا:

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ (البقرۃ:۲۴۷)

ترجمہ: "اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں۔"

"ذو" پر گفتگو پہلے سے گزر چکی ہے۔"

فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ (النجم:۶،۷)

اللباب میں ہے "مکی نے کہا ہے کہ استوٰی ایک یا زیادہ سے زیادہ دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے فراء نے ضمیر کو دو کے لیے بنایا ہے۔"

علامہ ماوردی اور قرطبی نے لکھا ہے: "فاستوٰی یعنی جبرائیل وہ آسمان پر اپنے مقام کی طرف بلند ہوئے۔ اس وقت انہوں نے حضور ﷺ کو سکھا دیا تھا۔" یہ حضرات ابن المسیب اور ابن جبیر کا قول ہے۔

امام نے فرمایا ہے: "یہ مشہور ہے۔" "استوٰی کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے" وہ اس صورت ظاہر ہوئے جس پر رب تعالیٰ نے ان کی تخلیق کی ہے۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کے پاس انسانی شکل میں حاضر ہوتے تھے جس طرح وہ دیگر انبیائے کرام کے پاس آتے تھے۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "وہ انہیں وہ شکل دکھائیں جس پر رب تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا ہے۔ انہوں نے دو بار آپ ﷺ کو وہ صورت دکھائی۔ (۱) زمین میں (۲) آسمان پر۔ زمین پر افق اعلیٰ

پر اپنی اصلی صورت دکھائی۔ اس وقت حضور ﷺ غارِ حراء میں تشریف فرما تھے۔ مشرق کی طرف سے حضرت جبرائیل نمودار ہوئے۔ مغرب تک زمین کو گھیر لیا۔ حضور اکرم ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت جبرائیل امین شکل انسانی میں آپ کے پاس آئے۔ اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ چہرۂ انور سے غبار صاف کیا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا: ''جبرائیل! میرا خیال نہیں تھا کہ رب تعالیٰ نے کسی کو اس طرح پیدا کیا ہوگا۔'' انہوں نے عرض کی: ''محمد عربی ﷺ! میں نے ابھی اپنے صرف دو پر ہی کھولے تھے میرے چھ سو پر ہیں ہر مشرق سے لے کر مغرب تک وسیع ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ تو عظیم خلقت ہے۔'' انہوں نے عرض کی: ''میں تو رب تعالیٰ کی مخلوق کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا۔ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ہر پر میرے سارے پروں کے برابر ہے۔ وہ کبھی خوفِ الٰہی سے سمٹتے ہیں تو وہ چڑیا کی مانند ہو جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ (التکویر: ۲۳)

ترجمہ: ''بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے، روشن کنارے پر۔''

آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ نے انہیں دیکھا۔ انبیاء کرام میں سے صرف حضور اکرم ﷺ نے ہی انہیں اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے: ''حضرت جبرائیل امین کی یہ روایت شب معراج کے بارے نہیں ہے۔ بلکہ یہ روایت پہلے کی ہے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ زمین پر جلوہ افروز تھے۔ یہ بعثت کی ابتداء فترۃ وحی سے بعد کا واقعہ ہے۔ اللباب میں ہے'' اس کی ضمیر میں دو وجہیں ہیں:

1. یہ وجہ اظہر ہے کہ یہ مبتداء ہے اور بالافق اس کی خبر ہے۔ ضمیر حضور اکرم ﷺ یا حضرت جبرائیل امین کے لیے ہے۔ پھر اس جملہ میں دو وجوہات ہیں۔

   1. یہ استوٰی کے فاعل سے حال ہے۔ یہ مکی کا قول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین اپنی اصلی صورت میں بلند ہوئے۔ اس سے قبل حضور اکرم ﷺ نے انہیں اس شکل میں نہیں دیکھا تھا حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں یوں کرنے کے لیے فرمایا۔

   2. یہ جملہ مستانفہ ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ''ھو'' کا استوٰی میں مستتر ضمیر پر عطف ہے۔ استوٰی کی ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یہ حسن کا قول ہے یا جبرائیل یا حضور اکرم ﷺ کے لیے ہے۔ یہ ضعیف ہے کیونکہ یوں کہا جاتا ہے استوی ھو و فلان۔ البتہ ضرورت شعری کے لیے کہا جا سکتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام افق اعلیٰ پر اصلی صورت میں جلوہ نما ہوئے کیونکہ وہ شکل انسانی میں آپ

کے پاس حاضر ہوتے تھے۔حضور ﷺ نے انہیں اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔حضرت جبرائیل افق مشرق پر نمودار ہو گئے۔انہوں نے افق کو بھر دیا۔

امام احمد، عبد بن حمید، ابن منذر، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو اصلی شکل میں دیکھا۔ان کے چھ سو پر تھے۔ہر پر نے افق کو گھیر رکھا تھا۔ان کے ہر پر سے جواہرات، موتی اور یاقوت گر رہے تھے۔امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل امین سے فرمایا کہ وہ آپ کو اصلی شکل دکھائیں۔انہوں نے عرض کی: "آپ اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کریں۔" آپ نے مولائے کریم سے دعا کی۔مشرق کی طرف سے ایک صورت نمودار ہوئی۔وہ بلند ہونے لگی، پھیلنے لگی۔جب حضور اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔حضرت جبرائیل امین آپ کے پاس آئے چہرہ انور سے غبار صاف کیا۔"

المصباح میں ہے کہ الاُفُق زمین اور آسمان کا کنارہ ہے۔اس کی جمع آفاق ہے اسے اُفْق بھی پڑھا گیا ہے علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ الافق الاعلیٰ کے بارے تین اقوال ہیں:

1. مطلع الشمس یہ مجاہد کا قول ہے۔
2. وہ افق جہاں سے دن نمودار ہوتا ہے یعنی طلوع فجر۔یہ قتادہ کا قول ہے۔
3. افق اسماء یہ آسمان کے کناروں میں سے ایک کنارہ ہے۔یہ ابن زید کا قول ہے۔کسی شاعر نے کہا ہے:

اخذنا بآفاق السماء علیکم لنا قمرا ھا والنجوم الطوالع

ترجمہ: "ہم آسمان کے آفاق کے اعتبار سے تم سے برتری پا گئے ہیں۔اس کے شمس و قمر اور طلوع ہونے والے ستارے ہمارے ہیں۔"

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ (النجم:۸)

امام رازی نے لکھا ہے کہ اس میں کئی وجوہ ہیں:

سب سے مشہور وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔یعنی اس کے بعد کہ انہوں نے اپنا پر پھیلایا جبکہ وہ افق اعلیٰ پر تھے۔وہ اس صورت میں متشکل ہوئے جس میں عموماً آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔وہ حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔"

امام قرطبی نے لکھا ہے: "افق اعلیٰ پر استواء کے بعد حضرت جبرائیل حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔مفہوم یہ

ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کا عظیم جسم دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو انسانی شکل میں لوٹا دیا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔"

اس اعتبار سے تدلّی کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1. الدلو اور ابتدلی کا معنی ایک ہے گویا کہ فرمایا: "دنا فقرب" اللباب میں ہے "فرّاء کا موقف یہ ہے کہ فتدلّی میں فاء، واؤ کے معنی میں ہے اصل عبارت یوں ہوگی۔ ثم تدلی علیه الصلوٰة والسلام و دنا کہہ سکتے ہو۔ اسی طرح "شتمنی و اساء اور اساء و شتمنی" بھی ہیں۔ شتم اور اساء ایک ہی چیز کا نام ہے۔

رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرح ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر:۱)

ترجمہ: "قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہوگیا۔

یعنی انشق القمر واقتربت الساعة۔

2. اس کلام میں تقدم و تاخر ہے دراصل عبارت یوں ہوگی: "ثم تدلّٰی من الافق فدنا من النبی"

3. دنا، قصد کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے حضور ﷺ کے قریب جانے کا قصد کیا۔ اس جگہ سے حرکت کی جس میں وہ تھے۔ قریب ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ اس جگہ دنو سے مراد منزلت ہے جیسے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا فرمان سناتے ہوئے فرمایا ہے: "من تقرب مِنّي شبرا تقربت عنه ذراعا و من اتانی یمشی اتیتہ هرولة" یہ اس معنی کی طرف اشارہ ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ اس میں قرب منزلت کے معنی میں استعمال ہوگا جیسے کہ امام رازی نے لکھا ہے۔ جمہور علماء کا موقف ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ (النجم:۹)

اللباب میں ہے "اس جگہ مجبوراً دو مضاف محذوف ماننا پڑیں گے۔ اصل عبارت یوں ہوگی "فکان مقدار مسافة قربه منه مقدار مسافة قاب"

امام رازی نے لکھا ہے: "حضرت جبرائیل امین اور حضور اکرم ﷺ کے مابین دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اہل عرب اس امر کو اکثر استعمال کرتے تھے۔ ان کے دو امیر یا سردار جب صلح کرتے باہم عہد کرتے تو وہ اپنی دو کمانیں نکالتے ہر ایک اپنی قوس کو اپنے ساتھی کی کمان کے ساتھ ملا لیتا اس طرح کہ اس کا ہاتھ اس کے ساتھی کے ہاتھ کے ساتھ ہوتا۔ ان کے بازو آگے نکلے ہوتے۔ اسے مباتہ بھی کہتے تھے۔ اس اعتبار سے دو کمانوں کے مابین فاصلہ مراد ہوگا۔ یا حضرت جبرائیل امین حریم ناز اور حضور اکرم ﷺ کے مابین سفیر تھے۔ وہ حضور ﷺ کے تابع تھے۔ وہ اسی طرح ہوں گے جس طرح کسی کے ساتھ عہد کیا جائے۔

اللباب میں ہے: "القاب کا معنی القدر ہے۔ تم کہتے ہو: "هذا قاب هذا" یعنی اس کی قدر القيب، القاد، القيد اور القيس اس کی مثالیں ہیں۔" جوھری نے لکھا ہے: "یہ دراصل حَابَئ قیِس تھا۔ اسے مقلوب کیا گیا ہے۔" حدیث پاک میں ہے: "القاب قوس احد کم من الجنة خير من الدنيا وما فيها" القوس سے مراد معروف قوس (کمان) ہی ہے جس کے ذریعے تیر پھینکے جاتے ہیں۔ یہ مؤنث ہے اس کی تصغیر شاذ ہی ہوتی ہے۔ بعض اہل لغت اس کی تصغیر قویس بناتے ہیں۔ مگر وہ تانیث کے بغیر ہوتی ہے۔ قوس کے ساتھ ضرب المثل بیان کی گئی ہے۔ یہ قاب سے جدا نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ التباس کا اندیشہ نہیں۔"

الواحدی نے لکھا ہے کہ جمہور کہتے ہیں کہ قوس سے مراد وہ کمان ہے جس کے ساتھ تیر پھینکے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلائی ہے کیونکہ اس کے ساتھ روز لگا کر تیر پھینکے جاتے ہیں۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "حضرات سعید بن جبیر، عطاء، ابو اسحاق الہمدانی اور ابو وائل کا قول ہے کہ فكان قاب قوسين سے مراد کلائیوں کی مقدار ہے۔ قوس سے مراد کلائی ہے جس سے ہر چیز کو پھینکا جاتا ہے یہ بعض حجازیوں کی لغت ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ ازدشنوءۃ کی لغت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن جریر، ابن منذر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔" الحافظ لکھتے ہیں: "یہ قول راجح ہونا چاہیے۔" الطبرانی، ابن مردویہ اور ضیاء نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "قاب، قید اور قوسان سے مراد کلائیاں ہیں۔" اللباب میں ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: "اَوْ يَزِيْدُوْنَ" اس کا معنی ہے کہ دیکھنے والے کی نظر کے مطابق ان دونوں مقداروں میں سے ایک مقدار۔ ان میں اتنا قرب ہے کہ دیکھنے والا شک نہیں کر سکتا۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس جگہ "اَوْ" شک کے لیے نہیں بلکہ مسافت کی مقدار کی تحقیق کے لیے ہے۔ وہ قوسین کی مقدار سے زائد نہیں۔ جیسے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ (الصافات: ١٤٧)

ترجمہ: "اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔"

یہ اس مقدار کی تحقیق کے لیے ہے وہ یعنی وہ ایک لاکھ سے کم نہ تھے یا ایک فرد زائد تھا۔ اس کی مثال رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (البقرۃ: ۷۴)

ترجمہ: "پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی۔ وہ تو پتھر کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔"

یعنی ان کے دل کی قسوت پتھر کی قساوت سے کم نہ تھی۔ اگر وہ پتھر کی قساوت سے زائد ہو گی تو اس سے کم بھی نہ ہو گی۔ یہ معنی اس شخص کے معنی سے احسن، الطف اور ادق ہے جس نے "او" کو بل کے معنی میں کیا۔ یہ معنی اس شخص کے معنی سے بھی خوبصورت ہے جس نے اسے دیکھنے والے کے اعتبار سے اسے شک کے لیے بتایا ہے یا اسے "اَوْ" کے معنی میں کیا ہے۔ ابن کثیر نے اسے ہی یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

اللباب میں ہے: "ادنیٰ اسم تفضیل ہے۔ مفضل علیہ محذوف ہے جو ادنٰی من قاب قوسین ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "حضرت جبرائیل امین زمین پر افق اعلیٰ پر استواء کے بعد قریب ہوئے۔ اور قریب ہوئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دو کمانوں کے درمیان جتنا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم رہ گیا۔

تنبیہ

اس قریب ہونے والے سے مراد حضرت جبرائیل امین ہیں۔ جو قریب ہوئے ان کے اور حضور اکرم ﷺ کے مابین دو کمانوں جتنا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ قاضی نے یہ مؤقف جمہور سے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے ہی صحیح لکھا ہے۔ اکابر صحابہ کرام کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ابن قیم نے لکھا ہے "کیونکہ سورت کی ابتداء سے حضرت جبرائیل کے اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔ اس آیت طیبہ تک ان کے ہی اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ (النجم: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: "اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔"

حضور ﷺ نے صحیح حدیث میں اسی طرح تفسیر بیان کی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور اکرم ﷺ سے اس آیت طیبہ کے بارے پوچھا۔ آپ نے فرمایا: وہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔ میں انہیں صرف دو بار اس شکل میں دیکھا ہے۔ جس پر ان کی تخلیق ہوئی۔ قرآن پاک کے الفاظ کئی وجوہ کی بناء پر

اس کے بعد کسی اور امر پر دلالت نہیں کرتے۔

1. اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "علّمه شديد القوى" یہ حضرت جبرائیل امین ہی ہیں سورۃ التکویر میں ان کا وصف قوت کے ساتھ ہی بیان کیا گیا ہے۔
2. فرمایا: "ذو مرة" (النجم:٦) یعنی حسن خلق۔ سورۃ التکویر میں انہیں الکریم کہا گیا ہے۔
3. فرمایا: "فاستوى وهو بالافق الاعلى" یہ آسمان کا کنارہ ہے۔ یہ استواء حضرت جبرائیل کا تھا۔
4. فرمایا: "ثم دنى... ادنى" یہ حضرت جبرائیل کا قرب ہے وہ زمین میں اس جگہ آئے جہاں حضور اکرم ﷺ تشریف فرما تھے۔ یا شب معراج یہ دنو اور قرب ہوا تھا۔ جبکہ آپ ساتوں آسمانوں کے اوپر تھے۔
5. فرمایا: "ولقد رآه... المنتهى۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضرت جبرائیل ہی تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ فرمایا: "وہ حضرت جبرائیل تھے۔"
6. "ولقد راٰه" "دنا فتدلّى" "فاستوى" "وهو بالافق الاعلى" میں ایک ہی ضمیر ہے۔ مناسب نہیں ہے کہ مفسرین کے مابین دلیل کے بغیر ہی مخالفت قائم کی جائے۔
7. اللہ رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ وہ ذات والا جو قریب ہوئی افق اعلیٰ پر تھی۔ اس سے مراد آسمان کا افق ہے وہ زمین کے قریب ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کے نزدیک ہوئے۔ وہ دنو اور تدلی جن کا تذکرہ حضرت شریک کی روایت میں ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن کثیر نے اسی بات کو یقین کے ساتھ کہا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت طیبہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ آپ نے دل کی آنکھ سے دو بار دیکھا۔ انہوں نے ایک اسے کہا ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿١٠﴾ (سورۃ النجم:١٠)

ابن عادل نے امام رازی کی تبع میں کہا کہ اَوْحٰى کے فاعل میں دو وجہیں ہیں:

1. رب تعالیٰ کی ذات والا اس وقت معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کی طرف وحی کی۔
2. دوسرے اوحٰی میں فاعل حضرت جبرائیل ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل پر وحی کی جو انہوں نے آگے وحی کی۔ اس اعتبار سے اس ذات میں دو وجوہات ہیں جن کی طرف حضرت جبرائیل نے وحی کی:
   1. وہ مخصوص ہو۔ اس سے مراد حضرت جبرائیل کا حضور ﷺ پر وحی کرنا ہوگا۔

③ وہ عام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل پر وحی کی جو انہوں نے ہر رسول پر نازل کیا۔

اس میں اس امر کی تفصیل ہے کہ حضرت جبرائیل نے اس میں کوئی خیانت نہیں کی جو ان کی طرف وحی کیا گیا۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ (الشعراء: ۱۹۳)

ترجمہ: "اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبرائیل)۔"

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ (التکویر: ۲۱)

ترجمہ: "(سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔"

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ہم کہیں کہ اوحیٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے تو عبدہٖ سے مراد حضور اکرم ﷺ ہوں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ پر وہ کچھ نازل کیا جو ہر رسول پر نازل کیا۔

پہلے اوحیٰ کے فاعل میں دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں فاعل حضرت جبرائیل امین ہوں۔ انہوں نے وہ وحی آپ پر نازل کی ہو جو رب تعالیٰ نے ان پر نازل کی تھی۔ حضرت عطاء، کلبی، حسن، ربیع اور ابن زید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس اعتبار سے دوسرے اوحیٰ کے فاعل میں دو وجہیں ہیں:

① وہ جبرائیل ہوں۔ حضور اکرم پر حضرت جبرائیل نے وحی کی جو وحی کی۔

② فاعل رب تعالیٰ کی ذات ہو یعنی حضرت جبرائیل امین نے حضور اکرم ﷺ پر وہ وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کی تھی۔

"ما اوحیٰ" میں کئی وجوہ ہیں:

① نماز کی فضیلت۔

② کوئی نبی آپ سے اور آپ کی امت سے قبل جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

③ مَا عموم کے لیے ہے۔ اس سے ہر وہ امر مراد ہو گا جسے لے کر حضرت جبرائیل لائے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ (النجم: ۱۱)

ابن قیم نے لکھا ہے "اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کے تصدیق کے بارے بتایا ہے کہ دل نے اس کی تصدیق کی جو کچھ چشمانِ مقدس نے دیکھا دل نے آپ کی تصدیق کی۔ اس شخص کی طرح نہ تھا جس نے کسی چیز کو اس کی حقیقت کے برعکس دیکھا۔ دل اس کی بصارت کی تکذیب کر دے۔ بلکہ آپ نے جو کچھ دیکھا دل مبارک نے اس کی تصدیق کر دی۔

آپ نے جان لیا کہ حقیقت اسی طرح ہے۔کہا جاتا ہے: "كذبته عينه و كذب قلبه و كذب جسده" جب انسان کے ظن وگمان کے برعکس امر رونما ہو جائے۔شاعر نے لکھا ہے:

كذبتك عينك ام رائيت بواسط　　　غلس الظلام من الرباب خيالا

ترجمہ: "تیری آنکھ نے جھوٹ بولا ہے یا تو نے رات کی تاریکی کی ظلمت میں رباب کا تصور دیکھا ہے۔"

یعنی تیری آنکھ نے وہ کچھ دکھا دیا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کی اسی چیز سے نفی فرمائی ہے۔اس نے بتا دیا کہ جو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔دل نے اس کی تکذیب نہ کی۔

علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ "الفؤاد" میں جو قول ہیں: اس سے مراد صاحب الفؤاد ہے اسے الفؤاد سے تعبیر کیا۔ کیونکہ یہ جسم کا قطب ہے۔اس سے زندگی قائم ہے یا اس سے مراد فؤاد کا نفس ہے۔کیونکہ اعتقاد کا محل وہی ہوتا ہے۔

اللباب میں ہے کہ ہشام اور ابوجعفر نے کذب کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔باقیوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔پہلے اعراب کے اعتبار سے معنیٰ یہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے جو کچھ اپنی چشمان سے دیکھا ہے۔آپ کے قلب انور نے اس تصدیق کی۔دارمی نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ المعرفہ کا ہو کیونکہ اس کا حال پہلے گزر چکا ہے۔کیونکہ پہلے "الٰی عبدہ" میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر گزر چکا ہے۔اسی طرح "ما ضل صاحبكم" میں بھی آپ کا ذکر گزر چکا ہے۔یہ نہیں فرمایا کہ یہ ایک ایسا تصور ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔دوسرا ما موصولہ ہے جو مفعول لہ بن رہا ہے۔عائد محذوف ہے رأی کا فاعل ضمیر ہے جو حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے۔تخفیف کی قرأت میں بھی اسی طرح ہے کَذَبَ خود متعدی ہوتا ہے۔بعض نے لکھا ہے کہ زیر دینے والا محذوف سمجھا ہے اصل عبارت یوں تھی: "فيما راٰه" یہ مکی وغیرہ کا قول ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

لو كنت صادقة الذى حدثتنى　　　لنجوت منجا الحارث بن هشام

ترجمہ: "تو جو کچھ مجھے بیان کر رہی ہے اگر تو اس میں سچی ہے تو تو حارث بن ہشام کی طرح نجات پا گئی ہے۔"

اس "فی الذی حدثتنی" ہے۔انہوں نے ما میں دو وجہیں جائز قرار دی ہیں:

1. یہ الذی کے معنی میں ہو۔اس وقت مفہوم یہ ہوگا "جو کچھ آپ نے چشمان مقدس سے دیکھا دل انور نے اسے نہ جھٹلایا۔"
2. یہ مصدریہ ہو۔ابن قیم نے لکھا ہے۔اس کا معنی یہ ہوگا۔"آپ کے دیدار الٰہی کو آپ کے دل نے نہ جھٹلایا۔اس صورت میں دو امور مقدر ہوں گے۔اس میں رؤیت قلب اور رؤیت بصر کی تطابق اور توافق کی خبر دینا ہوگا۔ان میں سے ہر ایک نے دوسری کی تصدیق کی۔یہ تشدید کی قرأت کا ظاہری معنی ہے۔ایک گروہ نے اسے مشکل سمجھا

ہے۔ان میں مبرد بھی شامل ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ اس قرأت میں بُعدْ ہے۔جب آپ نے اپنے قلب انور سے دیکھا تو دل اقدس سے جان بھی لیا جب علم کا وقوع ہو جائے تو اس کے ساتھ کذب کا احتمال نہیں رہتا۔جب کوئی چیز دل میں معلوم ہو تو اس کے ہمراہ اس کی تکذیب کیسے ہو سکتی ہے؟اس کا جواب دو اعتبار سے دیا گیا ہے:

① بعض اوقات ایک انسان بعض اوقات کسی چیز کو اس کی حقیقت کے برعکس دیکھتا ہے۔اس کا دل اس کی تکذیب کرتا ہے۔جب وہ اسے معلوم کی صورت کو خلافِ حقیقت دیکھتا ہے۔یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اس کی آنکھ اس کی تکذیب کرے۔اس لیے کہا جاتا ہے "کذب قلبه و کذب ظنه و کذبته عینه" اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے اس امر کی نفی فرمادی۔بتادیا کہ آپ کے قلب انور سے جو کچھ دیکھا تھا وہ بالکل اسی طرح تھا۔جیسے کوئی کسی چیز کی اصلی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے۔لہٰذا یوں کہنا درست ہے "لم تکذبه عینه"

② رأی میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو۔الفؤاد کی طرف راجع نہ ہو۔اس صورت میں معنی یہ ہوگا "دل نے اس چیز کی نفی نہ کی جو آنکھ نے دیکھا الحمد للہ! اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔اس صورت میں معنی یہ ہوگا "دل نے تکذیب نہ کی بلکہ اس کی تصدیق کی۔دونوں قرأتوں میں معنیٰ یہ ہوگا: "نہ تو دل انور نے اس وہم میں ڈالا کہ آپ نے دیکھا حالانکہ آپ نے نہ دیکھا ہو اور نہ ہی آپ کی بصارت نے بہتان لگایا۔"

اللباب میں ہے۔امام رازی نے بھی اسی طرح لکھا ہے "یہ بھی جائز ہے کہ رأی کا فاعل اسی ضمیر میں ہو جو الفؤاد کی طرف راجع ہو۔یعنی آپ کے قلب انور نے اس چیز میں شک نہ کیا جو آپ کی آنکھ نے دیکھا۔علامہ زمخشری نے لکھا ہے:

"حضور اکرم ﷺ کے قلب انور نے حضرت جبرائیل امین کی اس صورت کی تکذیب نہ کی جو آپ نے چشمان مقدس سے دیکھی۔دل انور نے یوں نہ کہا کہ میں اسے نہیں جانتا جو کچھ آپ نے مشاہدہ کیا اگر وہ اس طرح کرتا تو وہ جھوٹا ہوتا۔کیونکہ اس نے جان لیا تھا۔آپ نے چشمانِ مقدس سے دیکھا۔دل نے اسے جان لیا۔اسے شک نہ رہا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ حق ہے۔یہ تخفیف کی قرأت کے مطابق معنی ہے۔تشدید کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہے "اس نے یوں نہ کہا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا تھا وہ مخفی تھا۔اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔رائی کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ دل انور ہے۔گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "جو کچھ قلب انور نے دیکھا اس نے اس تکذیب نہ کی۔اس نے یہ نہ کہا کہ یہ جن یا شیطان ہے۔بلکہ اسے یقین ہو گیا جو آپ نے اپنے قلبِ انور سے دیکھا۔وہ سچ اور صحیح تھا۔رائی سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بَصر ہے یعنی دل نے اس کی تکذیب نہ کی جو بصارت نے دیکھا۔دل نے اسے خیال نہ سمجھا۔ایک احتمال یہ بھی ہے کہ "ال" جنس کے لیے معنی یہ ہوگا کہ قلوب نے اس کی تکذیب نہ کی جو حضور اکرم ﷺ نے مشاہدہ کیا تھا۔دلوں نے اس کی صحت کی

گواہی دے دی جو محمد عربی ﷺ نے دیکھا تھا۔

المرئی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو دیکھا انہوں نے سبز رفرف کے دو حلے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے آسمان اور زمین کے مابین فضاء کو گھیر رکھا تھا۔

اسے امام ترمذی اور امام فریابی نے روایت کیا ہے اسے صحیح لکھا ہے ایک قول میں اس سے مراد آیاتِ عجیبہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے قلبِ انور کے ساتھ رب تعالیٰ کی زیارت دو بار کی۔ (مسلم) تیسرے باب" رویت باری تعالیٰ" میں اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ (النجم:۱۲)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے انکار اور مخالفت کا انکار کیا ہے۔ جیسے کہ عالم کے لیے جاہل کی مخالفت کا انکار کیا جاتا ہے۔

اللباب میں ہے: "الاخوان نے اسے "افتمرونه" پڑھا ہے۔ باقیوں نے اسے تمارونه پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی نے اسے افتمرونه پڑھا ہے۔ پہلی قرأت میں دو وجہیں ہیں:

1. یہ "مریته حقه" سے مشتق ہے۔ جبکہ میں اس پر غلبہ پالوں۔ اور اس کے حق کا انکار کروں۔ اسے "علی" سے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اس میں غلبہ کے معانی پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا ہے:

لئن هجرت اخا صدق و مكرمة   لقد مريت اخاما كان يمريكا

ترجمہ: "اگر تو نے اپنے معزز اور سچے بھائی کو چھوڑ دیا تو تو نے ایسے بھائی کا حق مارا جو تیرا حق نہیں مارتا تھا۔" کیونکہ جب اس نے اس کے حق کا انکار کر یا تو گویا کہ اس پر غالب آ گیا۔ المبرد نے لکھا ہے کہا جاتا ہے "مراه لمن حقه و على حقه" جب کوئی کسی کا حق روک دے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ علی، عن کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے بنو کعب بن ربیعہ کا قول "رضی اللہ علیک" یہ رضی اللہ عنک کے معنی میں ہے۔

ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ عن کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا جیسے المبرد نے لکھا ہے بلکہ فعل میں مخالفت کا معنی پایا جاتا ہے۔ الف کے ساتھ قرأت زیادہ ظاہر ہے۔

2. یہ مراه كذا على كذا سے مشتق ہے۔ یعنی وہ اس پر غالب آ گیا۔ یہ المراء سے ہے جس کا معنی الجدال ہے یا یہ

ما راہ عاریہ سے مشتق ہے۔اس کا معنی جھگڑا کرنا ہے۔ یہ مَرَی الناقۃ سے مشتق ہے۔کیونکہ جھگڑا کرنے والوں میں سے ہرایک اس چیز کو نکال لیتا ہے جو اس کے صاحب کے پاس ہوتی ہے۔اس کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ اسے "فی" کے ساتھ متعدی کیا جاتا۔جیسے کہا جاتا ہے "جادلہ فی کذا" یہ غلبہ کے معنی کو متضمن ہے۔اس لیے اسے علی سے متعدی کیا گیا۔حضرت عبداللہ نے اسے "ما راہ" سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ یہ رباعی ہے۔ اس کا معنی ہے" کیا تم آپ سے جھگڑا کرتے ہو؟ آپ نے جو کچھ دیکھا اس کے بارے آپ کیسے جھگڑا کرتے ہو؟ کیونکہ آپ نے جو کچھ ملاحظہ کیا ہے اسے یقین کی آنکھ کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے۔رؤیت کے بعد شک نہیں ہوتا۔

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں دونوں معانی شامل ہیں۔کیونکہ ان کا جھگڑا انکار تھا۔ایک قول یہ ہے کہ یہ انکار ان کی طرف سے ہمیشہ سے تھا یہ نیا جھگڑا نہیں ہے۔

ابن قیم نے لکھا ہے" یہ قوم جدال اور انکار کے مابین جمع ہوگئی۔ان کا جھگڑا انکار کا جھگڑا تھا یہ مناظرہ کوئی حق کو واضح کرنے اور راہ نمائی حاصل کرنے کے لیے نہ تھا۔الف کا اثبات مجادلہ پر دلالت کرتا ہے۔علی کے ساتھ تذکرہ کرنا مخالفت پر دلالت کرتا ہے۔الف کے ساتھ قرأت دونوں معانی کو شامل ہے۔انہوں نے آپ کے ساتھ اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ نے معراج کی تھی۔انہوں نے کہا:" آپ ہمارے لیے بیت المقدس کا محل وقوع بیان کریں۔ہمارے کارواں کے بارے میں بتائیں۔وغیرہ وغیرہ۔مفہوم یہ ہوگا کہ تم آپ سے جھگڑا کرتے ہو اور جو کچھ آپ نے دیکھا جسے جانا اور جس پر یقین کیا کیا تم اس پر الزام لگاتے ہو۔اگر کہا جائے کہ اس طرح کیوں نہ کہا گیا" اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا رَاٰى ⑫" یعنی ماضی کے صیغہ کے ساتھ۔کیونکہ انہوں نے آپ کے ساتھ اس وقت جھگڑا کیا جب آپ کو سیر کرائی گئی۔پھر مضارع کا صیغہ لانے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل عبارت یوں تھی:" افتمارونہ علی ما یری فکیف فکیف وھو قد راٰہ فی السماء فماذا تقولون فیہ"۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ (النجم:۱۳)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل امین کو ایک بار اور دیکھا پہلی بار آسمان کے بغیر افق اعلیٰ پر دیکھا تھا دوسری بار آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا تھا۔ابن کثیر نے لکھا ہے" یہ دوسری بار کا تذکرہ ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو اس شکل میں دیکھا تھا جس میں رب تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا تھا۔یہ شب معراج کو ہوا تھا۔حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا: شب معراج رؤیت باری تعالیٰ

ثابت ہے۔انہوں نے اسی آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔سلف وخلف کی ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے۔ایک جماعت نے ان کی مخالفت کی ہے۔اس کی تحقیق اگلے باب میں آرہی ہے۔

اللباب میں ہے "ولقد" میں واؤ ممکن ہے عاطفہ ہو۔یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حال کے لیے ہو یعنی تم اس میں آپ سے کیسے جھگڑا کرتے ہو جو کچھ آپ نے دیکھا۔آپ نے اس اعتبار سے اسے دیکھا ہے۔جس میں کوئی شک نہیں۔نزلۃ نزول سے فعلۃ کے وزن پر ہے۔جسے جلسہ، جلوس سے مشتق ہے۔اس کی نصب کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

1. یہ اس ظرف کی وجہ سے منصوب ہے جو مرۃ ہے۔کیونکہ فعلۃ فعل سے مرہ کے لیے اسم ہے۔یہ اسی کے حکم میں ہے۔الشہاب الحلبی نے لکھا ہے کہ یہ بصریوں کا موقف نہیں ہے۔یہ فرّاء کا موقف ہے۔مکی نے اس سے نقل کیا ہے۔
2. یہ اس مصدر کی وجہ سے منصوب ہے جو حال کے قائم مقام ہے۔یعنی "راہ نازلًا نزلۃً اخرٰی" حوفی اور ابن عطایہ نے یہی مذہب اختیار کیا ہے۔
3. یہ مصدر مؤکد کی وجہ سے منصوب ہے۔ابوالبقاء نے اسے مرۃ اخری یا رویۃ اخری مقدر مانا ہے۔شہاب حلبی نے لکھا ہے کہ نزلہ کی رویۃ کے ساتھ تاویل کرنے میں اختلاف ہے۔اخری دلالت کر رہا ہے کہ رؤیت اس سے قبل تھی۔ عند سدرۃ المنتھٰی رأی کا ظرف مکان ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ پر گفتگو

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ کئی وجوہات کا احتمال رکھتا ہے:

1. کسی چیز کی اس کے مکان کی طرف اضافت جیسے اشجار بلدۃ منتھی وہ جگہ ہوگی جسے نہ کوئی فرشتہ اور نہ ہی کوئی روح عبور کر سکتی ہے۔حضرت کعب الاحبار نے لکھا ہے "یہ جگہ عرش کی اصل میں عرش اٹھانے والے فرشتوں کے سروں پر ہے۔اسی پر مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔اس کے پرے کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔
2. محل کی حال کی طرف اضافت جیسے کتاب الفقہ۔اصل عبارت یوں ہوگی: "سدرۃ عندھا منتھی العلوم"
3. ملک کی اضافت مالک کی طرف۔جیسے دار زید یا شجر زید۔اس صورت میں منتھی الیہ محذوف ہوگا۔اصل سدرۃ المنتھی الیہ ہوگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ (النجم: ۴۲)

ترجمہ: ''اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔''

منتہیٰ الیہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ سدرۃ کی اس کی طرف اضافت یوں ہوگی جیسے البیتہ کی اضافت ہے جو تعظیم و شرف کے لیے ہے۔ جیسے تسبیح میں کہا جاتا ہے: ''یا غایۃ رغباہ یا منتہی املاہ''

امام قرطبی نے لکھا ہے ''اس جگہ کو سدرۃ المنتہیٰ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کے بارے نو اقوال ہیں:

1. کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو کچھ اوپر سے آتا ہے اس جگہ آ کر رک جاتا ہے۔ وہاں سے اسے لے لیا جاتا ہے جو کچھ زمین سے جاتا ہے وہ اس جگہ جا کر رک جاتا ہے۔ (مسلم)
2. انبیاء کرام کا علم اس جگہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے پرے جو کچھ ہے وہ مخفی ہے۔ (ابن عباس)
3. اعمال اس تک جاتے ہیں۔ اس سے انہیں اٹھالیا جاتا ہے۔ (ضحاک)
4. انبیاء اور ملائکہ اس جگہ ٹھہر جاتے ہیں۔
5. شہداء کی ارواح یہاں پر رک جاتی ہیں۔ (ربیع بن انس)
6. اہلِ ایمان کی ارواح اس جگہ ٹھہرتی ہیں۔ (قتادہ)
7. جو حضور اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ اور منہج پر ہے وہ اسی جگہ جا کر رک جاتا ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ)
8. یہ وہ درخت ہے جو عرش اٹھانے والے فرشتوں کے سروں پر ہے۔ اس پر مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔
9. جسے اس مقام تک لے جایا جاتا ہے اس کی عزت و کرامت کی انتہاء ہو جاتی ہے۔

ماوردی نے لکھا ہے ''دوسری چیزوں کو چھوڑ کر صرف سدرۃ کو ہی کیوں منتخب کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیری کے درخت کے تین اوصاف ہوتے ہیں: (۱) لمبا سایہ (۲) لذیذ ذائقہ (۳) عمدہ خوشبو۔ اسے اس ایمان کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے جو قول، نیت اور عمل میں جمع ہوتا ہے۔ ایمان میں سے اس کا سایہ عمل کی مانند ہے کیونکہ یہ پھیلتا ہے۔ اس کا ذائقہ نیت کی طرح ہے جو کہ مخفی ہوتی ہے۔ اس کی خوشبو قول کی طرح ہے جو ظاہر ہوتا ہے۔

تنبیہ

بیری کے درخت کو کاٹنے سے روکا گیا ہے۔ ابو داؤد، الطبرانی، بیہقی، الضیاء نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بیری کا درخت کاٹا رب تعالیٰ اس کا سر آگ میں گرائے۔'' الطبرانی نے ''سدر الحرم'' کا اضافہ کیا ہے۔ ابو داؤد نے لکھا ہے: ''یعنی جس نے جنگل میں سے ایسا بیری کا درخت کاٹا

جس کے نیچے مسافر یا چوپائے ٹھہرتے تھے۔ اس نے فضول اور ظلم کرتے ہوئے کاٹا تو اس کا سر جہنم کی آگ میں گرے گا۔"
امام بیہقی نے ابوثور سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی علیہ الرحمہ نے بیری کے درخت کو کاٹنے کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: "کوئی حرج نہیں۔" روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو" اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔ جس پر ابوداؤد نے اسے محمول کیا ہے۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت عروہ بیری کا درخت کاٹتے تھے حالانکہ وہ اس روایت کے راوی ہیں جس میں اس درخت کو کاٹنے کی نہی وارد ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نہی خاص ہو جیسے کہ ابوداؤد نے کہا ہے۔

خطابی نے لکھا ہے کہ علامہ مزنی سے اس کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جس نے کسی قوم یا یتیم کی بیری کو کاٹنے کے لیے حملہ کیا یا اس نے وہ درخت کاٹا جس کا کاٹنا رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا۔ اس وقت وہ اس سزا کا مستحق ہوگا جس کا تذکرہ آپ نے کیا۔ مسئلہ کا تذکرہ سامع سے پہلے گزر چکا ہوگا۔ اس نے جواب تو سن لیا۔ مگر مسئلہ نہ سنا۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید کی روایت کو اس کی نظیر کہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "انما الربا فی النسیئة" انہوں نے صرف جواب سنا۔ انہوں نے مسئلہ نہ سنا حالانکہ آپ نے فرمایا تھا: "سونے کو سونے کے عوض فروخت نہ کرو مگر مثل بمثل دست بدست" علامہ مزنی نے اسی چیز سے استدلال کیا ہے۔ جس سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے میت کو بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حکم نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا: "بیری کے پتے شاخ کی مانند ہیں۔" انہوں نے کہا: "حضور اکرم ﷺ نے حرم پاک کے ان درختوں کے پتوں وغیرہ میں برابری قائم فرمائی ہے جسے کاٹنا حرام قرار دیا۔ جب بیری کے پتوں سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا منع نہ فرمایا۔ تو بیری کے درخت کو کاٹنے کے جواز پر دلیل قائم ہوگئی۔"

الشیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے "اس حدیث پاک کی میرے نزدیک عمدہ تاویل یہ ہے کہ اسے حرم پاک کی بیری پر محمول کیا جائے۔ جیسے کہ الطبرانی کی روایت میں ہے۔ ابن الاثیر نے النہایۃ میں لکھا ہے: "ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حرم پاک کی بیری کا درخت ہے کیونکہ وہ حرم ہے یا مدینہ طیبہ کی پاک زمین کا بیری کا درخت ہے۔ اسے کاٹنے سے منع فرمایا تاکہ یہ ہجرت کرنے والے کے لیے انس اور سایہ کا سبب بن سکے۔ یا اس سے مراد بیری کا وہ درخت ہے جو چٹیل میدان میں ہو کیونکہ مسافر اور حیوان اس کا سایہ حاصل کرتے ہیں یا وہ درخت ہے جو کسی دوسرے انسان کی ملکیت میں ہو۔ ظالم اس پر حملہ کرے اور اسے ناحق کاٹ دے۔" لیکن یہ حدیث مضطرب الروایۃ ہے کیونکہ اکثر راویوں نے اسے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود بیری کا درخت کاٹتے تھے اور اس سے دروازے بناتے تھے۔ ہشام کہتے تھے: "یہ اس

بیری کے درخت کے دروازے ہیں جسے میرے والد صاحب نے کاٹا تھا۔ اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس درخت کا کاٹنا مباح ہے۔"

ابو داؤد نے حضرت حسان بن ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت ہشام بن عروہ سے بیری کے درخت کو کاٹنے کے متعلق پوچھا۔ وہ اپنے والد گرامی کے مکان کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "تم یہ دروازے اور چوکھٹیں دیکھ رہے ہو۔ یہ اس بیری کے درخت کے ہیں جنہیں میرے والد صاحب نے اپنی سرزمین سے کاٹا تھا۔"

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿۱۵﴾ (النجم: ۱۵)

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ جنت الماویٰ کے مقام کی تعریف یہ ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ یہ عرش کے دائیں طرف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام تھا۔ بعد میں اسی جگہ سے آپ کو نکالا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ سارے اہلِ ایمان کی ارواح جنت الماویٰ میں ہوتی ہیں۔ یہ عرش کے نیچے ہیں۔ وہ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس کی عمدہ خوشبو سونگھتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مقام حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کا ٹھکانہ ہے۔

اللباب میں ہے "یہ ابتدائیہ جملہ ہے جو حال کی جگہ ہے بہتر ہے کہ اسے حال ظرف کہا جائے جنت الماویٰ اس کا فاعل ہے۔ عام قراء نے اسے جنۃٌ اسم مرفوع پڑھا ہے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم، حضرت زر بن حبیش، حضرت محمد بن کعب نے اسے جَنَّہٗ فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس میں ھاء ضمیر ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ الماویٰ فاعل ہے اس کا معنی ہے کہ رب تعالیٰ کی پناہ نے آپ کو گھیر لیا یا گھر اور رات نے آپ کو گھیر لیا۔ یا اس کے سایہ نے آپ کو گھیر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں داخل ہو گئے۔

امام رازی نے لکھا ہے: "احتمال ہے کہ اس قرأت کے مطابق "عندھا" کی ضمیر "النزلۃ" کی طرف راجع ہو۔ یعنی نزول کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماوی نے ڈھانپ لیا۔ صحیح مؤقف یہ ہے کہ یہ السدرۃ کی طرف راجع ہے۔ اللباب میں ہے: یہ جمہور کا قول ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس قرأت کو عجیب سمجھا ہے۔ ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے: "اجن اللہ من قرأھا" جب ایسی عظیم ہستیوں سے یہ قرأت منقول ہے تو آپ کے رد کی طرف کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ لیکن مستعمل اجنہ (رباعی) ہے۔ اسے ثلاثی بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جو "علی" سے متعدی ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ۔ (الانعام:۷۶)

ترجمہ: "پھر جب چھاگئی ان پر رات۔"

ابوالبقاء نے لکھا ہے کہ یہ شاذ ہے۔ اجنّہ مستعمل ہے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ (النجم:۱۶)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو دیکھا۔ پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھا۔ ذکر فرمایا کہ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اور اسے اس چیز نے ڈھانپ لیا جسے ڈھانپ لیا یہ عمدہ استطراد ہے۔ قرآن مجید میں یہ ایک لطیف اسلوب ہے۔

اللباب میں ہے: "اذ" حالتِ نصب میں ہے۔ امام نے لکھا ہے: "اذ" کا عامل یا اس کا مابعد ہے یا اس کا ماقبل ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ اس کا عامل ماقبل ہے تو اس میں دو احتمال ہیں۔ ان میں اظہر احتمال یہ ہے کہ آپ نے انہیں اس وقت دیکھا جب سدرۃ پر وہ چھارہا تھا جو چھارہا تھا۔ دوسرے احتمال میں عامل وہ فعل ہے جو النزلۃ میں ہے۔ آپ نے انہیں دوسری بار دیکھا۔ یہ دیکھنا اس وقت تھا جب سدرۃ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا۔ یہ نزول اس وقت کے بعد تھا جب سدرۃ پر عجائب کا نزول ہوا تھا۔ اس پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ فائدہ کے بغیر واپس نہیں لوٹے تھے۔ اگر ہم کہیں کہ اس میں عامل مابعد ہے تو پھر اس کا عامل "ما زاغ البصر" ہے یعنی جب سدرۃ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا اس وقت بھی آپ کی نگاہِ ناز بھی درماندہ نہ ہوئی جب سدرۃ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھارہا تھا۔

اس وقت سدرۃ پر کیا چھایا تھا اس کے بارے اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سونے کے بستر یا سونے کی ٹڈیاں تھیں۔ یہ حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور ضحاک کا قول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرات ابن مسعود اور ابن عباس نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مرفوع روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے سدرۃ کو دیکھا اس پر سونے کے بستر چھائے ہوئے تھے۔ میں نے ہر ہر پتے پر ایک فرشتہ دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا تھا۔" میں کہتا ہوں کہ امام نے لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ دلیل سمعی سے ہی ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر اس میں حدیث صحیح ہو تو درست ہے۔ ورنہ اسے متعین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث شریف ہے۔ ایسی حدیث پاک کو اپنی رائے سے نہیں کہا جاسکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ ملائکہ اس پر چھائے ہوئے تھے گویا کہ وہ پرندے تھے۔ وہ شوق فراواں اور حصولِ تبرک کے لیے زیارت

کرتے ہوئے اس پر چڑھتے تھے۔ جیسے لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر انوارِ الٰہیہ چھا رہے تھے۔ کیونکہ جب آپ سدرۃ پہنچے تو رب تعالیٰ نے اس طرح تجلی فرمائی جس طرح رب تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تھی۔ انوارِ ظاہر ہوئے لیکن سدرۃ کا درخت پہاڑ سے مضبوط تھا۔ وہ ثابت رہا۔ جبکہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ درخت نے حرکت نہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت قدم رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ ان میں سے ہر چیز وہاں چھا رہی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی تعظیم کرتے ہوئے اسے مبہم رکھا۔ یعنی سدرۃ پر اس نے ملکوت کے دلائل اور اس کی قدرت کے عجائب جو چھا رہے تھے انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ (النجم:۱۷)

الصحاح میں ہے قد زاغ البصر ای مَالَ۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ نہ تو چشمانِ اقدس دائیں بائیں مائل ہوئیں۔ نہ اس حد سے آگے بڑھیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس چیز کی نفی فرما دی جو اس مشاہدہ کرنے والے کو لاحق ہوتی ہے جسے بادشاہوں اور عظیم لوگوں کے سامنے کھڑے ہونے کے آداب نہ آتے ہوں۔ جو دائیں بائیں متوجہ ہوتا ہو۔ اس مقام پر آپ کے کمال ادب کے بارے بتایا۔ آپ نے کسی جانب توجہ نہ کی۔ آیاتِ ربانیہ اور عجائب کے علاوہ کسی اور جگہ نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ بلکہ آپ اس عبد کامل کی طرح کھڑے ہوئے جس کا ادب اس پر لازم کرتا ہے کہ وہ سر جھکائے رکھے اور صرف اس چیز کی طرف توجہ کرے جو اس کی مراد ہے کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل اضطراب سے پاک تھا۔ اس پر طمانیت اور سکون چھایا ہوا تھا۔ یہ کمال کی انتہاء ہے۔ زیغ البصر سے مراد یہ ہے کہ نظر کا ایک جانب پھر جانا۔ اور تا حدِ نگاہ اسے آگے لے جانا۔ اس سورت میں آپ کے لیے یہ تنزیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کا عمل مبارک گمراہی ہو، قصد مبارک ضلالت سے اور کلام مبارک خواہشات سے پاک ہے۔ دل اس سے پاک ہے کہ وہ بصارت کی تکذیب کرے۔ نگاہِ ناز ٹیڑھے پن اور سرکشی سے پاک ہے۔ یہ آپ کی تعریف ہے:

تلك المكارم لا قعبان من لبن   شيبا بماء فعادا بعد ابوالاً

ترجمہ: "یہ مکارم اخلاق دودھ کے ایسے پیالے نہیں جن میں پانی ملایا گیا جو بعد میں پیشاب میں تبدیل ہو جائیں۔"

اللباب میں امام رازی کی تبع میں ہے: "البصر کا لام دو وجوہات کا احتمال رکھتا ہے:

معروف یعنی حضور پاک ﷺ کی نگاہِ ناز درماندہ نہ ہوئی۔ اس اعتبار سے اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ سدرۃ پر سونے کے بستر اور سونے کی ٹڈیاں چھائی ہوئی تھیں تو معنی یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے نہ تو ان کی طرف توجہ کی اور نہ ہی ان میں مصروف ہوئے۔ آپ کی نظر آپ کے مقصود حقیقی پر رہی۔ اس صورت میں یہ بستر اور ٹڈیاں آپ کے لیے امتحان نہ تھیں۔

اگر ہم کہیں کہ وہاں انوارِ الٰہیہ چھائے ہوئے تھے تو پھر اس میں دو وجوہات ہیں۔

1. آپ نے دائیں بائیں توجہ نہ کی۔ بلکہ ان کے مشاہدہ میں مصروف رہے۔
2. کمزوری کی وجہ سے آپ کی نگاہِ ناز درماندہ نہ ہوئی۔ پہلی صورت میں آپ کے کمالِ ادب کا بیان ہے۔ دوسری صورت میں آپ کی قوت کا بیان ہے۔

لام میں دوسری وجہ یہ ہے کہ تعریف الجنس کے لیے ہو۔ یعنی عظمت کی ہیبت کی وجہ سے آپ کی نگاہِ ناز بالکل مائل نہ ہوئی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یوں ہوتا تو عبارت کچھ اس طرح ہوتی "مَا زَاغَ بَصَرٌ" یہ عمومیت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ نفی کے اظہار میں نکرہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام:۱۰۳)

ترجمہ: "نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔"

یوں نہیں فرمایا: "لم يدرکه بصر"

وَمَا طَغٰى (النجم:۱۷)

ترجمہ: "اور نہ (حدِ ادب سے) آگے بڑھی۔"

امام رازی نے لکھا ہے اسمیں دو وجوہات ہیں:

1. یہ عطف ہے ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف ہے۔
2. یہ عطف ہے ایک جملہ کا عطف دوسرے جملہ پر کیا گیا جن کا بعض حصہ محذوف ہے۔

پہلی وجہ کی مثال "خرج زيد و دخل عمرو" مقدرہ کی مثال "خرج زيد و دخل" یہ دونوں وجہیں جائز ہیں۔ پہلی وجہ کے اعتبار سے گویا کہ رب تعالیٰ نے نور کے ظہور کے وقت کہا: "مَا زاغ بصر محمد وما طغى محمد بسبب الالتفات و لو التفت لكان طاغيا" دوسری وجہ ظاہر ہے اگر کہا جائے کہ سدرۃ پر چھانے والی چیز ٹڈیاں تھیں تو معنی یہ ہوگا کہ آپ نے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ نے نہ ٹڈیوں اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی

اور کی طرف توجہ کی۔ اگر چھاننے والا نور ہو تو معنی یہ ہوگا کہ آپ کی نگاہِ ناز انوارِ الٰہیہ سے مائل نہ ہوئی۔ لیکن رب تعالیٰ نے مَا مَالَ وَمَا جَاوَزَ نہ فرمایا۔ کیونکہ اس جگہ میل اور تجاوز کا ذکر کرنا مذموم ہے۔ لہٰذا اس جگہ الزیغ اور الطغیان کا تذکرہ کیا۔ اس میں ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہ حضور ﷺ کے یقین کی شدت تک پہنچنے کی تفصیل ہے وہ یقین جس کے اوپر یقین نہیں۔ یعنی آپ کی نگاہِ ناز رستہ سے نہ ہٹی۔ آپ نے خلافِ حقیقت کچھ نہ دیکھا۔ اس شخص کے برعکس جو سورج کو دیکھتا ہے۔ پھر وہ سفید چیز کو دیکھے تو وہ اسے زرد یا سبز نظر آتی ہے۔ دیکھنے کی راہ سے آپ کی نگاہ نہ ہٹی۔ "وما طغی" کا معنی ہے کہ آپ نے معدوم کو موجود تصور نہ کیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے اس سے تجاوز نہ کیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم: ۱۸)

اللباب میں ہے "الکبریٰ میں دو وجوہ ہیں: اظہر یہ ہے کہ مفعول ہے۔ رأی من آیات ربہ حال مقدم ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: "لقد رأی الآیات الکبریٰ من آیات ربہ" دوسرا احتمال یہ ہے کہ من آیات ربہ الرؤیۃ کا مفعول ہے۔ الکبریٰ، آیاتِ ربہ کی صفت ہے۔ اس جمع کی صفت مونثہ واحدہ لگانا درست ہے۔ اس کا یہاں فاصلہ ہونا بہت عمدہ ہے۔

امام رازی نے لکھا ہے: "الکبریٰ میں دو احتمال ہیں:

1. یہ محذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: لقد رای من آیات ربہ۔
2. یہ آیاتِ ربہ کی صفت ہے۔ اس صورت میں رأی کا مفعول محذوف ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی: "رای من آیات ربہ الکبریٰ آیۃً او شیئًا"۔

امام قرطبی نے لکھا ہے: "روا ہے کہ من زائدہ ہو یعنی "رأی آیات ربہ الکبریٰ" بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد آپ کا حضرت جبرائیل امین کو اصلی صورت میں دیکھنا ہے۔

امام نے لکھا ہے: "ظاہری بات یہی ہے کہ ان آیات سے مراد اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ اگرچہ یہ علامت بھی عظیم ہے۔ لیکن روایات میں ہے کہ رب تعالیٰ کی مخلوق ایسی بھی ہے جو ان سے بھی بڑی ہے۔ الکبریٰ اکبر کی تانیث ہے۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "رأی من آیات ربہ آیات ھی اکبر الآیات"۔

امام احمد، امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت جبرائیل امین کو دیکھا۔ انہوں نے رفرف کا حلہ پہن رکھا تھا۔ انہوں نے آسمان اور زمین کے مابین فضا کو بھر رکھا تھا۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس روایت سے علم ہوتا ہے کہ رفرف سے مراد حلہ ہے یہ فرمان باری تعالیٰ بھی اس کی تائید کرتا ہے:

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ ۔ (الرحمٰن:٧٦)

ترجمہ: "وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس۔"

رفرف کی اصل وہ چیز ہے جو دیباج کی ہو۔ نرم ہو عمدہ ہو پھر اس کا استعمال پردہ میں ہونے لگا۔ ہر وہ عمدہ چیز جسے تہ کیا جائے تو وہ مڑ جائے وہ رفرف ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "شب معراج کو آپ نے اپنی سیر کو جاتے وقت اور واپس آتے وقت یہی دیکھا تھا۔ یہ بہت احسن ہے۔"

امام نے لکھا ہے: "یہ آیت طیبہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شب معراج کو حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا تھا۔ آپ نے آیات الٰہیہ کو دیکھا تھا۔ مگر اس میں اختلاف ہے۔ دلیل پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رؤیت آیات پر قصہ معراج کو ختم کیا ہے۔ فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ۔ (الاسراء:١)

ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں۔"

حتیٰ کہ فرمایا:

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ (الاسراء:١)

ترجمہ: "تاکہ ہم دکھائیں آپ کو اپنی نشانیاں۔"

اگر آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہوتا تو ممکنات میں سے سب سے بڑی بات ہوتی۔ یہ آیت رؤیت کے لیے ہوتی۔ کیونکہ رؤیت سب سے بڑی چیز ہے۔" ابن کثیر نے لکھا ہے "اہل السنۃ والجماعۃ میں سے جس نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس شب کو رؤیہ واقع نہیں ہوئی تھی اس نے ان دونوں آیات سے استدلال کیا ہے۔ اگر آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی خبر دیتا لوگوں کو بتاتا۔

❁❁❁❁

تیسرا باب

شب معراج دیدارِ الٰہی میں علماء کا اختلاف

وہ درست مؤقف جس پر اہلِ حق ہیں وہ یہ ہے کہ از روئے عقل رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے محال نہیں ہے۔ اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ آخرت میں رؤیت ہوگی۔ اہلِ ایمان رب تعالیٰ کی زیارت کریں گے۔ بدعتیوں کے ایک گروہ نے یہ گمان کیا ہے کہ رب تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ دیدارِ الٰہی عقلاً محال ہے لیکن یہ مؤقف واضح خطاء اور بہت بڑی جہالت ہے۔

کتاب حکیم کی ادلہ، سنت مطہرہ، اجماع صحابہ کرام اور بعد کے علماء کا اس بات پر اجماع عیاں ہے کہ آخرت میں دیدارِ الٰہی ہوگا۔ اکیس صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے یہی روایت کیا ہے۔ اس کے بارے آیاتِ قرآنیہ مشہور ہیں۔ اہلِ بدعت کے اس پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات اہل السنۃ کے متکلمین کی کتب میں مذکور ہیں۔ دنیا میں دیدارِ الٰہی عقلاً اور سمعاً ممکن ہے۔ اہلِ حق کا مؤقف یہ ہے کہ رؤیت وہ قوت ہے جسے رب تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ اس میں شعاعوں کا متصل ہونا شرط نہیں اور نہ ہی مرئی کا سامنے ہونا شرط ہے۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے یہ عادت رواں ہوگئی ہے۔ یہ اتفاق کی جہت سے ہے شرط کی جہت سے نہیں۔ ہمارے آئمہ عظام نے عمدہ دلائل سے اسے ثابت کیا ہے۔ رؤیت باری تعالیٰ کے لیے جہت ہونا لازم نہیں رب تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔ بلکہ اہلِ ایمان اسے جہت کے بغیر دیکھیں گے جیسے وہ جانتے ہیں کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ ہر موجود کو دیکھنا صحیح ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی زیارت کرنا بھی صحیح ہے۔ حکم اپنے وجود اور عدم کے لیے اپنی علت کے اردگرد گھومتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ موجود ہونا ہی رؤیت کی صحت کے لیے علت ہے۔ اس کا وقوع اور نہ سمجھ سکنا اس کے جواز کو لازم نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کی سنت مطہرہ یہی ہے کہ اس نے اسے ہم میں پیدا نہیں کیا۔ مگر یہ جواز ہے کہ وہ یہ ہم میں پیدا کر دے۔ کیونکہ یہ محال نہیں۔ اس میں اور بھی ابحاث ہیں جو اہلِ کلام کی کتب میں موجود ہیں۔ دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے دیدار کی التجاء کی۔ عرض کی:

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: ''اے میرے رب مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔''

ان کا اعتقاد تھا کہ رب تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے التجاء کی۔ اس آیت طیبہ میں دو دلیلیں ہیں:

یہ محال ہے کہ ایک نبی کو یہ علم نہ ہو کہ رب تعالیٰ کے لیے کیا روا ہے اور کیا روا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس چیز کی التجاء کرتا ہے جو جائز ہو اور محال نہ ہو۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام محال کا سوال نہیں کرتے۔ لیکن اس امر کا وقوع اور مشاہدہ ہونا اس غیب سے ہوتا ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ ذاتِ والا جانتی ہے جسے وہ بتاتا ہے اور آگاہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں ایسا جواب دیا جو جواز کے لیے منافی نہیں ہے۔ فرمایا:

لَنۡ تَرٰىنِیۡ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: ''تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے۔''

لَنْ اُرٰی نہیں فرمایا جس سے اس کی نفی کی طرف اشارہ ملتا ہو۔ یعنی تم میرا دیدار کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ وصف ابھی تم میں نہیں پایا۔ ان کے لیے ان چیز کی تمثیل بیان کی جو ان سے اقوی اور اثبت تھی یعنی پہاڑ۔ فرمایا:

وَلٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ ۚ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: ''البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے۔''

دوسری دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے لیے اپنی رؤیت کو کوہِ طور کے ساتھ معلق کیا۔ اگر کوہِ طور تجلی کے وقت برقرار رہا تو انہیں دیدار الٰہی سے شادکام کیا جائے گا۔ وہ چیز جسے ممکن کے ساتھ معلق کیا جائے۔ وہ ممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ تعلیق کا معنی ہے معلق بہ۔ کے ثبوت کے وقت معلق کے ثبوت کے بارے میں خبر دینا ہے۔ اس پر یہ جملہ شرطیہ خبریہ ہے بشرطیکہ جزاء دراصل خبر ہو۔ جیسے کہ یہاں ہے۔ لہٰذا رؤیت کا امکان لازمی طور پر ثابت ہو گیا ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے۔ محال تو بالکل کسی چیز پر وقوع نہیں ہوتا۔ جب امکان ثابت ہو گیا تو امتناع اٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ کی گذارش:

تُبۡتُ اِلَیۡکَ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: ''میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں۔''

یعنی میں اس سے توبہ کرتا ہوں کہ میں نے اس چیز کا سوال کیا جو میرے لیے دنیا میں مقدر نہیں ہے۔ ایک قول یہ

ہے کہ یہ التجاء ان انوار کی شدت کی وجہ سے تھی۔ جو آپ پر نازل ہوئے حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ جیسے کہ تم اس جائز فعل کے بارے کہتے ہو جو تمہیں مشقت میں مبتلا کر دے۔ "میں ایسا کام کرنے سے توبہ کرتا ہوں۔"

قاضی ابو بکر الھذلی نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ کا مفہوم یہ ہے "دنیا میں کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مجھے دیکھ سکے۔ جو دنیا میں مجھے دیکھتا ہے وہ اسی وقت مر جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے پہاڑ کو دیکھا تھا وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔"

قاضی نے لکھا ہے "میں نے بعض اسلاف اور متاخرین کو سنا ہے ان کا موقف یہ ہے کہ دنیا میں رویت باری تعالیٰ ممتنع ہے۔ یہ امتناع اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں کیونکہ اس کے جواز کا ثبوت ہے۔ یہ اس لیے ممتنع ہے کیونکہ اہل دنیا کی تراکیب اور قوی کمزور ہیں۔ یہ اعضاء متغیرہ ہیں یہ ایسے حادثات کا سامنا کرتے ہیں جو جگر کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ موت اور فناء سے ڈرتے ہیں۔ انہیں دنیا میں رویت پر قوت حاصل نہیں ہے۔ آخرت میں ان کی ایک اور ترکیب ہوگی۔ انہیں ثابت اور مضبوط قوی بخشے جائیں گے ان کے دلوں اور آنکھوں کا نور مکمل ہوگا۔ آخرت میں انہیں رویت کی قدرت حاصل ہوگی۔"

میں نے اسی طرح کا موقف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے: "یہ دیدار الہی دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ذات باقی ہے باقی کو فانی کے ساتھ نہیں دیکھا جا سکتا۔ آخرت میں انہیں باقی رہ والی نظریں ملیں گی۔ باقی کو باقی کے ساتھ دیکھا جا سکے گا۔" امام مالک علیہ الرحمۃ کا کلام عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اس میں محال ہونا قدرت کے ضعف کی وجہ سے ہے۔ رب تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے رویت کا بوجھ اٹھانے کی قدرت عطا کر دیتا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے: "صحیح مسلم میں ایک روایت ہے جو اس گروہ کی تائید کرتی ہے مرفوع روایت ہے۔" جان لو تم اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ کہ مر جاؤ۔" اس روایت کو ابن خزیمہ نے حضرت ابو امامۃ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جب دنیا میں رویت از روئے عقل جائز ہوگئی۔ یہ سماعت کے اعتبار سے ممتنع تھی۔ جس نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت کیا ہے۔ اس کے لیے یہ کہنا روا ہے کہ متکلم اپنے خطاب کی عمومیت میں داخل نہیں ہوتا۔"

قاضی نے لکھا ہے: "جس نے اس سے اختلاف کیا ہے اس کے لیے رب تعالیٰ کا یہ فرمان حجت نہیں ہے۔"

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز (الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: "نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔"

کیونکہ اس آیت طیبہ کی تاویلات میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ادراک سے مراد احاطہ ہے۔ اس میں مطلق رویت کی نفی نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اس کا صحیح جواب یہ ہے ''اس نفی میں عموم اوقات یا عموم حالات میں سے کسی حالت پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ یہ مراد کہاں سے ثابت ہوگئی کہ اوقات میں سے کسی وقت میں اور احوال میں سے کسی حال میں نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ بلکہ اسے دار دنیا کی نسبت کے اعتبار سے محمول کرنے کا یقین ہو جائے گا۔ تاکہ دلائل سمعیہ کو جمع کیا جا سکے۔''

امام قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے: ''ابصار جمع ہے۔ اس کے ساتھ الف لام لگایا گیا ہے جو تخصیص کو قبول کرتا ہے۔ یہ سمع کے اعتبار ثابت ہے۔ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ (المطففین:۱۵)

ترجمہ: ''یقیناً انہیں اپنے رب سے اس دن روک دیا جائے گا۔''

اس سے مراد کفار ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (القیامۃ:۲۲،۲۳)

ترجمہ: ''کئی چہرے اس روز تر وتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

انہوں نے لکھا ہے کہ جب یہ آخرت میں جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے۔ کیونکہ دیکھنے والے کے اعتبار سے دونوں اوقات برابر ہیں۔'' الحافظ نے لکھا ہے: ''یہ عمدہ استدلال ہے۔''

اس آیت طیبہ سے رؤیت کے امکان کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ اگر رویت ممتنع ہوتی تو نفی رؤیت کی وجہ سے آیت سے مدح حاصل نہ ہو سکتی۔ اس لزوم کی وجہ یہ ہے کہ ممتنع اپنی ذات کی حد میں منافی ہوتا ہے۔ اس کی نفی مدح کی صفت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ وہ لازمی ہوتا ہے۔ لیکن معدوم کی رؤیت ممتنع ہوتی ہے۔ عدم رؤیت کی وجہ سے اس کی مدح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ''المعدوم لا یُرٰی'' مدح نہیں ہوگی۔ کیونکہ معدوم کی رؤیت ممتنع ہے۔ ربّ تعالیٰ کی رؤیت کے عدم کی نفی سے مدح ثابت ہو سکی ہے۔ لہٰذا اس کی رؤیت ممکن ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عدم رؤیت سے نفی سے مدح رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کی وجہ سے ہوگی۔ لیکن اسے دیکھا نہیں جا سکتا کیونکہ امتناع ہے۔ نگاہیں اس میں معذور ہیں۔ کبریائی اور جلال کے حجابات ہیں۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کی رویت ممتنع ہے۔ لیکن اس پر صفات سلبیہ ایسی صفات ہیں جو مدح کرتی ہیں۔ اگر ہم آیت طیبہ میں ادراک سے مراد وہ رؤیت لیں جو مرئی کی جوانب اور حدود کا احاطہ کر لے تو اس وقت یہ آیت طیبہ نہ صرف رؤیت کے جواز پر دلالت کرے گی بلکہ وقوع کے تحقق پر بھی دلالت کرے گی۔ کیونکہ اسے بطور مدح ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی دلالت سے جواز کا اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب تو اسے دیکھے گا تو تیری نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ

وہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ وہ نگاہوں سے دیکھا تو جا سکتا ہے لیکن احاطہ کے اعتبار سے نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں کیونکہ وہ قطعی طور پر تناہی سے پاک ہے۔ وہ ان حدود سے منزہ ہے جو انتہائیں اور جوانب ہیں، غیر متناہی چیز کا احاطہ محال ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول حدیث پاک کی شرح میں آئے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں رویت کے جواز کا قول بھی ہوگا لیکن یہ سعادت حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس میں بھی اختلاف ہے۔ آپ کے علاوہ جس کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے وہ گمراہ ہے۔ امام موفق الدین الکاشی اور امام مہدوی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس کے کفر کا قول کیا ہے۔ امام جمال الدین الاردبیلی نے کتاب الانوار میں لکھا ہے: ''جب دیدار کے بارے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی تو یہ انہیں حاصل نہ ہوسکا تو یہ لوگوں میں سے کسی اور کو کیسے حاصل ہوسکتا ہے''۔ لیکن اس امر میں توقف بہتر ہے۔

فصل

حضور اکرم ﷺ نے شب معراج رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں۔ اس کے بارے دو موقف ہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیدار کی نفی کی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مشہور ہے۔ بہت سے محدثین اور متکلمین نے یہی موقف اپنایا ہے۔ امام دارمی نے مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ عبدالرزاق نے معمر سے اور وہ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ محمد عربی ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انکار انہیں شدید لگتا تھا۔ حضرت ابن عباس کے ساتھیوں حضرت کعب الاحبار، امام زہری، معمر اور دیگر آئمہ کا یہی موقف ہے۔ الشیخ ابوالحسن الاشعری اور ان کے پیروکاروں اور ابن خزیمہ کا یہی موقف ہے۔ پھر ان کا اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اپنے دل مبارک سے یا چشمان مقدس سے اس کی زیارت کی تھی۔ امام احمد سے یہ دونوں اقوال منقول ہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے''اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شب معراج کو اپنے رب تعالیٰ کو اپنے سر اقدس کی مبارک آنکھوں سے دیکھا تھا۔ عنقریب ان کے دلائل کا تذکرہ ہوگا۔

ایک گروہ نے اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا ہے کیونکہ دلائل کے تعارض کی وجہ سے نہ نفی کا قول کیا ہے نہ اثبات کا۔ امام قرطبی نے اس کو راجح کہا ہے۔ محققین کی ایک جماعت نے یہی مذہب اختیار کیا ہے یہ چیز اسے قوی کرتی ہے کہ اس ضمن میں کوئی دلیل قاطع نہیں ہے۔ دونوں گروہوں نے ایسے دلائل سے استدلال کیا ہے جو ایک دوسرے کے معارض ہیں۔ اور

ان میں تاویل ہوسکتی ہے۔ یہ فضیلت کا مسئلہ نہیں جس میں ظنی دلائل کافی ہوں بلکہ یہ عقائد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس میں دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

امام سبکی نے سیف المسلول میں لکھا ہے" اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دلیل قطعی اور متواتر ہی ملے بلکہ اگر ایک صحیح حدیث مل جائے وہ آحاد کی روایت ہو تو اس پر اعتماد کرنا درست ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق اعتقاد کے مسائل سے ہے جن میں دلیل قطعی، کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔"

قاضی علیہ الرحمۃ نے الشفاء وغیرہ میں لکھا ہے" جواز میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات طیبات:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام:۱۰۳)

ترجمہ: "نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔"

لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: "تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے۔"

میں کوئی ایسی نص نہیں ہے جو رؤیت کے خلاف ہو۔ بلکہ یہ جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا تو اس کے بارے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے نہ ہی کوئی قابل اعتماد نص ہے کیونکہ اس میں سورۃ النجم کی دو آیتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ (النجم:۱۱)

ترجمہ: "نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔"

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم:۱۷)

ترجمہ: "اور نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ حد ادب سے آگے بڑھی۔"

لیکن ان میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ان میں رؤیت اور عدم رؤیت کا احتمال ممکن ہے کیونکہ ان میں یہ صراحت نہیں ہے۔ اس ضمن میں آپ سے کوئی قطعی اور متواتر روایت بھی منقول نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس کی یہ روایت کہ آپ نے اپنے سر اقدس کی آنکھوں سے دیکھا تھا یا دل سے دیکھا تھا۔ یہ اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے۔ انہوں نے اسے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور اس اعتقاد پر عمل کیا جائے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ اسی طرح کی روایت حضرت شریک نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا

دیدار کیا تھا۔ حضرت معاذ کی روایت "رائیت ربی فی احسن صورۃ" کی سند اور متن مضطرب ہے۔ حضرت ابوذر کی روایت الفاظ کے اعتبار سے مختلف احتمال رکھتی ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہ کیا۔ کیونکہ آپ نے اس کی ذات کو نور فرمایا ہے روایت ہے "نورانیٰ اراہ" یعنی وہ نور ہے میں اسے کیسے دکھ سکتا ہوں کیونکہ نور کو دیکھنے سے آنکھیں چندھا جاتی ہیں۔ دوسری روایت ہے "نور انّی اراہ" وہ نور ہے میں نے اس کو دیکھا ہے۔

قاضی نے لکھا ہے "اس رؤیت کا وقوع ہمارے لیے نہیں ہوا۔ نہ ہی میں نے اسے اصول میں سے کسی اصل میں دیکھا ہے۔ یہ محال ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات والا نور ہو۔ نور جسم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اس سے بلند و بالا ہے۔ اسی لیے اس کا نام مبارک "نور" ہے یعنی نور والا یا نور کا خالق۔ ایک اور روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کی: "کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: "میں نے نور دیکھا ہے۔" ان میں سے کسی ایک روایت سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہ وضاحت کر رہی ہیں کہ آپ نے اسے نہیں دیکھا۔ اگر یہ صحیح ہو "میں نے نور دیکھا ہے" تو اس کا مطلب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بتایا کہ آپ نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ نور دیکھا۔ جس نے آپ کو دیدارِ الٰہی سے روک دیا۔ یہ فرمان اس فرمان کی طرف راجع ہے "نور انّٰی اراہ" میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ اس کا حجاب نور ہے جو آنکھوں کو چندھا دیتا ہے۔ یہ حدیث مبارک معنی میں اس روایت کے مشابہ ہے "حجابہ نور" (مسلم) الاکمال میں ہے "ہمارے بعض مشائخ نے اس میں توقف کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "یہ کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ لیکن یہ جائز ہے۔ رؤیت باری تعالیٰ دنیا میں جائز ہے۔"

پہلے مؤقف کے دلائل

امام بخاری، امام مسلم، عبدالرزاق عبد بن حمید، ترمذی اور ابن جریر وغیرہم نے حضرت مسروق سے روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق نے اضافہ کیا ہے "حضرت ابن عباس حضرت کعب سے ملے۔ میدانِ عرفات کا مقام تھا۔ انہوں نے ان سے ایک سوال کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "ہم بنو ہاشم یہی گمان کرتے ہیں (کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے) دوسری روایت میں ہے "حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔" حضرت کعب نے تکبیر کہی جس کی گونج پہاڑوں سے ابھری۔ پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضور انور ﷺ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے مابین تقسیم کیا ہے۔ (حضور ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دو بار اس سے گفتگو کا شرف حاصل کیا۔ پھر انہوں نے اتفاق کر لیا۔

حضرت مسروق حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: "میں نے عرض کی: "امی جان! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟" انہوں نے فرمایا: "جو کچھ تم سے کہا ہے اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ جو شخص تم سے تین امور بیان کرے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ یا اس نے رب تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے جو تم سے یہ بیان کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ انہوں نے جھوٹ بولا ہے یا رب تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان لگایا ہے۔" پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ (الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: "نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے۔"

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔ (الشوریٰ: ۵۱)

ترجمہ: "اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ۔"

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا؟ تو اس نے بھی جھوٹ بولا ہے۔ یا رب تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے۔" پھر انہوں نے آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ (لقمان: ۳۴)

ترجمہ: "اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔"

جو تم سے یہ کہے کہ آپ نے کچھ چھپایا ہے اس نے بھی بہتان باندھا ہے۔ یا جھوٹ بولا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ
(المائدۃ: ۶۷)

ترجمہ: "اے رسول پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ کا پیغام۔"

بلکہ آپ نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دو بار دیکھا۔" امام احمد اور امام مسلم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت مسروق نے عرض کی:

"میں ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں سیدھا ہو گیا۔ میں نے عرض کی: کیا یہ رب تعالیٰ کا فرمان نہیں ہے؟

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىۙ۝۱۳ (النجم:۱۳)

ترجمہ: "اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔"

صحابہ کرام نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کی: "کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں! میں نے حضرت جبرائیل کو اترتے وقت دیکھا تھا۔"

امام احمد نے حضرت همام سے، حضرت امام مسلم نے حضرت معاذ بن ہشام سے اور یزید بن ابراہیم نے ان سب سے حضرت قتادہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: "اگر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لیتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا۔" انہوں نے فرمایا: "کون سا؟" میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی زیارت کی ہے؟" انہوں نے فرمایا: میں نے آپ سے التجاء کی تھی۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟" آپ نے فرمایا: "وہ نور ہے وہ کیسے دیکھا جا سکتا ہے۔" (یا "وہ نور ہے میں نے اس کی زیارت کی ہے) دوسری روایت میں ہے "میں نے نور دیکھا ہے۔"

تنبیہات

◆ ۱ ایک جماعت نے لکھا ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کسی مرفوع روایت سے رؤیت کی نفی نہیں کی۔ اگر ان کے پاس مرفوع روایت ہوتی تو وہ اس کا تذکرہ کرتیں۔ انہوں نے آیت طیبہ کے ظاہر سے استدلال کیا تھا۔ جو کچھ اس نظریہ کے حامل لوگوں نے کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت ام المؤمنین کے فرمان سے صحیح آگاہ نہ تھے کہ انہوں نے اس کے بارے حضوا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ عرض کی: "یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں نے حضرت جبرائیل کو نیچے اترتے دیکھا ہے۔"

◆ ۲ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عقل کی مطابق ان سے گفتگو کی تھی جس نے ان کے مؤقف میں لغزش کا ارادہ کیا ہے۔ وہ خطاکار ہے۔ وہ بے ادب ہے۔

◆ ۳ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے معراج سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا۔ جس میں آپ نے جواب ارشاد فرمایا تھا۔ جو فرمایا تھا۔ اگر وہ معراج کے بعد سوال کرتے تو آپ انہیں اثبات میں جواب ارشاد فرماتے۔ یہ مؤقف کمزور ہے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے آپ سے معراج کے بعد سوال کیا تھا۔ ان کے لیے بھی رؤیت ثابت نہ ہو سکی۔

④ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی مخالفت کی ہے۔امام ترمذی نے حسن روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔'' حضرت عکرمہ نے عرض کی: ''کیا رب تعالیٰ کا ارشاد نہیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام:۱۰۴)

ترجمہ: ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔''

انہوں نے کہا: ''تم پر تعجب ہے۔وہ اس کا نور ہے۔جس وقت وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے آپ نے دو بار اپنے رب کا دیدار کیا تھا۔'' لب لباب یہ ہے کہ آیت طیبہ میں مراد رؤیت کے وقت اس کا احاطہ کرنا ہے۔اصل رؤیت کی نفی نہیں ہے۔امام نووی نے لکھا ہے کہ الادراک سے مراد احاطہ ہے۔رب تعالیٰ کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔جب احاطہ کی نفی کے بارے نص وارد ہو گئی تو اس سے احاطہ کے بغیر رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔جو رب تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا ۔ (الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ: ''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ (براہِ راست) مگر وحی کے طور پر۔''

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

① رؤیت کے وقت کلام کا ہونا ضروری نہیں۔رؤیت کلام کے بغیر جائز ہوگی۔

② یہ عام ہے جو سابقہ دلائل سے مخصوص ہے۔

③ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس جگہ مراد واسطہ کے بغیر کلام کرنا ہے۔اگرچہ اس قول کا احتمال ہے لیکن جمہور کا مؤقف یہ ہے کہ اس جگہ وحی سے مراد الہام اور خواب میں زیارت کرنا ہے۔ان میں سے ہر ایک کو وحی کہا جاتا ہے۔

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ۔ (الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ: ''یا پس پردہ۔''

اس کے بارے امام واحدی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کسی کے ساتھ آواز بلند کیے بغیر کلام کرے۔وہ اس طرح رب تعالیٰ کا کلام سنیں کہ اس کی ذات کی زیارت نہ کریں۔اس سے مراد یہ نہیں کہ وہاں حجاب ہو جو ایک جگہ کو دوسری جگہ سے جدا کر رہا ہو۔جو محجوب کی حد بندی پر دلالت کر رہا ہو۔یہ اسی طرح ہے کہ جیسے پس پردہ سنا جائے اور متکلم نظر نہ آئے۔

⑤ حضرت کعب کا یہ فرمان کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دو بار کلام کیا تھا۔'' اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔حق یہ ہے کہ انہوں نے کئی بار یہ شرف حاصل کیا تھا۔ارشاد فرمایا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ⑰ (طٰہٰ:١٧)

ترجمہ: ''اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!''

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسٰى ⑧٣ (طٰہٰ:٨٣)

ترجمہ: ''اور کس وجہ سے تم جلدی آگئے اپنی قوم سے اے موسیٰ!''

فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ۔ (طٰہٰ:٨٥)

ترجمہ: ''ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے جانے کے) بعد۔''

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ۔ (الاعراف:١٤٥)

ترجمہ: ''پھر (فرمایا) پکڑلو اسے مضبوطی سے۔''

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ (طٰہٰ:٤٣)

ترجمہ: ''آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس۔''

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ③٩ اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ۔ (طٰہٰ:٣٩)

ترجمہ: ''میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشاء یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن۔''

دوسرے موقف کے دلائل

1. ابن کثیر اور ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس سے مطلق اور مقید روایات منقول ہیں۔ ان میں سے مطلق کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے۔ مقید وہ ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو العالیہ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے نقل کی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ۔ (النجم:١١)

ترجمہ: ''نہ جھٹلایا دل نے۔''

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ (النجم:١٣)

ترجمہ: ''اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔''

اس روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے قلب انور سے دو بار رب تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ حضرت عطاء کی سند سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے دلِ انور سے رب تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ ابن مردویہ نے اس آیت طیبہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دل سے دیکھا تھا چشمانِ مقدس سے نہیں دیکھا تھا۔ امام نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے آپ کے بعض صحابہ کرام ﷡ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: ''ہم نے عرض کی: ''یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ دل سے دو بار اس کی زیارت کی ہے۔'' پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ (النجم: ۸)

ترجمہ: ''پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔''

- الحافظ نے لکھا ہے کہ رؤیت الفؤاد سے مراد دل انور سے دیکھنا ہے۔ اس سے صرف حصول علم مراد نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ سے رب تعالیٰ کے بارے جانتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے لیے یہ ثابت ہوا کہ آپ نے اپنے قلب انور سے اسے دیکھا ہے۔ جو رؤیت آپ کو حاصل ہوئی اسے آپ کے قلبِ انور میں اس طرح تخلیق کیا گیا جس طرح کسی اور کے لیے آنکھ میں رؤیت تخلیق کی گئی۔'' صاحب السراج نے لکھا ہے ''اولیا کرام کا معاملہ آپ کے برعکس ہے۔ جب وہ رؤیت یا مشاہدہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ اس سے معرفت مراد لیتے ہیں۔ یہ اہم امور میں سے ہے اسے یاد کرلو۔ بہت سے لوگ اس میں لغزش کھا جاتے ہیں۔''
رؤیت کے لیے از روئے عقل کوئی مخصوص چیز ہونا شرط نہیں ہے۔ اگرچہ آنکھ کی تخلیق میں عادت یہی ہے۔ امام واحدی نے لکھا ہے'' آپ نے اپنے قلب انور سے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ اس صورت میں رب تعالیٰ نے آپ کی چشم مقدس کو دل میں بنا دیا تھا یا دل مبارک کے لیے بھی ایک آنکھ بنا دی تھی حتیٰ کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا صحیح دیدار کرلیا۔''
- حضرت ابن عباس سے یہ مقید روایات ہیں۔ ان سے حضرت ام المؤمنین کی نفی اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ ان کی نفی کو آنکھ سے دیکھنے پر اور ان کے اثبات کو دل سے دیکھنے پر محمول کیا جائے۔
- ابن کثیر نے لکھا ہے: ''وہ حدیث جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''رایت ربی عزّ وجلّ'' اس کی سند صحیح ہے۔ یہ صحیح کی شرط پر ہے۔ لیکن یہ حدیث المنام سے

مختصر ہے۔

◆ ابن کثیر نے لکھا ہے "جن راویوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنی چشمانِ مقدس سے دیکھا تھا تو یہ بہت غریب ہے کیونکہ اس ضمن میں کسی صحابی سے بھی کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ علامہ بغوی کا یہ قول 'ایک جماعت کا یہ مؤقف ہے کہ آپ نے اپنی چشمِ مقدس سے دیکھا تھا۔' یہ حضرات انس، حسن اور عکرمہ کا قول ہے۔' اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بغوی نے اسے ابوالحسن الواحدی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن کثیر کا یہ قول بھی عمدہ نہیں کہ اس ضمن میں صحابہ کرام سے کچھ مروی نہیں۔ الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔ ایک بار اپنی چشمِ مقدس سے اور دوسری بار اپنے قلب انور سے۔"

❁❁❁❁

چوتھا باب

کس وقت اور کس جگہ سے معراج کا سفر ہوا

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اول: جگہ کے بارے

امام بخاری نے لکھا ہے کہ آپ اس وقت بیت اللہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ باب بدء الخلق میں بیت اللہ اور باب المعراج میں الحطیم کا ذکر کیا کبھی الحجر کا ذکر کیا۔ یہ شک حضرت قتادہ کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ امام احمد نے اپنی روایات میں عفان بن ھمام سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "بینما انا فی الحطیم" حضرت قتادہ نے بھی الحجر فرمایا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ الحجر سے مراد الحطیم ہی ہے۔ یہ بعید موقف ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ رکن اور مقام یا چشمۂ زمزم اور حجر کے مابین تھے۔ اگر حطیم اور حجر میں جلوہ نما ہونے میں اختلاف ہے اس سے مراد وہ مبارک جگہ ہے جس میں سے اس مبارک سفر کا آغاز ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ متعدد بار رونما نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ مخرج کے ایک ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہے۔

امام زھری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے کاشانۂ اقدس کے چھت میں سوراخ کیا گیا جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔" امام واقدی کی روایت میں ہے کہ آپ کو شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی۔ الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ آپ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے آپ کو رات کے وقت غائب پایا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے آپ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر رات بسر فرمائی۔ ان کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا۔ چھت میں سوراخ کیا گیا گھر کی نسبت آپ کی طرف کی گئی کیونکہ آپ اس میں جلوہ افروز تھے۔ گویا کہ آپ مالک تھے۔ آپ کو مسجد حرام کی طرف لے جایا گیا، آپ پر نیند کے اثرات تھے۔ پھر مسجد کے دروازے کی طرف لے جایا گیا۔ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا۔ ابن اسحاق نے حسن کی مرسل روایت لکھی ہے کہ حضرت جبرائیل آپ کے پاس آئے اور آپ کو مسجد کی طرف لے گئے۔ یہ روایت بھی اسی جمع کی تائید کرتی ہے۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مختلف روایات "اسی اثناء میں کہ میں مسجد حرام میں تھا۔" "میں اپنے گھر میں تھا۔" "میں ام

ہانی کے گھر تھا" میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ مسجد حرام میں تھے۔

دوسری فصل، مقام کے بارے

وہ صحیح موقف جس پر علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ الاسراء (معراج) بعثت کے بعد ہوئی تھی۔ وہ بات جس کا تذکرہ حضرت شریک کی روایت میں ہے کہ تین افراد آپ کے پاس آئے ابھی آپ پر نزولِ وحی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس میں ہے "اس رات آپ نے انہیں نہ دیکھا حتیٰ کہ وہ دوسری رات آئے۔" انہوں نے دو بار آنے کے مابین مدت کا تعین نہیں کیا۔ اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ دوسری بار آنا نزولِ وحی کے بعد تھا۔ اس وقت معراج ہو چکی تھی۔ اگر دونوں بار آنے میں مدت ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مدت ایک رات ہو یا زیادہ راتیں ہوں یا کئی سال ہوں۔"

ابن کثیر نے لکھا ہے "اس پر محمول کرنا زیادہ ظاہر ہے۔ ابن قیم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ حافظ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اس سے حضرت شریک کی روایت سے اشکال دور ہو جاتا ہے۔ اس سے اس امر پر اتفاق حاصل ہوتا ہے کہ معراج بعثت سے بعد اور ہجرت سے قبل عالم بیداری میں ہو۔ اس سے خطابی اور ابن حزم کی تشنیع ختم ہو جاتی ہے کہ شریک نے اپنے اس دعویٰ سے اجماع کی مخالفت کی ہے کہ معراج بعثت سے پہلے ہوا تھا۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ بعض شارحین نے جو لکھا ہے کہ یہ ان دو راتوں کے مابین تھی جن میں سات یا نو یا تیرہ فرشتے تھے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ تو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ وہ فرشتے مختلف سالوں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے جیسے کہ شارح مذکور نے سمجھا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے اس جگہ لفظ قبل مخصوص امر میں استعمال ہوا ہے مطلق نہیں ہے۔ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کو معراج نزولِ وحی سے قبل کرایا گیا۔ یعنی یہ اچانک ہوا تھا۔ امام زہری کی روایت بھی اسی تائید کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا: "میرے کاشانہ اقدس کی چھت میں سوراخ کیا گیا۔"

اس میں اختلاف ہے کہ معراج کس سال ہوا تھا۔ جمہور نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوا تھا۔ امام نووی نے یہی موقف اختیار کیا ہے ابن حزم نے مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ قاضی نے لکھا ہے کہ معراج ہجرت سے پانچ سال قبل ہوا تھا۔ کیونکہ اس میں اختلاف نہیں کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز کی فرضیت کے بعد آپ کے ہمراہ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ ان کا وصال ہجرت سے قبل ہو گیا تھا۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ نماز شبِ معراج کو فرض ہوئی تھی۔ ابن دحیہ نے قاضی کی یوں گرفت کی ہے "وہ نماز جو انہوں نے آپ کے ہمراہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ بعثت کی ابتداء میں تھی۔ وہ دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام تھی۔ شب

معراج پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نماز کے فرض ہونے سے پہلے وصال ہو چکا تھا۔(ابن سعد اور یعقوب بن سفیان)

معتمد مؤقف یہ ہے کہ جس نے یہ کہا اس کی مراد یہ ہے کہ جنہوں نے کہا ہے کہ فرض نماز سے قبل ان کا وصال ہوا تھا ان کی مراد پانچ نمازیں ہیں۔اگر حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ بالا فرمان سچ ثابت ہو جائے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال نماز فرض ہونے سے پہلے ہوا تھا۔اس سے دونوں اقوال کو جمع کیا جا سکتا ہے۔اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان کا وصال معراج سے پہلے ہوا تھا۔عسکری نے روایت کیا ہے کہ ان کا وصال ہجرت سے سات سال قبل ہوا تھا۔ان کے تذکرہ میں یہ تفصیل بیان ہوگی۔

معراج کس مہینہ میں ہوئی تھی۔اس میں اختلاف ہے۔ابن الاثیر نے حزم کے ساتھ لکھا ہے۔امام نووی نے فتاویٰ میں رقم کیا ہے کہ معراج ماہِ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔امام نووی نے لکھا ہے کہ ۲۷ ربیع الاول کی شب کو معراج ہوئی تھی۔انہوں نے اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے۔فتاویٰ الانبوی،اذرعی نے توسط میں زرکشی نے الخادم میں دمیری نے حیاۃ الحیوان میں اور مسلم شریف کے بعض نسخوں میں اسی طرح لکھا ہے۔فتاویٰ کے اکثر نسخوں میں ربیع الآخر لکھا ہوا ہے۔ابن دحیہ نے الابتہاج میں،الحافظ نے فتح میں اور ابن دحیہ نے التنویر والمعراج الصغیر،ابوشامہ نے باعث میں اور الحافظ نے فضائل رجب میں لکھا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ معراج رجب کے مہینہ میں ہوئی۔امام نووی نے امام رافعی کی تبع کرتے ہوئے الروضۃ میں یہی لکھا ہے۔ایک قول رمضان المبارک اور ایک قول شوال کا بھی ہے۔

ابن عطیہ نے یہ اختلاف لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ یہ صحیفہ شق ہونے کے بعد اور بیعۃ العقبہ سے پہلے ہوئی تھی۔ابن دحیہ نے لکھا ہے:''ممکن ہے کہ یہ رات پیر کی مبارک شب ہو،ہجرت کی تاریخ کے حساب کے مقدمات اسی کی دلیل ہے۔لب لباب یہ ہے کہ انہوں نے یہ استنباط کیا ہے۔انہوں نے ولادتِ مبارکہ،بعث مبارکہ،معراج،ہجرت اور وصال مبارک کو پیر کے دن ہی ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔انہوں نے لکھا ہے''یہ انتقالات نبویہ کی ہیئتوں سے وجودِ مسعود،نبوت،معراج اور وصال کے اعتبار سے پانچ ہیئتیں ہیں۔آپ کے حق میں پیر کا روز اسی طرح ہے جس طرح حضرت آدم کے حق میں جمعۃ المبارک تھا۔اس روز میں ان کی تخلیق ہوئی۔اسی میں انہیں زمین پر اتارا گیا۔اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی اسی میں ان کا وصال ہوا۔آپ کے وجود یہ اور دینیہ اطوار ایک ہی دن کے ساتھ مختص ہیں۔ابن شیبہ نے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:''پیر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت،بعثت،معراج اور اسی میں آپ کا وصال ہوا۔''اسی میں آپ کو سیر کرائی گئی۔''اس امر پر اتفاق ہے کہ معراج رات کے وقت ہوئی تھی۔

تنبیہ

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ معراج پیر کی رات کو ہوئی تھی۔ کیونکہ رات اس دن کے تابع ہوتی ہے جو اس کے بعد ہوتا ہے۔ پھر لکھا ہے "اس بات پر اجماع ہے کہ عرفہ کی شب وہ رات ہوتی ہے جو عرفہ کے دن سے پہلے ہوتی ہے۔" بعض علماء فرماتے ہیں "بعض لوگوں کے گمان کے مطابق ہفتہ کی رات جمعتہ کے بعد کی رات ہے۔" نجات میں جو لکھا ہے: "ہر دن کی رات وہ شب ہوتی ہے جو اس سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ مہینہ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے اور اس کا آخر دن پر ہوتا ہے۔ ہمارے شوافع آئمہ نے یہی تفصیلات لکھی ہیں۔ عرفہ کی رات اگرچہ شرعی طور پر اس سے مؤخر ہوتی ہے۔ لیکن شرعاً حکم میں شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مخصوص وقت میں وقوف مشروع قرار دیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے اعتراض نہیں ہوگا۔

وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ (یٰس: ۴۰)

ترجمہ: "اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔"

کیونکہ مفسرین نے اس کا ایک اور معنی لکھا ہے۔ مجاہد لکھتے ہیں: "رب تعالیٰ کے فیصلہ اور علم میں ہے کہ دن رات کو نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ اسے پالیتا ہے اور اس کی ظلمت مٹا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کے فیصلہ اور علم میں ہے کہ رات دن کو نہیں چھوڑتی اسے پالیتی ہے اور اس کے اجالے کو ختم کر دیتی ہے۔"

الضحاک نے لکھا ہے: "کوئی دن اس طرف سے نہیں گزرتا بلکہ رات بھی اسی طرف سے گزر جاتی ہے۔" امام بغوی نے لکھا ہے: "وہ معلوم حساب سے ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے وقت سے پہلے نہیں آتا۔" ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی سلطنت میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ رات کے وقت سورج طلوع نہیں ہوتا۔ دن کے وقت چاند روشن نہیں ہوتا۔ جب یہ دونوں اکٹھے ہو جائیں گے ایک دوسرے کو پالیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ رات رات کے متصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے مابین دن بطور فاصل ہوتا ہے۔

❁❁❁❁

پانچواں باب

معراج کی کیفیت اور بار بار معراج کے بارے

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

معراج کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اجمالاً نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور اس کی تفصیلات اور عجائب میں متفرق احادیث ہیں جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا البتہ معراج کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے علماء کے کئی اقوال ہیں:

یہ قول اکثر علماء کا ہے کہ معراج جسم انور اور روح اقدس کے ساتھ عالم بیداری میں ہوئی تھی یہ مکہ مکرمہ سے لے کر بیت المقدس تک۔ پھر سماوات علی سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں تک رب تعالیٰ نے چاہا معراج ہوئی۔ قاضی لکھتے ہیں: "یہ موقف ہی حق ہے۔ اسی پر آیت طیبہ کی نص دلالت کر رہی ہے۔ بہت سی احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ آیت طیبہ اور ان احادیث طیبہ سے عدول نہیں کیا جائے گا جو اس کے بارے وارد ہیں۔ نہ ہی اس حقیقت سے عدول کیا جائے گا۔ الفاظ سے اذہان جس کی طرف تیزی سے جاتے ہیں۔ تاویل کا سہارا صرف محال ہونے کی صورت میں لیا جاتا ہے جبکہ الفاظ کو ان کی حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہو۔ جسمِ اطہر اور روح مبارک کے ساتھ معراج کرانے میں اور حالتِ بیداری میں معراج کرانے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے تاویل کرنا پڑے۔ اگر معراج عالم نیند میں ہوتی تو یہ آیت اس طرح ہوتی۔ "سبحان الذی اسریٰ بروح عبدہٖ" بعبدہٖ کا لفظ نہ ہوتا۔ عبد سے حقیقت میں روح اور جسم مراد ہے رب تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم: ۱۷)

ترجمہ: "نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔"

ملکوت کے عجائب میں جن عجائب کو دیکھنے کا آپ کو حکم دیا گیا نگاہِ ناز نے ان سے عدول نہ کیا۔ نہ ہی ان سے تجاوز

کیا۔ یہ بھی اس امر پر صراحت ہے کہ معراج عالم بیداری میں جسم اور روح کے ساتھ تھی۔ کیونکہ امر کو بصر کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یہ عالم بیداری میں ہی ہو سکتا ہے کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ (النجم: ۱۸)

ترجمہ: "یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

اگر معراج نیند میں ہوتی تو اس میں نہ نشانی ہوتی نہ ہی معجزہ ہوتا۔ اگرچہ انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں وہ ابلغیت اور خرق عادت امر نہیں ہوتا جو بیداری میں ہوتا ہے اگر یہ عالم نیند میں ہوتی تو کفار اسے بعید از قیاس نہ سمجھتے نہ ہی اس کی تکذیب کرتے۔ نہ ہی اس کی وجہ سے کمزور مسلمان فتنہ میں مبتلا ہوتے۔ کیونکہ ایسے خوابوں کا انکار نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی کفار اسے بعید از قیاس سمجھتے نہ اس کی تکذیب کرتے نہ فتنہ میں مبتلا ہوتے۔ یہ سارے امور اسی وقت ہی رونما ہو سکتے ہیں جب معراج جسمِ اطہر کے ساتھ عالم بیداری میں ہو۔

امام بخاری نے باب الاسراء میں اور حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (الاسراء: ۶۰)

ترجمہ: "اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔"

اس سے مراد آنکھ کا مشاہدہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کو شب معراج کرایا گیا۔ سعید نے یہ اضافہ کیا ہے: "اس سے مراد خواب نہیں ہے۔"

الحافظ نے لکھا ہے کہ مشاہدہ کی نسبت آنکھ کی طرف کی گئی ہے تاکہ قلب کے ساتھ دیکھنے سے احتراز ہو سکے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں رؤیت قلب کو اس آیت طیبہ سے ثابت کیا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ (النجم: ۱۱)

ترجمہ: "نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے)"

آنکھ کے مشاہدہ کو اس آیت طیبہ سے ثابت کیا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم: ۱۷)

ترجمہ: "نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔"

ابن مردویہ نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ

مکرمہ پہنچ گئے ہیں۔ جب مشرکین نے آپ کو روک دیا تو اس میں بعض لوگوں کے لیے فتنہ تھا۔ ابن مردویہ نے جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں نے دیکھا گویا کہ بنوامیہ میرے منبر کو استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے مراد دنیا ہے جو انہیں ملے گی۔'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی'' یہ دونوں روایات ضعیف ہیں صحیح مؤقف وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ ابن عباس نے جو کچھ فرمایا ہے یقینی طور پر وہی حق ہے کہ اس سے مراد شب معراج آنکھ مبارک سے مشاہدہ کرنا ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمان وغیرہم نے یہی کہا ہے۔

تنبیہ

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری کا مؤقف ہے کہ شب اسراء اور تھی اور شب معراج اور۔ کیونکہ انہوں نے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ باب باندھا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس میں ان کے لیے مغایرت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نماز کی ابتداء میں ان کا تذکرہ ان کے متحد ہونے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے یہ باب باندھا ہے۔ ''شب الاسراء کو نماز کیسے فرض ہوئی؟ نماز شب معراج کو ہی فرض ہوئی۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں متحد ہیں۔ انہوں نے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ باب اس لیے باندھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ قصہ پر مشتمل ہے۔ اگرچہ دونوں واقعات ایک ہی وقت رونما ہوئے تھے۔

دوسرا قول

اسراء بیت المقدس تک جسمِ اطہر کے ساتھ اور آسمانوں تک سیر روح مبارک کے ساتھ تھی۔ ایک گروہ کا یہ مؤقف ہے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل پکڑی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (الاسراء:۱)

ترجمہ: ''(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔''

انہوں نے مسجد اقصیٰ کو اس اسراء کے لیے انتہاء بنایا ہے۔ جس میں اس حیثیت سے تعجب ہے کہ وہ رات کے قلیل میں رونما ہوا۔ کفار اس میں محال ہونے کی وجہ سے تعجب کرتے تھے۔ جب اہل ایمان کا تعجب قدرت باہرہ کی وجہ سے تھا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور کرامت کا بھی ظہور ہے۔ اگر مسجد اقصیٰ سے زائد سیر ہوتی تو رب تعالیٰ اس کا ذکر کرتا تا کہ آپ کی مدح اور توصیف میں اور اضافہ ہوتا۔''

آئمہ کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ایمان کی طرف استدراجاً لانے کے لیے پہلے اسراء کا تذکرہ کیا۔ جب آپ کی صداقت کی نشانیاں عیاں ہوگئیں اور آپ کی رسالت کی برہان پوری ہوگئی اور وہ اس معجزہ سے اُنس پا گئے تو انہیں اس سے بڑے معجزہ کے بارے بتایا وہ معراج ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اس کے بارے بتایا۔ رب تعالیٰ نے سورۃ النجم میں یہ واقعہ نازل فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی شب میں تھی۔ امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے۔ ''میرے پاس براق لایا گیا میں اس پر سوار ہوا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا...... پھر مجھے آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''جب میں بیت مقدس میں فارغ ہوگیا تو میرے پاس سیڑھی لائی گئی۔''

تیسرا قول

اگرچہ اسراء روح کے ساتھ تھا یہ نیند میں خواب تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی حکایت بیان فرمائی:

یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ۔ (الصافات: ۱۰۲)

ترجمہ: ''اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''انبیائے کرام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن ان کے قلوبِ مبارکہ نہیں سوتے۔'' یہ مؤقف رکھنے والے علماء کرام نے اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ۔ (اسراء: ۶۰)

ترجمہ: ''اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔''

اگر عالم بیداری میں معراج ہوتی تو ''الرؤیۃ'' کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ شریک کی روایت میں ہے ''آپ مسجد حرام میں آرام فرما تھے'' پھر انہوں نے شب معراج کی ساری داستان روایت کر دی۔ پھر روایت کیا: ''جب میں اپنی نیند سے بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔'' یہ مؤقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی معراج کے بارے سوال کیا جاتا تو فرماتے: ''یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔'' یعقوب راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔ یہ منقطع حجت ہے۔'' یہ قول حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''مجھے آلِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں سے ایک شخص نے بتایا ہے کہ حضرت ام المؤمنین

رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: "اس رات حضور اکرم ﷺ کا جسد اطہر غائب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپ کی روح کو سیر کرائی گئی۔" شفاء کے نسخوں میں ہے "میں نے شب معراج آپ کا جسم اطہر مفقود نہ پایا۔"

پہلی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رؤیا کبھی کبھی الرویۃ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی عالم بیداری میں مشاہدہ کرنا۔ جیسے ابن دحیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے:

و کبّر للرویا و ھش فوادہ و بشر قلبا کان جما بلا بلہ

رب تعالیٰ کا یہ فرمان الا فتنۃ للناس۔ (الاسراء:٦٠) بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد آنکھ کا مشاہدہ ہے وجود مسعود کے ساتھ سیر ہے کیونکہ نیند میں سیر کرنا لوگوں کے لیے فتنہ نہیں ہو سکتا کیونکہ محال امر سمجھتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ لوگ مرتد ہو گئے۔ کفار نے کہا: "محمد عربی (جانِ عالم ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے۔ پھر اسی رات مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ جبکہ ایک کارواں ایک ماہ وہاں تک جاتے ہوئے اور ایک وہاں سے آتے ہوئے لگاتا ہے۔" اگر یہ خواب ہوتا تو کوئی بھی اسے بعید از قیاس نہ سمجھتا۔ یہ معروف امر ہے کہ ایک سونے والا کبھی خود کو آسمانوں میں کبھی مشرق میں اور کبھی مغرب میں دیکھتا ہے کوئی بھی اسے بعید نہیں سمجھتا۔ عالم بیداری میں معراج کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے اس رات قریش کے ایک کارواں کا پانی پیا تھا۔ انہوں نے یہ پانی پیالہ میں ڈال کر ڈھانپ رکھا تھا وقت صبح اس برتن میں پانی نہ تھا۔ انہوں نے اس پر تعجب کیا۔ اسی طرح آپ نے اس شخص کی راہ نمائی کی تھی جس کا اونٹ براق کی آہٹ سن کر بھاگ گیا تھا۔ آپ نے اہلِ مکہ کو اس کی نشانی بھی بتائی تھی۔ آپ نے دو بوروں کا تذکرہ کیا جن میں سے ایک سیاہ اور دوسرا سفید و سیاہ تھا۔ آپ نے اس کارواں کے بارے بتایا کہ وہ بدھ کو آجائے گا۔ جس میں سے اونٹ والے کی راہ نمائی کی تھی۔ اور جن کے پیالے سے پانی نوش کیا تھا۔ یہ سارے امور عالم بیداری میں ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے حضرت ابن عباس کا یہ فرمان گزر چکا ہے "یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو حضور ﷺ کو معراج کی شب کرایا گیا تھا۔"

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت کا تذکرہ ہو جبکہ ابتدائے سفر میں فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہو۔ آپ استراحت فرما ہوں۔ حضرت حسن کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل امین میرے پاس آئے انہوں نے مجھے جگایا۔ میں بیٹھ گیا۔ میں نے کچھ بھی نہ دیکھا۔ میں اپنے بستر پر لوٹ گیا...... وہ مجھے مسجد حرام کے دروازے تک لے گئے۔ میں نے وہاں ایک جانور پایا۔" اسے ابتدائے حال پر محمول کیا جائے گا۔ پھر آپ مسجد حرام کے دروازے کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کو سوار کرایا گیا۔ آپ عالم بیداری میں تھے۔ حدیث پاک میں یہ ذکر نہیں کہ آپ سارے واقعہ کے دوران سوئے ہی

رہے۔آپ کا یہ فرمان "پھر میں بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔" اس کے بارے حافظ نے لکھا ہے کہ اگر کہا جائے کہ معراج کئی بار ہوئی تو پھر اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ اسے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ جب میں ملکوت کے عجائب کے مشاہدہ سے لوٹا اور عالم دنیوی کی طرف آیا جب میں عالم بشریت کی طرف آیا تو میں مسجد حرام میں تھا۔"

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ پر وحی ہوتی تھی تو آپ بہت زیادہ مستغرق ہوتے تھے۔جب وحی کا نزول ختم ہو جاتا تھا تو آپ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آتے تھے۔اس حالت کو آپ نے بیداری سے تعبیر فرمایا۔جیسے کہ اس حدیث پاک میں ہے جس میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ طائف تشریف لے گئے۔اہل طائف نے آپ کو جھٹلایا۔آپ نے فرمایا: "جب میں واپس آیا تو میں غمزدہ تھا۔میں قرن الثعالب پہنچ کر اپنی پہلی حالت پر آیا۔" حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ اپنے نور نظر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔تا کہ آپ اسے گھٹی دیں۔انہوں نے اسے آپ کی مبارک ران پر بٹھا دیا۔حضور اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں مصروف ہو گئے۔حضرت اسید نے اپنا بچہ وہاں سے اٹھا لیا جب حضور اکرم پہلی حالت پر آئے تو بچہ کو نہ پایا تو اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے آپ کو بتایا کہ اسے اٹھا لیا گیا ہے آپ نے اس بچہ کا نام منذر رکھا اس میں "استیقظ" کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔شریک کی تغلیط کو اس معنی پر محمول کرنا بہت بہتر ہے۔

تنبیہ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس رات کو آپ کی چشم مبارک تو سوئی تھی لیکن دل مبارک حاضر تھا۔آپ نے اپنی چشمانِ مقدس کو بند کر لیا تھا تا کہ محسوسات میں سے کوئی چیز آپ کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔" قاضی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "یہ درست نہیں یہ مقام ملکوت کے عجائب کو دیکھنے کا مقام ہے کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ (الاسراء:۱)

ترجمہ: "تا کہ ہم آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔"

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم:۱۸)

ترجمہ: "یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

آنکھ سے جلد مشاہدہ ہوتا ہے۔اس طرح آپ کی اس کیفیت کو اس وقت پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا جب آپ نے انبیائے کرام کو امامت کرائی تھی۔

جو قول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی سند سے وارد نہیں جو حجت بن سکے بلکہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ ابن دحیہ نے التنویر میں لکھا ہے کہ یہ موضوع روایت ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "معراجہ العغیر" میں لکھا ہے کہ شوافع کے امام قاضی ابو العباس بن سریج نے لکھا ہے "یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح حدیث کے رد کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے۔" اگر اسے صحیح تصور بھی کر لیا جائے اور یہ مجہول صیغہ سے روایت ہو تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت آپ کی زوجہ نہ تھیں۔ اگر اسے معروف روایت کیا جائے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ وظیفۂ زوجیت آپ نے مدینہ طیبہ میں ادا کیا تھا۔ اسراء کے وقت ان کی عمر ایسی تھی جس میں امور ضبط نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ اگر معراج ہجرت سے ایک سال قبل ہو تو اس وقت ان کی عمر سات سال ہو گی یا اس سے کم۔ اس شخص کے قول کے مطابق جس نے کہا ہے کہ معراج بعثت سے ایک سال بعد میں ہوئی وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔

تنبیہ

زاد المعاد میں ہے: "وہ فرق معلوم ہونا چاہیے جو اس موقف کہ معراج نیند میں تھی اور اس موقف کے مابین ہے کہ معراج جسم اطہر کے بغیر صرف روح کے ساتھ تھی ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہتے کہ یہ نیند تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سفر آپ کی روح مبارک کے ساتھ تھا۔ آپ کا جسم اطہر غائب نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں امور میں فرق ہے۔ کیونکہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے وہ ضرب الامثال ہوتی جو محسوس صور میں معلوم کے لیے پیش کی جاتی ہیں وہ دیکھتا ہے گویا کہ اسے آسمان کی سیر کرائی گئی یا وہ مکہ مکرمہ یا زمین کے گوشوں کی طرف گیا اس کی روح نہ جاتی ہے نہ اوپر چڑھتی ہے۔ اس کے لیے صرف ضرب المثل بیان کی جاتی ہے۔ معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ آپ کو جسمِ مبارک اور روحِ اقدس کے ساتھ معراج کرائی گئی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے۔ آپ کی روح مبارک کو سیر کرائی گئی۔ آپ کا جسم غائب نہیں ہوا تھا۔ یہ گمان نہیں کرتے کہ معراج خواب تھی۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ روح کی ذات کو سیر کرائی گئی۔ اسے حقیقت میں معراج کرائی گئی۔ اس نے وہ امور سرانجام دیے جو وہ مفارقت کے بعد دیتی ہے۔ اس وقت اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت کے بعد ہوتی ہے۔ وہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف چڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان پر جا کر رک گئی۔ وہ رب تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو گئی اس نے اسے جو چاہا حکم دیا پھر وہ زمین پر آ گئی۔ اس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ امر اکمل صورت میں حاصل ہوا تھا جو مفارقت کے بعد روح کے لیے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے یہ فرق عیاں ہو گیا جو سونے والا دیکھتا ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم مقام پر فائز تھے۔ آپ کا بطن اقدس چاک کیا گیا

آپ کا وصال نہ ہوا آپ کو درد نہ ہوا۔ حقیقت میں آپ کی روح مبارک کو سیر کرائی گئی لیکن آپ کا وصال نہ ہوا۔ جبکہ دیگر لوگوں کی ارواح مرنے کے بعد ہی آسمانوں کی طرف جاتی ہیں۔" اس کی مزید تفصیل حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں آئے گی۔

دوسری فصل، کتنی بار معراج ہوئی؟

ایک گروہ جس میں ابوشامہ بھی شامل ہیں ان کا مؤقف ہے کہ معراج کئی بار ہوئی۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سعید بن منصور، بزار، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں سو رہا تھا کہ حضرت جبرائیل امین آئے۔ انہوں نے میرے شانوں کے مابین مس کیا۔ میں ایک درخت کی طرف گیا جس میں پرندوں کے گھونسلوں کی طرح کوئی چیز تھی۔ ایک میں حضرت جبرائیل اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ وہ اوپر جاتی گئی بلند ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ وہ شمس و قمر سے بھی اوپر چلی گئی۔ میں پہلو بدل رہا تھا۔ اگر میں آسمان کو چھونا چاہتا تو اسے چھو سکتا تھا۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میرے لیے کھولا گیا۔ میں نے بہت بڑا جانور دیکھا۔ پس پردہ موتی اور یاقوت تھے۔ نور گرا۔ حضرت جبرائیل امین بے ہوش ہو گئے۔ گویا کہ وہ بوریا ہوں۔ میں جان گیا کہ ان میں مجھ سے زیادہ خشیت پائی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ نے جو چاہا مجھ پر وحی کی۔" دوسری روایت ہے کہ اس نے مجھ پر وحی کی کہ کیا میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں یا عبد نبی" حضرت جبرائیل نے لیٹے ہوئے مجھے اشارہ کیا کہ میں تواضع اختیار کروں۔ میں نے عرض کی: "نہیں بلکہ میں عبد نبی بننا چاہتا ہوں۔"

❁❁❁❁

چھٹا باب

گمراہ لوگوں کے معراج کے بارے اعتراضات کے جواب

حضور اکرم ﷺ کی معراج میں کسی ایک مسلمان کو بھی اختلاف نہیں ہے گمراہوں نے باطل شبہات کے ساتھ اس پر اعتراضات کیے ہیں۔ امام رازی وغیرہ نے ان کا رد کیا ہے۔ میں ان اعتراضات کا تذکرہ کروں گا پھر ان کے جوابات لکھوں گا۔ گمراہوں نے کہا ہے "اس قدر تیز رفتاری سے حرکت کرنا عقل میں نہیں آسکتا۔ اگر آپ آسمان کی طرف تشریف لے جاتے تو افلاک میں لازم شگاف ہوتا۔ یہ محال ہے۔ بھاری جسم کا آسمان کی طرف چڑھنا مشہور نہیں ہے۔ اگر یہ معجزہ سچا ہو تو یہ آپ کے سارے معجزات سے عظیم ہوتا۔ لازم ہوتا کہ آپ اس کا اظہار لوگوں کے مجمع عام میں کرتے حتیٰ کہ لوگ اس سے آپ کی نبوت کی صداقت پر استدلال کرتے۔ اس وقت معراج ہونا جس میں کوئی آپ کو نہ دیکھ رہا ہو عبث ہے۔ یہ حکیم کی حکمت کے مناسب نہیں ہے۔

1. پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس قدر تیز رفتاری سے حرکت کرنا ممکن ہے رب تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ فلک اعظم رات کی ابتداء سے لے کر آخر تک نصف چکر کے قریب حرکت کرتا ہے۔ ہندسہ کے حساب سے یہ ثابت ہے کہ چکر کی قطر کی طرف نسبت ایک اور تین کی نسبت سے ہے۔

اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے فلک اعظم کے اوپر تشریف لے گئے تو آپ نے صرف نصف قطر کے اعتبار سے ہی حرکت کی ہے۔ جب نصف چکر زمانہ کی مقدار ممکن ہو گئی تو نصف قطر کے مقدار میں حرکت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گی۔ یہ برہان قاطع ہے کہ آپ رات کے تہائی حصہ میں مکہ مکرمہ میں عرش اعلیٰ تک گئے یہ امر ممکن ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر پوری رات میں اس کے حصول کا امکان زیادہ بہتر ہے۔

حساب کی رو سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ سورج کے دونوں کناروں کا فاصلہ کرۂ ارض کے دونوں کناروں سے ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کی ٹکیہ انتہائی قلیل مدت میں طلوع ہو جاتی ہے اس سے بھی یہی دلیل ملتی ہے کہ اس سرعت سے حرکت کرنا ممکن ہے۔ اگر ہماری گفتگو ایسے شخص کے بارے میں ہے جو حساب نہ جانتا ہو تو ہم

اسے کہیں گے کہ تم شمس و قمر اور ستاروں کو دیکھتے ہو کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اتنی مسافت طے کرتے ہیں جسے کئی سالوں میں بھی طے نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا قلیل مدت میں دور دراز تک چلی جاتی تھی۔ ارشادِ ربانی ہے:

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ (سباء:۱۲)

ترجمہ: "اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔"

اسی طرح آندھی ایک لحظہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ فوراً چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اس شخص نے جس کے پاس الکتاب کا علم تھا اس نے یمن کے دور کے علاقہ سے پلک جھپکنے کی دیر میں بلقیس کا تخت حاضر کیا تھا۔ اجسام اپنی تمام ماہیات میں ایک دوسرے کے متماثل ہوتے ہیں۔ جب یہ حرکت بعض اجسام کے حق میں ثابت ہوگئی۔ تو سارے اجسام میں ان کے حصول کا امکان ثابت ہوگیا۔ یہ ممکنات میں سے ہے۔ ربّ تعالیٰ اسی خصوصیت کو اپنے نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔

۲. افلاک کا پھٹ جانا محال نہیں ہے جنت اور دوزخ کا انکار کرنے والوں نے اس کو محال سمجھا ہے۔ شیخ سعد الدین لکھتے ہیں: "معراج کے محال ہونے کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ اس دعویٰ کی بنیاد فلاسفہ کے اس اصول پر ہے کہ آسمان میں شگاف ہونا اور پھر مل جانا ممتنع ہے۔ ورنہ اہلِ حق کے نزدیک آسمانوں میں شگاف ہونا اور ان کا ملنا حق ہے۔ اجسام علویہ اور سفلیہ متماثل ہیں جو جواہرہ فردہ متماثلہ سے مرکب ہوتے ہیں۔ اس مذکورہ تماثل کی وجہ سے جو چیز ایک جسم پر صحیح ہوتی ہے وہ دوسری پر بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ جب اجسام سفلیہ پھٹ سکتے ہیں تو اجسام علویہ بھی پھٹ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے ممکنات پہ قادر ہے۔ وہ آسمانوں میں شگاف کرنے پر بھی قادر ہے اس کے بارے سنا بھی گیا ہے اس کی تصدیق لازم ہے۔

۳. جسم کثیف کے بلند ہونے کو بعید از قیاس سمجھنا جسم لطیف روحانی کے عرش سے عالم کے مرکز میں نزول کے بعید از قیاس ہونے کو لازم ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کا ایک رات میں معراج ممتنع ہے تو پھر حضرت جبرائیل کا عرش سے مکہ مکرمہ کی طرف ایک لحظہ میں نزول بھی ممتنع ہے۔ اگر ہم اس پر امتناع کا حکم لگائیں تو یہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت پر طعن ہوگا۔ معراج کو ثابت کرنے کا قول دراصل نبوت کی اصل کے جواز کو تسلیم کرنے کی فرع ہے۔ اس حرکت کو ممتنع سمجھنا نزول جبرائیل کے امتناع کو لازم ہے جب یہ باطل ہے تو وہ کچھ بھی باطل ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

◈ رات کو معراج کرانے کے کئی فوائد ہیں:

① تاکہ اہل ایمان کا غیب پر ایمان زیادہ ہو۔ اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (الاسراء:٦٠)

ترجمہ: "اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔"

رات خلوت اور اختصاص کا وقت ہوتا ہے۔ جو شخص بادشاہ کے پاس دن کو بیٹھتا ہے اور جو رات کو بیٹھتا ہے ان کے مابین بہت فرق ہے۔ اس کے باوجود کفار نے کہا:

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الاحقاف:٧)

ترجمہ: "کہ یہ کھلا جادو ہے۔"

ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ انہیں دن کے وقت یہ معجزہ دکھاتے یا انہیں ایسی خبر دیتے جو انہیں یقین کا فائدہ دیتی جب آپ نے انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تو انہوں نے کہا:

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (القمر:٢)

ترجمہ: "بڑا زبردست جادو ہے۔"

ساتواں باب

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء جن سے یہ داستان مروی ہے

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان سے ابن مردویہ نے عبید بن عمیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے، عبداللہ بن امام احمد نے زوائد المسند میں، ابن مردویہ نے حضرت ابوذر سے، الحافظ نے اطراف المسند میں لکھا ہے: ''اس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ یہ دراصل ابی ذر تھا نسخہ سے ''ذر'' کا لفظ محذوف ہو گیا ہے۔ ابی کو ابی سمجھا گیا۔ اسے مسند ابی بن کعب میں غلطی سے درج کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں: ''دارقطنی نے علل میں لکھا ہے کہ اس میں وہم ابوضمرۃ انس بن عیاض کی طرف سے پیدا ہوا ہے۔''

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما۔ اس روایت کو ابوحفص نسفی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ لیکن میں اس سے آگاہ نہیں ہوا۔
حضرت انس بن مالک۔ انہوں نے کسی واسطہ کے بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام مسلم نے حضرت ثابت بنانی کی سند سے ان کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ شیخان نے شریک بن عبداللہ، ابن مردویہ نے کثیر بن خنیس اور امام نسائی نے یزید بن ابی مالک اور ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے اسے روایت کیا ہے۔

ابن جریر، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے عبدالرحمٰن بن ہاشم کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے عبدالعزیز بن صہیب کی سند سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ الطبرانی نے اسے میمون بن سیاہ، ابن جریر نے ابوسلمہ بن سلیم، ابن مردویہ نے اسے ابوہاشم سے، ابن سعد اور سعید بن منصور اور بزار نے اسے ابوعمران الجولانی کی سند سے روایت کیا ہے ان میں سے بعض کی روایت میں وہ امور ہیں جن کا تذکرہ دوسروں کی روایت میں نہیں۔''

بریدہ بن خصیب رضی اللہ عنہ۔ ان سے امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ حضرت بلال بن حمامۃ اور حضرت بلال بن سعد، ان سے ابوحفص النسفی نے روایت کیا ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ ان سے امام بخاری، امام مسلم، الطبرانی، ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابن ابی شیبہ، امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ ان سے

ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ۔ان سے البزار، الطبرانی، بیہقی نے روایت کیا ہے۔حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ۔ان سے الطبرانی، ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ان سے امام احمد، ابونعیم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔امام احمد اور ابویعلی نے حضرت عکرمہ کی سند سے، امام مسلم اور امام بخاری نے ابوالعالیۃ اور عکرمہ کی سند سے، امام احمد، امام نسائی اور بزار نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔امام احمد، ابن ابی شیبہ اور بزار نے حضرت زرارہ بن اوفی کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عمر، ان سے ابوداؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان سے ابن سعد اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی۔ان سے ابوحفص نسفی نے روایت کیا ہے۔عبداللہ بن اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ، ان سے بزار، بغوی اور ابن قانع نے روایت کیا ہے۔حضرت ابن مسعود۔ان سے امام مسلم نے مرہ کی سند سے ابن عرفہ نے عبیداللہ کی سند سے روایت کیا ہے۔امام احمد اور ابن ماجہ نے موثر بن عفازہ کی سند سے روایت کیا ہے۔بزار، ابویعلی اور الطبرانی نے علقمہ اور امام بیہقی نے زر بن جیش کی سند سے روایت کیا ہے۔عبدالرحمان بن عابس ابن دحیہ نے ان کا تذکرۃ التنویر میں کیا ہے۔حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما۔ان سے ابوحفص النسفی نے روایت کیا ہے۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے امام احمد اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے امام احمد اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔حضرت انس بن عیاض۔ان کا تذکرہ ابن دحیہ نے کیا ہے۔حضرت مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ۔ان سے امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، ابن جریر، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ان کا ذکر ابن دحیۃ نے کیا ہے۔حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ۔ان سے امام بخاری، امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ابوالحمراء رضی اللہ عنہ۔ان سے امام الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔ان سے ابوحفص النسفی نے روایت کیا ہے۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ان سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ان سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے ابوالازھر سے روایت کیا ہے۔زید بن ابی حکیم نے فرمایا: ''میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی امت کا وہ شخص کیسا ہے جسے سفیان ثوری کہا جاتا ہے۔کیا اس میں کوئی حرج نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں۔یہی حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے انہوں نے بیان کیا ہے کہ آپ نے شب معراج کے بارے فرمایا: ''میں نے آسمان میں دیکھا۔'' میں نے آپ کی خدمت میں روایت عرض کر دی۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! آپ کی امت کے بعض لوگ

معراج کے بارے عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "وہ داستان گوؤں کی باتیں ہیں۔"

حضرت ابوسفیان بن حرب۔ ان سے ابوحفص النسفی نے روایت کیا ہے۔ ابوسلمہ بن دحیہ اور ابولیلی رضی اللہ عنہ۔ ابوحفص نے ان سے روایت کی ہے۔ ابولیلی انصاری رضی اللہ عنہ، ان سے الطبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ ان سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی، حاکم نے ابوالعالیۃ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ابوجعفر رازی ہیں۔ وہ حفظ کے سچے تھے۔ امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت سعید بن مسیب کی سند سے۔ امام احمد اور امام مسلم نے ابوسلمہ کی سند سے، امام احمد اور ابن ماجہ نے ابوالصلت کی سند سے ابن مردویہ نے سلیمان التیمی کی سند سے ابن سعد، سعید بن منصور اور الطبرانی نے ان کے غلام کی سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما۔ ابن مردویہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان سے حاکم، امام بیہقی، ابن مردویہ نے امام زہری اور حضرت عروہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ نے ہشام کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ عنہا۔ ان سے ابوحفص النسفی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ ان سے ابوسعید اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ ان سے الطبرانی، ابویعلی اور ابن عساکر نے ابوصالح کی سند سے روایت کیا ہے۔

❁❁❁❁

آٹھواں باب

داستانِ معراج

اللہ تعالیٰ آپ پر اور مجھ پر رحم کرے جان لو۔ مذکورہ بالا صحابہ کرام کی روایات میں سے ہر ایک کی روایت میں اس چیز کا تذکرہ ہے جو دوسرے کی روایت میں نہیں۔ میں نے استخارہ کیا اور ان کی احادیث کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔ میں نے اس داستان کو ایک ترتیب سے لکھا ہے۔ تاکہ یہ یاد رکھنے والے کانوں کے لیے شیریں بن سکے۔ اور سارے حالات میں اس کا نفع عام ہو سکے۔ اگر تم کہو کہ معراج کے بارے بعض روایات بعض کے مخالف ہیں۔ ممکن ہے کئی بار معراج ہوئی ہو۔ تم نے ان سب کو ایک قصہ میں کیسے شامل کر دیا ہے؟ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں "یہ ظاہری لوگوں کا کمزور طریقہ ہے وہ اربابِ نقل ہیں وہ جب کسی قصہ میں ایک لفظ دیکھتے ہیں جو سیاق میں کسی دوسری روایت کے مخالف ہوتا ہے۔ وہ اسے دوسری مرتبہ معراج قرار دے دیتے ہیں۔ جب مختلف روایات ان کے پاس پہنچتی ہیں اور انہیں متفرق معراجیں قرار دے دیتے ہیں۔ صحیح مؤقف وہی ہے جسے آئمہ نے اختیار کیا ہے کہ معراج صرف ایک ہی مکہ مکرمہ سے بعثت سے بعد ہوئی تھی۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ معراج کئی بار ہوئی۔ ان کے لیے یہ کیسے روا ہے کہ وہ گمان کریں کہ ہر بار آپ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر آپ رب تعالیٰ اور حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے مابین آتے جاتے رہے حتیٰ کہ یہ پانچ رہ گئیں پھر رب تعالیٰ فرماتا رہا: "میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔ پھر دوسری بار اسی امر کا اعادہ کیا اور دس دس نمازیں کم کر دیں۔"

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں "مالک بن صعصعۃ کی روایت میں بیت المقدس میں جانے کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض راوی بعض روایت کو حذف کر دیتے تھے یا تو اسے اس کا علم ہوتا تھا۔ یا وہ اسے بھلا چکا ہوتا تھا۔ یا وہ اس چیز کا ذکر کرتے جو اس سے اہم ہوتی تھی یا بعض طبیعت میں روانی ہوتی تو وہ ساری روایت بیان کر دیتا۔ بعض اوقات وہ اپنے مخاطب کو وہ چیز بیان کر دیتا ہو جو اس کے لیے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتی۔ جس نے ہر اس روایت کو جو دوسری روایت کے مخالف ہوا سے اس امر پر محمول کیا ہے کہ یہ دوسری بار معراج کے بارے ہے۔ اس طرح اس نے کئی معراجیں ثابت کی ہیں۔

اس نے عجیب وغریب مؤقف اختیار کیا ہے۔اس نے غلط روش اختیار کی اور مدعا پر پورا نہ اترا۔کیونکہ ساری روایات میں ہے کہ انبیاء کرام نے آپ ﷺ کی تعریف کی ساری روایات میں ہے کہ آپ پر نمازیں فرض کی گئیں۔پھر اس تعدد کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے۔یہ بہت بعید مؤقف ہے۔"اسلاف میں سے کسی سے یہ مؤقف ثابت نہیں ہے۔اگر معراج اتنی بار ہوتی تو حضور اکرم ﷺ اپنی امت کو اس کے بارے ضرور فرماتے۔اور لوگ اسے بار بار نقل کرتے۔"

الحافظ "الفتح" میں مزید لکھتے ہیں "آپ نے ہر نبی کے بارے سوال کیا۔ہر دروازے کے دربان نے آپ کے بارے پوچھا کہ کیا آپ کی طرف قاصد بھیجا گیا تھا؟ اسی طرح پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔قصہ میں اس طرح کے تعدد کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔بلکہ بعض روایات جو دوسری روایات سے تضاد رکھتی ہوں یا تو ان کے رد کا تعین کیا جائے گا یا انہیں ترجیح دی جائے گی۔البتہ اس تعدد میں آپ کی نیند میں وقوع ہونے والے واقعات جو بعد میں عالم بیداری میں ظہور پذیر ہوئے ہوں شامل نہیں کیا جائے گا۔"

اب میں اس داستان کا آغاز کرتا ہوں "اسی اثناء میں کہ حضور اکرم ﷺ بیت اللہ میں حجر کے مقام پر تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور ایک اور فرشتہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔پہلے نے کہا: "ان میں سے وہ کون ہیں؟" درمیانے نے کہا: "وہ ان سے بہترین ہیں۔" یہ پہلی رات کا واقعہ ہے۔پھر آپ نے انہیں دوسری رات دیکھا۔پہلے نے کہا: "یہ وہی ہیں۔" درمیانے نے کہا: "ہاں!" آخری نے کہا: "قوم کے سردار کو پکڑ لیں جو دو افراد کے مابین ہیں۔" فرشتے واپس آ گئے وہ تیسری رات آئے۔پہلے نے کہا: "وہ وہی ہیں۔" درمیانے نے کہا "ہاں" آخری نے کہا: "قوم کے اس سردار کو پکڑ لو جو دو افراد کے مابین ہیں۔" انہوں نے آپ کو اٹھایا۔چشمہ زمزم کے پاس لے آئے۔آپ کو کمر کے بل لٹا دیا۔"

ایک اور روایت میں ہے "میرے کاشانہ اقدس کا چھت چیرا گیا۔حضرت جبرائیل امین نیچے آئے۔انہوں نے آپ کا سینہ اقدس پیٹ تک چاک کیا۔حضرت جبرائیل نے حضرت میکائیل سے کہا: "میرے پاس طشت میں آب زمزم لے کر آئیں۔تاکہ میں آپ کے قلب اطہر کو صاف کروں۔سینہ اقدس کھول دوں۔" انہوں نے آپ کا قلب انور نکالا۔اسے تین بار دھویا۔اس سے کچھ نکالا۔حضرت میکائیل آب زمزم کے تین طشت لے کر ان کے پاس آئے۔پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔انہوں نے اسے آپ کے سینہ میں انڈیل دیا۔اسے حلم، علم، یقین اور اسلام سے بھر دیا۔پھر اسے باہم جوڑ دیا۔اس پر مہر نبوت لگا دی۔پھر براق لایا گیا۔اس پر زین ڈالی گئی تھی۔اسے لگام ڈالی گئی تھی۔وہ سفید جانور تھا۔وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔وہ تاحد نظر قدم اٹھاتا تھا۔اس کے کانوں میں لرزہ تھا۔جب وہ پہاڑوں پر آتا

تو اپنے قدم اٹھا لیتا۔ جب نیچے آتا تو اپنے بازو اٹھا لیتا تھا۔ اس کی رانوں کے پاس دو پر تھے جن سے وہ اپنے پاؤں جھاڑتا تھا۔ امام ثعلبی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے رخسار انسان کے رخساروں کی طرح تھے۔ ان کی گردن کے بال گھوڑے کے بالوں کی طرح تھے۔ اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح تھے۔ اس کے سم اور دم گائے کے سموں اور دم کی طرح تھی۔ اس نے مشکل محسوس کی۔ اس نے گویا اپنے کان کھڑے کر لیے۔ حضرت جبرائیل نے اسے جھڑکا۔ انہوں نے کہا: ''رک جا؟ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کرتا ہے۔'' حضرت جبرائیل امین نے اس کی گردن کے بالوں پر ہاتھ رکھے اور کہا: ''براق! تجھے حیاء نہیں آتی۔ بخدا! مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو تجھ پر سوار ہوا ہو اور وہ درگاہ ربانیہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہو۔'' یہ سن کر براق کو پسینہ آ گیا۔ اسے شرم نے آ لیا۔ وہ ٹھہر گیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہو گئے۔ آپ سے قبل انبیائے کرام اس پر سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ یہ جانور حضرت ابراہیم کی اس وقت سواری بنتا تھا جب وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔''

حضرت جبرائیل اسے لے کر روانہ ہوئے۔ دوسری روایت میں ہے: ''میں حضرت جبرائیل کے ساتھ روانہ ہوا۔'' ابوسعید نیشاپوری نے ''الشرف'' میں لکھا ہے۔ حضرت جبرائیل رکاب تھامے ہوئے تھے۔ حضرت میکائیل براق کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔'' ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل دائیں طرف اور حضرت میکائیل بائیں طرف تھے۔ یہ حضرات قدسیہ روانہ ہوئے حتیٰ کہ کھجوروں والی زمین تک پہنچے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ''آپ نیچے تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں۔'' آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر آپ سوار ہو گئے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ''کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں!'' انہوں نے عرض کی: ''آپ نے طیبہ میں نماز ادا فرمائی ہے۔ یہی آپ کی ہجرت گاہ ہوگی۔'' براق آگے رواں ہوا۔ وہ تاحد نظر قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ''آپ نیچے تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں۔'' آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ''کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' انہوں نے عرض کی: ''آپ نے مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی ہے۔'' پھر براق روانہ ہوا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی: ''آپ نیچے اتریں اور نماز ادا کریں۔'' آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' انہوں نے عرض کی: ''آپ نے طور سیناء میں نماز ادا کی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا۔''

پھر آپ ایسی سرزمین تک پہنچے جہاں محلات نظر آ رہے تھے۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ سے عرض کی: ''آپ

نیچے تشریف لائیں اور نماز ادا کریں۔" آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ براق آگے روانہ ہو گیا۔ حضرت جبرائیل نے پوچھا: "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟" فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے عرض کی: "آپ نے بیت اللحم میں نماز ادا کی ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔" آپ براق پر رواں دواں تھے کہ آپ نے ایک بہت بڑا جن دیکھا۔ وہ آگ کا شعلہ لیے آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب بھی آپ توجہ فرماتے۔ آپ اسے دیکھ لیتے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: "کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جب آپ انہیں پڑھیں تو اس کا شعلہ بھی بجھ جائے اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ضرور!" حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: "کہیں: قل اعوذ بوجه الكريم و بكلمات الله التامّات التي لا يجاوزهن بر و لا فاجر من شر ما ينزل من السماء و من شر ما يعرج فيها و من شر ما ذرأ في الارض و من شر ما يخرج منها و من شر فتن الليل والنهار و من طوارق الليل والنهار الا طارقا يطرق بخير يا رحمان۔" آپ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ منہ کے بل گر پڑا اور اس کا شعلہ بجھ گیا۔

آپ آگے روانہ ہو گئے۔ آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ایک دن کاشت کرتی دوسرے دن وہ کھیتی کاٹ لیتی تھی۔ وہ جب بھی کھیتی کاٹتے تھے تو وہ پہلے طرح ہو جاتی تھی۔ آپ نے فرمایا: "جبرائیل! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں جن کا اجر سات سو گنا تک کر دیا جاتا ہے۔ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے پورا کر دیا جاتا ہے۔" آپ نے عمدہ خوشبو سونگھی۔ آپ نے فرمایا: "جبرائیل! یہ کیسی خوشبو ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کرنے والی اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے۔ وہ فرعون کی لڑکی کو کنگھی کر رہی تھی کہ اچانک کنگھی نیچے گر پڑی اس نے کہا: "بسم اللہ فرعون ہلاک ہو گیا۔" اس کی بیٹی نے کہا: "کیا میرے باپ کے علاوہ تیرا اور بھی کوئی رب ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔" اس عورت کا خاوند اور دو لڑکے تھے۔ اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے انہیں ابھارا کہ وہ اپنے دین سے لوٹ آئیں۔ فرعون نے کہا: "میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" انہوں نے کہا: "اگر تم مجھے قتل کر دو تو پھر ہمیں ایک ہی گھر میں دفن کرنا۔" دوسری روایت میں ہے۔ اس عورت نے کہا: "مجھے تجھ سے ایک ضروری کام ہے۔" فرعون: "وہ کیا؟" اس عورت نے کہا: "میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں جمع کرنا اور انہیں اکٹھا جمع کر دینا۔" فرعون نے کہا: "میں تمہاری یہ تمنا پوری کر دوں گا؟" اس نے تانبے کی دیگ میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس میں اس عورت کو اور اس کی اولاد کو پھینک دیا جائے۔ انہیں ایک ایک کر کے اس میں پھینک دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ شیر خوار بچے تک پہنچ گئے۔ اس بچے نے کہا: "امی جان! اس دیگ میں گر جانا۔ پیچھے نہ ہٹنا۔ آپ حق پر ہیں۔" چار بچوں نے بچپن میں گفتگو کی ہے:

① اس بچے نے۔

② حضرت یوسف علیہ السلام کے گواہ نے

③ جریج کے صاحب نے

④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔"

پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کے سر پھوڑے جا رہے تھے۔ جب انہیں چھوڑ دیا جاتا تو وہ پہلے کی طرح ہو جاتے۔ انہیں ذرہ بھر بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے غفلت برتتے ہیں۔" پھر آپ کا گزر ایسی قوم سے ہوا جس کے اگلے حصے پر بھی چیتھڑے تھے اور پچھلے حصے پر بھی۔ وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح اونٹ اور بکریاں چرتی ہیں۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔" یہ لوگ خشک کانٹے، زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ہنڈیوں میں عمدہ گوشت پڑا تھا۔ ان کے پاس کچا اور گندا گوشت بھی پڑا تھا۔ وہ کچا گندا گوشت کھا رہے تھے لیکن عمدہ پکا ہوا گوشت چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "جبرائیل! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس پاکیزہ اور حلال بیوی ہوتی ہے۔ وہ خبیث عورت کے پاس جاتا ہے وہ صبح تک رات وہیں بسر کرتا ہے یا کسی عورت کے پاس پاکیزہ حلال مرد ہوتا ہے وہ خبیث شخص کے پاس جاتی ہے اور اس کے پاس رات بسر کرتی ہے۔" پھر آپ اس لکڑی کے پاس سے گزرے جو رستہ میں پڑی تھی اس کے پاس سے جو بھی کپڑا یا چیز گزرتی وہ اسے چیر دیتی۔ آپ نے فرمایا: "اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟" انہوں نے فرمایا: "یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو رستوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ۔ (الاعراف:٨٦)

ترجمہ: "اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈرا رہے ہو تم (راہ گیروں کو)"

آپ نے ایسا شخص دیکھا جو خون کی نہر میں تیر رہا تھا۔ وہ پتھر نگل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ سود خور ہے۔" پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن میں سے ایک شخص نے بہت بڑا گٹھا بنا رکھا تھا۔ وہ اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ وہ اس میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں وہ انہیں ادا نہ کر سکتا ہو وہ مزید بوجھ اٹھانے کا متمنی ہو۔"

پھر آپ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کی زبانیں اور لب لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب بھی

انہیں کاٹا جاتا وہ پہلی حالت پر واپس آجاتے۔ انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ آپ کی امت کے فتنہ پسند خطباء ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔'' پھر آپ کا گزر ایسی قوم سے ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے وہ اپنے سینے اور چہرے نوچ رہے تھے۔'' آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' عرض کی: ''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزتوں سے کھیلتے ہیں۔''

پھر آپ ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے جس سے بہت بڑا بیل نکلا تھا۔ وہ بیل اسی طرح واپس جانا چاہتا تھا جس طرح نکلا مگر اس میں یہ طاقت نہ تھی۔ آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ وہ شخص ہے جو کسی بڑے کلمہ سے بات کر لیتا ہے۔ پھر اس پر نادم ہوتا ہے مگر اسے لوٹانے پر قادر نہیں ہوتا۔'' پھر آپ ایسی وادی سے گزرے جس سے مشک کی سی خوشبو آرہی تھی۔ آپ نے آواز سماعت فرمائی۔ آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ جنت کی آواز ہے۔ وہ عرض کر رہی ہے: ''مولا! مجھے وہ کچھ عطا کر دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ میرے کمرے، استبرق، ریشم، سندس، عبقر، موتی، مرجان، سونا اور چاندی کثیر ہو گئے ہیں۔ میرے جام، پیالے، سواریاں، شہد اور پانی زیادہ ہو گیا ہے۔'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت، مؤمن مرد اور مؤمن عورت ہے جو مجھ پر اور میرے رسل عظام پر ایمان لایا۔ جس نے نیک اعمال کیے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ جو مجھ سے ڈرا اس کے لیے امن ہے۔ جس نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اسے عطا کر دیا۔ جس نے مجھے قرض دیا میں نے اسے جزاء دے دی۔ جس نے مجھ پر توکل کیا میں اس کے لیے کافی ہو گیا۔ بلاشبہ میں خدائے یکتا ہوں۔ میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اہلِ ایمان کامیاب ہو گئے۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴿۱۴﴾ جنت نے کہا: ''میں راضی ہو گئی ہوں۔''

پھر آپ ایسی وادی سے گزرے جہاں سے عجیب و غریب آواز آئی۔ گندی بو آرہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''جبرائیل! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ جہنم کی صدا ہے۔'' وہ عرض کر رہی ہے: ''مولا! تو نے مریے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔ میری زنجیریں، میرے طوق، میرے شعلے، میری گرمی، میری پیپ اور میرا عذاب بہت سخت ہو گیا ہے۔ میری گہرائی زیادہ ہو گئی ہے۔ میری گرمی شدت اختیار کر گئی ہے۔ تو نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہر مشرک مرد اور مشرکہ عورت تیرے لیے ہے۔ ہر کافر مرد اور ہر کافرہ عورت تیرے لیے ہے۔ ہر خبیث مرد اور ہر خبیثہ عورت تیرے لیے ہے۔ ہر وہ سرکش تیرے لیے ہے جو روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتا۔'' آپ نے دجال کو بھی دیکھا۔ آپ سے عرض کی گئی: ''یارسول اللہ! آپ نے اسے کیسے دیکھا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میں نے اسے اس طرح دیکھا ہے کہ اس کا جسم بہت بڑا تھا وہ سفید اور تاباں تھا۔ اس کی ایک آنکھ ابھری ہوئی تھی گویا کہ وہ چمکدار ستارہ ہو۔ اس کے سر کے بال گویا کہ درخت کی

شاخیں تھیں۔ وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ تھا۔" آپ نے سفید ستون دیکھے گویا کہ وہ موتی تھا جسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: "تم کیا اٹھائے ہوئے ہو؟" انہوں نے عرض کی: "یہ اسلام کا ستون ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسے شام میں رکھیں۔" آپ آگے رواں تھے کہ آپ نے اپنے دائیں طرف ایک پکارنے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا: "اے محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میری طرف دیکھیں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ یہودیوں کا داعی تھا۔ اگر آپ اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔" اسی اثناء میں کہ آپ رواں دواں تھے کہ آپ نے اپنی دائیں طرف آواز سنی۔ پکارنے والا کہہ رہا تھا۔" محمد عربی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف دیکھیں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" آپ نے اسے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی: "یہ عیسائیوں کا داعی تھا۔ اگر اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت عیسائی بن جاتی۔" تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ایک عورت دیکھی جس کا سر ننگا تھا۔ رب تعالیٰ نے اسے ہر طرح کی زیب و زینت سے آراستہ فرمایا تھا۔ اس نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری طرف توجہ فرمائیں۔ میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں۔" آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ دنیا ہے۔ اگر اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔" تھوڑی سی دیر کے بعد آپ نے ایک چیز دیکھی جو رستہ سے ہٹ کر آپ کو بلا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آؤ۔" حضرت جبرائیل نے عرض کی: "آپ آگے تشریف لے چلیں۔" آپ نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ رب تعالیٰ کا دشمن ابلیس ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں۔" کچھ دیر بعد آپ نے رستہ کے ایک طرف ایک بڑھیا دیکھی۔ اس نے کہا: "محمد عربی! میری طرف توجہ کریں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔" آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہے؟" انہوں نے عرض کی: "اس دنیا کی عمر اتنی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی عمر ہے۔" آپ آگے رواں تھے کہ آپ نے رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق دیکھی۔ انہوں نے آپ کو یوں سلام عرض کیا: "السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک حاشر!" حضرت جبرائیل نے عرض کی: "آپ ان کے سلام کا جواب ارشاد فرمائیں۔" آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مخلوق ملی۔ اس نے بھی آپ کو اسی طرح سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔" آپ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور کے پاس سے ہوا۔ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے تھے۔ وہ ایک طویل اور گندم گوں شخص تھے۔ گویا کہ وہ ان کا تعلق شنوءۃ قبیلہ کے افراد کے ساتھ ہو۔ وہ باآواز بلند کہہ رہے تھے "تو نے انہیں عزت دی ہے۔ تو نے انہیں فضیلت دی ہے۔" آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا: "جبرائیل! یہ

تمہارے ساتھ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انہیں خوش آمدید کہیں یہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے اپنی امت کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔" انہوں نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی اور کہا: "اپنی امت کے لیے آسانی کا سوال کرنا۔" یہ مبارک کارواں آگے روانہ ہوگیا۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں۔" آپ نے پوچھا: "یہ کس کے ساتھ جھگڑا کر رہے تھے؟" حضرت جبرائیل: "اپنے رب تعالیٰ سے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "کیا یہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور اپنی صدا بلند کر رہے تھے۔" انہوں نے عرض کی: "رب تعالیٰ نے انہیں خاص مقام عطا فرمایا ہے۔" پھر یہ کارواں ایک شخص کے پاس سے گزرا جو کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا: "جبرائیل! تمہارے ہمراہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ تمہارے بھائی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور برکت کی دعا کی اور کہا: "اپنی امت کے لیے آسانی کا سوال کرنا۔" آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ آپ کے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔" پھر آپ ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ جس کے پھل گویا کہ سرخ ہوں۔ اس کے نیچے ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ کچھ عیال بھی تھے۔ آپ نے چراغ اور روشنی دیکھی۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں۔" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔" آپ نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "یا جبرائیل! آپ کے ہمراہ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ آپ کے لخت جگر احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" انہوں نے کہا: "نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش آمدید! جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور اپنی امت کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا ہے۔ نورِ نظر! آج رات آپ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے۔ یہ سب سے کمزور امت ہے۔ اگر آپ اپنی امت کی کسی حاجت کو پورا کر سکتے ہیں تو ضرور کر دینا۔" انہوں نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی۔

یہ کارواں آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ بیت المقدس کی وادی میں پہنچ گیا۔ وہاں جہنم قالین کی طرح عیاں تھی۔ آپ سے عرض کی گئی: "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اسے کیسے پایا ہے؟" آپ نے فرمایا: "کوئلہ کی طرح۔" پھر آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ بابِ یمانی سے داخل ہوئے۔ مسجد کے دائیں اور بائیں دو نور پھیل رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کیسے نور ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "جو نور آپ کے دائیں طرف ہے وہ آپ کے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کا محراب ہے۔ جو نور آپ کے بائیں طرف ہے وہ آپ کی بہن حضرت مریم علیہا السلام کی قبر انور پر ہے۔ آپ مسجد کے اس دروازہ سے داخل ہوئے جہاں سورج اور چاند کا میلان ہوتا ہے۔" حضرت جبرائیل امین اس چٹان کے پاس گئے جو بیت المقدس میں ہے۔ انہوں نے اس میں انگلی ڈال کر اس میں شگاف کیا۔ اس کے ساتھ براق باندھا۔ مسلم شریف میں ہے کہ انہوں نے اس حلقہ کے ساتھ

براق باندھا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپ جب مسجد اقصیٰ کی چٹان پر چڑھے تو حضرت جبرائیل نے کہا: "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم کیا میں اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کروں کہ وہ آپ کو حورعین دکھائے۔" آپ نے فرمایا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "آپ میرے ہمراہ ان خواتین کے پاس چلیں اور انہیں سلام کریں۔" وہ چٹان کی بائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ان کے پاس گئے۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے پوچھا: "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا: "عمدہ سیرت والیاں، خوبصورت چہرہ والیاں، ہم پاکباز بندوں کی بیویاں ہیں۔ وہ پاک ہو گئے۔ ان میں میل نہ رہی۔ وہ مقیم ہو گئے۔ انہوں نے سفر نہ کیے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گئے۔ اب انہیں موت نہیں۔"

پھر آپ نے اور حضرت جبرائیل امین نے دو رکعتیں نماز پڑھی تھوڑی سی دیر میں وہاں انبیائے کرام علیہم السلام جمع ہو گئے۔ ان میں بعض حالت قیام، بعض حالتِ رکوع اور بعض حالتِ سجود میں تھے۔ پھر مؤذن نے آذان دی۔ اقامت کہی گئی وہ سب انتظار کرنے لگے کہ اب انہیں امامت کون کرائے گا۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ کا دست اقدس پکڑا اور مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا۔ آپ نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انبیائے کرام نے آپ کو آگے کھڑا کیا تھا۔ حضرت کعب سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آذان دی۔ آسمان سے فرشتے اتر آئے۔ رب تعالیٰ نے آپ کے لیے سارے انبیاء کو جمع کر دیا۔ آپ نے ملائکہ اور انبیاء کو نماز پڑھائی۔ جب آپ واپس آئے تو حضرت جبرائیل امین نے پوچھا: "کیا آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے پیچھے نماز کس نے ادا کی؟" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے عرض کی: "ہر نبی نے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے۔"

امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ انبیاء کرام کی ارواح نے باہم ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔ وہ عظیم ملک عطا فرمایا مجھے انکساری کرنے والی امت بنایا۔ میری اقتداء کی جاتی ہے۔ اس نے مجھے آگ سے بچایا۔ اسے مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا۔"

پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کی: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے شرف ہمکلامی بخشا۔ میرے ہاتھوں فرعون کو ہلاک کیا۔ بنو اسرائیل کو نجات دی۔ میری امت میں سے ایک ایسی قوم بنائی جو حق کے ساتھ راہ نمائی کرتی ہے اور اس کے ساتھ عدل کرتی ہے۔" پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ انہوں نے کہا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے بڑا ملک بنایا۔ مجھے زبور کا علم عطا کیا۔ میرے لیے لوہا نرم کیا۔ میرے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ پرندوں کے ساتھ مل کر تسبیح بیان کرتے تھے۔ مجھے حکمت اور

فیصلہ کرنے کی قوت عطا کی۔"

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی یوں تعریف بیان کی: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہوا کو مسخر کیا۔ میرے لیے شیاطین اور انسانوں کو مسخر کیا۔ وہ میرے لیے محراب، مجسمے، بڑے بڑے پیالے اور جم جانے والی ہنڈیاں بناتے۔ مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں۔ مجھے اپنے فضل و کرم سے ہر چیز عطا کی۔ میرے لیے جن و انس کے لشکر، شیاطین اور پرندوں کو مسخر کیا۔ مجھے اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطا کی۔ مجھے عظیم سلطنت عطا کی جو میرے بعد کسی کے حصہ میں نہ ہوگی۔ میرے ملک کو پاکیزہ ملک بنایا جس میں نہ حساب ہے نہ ہی عذاب۔"

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ انہوں نے کہا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا۔ مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بنایا۔ انہیں مٹی سے بنایا پھر انہیں کہا: "ہوجا" تو وہ بن گئے۔ مجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی۔ مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں مریضوں کو شفایاب کر دیتا تھا۔ میں اذنِ الٰہی سے مردے زندہ کر دیتا تھا۔ اس نے مجھے بلند کیا۔ مجھے پاک کیا۔ مجھے اور میری والدہ ماجدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی۔ شیطان کو ہم پر کوئی تسلط نہ تھا۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم سب نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کی ہے۔ میں بھی اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے لگا ہوں۔" پھر فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا مجھے سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ مجھ پر قرآن پاک نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ میری امت کو بہترین امت قرار دیا۔ جس کا ظہور لوگوں کے لیے کیا گیا ہے۔ میری امت کو بہترین امت بنایا۔ میری امت کو اول اور آخر بنایا۔ میرے لیے میرا سینہ کھولا۔ مجھ سے میرا بوجھ دور کیا۔ میرا ذکر بلند کیا۔ مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔"

پھر انہوں نے باہم قیامت کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اپنا معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔" انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔ انہوں نے بھی فرمایا: "مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔" انہوں نے معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔ انہوں نے فرمایا: "اس کے مقررہ وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ دجال کا ظہور ہوگا۔ میرے پاس دو تلواریں ہوں گی۔ جب دجال مجھے دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔ وہ جب مجھے دیکھے گا تو رب تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔ حتیٰ کہ پتھر کہے گا: "اے مسلمان! میرے نیچے کافر ہے۔ آؤ اسے تہ تیغ کر دو۔ رب تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے گا۔ لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا۔ وہ ہر بلند جگہ سے تیزی کے ساتھ آئیں

گے۔وہ ہر چیز کو تباہ کر دیں گے۔وہ جس چیز کے پاس سے گزریں گے اسے کھا جائیں گے۔جس پانی کے پاس سے گزریں گے اسے پی جائیں گے۔لوگ واپس آئیں گے۔میرے پاس ان کی شکایت کریں گے۔میں رب تعالیٰ سے دعا کروں گا۔وہ انہیں ہلاک کر دے گا۔زمین پر ان کی بو پھیل جائے گی۔رب تعالیٰ بارش کو نازل کرے گا۔پانی ان کے اجسام کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گا۔رب تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے۔جب صورت حال اس طرح ہوگی تو قیامت اس حاملہ اونٹنی کی طرح ہوگی جس کے اہلِ خانہ نہیں جانتے کہ دن یا رات میں کسی وقت اس کا وضع حمل ہو جائے۔"

حضور سید المرسلین ﷺ کو پیاس نے آلیا۔آپ کی خدمت اقدس میں دو پیالے پیش کیے گئے۔ایک دائیں طرف سے دوسرا بائیں طرف سے۔ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھی۔ایک روایت میں ہے کہ آپ کی خدمت میں تین برتن پیش کیے گئے۔ان کے منہ ڈھانپے ہوئے تھے ان میں سے ایک برتن آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔اس میں پانی تھا۔آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پی لیا۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہ پیا۔پھر آپ کی خدمت میں ایک اور برتن پیش کیا گیا۔آپ نے اس سے سیر ہو کر پیا۔پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا۔جس میں شراب تھی۔آپ سے عرض کی گئی کہ آپ نوش فرمائیں۔آپ نے فرمایا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں۔میں سیراب ہو چکا ہوں۔" حضرت جبرائیل نے عرض کی: "یہ عنقریب آپ کی امت پر حرام کر دی جائے گی۔" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ کی خدمت میں پانی، شراب اور دودھ پیش کیا گیا۔ایک روایت میں پانی کی جگہ شہد کا تذکرہ ہے۔آپ نے تھوڑا سا شہد تناول فرمایا۔دودھ کا برتن پکڑا تو اس سے سیر ہو کر پیا۔حضرت جبرائیل امین نے آپ کے شانۂ اقدس پر ہاتھ رکھا اور عرض کی: "آپ نے فطرت کو پا لیا ہے۔اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ان میں سے بہت تھوڑے آپ کی اتباع کرتے۔اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔" ایک روایت میں ہے کہ اس بزرگ نے حضرت جبرائیل سے کہا جو منبر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھا۔" تمہارے رفیق نے فطرت کو پا لیا ہے۔یہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

پھر آپ کی خدمت میں وہ سیڑھی لائی گئی جس سے اولاد آدم کی ارواح اوپر چڑھتی ہیں مخلوق نے اتنی حسین سیڑھی نہ دیکھی ہوگی۔اس کا ایک زینہ چاندی کا اور دوسرا زینہ سونے کا تھا۔ابوسعید نے شرف المصطفیٰ میں لکھا ہے کہ جنت الفردوس سے ایک سیڑھی آپ کی خدمت میں لائی گی۔جس پر موتی جڑے ہوئے تھے۔آپ کے دائیں اور بائیں فرشتے تھے۔آپ اور حضرت جبرائیل اس پر چڑھ گئے۔حتیٰ کہ آسمان دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازے تک پہنچ گئے۔اس دروازے کو باب الحفظۃ کہا جاتا ہے اس پر نگران فرشتے کا نام اسماعیل ہے۔

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ہوا پرسکون ہوتی ہے۔وہ نہ کبھی آسمان کی طرف چڑھتی ہے نہ زمین کی طرف آتی ہے۔مگر

اس روز جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔" آپ کے آگے ستر ہزار فرشتے تھے۔ ہر فرشتے کے ساتھ ستر ہزار کا لشکر تھا۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ پوچھا گیا: "کون ہو؟" انہوں نے کہا: "جبرائیل!" پوچھا گیا: "تمہارے ہمراہ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس نے کہا: "کیا ان کی طرف پیغام دے کر بلایا گیا ہے؟" جبرائیل: ہاں!" فرشتہ: "انہیں مرحبا اهلاً وسهلاً" رب تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچائے۔ وہ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں۔ وہ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔" فرشتہ آگے آیا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ جب آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت آدم تشریف فرما تھے۔ وہ اس صورت میں تھے جس میں رب تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان پر ان کی اولاد میں اہل ایمان کی ارواح پیش کی جاتیں وہ فرماتے: "کتنی پاکیزہ روح ہے۔ کتنا طیب نفس ہے۔ اسے علیین میں رکھ دو۔" پھر ان پر کفار کی ارواح پیش کی جاتیں۔ وہ کہتے "کتنی خبیث روح ہے؟ کتنا خبیث نفس ہے؟ اسے سجین میں رکھ دو۔" ان کی دائیں طرف ہجوم تھا۔ ایک دروازہ تھا جس سے عمدہ خوشبو نکل رہی تھی۔ ایک دروازہ بائیں طرف تھا جس سے گندی بو آ رہی تھی۔ اس طرف بھی ہجوم تھا۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے تو مسکراتے۔ خوش ہو جاتے جب بائیں طرف دیکھتے تو غمزدہ ہو جاتے اور رونے لگتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "صالح بیٹے اور صالح نبی کو خوش آمدید!" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے پوچھا: "اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ اژدہام ان کی اولاد کا ہے۔ دائیں طرف جنتی ہیں۔ بائیں طرف دوزخی ہیں۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ ان کے دائیں طرف جنت کا دروازہ ہے۔ جب اپنی اولاد میں سے جنت میں داخل ہونے والے کو دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ ان کے بائیں طرف جہنم کا دروازہ ہے۔ جب اپنی اولاد میں سے اس میں داخل ہونے والے کو دیکھتے ہیں تو روتے ہیں غمزدہ ہوتے ہیں۔"

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔ اچانک آپ نے دسترخوان دیکھے جن پر عمدہ گوشت پڑا ہوا تھا۔ لیکن ان کے قریب کوئی نہ جاتا تھا۔ پھر آپ نے اور دسترخوان دیکھے جس سے بُو آ رہی تھی۔ لوگ ان سے کھا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: "اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے ہیں۔" دوسری روایت میں ہے" آپ نے ایسے دسترخوان دیکھے جن پر انتہائی خوبصورت بھونا ہوا گوشت تھا۔ اس کے ارد گرد مردار پڑے ہوئے تھے۔ لوگ مردار کی طرف جا رہے تھے اور اسے کھا رہے تھے۔ وہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "جبرائیل! یہ کون ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ زانی ہیں۔ جو رب تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال کرتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں جسے رب تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔"

پھر آپ تھوڑا سا آگے تشریف لے گئے۔آپ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے پیٹ کمروں کی طرح تھے۔جن میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ان میں سے ایک اسے جب بھی ڈنگ مارتا وہ گر پڑتا وہ کہتا: ''رب تعالیٰ قیامت قائم نہ ہو۔وہ آلِ فرعون کی راہ پر تھے۔وہ انہیں روندھ رہے تھے۔وہ انہیں سن رہے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وزاری کر رہے تھے۔آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں:

الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: ''وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔''

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔آپ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے۔جو اپنے منہ کھولتے تھے اور پتھر نگل رہے تھے۔دوسری روایت میں ہے، وہ اپنے منہ سے جہنم کے پتھر کھا رہے تھے وہ پتھر ان کے پیچھے سے نکل رہے تھے۔وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کر رہے تھے۔آپ نے پوچھا: ''اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ وہ لوگ ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۠(۱۰) (النساء:۱۰)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔''

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔آپ نے کچھ خواتین دیکھیں جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں۔بعض کو پاؤں کے بل اوندھا لٹکایا گیا تھا۔وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و پکار کر رہی تھیں۔آپ نے فرمایا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ وہ عورتیں ہیں جو بدکاری کرتی ہیں اور اپنی اولاد کو قتل کرتی ہیں۔''

پھر آپ آگے تشریف لے گئے۔آپ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹا جا رہا تھا۔انہیں کہا جا رہا تھا: ''اسے کھاؤ! جیسے تم اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔'' آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی کرتے ہیں۔''

پھر یہ دونوں حضرات قدسی دوسرے آسمان کی طرف بلند ہو گئے۔حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو ان کو کہا گیا: ''کون؟'' انہوں نے کہا: ''جبرائیل!'' پوچھا گیا: ''تمہارے ہمراہ کون ہے؟'' انہوں نے کہا: ''جان عالم محمد عربی ﷺ'' پوچھا گیا: ''کیا ان کی طرف پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں'' کہا گیا: ''انہیں مرحبا، اھلا وسھلا اللہ

تعالیٰ انہیں ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے سلام بھیجے۔ وہ کتنے عمدہ بھائی اور کتنے عمدہ خلیفہ ہیں؟ وہ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔" ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ جب وہ آسمان پر جلوہ افروز ہو گئے۔ وہاں دو خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام۔ ان میں سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے کپڑے اور ان کے بال ایک جیسے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک میانہ تھا۔ ان کی رنگت میں سرخی اور سفیدی تھی۔ بال سیدھے تھے گویا کہ وہ ابھی ابھی حمام سے نکلے ہوں۔ وہ حضرت عروہ بن مسعود الثقفی کے مشابہ تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید! انہوں نے آپ کے لیے دعا کی۔

پھر یہ حضرات قدسی تیسرے آسمان کی طرف چلے گئے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ ان سے پوچھا گیا: "کون ہو؟" انہوں نے کہا: "جبرائیل!" پوچھا گیا: "آپ کے ہمراہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "روحِ کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم" پوچھا گیا: "کیا انہیں پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے۔" انہوں نے کہا: "ہاں۔" آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا گیا۔ آپ کو سلام پیش کیا گیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب یہ دونوں حضرات آسمان پر آئے تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا: "صالح بھائی اور صالح نبی کو مرحبا!" انہوں نے آپ کے لیے دعائے خیر کی۔ انہیں حسن و جمال کا نصف عطا کیا گیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے حسین ترین تھے۔ وہ اس طرح حسین تھے جس طرح ماہِ تمام سارے ستاروں سے حسین ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔" پھر یہ دونوں حضرات چوتھے آسمان تک پہنچے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ پوچھا گیا: "کون؟" انہوں نے کہا: "جبرائیل" ان سے پوچھا گیا: "آپ کے ہمراہ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم" انہوں نے پوچھا: "کیا انہیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے سلام بھیجے۔ آپ کتنے اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں۔ آپ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔ جب وہ آسمان تک پہنچے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں بلند مقام عطا کیا تھا۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "صالح بھائی اور صالح نبی کو سلام۔" پھر آپ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔

پھر یہ دونوں حضرات پانچویں آسمان کی طرف رواں ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے

کہا۔ان سے پوچھا گیا: ''کون؟'' انہوں نے کہا: ''جبرائیل۔'' انہوں نے پوچھا: ''آپ کے ہمراہ کون ہے؟'' انہوں نے کہا: ''محمد عربی ﷺ۔'' ان سے پوچھا گیا: ''کیا انہیں پیغام بھیجا گیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں!'' انہوں نے کہا: ''خوش آمدید! مرحبا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خلیفہ اور بھائی کی طرف آپ کو سلام! آنے والے کتنے اچھے خلیفہ اور کتنے اچھے بھائی ہیں۔'' ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ جب وہاں پہنچے تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ان کی نصف داڑھی سفید اور نصف داڑھی سیاہ تھی۔ داڑھی ان کی ناف تک تھی۔ان کے اردگرد بنو اسرائیل تھے۔وہ انہیں کچھ بیان فرما رہے تھے۔آپ نے ان کو سلام کیا۔انہوں نے انہیں سلام کا جواب دیا۔انہوں نے کہا: ''صالح بھائی اور صالح نبی کو سلام۔'' پھر دعائے خیر کی۔ آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''یہ اپنی قوم کے محبوب حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔'' پھر یہ دونوں حضرات چھٹے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ان سے پوچھا گیا: ''کون؟'' انہوں نے کہا: ''جبرائیل!'' ان سے پوچھا گیا: ''آپ کے ہمراہ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''محمد مصطفی ﷺ'' پوچھا گیا: ''کیا انہیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں!'' آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہا گیا۔آپ کو کہا گیا: ''آپ کو ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے سلام! آپ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ اور کتنے اچھے آنے والے ہیں۔'' آپ کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔آپ بعض ایسے انبیاء کرام کے پاس سے گزرے جن کے ہمراہ ایک قبیلہ تھا۔آپ بعض ایسے انبیائے کرام کے پاس سے گزرے جن کے ہمراہ ایک قوم تھی۔بعض انبیاء کے ہمراہ ایک شخص بھی نہ تھا۔پھر آپ ایک عظیم ہجوم کے پاس سے گزرے۔آپ نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' آپ کو جواب دیا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم ہیں۔لیکن آپ اپنا سر اقدس بلند فرمائیں۔آپ نے بہت ہی بڑا اژدہام دیکھا۔جس نے اس طرف سے بھی اور اس طرف سے بھی افق کو گھیر رکھا تھا۔آپ سے عرض کی گئی: ''یہ آپ کی امت ہے۔ان کے علاوہ ستر ہزار ایسے بھی ہیں جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔''

جب یہ حضرات آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ان کی رنگت گندم گوں تھی۔وہ طویل قامت تھے۔گویا کہ وہ شنوءۃ کے ایک آدمی ہوں۔ان کے بال کثیر تھے۔اگر انہوں نے دو قمیصیں بھی پہنیں ہوتیں وہ ان سے بھی باہر نکل آتے۔'' حضور اکرم ﷺ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے سلام کا جواب دیا۔پھر کہا: ''صالح بھائی اور صالح نبی کو سلام۔'' پھر آپ کے لیے دعائے خیر کی۔پھر کہا: ''لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں درگاہِ ربانیہ میں ان سے زیادہ معزز ہوں۔بلکہ یہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔'' جب حضور اکرم ﷺ آگے گزرے تو یہ رونے لگے۔ان سے پوچھا گیا: ''آپ کیوں رو رہے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''میں اس لیے رو رہا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کو مجھ سے بعد میں مبعوث کیا گیا۔لیکن ان کے امتی میرے امتیوں سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔بنو اسرائیل گمان کرتے ہیں کہ میں سارے بنو آدم سے

بارگاہِ ربوبیت میں معزز ہوں۔لیکن یہ ہستی مجھ سے بعد میں دنیا میں گئی۔لیکن میں مرتبہ میں ان سے کم ہوں۔اگر یہ اکیلے ہی ہوتے مجھے کوئی پرواہ نہ تھی۔لیکن ان کے ہمراہ ان کی ساری امت ہوگی۔'' پھر یہ حضرات آگے گزر گئے۔

جب ساتویں آسمان تک پہنچے تو اوپر رعد، برق اور بجلیاں دیکھیں۔حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ان سے پوچھا گیا۔''کون؟'' انہوں نے کہا:''جبرائیل!'' پوچھا گیا:''آپ کے ہمراہ کون ہے؟'' انہوں نے کہا:''محمد عربی ﷺ!'' پوچھا گیا کیا انہیں پیغام دے کر بلایا گیا ہے؟'' انہوں نے کہا:''ہاں!'' آپ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا گیا۔آپ کو ایک بھائی اور ایک خلیفہ کی طرف سے خوش آمدید آپ کتنے اچھے آنے والے ہیں۔ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔انہوں نے بلند آسمانوں سے تسبیح کی آوازیں سنیں۔ان کے ساتھ بھی بہت سی تسبیحات تھیں۔بلند آسمان ڈرتے ڈرتے تسبیح خوانی کر رہے تھے۔یہ یوں کہہ رہے تھے:''سبحان العلی الاعلیٰ سبحانہ و تعالیٰ'' جب یہ حضرات آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ان کے بال سیاہ اور سفید تھے۔وہ جنت کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔وہ ایک کرسی پر بیت المعمور کی طرف کمر انور کیے ہوئے تھے۔ان کے ہمراہ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔حضور اکرم ﷺ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔انہوں نے کہا:''صالح نبی اور صالح فرزند کو خوش آمدید!انہوں نے کہا: ''آپ اپنی امت کو حکم دیں کہ جنت میں زیادہ پودے لگایا کرے۔اس کی مٹی بہت عمدہ اور اس کی زمین بہت وسیع ہے۔'' آپ نے پوچھا:''جنت کے پودے کیسے لگتے ہیں؟'' انہوں نے کہا:''لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنے سے'' دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا:''اپنی کو میری طرف سے سلام دینا اور انہیں بتانا کہ جنت کی مٹی بہت عمدہ ہے۔اس کا پانی بڑا شیریں ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ پڑھنے سے اس میں پودہ لگ جاتا ہے۔'' آپ اولادِ ابراہیم میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ تھے۔ان کے پاس ایسی قوم بیٹھی ہوئی تھی۔جس کے چہرے سفید تھے۔وہ اوراق کی مانند تھے۔ایک قوم کی رنگت میں کچھ اختلاط تھا۔یہ لوگ اٹھے جن کی رنگت میں اختلاط تھا۔وہ ایک نہر میں داخل ہوئے۔اس میں انہوں نے غسل کیا۔جب وہ باہر نکلے تو ان کی رنگت بھی سفید ہو چکی تھی۔ان کی رنگت ان کے ساتھیوں کی رنگت کی طرح ہو چکی تھی۔حضور اکرم ﷺ نے پوچھا:''جبرائیل!یہ سفید رنگت والے کون تھے۔یہ کون تھے جن کی رنگت میں اختلاط تھا اور یہ کون سی نہر ہے؟'' انہوں نے کہا:''یہ لوگ جو سفید رنگت والے تھے یہ وہ تھے جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا تھا۔جن کی رنگت میں اختلاط تھا ان کے بعض اعمال پاکیزہ اور بعض اعمال عمدہ نہ تھے۔انہوں نے توبہ کی۔رب تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ان نہروں میں سے پہلی نہر اللہ تعالیٰ کی رحمت دوسری اللہ تعالیٰ کی نعمت اور تیسری کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں ہے:

وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ (الانسان:۲۱)

ترجمہ: ''اوران کا پروردگار انہیں شراب طہور پلائے گا۔''

آپ سے عرض کی گئی کہ یہ آپ کا اور آپ کی امت کا مقام ہے۔آپ نے اپنی امت کو دو حصوں میں منقسم دیکھا۔ایک حصہ نے کاغذ کی طرح سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔لیکن دوسرے حصے کے کپڑے صحیح سفید نہ تھے بلکہ میلے تھے۔حضور ﷺ بیت المعمور میں داخل ہو گئے۔آپ کی امت کے سفید پوش لوگ بھی آپ کے ہمراہ اس میں داخل ہو گئے۔لیکن جن کے کپڑے میلے تھے انہیں روک دیا گیا۔حالانکہ وہ بھی بھلائی پر تھے۔آپ نے اور دیگر اہلِ ایمان نے بیت المعمور میں نماز ادا کی۔اس مقدس گھر میں ہر روز ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں۔پھر وہ دوبارہ حشر تک اس میں داخل نہیں ہوسکتے۔پھر آپ اور وہ سفید پوش لوگ اس سے باہر نکل آئے۔

الطبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''جب شب معراج مجھے ملاء اعلیٰ کی سیر کرائی گئی تو حضرت جبرائیل خشیت الٰہیہ سے پرانے بوریا کی طرح ہو گئے تھے۔پھر آپ کے پاس تین برتن لائے گئے۔ایک میں شراب دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔آپ نے دودھ نوش فرمالیا۔حضرت جبرائیل نے کہا۔'' آپ کی امت فطرت پر عمل پیرا ہوگی۔''یا''یہ وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔''پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔زمین سے بلند ہونے والی چیز اس جگہ جا کر رک جاتی ہے وہاں سے اسے حاصل کرلیا جاتا ہے۔اوپر سے آنے والی چیز بھی اس جگہ آ کر رک جاتی ہے۔اسے وہاں سے حاصل کرلیا جاتا ہے۔آپ نے ایک درخت دیکھا اس کے نیچے سے نہریں نکل رہی تھیں۔کچھ نہریں ایسے پانی کی تھیں جو بوسیدہ نہیں ہوتا تھا۔کچھ نہریں شراب کی تھیں جو پینے والوں کے لیے سراپا لذت تھیں۔کچھ نہریں صاف شہد کی تھیں۔اگر ایک سوار ستر سال اس کے سایہ میں چلتا رہتا وہ پھر بھی اسے طے نہ کرسکتا۔اس کا پھل ہجر کے مٹکوں کی طرح تھا۔اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔قریب تھا کہ اس کا ایک پتا اس امت کو ڈھانپ دیتا۔الطبرانی کی روایت میں ہے''اس کا ایک پتا مخلوق کو سایہ کرسکتا تھا۔''ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اس پر رنگ غالب تھا۔پتہ نہیں انہیں کس چیز سے بنایا گیا تھا۔جب اس پر اللہ تعالیٰ کا وہ امر غالب آگیا جو آگیا تو وہ متغیر ہوگیا۔دوسری روایت میں ہے کہ وہ یاقوت اور زبرجد میں تبدیل ہوگیا۔کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس کا حسن و جمال بیان کرسکے۔اس میں سونے کے بستر لگے ہوئے تھے۔دوسری روایت میں ہے کہ وہاں سونے کی ٹڈیاں تھیں۔

آپ سے عرض کی گئی کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اس پر آپ کی امت کا ہر وہ شخص فائز ہوگا جو آپ کی راہ پر چلے گا۔اس کی اصل سے چار نہریں رواں تھیں۔دو ظاہری اور دو باطنی نہریں۔آپ نے پوچھا:''اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟''انہوں نے کہا:

"باطنی نہریں جنت کی نہریں ہیں جبکہ ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔" دوسری روایت میں ہے کہ اس کے اصل سے ایک چشمہ رواں تھا جسے سلسبیل کہا جاتا تھا۔ اس سے دو نہریں نکل رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نہر کوثر ہے۔ جو تیر کی طرح تیزی سے بھرپور رواں دواں تھی۔ اس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے خیمے تھے۔ اس پر سبز نرم پرندے تھے۔ آپ نے وہاں سونے اور چاندی کے برتن دیکھے۔ یہ نہر یاقوت اور زمرد پر بہہ رہی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آپ نے ایک برتن لیا۔ اس پانی سے بھرا اور نوش فرمایا۔ وہ شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ حضرت جبرائیل نے کہا: "یہ وہ نہر ہے جسے رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ دوسری نہر، نہر رحمت تھی۔ جو اس میں غسل کرتا ہے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضرت جبرائیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ ایک پر نے افق کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے پروں کی رنگت یاقوت اور موتیوں کے بارے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر آپ جنت کے اندر تشریف فرما ہو گئے۔ وہاں ایسی نعمتیں تھیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا۔ جن کے بارے کسی کان نے نہ سنا تھا۔ نہ ہی ان کے بارے کسی بشر کے دل پر گمان گزرا تھا۔ آپ نے دیکھا اس کے دروازے پر لکھا تھا۔ "صدقہ کا اجر دس گنا ہے اور جبکہ قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہے۔" آپ نے پوچھا: "جبرائیل! کیا وجہ ہے کہ قرض صدقے سے افضل ہے؟" انہوں نے کہا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل جب مانگتا ہے تو اس کے پاس کچھ ہوتا ہے لیکن قرض مانگنے والا صرف حاجت کے وقت ہی مانگتا ہے۔" آپ کے سامنے ایک حور آ گئی۔ آپ نے اس سے پوچھا: "تو کس کے لیے ہے؟" اس نے عرض کی: "حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے۔" آپ نے جنت کو دیکھا جسے سفید موتی سے بنایا گیا تھا۔ وہاں موتیوں کے قبے تھے۔ آپ نے کہا: "جبرائیل! میرے صحابہ مجھ سے جنت کے بارے سوال کریں گے۔" انہوں نے عرض کی: "انہیں بتائیں کہ جنت ایک بلند جگہ ہے جس کی مٹی مشک ہے۔" آپ نے باہر سے ایک ہلکی سی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کیسی آواز ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز ہے۔" آپ آگے بڑھے وہاں دودھ کی نہریں تھیں جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا۔ وہاں شراب کی نہریں تھیں جو پینے والے والوں کے لیے سراپا لذت تھیں۔ وہاں صاف شہد کی نہریں تھیں۔ وہاں ڈول جتنے بڑے انار تھے۔ روایت ہے کہ وہ انار ایسے تھے کہ گویا کہ وہ کجاوے والے اونٹوں کی جلد ہوں۔ وہاں کے پرندے بختانی اونٹوں کی طرح تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ پرندے تو بڑے نرم و ملائم ہوں گے۔" آپ نے فرمایا: "میں نے ان سے بھی زیادہ نرم اور ملائم پرندے کھائے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی ان سے کھاؤ گے۔" اسی اثناء میں کہ آپ رواں دواں تھے کہ آپ نے ایک نہر

ملاحظہ فرمائی۔ اس کے دونوں کناروں پر آپ نے موتی دیکھے۔ اس کی مٹی مشک اذفر کی تھی۔ آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ کوثر ہے۔''

پھر آپ پر آگ کو پیش کیا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب، زجر اور انتقام تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا پھینک دیا جاتا تو اسے بھی ہڑپ کر جاتی۔ وہاں ایک قوم تھی جو مردار کھا رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں۔'' آپ نے نیلی آنکھوں والا سرخ شخص دیکھا۔ پوچھا: ''جبرائیل! یہ کون ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے۔'' آپ نے آگ کے نگران فرشتے مالک کو دیکھا۔ وہ ایک ترش رو شخص تھا۔ جس کے چہرے سے غصہ عیاں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ پھر جہنم کو بند کر دیا گیا۔ آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔ وہاں خلائق اور ملائکہ کے انوار تھے۔ یہ انوار درخت پر پڑ رہے تھے۔ اس کے ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ تھا۔ اس پر ہر رنگ کا بادل چھا رہا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل نے کہا: ''آپ کا رب تسبیح بیان کر رہا ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''وہ کیا کہہ رہا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''وہ کہہ رہا ہے: سبوح قدوس رب الملائكة والروح سبقت رحمتي غضبي۔'' پھر حضرت جبرائیل پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ کو سیر کرائی گئی حتیٰ کہ آپ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے قلموں کے چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آپ نے ایک شخص دیکھا جو نور عرش میں غوطہ زن تھا۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟ کوئی فرشتہ ہے؟'' جواب دیا گیا: ''نہیں!'' آپ نے پوچھا: ''نبی ہے؟'' جواب دیا گیا: ''نہیں!'' آپ نے پوچھا: ''پھر کون ہے؟'' آپ سے عرض کی گئی: ''یہ وہ شخص ہے جو ہر وقت دنیا میں ذکر الٰہی میں مصروف رہتا تھا۔ اس کا دل مساجد کے ساتھ معلق ہوتا تھا۔ اور جو اپنے والدین کو گالیوں کے لیے پیش نہیں کرتا تھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کی زیارت کی۔ آپ سجدہ ریز ہو گئے۔ اس وقت رب تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ اس نے کہا: ''اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے عرض کی: ''لبیک یارب!'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''مانگو!'' آپ نے عرض کی: ''مولا! تو نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا۔ انہیں عظیم ملک عطا کیا ہے۔ تو نے موسیٰ سے کلام کیا ہے۔ تو نے حضرت داؤد کو عظیم سلطنت بخشی ہے۔ حضرت سلیمان کے لیے جن وانس اور شیاطین کو مسخر کیا۔ ان کے لیے ہوا مسخر کی۔ انہیں اتنی عظیم سلطنت بخشی جو کسی اور کے لیے نہ ہو گی۔ تو نے حضرت عیسیٰ کو تورات اور انجیل سکھائی۔ انہیں اس طرح بنایا کہ وہ مادر زاد کوڑھیوں اور برص کے مریضوں کو درست کر دیتے تھے۔ وہ تیرے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے انہیں اور ان کی والدہ ماجدہ کو مردود شیطان سے پناہ دی۔ اسے ان پر کوئی تسلط حاصل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے آپ کو اپنا حبیب بنالیا

ہے۔" (راوی کہتے ہیں: "تورات میں آپ کا اسم گرامی حبیب مکتوب ہے) میں نے آپ کو سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کے لیے آپ کا سینہ کھولا۔ آپ سے آپ کا بوجھ کم کیا۔ آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔ جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر ہوگا۔ میں نے آپ کی امت کو بہترین امت بنایا ہے۔ اس کا اخراج لوگوں کے لیے کیا ہے۔ انہیں اول و آخر بنایا ہے۔ آپ کی امت کے لیے خطبہ جائز نہیں حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دے دیں کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ بھی بنائے جن کے سینے ان کے انجیل ہیں۔ میں نے آپ کو خلق کے اعتبار سے سارے انبیاء سے اول اور بعثت کے اعتبار سے آخر بنایا ہے۔ میں نے آپ کو سات ایسی آیات بخشی ہیں جنہیں بار بار پڑھا جاتا ہے۔ میں نے آپ سے پہلے کسی نبی کو یہ عطا نہیں کیا۔ میں نے آپ کو اپنے عرش کے خزانہ کے نیچے سے سورۃ البقرۃ کی آخری آیات عطا کیں۔ میں نے آپ سے قبل کسی نبی کو یہ عطا نہیں کیں تھیں۔ میں نے آپ کو کوثر عطا کی۔ میں نے آپ کو اسلام، ہجرت، جہاد، صدقہ، رمضان المبارک، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عطا کیا۔ میں نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس دن سے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں ہیں۔ آپ اور آپ کی امت انہیں قائم کریں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مجھے یوں فضیلت بخشی ہے۔ اس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھے سارے لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا۔ مجھ سے قبل یہ کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔ ساری زمین کو میرے لیے مسجد اور پاکیزگی بنا دیا گیا ہے۔ مجھے فواتح الکلم، خواتم الکلم اور جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔ مجھ پر میری امت پیش کی گئی۔ مجھ پر تابع اور متبوع مخفی نہ رہے۔ میں نے انہیں ایسی قوم پر دیکھا جو بالوں کے جوتے پہنیں گے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ ایسی قوم کے پاس آئے ہیں جن کے چہرے چوڑے ہیں آنکھیں چھوٹی ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں میں سوئی سے شگاف کیا گیا ہے۔ مجھ پر کچھ مخفی نہ رہا جس پر وہ تھے۔ میرے بعد کوئی قوی نہیں ہے۔ مجھے پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا۔" آپ کو یہ تین اسمائے گرامی عطا کیے گئے: سید المرسلین، امام المتقین، قائد الغر المحجلین۔

حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانچ نمازیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیات اور اس شخص کی بخشش کا مژدہ سنایا گیا جس نے شرک نہ کیا۔

پھر آپ سے بادل چھٹ گیا۔ حضرت جبرائیل نے آپ کا دست اقدس تھام لیا۔ آپ جلدی سے واپس آ گئے۔ آپ حضرت ابراہیم کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کچھ نہ کہا۔ پھر آپ حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کے

متعلق فرمایا: "وہ تمہارے لیے بہت اچھے صاحب تھے۔" انہوں نے پوچھا: "محمد عربی ﷺ! آپ نے کیا کیا۔ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟" آپ نے فرمایا رب تعالیٰ نے مجھ پر اور میری امت پر دن میں اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔" اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں۔ میں آپ سے پہلے تجربہ کر چکا ہوں۔ میں بنو اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ میں اس سے بھی کم فریضہ کی وجہ سے ان کی طرف سے شدت کا سامنا کر چکا ہوں۔ انہوں نے کمزوری کا اظہار کیا اور اسے ترک کر دیا۔ آپ کی امت تو جسم، بدن، بصارت اور سماعت کے اعتبار سے کمزور ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل امین کی طرف دیکھا گویا کہ مشورہ لے رہے ہوں۔ حضرت جبرائیل نے کہا: ضرور! اگر آپ پسند کرتے ہیں۔ آپ جلدی سے واپس آئے۔ درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ بادل نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ سجدہ ریزی کرتے ہوئے گر پڑے۔

آپ نے عرض کی: "مولا! ہم سے تخفیف فرما۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "میری امت سے تخفیف فرما۔ وہ ساری امتوں سے کمزور امت ہے۔" اس نے فرمایا: "میں نے پانچ نمازوں کی تخفیف کر دی ہے۔" آپ حضرت کلیم اللہ کے پاس آئے فرمایا: "مجھ سے پانچ نمازوں کی تخفیف کر دی گئی ہے۔" انہوں نے کہا: "اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ چلیں۔ تخفیف سوال کریں۔ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی۔" آپ اسی طرح اپنے رب تعالیٰ اور حضرت کلیم اللہ کے مابین آتے جاتے رہے۔ رب تعالیٰ پانچ پانچ نمازیں کم کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے فرمایا: "محمد!" آپ نے عرض کی: "لبیك و سعدیك" اس نے فرمایا: "یہ شب و روز میں پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا اجر دس گنا ہے۔ یہ پچاس نمازیں ہیں۔ میرے ہاں قول کو تبدیل نہیں کیا جاتا۔ جس نے نیکی کا ارادہ کیا مگر اس پر عمل نہ کیا میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا۔ اگر اس نے اس پر عمل کیا میں دس نیکیاں لکھوں گا۔ جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ اگر اس نے برائی کر دی تو اس کے لیے صرف ایک برائی لکھی جائے گی۔" آپ نیچے اترے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام تک پہنچے انہیں بتایا۔ انہوں نے کہا: "اپنے رب تعالیٰ کے پاس جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ آپ کی امت میں یہ طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں اتنی بار تخفیف کے لیے حریم ناز میں گیا ہوں کہ اب مجھے اس مقصد کے لیے وہاں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن میں راضی ہوں۔ میرا سر تسلیم خم ہے۔" ایک صدا دینے والے نے صدا دی۔ میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے عرض کی: "اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نیچے تشریف لے آئیں۔" آپ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ یہی کہتا۔ "آپ پچھنے لگوایا کریں۔" دوسری روایت میں ہے: "اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ

لگوائے۔ پھر آپ نیچے تشریف لے آئے۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا: ''میں اہلِ آسمان میں سے جس کے پاس سے بھی گزرا اس نے مجھے مرحبا کہا میرے لیے مسکرایا سوائے ایک ہستی کے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ مجھے مرحبا کہا میرے لیے دعا کی۔ لیکن وہ مسکرایا نہیں۔'' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ''وہ مالک آگ کا نگران تھا۔ جب سے اس کی تخلیق ہوئی ہے وہ نہیں ہنسا۔ اگر وہ کسی کے لیے ہنستا تو آپ کے لیے ضرور ہنستا۔'' جب آپ آسمان دنیا تک پہنچے تو آپ نے نیچے دیکھا تو آپ کو دھواں اور غبار نظر آیا۔ آپ نے پوچھا: ''اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ شیاطین ہیں جو بنو آدم کی آنکھوں کے سامنے حائل ہوتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت میں غور و فکر نہیں کرتے اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ عجائب دیکھتے۔''

پھر آپ سوار ہو کر واپس لوٹ آئے۔ آپ قریش کے کارواں کے پاس سے گزرے وہ فلاں جگہ تھا۔ ان میں سے ایک اونٹ کے اوپر دو بورے تھے۔ ایک سیاہ بورا اور دوسرا بورا سفید تھا۔ جب آپ اونٹوں کے پاس سے گزرے تو اونٹ ڈر گئے۔ وہ بھاگ نکلے۔ ایک اونٹ گر پڑا اور اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر آپ ایسے کارواں کے پاس سے گزرے جس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا ان میں سے ایک نے کہا ''یہ آواز تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔'' پھر آپ صبح سے کچھ دیر پہلے مکہ مکرمہ میں واپس آ گئے۔ وقتِ صبح آپ پر گراں گزرا کہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے آپ غمزدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل آپ کے پاس سے گزرا وہ آ کر آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے از روئے مذاق کہا: ''کیا نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' آپ نے فرمایا: ''مجھے آج رات سیر کرائی گئی ہے۔'' ابو جہل: ''کہاں تک؟'' آپ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک۔'' اس نے کہا: ''وقتِ صبح آپ ہمارے سامنے آ گئے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے اس خدشہ سے آپ کی تکذیب نہ کی کہ ممکن ہے کہ آپ اس کی قوم کو یہ بات نہ بتائیں جب وہ اسے بلائے۔'' اس نے کہا: ''آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں آپ کی قوم کو بلاؤں تو کیا آپ اسے وہ کچھ بتانا پسند کریں گے جو کچھ مجھے بتایا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے یوں صدا لگائی: ''اے بنو کعب کے قبیلے! لوگ اٹھ کر اس کے پاس آنے لگے حتیٰ کہ وہ آ کر بیٹھ گئے۔ ابو جہل نے کہا: ''اپنی قوم کو وہی بات بتائیں جو مجھے ابھی ابھی بتائی ہے۔'' حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے آج رات سیر کرائی گئی ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''کہاں تک؟'' آپ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک۔'' انہوں نے پوچھا: ''پھر آپ صبح کے وقت ہمارے پاس آ گئے۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' ان میں سے بعض تالیاں بجانے لگے۔ بعض نے تعجب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لیے۔ وہ شور و غل کرنے لگے۔ انہوں نے اس امر کو عجیب سمجھا۔ مطعم بن عدی نے کہا: ''آج سے پہلے تک آپ کا ہر معاملہ واضح تھا لیکن آپ کا آج کا قول واضح نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ

جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ منہ) ہم ایک ماہ جاتے ہوئے اور ایک ماہ وہاں سے آتے ہوئے اپنے اونٹوں کے جگر پگھلاتے ہیں۔آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ایک رات میں وہاں سے ہو کر آ گئے۔لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مطعم سے کہا: "تو نے اپنے محترم بھتیجے کے ساتھ کتنی بری بات کی ہے۔ان کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ان کی تکذیب کی ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق وصدیق ہیں۔" قریش نے کہا: "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔اس کی عمارت اور ہیئت کیسی ہے۔وہ پہاڑ سے کتنا قریب ہے۔" آپ مسجد اقصیٰ کے اوصاف بیان کرنے لگے۔آپ پر کچھ وصف ملتبس ہو گیا جس کی وجہ سے آپ پریشان ہونے لگے کہ مسجد اقصیٰ کو آپ کے سامنے لایا گیا۔آپ اس کی طرف دیکھنے لگے۔اسے عقیل یا عقال کے گھر کے پاس رکھ دیا گیا۔قریش نے پوچھا: "اس کے کتنے دروازے ہیں۔" آپ نے اس کے دروازے نہیں گنے تھے۔آپ اس مسجد کی طرف دیکھ کر ایک ایک دروازہ دیکھ کر بتانے لگے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے رہے: "آپ سچ کہتے ہیں۔آپ سچ فرماتے ہیں۔میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔" قریش نے کہا: "بخدا! آپ نے اس مسجد کے اوصاف تو سچ بیان فرمائے ہیں۔"

پھر انہوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: "کیا آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک رات میں بیت المقدس گئے اور صبح سے قبل واپس آ گئے۔" انہوں نے کہا: "ہاں! میں آپ کی اس سے بھی دور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔میں صبح وشام آپ کے پاس آنے والی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں۔" اسی وجہ سے ان کا نام ابوبکر صدیق پڑ گیا۔قریش نے کہا: "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ہمارے کارواں کے بارے بتائیں۔" آپ نے فرمایا: "میں فلاں کارواں سے روحاء کے مقام پر ملا۔ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔وہ اس کی جستجو میں تھے۔وہاں کوئی بھی نہ تھا۔وہاں پانی کا پیالہ تھا میں نے اس میں سے پانی پیا۔پھر میں نے فلاں کارواں کو تنعیم کے مقام پر دیکھا۔اس کارواں کے آگے آگے سیاہی مائل سفید اونٹ ہے۔اس پر سیاہ ٹاٹ تھا۔اس پر دو سیاہ بورے تھے۔یہ کارواں ابھی ابھی ثنیہ سے تمہارے پاس آنے ہی والا ہے؟" قریش: "وہ کارواں کب آئے گا؟" آپ نے فرمایا: "بدھ کے روز کو۔" جب بدھ کا دن آیا تو قریش اس کارواں کا انتظار کرنے لگے۔دن ختم ہونے والا تھا مگر ابھی تک کارواں نہیں پہنچا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔آپ کے لیے دن کی ایک ساعت میں اضافہ کر دیا گیا۔سورج آپ کے لیے روک دیا گیا حتیٰ کہ کارواں آ گیا۔رات کے وقت قریش ان کے پاس گئے۔انہوں نے کہا: "کیا تمہارا اونٹ گم ہوا تھا؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے دوسرے کارواں سے پوچھا: "کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ہڈی ٹوٹی تھی؟" انہوں نے بھی ہاں میں جواب دیا۔قریش نے پوچھا: "کیا تمہارے پاس پانی کا پیالہ تھا؟" ایک شخص نے کہا: "ہاں! بخدا! میں نے ہی اسے رکھا تھا۔اس میں سے کسی نے نہیں پیا تھا۔میں نے سمجھا کہ شاید اسے زمین پر انڈیل دیا گیا

ہے۔" قریش نے آپ پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا: "ولید نے سچ کہا ہے۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (الاسراء:٦٠)

ترجمہ: "اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔"

فائدہ:

ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو آپ سے بہت عمدہ خوشبو آنے لگی جو دلہنوں سے آنے والی خوشبو سے عمدہ تھی۔" اس شاعر پر رب تعالیٰ رحم کرے جس نے یہ اشعار لکھے ہیں:

ساد الانام محمد خیر الوری　　　بفضائل جلت عن الاحصاء

ترجمہ: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر الوریٰ ان فضائل کی وجہ سے سارے لوگوں کے سردار بن گئے جو حد وشمار سے ماوراء ہیں۔"

و جوامع الکلم التی مانا لها　　　احد من الفصحاء والبلغاء

ترجمہ: "اور ان جوامع الکلم کی وجہ سے سردار بن گئے جنہیں فصحاء اور بلغاء میں سے کوئی بھی حاصل نہ کر سکا۔"

و الی الخلائق کلهم ارساله　　　فشفی القلوب الجمّة الادواء

ترجمہ: "آپ کو ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ دلوں نے ساری مرضوں سے شفاء پائی۔"

وله الشفاعة والوسیلة فی غد　　　و مقامه الساهی علی الشفعاء

ترجمہ: "کل روزِ حشر شفاعت اور وسیلہ آپ کا ہی مقام ہے۔ آپ کا مقام سارے شفاعت کرنے والوں سے بلند ہے۔"

و یجی یومئذ کما قد قاله　　　انا راکب والرسل تحت لوائی

ترجمہ: "کل روزِ حشر آپ اسی طرح آئیں گے جس طرح آپ نے فرمایا: "میں سوار ہوں گا اور رسل عظام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔"

و لقد دنا من ربه لمّا دنا　　　فی لیلة المعراج والاسراء

ترجمہ: "جب آپ شب معراج کو قریب ہوئے تو آپ اپنے رب تعالیٰ کے بہت قریب ہو گئے۔"

سمع الخطاب بحضرۃ قد سیۃ ما حلھا بشر من العظماء

ترجمہ: "آپ نے حریم ناز سے خطاب سماعت فرمایا۔ جو بڑے بڑے عظیم انسانوں کو نصیب نہ ہوا تھا۔"

و برؤیۃ الجبار فازونا لھا من نعمۃ عظمت علی النعماء

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے آپ کامیاب ہو گئے اور ایسی نعمت حاصل کر لی جو بڑی بڑی نعمتوں سے عظیم ہے۔"

مَا نَال مُوسٰی والخلیل و مجتبی ما نلتہ یا سید الشفعاء

ترجمہ: "اے شفاعت کرنے والوں کے سردار! جو کچھ آپ نے پایا ہے اسے حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل علیہما السلام بھی نہ پا سکے۔"

یا کنز مفتقر و ملجاء عائذٍ یا افضل الاجواد و الکرماء

ترجمہ: "اے فقیر کے خزانہ اور پناہ طلب کرنے والے کی پناہ! اے وہ ذات والا جو سارے کریموں اور سخیوں سے افضل ہیں۔"

انت الوسیلۃ للإلہ فسل لنا عفوا عن الزلات والھواء

ترجمہ: "رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارا وسیلہ آپ ہی ہیں آپ ہمارے لیے سوال کریں کہ وہ ہماری خطائیں اور لغزشیں بخش دے۔"

و دخولنا الجنات اول و ھلۃ و شفاعۃ للمفسد الخطاء

ترجمہ: "وہ ہمیں سب سے پہلے جنت میں داخل کر دے اور فسادی اور خطا کار کے لیے شفاعت فرمائیں۔"

بك نستغیث و نستجیر و نلتجی من ذی البلاء و فتنۃ الاھواء

ترجمہ: "ہم آپ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں آپ سے ہی پناہ کرتے ہیں خواہشات کے فتنہ اور مصیبت میں آپ سے ہی پناہ کے طالب ہوتے ہیں۔"

و لزوم فضلاً من جنابك سیّدی و شفاعۃ یا سید العشفعاء

ترجمہ: "اے شفاعت کرنے والوں کے سردار! میں آپ کی جناب سے فضل اور شفاعت کی التجاء کرتا ہوں۔"

فالیك ساق اللہ سحب صلوتہ و جزاك رب الناس خیر جزاء

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ آپ پر سلام اور درود کا ابر کرم بھیجے اور لوگوں کا پروردگار آپ کو عمدہ جزائے خیر دے۔"

و علی صحابك الرضی متعددا　　　والآل والاتباع والعلماء

ترجمہ: ''آپ کے پسندیدہ صحابہ کرام پر سلام ہو اور آپ کی اولاد پاک پر، اتباع کرنے والوں پر اور علماء پر سلام ہوں۔''

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مخاطب کر کے کیا خوب کہا ہے:

سریت الی حرم لیلاً الی حرم　　　کما سری البدر فی داج من الظلم

ترجمہ: ''آپ رات کے مختصر حصہ میں ایک حرم پاک سے دوسرے حرم پاک کی طرف اس طرح تشریف لے گئے جس طرح تاریک رات میں ماہِ تمام چلتا ہے۔''

و بت ترقی الی ان نلت منزلة　　　من قاب قوسین لم تدرك ولم ترم

ترجمہ: ''آپ مسلسل رفعت حاصل کرتے گئے حتیٰ کہ آپ نے قرب الٰہی کی وہ منزل پالی جو نہ پائی جاسکتی ہے نہ ہی جس کا قصد کیا جاسکتا ہے۔''

و قدّمتك جمیع الانبیاء بها　　　والرسل تقدیم مخدوم علی خدم

ترجمہ: ''سارے انبیاء کرام نے وہاں آپ کو اپنا اس طرح امام بنالیا جس طرح مخدوم اپنے خادموں کا پیشوا بنایا جاتا ہے۔''

و انت تخترق السبع الطباق بهم　　　فی موکب کنت فیه صاحب العلم

ترجمہ: ''آپ نے اس کارواں میں ساتوں آسمانوں کو چیرا جس کارواں کے علمبردار آپ ہی تھے۔''

حتی اذا لم تدع شأوًا المستبق　　　من الدنو ولا مرقًی لمستنم

ترجمہ: ''آپ چلتے چلتے وہاں پہنچ گئے کہ آگے بڑھنے والے کے لیے کوئی درجہ نہ رہا اور اوپر جانے والے کے لیے رفعت کا کوئی مقام نہ رہا۔''

حفضت کل مقام بالاضافة اذ　　　نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

ترجمہ: ''آپ نے اس وقت اپنے مقام کی وجہ سے سارے انبیاء کرام کے مقامات کو پست کر دیا جب آپ کو رفعت کے لیے مفرد علم کی طرح بلایا گیا۔''

کیما تفوز بوصل ایّ مستتر　　　عن العیون و سر ای مکتتم

ترجمہ: ''تاکہ آپ ایسے وصال سے شادکام ہوں جو کسی مقرب کی آنکھ کو دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ اور ایسے راز سے

آگاہ ہوئے جن سے کوئی عارف آگاہ نہ ہو سکا۔"

فخرت کل فخار غیر مشترکٍ　　　　و حزت کل مقام غیر مزدحم

ترجمہ: "آپ ہر قسم کی عزت کا بلا شرکت غیر مالک بن گئے۔ اور ہر مقام سے مزاحمت کے بغیر گزر گئے۔"

و جل مقدار ما ولیت من رتب　　　　و عز مقدار ما اولیت من نعم

ترجمہ: "جو رفیع مناصب آپ کو دیے گئے ان کی منزلت بہت بڑی ہے۔ جو نعمتیں آپ کو عطا کی گئی ہیں وہ بہت عظیم ہیں۔"

بشریٰ لنا معشر الاسلام ان لنا　　　　من العنایة رکنا غیر منهدم

ترجمہ: "اے گروہِ اسلام! ہمارے لیے بشارت! عنایت ربانی سے آپ ہمارے لیے ایسا ستون ہیں جو کبھی نہیں گر سکتا۔"

لمّا دعا الله داعینا لطاعته　　　　یا اکرم الرسل کنا اکرم الامم

ترجمہ: "جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو "یا اکرم الرسل" کہہ کر مخاطب کیا تو ہم معزز امت بن گئے۔"

❁❁❁❁

نواں باب

معراج کے بارے کچھ تنبیہات

1. ابن المنیر نے لکھا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی عزت و اکرام ہے کہ آپ کو فوراً سیر کے لیے بلایا گیا۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا۔" جبکہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے لیے ایک مدت مقررہ کی گئی۔ انہیں اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا۔ آپ سے انتظار کی اذیت کو ختم کر دیا گیا۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ مقام مرید پر اور حضور اکرم ﷺ مقام مراد پر فائز تھے۔

2. ابن دحیہ نے آپ کے فرمان "میرے گھر کی چھت کو چیرا گیا" کے زمرہ میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دروازہ سے کیوں داخل نہ ہوئے۔ حالانکہ ارشادِ ربانی ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا (البقرۃ:۱۸۹)

اس میں حکمت یہ ہے تاکہ مناجات میں مبالغہ ہو۔ یہ اس امر پر تنبیہ تھی کہ یہ کرامات اور عزت وعدہ کے بغیر تھی۔ شاید یہ آپ کے شق صدر کی طرف اشارہ ہو۔ یہ اس کی تمہید ہو۔ فرشتے نے چھت میں سوراخ کر کے آپ کو دکھایا ہو۔ چھت فوراً مل گیا ہو۔ اس طرح فرشتے نے آپ کو وہ کیفیت دکھائی ہو جو آپ کے ساتھ ہونا تھا۔ آپ کے حق میں لطف اور بصارت کے عیاں کرنے کے لیے آپ کے گھر میں اس کا مشاہدہ آپ کو کرا دیا ہو۔ اگر فرشتہ حسبِ معمول دروازے سے آتا۔ وہ پہلے صحن میں آتا۔ پھر اس کمرہ میں جاتا۔ جس میں آپ جلوہ افروز تھے۔ الحافظ نے لکھا ہے: "فرشتہ کے چھت سے نیچے آنے میں شاید یہ حکمت ہے کہ اس طرح فرشتہ اچانک آپ کے پاس آجائے۔ نیز اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ یہ سفر بلندی کی طرف ہوگا۔

3. وہ دو افراد جن کے مابین حضور ﷺ لیٹے ہوئے تھے وہ حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما تھے۔ ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ یہ آپ کی تواضع اور حسنِ خلق ہی تھا۔ حالانکہ آپ ساری مخلوق سے افضل ہیں اس کے باوجود آپ لوگوں کے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ اپنے نفس کے لیے کسی فضیلت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اس میں یہ

دلیل بھی ہے کہ ایک گروہ کو ایک جگہ سو جانا چاہیے لیکن شرط یہ ہے ہر ایک کے پاس اتنا کپڑا ہو جس سے وہ اپنے ساتھی سے اپنے جسم کو ڈھانپ سکے۔

❹ شق صدر، خاتم النبوۃ طشت، سونے اور آبِ زمزم کے بارے پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

❺ جبرائیل کے بارے گفتگو۔اس میں کئی فوائد ہیں:

① اس اسم کے بارے۔اس اسم میں کئی لغات ہیں۔ یہ کل لغات ۲۱ ہیں: (۱) جِبریل (۲) جَبریل (۳) جَبرءل (۴) جَبرَئیل (۵) جَبرائیل (۶) جبرائیل (۷) جَبرائل (۸) جبرایل (۹) جبرییل (۱۰) جبرئیل (۱۱) جبرءِلَ (۱۲) جَبرَئِل (۱۳) جبرال (۱۴) جبرال (۱۵) جبرال (۱۶) جَبرال (۱۷) جَبرین (۱۸) جبرئین (۱۹) جَبرین (۲۰) جَبرائیل (۲۱) جبرائیل

② الروض الانف میں ہے" جبرائیل کا معنی عبدالرحمان یا عبدالعزیز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوف اور مرفوع روایت مروی ہے۔ موقوف روایت زیادہ صحیح ہے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس اسم کا آخری لفظ" ایل" عجمی ہے۔ حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ ان اسماء میں اضافہ مغلوبۃ ہے عجم کے کلام میں کہا جاتا ہے غلام زید، زید غلام۔ اس اعتبار سے ایل کا معنی عبد ہو گا۔ اس اسم کا پہلا حصہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہو گا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل کا نام عبداللہ اور میکائیل کا نام عبیداللہ ہے۔ ہر وہ چیز جو" ایل" کی طرف راجع ہو۔ وہ رب تعالیٰ کی بندگی کرنے والی ہوتی ہے۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے یہ اضافہ کیا ہے" اسرافیل کا معنی عبدالرحمان ہے" عکرمہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ایل کا معنی اللہ تعالیٰ ہے۔ علامہ ماوردی نے لکھا ہے" اس روایت میں کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہیں کی۔" امام سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ اکثر کا قول ہے۔ امام شہاب الدین حلبی نے لکھا ہے۔" اس اسم کے بارے علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشتق ہے یا نہیں۔" جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ مشتق نہیں ہے کیونکہ عجمی اسماء کا اشتقاق نہیں ہوتا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ جبروت اللہ سے مشتق ہے۔ اسی طرح اس میں یہ اختلاف بھی ہے کہ یہ اسم بسیط ہے یا مرکب ہے۔ کیونکہ جبر کا معنی ہے عبد اور ایل اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اسرافیل کے بارے بھی اسی طرح کہا گیا ہے۔ پھر اس کی ترکیب میں اختلاف ہے کہ کیا مرکب اضافی ہے یا مرکب مزجی ہے۔ بعض نے پہلا موقف اختیار کیا ہے۔ پہلا موقف رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اس طرح چاہیے کہ انہیں مضاف اور مضاف الیہ کا اعراب دیا جاتا۔ پہلے اسم کو محل کے مطابق اعراب دیا جاتا جبکہ دوسرے اسم کو تنوین اور جر دی جاتی کیونکہ یہ غیر منصرف نہیں ہے جیسے کہ اس فرمان میں" ال" ہے یہ

اس شخص کے نزدیک ہے جس نے اسے رب تعالیٰ کا اسم بنایا ہے۔

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ (التوبۃ:۱۰)

ترجمہ: ''وہ نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتے داری کا اور نہ کسی وعدے کا۔''

یہ ایسے ہوگا جیسے تم کہو جاء عبداللہ، رائیت عبداللہ، مررت بعبداللہ۔ بعض علماء مثلاً ابو عباس مہدوی نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ یہ مرکب مزجی ہے جیسے بعلبک، حضر موت۔ یہ مؤقف درست لگتا ہے لیکن بعض نے اس کا رد اس طرح کیا ہے کہ اس طرح لازمی تھا کہ پہلا حصہ مبنی بر فتح ہوتا لیکن بعض اہلِ لغت اسے کسرہ دیتے ہیں۔ بعض نے یہ رد اس طرح کیا ہے کہ اگر یہ مرکب مزجی ہوتا تو یہ روا تھا کہ اسے مضاف اور مضاف الیہ کا اعراب دیا جاتا۔ یا اسے مبنی علی الفتح رکھا جاتا جیسے احد عشر، یہ مرکب مزجی ہے۔ اس میں یہ وجوہات جائز ہیں۔ اس کے بارے نہ تو یہ سنا گیا ہے کہ یہ مبنی ہے نہ ہی اسے مضاف اور مضاف جیسا اعراب دیا جاتا ہے۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ یہ مرکب مزجی نہیں ہے۔ لیکن یہ رد بھی مردود ہے کیونکہ یہ دونوں جواز میں سے ایک پر آتا ہے۔ اور اتفاق ہے کہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔''

امام سہیلی نے لکھا ہے ''حضرت جبریل علیہ السلام کے اسم میں اتفاق ہے کہ یہ جہت عربی کے موافق ہے۔ اگرچہ یہ عجمی ہے۔ جبر کا معنی اس چیز کی اصلاح کرنا ہے جو فاسد ہوگئی ہو۔ حضرت جبرائیل وحی پر مؤکل ہیں۔ وحی میں اس چیز کی اصلاح ہوتی ہے جو خراب ہو جائے۔ یہ اسم مبارک مکہ مکرمہ اور عرب میں معروف نہیں تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو بتایا تو وہ عداس، نسطورا اور ورقہ سے اس کے بارے پوچھنے گئیں۔ انہوں نے کہا: ''قدوس قدوس! ان شہروں میں حضرت جبرائیل کا تذکرہ کیوں کیا جاتا ہے۔''

④ حضرت جبرائیل کے بعض فضائل۔ رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں ۳۵ مقامات پر ان کا تذکرہ صراحت وغیرہا کے ساتھ کیا ہے۔ تین مقامات پر رب تعالیٰ نے ان کا نام، اسم لے کر ذکر فرمایا ہے۔ دو بار سورۃ البقرہ میں ذکر فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ۔ (البقرۃ:۹۷)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبریل کا۔''

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ۔ (البقرۃ:۹۸)

ترجمہ: ''جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل کا۔''

سورۃ التحریم میں ہے:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ۔ (التحریم:۴)

ترجمہ: ''اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور جبریل۔''

چار مقامات پر از روئے تعظیم جمع کے صیغے کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا۔ جیسے کہ آلِ عمران میں فرمایا:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ (آلِ عمران:۳۹)

ترجمہ: ''پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اپنی عبادت گاہ میں۔''

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ۔ (آلِ عمران:۴۲)

ترجمہ: ''اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں۔''

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (آلِ عمران:۴۵)

ترجمہ: ''جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے۔''

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ۔

یعنی جبرائیل امین اور روح سے مراد وحی ہے۔ آٹھ مقامات پر لفظ روح کے ساتھ تذکرہ کیا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ۔ (المعارج:۴)

ترجمہ: ''عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں۔''

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا۔ (القدر:۴)

ترجمہ: ''اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس اس میں۔''

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا۔ (مریم:۱۷)

ترجمہ: ''پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرئیل کو۔''

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرۃ:۸۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے انہیں تقویت دی جبرئیل سے۔''

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (المائدۃ:۹)

ترجمہ: ''جب میں نے تمہاری روح القدس کے ذریعے مدد کی۔''

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ۔ (النحل:۱۰۲)

ترجمہ: "فرمائیے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔"

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ (الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴)

ترجمہ: "اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبرائیل)۔"

رب تعالیٰ نے انہیں ایک مقام میں سات خوبصورت صفات کے ساتھ یاد فرمایا وہ صفات یہ ہیں۔ رسالت، کرم، قوت، مکانہ، قربۃ، طاعۃ الملائکۃ اور امانت۔ سورۃ التکویر میں فرمایا:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ (التکویر: ۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ: "یہ (قرآن) معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے، جو قوت والا ہے، مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔"

ابوالشیخ نے "عظمۃ" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مخلوق میں سے رب تعالیٰ کے قریب حضرات جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل ہیں۔ وہ رب تعالیٰ سے ایک ہزار سال کی مسافت سے دور ہیں۔" ابوالشیخ نے حضرت وہب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "یہ چار فرشتے ہیں۔ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت مالک الموت، رب تعالیٰ نے انہیں سب سے پہلے تخلیق کیا اور سب سے آخر میں ان پر موت طاری کرے گا۔ سب سے پہلے انہیں زندہ کرے گا۔ یہ منتظمین ہیں۔ خالد بن ابی عمران سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کے رسل عظام کی طرف سے اس کے امین ہیں۔ حضرت میکائیل لوگوں کے وہ اعمال حاصل کرتے ہیں جو بلند ہوتے ہیں حضرت اسرافیل نگران کی طرح ہیں۔"

ابوالشیخ نے عکرمہ بن خالد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کی: "یا رسول اللہ! رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کے ہاں معزز کون ہے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے علم نہیں۔" حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "جبرائیل! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کے ہاں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟" انہوں نے کہا: "میں نہیں جانتا۔" حضرت جبرائیل اوپر گئے۔ پھر نیچے آئے۔ اور عرض کی: "جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور فرشتہ اجل۔" حضرت جبرائیل انبیاء پر وحی لانے اور جنگ میں ان کی مدد کرنے پر مؤکل ہیں۔ حضرت میکائیل ہر اس قطرہ پر یا پتے پر نگران ہیں جو نیچے گرتا ہے۔ فرشتۂ اجل تری اور خشکی میں ہر بندے کی روح قبض کرنے پر مؤکل ہیں۔ اسرافیل رب تعالیٰ کے امین ہیں۔

◆ میکائیل میں درج ذیل لغات ہیں: (۱) میکال (۲) مکائیل (۳) میکائیل (۴) میکئیل (۵) میکئل (۶) میکائییل (۷) میکاءیل۔

◆ براق، البریق سے مشتق ہے۔ اس کے رنگ کے بارے روایت ہے کہ وہ سفید ہے یا یہ البرق سے مشتق ہے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ یا یہ شاۃ برقاء سے مشتق ہے ایسی بکری مراد ہے جس کی سفید اون میں کالے بال ہوں۔ حدیث پاک میں اس کا جو وصف اس کی سفیدی سے بیان کیا گیا ہے وہ اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ ایسی بکری سفید بکریوں میں ہی شمار کی جاتی ہے۔ امام احمد اور حارث نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ابرقوا فانّ دم عفراء ازکی عند الله من دم سودوین" اس حدیث پاک میں سفید بکری کو دو سیاہ بکریوں کے مقابلہ میں رکھا جس سے سفید رنگ کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے براق کی رنگت سارے رنگوں سے افضل ہوگی۔ یہ بھی روا ہے کہ دونوں معانی کو اکٹھا کیا جائے اس کی رنگت اور تیز رفتاری کی وجہ سے اسے براق کہا جاتا ہو۔ اس صورت میں اس کا اعتبار ایسے مجمل الفاظ میں ہوگا جو بیک وقت دو معانی کا احتمال رکھتا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مشتق نہ ہو۔"

ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے کہ براق پر آپ کا سوار ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کیونکہ کسی سے یہ نقل نہیں کہ وہ کسی ایسے جانور کا مالک بنا ہو جو اس کی جنس کے خلاف ہو۔ آپ میں یہ طاقت بھی تھی کہ آپ براق کے بغیر اوپر تشریف لے جاتے۔ لیکن براق میں آپ کی عظمت و رفعت کی بشارت تھی۔ کیونکہ اگر آپ خود اوپر چڑھ جاتے تو یہ چلنے والے کی شکل میں ہوتا۔ سوار پیدل چلنے والے کے برعکس ہوتا ہے۔

ابن دحیۃ نے لکھا ہے "کبھی کبھی خرق عادت اور عادت کو ساتھ ملا دیا جاتا ہے تاکہ انس حاصل ہو۔" حق تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق کے بغیر سیر کرائے۔ لیکن سواری کرانا آپ کے عظیم مقام کے پیش نظر تھا۔ براق پر آپ کو سیر کرانا آپ کی عزت و کرامت کے اظہار کے لیے تھا۔ جب عظیم شہنشاہ اپنے کسی خاص دوست کو اپنے ہاں بلاتا ہے تو اس کے لیے خصوصی سواری بھیجتا ہے جو اسے اٹھا کر اس کے پاس لے آتی ہے۔ براق کی شکل گھوڑے سے نہیں بلکہ خچر سے ملتی تھی تاکہ یہ اشارہ ملے کہ یہ سواری حالت امن میں ہے۔ جنگ اور خوف کی حالت نہیں ہے۔ یا اس کی تیز رفتاری سے اس معجزہ کا اظہار تھا کہ یہ تیز رفتار جانور اس جانور کے مشابہ ہے جو عموماً تیز رفتار نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ میں خچر پر سوار ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تحقیق

کے لیے تھا کہ آپ شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے مقام پر ایسے جانور پر سوار ہوتے ہیں جو سریع رفتار نہیں یہ دشمن کی شکست کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو شجاعت اور قوت عطا کی تھی۔ کیونکہ عام طور پر امن او رسکون کے مقام پر خچر پر سوار ہوا جاتا ہے۔ اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جنگ آپ کے نزدیک حالت امن کی طرح تھی۔ آپ قوت قلب، شجاعت نفس، توکل اور اعتماد کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ فرشتوں نے جنگ کی حالت میں گھوڑوں پر سواری کی۔ کیونکہ عرف میں اس حالت میں عمومی طور پر گھوڑوں پر ہی سواری کی جاتی ہے۔ براق کی شکل خچر کی شکل سے لطیف تھی۔ ایسی سواری یقیناً خچر سے بہت عمدہ اور اچھی ہوگی۔ وہ پھولے ہوئے جسم سے اچھی ہوگی۔ لیکن گھوڑے کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیر کو طیران (پرواز) نہیں کہا بلکہ سیر ہی کہا ہے کیونکہ عرب رات کو چلنے کو سُری کہتے ہیں۔ اس سے یہی آشکارہ ہوتا ہے کہ جب کسی ولی کامل کے لیے بعید مسافت کو سمیٹ دیا جائے تو اس پر مسافر کے لفظ کا ہی اطلاق ہوگا۔ اور اس پر مسافر کے احکام ہی لاگو ہوں گے۔ رب تعالیٰ نے واپسی کے سفر میں براق ذکر نہیں کیا کیونکہ اوپر چڑھتے وقت اس کا تذکرہ کر دیا تھا۔ جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ۔ (النحل:۸۱)

ترجمہ: ''اور تخلیق کیا تمہارے لیے وہ لباس جو تمہیں گرمی سے بچاتا ہے۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لباس سردی سے بھی بچاتا ہے۔

فتح الصفا میں ہے: ''یہ سیر فرشتوں کے پروں پر یا ہوا کے دوش پر کیوں نہ ہوئی جیسے ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا کر لے جاتی تھی یا ایک قدم میں فاصلہ سمیٹ کیوں نہ دیا گیا جیسے طئ زمان ہوتا ہے۔ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں تاکہ آپ خلاف عادت نشانیوں سے آگاہ ہو سکیں اور عجیب امر سے آگاہ ہو سکیں۔ اگر ملائکہ اٹھا کر لے جاتے یا یہ مسافت ہوا کے ذریعہ طے کی جاتی تو اس میں زیادہ تعجب نہ ہوتا۔ اتنی عظیم براق پر سفر کرنے میں تعجب ہے اس میں فرشتوں کی ایسی تعظیم منقول ہے جو ان کے پروں پر اٹھانے سے زیادہ ہے حضرت جبرائیل امین نے آپ کی رکاب تھام رکھی تھی۔ حضرت میکائیل نے لگام پکڑ رکھی تھی۔ ان کا تعلق اکابر فرشتوں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ براق پر سوار تھے۔ یہ شرف بہت زیادہ ہے۔

براق کی صورت کیسی تھی اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس سے اس کا تذکرۃ گزر چکا ہے۔ صاحب الاحتفال نے لکھا ہے کہ خچر سے کم اور گدھے سے بڑا تھا۔ اس کا چہرہ انسان کے چہرے کی طرح تھا۔ اس کا جسم

گھوڑے کے جسم کی طرح تھا۔اس کے پائے بیل کے پاؤں کی طرح تھے۔اس کی دم ہرن کی دم کی طرح تھی۔
ایک اور شخص نے لکھا ہے''اس کا جسم انسان کے جسم کی طرح تھا۔اس کی دم اونٹ کی دم کی طرح تھی۔اس کے بال گھوڑے کے بالوں کی طرح تھے۔اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح تھے۔اس کے سم گائے کے سم کی طرح تھے۔اس کا سینہ سرخ یاقوت کی طرح تھا۔اس کی کمر سفید موتی کی طرح تھی۔اس کی رانوں کے پاس دو پر تھے۔''لیکن یہ سارا حلیہ صحیح نہیں ہے۔پروں کے رانوں میں ہونے میں راز یہ ہے کہ سواری کا پچھلا حصہ بوجھل ہو سکے۔یا اسے خرقِ عادت امر پر محمول کیا جا سکے یا اس لیے کہ اس سے سوار کو سہولت میسر آ سکے۔کیونکہ اگر یہ پر پہلوؤں میں ہوتے تو یہ سوار کی رانوں کے نیچے یا اس کے اوپر ہوتے۔جب یہ سکیڑتی یا پھیلاتی تو اس سے سوار کو تکلیف ہوتی۔
بعض روایت میں ہے کہ یہ نہ مذکر تھی نہ ہی مونث تھی۔اس کا تقاضا ہے کہ یہ خلقت میں منفرد ہو۔اور یہ تولید کے بغیر ہی پیدا ہوئی ہو۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ (الذاریات:۴۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے۔''

شیخ سعد الدین نے لکھا ہے کہ معز فرشتے نہ مذکر ہیں نہ ہی مؤنث ہیں۔ایک اور اثر میں ہے کہ حضرت جبرائیل اسے مؤنث کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔براق پر لرزہ کیوں طاری ہوا؟ اس کی حکمت میں اختلاف ہے۔
ابن بطال نے لکھا ہے کہ کیوں کہ انبیاء کو اس پر سواری کیے کافی مدت گزر چکی تھی۔اس لیے وہ اچھلنے لگا۔
المبتداء میں ابن اسحاق نے اسی طرح لکھا ہے:''براق اچھلنے لگا۔مجھ سے پہلے انبیاء اس پر سواری کرتے تھے۔''
انبیاء کی سواری کو کافی مدت گزر چکی تھی۔فترت کے زمانہ میں اس پر کوئی سوار نہ ہوا تھا۔
ابن دحیہ اور ابن منیر نے لکھا ہے کہ براق خوشی سے جھوما تھا کہ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ تشریف فرما ہو رہے ہیں۔حضرت جبرائیل نے اسے زبان حال سے یوں فرمایا تھا۔ان کا مقصد یہ نہ تھا۔وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے جھوما تھا۔اس وجہ سے اس کو پسینہ آ گیا تھا۔گویا کہ اس نے زبانِ حال سے یہ جواب دیا تھا۔اس نے اچھلنے سے برأت کا اظہار کیا تھا۔عتاب کی ندامت سے اسے پسینہ آ گیا تھا۔یہ اس پہاڑ کے لرزہ کے قریب ہے جسے آپ نے فرمایا تھا:''ٹھہر جا۔تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور ایک شہید سوار ہے۔''یہ خوشی سے جھومنا تھا۔غصہ سے اچھلنا نہیں تھا۔شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے لکھا ہے کہ''یہ بعید نہیں کہ یوں کہا جائے کہ وہ جانور ہمارے نبی کریم ﷺ کی ہیبت

کی وجہ سے کانپا ہو۔"

8. حافظ نے لکھا ہے کہ عجیب وغریب حکایات میں سے یہ بھی ہے کہ جب حضرت جبرائیل نے براق کو عتاب کیا تو براق نے ان کے سامنے عذر پیش کیا کہ آپ نے آج صفراء کو مس کیا تھا صفراء سے مراد وہ بت ہے جو خانہ کعبہ کے پاس نصب تھا۔ حضور اکرم اس کے پاس سے گزرے تو فرمایا "اس کے لیے ہلاکت ہے جو تیری پوجا کرے۔" آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو منع فرما دیا تھا کہ وہ اسے مس نہ کریں فتح مکہ کے روز اسے توڑ دیا گیا تھا۔ "الزہر" میں ہے اس روایت کا تذکرہ کرنا بھی درست نہیں ہے اسے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہے یہ حضرت امام احمد کے فرزند حضرت عبداللہ نے روایت کیا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ انہوں نے اس کا شدت سے انکار کیا ہے۔

9. عجیب وغریب روایات میں سے وہ روایت بھی ہے جسے ماوردی، ثعلبی، قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ موت اور حیات دو جسم ہیں۔ موت کی بو جو بھی سونگھتا ہے وہ مر جاتا ہے۔ حیات سیاہ وسفید داغوں والی گھوڑی کی مانند ہے۔ حضرت جبرائیل امین اور دیگر انبیاء اسی پر سوار ہوتے تھے۔ یہ کسی چیز کے پاس سے نہیں گزرتی نہ ہی کوئی چیز اس کی بو سونگھتی ہے مگر اسے زندگی نصیب ہو جاتی ہے۔

10. اس میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کے ساتھ براق پر سوار ہوئے تھے یا نہیں۔ اگر سوار ہوئے تھے تو حضور اکرم ﷺ کے آگے یا پیچھے سوار ہوئے تھے۔ امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرت جبرائیل امین اس پر سوار ہی رہے حتیٰ کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو اپنے آگے سوار کر لیا اور وہ انہیں لے کر چلے۔ ابو یعلی کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل براق لے کر آئے اور حضور اکرم ﷺ کو اپنے آگے سوار کر لیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: "میرے پاس براق لایا گیا۔ میں حضرت جبرائیل امین کے پیچھے بیٹھ گیا۔ صحیح مؤقف یہ ہے کہ یہ براق حضور کریم ﷺ سے قبل انبیائے کرام علیہم السلام کی سواری کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ امام فاکہی نے حسن سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ملاقات کے لیے آتے تھے۔" حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے: "مجھ سے قبل انبیائے کرام علیہم السلام اس پر سواری کرتے تھے۔" حضرت انس سے روایت ہے "مجھ سے پہلے انبیائے کرام کے لیے اسے مسخر کر دیا گیا تھا۔" حضرت سعید بن مسیب اور ابو سلمہ

عبدالرحمان سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو براق پر سیر کرائی گئی۔ یہ حضرت ابراہیم کی سواری تھی۔ جس پر سوار ہو کر وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔

⑪ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بچپن میں چار بچوں نے گفتگو کی۔ ابن ماشطہ، حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ، جریج کا صاحب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے۔ "پنگھوڑے میں صرف تین بچوں نے گفتگو کی ہے۔" امام مسلم نے اصحاب اخدود کی داستان میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت کو آگ میں پھینکنے کے لیے لایا گیا تاکہ وہ رب تعالیٰ کا انکار کر دے۔ اس کے پاس ایک شیر خوار بچہ تھا۔ وہ عورت تھوڑی سی پیچھے ہٹی۔ اس بچے نے کہا: "امی جان! صبر کریں۔ آپ حق پر ہیں۔" ابن قطیبہ نے اس بچے کی عمر سات ماہ لکھی ہے۔ ثعلبی نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں گفتگو کی تھی۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں گفتگو کی تھی۔ امام واقدی کی سیر میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ولادت کے ابتدائی ایام میں گفتگو کی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے عہد ہمایوں میں مبارک الیمامہ نے گفتگو کی تھی۔ جب یہ علم ہو گیا تو پھر آپ کے فرمان کے بارے کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کا ہے جب آپ کو زیادہ افراد کا علم نہیں ہوا تھا۔

⑫ روایات میں ہے کہ آپ براق سے نیچے تشریف لائے اور متعدد مقامات پر نماز ادا کی۔ جبکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ براق پر ہی رہے حتیٰ کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ ممکن ہے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے براق باندھنے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا انکار کیا ہے حالانکہ صحیح احادیث میں صحابہ کرام کی ایک جماعت سے یہ امور منقول ہیں۔

⑬ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے براق باندھنے کا انکار کیا ہے امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ براق باندھی گئی تو انہوں نے فرمایا: "کیا یہ خدشہ تھا کہ براق بھاگ جائے گا۔ حالانکہ آپ کے لیے عالم الغیب والشہادۃ مسخر کر دیا گیا تھا۔" امام بیہقی اور امام سہیلی نے لکھا ہے "مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ یعنی جس نے بیت المقدس میں براق باندھنے کا موقف اختیار کیا ہے اس کے پاس اس سے زیادہ علم ہے جس نے اس کی نفی کی ہے۔ اسے قبول کرنا اولیٰ ہے۔" امام نووی نے لکھا ہے "براق باندھنے میں امور میں احتیاط سے کام لینے اور اسباب ترک نہ کرنے پر عمل کیا گیا تھا۔ اس طرح توکل پر زد نہیں پڑتی جبکہ اعتماد رب تعالیٰ کی ذات پر ہو۔" ا

سہیلی نے لکھا ہے"اس میں توکل کی صحت کے ساتھ ساتھ احتیاط کو لازم پکڑنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ تقدیر پر ایمان کامل ہو"۔ جیسے کہ ابن منبہ سے روایت ہے جو ہلاکتوں سے بچا اس نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ انہوں نے کہا:"میں نے اللہ تعالیٰ کی سابقہ ستر کتب میں پڑھا ہے یہ آپ کے اس فرمان کی طرح ہے"پہلے سواری کو باندھو پھر توکل کرو"۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے لیے کائنات مسخر کر دی گئی ہے۔ آپ کو تقدیر الٰہی پر بھی ایمان تھا۔ آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ جو کچھ ہونا ہے وہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر بھی آپ نے سفروں میں زادِ راہ لیا۔ جنگوں میں ہتھیار استعمال کیے۔ غزوہ احد میں دو زرہیں پہنیں۔ براق باندھنے کا تعلق بھی اسی باب سے ہے۔

◆ بیت المقدس کے فضائل۔

① اس کی تعمیر کے بارے

ابوبکر واسطی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:"زمین پر پانی تھا۔ رب تعالیٰ نے ہوا بھیجی جس نے پانی کو چھوا۔ سطح زمین پر جھاگ نمودار ہوئی رب تعالیٰ نے اسے چار حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصہ سے مکہ مکرمہ، دوسرے سے مدینہ طیبہ، تیسرے سے بیت المقدس اور چوتھے حصے سے کوفہ کو بنایا"۔

امام احمد، امام نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کیا تو اس کے درمیان میں تین دعائیں مانگیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں یہ عطا فرما دیں۔ یہ دعا مانگی کہ ان کا فیصلہ اس کے فیصلہ کے موافق ہو جائے"۔ رب تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ انہوں نے یہ التجا کی کہ وہ انہیں ایسی مملکت عطا کرے جو ان کے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ التجاء بھی قبول کر لی۔ انہوں نے التجاء کی کہ جو شخص بھی بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نیت سے اس کی طرف سفر کرے۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جائے گویا ابھی ابھی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"ہم امید کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کی یہ التجاء قبول کر لی ہوگی"۔

ابن ابی شیبہ اور واسطی نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بیت المقدس سارے آسمانوں تک اور اسی کی مقدار زمین تک مقدس ہے۔ واسطی نے حضرت عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:"جب حضرت سلیمان بیت المقدس کو بنانے سے فارغ ہوئے۔ رب تعالیٰ نے"باب الرحمۃ"کے نزدیک دو درخت اگائے ایک سے سونا اور دوسرے سے چاندی اگی۔ ان میں سے ہر ایک سے ہر روز ایک رطل سونا اور ایک رطل چاندی اٹھائی جاتی تھی۔ مسجد میں فرش

لگا یا گیا۔ایک ٹائل سونے کی اور دوسری ٹائل چاندی کی لگائی گئی۔جب بخت نصر آیا تو اس نے بیت المقدس کو گرادیا سونے اور چاندی کی اسی ٹائلیں اٹھا کر لے گیا انہیں رومیۃ میں پھینک دیا۔

واسطی نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے بنو اسرائیل کے دس ہزار قاری مختص کیے۔پانچ ہزار دن کے وقت پانچ ہزار رات کے وقت عبادت کرتے تھے۔شب و روز کی ہر ساعت میں اس میں عبادت ہوتی تھی۔واسطی نے حضرت کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔انہوں نے یہ دعا مانگی: ''مولا! جو اس میں ڈرتا ہوا داخل ہوا اسے امن عطا فرما۔جو اس میں دعا کرے اس کی دعا کو قبول فرما۔جو مغفرت طلب کرے اس کی بخشش فرما۔''رب تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی ''میں نے آل داؤد کی دعائیں قبول کر لیں ہیں۔''انہوں نے چار ہزار گائیں،سات ہزار بکریاں ذبح کیں۔بہت سا کھانا تیار کیا اور بنو اسرائیل کی دعوت کی۔اس ضمن میں بہت سے آثار ہیں۔مؤرخین نے اس کی عمارت،جواہر،معادن،یاقوت،چھت،زمین اور دیواروں کے بارے ایسی باتیں لکھیں ہیں دنیا کے ملوک اور شہنشاہ جن سے عاجز ہیں۔جب بخت نصر آیا تو اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا۔وہ عمدہ چیزیں لے لیں جو اس میں تھیں۔

۲ اس کے بعض فضائل:

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔ (الاسراء:۱)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو۔''

یہ آیت طیبہ اس کی شان والا کو آشکارا کر رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کرانے سے قبل اس کی سیر کرائی گئی۔رب تعالیٰ نے اس برکت کا تذکرہ کیا جو اس کے ارد گرد ہے۔رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانبیاء:۷۱)

ترجمہ: ''اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان

والوں کے لیے۔"

المقدسی نے اس کے فضائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جنت بیت المقدس کی مشتاق ہے۔ بیت المقدس کی چٹان جنت الفردوس میں سے ہے۔" واسطی نے حضرت مکحول سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جس نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بیت المقدس میں پڑھیں پھر نماز صبح اس میں ادا کی وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا کہ گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی ابھی جنم دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بیت المقدس میں ایک دن ایک ہزار دن کی طرح اور اس میں ایک ماہ ایک ہزار ماہ کی طرح اور اس میں ایک سال ایک ہزار سال کی طرح ہے۔ جو اس میں وصال کر گیا گویا کہ اس نے آسمان پر وصال کیا۔" حضرت کعب سے روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر روز دو بار بیت المقدس کی طرف دیکھتا ہے۔" بیت المقدس کی فضیلت میں بہت سی آثار روایت ہیں۔

۳ بیت المقدس کے اسماء

(۱) مسجد اقصیٰ (۲) مسجد ایلیاء (۳) بیت المقدس (۴) بیت المقدس۔

اس سے مراد پاکیزہ گھر یا پاک کر دینے والا گھر ہے۔ یہ گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ ابن سراقہ نے لکھا ہے کہ مقدس سرزمین تین ہیں۔ (۱) فلسطین (۲) اردن (۳) دمشق۔ ان شہروں تک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نگاہ اس وقت پہنچی تھی۔ جب انہیں پہاڑ پر بلند کیا گیا۔ ان سے کہا گیا "جہاں تک آپ کی نظر جائے گی۔ وہ آپ کی ملکیت میں ہوگا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کی ملکیت میں ہوگا۔" (۵) بیت المقدس (۶) مسلم اسے شَلَم بھی پڑھا ہے۔ طبرانی میں اس کا معنی بیت السلام ہے۔ (۷) حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ جنت ساتویں آسمان پر بالکل بیت المقدس کے اوپر ہے۔ اگر اس سے کوئی پتھر گرے تو وہ عین صخرۃ کے اوپر گرے گا۔ اسی لیے اس کا نام 'اوری شلم' جنت کو دارالسلام کہا جاتا ہے (۸) اُوری شلم (۹) کورہ الیا (۱۰) اوراى سلم (۱۱) بیت ایل یعنی بیت اللہ (۱۲) صہیون (۱۳) مصرث (۱۴) بابوش (۱۵) کورشیلاہ (۱۶) صلعون (۱۷) سلیم (۱۸) فسط مصر (۱۹) ارض المحشر والمنشر (۲۰) المحفوظہ (۲۱) المفرقۃ (۲۲) مدینۃ الجنۃ۔

۴ اس کے خصائص کے بارے

نماز کا کئی گنا اجر ملنا۔ اس میں نماز ادا کرنے کا اجر کتنے گنا ہے اس کے بارے مختلف روایات ہیں:

(۱) پانچ سو نمازوں کا ثواب۔ امام احمد، ابن ماجہ، بزار اور ابن عساکر نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔''

(۲) ایک ہزار نمازوں کا ثواب۔ ابن ماجہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے بتائیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ حشر کی زمین ہے۔ اس میں جاؤ وہاں نماز ادا کرو وہاں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔'' امام نووی لکھتے ہیں'' اس کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے امام ذہبی نے اسے منکر لکھا ہے۔

(۳) پچاس ہزار نمازوں کا ثواب۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''گھر میں کسی شخص کی ادا کی ہوئی ایک نماز کا ثواب ایک نماز کے برابر ہے۔ قبیلہ کی مسجد میں ادا کی گئی نماز کا ثواب پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ جبکہ مسجد اقصیٰ میں ادا کی گئی نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ جبکہ مسجد حرام میں ادا کی گئی نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(۴) دوسو پچاس نمازوں کا ثواب۔ امام الطبرانی نے اپنی معجم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں نماز ادا کرنا بیت المقدس میں نماز ادا کرنے سے چارگنا فضیلت رکھتی ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب دوسو پچاس نمازوں کے برابر ہے۔

(۵) بیس ہزار نمازوں کے برابر ثواب۔ یہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے۔ اس کی مزید تفصیل مدینہ طیبہ کے فضائل کے ابواب میں آئے گی۔

دوسرا فائدہ

اس کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف رخت سفر نہ باندھا جائے۔ (۱) میری مسجد (۲) مسجد حرام کی طرف (۳) مسجد اقصیٰ کی طرف۔''

تیسرا فائدہ

اس میں قرآن پاک ختم کرنا مستحب ہے۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابومجلہ سے روایت کیا ہے کہ علماء مستحب

سمجھتے ہیں کہ جو ان مساجد میں سے کسی مسجد میں جائے تو وہ باہر نکلنے سے قبل قرآن پاک ختم کرے۔

چوتھا فائدہ

اس میں ٹھہرنا مستحب ہے۔ حضرت مکحول سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہما بیت المقدس میں قیام کرتے تھے۔" بہت سے صحابہ کرام اس میں قیام کرتے تھے۔

پانچواں فائدہ

اس میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ روایت ہے کہ بیت المقدس میں روزہ رکھنا آگ سے نجات ہے۔

چھٹا فائدہ

اس سے عمرہ اور حج کا احرام باندھنا مستحب ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ام سلمی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمرہ یا حج کا احرام مسجد اقصیٰ سے باندھا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔

ساتواں فائدہ

اس کے لیے زیتون کا تیل بطور تحفہ بھیجنا مستحب ہے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے بتائیں۔" آپ نے فرمایا: "یہ حشر کی سرزمین ہے۔ وہاں جاؤ اور نماز ادا کرو۔ اس میں نماز ادا کرنے کا ثواب کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے ایک ہزار گنا درجہ رکھتا ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! اگر میں وہاں جانے کی استطاعت نہ رکھوں تو؟" آپ نے فرمایا: "اس کے لیے زیتون کا تیل بطور تحفہ بھیجو۔ تاکہ اس میں روشنی ہو سکے۔ جس نے اس طرح کیا گویا وہ وہاں خود گیا۔"

آٹھواں فائدہ

بعض اسلاف نے لکھا ہے کہ اس میں گناہوں کا عذاب بھی دوگنا ہوتا ہے۔ حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب وہ حمص سے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ جب ایک میل کی مسافت تک پہنچے تو وہ ذکر تلاوت اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ مسجد اقصیٰ سے ایک میل باہر بھی اسی طرح نکلے۔ انہوں نے کہا: "اس میں گناہوں کا عذاب بھی کئی گنا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی مقدس جگہوں پر گناہ کرنے والا زیادہ جرأت کرتا ہے اور وہ رب تعالیٰ سے کم خوف کھاتا ہے۔" واسطی نے حضرت نافع سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "ہمارے ہمراہ اس مسجد کی طرف نکلو۔ اس میں

برائی کی سزا اس طرح دوگنی ہے جس طرح اس میں نیکیوں کی جزاء دگنی ہے۔"

نواں فائدہ

دجال بیت المقدس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ ساری زمین پر غالب آجائے گا۔ مگر وہ حرم پاک اور بیت المقدس میں داخل نہیں ہوسکے گا۔ وہ اہلِ ایمان کو بیت المقدس میں محصور کر دے گا۔ رب تعالیٰ اسے اور اس کے لشکر کو شکست دے دے گا۔ حتیٰ کہ دیوار کے اندر سے اور درخت کے تنے سے آواز آئے گی۔" اے مؤمن! کافر اس جگہ چھپا ہے۔ آؤ اسے قتل کردو۔"

دسواں فائدہ

مسجد اقصیٰ کی چٹان مسجد حرام میں حجر اسود کی طرح ہے۔ ابو نعیم نے حضرت وھب سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی چٹان سے فرمایا: "میں اپنا عرش تجھ پر ضرور رکھوں گا۔ میں اپنی مخلوق کو تیرے پاس ضرور جمع کروں گا۔ اس روز حضرت داؤد علیہ السلام سوار ہو کر تیرے پاس ضرور آئیں گے۔"

امام واسطی اور ابن عساکر نے حضرت یزید بن جابر سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے لکھا ہے:

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ (ق:۴۱)

ترجمہ: "اور کان لگا کر سنو اس دن کے بارے میں جس دن پکارنے والا قریب سے پکارے گا۔"

حضرت اسرافیل بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہوں گے۔ وہ صور پھونکیں گے۔ وہ کہیں گے۔" اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ جلدو! اے ٹکڑے ٹکڑے بالو! رب تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلے کے لیے جمع ہو جاؤ۔"

ابن جریر اور واسطی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم بیان کرتے تھے کہ وہ بیت المقدس کی چٹان سے یہ صدا لگائیں گے۔ وہ زمین کے وسط میں ہے۔" حضرت کعب سے روایت ہے کہ یہ جگہ دوسری زمین سے اٹھارہ میل آسمان کے قریب ہے۔

گیارھواں فائدہ

بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

بارھواں فائدہ

روایت ہے کہ جسے بیت المقدس میں دفن کیا گیا اسے قبر کے فتنہ اور منکر نکیر کے سوالات سے بچا لیا گیا۔ جسے ایلیاء میں دفن کیا گیا اسے آسمان دنیا میں دفن کیا گیا۔ ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بیت المقدس میں فوت ہوا گویا کہ وہ آسمان پر فوت ہوا۔''

تیرھواں فائدہ

خطیب نے الموضح میں لکھا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پہلے انبیائے کرام علیہم السلام جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر بیت اللہ کے مؤذن پھر بیت المقدس کے مؤذن پھر میری مسجد کے مؤذن پھر سارے مؤذنین۔''

چودھواں فائدہ

بیت المقدس، مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جھوٹی قسم اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس کی سزا جلد مل جاتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان بن عبدالملک کے گورنر کو صخرۃ کی طرف لے جانے کا حکم دیا تاکہ وہ اس کے پاس قسم اٹھائیں۔ سوائے ایک کے سب نے قسمیں اٹھا دیں۔ اس نے اپنی قسم کا فدیہ ایک ہزار دینار ادا کر دیا۔ ایک سال میں دیگر سارے عمال مر گئے تھے۔

پندرھواں فائدہ

ابن جریر نے حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ حق کے ساتھ غالب رہے گا۔ ان کا مخالف انہیں نقصان نہ دے سکے گا۔'' عرض کی گئی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کہاں ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''بیت المقدس میں یا بیت المقدس کے اطراف میں۔'' ابو یعلی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ دمشق کے دروازوں پر، بیت المقدس کے دروازوں پر اور اس کے ارد گرد مصروف جنگ رہے گا۔ رسواء کرنے والوں کی رسوائی انہیں نقصان نہیں دے گی۔ وہ حق کے ساتھ غالب رہیں گے۔ حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔''

سولہواں فائدہ

ابوالمعالی نے روایت کیا ہے کہ جس نے حج کیا اور ایک ہی سال میں مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی وہ اس طرح پاک ہو گیا کہ گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔ لیکن امام نووی نے فرمایا ہے: ''اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔'' اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

سترھواں فائدہ

دارمی نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کے محراب میں دائیں بائیں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے اسے مسجد نبوی کے ساتھ ملایا ہے۔

اٹھارھواں فائدہ

صیدلانی، ماوردی، رویانی، بغوی اور بندنیجی، امام غزالی اور امام کراسانی نے لکھا ہے کہ بیت المقدس میں نماز عید ادا کرنا مستحب ہے۔ اس میں نماز عید ادا کرنا، عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

انیسواں فائدہ

ابن سراقہ نے کتاب المداد میں لکھا ہے ''اسلام کی بڑی بڑی مساجد میں سے ایک مسجد بیت المقدس ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ عید یا جمعۃ المبارک کے روز اس کی ایک صف بھی مکمل نہیں ہوتی۔

بیسواں فائدہ

وہ مقامات جو انبیائے کرام علیہم السلام کے آثار کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ خصوصاً اس جگہ کی زیارت کرنا مستحب ہے جہاں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا کی۔

اکیسواں فائدہ

خانہ کعبہ کا بیت المقدس کی طرف جانا۔ واسطی نے فضائل بیت المقدس کو خالد بن معدان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی حتیٰ کہ خانہ کعبہ بج کر صخرہ کی طرف جائے گا۔ سارے حاجی اور عمرہ کرنے والے اس کے ساتھ معلق ہوں گے۔ جب چٹان اسے دیکھے گی تو وہ اس کی زیارت کرنے والوں کو مرحبا کہے گی۔ حضرت کعب سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی۔ حتیٰ کہ بیت اللہ کو سجا کر بیت المقدس کی طرف لے جایا

جائے گا۔ انہیں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس کے ساتھ حاجی اور عمرہ کرنے والے معلق ہوں گے۔ ابن مردویہ۔ اصفہانی اور دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "روزِ حشر خانہ کعبہ سج کر میری قبر انور کی طرف آئے گا۔ وہ عرض کرے گا: "السلام علیك یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)"۔ میں کہوں گا: علیك یا بیت اللہ! میرے بعد میری امت نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: "جو میرے پاس آ گیا میں اسے کافی ہو جاؤں گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور جو میرے پاس نہیں آئے گا۔ آپ اس کے لیے کافی ہو جائیں گے۔ آپ ان کے شفیع ہوں گے۔"

15. حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا ہے کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رات بیت المقدس میں نماز ادا کی ہو۔ انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر آپ نے نماز ادا کی ہوتی۔ تو تمہارے لیے بھی اس میں نماز ادا کرنا فرض کر دیا جاتا۔ امام بیہقی اور امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ مثبت کو نافی پر مقدم کیا جائے گا۔ یعنی جس نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز ادا کی۔ اس کی بات مان لی جائے گی۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے۔ اسکا علم اس سے زیادہ ہے جس نے اس نماز کی نفی کی ہے۔ لہٰذا اس زیادتی کو قبول کرنا بہتر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نماز میں تلازم سے منع کیا گیا ہے اگر نماز پڑھنا مشروع قرار دینا ہوتو آپ نے اس میں نماز پڑھنے کو مشروع قرار دیا ہے۔ آپ نے اسے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے ساتھ ملایا ہے۔

16. روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عروج سے قبل انبیائے کرام کو نماز پڑھائی۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہی موقف ظاہر ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے واپسی سے دوبارہ انبیائے کرام کو نماز پڑھائی۔ حافظ ابن کثیر نے اس موقف کو درست قرار دیا ہے۔ صاحب السراج نے لکھا ہے کہ اس امر سے کوئی مانع نہیں کہ آپ نے انہیں دوبار نماز پڑھائی ہو۔

17. اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے انبیائے کرام کو کیسے نماز پڑھائی حالانکہ وہ وصال کے بعد دار آخرت میں ہیں۔ وہ دار عمل نہیں ہے۔ قاضی اور امام سبکی نے اس کے دو جوابات دیے ہیں: (۱) ہم کہتے ہیں کہ انبیائے کرام شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں۔ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ بعید نہیں کہ وہ حج کرتے ہوں اور نماز پڑھتے ہوں۔ جیسے کہ روایت میں اس امر کا تذکرہ ہے۔ وہ حسب استطاعت رب تعالیٰ کا قرب اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا وصال ہو چکا ہے۔ وہ اسی دنیا میں ہیں جو دار العمل ہے جب اس کی مدت ختم ہوگئی تو اس کے بعد آخرت آ جائے گی جو دار الجزاء ہے تو عمل منقطع ہو جائے گا۔ لب لباب یہ ہے ان کے کثیر اعمال اور زیادہ اجر کی وجہ سے انکے برزخ پر دنیا کا حکم لگایا جائے گا۔ (۲) امام سبکی لکھتے ہیں "ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں منقطع ہونے والی چیز

تکلیف ہے۔ کبھی کبھی اعمال تکلیف کے بغیر از روئے تلذذ اور رب تعالیٰ کے لیے خشوع وخضوع کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا روایت ہے کہ انبیائے کرام تسبیح بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ شفاعت کے وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سجدۃ کی طرف دیکھو کیا یہ عبادت اور عمل نہیں ہے۔ ان دونوں جوابات پر برزخ کی مدت میں ان اعمال کا حصول ممتنع نہیں ہے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ دعا مانگی: ''مولا! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق دی ہے تو مجھے یہ توفیق دینا'' انہیں اس کے وصال کے بعد دیکھا گیا۔ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہی کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا وصال نہیں ہوا حتیٰ کہ اختیار دیا گیا کہ انہیں دنیا میں باقی رہنے اور آخرت کے مابین اختیار دیا گیا۔ انہوں نے آخرت کو اختیار کیا۔ بلاشبہ اگر وہ دنیا میں اور رہتے تو ان کے اعمال صالحہ میں اضافہ ہو جاتا پھر وہ جنت میں تشریف لے جاتے اگر وہ یہ نہ جانتے کہ رب تعالیٰ کے حریم ناز میں ان کا جانا افضل ہے تو وہ اسے اختیار نہ کرتے۔ اگر اس دنیا سے ان کا انتقال قرب الٰہی میں کمی کرتا تو وہ اسے منتخب نہ کرتے۔ اس کی مزید تفصیل باب حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئے گی۔''

(۱۸) یہ کون سی نماز تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیائے کرام علیہم السلام کو پڑھائی تھی صحیح مؤقف یہ ہے کہ وہ مشہور نماز ہی تھی۔ کیونکہ لغت کے اعتبار سے نص کو اس کی شرعی حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا الا یہ کہ اسے شریعت پر محمول کرنا مشکل ہو۔ اس جگہ ایسا کوئی عذر نہیں اس لیے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ نماز عشاء کی یا صبح کی نماز تھی۔

میں کہتا ہوں'' یہ برابر ہے کہ خواہ ہم کہیں کہ آپ نے عروج سے قبل یا بعد میں انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔ کیونکہ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے نمازِ ظہر ادا فرمائی۔ جو امر ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ یہ نفلی نماز تھی یا شب معراج سے قبل فرض نماز تھی۔ امام نووی کا فتویٰ دوسرے مؤقف کی تائید کرتا ہے۔

(۱۹) بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ آسمان پر آپ کا انبیاء کو دیکھنا ان کی ارواح کو دیکھنے پر محمول کیا جائے گا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ ان کو جسم اقدس کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے بھی اسی طرح کہا گیا ہے۔ البتہ جنہوں نے آپ کے ہمراہ بیت المقدس میں نماز پڑھی اسے خاص ارواح پر محمول کیا جائے گا۔ امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ''آپ نے انبیائے کرام کی ارواح سے ملاقات کی۔'' اس میں یہ دلیل ہے کہ ارواح اپنے اجسام میں متشکل ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ

ارواح اجسام کے ساتھ ہوں۔ وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جسے امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سارے انبیائے کرام آپ کے لیے جمع کیے۔ البزار اور الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا۔ جن کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے یا ذکر نہیں فرمایا وہ سارے انبیاء وہاں جمع تھے۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی۔''

⑳ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''اس نے مجھے عظیم مملکت عطاء کی ہے۔'' ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کسی عرفی سلطنت کا وعدہ نہ تھا۔ یا تو مملکت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہوگی۔ اس سے مراد ان کا بڑے بڑے بادشاہوں پر غالب آجانا ہے بطور مثال نمرود ہی کافی ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے اپنے خلیل کے لیے مغلوب کر دیا تھا۔ وہ ان کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔ عظیم بادشاہ کا مغلوب ہو جانا عظیم مملکت کے مغلوب کے مانند ہے۔ قاہر مقہور سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اضافت ان کی اولاد اور بیٹوں کی طرف ہو۔ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنتیں مراد ہوں۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ (النساء: ۵۴)

ترجمہ: ''ہم نے مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب و حکمت اور عظیم الشان سلطنت عنایت فرمادی ہے۔''

اس جگہ آپ کی ذریت اور اولاد کی طرف ہی اشارہ ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے انہیں اپنے نفس پر پورا کنٹرول تھا۔ اضطراب کے مقامات پر بھی ان کے نفس پر ان کا قبضہ رہا جیسے کہ جب حضرت جبرائیل نے ان سے پوچھا: ''کیا کچھ حاجت ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''تمہاری طرف تو نہیں۔''

㉑ اس میں اختلاف ہے کہ برتن کب پیش کیے گئے۔ کیا وہ عروج سے پہلے تھے یا بعد میں ان کی تعداد کتنی تھی؟ اکثر روایات میں ہے کہ عروج سے قبل برتن پیش کیے گئے۔ امام احمد، شیخین، امام نسائی، ترمذی نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ''پھر آپ کو بیت المعمور کی طرف اٹھایا گیا...... پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے۔ ایک میں شراب جبکہ دوسرے میں دودھ تھا۔'' امام بخاری نے حضرت انس سے مرفوع روایت کیا ہے ''مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ وہاں چار نہریں تھیں...... مجھے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ابن عائذ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی: ''پھر ہم روانہ ہوئے۔ ہمیں تین ڈھانپے ہوئے برتن پیش کیے گئے۔'' امام سہیلی، ابن دحیۃ، ابن منیر، ابن کثیر اور الحافظ نے لکھا ہے ''شاید یہ برتن دو دفعہ پیش کیے گئے تھے۔'' تاکہ ساری روایات کو جمع کیا جاسکے۔'' ابن کثیر اور حافظ نے لکھا ہے کہ برتنوں کی تعداد میں

اختلاف ہے۔ اسکو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ بعض راویوں نے ان امر کا تذکرہ کر دیا جس کا ذکر دوسرے نے نہ کیا۔ چار برتن تھے جنہیں دو بار پیش کیا گیا۔ چار نہریں تھیں جو سدرۃ المنتہیٰ کی اصل سے نکلتی تھیں۔

◆ اگر ہم یہ کہیں کہ برتن دو بار پیش کیے گئے تھے تو شراب پیش کرنے اور آپ کے اعراض اور حضرت جبرائیل کا درست قرار دینے کا مدعا یہ ہے کہ اس سے بہت زیادہ اجتناب کیا جائے۔ کیا یہ شراب جنت کی شراب تھی یا دنیا کی۔ "اگر یہ جنت کی شراب تھی تو اس سے اجتناب اس لیے تھا کیونکہ یہ اس شراب کے صورۃً مشابہ تھی جو حرام تھی یہ تقویٰ کی انتہاء ہے۔ اگر اس سے مراد دنیا کی شراب ہے تو پھر اس سے اجتناب کا سبب واضح ہے۔ اگر پہلا امر مراد لیا جائے تو اس سے ایک فائدہ سمجھ آتا ہے۔ وہ یہ کہ جس نے مشروبات کی ایسی کیفیت بنائی جو شراب سے ملتی ہو۔ اور اس شکل میں پیش کیا جس میں اہلِ شہوات پیش کرتے ہیں تو اس سے برا کام کیا اگرچہ اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ پانی کا گلاس اس طرح پھرانا جس سے شراب نوش کی مشابہت پیدا ہو جائے ایسا کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے گی۔

◆ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ اختیار کبھی تو دو واجبوں کے مابین ہوتا ہے جیسے کفارہ یا دو مباح اشیاء میں ہوتا ہے لیکن واجب اور ممنوع اور مباح اور ممنوع میں اختیار محال ہے۔ ذرا دودھ اور شراب پیش کرنے کے بارے غور کرو۔ کیا ارادہ یہ تھا کہ ان دونوں کو مباح قرار دیا جائے اور ان کا اذن دیا جائے۔ جیسے تم کسی مہمان کو دو کھانے پیش کرو تو تم اس کے لیے دونوں مباح قرار دو گے۔ ان میں سے ایک کو اختیار کرنے کا کیا مفہوم ہے۔ حضرت جبرائیل کے اس قول کا کیا مفہوم ہے" آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے یا آپ نے صحیح مؤقف اختیار کیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ ان میں سے ایک میں اذن دیا جائے اس طرح کہ دوسرے کو ممنوع قرار دیا جائے تو پھر ممنوع اور مباح میں اختیار لازم آئے گا۔ یہ متصور نہیں ہو سکتا۔ وہ امر جس سے یہ اشکال اٹھ جائے گا وہ یہ ہے کہ حرام امر کی حرمت اور حلال امر کی حلت کو حضور اکرم ﷺ کے اجتہاد کے سپرد کیا جائے آپ کی معصوم نگاہِ ناز کے سپرد کیا جائے جب آپ نے انہیں دیکھا تو اجتہاد نے شراب کی حرمت اور دودھ کی حلت کا فتویٰ دے دیا وہ رب تعالیٰ کے علم کے ساتھ موافقت پا گیا۔ اس لیے جبرائیل امین نے کہا: " آپ نے درست کام کیا ہے" اگر یہ مقدر مانا جائے کہ شاید شراب حرام نہ ہو کیونکہ اسے مدینہ طیبہ میں حرام کیا گیا تھا۔ تو آپ کا اجتناب از روئے تقویٰ ہوگا کہ اسے عنقریب حرام کر دیا جائے گا۔

◆ ابوخطاب کلبی نے لکھا ہے "فطرۃ کا اطلاق اسلام پر اور اصل خلقت پر ہوتا ہے پہلے معنی کے اعتبار سے آپ کا یہ فرمان ہے" ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے" رب تعالیٰ کے اس فرمان کا دوسرا معنی ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ (الروم:۳۰)

ترجمہ: ''(مضبوطی سے پکڑو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔''

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (فاطر:۱)

ترجمہ: ''(سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔''

یعنی ان کی تخلیق کا مبداء ہے۔ حضرت جبرائیل کا قول'' آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔'' کی مراد یہ ہے کہ آپ نے وہ دودھ اختیار کیا ہے جس پر تخلیق کی بنیاد ہے اسی سے گوشت بنتا ہے یا آپ نے اسے اس لیے اختیار کیا ہے کہ دین اسلام میں ہمیشہ کے لیے حلال ہے۔ جبکہ شراب کو حرام کر دیا جائے گا۔ تعبیر کے علم کی رو سے دودھ سے مراد علم ہوتا ہے۔ جیسے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:'' میں نے دیکھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا میں نے اسے پیا حتیٰ کہ میں سیراب ہو گیا۔ وہ میرے ناخنوں سے نکلنے لگا۔ میں نے بقیہ دودھ حضرت عمر کو پکڑا دیا۔'' صحابہ کرام نے عرض کی:'' یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی ہے؟'' آپ نے فرمایا:'' علم''

اگر یہ سیر عالم بیداری میں ہو تو بعض اوقات عالم بیداری میں بھی ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ عمدہ فال کو پسند کرتے تھے۔ جب آپ کا قلب انور ایمان اور حکمت سے بھر گیا۔ تو اس کے مطلق علم اس میں ڈالا گیا۔ رب تعالیٰ نے اس دودھ کو علم اور قلب انور کی تقویت کا سبب بنایا تاکہ وہ اس کے انوار کو برداشت کر سکے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ شاید دودھ کو فطرت اس لیے کہا گیا ہو کیونکہ یہ وہی خوراک ہے جو سب سے پہلے بچے کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے اور اس کی آنتیں کھولتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا میلان اس کی طرف تھا اس لیے آپ نے اسے پسند فرمایا۔ اس لیے بھی کہ اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر آپ شراب کو اختیار فرما لیتے تو یہ لغزش ہوتی حضور اکرم ﷺ لغزش سے معصوم ہیں اس وقت یہ مسئلہ اجتہادی ہوتا۔ کیونکہ شراب کو بعد میں حرام کیا گیا۔

آپ نے فرمایا:'' پھر سیڑھی لائی گئی۔ اگلا سفر براق پر نہیں ہوا تھا۔ اس میں اختلاف ہے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں ہے کہ آپ براق پر ہی سوار رہے حتیٰ کہ آپ کو آسمان کی سیر کرادی گئی۔ ابو جمرۃ اور ابن دحیۃ نے یہی موقف اختیار کیا ہے لیکن دیگر علماء کا موقف ہے کہ روایات آشکارا کرتی ہیں کہ اگلا سفر براق پر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ سیڑھی کے ذریعے ہوا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے'' پھر میرے پاس سیڑھی لائی گئی۔'' ابن کثیر نے لکھا ہے'' جب آپ بیت المقدس سے فارغ ہوئے تو آپ کے لیے سیڑھی نصب کی گئی۔ آپ اس پر چڑھ کر

آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہ چڑھنا براق پر نہیں تھا جیسے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے بلکہ براق تو مسجد اقصیٰ کے ساتھ بندھی رہی تاکہ آپ اسی پر مکہ مکرمہ لوٹ چلیں۔" الشیخ نے لکھا ہے کہ یہی مؤقف درست ہے جس پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔

◆ ۲۶ ابن دحیہ نے معراج کو دس اقسام میں تقسیم کیا ہے جتنے ہجرت کے سال ہیں سات معراج ساتوں آسمانوں تک تھے۔ آٹھواں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک تھا۔ نواں معراج اقلام کی آواز سننے تک تھا جبکہ دسواں معراج عرش اور رفرف تک تھا۔

◆ ۲۷ روایت ہے کہ جنت کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک پانچ سو سال کا سفر ہے ایک درجہ نیچے آتا ہے تاکہ ولی اللہ اس پر چڑھے پھر وہ اپنے مقام پر چلا جاتا ہے ظاہر ہے کہ معراج کا زینہ بھی اسی طرح تھا۔

◆ ۲۸ معراج کے قصے میں چڑھنے اور اترنے سے یہ نہ سمجھا جائے رب تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین مسافت ہے یہ کفر ہے۔ ہم اس سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یہ چڑھنا اور اترنا بندے کی نسبت سے ہے اللہ تعالیٰ کی نسبت سے نہیں۔ حضور اکرم ﷺ انتہائی قرب کے باوجود اس رات مقام عبودیت سے آگے نہیں گئے تھے۔ آپ اور حضرت یونس علیہ السلام اس وقت جب مچھلی نے انہیں نگل لیا تھا ہوا نہیں لے کر سمندر میں چلی گئی تھیں وہ پھر انہیں لے کر سمندر کی تہ میں اتر گئی تھے، عدم جہت، تحیز، حد اور احاطہ کے اعتبار سے برابر تھے۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ آپ نے چھ ہزار سال کی مسافت طے کی تھی۔ جب تمہیں یہ علم ہو گیا تو پھر آپ کی یہ مسافت اور سفر اس لیے تھا تاکہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کی رفعت کا اظہار ہو سکے۔ نیز یہ علم ہو سکے کہ آپ ساری مخلوقات سے افضل ہیں۔ اس مقصد کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا۔ آپ کے لیے سیڑھی نصب کی گئی۔ آپ کو انبیائے کرام اور ملائکہ کا امام بنایا گیا۔ حالانکہ رب تعالیٰ قادر تھا کہ آپ کو براق اور سیڑھی کے بغیر ہی سیر کراتا۔

اصحاب جہت سے کہا جائے گا "تمہیں اس چیز نے حق کا عقیدہ رکھنے سے روکا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ ہر موجود کا کسی نہ کسی جہت میں ہونا ضروری ہے۔ ہمیں عرش اور اس سے اوپر کی اشیاء کے بارے بتائیں کہ کیا وہ قدیم ہیں یا حادث ہیں۔ اگر کہیں کہ قدیم ہیں تو انہوں نے عالم کے قدیم ہونے کا قول کیا۔ اس نے دو محال امور کی طرف دعوت دی۔ (۱) ازل میں رب تعالیٰ کے علاوہ اس کے ہمراہ اور بھی تھا۔ دو قدیموں میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جو اس سے افضل ہو۔ جہت اور مکان یا تو جسم ہوں گے یہ سارے اجسام کے وجود کی طرف دعوت دیتی ہے یہ اس شخص کا قول ہے جس نے کہا ہے کہ عالم قدیم ہے نعوذ باللہ منہ۔ اگر وہ کہیں کہ عالم حادث ہے تو کہو کہ

نے سچ کہا ہے کہ رب تعالیٰ پہلے موجود تھا حالانکہ اس وقت جہت نہیں تھی۔ محال جائز یا واجب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قدیم حادث کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ اس کے ہونے سے قبل اس سے مستغنی تھا۔ وہ ماضی میں اس سے مستغنی تھا اور مستقبل میں اسی طرح مستغنی رہے گا۔ یہ محال ہے کہ کل کا خالق اپنی ہی بعض مخلوق کا محتاج ہو۔ استواء اور نزول وغیرہ کے وہ الفاظ اور صفات جن کو ظاہری طور پر جاری کرنا مشکل ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے معنی کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہم اسے اس کی کسی مخلوق سے مشابہت نہیں دیتے۔ نہ ہی کسی اس صفت کا انکار کرتے ہیں جو اس ذات نے اپنے لیے ثابت کی ہے یا حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے ثابت کی ہے۔

﴿۲۹﴾ ابن حبیب سے روایت ہے کہ زمین اور آسمان کے مابین ایک سمندر ہے جسے مکفوف کہا جاتا ہے اس کے سامنے اس دنیا کے سمندر اسی طرح ہیں جس طرح بحر بے کراں کے سامنے ایک قطرہ ہو۔ اس سمندر کو ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے شق کیا گیا۔ یہ حضرت موسیٰ کے لیے شق بحر سے بڑا معجزہ ہے۔

﴿۳۰﴾ آسمان اور زمین کے مابین فیصلہ

امام احمد، ابوداؤد، امام ترمذی، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔" آپ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے مابین کتنا فیصلہ ہے؟" ہم نے کہا: "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "ان کے مابین پانچ سو سال کی مسافت ہے ہر آسمان کے مابین پانچ سو سال جتنی مسافت ہے۔ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال مسافت جتنی ہے۔ ساتوں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے وہ اوپر سے نیچے تک اتنا بڑا ہے جتنا زمین اور آسمان کے مابین فاصلہ ہے۔ ان کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جن کے پاؤں سے لے کر گھٹنوں تک کا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی مسافت جتنا ہے۔ اس کے اوپر عرش ہے۔ اس کی موٹائی اتنی ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

ابن راھویہ اور بزار نے صحیح سند سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "آسمان اور زمین کے مابین پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت جتنا موٹا ہے۔ ساتوں آسمانوں تک اسی طرح ہے۔ اسی طرح زمینیں ہیں۔ ساتویں آسمان سے لے کر عرش تک اسی طرح ہے۔"

ابن جریر اور ابن منیر نے حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ کا

عرش پانی پر تھا۔ اس نے جو کچھ تخلیق کیا تھا اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ جب اس نے خلق کو بنانے کا ارادہ کیا تو پانی سے دھواں نکالا وہ پانی کے اوپر پھیلا اس لیے اس کا نام سماء رکھ دیا۔ پھر اس نے پانی کو خشک کر دیا۔ ایک زمین بنا دی۔ پھر اسے چیر کر دو دنوں میں سات زمینیں بنا دیں۔ زمین کو مچھلی پر بنایا۔ رب تعالیٰ نے اس فرمان میں اسی کا تذکرہ ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ (نون:۱)

ترجمہ: ''ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔''

مچھلی پانی میں ہے پانی پتھر پر ہے۔ پتھر فرشتے کی پشت پر ہے فرشتہ چٹان پر ہے چٹان ہوا میں ہے۔ لقمان نے اسی چٹان کا ذکر کیا ہے جو نہ آسمان میں اور نہ زمین پر ہے۔ مچھلی نے حرکت کی جس سے لرزہ پیدا ہوا زمین پر زلزلہ آیا۔ رب تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑھ دیے۔ زمین قرار پذیر ہوگئی۔ اس نے اس میں پہاڑ تخلیق کیے۔ اس کے باسیوں کے لیے رزق اور اس کے درخت پیدا کیے۔ دو دن منگل اور بدھ میں یہ امور مکمل کیے پھر آسمان کی طرف توجہ فرما ہوا یہ دھوئیں کی طرح تھا یہ دھواں پانی کے سانس لینے سے پیدا ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے اسے ایک آسمان بنا دیا پھر اسے چیر کر سات آسمان بنا دیے۔ دو دن جمعرات اور جمعہ میں یہ کام مکمل ہوئے۔ روز جمعہ کو اسی لیے جمعۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو جمع کیا۔ ہر آسمان کے امور اس کے سپرد کیے۔ یعنی اس کے ملائکہ، سمندر، پہاڑ اور برد وغیرہا تخلیق کیے۔ آسمانِ دنیا کو ستاروں سے سجایا انہیں شیاطین سے تحفظ اور باعث زینت بنایا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے عرش آسمانوں پر ہے۔ آسمان اس کی زمین کے اوپر ہیں۔'' انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا کہ وہ قبہ کی طرح ہیں۔ ابن ابی حاتم نے قاسم بن بزہ سے روایت کیا ہے کہ آسمان مربع شکل میں نہیں۔ وہ گول گنبد دار ہے جو لوگوں کو سبز نظر آتا ہے۔ الطبرانی اور ابن منذر نے حضرت ربیع بن انس سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ آسمان دنیا گول موج سے، دوسرا آسمان سفید زمرد سے تیسرا آسمان لوہے سے چوتھا آسمان تانبے سے اور پانچواں آسمان چاندی سے چھٹا آسمان سونے سے اور ساتواں آسمان سرخ یاقوت سے بنایا گیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے یہ اضافہ کیا ہے'' اس کے اوپر نور کا صحرا ہے۔ اس کے اوپر کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پردوں پر ایک فرشتہ نگران ہے جسے میطاطروس کہا جاتا ہے۔'' حضرت کعب سے روایت ہے کہ آسمان دودھ سے زیادہ سفید اور کوہِ قاف سے زیادہ سبز ہے۔

۲۱ حضرت جبرائیل امین نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ ممکن ہے انہوں نے دروازے پر دستک دی ہو یا آواز دی ہو۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ پہلی بات زیادہ قرین صواب ہے کیونکہ معروف صدا یہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت

ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آسمان کے دروازے کھولنے کے لیے کہے کیونکہ انہوں نے یہ دروازے بند پائے تھے۔ آپ کے آنے سے قبل دروازے کھولے نہیں گئے تھے۔ اگرچہ زیادہ اکرام اسی میں تھا۔ کیونکہ آپ اگر انہیں کھلا دیکھتے تو آپ یہ گمان کرتے کہ یہ اسی طرح رہتے ہیں۔ اس طرح اس لیے کیا گیا تاکہ آپ کو علم ہو سکے کہ اس طرح آپ کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ نیز رب تعالیٰ نے آپ کو بتانا چاہا کہ آپ اہلِ آسمان میں معروف ہیں۔ حضرت جبرائیل سے جب پوچھا گیا "کون؟" تو انہوں نے "جبرائیل" کہا اپنا نام لیا تاکہ کسی اور کے ساتھ التباس لازم نہ آئے۔ انہیں انتظار نہ کرنا پڑے کیونکہ وہ نیچے اترتے رہتے تھے اوپر چڑھتے رہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے اسم گرامی کو مقدم کیا۔ کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لانے کے لیے قاصد بن کر گئے تھے۔ فرشتے کے جواب مرحبا سے ابن دحیہ اور ابن منیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ سلام کا جواب اس لفظ کے علاوہ کسی اور لفظ سے دینا جائز ہے۔ لیکن ان کی گرفت یوں کی گئی ہے کہ فرشتے کا قول "مرحبا" سلام کا جواب نہیں ہے کیونکہ اس نے دروازے کھولنے سے قبل آپ کو خوش آمدید کہا تھا۔ ابن ابی جمرۃ نے روایت کیا ہے کہ آپ جب بھی کسی نبی کے پاس سے گزرے تو حضرت جبرائیل نے کہا: "آپ انہیں سلام کریں۔" آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

اذن طلب کرنے والے سے اگر کہا جائے کہ وہ اپنا نام بتائے تو لازمی ہے کہ وہ محمد شامی کہے۔ صرف محمد پہ اکتفاء نہ کرے۔ کیونکہ محمد نامی افراد بہت سے ہوتے ہیں۔ اس سے اشتباہ لازم آتا ہے نہ ہی "انا" "میں" کہے۔ بلکہ اپنا نام لے کیونکہ حضرت جبرائیل نے "میں" نہیں کہا تھا بلکہ جبرائیل کہا تھا۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے اجازت طلب کی آپ نے پوچھا: "کون؟" جواب آیا: "میں۔" آپ نے اس کا انکار فرماتے ہوئے فرمایا: "انا" کیا ہوتا ہے۔ آپ نے دو وجہوں سے اس لفظ کا انکار فرمایا۔ (۱) اس میں عظمت کا احساس ہے۔ سب سے پہلے یہ لفظ شیطان نے استعمال کیا تو وہ مردود ہو گیا۔ اس نے کہا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ (الاعراف: ۱۲)

ترجمہ: "میں اس سے بہتر ہوں تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔"

فرعون نے بھی کہا تھا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ (النازعات: ۲۴)

ترجمہ: "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔"

نیز یہ مبہم ہے کہ ضمیر کس طرف راجع ہو یہ بیان ناکافی ہے۔ جب ضمیر کا مضمر متعین ہو تو سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اجازت طلب کرنے والا اس سے پردہ میں ہوتا ہے جس سے اجازت طلب کر رہا ہوتا ہے اس کے لیے متعین نہیں ہوتا گویا کہ اس نے اسے جاہل رکھ کر ذلیل کیا ہے۔

◆ خازن کا قول ''کیا انہیں پیغام دے کر بھیجا گیا ہے؟ یہ دراصل یوں عبارت تھی: ''اَوْ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ'' علماء نے کہا ہے کہ اس بعثت سے مراد رسالت نہیں ہے۔ آپ ملکوت اعلیٰ میں معروف تھے۔ بلکہ اس سے مراد معراج کے لیے بلانا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس نعمت الٰہیہ پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یا خوش ہوتے ہوئے اس طرح کہا تھا۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ کوئی بشر اذنِ الٰہی کے بغیر اس قدر رفعت پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ حضرت جبرائیل اسے لے کر نہیں جاتے جس کے لیے انہیں نہ بھیجا گیا ہو۔ خازن نے کہا: ''آپ کے ہمراہ کون ہے؟'' اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ خازن کو علم ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی ہستی ہے ورنہ سوال اس طرح ہوتا ''کیا آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ یہ علم یا تو مشاہدہ سے ہوا تھا کیونکہ آسمان شفاف ہیں۔ یا امر معنوی کی وجہ سے تھا یعنی انوار زیادہ ہو گئے تھے۔ لہٰذا لازم تھا کہ حضرت جبرائیل کو اذن دیا جاتا اور دروازہ کھول دیا جاتا۔ خازن نے اتنا انتظار نہ کیا کہ اس پر دروازہ کھولنے کے لیے وحی کی جائے کیونکہ اس کے لیے لازم تھا کہ جب آپ کو سیر کے لیے بلایا گیا ہے تو دروازہ فوراً کھول دیا جائے۔ خازن نے کہا ''مرحبا'' اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر ماتحتوں کو علم ہو جائے کہ ان کا سردار اور آقا کسی کی عزت کرنا چاہتا ہے تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اسے اس کی بشارت دے دیں۔ اگرچہ اس نے انہیں اس کا اذن نہ بھی دیا ہو۔ نہ ہی اس طرح راز افشاء ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ خازن خوب جانتا تھا کہ آپ کو عزت و اکرام کے لیے بلایا گیا ہے۔ اس نے آپ کو جلدی بشارت دی۔ سچی فراست سے اسی طرح علم حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ یہ اپنے اہل اور محل میں ہو جیسے اسے وحی سے علم حاصل ہوتا ہے۔

خازن نے آپ کو غائب کے صیغہ سے مخاطب کیا۔ آپ کو مخاطب کے صیغہ سے مرحبا نہ کہا۔ کیونکہ اس نے دروازہ کھولنے سے قبل آپ کو مرحبا کہا تھا۔ حضور ﷺ کے مخاطب کرنے سے پہلے کہا تھا۔ اس لیے اس نے حضرت جبرائیل سے کہا تھا ''آپ کے ہمراہ کون ہے؟ انہیں خطاب کے صیغہ سے مخاطب کیا۔ کیونکہ انہوں نے فرشتے کو خطاب کیا تھا۔ جانبین سے تخاطب کی وجہ سے غیب کا حکم اٹھ گیا تھا۔ شاید اس نے آپ کو خطاب کے صیغہ کے بغیر آپ کی تعظیم کرتے ہوئے آپ کو خطاب کیا ہو۔ غائب کی ہاء بعض اوقات خطاب کے کاف سے زیادہ تعظیم کا اظہار کرتی ہے۔

◆ حضرت جبرائیل سے جب پوچھا گیا: "آپ کے ہمراہ کون ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا: "(جانِ عالم، راحت جاں) محمد ﷺ۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ اسم کنیت سے زیادہ مقام رکھتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کا نام لیا تھا۔ کنیت نہیں کہی تھی۔ کیونکہ حضور ﷺ علوی اور سفلی سارے عالمین میں معروف تھے۔ اگر کنیت اسم سے زیادہ معزز ہوتی تو حضرت جبرائیل آپ کی کنیت سے بتاتے۔

◆ ملائکہ نے کہا: "و قد ارسل الیہ" اس کے استفہام کے بارے ابن ابی جمرہ لکھتے ہیں: "عالم علوی آپ کی رسالت اور عظمت سے آگاہ تھے۔ کیونکہ رسالت کے وقت کے بارے سوال کیا۔ رسالت کے بارے سوال نہیں کیا۔ اسی لیے انہوں نے یہ جواب دیا: "خوش آمدید! آنے والے کتنی شان کے مالک ہیں۔" ان کا اس طرح کہنا یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ فرشتے آپ کی شانِ جلالت اور عظیم رفعت سے آشنا تھے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو حسنِ خطاب سے مخاطب کیا تھا۔ علماء کرام نے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں لکھا ہے۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم: ۱۸)

ترجمہ: "یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

آپ نے ملکوت میں اپنی مبارک صورت (سراپا) دیکھا تھا۔ وہ عالمین کا دلہا تھی۔

◆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: "یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔" یقیناً آپ کا یہ سوال حضرت آدم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے بعد میں ہوگا۔" حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت اس کے برعکس ہے۔ وہی قابل اعتماد ہے۔ اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ترتیب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کو یوں استقبال کیا تھا "مرحبا بالابن الصالح" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انہیں حضور اکرم ﷺ کے باپ ہونے پر فخر تھا۔ بنو آدم کی ارواح آپ پر پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ نار کی ارواح آسمان میں ہیں۔ قاضی نے اسے مشکل کہا ہے۔ کیونکہ احادیث میں ہے کہ مؤمنین کی ارواح جنت میں نعمتوں سے شاد کام ہوتی ہیں جبکہ کفار کی سجین میں ہوتی ہیں۔ وہ آسمان میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض اوقات یہ ارواح پیش کی جاتی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت گزرے ہوں جب یہ ارواح پیش کی جا رہی ہوں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ظاہر کرتا ہے کہ انہیں کسی وقت (صبح و شام) آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ (مومن: ۴۶)

ترجمہ: ''دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح وشام۔''

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کفار کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے جیسے کہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ احتمال ہے کہ جنت حضرت آدم کے دائیں طرف اور آگ بائیں طرف ہو دونوں طرف سے ان کے لیے عیاں کر دیا جاتا ہو۔''

الحافظ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ نظر آنے والی ارواح ابھی تک اجسام میں داخل نہ ہوئی ہوں۔ انہیں اجسام سے قبل تخلیق کر دیا گیا ہو۔ ان کا ٹھکانہ حضرت آدم کے دائین اور بائیں طرف ہو۔ انہیں بتایا گیا کہ عنقریب ان کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ اس لیے جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہو جاتے جب بائیں طرف دیکھتے تو غمزدہ ہو جاتے۔ وہ ارواح جو اجسام میں ہیں۔ وہ قطعاً مراد نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ مراد ہیں جو اجسام سے جنت یا دوزخ کی طرف منتقل ہو چکی ہیں۔ یہ مراد بھی ختم ہوگئی۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ ان سے عام مخصوص ارواح ہیں۔ یا ان سے خصوصی ارواح مراد لی گئی ہیں۔

الفتح میں معراج کے باب میں ہے: ''اب میرے لیے ایک اور احتمال عیاں ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ارواح ہیں جو جسموں سے نکل چکی ہیں۔ وہ مستقر نہیں ہیں۔ آسمان دنیا میں حضرت آدم کا انہیں دیکھنا اس کو لازم نہیں کرتا کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہوں اور وہ اس میں داخل ہوتی ہوں۔ ابن اسحاق کی یہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ ''میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تھا۔ ان پر ان کی مؤمن اولاد کی ارواح پیش کی جا رہی تھیں۔ وہ کہہ رہے تھے ''یہ پاکیزہ روح اور پاکیزہ نفس ہے۔ اسے علیین میں رکھ دو۔'' پھر ان پر فاجروں کی ارواح پیش کی گئیں۔ انہوں نے کہا: ''یہ خبیث روح اور خبیث نفس ہے۔ اسے سجین میں رکھ دو۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''ان کے دائیں طرف ایک دروازہ تھا جس سے عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ ان کے بائیں طرف ایک دروازہ تھا جس سے خبیث بو آ رہی تھی۔'' اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کو اپنا لینا سب سے بہتر ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے لہٰذا اسے متقدم پر لازم نہیں کیا جا سکتا۔''

امام سہیلی نے لکھا ہے ''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے اپنے دائیں طرف اصحاب یمین کو کیسے دیکھ لیا حالانکہ اس وقت ان کی تعداد قلیل تھی۔ شاید اس رات ان میں سے ایک بھی نہ مرا ہو۔ حالانکہ حدیث پاک کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ وہ پوری جماعت تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ سیر دل کی آنکھ کے ساتھ تھی تو اس کی تاویل یہ ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا۔ اگر آنکھ کے مشاہدہ سے سیر ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اہل ایمان

ارواح کو وہاں دیکھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نیند کی وجہ سے اس پر موت طاری کر دیتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ (الزمر: ۴۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔"

وہ ارواح اوپر چلی گئیں تھیں پھر اپنے اجسام میں واپس آ گئیں۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے "اگر کہا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سارے سعادت مندوں کی ارواح آسمانوں میں ہوں۔ حالانکہ اس وقت کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا میں موجود تھے۔ وہ سب سعادت مند تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں زمین میں ان کے مقامات پر دیکھ لیا تھا لیکن انہیں اپنی دائیں سمت میں دیکھا۔ تقیید نظر کے لیے ہے۔ منظور کے لیے نہیں۔

حضرت جبرائیل امین نے کہا: "یہ آپ کے باپ ہیں آپ انہیں سلام کریں۔ اس کا تقاضا یہ ہے آنے والا مقیم کو پہلے سلام کرے۔"

شریک کی روایت ہے کہ آپ نے آسمانِ دنیا میں دو رواں نہریں دیکھیں۔ یعنی نیل اور فرات۔ ان کی اصل ایک تھی۔ حضرت مالک بن صعصعۃ کی روایت میں اس کی مخالفت ہے وہاں سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر کے بعد ہے کہ اس کی اصل سے چار نہریں نکل رہی تھیں۔" ان میں نیل اور فرات کا تذکرہ کیا۔ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان نہروں کا منبع سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے ہے۔ ان کا مقر آسمان دنیا ہے وہ وہاں سے نیچے زمین پر نازل ہوتی ہیں۔

شریک کی روایت میں ہے "پھر حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ دنیا پر تشریف لے گئے آپ نے وہاں ایک اور نہر ملاحظہ کی۔ وہاں موتی اور زبرجد کے محلات تھے۔ آپ نے اس میں دست اقدس مارا اس کی مٹی مشک اذفر کی تھی۔ آپ نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ وہ کوثر ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔"

شریک کی روایت میں یہ اشکال ہے۔ کوثر جنت میں ہے جبکہ جنت ساتویں آسمان پر ہے۔ امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں ایک نہر تھی۔ جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے۔ میں نے پانی کے نیچے ہاتھ مارا تو اس کی تہ مشک اذفر کی تھی۔ حضرت جبرائیل

امین نے عرض کی: "یہ وہ کوثر ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔" اس روایت کی اصل بخاری میں ہے انہوں نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت انس سے روایت کیا ہے لیکن اس میں جنت کا ذکر نہیں ہے۔ ابوداؤد نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سیاح لامکان ﷺ کو سیر کرائی گئی تو جنت میں آپ کو ایک نہر دکھائی گئی۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ شاید کچھ عبارت محذوف ہو۔ وہ یوں ہو "پھر آپ آسمان دنیا سے سیر کرتے کرتے ساتویں آسمان تک جا پہنچے۔ وہاں ایک نہر ملاحظہ کی۔" ان کے شاگرد حافظ قطب الدین الخیضری نے الخصائص میں لکھا ہے "یہ بعید ہے کیونکہ پہلے آسمان اور ساتویں آسمان کے مابین دوسرے پانچ آسمان بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اوصاف دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ ان کے دروازے جداگانہ ہیں۔ ان کے خدام جداگانہ ہیں۔ لیکن یوں کہا جا سکتا ہے کہ نہر کوثر کی اصل جنت میں ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کی ایک شاخ کو آسمان دنیا میں رواں کر دیا تا کہ حضور اکرم ﷺ اسے جلدی دیکھ کر مسرور ہوں۔ کیونکہ یہ مراتب علویہ میں سے پہلا مرتبہ ہے۔ حضرت جبرائیل کی یہ عرض بھی اسی کی تائید کرتی ہے "یہ آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے۔"

- حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کا یوں استقبال کیا "صالح فرزند اور صالح نبی کو خوش آمدید! یہ آپ کی بہت خوبصورت تعریف ہے۔ صلاح کا دوبارتذکرہ نبوت کے ساتھ کیا۔ یعنی سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے ہمراہ آپ صالح ہیں۔ اس میں صلاح کی فضیلت اور اس کے بلند منصب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کا اس کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انبیائے کرام کی صلاح خاص صلاح ہوتی ہے جو صالحین کی عمومیت کو شامل نہیں ہوتی۔ بہت سارے انبیاء نے یہ تمنا کی ہے کہ وہ انہیں صالحین کے زمرہ میں شامل کر دے۔ اعلیٰ ادنیٰ کے زمرہ میں آنے کی تمنا نہیں کرتا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ امم کے صالحین کی صلاح سے نبوت اعلیٰ مقام ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صلاح جس کی نسبت انبیاء کی طرف کی جاتی ہے وہ اس صلاح سے علیحدہ ہے جس کی نسبت امم کی طرف کی جاتی ہے۔ انبیاء کی صلاح کامل صلاح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے سارے فساد ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے مکمل صلاح ہوتی ہے۔ ان سے کم مرتبہ لوگوں میں درجہ بہ درجہ صلاح ہوتی ہے۔ اس سے جس قدر فساد زائل ہوگا۔ اسی قدر صلاح کے لفظ کا اس پر اطلاق ہوگا۔ انبیائے کرام نے آپ کا وصف صلاح کا تذکرہ کیا کیونکہ یہ خیر کی ساری خصلتوں کو شامل ہے۔ اسی لیے ہر ہر نبی نے آپ کو اسی وصف سے یاد کیا۔ صالح وہ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو پورا کرتا ہے یہ ایک ایسا جامع مانع کلمہ ہے جو سارے اچھے خصائل کو شامل ہے اسی لیے کسی نے آپ کو نبی صادق یا نبی امین کے ساتھ یاد نہیں کیا۔

آپ نے سود خوروں کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے یہ سزا گناہ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ سود خور اپنا پیٹ اسی طرح بڑھاتا ہے جس طرح وہ حرام امور سے اپنا پیسہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اس کے مال سے برکت اٹھادی جاتی ہے۔ اس کے پیٹ میں ہوا بھر دی جاتی ہے وہ اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔

كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: ''جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے پاگل بنادیا ہو شیطان نے چھو کر۔''

انہیں آل فرعون کے رستہ میں اس لیے رکھا گیا وہ ان پر سے صبح و شام گزرتے ہیں کیونکہ دیگر کفار کی بنسبت انہیں سخت عذاب ہورہا ہے۔ وہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کے جہنم کے رستے میں ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس حیثیت سے کفار ان پر سے گزرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں اس امر کے مابین رکھا ہے کہ وہ رک جائیں تو ان کے لیے بہتر ہو یا وہ زیادہ اصرار کریں اور انہیں جہنم کے سپرد کردے۔ یہ اس شخص کی صفت ہے جو آگ کے رستہ میں ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ: ''پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ (سود سے) رک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ان کے پیٹ دیکھے جو گھروں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔

اگر یوں کہا جائے کہ سود خوروں کے یہ احوال جن کا تذکرہ آپ نے کیا ہے اگر انہیں ان کے آخرت کے احوال سے تعبیر کیا جائے تو آل فرعون کو تو شدید عذاب میں داخل کردیا گیا ہے۔ برزخ میں صبح و شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر حالت وہی ہو جس پر آپ نے انہیں دیکھا ہے تو ان کے پیٹ کون سے تھے؟ حالانکہ وہ صرف ہڈیاں رہ گئے ہیں وہ بوسیدہ ہوچکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے انہیں برزخ میں دیکھا۔ یہ ان کی ارواح کی حالت تھی۔ اس میں اس شخص کے موقف کی تصحیح ہے جو کہتا ہے کہ ارواح لطیف اجسام ہیں جو نعمتوں اور عذاب کے قابل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح میں ایسے آلام اور درد پیدا کردیے ہیں جو پیٹ پھولنے سے

ہوتا ہے حتیٰ کہ انہیں قدموں سے روندھا جاتا ہے وہ کھڑے ہونے پر قادر نہیں ہیں۔ اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ انہیں آلِ فرعون سے شدید عذاب دیا جاتا ہے۔ البتہ اس میں یہ دلیل ہے کہ انہیں آلِ فرعون وہ کفار روندھتے ہیں جو سود خور نہیں تھے۔ وہ برزخ میں اسی طرح رہیں گے۔ حتیٰ کہ وہ روز حشر جب اٹھیں گے تو اس طرح ہوں گے جس طرح شیطان نے چھو کر انہیں مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کا منادی یہ اعلان کرے گا۔

اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ (غافر:۴۶)

ترجمہ: ''داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں۔''

اسی طرح آپ نے ان عورتوں کو دیکھا جو پستانوں کے بل لٹکائی گئی تھیں یہ روا ہے کہ آپ نے ان کی ارواح کو دیکھا ہو۔ ان میں ایسے درد پیدا کر دیے گئے ہوں جو اس حالت سے پیدا ہوتے ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے ان کی آخرت کے حالات کو مثالی شکل میں پیش کیا گیا ہو۔

◆ آپ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ (مریم:۵۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک۔''

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو دیکھا وہ ان سے بلند رتبہ تھے۔ حضرت کعب سے روایت لی گئی کہ حضرت ادریس کو یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ انہیں انکے وصال سے قبل چوتھے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ وہ فرشتہ انہیں اٹھا کر لے گیا تھا جو ان کا دوست تھا۔ وہ فرشتہ سورج کا نگران تھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے انہیں کہا کہ وہ انہیں جنت کی سیر کرائیں۔ رب تعالیٰ نے اسے یہ اذن دے دیا۔ چوتھے آسمان پر انہوں نے موت کا فرشتہ دیکھا جسے دیکھ کر انہیں تعجب ہوا۔ اس نے کہا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ابھی حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرلوں۔'' انہیں زندہ ہی اس بلند مقام تک لے جایا گیا جو ان کے ساتھ مختص تھا۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

◆ علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا یہ رونا حسد کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس عالم میں کسی ایک عام مؤمن کے بارے حسد کا تصور نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ کے چیدہ چیدہ لوگوں کے بارے یہ تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ ان کا یہ گریہ اس اجر کی وجہ سے تھا جو ان کی امت کے اجر کی وجہ سے کم تھا۔ کیونکہ ان کی امت نے بہت سے ایسے اعمال کیے تھے جن کی وجہ سے ان کا اجر کم ہو گیا تھا۔ کیونکہ ہر نبی کو اس کے متبعین کا اجر بھی دیا جائے گا۔ ان کے پیروکار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں سے کم تھے۔ اگرچہ ان کی عمریں اس امت کی عمروں سے قلیل تھیں۔ ابن ابی

جمرہ نے لکھا ہے "اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے دلوں میں ان کی امتوں کے بارے رحم ڈال دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ بار ہوئے۔ آپ سے اس گریہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والوں بندوں پر رحم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو اس کی رحمت سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ ان کے دلوں میں بندگانِ خدا کے لیے کثیر رحمت ہوتی ہے۔ اس لطف اور رحمت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے تھے۔ یہ امت پر رحم کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ یہ فضل اور جود و کرم کا وقت تھا۔ انہوں نے امید کی کہ شاید قبولیت کے اس وقت کے طفیل رب تعالیٰ ان کی امت پر رحم کرے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کی امت دو حصوں میں منقسم ہے: (۱) وہ قسم جو ایمان پر مری ہے (۲) وہ امت جو کفر پر مری تھی۔ جو ایمان پر مرے تھے وہ لازماً جنتی تھے۔ جو کفر پر مرے تھے جنت ان کے لیے حرام تھی۔ جو وجہ تم نے ذکر کی ہے اس کی وجہ سے ان کا رونا درست نہیں۔ کیونکہ ان کے بارے حکم گزر چکا ہے۔ وہ نافذ ہو چکا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے رب تعالیٰ نے انہیں اسی طرح دو حصوں میں منقسم کیا ہے جیسے کہ اس کی حکمت کا منشاء تھا ایک ایسی تقدیر تھی جو ہر حال میں نافذ ہو چکی تھی۔ دوسری تقدیر کا نفاذ نہیں ہوا تھا۔ جو کسی کی دعا یا صدقہ کے سبب نافذ ہونا تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لیے تین دعائیں مانگیں۔ وہ یہ دعائیں ہیں۔ (۱) اُن کا دشمن ان پر غالب نہ ہو۔ (۲) وہ انہیں قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔ یہ دونوں دعائیں قبول ہو گئیں۔ آپ نے تیسری دعا یہ مانگی کہ وہ ان کے مابین باہم خونریزی نہ کرے۔ یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ آپ سے کہا گیا "یہ امر ایسا ہے جس کا نفاذ ہو چکا ہے۔" پہلی دو دعائیں ایسی تھیں جن کا نفاذ آپ کی دعا کے طفیل ہونا تھا۔ جبکہ تیسری دعا کا نفاذ ہر حال میں ہونا تھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اپنی امت پر بڑے شفیق اور لطیف تھے۔ انہوں نے سوچا کہ شاید رب تعالیٰ اس وقت دعا اور آہ زاری کے صدقہ ان کی امت کے مقدر کو تبدیل کر دے۔ کیونکہ وہ وقت لطف و احسان کا وقت تھا۔ کیونکہ یہ اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیر کا وقت تھا۔ تاکہ وہ انہیں قرب اور فضل عمیم کی خلعتیں زیبِ تن کرے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے سوچا کہ شاید ان کی امت کو بھی اس وقت کچھ حصہ مل جائے۔

اس کی ایک اور وجہ بھی بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر مسرور ہوئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب ہی تھے۔ تاکہ آپ یہ سماعت فرما لیں۔ اگر اس گریہ کا تعلق صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوتا تو وہ اس وقت روتے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے دور چلے جاتے کیونکہ ان کا رونا اور آپ کے سماعت فرمانے میں ان کے لیے آسانی تھی۔ کیونکہ اس سے اس

بشارت کو عیاں کرتا تھا جو ان کے رونے اور حضور اکرم ﷺ کے سماعت کرنے میں تھی۔ وہ بشارت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا یہ فرمان ہے: "حضور ﷺ کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔" نماز کے بارے بھی اس امت کے حق میں اس رعایت کا ظہور ہوا جو کسی اور سے نہ ہوا۔ حضرت ابوہریرہ کی اس روایت میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ "جب میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا تو وہ مجھ پر بڑے شدید تھے۔ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ میری امت کے لیے بہت بہتر ثابت ہوئے۔" حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں واپس آیا میں موسیٰ کے پاس سے گزرا۔ وہ تمہارے لیے بہترین ساتھی ثابت ہوئے۔"

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ ایک لڑکا...... از روئے تنقیص نہ تھا۔ بلکہ یہ رب تعالیٰ کے عظیم کرم اور قدرت کا اظہار تھا۔ کیونکہ اس عمر میں حضور ﷺ کو وہ کچھ عطا کیا گیا جو آپ سے قبل کسی نبی کو بھی عطا نہیں کیا گیا تھا جس کی عمر آپ کی مبارک عمر سے زیادہ تھی۔ علامہ خطابی نے لکھا ہے" آدمی کو اس وقت غلام کہا جاتا ہے جب بڑھاپے کے باوجود قوت پائی جائے۔" ابن جمرہ نے لکھا ہے" اہل عرب آدمی کو اس وقت غلام کہتے تھے جب وہ ان میں سردار ہوتا تھا۔ لہٰذا اس لفظ میں افضلیت کے دیگر الفاظ سے زیادہ اختصاص پایا جاتا ہے لہٰذا حضرت موسیٰ نے آپ کے لیے یہی لفظ استعمال کیا۔ الحافظ نے لکھا ہے" ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے اس نعمت کی طرف اشارہ کیا تھا جو آپ کی عمر مبارک زیادہ ہونے کے باوجود آپ میں رہی۔ آپ کے جسد اطہر میں بڑھاپا داخل نہ ہوا۔ نہ ہی قوت میں کمی واقع ہوئی۔ حتیٰ کہ جب ہجرت کے وقت اہل مدینہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کو جوان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بوڑھا کہا۔ حالانکہ آپ کی عمر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر سے زیادہ تھی۔

- حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے کہا: "میرا گمان نہیں تھا کہ رب تعالیٰ نے کسی اور کو مجھ سے بلند مرتبت کیا ہوگا۔" اس کے بارے ابن بطال نے لکھا ہے" حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے یہ اس لیے سمجھا تھا کیونکہ رب تعالیٰ نے دنیا میں اُن کے ساتھ کلام فرمایا تھا۔" ارشاد فرمایا:

اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ (اعراف: ۱۴۴)

ترجمہ: "میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے۔"

اس جگہ "الناس" سے مراد سارے انسان ہیں۔ وہ اس وجہ سے مستحق تھے کہ کسی کو ان سے بلند مرتبہ نہ دیا جاتا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو مقام محمود عطا کیا تو آپ حضرت کلیم سے بلند مرتبہ ہو گئے۔

- ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے" ظاہر ہے کہ وہ ذات جس نے حضرت موسیٰ سے پوچھا تھا "اهكاك" رب تعالیٰ کی ذات

تھی۔حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا جواب اسی پر دلالت کرتا ہے۔انہوں نے عرض کی:''مولا!اس ہستی کو تو نے میرے بعد بھیجا ہے میری امت سے زیادہ ان کی امت جنت میں داخل ہو گی۔''

◆ اکثر روایات میں ہے کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے مطابقت رکھتا ہے۔

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي (اعراف:۱۴۴)

ترجمہ: ''میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے۔''

یہ اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت شریک نے کہا ہے کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ان کی موافقت کرتی ہے۔انہوں نے فرمایا:''آپ نے آسمانوں میں حضرت آدم،ادریس،موسیٰ،عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی۔انہوں نے ان کی ملاقات کی جگہ کا تعین نہیں کیا۔سوائے انہوں نے فرمایا کہ حضرت آدم نے آپ سے آسمان دنیا پر اور حضرت ابراہیم سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی۔اگر یہ کہا جائے کہ یہ ملاقات متعدد بار ہوئی تھی تو پھر تو کوئی اشکال نہیں۔اگر یہ موقف اختیار نہ کیا جائے تو پھر ان روایات کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ حضرت موسیٰ حالت عروج میں چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان پر تھے۔جبکہ واپسی پر حضرت کلیم اللہ ساتویں آسمان پر تھے کیونکہ اس طرح کی کوئی روایت نہیں جس میں تذکرہ ہو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے آپ سے اس طرح نماز کے بارے گفتگو کی ہو جس طرح حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے گفتگو کی تھی۔واپسی پر آپ سب سے پہلے ساتویں آسمان پر آئے۔اس آسمان پر ہی حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے حضرت کلیم اللہ سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی ہو۔پھر آپ کے ساتھ انہیں ساتویں آسمان پر لے جایا گیا ہو۔کیونکہ وہ کلام الٰہی سے مشرف ہو چکے تھے۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امت مرحومہ کی نماز کے بارے آپ سے گفتگو کر لی۔

◆ حضرت شریک نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:''ہر آسمان پر آپ کی ملاقات کسی نہ کسی نبی سے ہوئی۔حضرت انس نے سب کے نام لیے تھے مگر مجھے صرف یہ یاد رہا کہ دوسرے آسمان پر حضرت ادریس سے اور چوتھے آسمان پر حضرت ہارون سے،پانچویں آسمان پر نہ جانے کس سے جبکہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔حضرت انس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:''تذکرہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے آسمانوں میں حضرات آدم،ادریس،موسیٰ،عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی۔''لیکن انہوں نے ان کے مقامات کو ثابت نہیں کیا۔سوائے اس کے کہ حضرت آدم کو

آسمان دنیا پر پایا حضرت ابراہیم سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی۔" یہ روایت شریک کی روایت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔لیکن یہ دونوں اس روایت کی مخالفت کرتے ہیں جو قتادہ نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضرت ابن صعصعہ سے روایت کی ہے۔اکثر نے ان کی موافقت کی ہے۔سیاق بھی ان کی روایت کے رجحان پر دلالت کرتا ہے۔انہوں نے ہر اس نبی اور اس کے مقام کا نام لیا جس نے آپ سے ملاقات کی۔حضرت ثابت نے حضرت انس سے اسی طرح روایت کی ہے۔امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''پھر مجھے اوپر لے جایا گیا۔حتیٰ کہ دوسرا آسمان آ گیا۔وہاں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام موجود تھے۔یہ دونوں خالہ زاد تھے۔انہوں نے تذکرہ کیا کہ آپ نے تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے، چوتھے پر حضرت ادریس سے، پانچویں پر حضرت ہارون سے۔ چھٹے پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی۔لیکن حضرت انس نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے۔لیکن انہوں نے ان کے نام نہیں لیے۔شریک کی روایت میں ان کے مقامات کا تعین نہیں بلاشبہ جنہوں نے اسماء اور مقامات کا تذکرہ کیا ہے ان کی روایت بہتر ہے۔حضرت قتادہ اور حضرت ثابت کی روایت میں اتفاق بھی ہے۔

یزید بن ابی مالک نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔البتہ انہوں نے حضرات ادریس اور ہارون علیہما السلام کے بارے ان کی مخالفت کی ہے۔انہوں نے کہا: ''حضرت ہارون چوتھے جبکہ حضرت ادریس نے پانچویں آسمان پر ملاقات کی۔حضرت ابوسعید خدری نے اسی طرح روایت کیا ہے۔لیکن انہوں نے کہا ہے: '' آپ نے حضرت یوسف کو دوسرے آسمان پر اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو تیسرے آسمان پر دیکھا۔ پہلا قول زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے ارجح روایت ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر تھے۔کیونکہ آپ نے فرمایا کہ آپ نے انہیں دیکھا کہ وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تھے۔ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہی ہے۔جو روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیت المعمور چھٹے آسمان پر شجرۂ طوبیٰ کے پاس ہے۔اگر یہ ثابت ہو جائے تو اسے اس بیت المعمور پر محمول کیا جائے گا۔جو چھٹے آسمان پر شجرۂ طوبیٰ کے پاس ہے کیونکہ آپ سے روایت ہے کہ ہر آسمان پر ایک بیت اللہ ہے جو عین خانہ کعبہ کے اوپر ہے۔ہر بیت اللہ فرشتوں سے بھرا رہتا ہے۔حضرت ربیع بن انس سے روایت ہے کہ بیت المعمور آسمان پر ہے۔

◆ متکلمین نے ان انبیاء اور ان کے مقامات کے بارے گفتگو کی ہے جنہوں نے مختلف آسمانوں پر آپ سے ملاقات کی۔بعض علماء نے اس پر بالکل گفتگو نہیں کی۔بعض نے ان کے بارے گفتگو کی ہے۔پھر انہوں نے باہم اختلاف

کیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جن انبیاء کرام کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے ملاقات کی ان کا تذکرہ لوگوں کے عرف کے مطابق کیا گیا ہے۔ جب وہ کسی آنے والے کا استقبال کریں اور جلدی جلدی اس کی ملاقات کے لیے جائیں۔ یقیناً ان میں سے بعض دوسروں پر سبقت لے جائیں گے۔ بعض نے آپ سے ملاقات کر لی اور بعض نے ملاقات نہ کی۔ ابن بطال کا یہی رجحان ہے۔ امام سہیلی نے ان کا یہ موقف باطل قرار دیا ہے۔ ابن بطال کے علاوہ دیگر علماء نے لکھا ہے کہ یہ ان خاص حالات پر تنبیہ ہے جو ان انبیاء کرام کے ساتھ مختص ہیں کہ ایسے حالات کا عنقریب آپ کو بھی سامنا کرنا پڑے گا جیسے کہ رب تعالیٰ نے ان کا تذکرہ کلام مقدس میں کیا ہے۔ حضور ﷺ عمدہ فال کو پسند کرتے تھے۔ نیند میں خواب کی مثال عالم بیداری میں فال کی طرح ہے۔ اہلِ تعبیر کہتے ہیں کہ جس نے خواب میں کسی نبی کی زیارت کی تو اس کی شدت یا نرمی یا دیگر امور میں اس کی کیفیت بالکل اسی طرح ہوگی جیسے کہ قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں ان کا تذکرہ ہے۔

ابن ابی جمرۃ نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آسمانِ دنیا پر ملاقات کی۔ کیونکہ وہ اول الانبیاء اور اول آباء ہیں۔ وہ اصل ہیں۔ وہ اولی میں سے اول ہیں۔ اس لیے انہوں نے نبوت کو ابوت کے ساتھ ملایا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے: "حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات میں یہ تنبیہ ہے انہیں جنت سے نکال کر زمین میں بھیجا گیا۔ عنقریب آپ نے بھی ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے جانا تھا۔ اس میں یہ مشقت اور کراہت مشترک ہے۔ جو ان حضرات قدسیہ کو وطن کے فراق میں برداشت کرنا پڑی۔ پھر ان میں سے ہر ایک اپنے اس وطن لوٹ آیا جس سے اسے نکالا گیا تھا۔

ابن دحیۃ نے لکھا ہے: "یہ اس بات پہ تنبیہ ہے کہ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں آپ ﷺ کو حضرت آدم جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت آدم نے اپنی اولاد کے ساتھ دنیا کو آباد کیا تھا۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال اسلام کو ترقی دی۔ اہلِ اسلام کی تربیت کی۔ آپ نے انصار کے ساتھ اتحاد کیا تاکہ اس دین کے ساتھ اس ساری زمین کو آباد کریں جس کو رب تعالیٰ نے سارے ادیان پر غلبہ دینا تھا۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لیے زمین کو سمیٹ دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے زمین کے مشارق اور مغارب کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: "میری امت کی سلطنت اس جگہ تک پہنچے گی جو میرے لیے سمیٹی گئی۔ یہ بشارت ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں پوری ہوئی حتیٰ کہ شرق و غرب کا خراج اس کے پاس آتا تھا۔ جب بادل چھاتا تو وہ کہتا" جہاں چاہو برسو۔ تمہارا خراج میرے پاس ہی آئے گا۔"

آپ نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات کی۔ یہودی ان کی آزمائش بنے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اوپر اٹھالیا۔ حضرت یحییٰ کو انہوں نے شہید کر دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کا دوسری آزمائش سے گزرنا یہ تھا کہ آپ کو وہاں یہودیوں کے ساتھ آزمایا گیا۔ انہوں نے آپ کو اذیت دی۔ آپ پر غالب آنے کی کوشش کی۔ آپ پر پتھر گرانے کی کوشش کی تا کہ آپ کو شہید کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی طرح بچالیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچایا تھا۔ انہوں نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر دینے کی کوشش کی۔ وہ لقمہ آپ کو ہمیشہ اذیت دیتا رہا حتیٰ کہ تادم وصال اس کی اذیت ہوتی رہی جیسے کہ آپ نے وصال کے وقت فرمایا تھا۔ ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں انبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں کے قریب ہی گزرے تھے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت یہ تھی کہ وہ بنو اسرائیل کے ساتھ مصروف جہاد رہے۔ ان کی اذیتوں، حیلوں اور مکروفریب پر صبر کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف یوں مدد مانگی۔

مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ (آل عمران:۵۱)

ترجمہ: "کون میرے مددگار ہیں اللہ کی راہ میں۔"

قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ (آل عمران:۵۱)

ترجمہ: "(یہ سن کر) کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی۔"

ہجرت کے دوسرے سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے حالات سے گزرنا پڑا۔ اس سال آپ نے انصار کو غزوۂ بدر کی طرف نکلنے کی دعوت دی۔ انہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ کی نصرت کی۔ دوسرے آسمان پر آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ یہ اس امر پر تنبیہ تھی کہ آپ کو عنقریب ان جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آپ نے تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی۔ یہ آپ کی تیسری حالت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کے مشابہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں گھر سے نکال دیا۔ پھر وہ اپنے بھائیوں پر فتح یاب ہوئے۔ انہوں نے انہیں یہ کہہ کر معاف کر دیا:

لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ۫ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۹۲﴾ (یوسف:۹۲)

ترجمہ: "نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن معاف فرما دے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں کو) وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کو ان کی قوم نے وطن سے باہر نکالا۔ غزوہ فتح کے روز ان پر غلبہ پالیا اور انہیں معاف کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں اسی طرح کہتا ہوں جس طرح میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ... ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ان کی صورت میں جنت میں داخل ہوگی۔ ابن اقرص نے لکھا ہے کہ اس میں یہ اشارۃ بھی ہے کہ رب تعالیٰ آپ کو زمین کے خزانوں کا مالک بنا دے گا۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کرنے میں یہ مناسبت بھی ہے کہ ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد رونما ہوا۔ مسلمانوں کو اس جیسی آزمائش نہ اس سے قبل اور نہ بعد میں سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ غم اور حزن کی داستان تھی۔ اہلِ تعبیر کہتے ہیں: ''جس شخص نے خواب میں اپنا نام یوسف دیکھا تو اسے دکھ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مادۂ اشتقاق کی حیثیت سے ہے۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کا انجام بہت عمدہ تھا۔ ان کا ہر اگلہ لمحہ پہلے لمحہ سے عمدہ تھا۔ غزوۂ احد میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ حضور ﷺ شہید ہو چکے ہیں جسے سن کر مسلمانوں کو بہت زیادہ دکھ ہوا۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مفقود ہونے پر دکھ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ طویل مدت کے بعد انہوں نے اس کی خوشبو پائی۔ ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکر وفریب کیا گیا۔ انہیں تاریک کنویں میں پھینک دیا گیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی جبین اطہر پر پتھر لگا۔ حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل آپ اس گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے کھودے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ حضرت طلحہ نے آپ کا سر اقدس اپنی گود میں رکھا حتیٰ کہ آپ سو گئے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے ''چوتھے آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ اسی جگہ کو رب تعالیٰ نے "مکانًا علیًا" سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ذریعے لکھا۔ اس سے آپ کی چوتھی حالت سے آگہی ہوتی ہے۔ وہ آپ کی علو شان ہے۔ حتیٰ کہ بادشاہ بھی آپ سے ڈرنے لگے۔ آپ نے ان کی طرف خطوط لکھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف دعوت دی۔ حتیٰ کہ ابوسفیان نے اس وقت کہا جب وہ ہرقل کے پاس تھا۔ جب اس کے پاس آپ کا گرامی نامہ پہنچا اور اس نے ہرقل کا خوف دیکھا'' ابن ابی کبشہ (حضور اکرم ﷺ) کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے حتیٰ کہ بنو اصفر کا بادشاہ بھی اس سے ڈرنے لگا ہے۔ آپ نے قلم کے ذریعے ساری زمین کے بادشاہوں کو خطوط لکھے۔ بعض نے آپ کی اتباع کر لی جیسے نجاشی اور عمان کا بادشاہ۔ بعض نے آپ کے ساتھ صلح کر لی۔ آپ کو تحائف بھیجے جیسے ہرقل اور مقوقس۔ جس نے نافرمانی کی رب تعالیٰ

نے آپ کو اس پر غلبہ عطا فرما دیا۔ یہ بلند مرتبت مقام ہے۔ آپ نے قلم کے ساتھ اس طرح لکھا (لکھوایا) جیسے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھا تھا۔

پانچویں آسمان پر آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات کی۔ وہ اپنی قوم کے محبوب تھے۔ اس سے قریش کی اور سارے عرب کی آپ کے لیے محبت عیاں ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ پہلے آپ سے بغض رکھتے تھے۔ ابن ابی جمرۃ لکھتے ہیں "حضرت ہارون علیہ السلام نے پانچویں آسمان پر آپ سے ملاقات کی۔ کیونکہ انہیں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا قرب حاصل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام الٰہی سے مشرف ہونے کی وجہ سے بلند منصب پر فائز تھے۔" ابن دحیہ نے لکھا ہے "حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم سے اذیتیں برداشت کیں۔ ان سے انتقام لیا۔ ان کی توبہ کے لیے انہیں ایک دوسرے کو قتل کرنا لازم قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو بنو اسرائیل کے پاس چھوڑ گئے اور مناجات کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے اختلاف کیا۔ مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے۔ انہیں قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے عہد توڑا۔ وعدہ خلافی کی۔ انہیں کمزور کیا۔ ان سے بہت بڑا قصور سرزد ہو گیا۔ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی۔ رب تعالیٰ نے صرف قتل کے ساتھ ان کی توبہ قبول کی۔ ایک ساعت میں ان کے ستر ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں اس کی مثال وہ امور ہیں جن کا آپ کو بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں سے کرنا پڑا۔ انہوں نے عہد کو توڑا۔ مختلف پارٹیاں بنائیں۔ انہیں جمع کیا۔ لوگوں کو اکٹھا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت کا اظہار کیا۔ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ اس واقعہ سے کچھ مدت قبل آپ ان کے پاس گئے تاکہ آپ دو مقتولوں کی دیت میں ان سے تعاون کے لیے کہیں۔ انہوں نے بظاہر آپ کی عزت کی۔ آپ کو دیوار کے نیچے بٹھایا۔ پھر آپ پر چکی پھینکنے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرائیل نازل ہوئے۔ آپ کو ان کے مکروفریب سے آگاہ کیا جو انہوں نے ارادہ کیا تھا۔ اس وقت آپ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے اور انہیں تہ تیغ کرنے کا عزم کیا۔

رب تعالیٰ نے انہیں قتل کر دیا۔ بنو قریظہ کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ثالثی میں قتل کر دیا گیا۔ برے مکر نے انہیں ہی گھیر لیا۔ یہودیوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اسی طرح کمزور سمجھا جیسے غزوہ خندق میں مسلمانوں کو کمزور سمجھا۔

ساتویں آسمان پر آپ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ یہ آپ کی اس حالت کے ساتھ مشابہت ہے جب آپ نے شام پر حملہ کیا۔ جابر بادشاہوں پر غلبہ پالیا۔ بنو اسرائیل کو اس شہر میں داخل کر دیا جس سے وہ باہر نکلے تھے۔ اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک پر حملہ کیا۔ صاحب دومۃ پر غلبہ پالیا۔ حتیٰ کہ جزیہ پر اس کے ساتھ صلح کر

لی۔اسے قیدی کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر آپ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات کی۔اس سے آپ کی قوم کی مخالفت کا اشارہ ملتا ہے۔حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے ان کی اذیتوں پر صبر کیا۔آپ کو ہجرت کے ساتویں سال جس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس سے قبل اتنی مخالفت کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔اسی سال آپ نے خیبر، فدک اور یہدیوں کے سارے قلعے فتح کیے۔رب تعالیٰ نے ان کے مقدر میں جلاوطنی لکھ دی۔انہیں مصیبت کے چھاننے سے مارا۔اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے سرزمین مقدسہ میں شریعت نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔اپنی قوم کو اس پر ابھارا مگر انہوں نے سستی کا مظاہرہ کیا۔انہوں نے کہا: "وہاں جبارین کی قوم ہے ہم کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ خود وہاں سے باہر نکل آئیں۔" حتیٰ کہ انہوں نے بالکل مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "ہم اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں ہیں۔" رب تعالیٰ ان سے ناراض ہوا۔وہ ان کے اور اس زمین کے مابین حائل ہوگیا۔انہیں میدانِ تیہ میں پھینک دیا۔ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ارادہ کیا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔وہاں شریعت مطہرہ اور سنت ابراہیمی کا نفاذ کریں۔قریش نے آپ کو روک دیا۔آپ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکے۔اس لیے اس جگہ آپ کی ملاقات حضرت کلیم علیہ السلام سے ہوئی۔

ساتویں آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔اس میں دو حکمتیں کارفرما ہیں۔(۱) آپ نے انہیں بیت المعمور کے پاس دیکھا۔وہ اس کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔یہ گھر بالکل خانہ کعبہ کے اوپر ہے فرشتے اس کا حج کرتے ہیں۔جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا لوگوں میں اعلان کیا کہ وہ آ کر اس کا حج کریں۔(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے آخری احوال میں سے ہے کہ آپ نے بیت اللہ کا حج کیا آپ کے ہمراہ ستر ہزار صحابہ کرام تھے۔

اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم کو خواب میں دیکھے تو یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اسے حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ کیونکہ وہ ہی حج کے داعی ہیں اور بیت اللہ کی بنیادیں انہوں نے ہی اٹھائی ہیں۔

ابن جمرۃ نے لکھا ہے "آپ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔کیونکہ وہ آپ کے اب اخیر تھے۔تاکہ آپ ان کے ساتھ ملاقات کر کے انس حاصل کریں۔کیونکہ اس کے بعد دوسرے عالم کی طرف جانا تھا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے منصب کا تقاضا تھا کہ انہیں بلند مرتبہ نصیب ہو۔حبیب کا مقام خلیل سے ارفع ہوتا ہے۔اسی

لیے آپ قاب قوسین کے مقام تک پہنچے۔"ابن دحیہ نے لکھا ہے:"آپ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔اس ملاقات میں مناسبت یہ ہے کہ آپ نے ہجرت کے ساتویں سال عمرۃ قضاء کیا۔آپ اور صحابہ کرام لبیک کا ترانہ الاپتے ہوئے سنت ابراہیمی زندہ کرتے ہوئے اور اس رسم کو قائم کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔جاہلیت نے جس کا تذکرہ بھی ختم کر دیا تھا۔اس کا معاملہ تبدیل ہو چکا تھا۔بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت ابراہیم کو دیکھا کہ وہ ساتویں آسمان پر بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔یہ اس طرف اشارہ تھا کہ آپ ساتویں سال بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ہجرت کے بعد آپ پہلی بار مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔خانہ کعبہ بیت المعمور کے بالکل نیچے ہے۔آپ نے بیت المعمور کے وصف میں فرمایا:"ہر روز اس میں ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں۔جن کی دوبارہ باری نہیں آتی۔"یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوں گے۔پھر اس کی طرف نہیں لوٹیں گے حتیٰ کہ آپ فتح مکہ کے سال اور حجۃ الوداع کے وقت اس میں داخل ہوئے۔

۵۰ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے بیت المقدس میں انبیاء کرام کو امامت کرائی۔انہیں سلام کیا۔آپ نے انہیں پہچان لیا۔پھر اسی رات انہیں آسمانوں پر دیکھا تو حضرت جبرائیل سے ان کے بارے سوال کیا۔اگر آپ انہیں دیکھ لیتے اور انہیں پہچان لیتے تو آپ کو ضرورت نہ تھی کہ آپ ان کے بارے حضرت جبرائیل سے سوال کرتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انبیاء کرام آپ کے ہمراہ بیت المقدس میں جمع ہوئے۔آپ نے ہیئت بشریہ پر ان کی امامت کرائی۔تو ان کا وجود زمین پر متحقق ہو گیا۔پھر آپ علوی ملکوت پر تشریف لے گئے۔انہیں اس حالت پر نہ پایا جس پر انہیں دیکھا تھا۔وہ ان روحانی اشکال پر تھے جو رب تعالیٰ نے ملکوت علوی کے مطابق انہیں عطا کیں تھیں۔یہ ان کے بشری اصل سے انس اور ان کی تکریم و تعظیم کے لیے تھا کہ آپ نے پہلے انہیں زمین پر دیکھا پھر آسمان پر انہیں ان کے مقامات پر دیکھا۔آپ نے وثوق کے لیے نہ کہ تعجب کے لیے پوچھا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جس نے ایک لمحہ میں آپ کو اس مقام تک پہنچایا ہے۔وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو آنکھ جھپکنے سے قبل آسمانوں پر لے جا سکتی ہے۔

۵۱ اگر اعتراض کیا جائے کہ آپ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو آسمانوں پر کیسے دیکھ لیا حالانکہ ان کے اجسام تو ان کی قبور میں تھے۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی ارواح نے ان کے اجسام کی صورتوں کی شکلیں بنالیں تھیں یا انبیاء کرام کے اجسام کو آپ کی عزت و تکریم کی خاطر اس رات کو وہاں حاضر کیا گیا۔امام بیہقی کی یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔"آپ کو حضرت آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا۔"ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ

ان انبیاء کرام کو دیکھنا کئی وجوہ کا اعتبار رکھتا ہے۔

① آپ علیہ السلام نے ہر نبی کو اس کی قبر انور میں دیکھا اس شکل وصورت میں دیکھا جس کے بارے آپ کو بتایا گیا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بصر وبصیرت کی اتنی قوت عطا فرمائی تھی۔ جس سے آپ نے ان کا ادراک کر لیا۔ آپ کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے۔ میں نے دیوار کی جانب میں جنت اور آگ کو دیکھا'' یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: (۱) آپ نے انہیں اس جگہ دیکھا ہو جیسے کہا جاتا ہے:''میں نے اپنے گھر کے طاق سے چاند دیکھا۔ اس سے مراد طاق کی جگہ ہے۔'' (۲) آپ کے لیے دیوار کی ایک طرف میں ان کی تمثیل پیش کی گئی۔ قدرت دونوں امور پر قادر ہے۔

② یا آپ نے انبیائے کرام کی ارواح کو ان کی صورتوں میں دیکھا ہو۔

③ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو معراج کرانا چاہا تو ہمارے نبی کریم ﷺ کی عزت وتوقیر کے لیے انہیں ان کی قبور سے اٹھایا۔ حتیٰ کہ ان کی طرف سے آپ کو بشارت اور انس حاصل ہو گیا۔ بعض کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے اور بعض کی طرف ہم نے اشارہ نہیں کیا۔ نہ ہی ہم انہیں جانتے ہیں۔ تاکہ آپ کے لیے اس قدرت کا اظہار ہو سکے۔ جس پر کوئی چیز غالب نہیں آ سکتی۔ نہ ہی وہ کسی امر سے عاجز ہے۔ ان سارے وجوہ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ قدرت ان سب پر قادر ہے۔

ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھا ہے''ارواح کی دو اقسام ہیں: (۱) وہ روح جسے عذاب دیا جاتا ہے (۲) وہ روح جس پر انعام کیا جاتا ہے۔ وہ روح جسے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے وہ عذاب کی وجہ سے نہ زیارت کر سکتی ہے نہ ہی ملاقات۔ جب کہ وہ روح جس پر انعام ہو رہا ہوتا ہے وہ مقید نہیں ہوتی بلکہ آزاد ہوتی ہے وہ ملاقات کر سکتی ہے، زیارت کر سکتی ہے۔ وہ یاد کر سکتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو گا اور جو کچھ ہوا۔ اس کے ہمراہ ہر وہ روح ہوتی ہے جس کے اعمال اس جیسے ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء:۶۹)

ترجمہ: ''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔''

یہ معیت دنیا، دارِ برزخ اور دارِ جزاء میں ثابت ہے۔ انسان اسی کے ہمراہ ہو گا جس سے محبت کرتا ہے۔ پھر انہوں

نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کا تذکرہ کیا۔" جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ نے حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔ انہوں نے قیامت کے بارے گفتگو کی۔ اس نص سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارواح علم کا مذاکرہ کرتی ہیں۔ رب تعالیٰ نے شہداء کے بارے بتایا ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رب تعالیٰ کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل پر مسرور ہو رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی ملاقات تین اعتبار سے ہوتی ہے۔

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ جب وہ اس کے ہاں زندہ ہیں تو وہ ملاقات کرتے ہیں۔ (۲) وہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کر کے خوش ہوتے ہیں۔ (۳) یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ کا لغت میں معنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بشارت دے رہے ہوتے ہیں...... پھر انہوں نے بہت سی خوابوں کا تذکرہ کیا ہے پھر لکھتے ہیں:

" صریح روایت سے ثابت ہے کہ ارواح باہم ملاقات کرتی ہیں اور باہم پہچانتی ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے عبدالرحمان بن ابی انیسہ سے اور انہوں نے اپنے دادا جان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی والدہ کو ان کا بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے عرض کی:" یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بنوسلمۃ میں لگا تار افراد کا وصال ہوتا جا رہا ہے کیا مرنے والے ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں کہ میں بشر کو اپنا سلام بھیج دوں۔" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" ہاں! ام بشر! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ باہم یوں تعارف رکھتے ہیں جیسے درخت کے سروں پر پرندے ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں...... انہوں نے اس زمرۃ میں بہت سے آثار کا تذکرۃ کیا پھر لکھا:" روح بنفسہا قائم ذات ہے جو اوپر چڑھتی ہے نیچے اترتی ہے جو ملتی ہے جدا ہوتی ہے جو آتی جاتی ہے وہ حرکت کرتی ہے پر سکون ہوتی ہے۔ اس کے ایک سو سے زائد دلائل ہیں جسے ہم نے اپنی کتاب معرفۃ الروح والنفس میں ذکر کر دیا ہے۔ ہم نے وہاں اس شخص کا دعویٰ باطل ثابت کیا ہے جو اس کی مخالفت کرتا ہے۔ جس نے اس کے علاوہ کسی اور موقف کو اپنایا اس نے اپنا نفس نہ پہچانا۔ رب تعالیٰ کی ارواح کا وصف دخول، خروج، قبض اور رجوع سے فرمایا ہے ان کے آسمان پر چڑھنے ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلنے اور دروازے بند ہونے کا تذکرۃ کرتا ہے اس کے بارے انہوں نے بہت سی آیات اور احادیث کا تذکرہ کیا پھر لکھا:" آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ نے معراج کی شب انبیائے کرام کو دیکھا ہے۔ بعض اہل حدیث نے یہ گمان کیا ہے کہ آپ نے ان کی اشباح اور ارواح کو دیکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا:" وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے جن انبیائے کرام کو دیکھا ان کا حلیہ بیان فرمایا تو ان کے اجسام کا حلیہ بیان کیا۔

ایک گروہ نے اس میں مخالفت کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ روایت ان کی ارواح کے بارے ہے اجسام کے بارے نہیں۔ ان کے اجسام اسی زمین کے اندر تھے۔ انہیں اس وقت اٹھایا جائے گا جب دیگر اجسام کو اٹھایا جائے گا۔ اس سے قبل نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر اس سے قبل انہیں اٹھایا جائے تو روزِ حشر سے قبل ان کی وجہ سے زمین شق ہو جائے۔ وہ صور پھونکتے وقت پھر موت کا ذائقہ چکھیں تو یہ تیسری بار موت ہو گی۔ یہ قطعی طور پر باطل ہے۔ اگر ان کے اجسام کو قبور سے نکالا جاتا تو رب تعالیٰ انہیں واپس نہ لوٹاتا وہ جنت میں ہوتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو انبیاء کرام پر حرام قرار دیا ہے حتیٰ کہ آپ جنت میں تشریف فرما ہو جائیں۔ آپ سب سے قبل جنت کے دروازے پر دستک دیں گے سب سے پہلے آپ ہی کے لیے زمین شق ہو گی۔ آپ سے قبل کسی کے لیے زمین شق نہیں ہو گی اس سے لازمی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا جسدِ اطہر زمین کے اندر ہے۔

آپ کے صحابہ کرام نے آپ سے عرض کی: ''آپ پر ہمارا درود شریف کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپ کا جسمِ اطہر تو بوسیدہ ہو چکا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجسام طیبہ کو کھائے۔ اگر آپ اپنی قبر انور میں تر و تازہ نہ ہوتے تو آپ اس طرح جواب نہ دیتے۔ آپ ﷺ سے یہ صحیح روایت منقول ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کی قبر انور پر ملائکہ مقرر کیے ہیں جو آپ تک آپ کی امت کا درود و سلام پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی آپ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب آپ حضرات ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہمراہ باہر نکلے تو آپ نے فرمایا: ''ہمیں اسی طرح اٹھایا جائے گا۔''

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ میں اعلیٰ علیین میں ارواح انبیاء علیہم السلام کے ہمراہ ہے۔ یہ بھی صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو دیکھا وہ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر آپ نے انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ روح مبارک تو اعلیٰ علیین میں تھی۔ لیکن اس کا اتصال ان کی قبر انور میں جسم اطہر کے ساتھ بھی تھا۔ روحِ مبارک جسمِ اطہر کے ساتھ اس طرح تھی کہ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے تھے اور سلام کرنے والے کو سلام کا جواب بھی مرحمت فرما رہے تھے۔ ان دونوں امور میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ارواح کی کیفیت اجسام کی کیفیت سے جداگانہ ہے۔ تم پاؤ گے کہ دو ارواح باہم ملی ہوتی

ہیں۔ ان میں بہت زیادہ قرب ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کے اجسام کے مابین بہت بعد ہوتا ہے۔ اسی طرح تم دو ارواح کو دیکھو گے وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہیں اگرچہ ان کے اجسام باہم ملے ہوتے ہیں۔ روح کا اترنا اور چڑھنا، اور اس کا قرب و بعد کا تعلق اس امر سے نہیں جس کا تعلق بدن کے امور سے ہو۔ یہ ساتوں آسمانوں کے اوپر جاتی ہے پھر زمین پر آجاتی ہے۔ حالانکہ صرف روح کو قبض کرنے اور میت کو قبر میں رکھنے کے مابین تھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔ اتنے مختصر وقت میں جسم نہ اوپر جاسکتا ہے نہ نیچے اتر سکتا ہے۔ اسی طرح یہ نیند اور بیداری میں جسم سے اوپر جاتی ہے پھر واپس آجاتی ہے۔ بعض علماء نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ یہ سورج کی طرح ہے جو آسمان پر ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر ہیں۔ لیکن ہمارے شیخ ابوالعباس حرانی نے لکھا ہے کہ یہ مثال مطابق نہیں ہے۔ سورج آسمان پر ہی رہتا ہے۔ اس کی شعاع زمین پر ہی ہوتی ہے۔ وہ نہ تو سورج اور نہ ہی اس کی صفت ہے۔ بلکہ عرض ہے جو سورج اور جسم کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے جو اس کے بالمقابل ہوتا ہے جبکہ روح بذات خود اوپر چڑھتی ہے۔ نیچے آتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل باب "حیاۃ النبی ﷺ" میں آئے گی۔

بیت المعمور کی تفصیل

ابوعبیدہ نے لکھا ہے کہ معمور کا معنی چھا جانے والا کثیر ہے۔ اسے ضراح بھی کہا جاتا ہے ملائکہ اسے ضراح کہتے ہیں کیونکہ یہ زمین سے دور ہے۔ مجاہد نے معمور کا معنی ضریح یعنی بعید بھی کیا ہے۔ اکثر روایات کے مطابق یہ ساتویں آسمان پر ہے۔ ابن جریر، منذر، حاکم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "یہ ساتویں آسمان پر ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ تاقیام قیامت دوبارہ اس جگہ نہیں آتے۔" ابن راھویہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے بیت المعمور کے بارے روایت کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا: "یہ ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کے بالکل اوپر اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس کی حرمت خانہ کعبہ کی طرح ہے۔ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جو تاقیام قیامت دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔"

ابن مردویہ، عقیلی اور ابن ابی حاتم نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "ساتویں آسمان پر ایک بیت اللہ ہے جسے بیت المعمور کہا جاتا ہے چوتھے آسمان پر ایک نہر ہے جسے الحیوان کہا جاتا ہے حضرت جبرائیل ہر روز اس میں داخل ہوتے ہیں۔ اس میں ایک غوطہ لگاتے ہیں پھر یہ جھاڑتے ہیں جن سے ستر ہزار قطرات گرتے ہیں۔ رب تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں۔ اس میں نماز ادا کریں۔ وہ

یوں کرتے ہیں پھر تاقیام قیامت ان کی باری نہیں آتی۔

ایک فرشتے کو ان کا امیر بنا دیا جاتا ہے اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان فرشتوں کو آسمان پر ٹھہرائے۔ وہ وہاں تاقیام قیامت رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔" اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ صحیح مؤقف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں ہے۔ جیسے کہ میں نے "الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ" میں صراحت کی ہے۔

ابوالشیخ نے خالد بن سعید سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اسرافیل اہلِ آسمان کے مؤذن ہیں ان کی اذان جن وانس کے علاوہ آسمان اور زمین کے سارے مکین سنتے ہیں۔ وہ ایک عظیم فرشتے کو آگے کرتے ہیں وہ انہیں نماز پڑھاتا ہے۔" مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت میکائیل انہیں بیت المعمور میں نماز پڑھاتے ہیں۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی تعداد ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ کیونکہ سارے عوالم میں کسی کے بارے یہ معلوم نہیں کہ اس کی جنس میں سے ہر روز ستر ہزار افراد پیدا ہوتے ہیں۔

◆ فَرُفِعَ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ۔ رُفع کا معنی اُرِیَ لَہٗ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے رفع اور رؤیت دونوں مراد ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آپ کے اور بیت المعمور کے مابین اتنے عالم ہوں جن پر ادراک کسی کو حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ اسے اٹھا کر آپ کے سامنے لایا گیا ہو۔ آپ نے اسے اپنی بصارت اور بصیرت سے دیکھ لیا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ سارے عالم جو آپ کے اور بیت المعمور کے مابین ہوں انہیں زائل کر دیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ آپ کی بصارت نے اس کا ادراک کر لیا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عالم اپنی حالت پر اور بیت المعمور اپنی حالت پر رہی ہو۔ آپ کی بصارت اور بصیرت میں اضافہ کر دیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ آپ نے اس کا ادراک کر لیا ہو اس کا معائنہ کر لیا ہو۔ قدرت کو ہر چیز پر دسترس حاصل ہے۔

اکثر روایات میں "رُفِعْتُ" کا صیغہ ہے۔ لیکن بعض میں رُفِعَتْ بھی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ رفع سے مراد یہ ہے کہ اسے اٹھا کر آپ کے قریب کر دیا گیا کیونکہ اس لفظ کا اطلاق قریب پر بھی ہوتا ہے۔

◆ آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی۔ اس میں مناسبت یہ ہے کہ ہجرت کے آٹھویں سال میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ مکہ ام القریٰ ہے۔ یہی مبتداء اور منتہیٰ ہے کیونکہ روایت ہے کہ ساری زمین مکہ مکرمہ سے بچھائی گئی۔ اسی لیے اس کا نام ام القریٰ رکھا گیا۔ یا اس لیے کہ ساری بستیوں والے دین و دنیا کے لیے اسی کی طرف آتے ہیں۔ وہ حج اور عمرہ، تجارت اور روزگار کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ (المائدۃ:۹۷)

ترجمہ: "بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقاء کا باعث لوگوں کے لیے۔"

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ (الحج:۲۸)

ترجمہ: "تا کہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دنیوی) فائدوں کے لیے۔"

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اجر اور تجارت ہے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور ام القریٰ میں وہ مناسبت ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ تک مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ تک شرق وغرب کے اہل آفاق کی انتہاء ہوتی ہے۔ اس میں اجتماع ہوتا ہے۔ آپ کا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا اس بات پر تنبیہ ہے کہ آپ آٹھویں سال مکہ مکرمہ کو فتح فرمالیں گے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر ٹڈیاں اور بستر چھائے ہوئے تھے۔ یہ رب تعالیٰ کے لشکر میں سے ایک لشکر ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے روز وہاں اللہ تعالیٰ کا لشکر چھا رہا تھا۔ اسی طرح وہاں لوگوں کی مختلف جنسیں موجود ہوتی ہیں۔ وہاں سیاہ وسفید لوگ آتے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ حدیث پاک میں موجود ہیں۔ جیسے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر ایسے رنگ چھائے تھے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ان کی حسن وزیبائی سے صرف رب تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ زیادہ جمال کی وجہ سے کوئی ان کی تعریف نہیں کرسکتا۔ جیسے کہ ان صحابہ کرام کے رنگ بڑے حسین تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ وہ ایمان اور قرآن سے مزین تھے۔ ان کی عظمت شان کا عالم یہ تھا کہ کوئی ان کی تعریف نہیں کرسکتا تھا۔

پھر چار نہروں کا ظہور ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عنقریب یہ امت ان تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح آپ کا یہ فرمان بھی سچ ثابت ہوگیا۔ "میرے لیے زمین کے مشارق ومغارب کو لپیٹ دیا گیا۔ جہاں تک میرے لیے لپیٹا گیا میری امت عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گی۔"

❖ حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے جبکہ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ یہ ساتویں آسمان پر ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے "یہ تعارض ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ علماء کا موقف وہی ہے جس کا تذکرہ حضرت انس کی روایت میں ہے۔ اس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ یہ ایسے وصف سے متصف ہو کہ اس جگہ ہر نبی مرسل اور ملک مقرب کا علم ختم ہو جاتا ہو۔ نیز حضرت انس کی روایت مرفوع جبکہ حضرت ابن مسعود کی روایت موقوف ہے۔ الحافظ لکھتے ہیں: "سدرۃ المنتہیٰ کا چھٹے آسمان پر ہونا تعارض پیدا نہیں کرتا۔ جیسے کہ بقیہ روایات چ

دلالت کرتی ہیں۔ آپ ساتویں آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد اس تک پہنچے۔ اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ اس کی اصل چھٹے آسمان پر ہے۔ اس کی شاخیں اور فروع ساتویں آسمان پر ہیں چھٹے آسمان میں اس کے تنے کی اصل ہے۔"

◆ ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ جنت شجرۃ المنتہیٰ کے نیچے زمین بچھائی گئی ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: "وہاں دو باطنی نہریں تھیں۔ اس لفظ کا اطلاق اسی چیز پر ہو سکتا ہے جسے سمجھا جا سکتا ہو۔ باطن کے لیے لازم ہے کہ اس کی روانی کسی چیز کے نیچے ہو اس وقت اس پر باطن کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

◆ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی اصل زمین میں ہو۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: "نیل اور فرات اس کے اصل سے نکلتے ہیں۔" مشاہدہ سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ زمین سے نکلتے ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی اصل زمین میں ہو۔" امام نووی نے ان کی گرفت کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اس کی اصل سے رواں ہوتی ہے۔ لیکن وہ زمین سے پھوٹتی نہیں ہیں۔ لب لباب یہ ہے کہ ان کی اصل جنت سے ہے وہ پہلے سدرہ کی اصل سے رواں ہوتی ہیں پھر زمین پر قرار پذیر ہوتی ہیں پھر وہاں سے پھوٹتی ہیں۔

◆ آپ کا یہ فرمان "اس کی اصل سے چار نہریں نکلتی ہیں" "دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں" ان الفاظ کا احتمال ہے کہ انہیں حقیقت پر محمول کیا جائے گا یا اسے اس باب پر محمول کیا جائے جس میں کسی چیز کے قرب کی وجہ سے اسے یہ نام دے دیا جاتا ہے۔ اگر اسے حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ نہریں درخت کی اصل سے رواں ہوتی ہوں گی۔ اس درخت کا ذائقہ بیر کی طرح ہوگا۔ اس کی جڑ سے پانی نکل رہا ہوگا۔ قدرت اس سے عاجز نہیں ہے۔ اگر اسے دوسرے امر پر محمول کیا جائے تو پھر نہروں کا منبع درخت کی اصل کے قریب ہوگا۔

◆ آپ کا فرمان "دو باطنی نہریں جنت کی نہریں ہیں۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باطن ظاہر سے اجل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اصل میں باطن تھیں انہیں دارالبقاء میں رکھا گیا۔ جبکہ ظاہر کم اجل ہوتا ہے لہٰذا ظاہری نہروں کو دارالفناء میں رواں کیا گیا۔ اسی طرح اعتقاد اسی پر ہوتا ہے جو باطن میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "رب تعالیٰ تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔"

◆ حضرت ابوسعید کی روایت میں ہے "ساتویں آسمان پر ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ جب سے دو نہریں رواں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کوثر ہے۔ جبکہ دوسری رحمت کی نہر ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی تشریح ان دو باطنی

نہروں سے کی جائے۔ جن کا تذکرہ اس حدیث پاک میں ہے جیسے کہ مقاتل سے روایت ہے کہ دو باطنی نہریں سلسبیل اور کوثر ہیں۔"

- ۶۱ امام نووی لکھتے ہیں: "نیل اور فرات کی اصل جنت سے ہے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ کی اصل سے نکلتی ہیں پھر وہاں رواں ہوتی ہیں جہاں اللہ رب العزت چاہتا ہے پھر زمین پر نازل ہوتی ہیں اس میں رواں ہوتی ہیں پھر اس سے باہر آتی ہیں۔" عقل اسے منع نہیں کرتا۔ روایت کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

- ۶۲ اس روایت سے نیل اور فرات کے پانی کی فضیلت پر استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ ان کا منبع جنت میں ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سیحان، جیحان، نیل اور فرات جنت کی نہریں ہیں۔" علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین میں چار نہریں ایسی ہیں جن کی اصل جنت سے ہے۔ اسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیحان اور جیحان کا منبع بھی سدرۃ المنتہیٰ کے اصل سے ہے۔ نیل اور فرات ان سے ممتاز ہوں گی۔ مذکورہ روایت میں باطنی نہروں سے مراد سیحان اور جیحان کے علاوہ ہیں۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "شب معراج میں ان کا تذکرہ نہیں ہے شاید اصلاً سدرۃ المنتہیٰ سے رواں نہ ہوتی ہوں۔ شاید یہ فرات اور نیل سے نکلتی ہوں۔"

- ۶۳ ان نہروں کو شیرینی، حسن اور برکت کی وجہ سے جنت کی نہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے بہتر مؤقف یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ جنت کی نہریں ہیں۔ دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ شاید یہ اس طرح گرتی ہوں جس طرح بارش گرتی ہے۔ پھر یہ زمین سے ایک جگہ جمع ہو جاتی ہوں۔ حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مستقر تک پہنچ جاتی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان انہار کے قرب و جوار میں زمین میں گرتی ہوں۔ حتیٰ کہ ان کی ابتداء سے آج تک کوئی آگاہ نہ ہو۔ ابو الشیخ نے العظمۃ میں لکھا ہے کہ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بنو عیص کا ایک شخص تھا جسے حائد بن شالوم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کہا جاتا تھا۔ وہ بادشاہوں کے خوف سے بھاگ نکلا۔ وہ سرزمین مصر میں داخل ہو گیا۔ وہیں ٹھہرا رہا۔ جب اس نے دریائے نیل کے عجیب امور دیکھے تو اس نے قسم اٹھائی کہ وہ نیل کا ساحل نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ اس کے آخری سرے تک پہنچے گا کہ یہ کہاں سے نکلتا ہے۔ یا وہ مر جائے گا۔ وہ چلتا رہا۔ تیس سال لوگوں میں اور تیس سال لوگوں کے بغیر چلتا رہا۔ یا وہ پندرہ سال لوگوں میں اور پندرہ سال آباری کے بغیر ہی چلتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ بحر اخضر تک پہنچ گیا۔ اس نے نیل کی طرف دیکھا جہاں سے وہ شق ہو کر نکلتا تھا سیب کے درخت کے نیچے ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا۔ جب اس نے اسے دیکھا تو اسے

اس سے انس پیدا ہو گیا۔ اس نے اسے سلام کیا۔ پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''میں حائذ بن شالوم ہوں۔ تم کون ہو؟ اس نے کہا: ''میں عمران بن فلان بن عیص ہوں۔'' حائذ: کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا: ''میں اس نیل کی وجہ سے آیا ہوں۔ کیا کسی کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی شخص اس دریا کے منبع تک پہنچا ہو۔ میرا گمان ہے کہ وہ شخص تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اس کے منبع تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ اس نے کہا: ''اس سمندر کے کنارے رواں ہو جاؤ۔ عنقریب تم ایک سواری سے ملو گے جس کی ابتداء تو تمہیں نظر آئے گی لیکن اس کی انتہاء نظر نہیں آئے گی۔ اس کا آخر تمہیں خوفزدہ نہ کر دے۔ یہ سورج سے عداوت رکھتی ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے یہ اس پر جھپٹتی ہے تا کہ اسے نگل لے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے تو یہ اسی طرح اس پر جھپٹتی ہے۔ تم اس سواری پر سوار ہو جانا یہ تمہیں سمندر کے کنارے پر لے جائے گی۔ اس پر رواں رہنا یہ تمہیں عنقریب لوہے کی زمین تک لے جائے گی۔ اگر تم اس پر آگے رواں رہو گے تو تم سونے کی زمین تک پہنچ جاؤ گے۔ وہیں نیل کا علم ختم ہوتا ہے۔'' وہ شخص عازم سفر ہوا حتیٰ کہ سونے کی سرزمین تک پہنچ گیا۔ پھر سونے کی دیوار آ گئی پھر سونے کی بالکونی آ گئی۔ پھر سونے کا گنبد آ گیا جس کے چار دروازے تھے۔ اس نے وہ چیز دیکھی جو اس دیوار کے اوپر سے گر رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ قبہ میں قرار پذیر ہو جاتی تھی۔ پھر وہ چاروں دروازوں کی طرف آتی تھی۔ تین نہریں زمین کے اندر چلی جاتی تھیں جبکہ چوتھی نہر سطح زمین پر رواں ہوتی تھی وہ نیل تھا۔ اس نے اس سے پانی پیا، وہاں آرام کیا دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آیا اس نے کہا: ''حائذ! رک جا۔ تجھے اس دریا کا علم حاصل ہو چکا ہے یہ جنت ہے یہ جنت سے نازل ہوتا ہے۔''

ابن ابی جمرۃ نے حضرت جبرائیل امین کے فرمان ''دو نہریں جو باطنی ہیں وہ جنت میں ہیں اور دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔'' میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیل اور فرات جنتی نہریں ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے بتایا کہ حضرت جبرائیل نے آپ کو عرض کی ہے کہ ان انہار کا منبع سدرۃ المنتہیٰ ہے وہ باطنی نہریں جنت کی طرف چلی جاتی ہیں۔ نیل اور فرات دنیا کی طرف نازل ہوتی ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ جنت میں نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ پھوٹنے کے بعد جنت سے رواں ہوتی ہیں۔ یہ مؤقف اس روایت کے مخالف ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''سیحان، جیحان، نیل اور فرات جنتی نہریں ہیں۔'' ان دونوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نیل اور فرات کا منبع سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جب یہ نیچے اترتی ہیں تو پہلے جنت کی طرف جاتی ہیں وہ جنت میں داخل ہوتی ہیں پھر زمین کی طرف اترتی ہیں۔

◆ ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ جس نے جنت کا پانی پی لیا وہ نہ مرے گا نہ فناء ہوگا۔ نہ ہی اس کا فضلہ اس طرح نکلے گا جس طرح دنیا میں نکلا کرتا تھا۔ بلکہ اس کے جسم سے مشک کے قطرات نکلیں گے۔ رب تعالیٰ نے اس پانی میں یہ عظیم خاصیت رکھی ہے۔ جب اس کی حکمت نے تقاضا کیا کہ یہ نہریں اس دنیا میں اتریں اس نے ان سے یہ خاصیت چھین لی۔ اس کے جوہر کو ان کے حال پر باقی رکھا۔ سارے خواص کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے تو اس کی خاصیت کو باقی رکھتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو اس کے جوہر کو باقی رکھ کر اس کی خاصیت کو سلب کر لیتا ہے خواص کی ذاتوں کی تاثیر نہیں ہوتی۔ بلکہ خاصیت بھی اس کی مخلوق ہے۔ جوہر بھی اس کی مخلوق ہے۔ قدرت ان سب میں موثر ہے۔

◆ ابن کثیر لکھتے ہیں ''اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نہریں اپنی صفائی، شیرینی، روانی اور دیگر صفات میں جنت کی نہروں کے مشابہ ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ''عجوہ جنت کی کھجور ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ جنتی پھل کے مشابہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اسے جنت سے چنا گیا ہے حس اس کے خلاف کی گواہی دیتی ہے جس سے یہ تعین ہو گیا کہ مراد اس کا غیر ہوگا۔ اسی طرح ان انہار کے مصادر کو زمین میں دیکھا جا سکتا ہے، لیکن اس موقف پر ان کی گرفت کی گئی ہے کہ ان نہروں کی یہ کیفیت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جنت سے نہ ہوں۔ کیونکہ نزول کی کیفیت کے بارے پہلے لکھا جا چکا ہے امام نووی وغیرہ نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ جنت سے ہیں اس میں کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ جنت کے پانی میں وہ خواص ہیں جو ان نہروں میں نہیں۔ ابن ابی جمرہ کا کلام پہلے گزر چکا ہے۔

◆ حضرت شریک کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آسمان دنیا میں دو نہریں دیکھیں۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ''یہ نیل اور فرات کا عنصر ہے۔'' دوسرے محدثین کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان نہروں کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے ''ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ نے یہ دو نہریں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیگر نہروں کے ہمراہ دیکھیں پھر آسمان دنیا میں یہ دو نہریں دیکھیں عنصر سے مراد ان کا انتشار ہے۔

◆ ابونعیم اور ضیاء نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم یہ گمان کرتے ہو کہ شاید جنت کی نہریں زمین کو چیر کر بنائی گئی ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ یہ سطح زمین پر رواں ہیں۔''

◆ حارث نے اپنی سند میں اور امام بیہقی نے الشعب میں حضرت کعب الاحبار سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''شہد کی نہر دریائے نیل ہے۔ دودھ کی نہر دریائے دجلہ ہے۔ شراب کی نہر دریائے فرات ہے اور پانی کی نہر

دریائے سیحان ہے۔"

- "سدرہ پر سونے کی ٹڈیاں چھائی ہوئی تھیں۔" امام بیضاوی نے لکھا ہے کہ ٹڈیوں اور بستروں کا تذکرہ از روئے تمثیل ہے کیونکہ درخت کے اوپر کیڑے پتنگے گرتے رہتے ہیں۔ان کی صفائی، پاکیزگی اور سفیدی کی وجہ سے انہیں سونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے"شاید یہ حقیقت میں ہی سونے کی ہوں۔رب تعالیٰ نے ان میں پرواز کا وصف پیدا کر دیا ہو۔قدرت اس امر پر قادر ہے۔"

- "غفر لی ما تقدم من ذنبی وما تاخر" امام بکی نے لکھا ہے:"مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اس امر سے مشرف کر دیا ہے یعنی اگر آپ کے گناہ ہوتے تو انہیں معاف کر دیا جاتا لیکن آپ کے گناہ تو بالکل تھے ہی نہیں۔" الشیخ نے اپنی کتاب المحرر میں لکھا ہے کہ اس امر پر بارہ اقوال ہیں: امام بکی نے پانچ اور الشیخ نے بقیہ کو فاسد قرار دیا ہے جو مقبول اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ علامہ قاضی نے الشفاء میں لکھا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ یوں کہیں:

وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِكُمۡ ؕ (الاحقاف:9)

ترجمہ: "اور میں (از خود یہ) نہیں جان سکتا کہ کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔"

اس وقت کفار خوش ہو گئے۔اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

لِّیَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ (الفتح:2)

ترجمہ: "تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔"

جبکہ اہلِ ایمان کے انجام کا تذکرہ دوسری کسی اور آیت طیبہ میں کیا۔آیت طیبہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی بخشش کر دی گئی ہے کسی گناہ کی وجہ سے آپ کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔اس اثر کو ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

قاضی نے لکھا ہے"اس جگہ المغفرۃ سے مراد عیوب سے پاکیزگی ہے۔"بعض محققین نے لکھا ہے کہ اس جگہ مغفرت عصمت سے کنایہ ہے۔یعنی آپ کو گزشتہ اور آئندہ عمر مبارک میں معصوم بنا دیا گیا ہے۔یہ قول بہت عمدہ ہے۔ بلغاء نے قرآن پاک کے بلاغت کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ بھی شمار کیا ہے کہ اس نے مغفرت، عفو اور توبہ سے کنایۃً تخفیفات مراد لیں ہیں۔جیسے رات کے قیام کے منسوخ کرتے وقت فرمایا:

عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَیۡكُمۡ۔ (المزمل:۲۰)

ترجمہ: "وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی۔"

آپ سے سرگوشی کرنے سے قبل صدقہ دینے کو منسوخ کرتے وقت فرمایا:

فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمۡ۔ (المجادلۃ:۱۳)

ترجمہ: "پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی۔"

رمضان المبارک کی رات کو جماع کی حرمت کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

فَتَابَ عَلَیۡكُمۡ وَعَفَا عَنۡكُمۡ ۚ فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡهُنَّ۔ (البقرہ:۱۸۷)

ترجمہ: "پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں سو اب تم ان سے ملو ملاؤ۔"

امام سبکی نے لکھا ہے: "میں نے اس آیت طیبہ اس کے ما قبل اور ما بعد میں غور و فکر کیا ہے۔ میں نے پایا ہے کہ یہ صرف ایک احتمال رکھتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے مراد صرف آپ کو مشرف فرمانا ہے۔ حالانکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔ لیکن ارادہ کیا گیا ہے کہ آیت طیبہ میں ان تمام نعمتوں کا تذکرہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کی ہیں۔ تمام اخروی نعمتیں دو امور میں منقسم ہیں۔ (۱) سلبیہ۔ اس سے مراد گناہوں کی معافی ہے۔ (۲) ثبوتیہ۔ یہ ان گنت ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

و یتم نعمته علیك۔ (البقرۃ:۱۸۷)

تمام دنیوی نعمتیں دو امور میں منقسم ہیں۔ (۱) دینیہ۔ ان کی طرف اپنے اس فرمان میں اشارہ کر دیا۔

وَیَهۡدِیَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۝۲ (الفتح:۲)

ترجمہ: "اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔"

دنیویہ۔ اگر ان سے دین مقصود ہو تو وہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَّیَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ۝۳ (الفتح:۳)

ترجمہ: "اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے۔"

اخروی نعمتوں کو دنیویہ نعمتوں پر مقدم کیا۔ تاکہ اہم نعمتیں مقدم ہو سکیں۔ اس سے یہ انتظام فرمایا کہ حضور نبی پاک ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کی تکمیل ہو سکے۔" اس معنی سے آگاہ ہو جانے کے بعد میں نے ابن عطیہ کا قول دیکھا۔ وہ بھی اسی کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اس حکم سے مشرف فرمانا۔ آپ کے گناہ تو

بالکل تھے ہی نہیں۔" انہیں صحیح موقف کی توفیق دی گئی ہے۔

◆ "ثم اخذ علی الکوثر حتی دخل الجنة" شیخ عزالدین نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث پاک اس بات کی دلیل ہے کہ سدرۃ جنت میں داخل نہیں ہے۔ ابن ابی جمرہ نے اسی قول کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ ابن دحیۃ نے لکھا ہے: "ثم اس جگہ ترتیب کے لیے نہیں ہے جیسے کہ اس فرمان میں ہے:

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (البلد:۱۷)

ترجمہ: "پھر وہ ایمان والوں سے ہو۔"

یہ واؤ کی طرح جمع اور اشتراک کے لیے ہے۔ یہ اپنی اصل سے خارج ہے۔ فتح الصفا کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ موقف ظاہر کے خلاف ہے۔

◆ بعض علماء نے قرض کے درہم کا اٹھارہ گنا اجر ہونے کی توجیہ میں لکھا ہے۔ قرض کا ایک درہم صدقہ کے دو دراہم کے برابر ہے۔ جبکہ صدقہ کے درہم کا اجر دس گنا ہے۔ قرضہ کا درہم قرض دینے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ وہ دو درہم ہے اگر بیس دراہم سے دو دراہم نکال لیں تو باقی اٹھارہ دراہم بچ جاتے ہیں۔ میں نے علامہ نورالدین المحلی کو پڑھا۔ انہوں نے اصول میں اسی طرح لکھا تھا۔ پھر میں نے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول پڑھی۔ انہوں نے لکھا تھا: "اس حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کو ایک درہم کا دس گنا اجر ملتا ہے۔ ایک درہم صدقہ کا دیا گیا اور بقیہ نو دراہم۔ یہ کل دس دراہم بنتے ہیں۔ قرض کے دراہم کو گنا گیا تو یہ اٹھارہ دراہم بن گئے۔ قرض کا ایک درہم شمار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ قرض خواہ کی طرف واپس آجاتا ہے۔ اس طرح دگنا کرنے سے اٹھارہ درہم رہ جاتے ہیں۔ جبکہ صدقہ میں درہم واپس نہیں ہوتا تو دس ہوتے ہیں۔

◆ ابن دحیۃ نے لکھا ہے "آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی اس میں بہت زیادہ عزت و کرامت ہے کیونکہ آپ اپنی امت کو جنت خریدنے کے لیے کہتے تھے۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ: "یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے

لیے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو سب سے بڑی فیروزمندی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ جنت دکھادی جو آپ اپنی امت کو خریدنے کے لیے کہتے تھے۔ تاکہ آپ اس کا مشاہدہ کرسکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کو جنت کی طرف بلاتے تھے۔ یہ وہ گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی ضیافت کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا تاکہ آپ اس کی طرف دعوت دیں۔ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ آپ کو یہ دار دکھادے۔ کثیر نعمتیں دکھادے۔ تاکہ آپ پوری دلجمعی کے ساتھ دعوت دیں۔ تاکہ آپ جان سکیں کہ ساری مخلوق اس میں سما سکتی ہے۔ یہ پھر بھی نہیں بھرتی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق کو پیدا فرمادے۔ جیسے روایت سے ثابت ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو جنت اس لیے دکھائی ہو۔ تاکہ اس کے مقابلہ میں آپ کو دنیا کی خست کا علم ہوسکے۔ تاکہ آپ دنیا میں زیادہ زہد اختیار فرمائیں۔ مصائب پر زیادہ صبر کریں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آزمائش کتنی عمدہ ہوتی ہے جو اپنے صاحب کو آسائش کی طرف لے جائے اور وہ نعمت کتنی بری ہوتی ہے جو اپنے صاحب کو آزمائش کی طرف لے جائے یہ بھی احتمال ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو جو بھی نعمت اور کرامت کسی اور کے لیے ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ضرور ہو۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے لیے یہ نعمت تھی کہ انہیں روزِ قیامت سے قبل جنت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ نعمت اپنے حبیب اور نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ہو۔

49 ابن دحیہ نے لکھا ہے'' آپ کو آگ اس لیے دکھائی گئی تاکہ آپ روزِ حشر امن میں رہیں۔ جب سارے انبیاء نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی امتی کہہ رہے ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے جب جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے امن عطا فرمادیا۔ فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ۔ (التحریم:۸)

ترجمہ: ''اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو۔''

اس میں یہ حکمت کارفرما ہے تاکہ آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے فارغ ہوسکیں۔ اگر وہ آپ کو امن عطا نہ فرماتا تو آپ بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنے نفس میں مشغول ہوتے۔ کیونکہ انہوں نے روزِ قیامت سے قبل اس میں

کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ اسے دیکھیں گے تو گھبرا جائیں گے۔ اس کی وجہ سے ان کی زبانیں شفاعت سے رک جائیں گی۔ ان کے نفوس اپنی امت سے مشغول ہو جائیں گے۔ جبکہ آپ نے اس سے قبل آگ کو دیکھا ہو گا۔ آپ اس طرح نہیں گھبرائیں گے جس طرح دیگر انبیاء گھبرا جائیں گے۔ آپ خطبہ پر قادر ہوں گے۔ اس سے مراد مقامِ محمود ہے۔ کیونکہ کفار آپ کی تکذیب کرتے تھے آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ آپ کو بہت زیادہ ستاتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو وہ آگ دکھادی جو اس نے کفار کے لیے تیار کر رکھی تھی۔ تاکہ آپ کے قلب انور کو تسلی ہو سکے۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس کے دشمن رسوا ہوں اور ان سے انتقام لینے سے اس کے دل کو سکون ملے۔ وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ دوستوں کی شفاعت قبول کر کے اس کے دل کو خوش کیا جائے۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہو کہ وہ آپ کی برکت اور شفاعت سے اہلِ ایمان کو آتش دوزخ سے بچا لے۔

- آپ نے کسی فرشتے کو اس شکل میں نہیں دیکھا جس میں وہ لوگ آخرت میں اسے دیکھیں گے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔ اگر آپ اسے اس شکل میں دیکھ لیتے تو آپ اسے نہ دیکھ سکتے۔
- الطیبی نے لکھا ہے: "مالک نے حضور اکرم ﷺ کو پہلے سلام کیا تاکہ آپ کا خوف زائل ہو سکے۔ حالانکہ دیگر انبیاء کو پہلے آپ نے سلام کیا تھا۔"
- روایت ہے کہ آپ آگ کے خازن کے علاوہ جس فرشتے سے بھی ملے وہ آپ سے مسکراتا ہوا ملا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ تو آپ سے قبل اور نہ ہی آپ کے بعد کسی سے مسکراتے ہوئے ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ (التحریم:۶)

ترجمہ: "اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں۔"

یہ فرشتے رب تعالیٰ کے غضب پر مؤکل ہے۔ یہ غضب ان سے کبھی بھی زائل نہیں ہوتا۔ یہ روایت اس روایت کے معارض ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے کبھی بھی میکائیل کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔" حضرت جبرائیل نے عرض کی: "جب سے آگ کو تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ مسکرائے نہیں۔" یہ روایت اس روایت کے معارض ہے جسے دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز میں مسکرائے۔ اس کے بارے آپ سے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے حضرت میکائیل کو قوم کی جستجو میں دیکھا ان کے پروں پر غبار تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے میں انہیں دیکھ کر مسکرایا۔" امام سہیلی نے لکھا ہے "جب دونوں روایات صحیح ہیں تو انہیں اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت میکائیل اس وقت سے نہ مسکرائے جب سے

آگ کو پیدا کیا گیا۔ مگر اس وقت وہ حضور اکرم ﷺ کے لیے مسکرائے۔ یہ روایت عام ہوگی جس سے خصوص مراد لیا گیا ہے۔ یا حضور اکرم ﷺ نے پہلی حدیث دوسری حدیث سے پہلے بیان کی ہو۔ پھر ان کے مسکرانے کی بات کی۔"

(۹) ساتویں معراج جس میں آپ نے اقلام کے چلنے کی آواز سنی تھی اس میں مناسبت یہ ہے کہ ہجرت کے نویں سال غزوۂ تبوک ہوا تھا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے شام کی طرف تشریف لے گئے۔ اس میں تیس ہزار صحابہ کرام نے شرکت کی۔ آپ نے اس غزوہ کو مخفی نہ رکھا۔ بلکہ اعلان فرمایا تاکہ صحابہ کرام اس کے لیے تیاری کرلیں۔ آپ نے تیاری میں مکمل کوشش کی۔ نہ تو جنگ کی نوبت آئی نہ ہی آپ نے کوئی شہر فتح کیا کیونکہ ابھی تک شام کی فتح کا وقت نہیں آیا تھا۔ عزم تقدیر کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔ قلم خشک ہوگیا۔ آپ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ مسلمانوں پر وقار تھا۔ سکون تھا۔ ان پر اضطراب نہ تھا۔

(۱۰) خریف الاقلام سے مراد اقلام کی حرکت ہے۔ ملائکہ ان اقلام کو حرکت دے کر رب تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی وحی لکھتے ہیں۔ یا وہ چیز لکھتے ہیں جسے لوح محفوظ سے منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ یا جسے رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے لکھا جائے اور جس امر کو وہ چاہتا ہے کہ اسے اٹھا دیا جائے۔ اس میں اہل السنۃ کے لیے دلیل ہے کہ یہ صحیح موقف ہے کہ وحی اور مقادیر کو ان اقلام سے لوح محفوظ پر لکھ دیا جاتا ہے جن کی کیفیت سے صرف اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آیات طیبہ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ جو کچھ اس ضمن میں ہے اسے اس کے ظاہر پر رکھا جائے گا۔ لیکن اس کی کیفیت اور جنس سے صرف اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔ یا وہ آگاہ ہے جسے وہ آگاہ کرتا ہے مثلاً اس کے ملائکہ اور رسل عظام۔ جو صرف کمزور ایمان والا ہے وہ اس کی تاویل کرتا ہے اور حیلہ جوئی کرتا ہے۔ کیونکہ شریعت مطہرۃ میں اس کا تذکرہ ہے۔ عقل کی دلیل اس کے مابین حائل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے۔ اسمیں اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کو عیاں کرنا مقصود ہوتا ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے اپنے غیب کا اظہار کر دیتا ہے ورنہ وہ کتابت اور یاد کرانے سے مستغنی ہے۔

(۱۱) ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ اقلام تقادیر لکھتی ہیں۔ تقدیر پہلے سے لکھی جا چکی ہے کتابت حادث ہے۔ روایت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوح محفوظ کو اس کی کتابت سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل قلم خشک ہو چکا ہے۔ یہ کتاب ملائکہ کے صحیفوں تک محدود ہے۔ جیسے وہ فروع جنہیں اصل سے منسوخ کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ محو اور اثبات بھی ہے جس کا ذکر اثر میں ہے۔ وہ اصل لوح محفوظ جس سے لوح پر لکھا جاتا ہے وہ قدیمی علم غیب ہے جو ازل سے قدیم ہے۔ اس میں محو و اثبات نہیں ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ مد

لوح ہے نہ قلم۔آپ نے اقلام چلنے کی آواز سنی۔اس میں یہ حکمت ہے کہ آپ کو قلموں کے خشک ہو جانے پر اطمینان ہو جائے حتیٰ کہ آپ امور کو تقدیر کے سپرد کر دیں سبب کے سپرد نہ کریں حتیٰ کہ سبب پر تعبد کی رو سے بحث کی جاتی ہے نہ کہ تعوذ کی رو سے۔اسی سے توکل مکمل ہوتا ہے۔اسباب کے اختلاف کے وقت اسی سے اضطراب میں سکون آتا ہے۔امام قرطبی نے لکھا ہے:"جن اقلام کی اس جگہ توصیف کی گئی ہے ان کی اصل وہ قلم ہے جس کی قسم رب تعالیٰ نے اس فرمان میں کھائی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝١ (القلم:۱)

ترجمہ: "قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں"۔

یہ القلم جنس کے لیے ہوگا۔

۱۰ دسویں معراج جو رفرف ہے۔جب آپ نے رب تعالیٰ سے ملاقات کی۔حریم ناز میں حاضر ہوئے۔مقام انس پر فائز ہوئے۔حجابات اٹھا دیئے گئے۔آپ نے خطاب سنا آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔یہ صورت کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کے اعتبار سے ہے۔اس میں مناسبت یہ ہے کہ ہجرت کے دسویں سال دو ملاقاتیں جمع ہوئیں۔(۱) بیت اللہ سے ملاقات، بیت اللہ کا حج، وقوف عرفہ، تکمیل دین اور مسلمانوں پر نعمتوں کی تکمیل۔(۲) اس میں آپ کا وصال ہوا۔رب تعالیٰ سے ملاقات ہوئی۔آپ دار فناء سے دار بقاء کی طرف تشریف لے گئے۔اپنی روح کریمہ کے ساتھ مقعد صدق کی طرف تشریف لے گئے۔حق کے وعدہ اور وسیلہ کی طرف تشریف لے گئے۔یہ ایک بلند منصب ہے جو صرف ایک عبد کریم کے لیے مختص ہے۔وہ عبد کریم حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔صحیح روایت میں ہے کہ آپ سے وسیلہ کے بارے پوچھا گیا۔آپ نے فرمایا:"یہ جنت میں ایک منصب ہے جس پر رب تعالیٰ کا ایک بندۂ خاص فائز ہوگا۔مجھے امید ہے کہ وہ عبد خاص میں ہی ہوں گا۔" آپ کی امید پوری ہوگی۔آپ کے دل اقدس کو یہ توفیق ملے گی۔

۱۲ ابن دحیہ نے لکھا ہے حضور کریم ﷺ کو دیدار اور کلام الٰہی کے لیے مختص کیا گیا کیونکہ آپ روز حشر کے شفیع ہیں۔رب تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی اس مقام پر فائز کر دیا تاکہ اس روز آپ پر اس طرح خوف طاری نہ ہو جس طرح دیگر انبیاء پر طاری ہوگا۔رب تعالیٰ نے چاہا کہ آپ سے انقباض دور ہو جائے تاکہ آپ مقام محمود پر فائز ہو سکیں۔رب تعالیٰ نے اس سے قبل ہی آپ کو اپنا دیدار کرا دیا اور کلام الٰہی سے بلند منصب پر فائز کر دیا۔

۰ رب تعالیٰ نے فرمایا:"میں نے آپ کو سورۃ البقرۃ کا آخر اپنے عرش کے نیچے خزانہ سے عطا کیا ہے......تورشتی نے

لکھا ہے: ''اعطی کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ پر نازل ہوا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ التجاء قبول کر لی گئی:

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿٢٨٦﴾ (البقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: ''ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (برا عمل) اس نے کمایا اے ہمارے رب نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے تو نے ڈالا تھا ان پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے تو مدد فرما ہماری قوم کفار پر۔''

الطیبی نے لکھا ہے ''اس کلام میں یہ اشارہ ہے کہ اعطاء، انزال کے بعد ہو۔ اس سے مراد دعا کا قبول ہونا ہے یہ طلب سے مسبوق ہے۔ کیونکہ یہ سورت طیبہ مکہ میں نازل ہوئی اور معراج بھی مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس کا تعلق اس آیت طیبہ سے ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ﴿٤﴾ (النجم:۳)

ترجمہ: ''اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

اسے اعطاء اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کو کنز تحت العرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام احمد نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے سورۃ البقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے خزانہ سے عطا کی گئی ہیں۔ یہ مجھ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔''

۱۸ شب معراج میں نماز فرض کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا تو اس رات آپ نے ملائکہ کی عبادت ملاحظہ فرمائی۔ ان میں بعض کھڑے تھے وہ بیٹھے نہیں تھے۔ بعض رکوع میں تھے وہ سجدہ نہیں کرتے تھے۔ بعض سجدہ میں تھے وہ قعدہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی ایک رکعت

میں یہ ساری عبادات جمع کر دیں، جسے ایک بندہ پورے خلوص اور اطمینان سے اس کی شرائط سے پڑھتا ہے۔

◆ نیز اس رات میں یہ عبادت فرض کرنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک عظیم الشان عبادت ہے اس لیے اسے بلاواسطہ فرض کیا گیا۔ امام سہیلی لکھتے ہیں: "نمازوں کو آپ پر حریم ناز میں فرض کیا گیا تا کہ ان کی فضیلت آشکارا ہو سکے۔ کیونکہ یہ درگاہِ قدسیہ میں فرض ہوئیں۔ لہٰذا ان کے لیے پاکیزگی ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کے لیے یہ شرط ہے۔ ان میں رب تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ رب تعالیٰ بندے سے ہمکلام ہوتا ہے۔ فرماتا ہے: "میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے۔ حریم ناز میں ان کے فرض ہونے میں یہی مشابہت ہے۔ کیونکہ وہاں آپ نے اپنے رب کا کلام سنا۔ اس سے مناجات کیں۔ آپ کے ظاہر اور باطن کو آبِ زمزم سے دھو کر آپ کو سیر کرائی گئی۔ اسی طرح نمازی بھی طہارت حاصل کرتا ہے۔ حضور سیاح لامکان ﷺ اپنے جسد اطہر کے ساتھ اس دنیا سے نکل گئے۔ اس وقت نمازی پر بھی رب تعالیٰ سے مناجات کرنے اور قبلہ رو ہو جانے کے علاوہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ اسی طرح نمازی بھی اپنے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھاتا ہے۔ اس میں بیت المعمور کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں معبود برحق کی طرف اشارہ ہے جس سے نمازی سرگوشی کر رہا ہوتا ہے جس کے لیے وہ نماز ادا کر رہا ہوتا ہے۔

◆ "میں نے آپ سے پانچ نمازیں کم کر دیں ہیں۔" حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں دس نمازوں کا ذکر ہے۔ حضرت شریک کی روایت میں "شطرھا" کا تذکرہ ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں: "اس سے مراد ہے کہ بعض نمازیں کم کر دی گئیں۔ بار بار حریم ناز میں جانے پر نمازیں کم ہوتی گئیں۔ یہ روایت حضرت ثابت کی روایت کے مخالف نہیں ہے۔" الحافظ لکھتے ہیں: "اسی طرح دس نمازوں کا ذکر ہے گویا کہ دو بار حریم ناز میں جانے سے دس نمازیں کم ہو گئیں۔ اور پانچ بار جانے سے شطر نمازیں کم ہو گئیں۔ شطر سے مراد بعض ہے۔ حضرت ثابت کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف ہوئی تھی۔ یہ زیادتی معتمد ہے باقی روایات کو اسی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ نے حضرت ابن صعصعہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا: "مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ میں حضرت کلیم اللہ اور رب تعالیٰ کے مابین آتا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھ سے پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی گئیں۔" ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ شطر کا لفظ اعم ہے۔ تا کہ یہ شعور نہ ملے کہ یہ نمازیں ایک ہی بار کم کر دیں گئیں۔

◆ ابوطالب جمحی نے اپنی کتاب ''التحیات'' میں لکھا ہے ''ہر قوم کا سلام کرنے کا اپنا انداز تھا۔ اہلِ عرب کا سلام ''السلام'' تھا۔ کسریٰ کا سلام اس کے سامنے سجدہ کرنا تھا۔ زمین چومنا تھا۔ اہلِ فارس کا سلام بادشاہ کے سامنے ہاتھوں کو زمین پر پھینکنا تھا۔ حبشہ کا سلام بادشاہوں کے سامنے ہاتھ سینے پر رکھنا تھا۔ اہلِ روم کا سلام سر جھکا کر سر ننگا کرنا تھا۔ اہلِ نوبہ کا سلام ہاتھوں سے دعا کا اشارہ کرنا تھا۔ اہلِ بجا کا سلام یہ تھا کہ آنے والا بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا تھا۔ اگر وہ خدمت تک پہنچ جاتا تو ہاتھ اٹھا کر بار بار ہاتھ رکھتا۔ یہ سارے انداز اس نماز میں شامل ہیں جو مالک الملوک کے سامنے ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے نماز کے آخر میں کہا جاتا ہے ''التحیات لِلّٰہ'' یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سارے التحیات کی مستحق وہی ذات ہے۔

◆ حضرت انس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔'' حضرت ثابت نے حضرت انس سے روایت لکھی ہے ''ہر شب و روز میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔'' کہا جاسکتا ہے کہ دوسری روایت اختصار کے لیے ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے اللہ نے فرمایا: ''میں نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ آپ پر فرض کا ذکر آپ کی امت پر فرض کو متلزم ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے الا یہ کہ وہ آپ کی خصوصیت ہو۔

◆ ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے ''حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کی تخفیف کے بارے گفتگو نہ کی۔ کیونکہ مقام خلت رضا اور تسلیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس طرح کلام کرنا اس منصب کے منافی ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے کلیم کو ادلال اور انبساط عطا کیا جاتا ہے۔'' امام قرطبی نے لکھا ہے: ''اس مقصد کے لیے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو اس لیے مختص کیا گیا کیونکہ ان کی امت کو نماز کا اس طرح مکلف بنایا گیا کہ اس طرح کسی اور امت کو مکلف نہیں بنایا گیا۔ انہیں یہ بوجھ گراں لگا۔ حضرت کلیم اللہ نے امت محمدیہ پر شفقت فرمائی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا یہ قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے ''میں آپ سے قبل لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔'' بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاید اس میں حکمت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نبی نہیں جس کے پیروکار حضرت موسیٰ سے زیادہ ہوں۔ نہ ہی کسی کو اتنی بڑی کتاب دی گئی نہ ہی کسی کی کتاب میں اتنے جامع احکام تھے۔ اس اعتبار سے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے۔ مناسب تھا کہ وہ تمنا کرتے کہ آپ پر بھی وہی انعام ہو جو ان پر ہوا تھا۔ وہ اس کے زوال کا ارادہ نہ کرتے۔ یہ بھی مناسب تھا کہ وہ آپ کو اس امر سے آگاہ کرتے جو ان کے لیے واقع ہوا تھا۔ اور اس کے بارے خلوص کا اظہار کرتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جب ابتداء میں حضرت موسیٰ نے جو خواہش کی اس کا تدارک انہوں نے خلوص اور شفقت کا اظہار کر

کے کیا ہو۔ تاکہ ابتداء میں جو کچھ ہوا تھا اس کے غلط وہم پیدا نہ ہو سکے۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں: "جس شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے نیچے آتے وقت سب سے پہلے حضرت موسیٰ سے ملاقات کی۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن صعصعۃ کی روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں چھٹے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔"

یہ روایت حضرت شریک کی اس روایت سے قوی ہے جس میں ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ الحافظ لکھتے ہیں: "اگر ہم یوں کہیں کہ آپ نے جاتی دفعہ حضرت موسیٰ کو چھٹے اور واپسی پر ساتویں آسمان پر دیکھا تو یہ اشکال دور ہو سکتا ہے۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے "حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اس امت پر خصوصی شفقت کی تھی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ اس امت کے لیے شفاعت فرمائیں۔ تخفیف کے لیے التجاء کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں وادیٔ سینا کے مغربی کنارے پر الواح عنایت ہوئیں تو انہوں نے ان میں امت مرحومہ کی صفات پڑھیں۔ انہوں نے کہا: "میں نے الواح میں ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے۔ جو ان ان صفات کی حامل ہے۔ مولا! اسے میری اُمت بنادے۔" آپ سے فرمایا گیا: "وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔" اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: "مولا! پھر مجھے ان کی امت میں سے بنادے۔" ان کی اس امت پر یہ خصوصی شفقت اسی لیے تھی۔

◆ حضرت موسیٰ نے آپ سے عرض کی: "میں آپ سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں۔" یہ اس امر کی دلیل ہے کہ تجربہ کا علم علوم پر زائد ہوتا ہے۔ یہ علوم کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتا یہ صرف تجربہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم سارے لوگوں سے زیادہ ہے سارے لوگوں سے افضل ہیں آپ اسی وقت ہی حریم ناز میں اس سے ملاقات کر کے آئے۔ اس جگہ جلوہ افروز ہوئے جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ ہی نبی مرسل فائز ہو سکا۔ اس فضل و کرم کے باوجود حضرت موسیٰ نے آپ سے عرض کی: "میں لوگوں کے بارے آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔" اس کا سبب بھی ذکر کر دیا کہ انہوں نے بنواسرائیل کو خوب آزمایا تھا۔ انہوں نے بتادیا کہ اس علم کا دارومدار تجربہ پر ہے۔ وہ ان کے پاس زیادہ ہے۔"

◆ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ کسی امر کا جو معمول بنا ہوا ہو اسے کسی دوسری چیز پر لاگو کرنے کی بھی اس میں دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے بارے یہ فیصلہ دیا تھا کہ یہ اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ اس کے ثبوت کے لیے انہوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے تجربہ کا تذکرہ کیا وہ قوم بعد میں آنے والی قوم سے زیادہ

قوی اور مضبوط تھی۔ ارشادِ ربانی ہے:

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا ۔ (الروم:۹)

ترجمہ: ''وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ جو بوجھ قوی نہ اٹھا سکا اسے کمزور بدرجہ اولیٰ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بات معمول کے رواں کرنے میں حکمت کے اثر سے محکم ہے۔ جبکہ قدرت اس پر قادر ہے کہ کمزور سے وہ بوجھ اٹھوا دے جو قوی نہ اٹھا سکے۔ روایت ہے کہ بنو اسرائیل پر دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو فرض تھیں مگر وہ یہ بوجھ نہ اٹھا سکے تھے۔

۹۳ اس امت کے لیے تخفیف کرانا اس امر کی دلیل ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر تشریف لے گئے تھے تو جو حضرت کلیم اللہ کا رونا اسی وجہ سے تھا جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور سبب ہوتا تو وہ اس وقت بھی روتے جب آپ واپس تشریف لائے تھے یا خاموش رہتے۔ بلکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور خلوص کے اظہار کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ ان عطیات میں سے ایک عطیہ تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص تھے۔ انہوں نے اس امت پر تخفیف کرنے پر تعرض کیا تھا۔ یہ عطیہ بالکل اپنی درست جگہ پر عیاں ہوا۔ کیونکہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ آپ نے اس بارے گفتگو کی تو آپ کی ضرورت کو پورا کر دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے التجاء قبول کر لی۔ نماز یں پچاس سے کم ہو کر پانچ رہ گئیں۔ فضل و کرم کا اضافہ ہو گیا۔ ایک نیکی کا اجر دس گنا ہو گیا۔ رب تعالیٰ نے اس امت سے ان نمازوں کے فرض کو زائل کر دیا لیکن فضل و احسان کرتے ہوئے ان کا ثواب باقی رکھا۔

۹۴ ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے کہ اس روایت میں صوفیائے کرام کے اس فرمان کی دلیل ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس ضمن میں کوئی گفتگو نہ کی کیونکہ ان کا مقام بلند تھا اگر وہ یہ بات کرتے تو یہ ان کے بلند مقام کے زیبا نہ ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ گفتگو کی جو ان کے مقام کے ساتھ مختص تھی۔ ہر ایک کا خاص مقام تھا جس سے اس نے تجاوز نہ کیا۔

۹۵ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی بار بار ملاقات میں کئی فوائد ہیں۔ (۱) ایک ہی داستان میں شفاعت کا تکرار تا کہ شافع کا مقصود پورا ہو سکے۔ (۲) جب معاملہ اصرار کی حد تک پہنچ جائے تو اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے (۳) اس امر کی تعظیم جس پر قدرت نہ ہو (۴) ناصح مشیر کی طرف رجوع کرنا۔ (۵) شافع مشفوع لہ کی طلب پر توقف نہ کرے (۵) اگر عذر ہو تو شافع مشفوع لہ کے سامنے بیان کر دے (۶) شفاعت سے

روکا جائے اگرچہ وہ شخص اس میں شامل بھی ہو۔

(۹۶) جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دسویں بار جانے کے لیے عرض کی تو آپ نہ گئے۔ اس کے دو اسباب ہیں: (۱) جب معاملہ اصرار کی حد تک پہنچ جائے تو اسے ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ (۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نورِ فراست سے سمجھ لیا تھا کہ نمازیں اس سے کم نہ ہوں گی۔ آپ نے حیاء کی اور التجاء نہ کی۔ فراست کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے پانچ پانچ کی تخفیف کی۔ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اگر وہ آخری پانچ بھی تخفیف کر دیتا تو ساری نمازیں ختم ہو جاتیں۔ آپ یہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی وظیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا سوال کو ترک کر دیا۔ آپ کے لیے غیب منکشف ہوا کہ علم قدیم ان پانچ نمازوں کی بقاء کے ساتھ ہے لہٰذا وہ باقی رہیں۔ فراست نے سچ کہا۔ غور و فکر صحیح نتیجہ تک پہنچا۔ روایت ہے جب آپ دسویں بار حریمِ ناز میں جانے سے رک گئے تو منادی نے ندا دی: ''میں نے اپنا فریضہ لاگو کر دیا ہے۔ اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔''

(۹۷) ابن دحیہ نے لکھا ہے'' آپ بار بار حریمِ ناز میں جاتے رہے کیونکہ آپ کو علم تھا کہ ہر بار امر علی سبیل الالزام نہیں ہے۔ صرف آخری بار حکم الزام کے اعتبار سے تھا۔ جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ (ق:۲۹)

ترجمہ: ''میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔''

(۹۸) ابن ابی جمرۃ نے لکھا ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں بار تخفیف کے لیے نہ گئے۔ اس میں یہ دلیل ہے جب رب تعالیٰ کسی بندے کی سعادت مندی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا اختیار رب تعالیٰ کی رضا میں رکھ دیتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا اختیار اور ترجیح رب تعالیٰ کی رضا میں رکھ دی تھی۔ وہ پانچ نمازوں کی فرضیت ہے۔ یہ آپ کی تکریم اور رفعتِ شان کے لیے ہے۔ اگر آپ تخفیف کے لیے واپس جاتے لیکن تخفیف نہ کی جاتی تو آپ کا اختیار تقدیر کے مخالف ہوتا۔ جب آپ کو اختیار دیا گیا۔ اختیار میں آپ کی منشاء پوری کر دی گئی تو یہ وہی دلیل ہے جس سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ یہ آپ کی رفعتِ شان ہے۔ آپ نے جب تخفیف کا ارادہ کیا تو آپ کی رضا پوری کر دی گئی ہر دو حالات، طلب یا عدم طلب میں آپ کا اختیار تقدیر کے موافق تھا۔ اس میں صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے لیے یہ دلیل بھی ہے کہ حال حامل ہوتا ہے محمول نہیں ہوتا۔'' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی امت پر شفقت کرنے کا حال وارد ہوا تو آپ نے تخفیف کے لیے جلدی کی کسی طرف نہ دیکھا۔ جب رب تعالیٰ سے حیاء کا حال وارد ہوا تو امت کے لیے توجہ نہ کی نہ ہی کسی چیز کی التجاء کی۔

(۹۹) اس حدیث پاک میں اس امر کی دلیل ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے (۱) وہ تقدیر جس کے بارے میں یہ مقدر ہے کہ وہ کسی واسطہ یا دعاء کی وجہ سے نافذ نہ ہو سکے گی۔ جیسے کہ اس جگہ پچاس نمازیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازوں کا حکم دیا۔ اس کا ارادہ سبقت لے گیا کہ ان کا نفاذ نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو سبب بنا دیا۔ (۲) وہ تقدیر جن کا نفاذ مقدر ہو چکا ہے۔ کوئی لوٹانے والا اسے نہیں لوٹا سکتا۔ وہ پانچ نمازوں کا فرض ہونا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے جب ان کا حکم دیا تو اس کا ارادہ سبقت لے گیا یہ نافذ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام نفع نہ دے سکا۔

(۱۰۰) ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ اگر تم کہو کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا معنی ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ۔ (ق:۲۹)

ترجمہ: ''میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا۔''

اگر اس سے مراد یہ ہو کہ خبر تبدیل نہیں ہوتی تو پھر بات کو مطلق کیسے رکھا جاتا ہے کیونکہ احکام کی بات ہو رہی ہے۔ اسی لیے پچاس نمازوں کو پانچ میں تبدیل کیا۔ نسخ کا تبدیل ہونا باقی نہیں رہتا۔ اگر مراد یہ ہو کہ حکم تبدیل نہیں ہوتا تو یہ بات طے ہے کہ احکام میں نسخ جائز ہے۔ جیسے کہ نمازیں پانچ رہ گئیں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ کسی حکم کے بارے بتا دے کہ وہ ابدی ہے تو اس کی تبدیلی اور نسخ محال ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے یہ خبر دی ہے کہ یہ ابدی ہے خبر تبدیل نہیں ہوتی نہ ہی اس کے بعد نسخ کی توقع ہو سکتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ملائکہ کی زبانوں سے یا ان کے صحیفے میں اس امت کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں ہر روز پچاس نمازوں کا اجر و ثواب ملے گا۔ جب نمازیں پانچ کر دیں تو ان کی تعداد کم ہو گئی لیکن اجر میں کمی نہ ہوئی کیونکہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تعداد کے اعتبار سے پانچ نمازیں اور اجر کے اعتبار سے پچاس ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا فضل ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے: ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر شوال کے چھ روزے رکھے اس نے گویا کہ پورے سال کے روزے رکھے۔'' اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے چھتیس روزوں کو دس سے ضرب دیں تو یہ تین سو ساٹھ بنتے ہیں۔ ایک سال میں اتنے ہی دن ہوتے ہیں۔

نیز اس چیز کا اعتبار بھی کیا گیا نماز میں جس کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً وضو وغیرہ۔ اس کے لیے وہ کچھ پایا گیا جو دو ساعتوں اور ایک ساعت کے بعض حصہ میں جو کچھ آتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امت مرحومہ پر پچاس

نمازیں برقرار رکھی جاتیں تو سارا دن اور ساری رات نماز کی ضروریات میں گزر جاتا کیونکہ ابتداء میں ہر نماز کے لیے وضوء ضروری تھا۔ پھر اسے مستحب قرار دیا گیا۔ گویا کہ اس امت کا ایک شخص ان پانچ نمازوں کی وجہ سے ہمہ وقت نماز میں رہتا ہے جیسے کہ رمضان المبارک کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے والا پورا سال روزہ سے رہتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ پچاس نمازوں سے پانچ نمازوں کی طرف کمی کا تعلق تبدیل القول سے نہیں بلکہ تبدیل تکلیف ہے۔ البتہ پانچ نمازوں کے بعد پچاس کی خبر دینا تبدیل اخبار ہے۔

(۱۰۱) ابوخطاب اور ابن منیر نے لکھا ہے کہ اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ دخولِ وقت سے قبل، فعل کے تمکن سے قبل نسخ جائز ہے۔ اس میں معتزلہ سے اختلاف ہے۔ ہر گروہ نے اپنے قاعدے اور عقیدہ کے مطابق گفتگو کی ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک خلاف استطاعت مکلف بنانا جائز ہے۔ بلکہ یہ واقع ہوتا ہے کیونکہ سارے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں۔ بندہ کسی فعل کی تخلیق پر قدرت نہیں رکھتا۔ نہ ہی اس کی حفاظت کے لیے اس میں تاثیر پیدا کرنا ممکن ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۝۹۶ (الصافات:۹۶)

ترجمہ: ”حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔“

اس آیت طیبہ میں ”ما“ مصدریہ ہے لیکن اس ”ما“ کو موصولہ کہتے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق کہتے ہیں ”انسان اپنے فعل کی تخلیق خود کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار اور استطاعت کے مطابق اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے۔ ان کے نزدیک خلافِ استطاعت پر تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک تمکن سے قبل نسخ کا تصور بھی نہیں ہے۔ جیسے کہ اس کے قاعدہ کا تصور ہو سکتا ہے۔ لیکن اہلِ سنت کے نزدیک تمکن سے قبل نسخ جائز ہے۔ کیونکہ یہ واقع ہوا ہے۔ وقوع سے بڑھ کر اور اس کے جواز کی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ پھر اس میں تخفیف کر دی۔ اسے فدیہ سے منسوخ کر دیا حالانکہ وہ وقت نہیں گزرا تھا جس میں انہیں ذبح کیا جا سکتا تھا۔

اس دلیل سے معتزلہ مختلف مشکلات میں گر پڑے حتیٰ کہ انہوں نے حقائق کو خلط ملط کر دیا۔ اس کے مختلف جوابات دیے۔ بعض نے کہا: ”انہیں ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ خواب تھا۔ عالم بیداری میں نہ تھا۔ اس شخص کی عقل سے زیادہ کسی کی عقل زیادہ گمراہ نہیں جو یہ کہتا ہے کہ ایک واقعہ میں کسی نبی کو مغلوب کر لیا گیا۔ حالانکہ اس

واقعہ کا ظہور اس نبی سے ہوا تھا۔ اس نے ہی وہ فیصلہ کیا تھا۔ اس سے ہی اس کا صدور ہوا تھا۔ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام نے کہا تھا۔

يٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ (الصافات:۱۰۲)

ترجمہ: ''میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ حدیث پاک کا راوی اس کی تاویل اور تشریح کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر دو تاویلوں میں اختلاف ہو جائے تو ہم صاحب واقعہ کی تاویل کو معلوم کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کے بارے سب سے زیادہ جانتا ہے۔ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام جو ایک پاکباز اور راست گو نبی تھے ان کی اس تاویل کو جسے رب تعالیٰ نے درست اور صحیح قرار دیا اس شخص کی تاویل سے کیسے مقدم نہیں کیا جائے گا جو بدعتی، گمراہ اور مبہوت ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے ''یہ حکم ہے لیکن ابتدائی امور جیسے پکڑنا، باندھنا، لٹانا اور چھری پکڑنے کے بارے حکم ہے۔ لیکن یہ دلیل بھی سابقہ دلیل کی طرح بے سروپا ہے۔ جیسے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اَنِّيۡۤ اَذۡبَحُكَ۔ (الصافات:۱۰۲)

ترجمہ: ''میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔''

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں لٹا رہا ہوں۔ نیز یہ کہ یہ مقدمات ''لا'' کے ساتھ نہیں ہیں۔ خصوصاً حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے حق میں۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ مقصد صرف اس طرح حاصل نہ ہوگا جس طرح کہ اس طرح لٹانا جیسے ذبح کے لیے نہیں لٹایا جاتا۔ یہ صحیح رستہ سے پہلوتہی ہے۔ اور سرکشی اور عناد کی طرف رجحان ہے۔

بعض معتزلہ کہتے ہیں: ''انہیں ذبح کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے یوں کر بھی دکھایا تھا۔ لیکن چھری الٹی ہوگئی اور اس نے نہ کاٹا۔ یا حضرت ذبیح اللہ کی گردن لوہے کی بن گئی۔ یہ بھی بے تکی دلیل ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ اندازے سے نقل کرنا بھی کذب ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ذبح ہو گئے تھے۔ پھر زخم بھر گیا تھا۔ یہ مؤقف بھی عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ اگر معاملہ اس طرح ہوتا تو آیت طیبہ میں یوں کہنے پر اقتصار نہ کیا جاتا:

وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۝۱۰۳ (الصافات:۱۰۳)

ترجمہ: ''اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔''

نیز ذبح کے ذکر میں زیادہ آزمائش ہے اور فدیہ کا فائدہ ساقط ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمکن سے قبل نسخ جائز ہے۔ شب معراج کی داستان سے اس کی تردید کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں

کوئی خفاء نہیں ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اور آپ کی امت پچاس نمازیں پڑھیں پھر نماز کا وقت ہونے سے قبل اسے منسوخ کر دیا گیا جسے منسوخ کر دیا گیا۔

امام سہیلی لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازیں فرض کیں پھر دس دس کی کمی کر کے صرف پانچ کو باقی رکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ پانچ پانچ کی کمی کی گئی۔ ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ پانچ بھی دس میں شامل ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اسے نسخ کہیں گے یا نہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ اس کا تعلق عمل سے قبل عبادت کے نسخ سے ہے۔ لیکن ابوجعفر النحاس نے اس کا رد کیا ہے۔ انہوں نے اس رد کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی ہے۔ ان کا اصول اور نقطہ نظر یہ ہے کہ عبادات ان پر عمل پیرا ہونے سے قبل منسوخ نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ البداء ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی ذات پر محال ہے۔ (۲) اگر بعض کے نزدیک عبادت کا اس پر عمل پیرا ہونے سے قبل نسخ جائز بھی ہو۔ پھر بھی کسی کے نزدیک اس کا نسخ زمین پر پہنچنے سے قبل اور مخاطبین سے پہنچنے سے پہلے جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نسخ کا یہ دعویٰ علامہ قاشانی اور ان کے ہم نوا علماء نے کیا ہے۔ تاکہ ان کا موقف درست ثابت ہو جائے کہ بیان مؤخر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تو ایک شفاعت تھی جو حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے کی تھی۔ یہ اپنے پروردگار سے ایک التجا تھی کہ وہ اس امت مرحومہ سے تخفیف کرے۔ اس لیے اسے نسخ نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن علامہ ابوجعفر النحاس کا یہ مؤقف درست نہیں ہے کہ عبادات کا نسخ ان پر عمل پیرا ہونے سے قبل نہیں ہوسکتا۔ ان کا اسے البداء کہنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ بداء کی حقیقت یہ ہے کہ کسی آمر کے لیے ایک حقیقت ظاہر ہو جو اسے درست معلوم ہو۔ حالانکہ اسے پہلے اس میں کوئی صحت نظر نہ آتی تھی۔ یہ اس ذات پاک کے لیے محال ہے جو اشیاء کو علم قدیمی اور علم ازلی سے جانتی ہے۔ اس میں نسخ نامی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ نسخ تو ایک حکم کو دوسرے حکم سے تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذاتِ باری تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے۔ جس طرح کہ مرض کو صحت اور صحت کو مرض میں تبدیل کرنا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبد مامور پر جب کوئی حکم لاگو ہوتا ہے تو اس کے لیے تین امور کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (۱) اس کام کا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ (۲) حکم سنتے وقت اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم۔ (۳) اگر وہ حکم واجب ہو تو اس کے وجوب کا عقیدہ رکھنا۔ اگر فعل سے قبل ہی منسوخ کر دیا جائے تو اس طرح صرف دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ عزم اور وجوب کا اعتقاد۔ اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے بندہ اپنی آزمائش اور امتحان میں پورا اترتا ہے۔ اسے اس کی نیت کے مطابق اجر و ثواب دیا جاتا ہے بلاشبہ امر کا نسخ اس کے نزول سے پہلے جائز نہیں نہ ہی مخاطب کے علم سے پہلے جائز ہے۔ جس نسخ کا ذکر علامہ نحاس

نے کیا ہے وہ نسخ کی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عبادت جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک حضور اکرم ﷺ اور آپ کی امت مرحومہ سے پینتالیس نمازوں کا ختم ہو جانا دو اعتبار میں سے ایک لحاظ سے ہے۔ (۱) یا تو حضور ﷺ سے ان کی ادائیگی منسوخ ہو گی۔ اس طرح آپ سے عزم اور وجوب کا اعتقاد رکھنا بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی حقیقت میں نسخ ہے۔ اس سے اس کی تبلیغ بھی آپ سے منسوخ ہو جائے گی۔ کیونکہ آپ ہر اس چیز کی تبلیغ پر حریص تھے جس کا آپ کو حکم دیا جاتا۔ ابو جعفر نحاس کا یہ قول کہ یہ ایک سفارش اور شفاعت تھی اس سے نسخ کی نفی ہو جاتی ہے۔ درست نہیں کیونکہ نسخ کبھی کبھی ایک مشہور سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی شفاعت ہی آپ کے لیے نسخ کا سبب بنی۔ یہ حقیقت میں نسخ کو باطل کرنے والی نہیں۔ صرف اس تبلیغ کا حکم آپ سے منسوخ ہوا ہے۔ جو نسخ سے قبل آپ پر واجب تھی۔ پانچ نمازوں کا حکم دینا آپ کے خواص میں سے ہے۔ جہاں تک آپ کی امت کا تعلق ہے تو اس سے کوئی حکم منسوخ ہی نہیں ہوا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے صرف خبر دینا مقصود ہو عبارت مقصود نہ ہو۔ اگر یہ صرف خبر ہو تو اس میں نسخ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے خبر کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو خبر دی کہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں یعنی وہ لوح محفوظ پر پچاس نمازیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا: "یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ان کا اجر پچاس جتنا ہے۔ ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ تاویل کی کہ بالفعل پچاس نمازیں فرض ہیں۔ پھر آپ بارگاہِ صمدیت میں جاتے رہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ پچاس نمازیں ثواب کے اعتبار سے ہیں۔ عمل کے اعتبار سے نہیں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ از روئے خبر ہو از روئے عبادت نہ ہو۔ اگر یہ خبر ہو تو پھر اس میں نسخ کا عمل دخل نہیں ہے۔ خبر کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو بتایا ہو کہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوح محفوظ میں پچاس ہیں۔ جیسے کہ روایت کے آخر میں ہے۔ "یہ پانچ پچاس ہی ہیں۔ ایک نیکی کا اجر و ثواب دس گنا ہے آپ نے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ یہ فضیلت کے اعتبار سے پچاس ہیں۔ آپ حریمِ ناز میں تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ کو بیان کر دیا گیا کہ یہ ثواب کے اعتبار سے پچاس ہیں نہ کہ عمل کے اعتبار سے۔

(۱۰۲) اس تفصیل سے عیاں ہو گیا ہے کہ فعل کا نسخ اس کے تمکن سے قبل جائز ہے۔ یہ آپ کے حق میں تو صحیح ہے۔ لیکن آپ کی امت کے حق میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ابلاغ سے قبل نسخ محال ہے۔ کیونکہ تکلیف کے لیے شرط ہے کہ مکلف کو علم کے ساتھ تمکین حاصل ہو۔ جب اس کے لیے علم شرط نہ ہو تو ابلاغ سے قبل تکلیف کا نسخ اس کے تناقض میں سے ہے۔

ابن دحیہ لکھتے ہیں: "آپ کی امت کے حق میں بھی نسخ صحیح ہے۔ کیونکہ اسلام ہر مسلمان پر لازم قرار دیتا ہے کہ اسلام کی فروعات اور دین کی ساری شرائع میں ان کی تفصیل کے ساتھ داخل ہو جائے ہر وہ شخص جو اپنی زندگی میں ایمان لے آیا وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ حالانکہ ابھی تک ایسے احکام تھے جن کا ابھی تک نزول نہیں ہوا تھا اور جو نہ ہی پوری طرح بیان کیے گئے تھے۔ ان میں سے بعض ایک اعتبار سے مجمل اور دوسرے اعتبار سے مبیّن نازل ہوئے تھے۔ بعض ابھی تک نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا نزول بعد میں ہوا تھا۔ ایمان اور التزام تو سب کو شامل ہے جس طرح ابلاغ سے بعد نسخ جائز ہے اسی طرح ابلاغ سے قبل بھی نسخ جائز ہے۔ اکثر احکام پہلے مجمل واجب ہوئے بعض میں ضرورت کے وقت ان کی تفصیلات بیان کی گئیں۔ جیسے نماز اور زکوٰۃ۔ وجوب کی ابتداء میں ان کی تعداد اور تیاری کے متعلق نہ بتایا گیا۔ نہ ان کے اوقات نہ ہیئت اور نہ ہی شرائط کے بارے بتایا۔ ان اجمالات کے باوجود تکلیف برقرار تھی۔ کیونکہ التزام اول کے ساتھ ہی مکلف ان کے التزام پر داخل ہو گیا تھا خواہ وہ امر جیسا بھی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے آپ سے اسلام کے بارے سوال کیا تھا" تو یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تم فرض نماز ادا کرو۔ فرض زکوٰۃ دو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج ادا کرو۔" ان مجمل اور غیر مبین قواعد کی وجہ سے اس پر تکلیف مکمل ہو گئی۔

(۱۰۳) ابن دحیہ نے لکھا ہے "جب تم علماء کو سنو کہ وہ فعل سے قبل نسخ پر گفتگو کر رہے ہوں تو جان لو کہ ان کا ارادہ ہے کہ یہ نسخ اس زمانہ کے گزرنے سے قبل ہو پہلے فعل کی وسعت رکھتا ہو۔ اسی میں اختلاف ہے۔ وہ ہر متفق علیہ نسخ کا فعل سے قبل کا ہی تصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو ہو گیا وہ گزر گیا اس کی تکلیف ختم اور اس کا نسخ بھی ختم۔ اگر تم انہیں یوں کہتے ہوئے سنو: "ابلاغ سے قبل تکلیف کا نسخ متعذر ہوتا ہے کیونکہ ابلاغ تکلیف کے لیے شرط ہے تو جان لو کہ ان کا ارادہ یہ ہے تکلیف کی تکمیل ہو۔ ابلاغ کے ساتھ یہی مشروط ہے ہمارے نزدیک اصل تکلیف اس پر موقوف نہیں ہے۔ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ امر قدیمی ہے۔ وہ مامور کے وجود سے بھی پہلے محقق ہے چہ جائیکہ اسے اس کا ابلاغ ہو۔

(۱۰۴) بعض عارفین نے لکھا ہے: "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں محبت متمکن ہو گئی ان کے لیے طور کے انوار روشن ہو گئے تاکہ وہ انہیں حاصل کر سکیں لیکن روک دیا گیا۔ جب انہیں ندا دی گئی انہیں منادی کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ بنو اسرائیل میں یہ کہتے ہوئے گھوما کرتے تھے" کون میرا بوجھ اٹھائے گا حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔" ان کی مراد یہ تھی کہ وہ اپنے حبیب کے ساتھ مناجات کو طول دے سکیں۔ جب شب معراج حضور اکرم ﷺ

کا گزران کے پاس سے ہوا۔ تو انہوں نے آپ کو حریم ناز میں بھیجا تا کہ وہ بار بار حبیب کے حبیب کی زیارت سے شاد کام ہوسکیں"۔ ایک عارف نے لکھا ہے"جب حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے دیدار کا سوال کیا تو ان کی یہ التجاء پوری نہ ہوئی۔ یہ شوق انہیں مضطرب رکھتا تھا۔ یہ امید ان کی آتش شوق کو بھڑکاتی تھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدار الٰہی نصیب ہوا ہے اور ان کے لیے فضیلت کا دروازہ کھلا ہے تو انہوں نے کثرت سے سوال کیا تا کہ اس ہستی کی زیارت کرلیں جس نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔

واستفشق الارواح من نحو ارضکم ۔۔۔ لعلّی اراکم او ازی من یراکم
و انشد من لاقیت عنکم عساکم ۔۔۔ تجوودون لی بالعطف منکم عساکم
فانتم حیاتی ان حییت و ان امُتُ ۔۔۔ فیا حبذا ان متُّ عبد هواکم

ترجمہ: "تمہاری سرزمین سے آنے والی ارواح کا میں مشتاق رہتا ہوں کہ شاید میں تمہیں دیکھ لوں یا انہیں دیکھوں جنہوں نے تمہاری زیارت کی ہو۔ میں جس سے ملاقات کرتا ہوں اسے تمہارے بارے پوچھتا ہوں کہ شاید تم مجھ پر بھی کرم نوازی کردو۔ شاید! تم میری زندگی ہو۔ اگر میں زندہ رہوں۔ اگر میں مرجاؤں تو اگر میں تمہاری محبت کا غلام ہوں تو پھر یہ کتنی اچھی موت ہے۔"

ایک اور شاعر نے لکھا ہے:

و انمّا السِرُّ فی موسی یردّدہٗ ۔۔۔ لیجتلی حسن لیلی حین یشھدہٗ
یبدہ سناھا علی وجه الرسول ۔۔۔ فیا للہ درّ رسول حین اشھد

ترجمہ: "حضرت موسیٰ نے آپ کو بار بار لوٹایا تا کہ وہ اپنے حبیب کا حسن پوری طرح دیکھ لیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر اس کا حسن عیاں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان کتنا کثیر تھا جب میں نے آپ کی زیارت کی۔"

ایک عارف نے لکھا ہے: "جب حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام قرب پر تشریف فرما ہوئے محبت کے جام گردش میں آئے جب واپس آئے تو مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪" (النجم: ۱۱) کا چاند چشمان مقدس کے مابین عیاں تھا۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ⑩ (النجم: ۱۰) کی بشارت نے آپ کے قلب انور اور مبارک کانوں کو بھر دیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گذر آپ کے پاس سے ہوا تو انہوں نے زبان حال سے آپ سے عرض کی:

یا واردًا من اھیل الحیّ یخبرنی ۔۔۔ عن جیرتی شنّف الاسماع بالخبر
ناشدتك اللہ یا راوی حدیثھم ۔۔۔ حدّث فقد ناب سمعی الیوم عن بصری

ترجمہ: "اے قبیلے کے ٹیلے پر اترنے والے مجھے میرے پڑوسیوں کے بارے بتاؤ ان کی خبر دے کر میرے کانوں کو محظوظ کرد۔ اے ان کی داستان بیان کرنے والے! ان کی حکایت شوق سناؤ۔ آج میرے کان میری بصارت کے نائب بن چکے ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زبانِ حال سے فرمایا:

و لقد خلوت مع الحبیب و بیننا سرّ ارق من النسیم اذا سرٰی
و اباح طرفی نظرۃ املتھا فغدوت معروفا و کنت منکرّاً

ترجمہ: "میں نے اپنے یار کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی۔ ہمارے مابین ایک ایسا راز بھی ہے جو بادِ نسیم سے بھی زیادہ نرم اور رقیق ہے۔ جب وہ چلے۔ اس نے میری طرف نظرِ کرم کی۔ جس کی مجھے امید تھی۔ میں معروف ہوگیا حالانکہ پہلے میرا انکار کیا جاتا تھا۔"

(۱۰۵) آپ نے فرمایا: "جب میں واپس لوٹا تو یہ صدا دی گئی: "میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔" اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی حاصل کیا تھا۔

(۱۰۶) حضرت شریک کی روایت کا ظاہر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے آپ سے عرض کی تھی: "آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نیچے تشریف لے جائیں۔" کیونکہ انہوں نے اس کے بعد آپ کا یہ فرمان نقل کیا ہے "میں نمازوں کی تخفیف کے لیے حریم ناز میں اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے حیاء آتی ہے۔" لیکن صحیح موقف یہ ہے کہ یہ گذارش حضرت جبرائیل امین نے کی تھی داؤدی نے اسی کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

(۱۰۷) امام سہیلی نے لکھا ہے "اگر یہ کہا جائے کہ اس پیالے سے پانی پینا کیسے مباح تھا جو کسی اور کی ملکیت میں تھا۔ اس وقت تک نہ کفار کی املاک اور نہ ہی ان کے خون بہانے مباح ہوئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ مسافروں کے لیے صرف پانی ہی نہیں بلکہ دودھ بھی مباح قرار دیتے تھے۔ وہ اپنے چرواہوں کو مقرر کرتے وقت یہ شرط عائد کرتے تھے کہ مسافر کو دودھ سے بھی منع نہ کریں۔ یہ تو پانی ہے۔ عرف کا حکم شریعت میں اصول ہوتا ہے۔ امام بخاری نے کتاب البیوع میں روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت ہند بنت عتبہ سے کہا تھا: "بھلائی کے ساتھ اتنا لے لیا کرو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہو۔"
ہمارے آئمہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے لیے کسی دوسرے کا کھانا اور پانی لینا حلال ہے۔ مالک کے لیے واجب

ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پانی آپ پر قربان کر دے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب:٦)

ترجمہ: "نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔"

(۱۰۸) سورج کے روک لینے کے معجزہ کا تذکرہ معجزات میں آئے گا۔

(۱۰۹) آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ میرے سامنے آ گئی۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔" امام احمد، امام نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "قریش نے اس وقت مجھے کچھ اشیاء کے بارے پوچھا جو مجھے ثابت نہ تھیں۔ میں بہت زیادہ پریشان ہوا اتنا غمزدہ میں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے مسجد کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ قریش مجھ سے جس چیز کے بارے بھی سوال کرتے میں اس کی طرف دیکھ کر انہیں بتا دیتا۔" حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے لیے عیاں کر دیا۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر لوگوں کو بتا رہا تھا: "یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور مسجد اقصیٰ کے مابین سے حجابات اٹھا دیے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے دیکھ لیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد اقصیٰ کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہو حتیٰ کہ آپ اسے دیکھ رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس کی سابقہ روایت سے یہی عیاں ہوتا ہے۔ یہ زیادہ بلیغ معجزہ ہے۔ یہ محال نہیں ہے۔ بلقیس کا عرش آنکھ جھپکنے سے قبل حاضر کر دیا گیا تھا۔ حضرت ام ہانی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ نے فرمایا: "بیت المقدس میرے تصور میں آ گیا۔ میں قریش کو اس کی علامات بتانے لگا۔" اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید اس کی مثالی شکل آپ کے قریب کر دی گئی ہو جیسے کہ آپ نے فرمایا: "میں نے جنت اور آگ کو دیکھا۔" روایت بھی ہے کہ اس کی مثال سامنے لائی گئی۔

(۱۱۰) حضرت شریک کی روایت دیگر روایات سے بارہ امور میں مخالف ہے:

① معراج بعثت سے قبل تھی۔ اس کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے۔

② یہ معراج عالم نیند میں تھی۔ اس کا جواب بھی گزر چکا ہے۔

③ انبیائے کرام کے مقامات آسمانوں پر تھے۔ یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ انہیں مقامات یاد ہی نہ رہے تھے۔ لیکن امام زہری نے بعض جگہوں میں ان کی موافقت کی ہے۔

④ سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا

ہے۔لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ ساتویں یا چھٹے آسمان پر ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔

۵ انہوں نے دونہروں میں بھی مخالفت کی ان سے مراد دریائے نیل اورفرات ہیں۔ان کا عنصر آسمان دنیا ہے۔ ان سے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ نہریں ساتویں آسمان میں ہیں۔یہ سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے ہیں۔

۶ معراج کے وقت آپ کا سینۂ اقدس چاک کیا گیا۔دوسرے راوی کی روایت بھی ان کی موافقت کرتی ہے۔اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے۔

۷ انہوں نے روایت کیا ہے کہ نہر کوثر آسمانِ دنیا پر ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ یہ جنت میں ہے۔

۸ انہوں نے الدنو المتدلی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت جبرائیل تھے۔خطابی نے لکھا ہے کہ اُس کتاب (بخاری) میں اس سے عجیب تر اور کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ قریب ہوا۔پھر وہ اور قریب ہوا حتیٰ کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔اس امر کا تقاضا ہے کہ ان دونوں کے مابین مسافت کی حد بندی کی جائے۔ہر ایک مکان کو تمیز کی جائے۔پھر تدلی میں اس چیز کے ساتھ تشبیہ اور تمثیل ہے جس کا تعلق اوپر سے نیچے سے ہو۔جس تک روایت کا صرف یہ حصہ پہنچا ہے تو اس نے اس قصہ کے نہ تو اول کا اور نہ ہی آخر کا اعتبار کیا ہے۔ اس پر اس کی وجہ سے اور معانی مشتبہ ہو گئے ہیں یا تو اس نے حدیث پاک کا رد کر دیا ہے یا تشبیہ میں گر پڑا ہے۔یہ دونوں غلطیاں ہیں۔لیکن جس نے از اول تا آخر حدیث پاک کا اعتبار کیا ہے۔اس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے یہ خواب تھا کیونکہ آپ نے فرمایا:"وھو نائم... استیقظ"۔بعض روایات میں ضرب المثل بیان کی گئی ہے تاکہ انسان اس اعتبار سے حاصل کر سکے جس پر تعبیر کا معنی پھیرنا لازم ہو۔بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔

الحافظ نے لکھا ہے:"صحیح مؤقف وہی ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے اس شخص کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جس نے یہ کہہ کر ان کی گرفت کی ہے۔"صحیح روایت میں ہے کہ انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔وہ تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے۔"کیونکہ اس نظریہ میں باریک نظری سے کام نہیں لیا گیا۔انبیائے کرام علیہم السلام کے بعض خواب تعبیر قبول کرتے ہیں۔قمیص کی تعبیر کے بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کی:"یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟" آپ نے فرمایا:"دین۔" آپ نے دودھ کی تعبیر علم سے کی۔خطابی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی۔لیکن ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ معراج عالم بیداری میں تھی۔

خطابی نے اس روایت کے بارے لکھا ہے:"اس ساری حکایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے بیان کیا

ہے اسے نہ تو حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے نہ اسے آپ سے نقل کیا ہے۔ نہ ہی آپ کی طرف اضافت کی ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ساری روایت حضرت انس کی طرف سے ہے۔ جہاں تک شریک کی روایت کا تعلق ہے تو ان کی روایت میں بہت زیادہ تفرد پایا جاتا ہے۔ ان میں ایسے منکر الفاظ ہیں جو دیگر راویوں نے بیان نہیں کیے ہیں۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ خطابی نے جو یہ نفی کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو حضور پاک ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس کا کوئی اثر نہیں۔ اس میں کم سے کم معاملہ یہ ہے کہ یہ صحابی کی مرسل روایت ہے یا انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہوگی۔ یا اس صحابی سے سنی ہوگی جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسے امور پر مشتمل ہے جسے اپنی طرف سے نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا اس روایت کا حکم مرفوع روایت کی طرح ہوگا۔ اگر اس میں وہ تاثیر ہوتی جس کا تذکرہ خطابی نے کیا ہے تو اس کو مرفوع روایت کا درجہ کوئی نہ دیتا۔ لیکن محدثین کا عمل اس کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ تفصیل مردود ہے۔ خطابی لکھتے ہیں: "اس روایت تدلّٰی کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے وہ تمام سلف، علماء اور اہلِ تفسیر کے مؤقف کے خلاف ہے۔ اس کے بارے تین اقوال ہیں: (۱) حضرت جبرائیل حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوئے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی تدلّٰی فدنا کیونکہ تدلّٰی دنو کا سبب تھا۔ (۲) آپ نے حضرت جبرائیل کو آتے جاتے دیکھا۔ یہ رب تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھا۔ کیونکہ وہ کسی سہارے کے بغیر ہوا میں آ جا رہے تھے۔ کسی چیز کو پکڑے ہوئے بھی نہ تھے۔ (۳) حضرت جبرائیل قریب ہوئے تو حضور اکرم ﷺ اس نعمت قرب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک کی سند کے علاوہ دوسری سند میں تحریر کیے گئے ہیں۔ انہوں نے ان الفاظ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ الفاظ شریک کے ہیں۔"

الحافظ نے لکھا ہے" امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے فرمان وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ (النجم: ۱۳) سے مراد ہے کہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کے قریب ہوا۔ اس روایت کی سند حسن ہے۔ یہ شاہد ہے جس سے شریک کی روایت کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔" خطابی نے لکھا ہے: "اس روایت میں ایک اور لفظ بھی ہے جس میں شریک متفرد ہیں کسی اور نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ وہ "علا بہ" ہے۔ یعنی حضرت جبرائیل رب تعالیٰ کے پاس گئے۔ آپ نے اپنی جگہ سے ہی عرض کی: "رب خفف عنا" مکان کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا مقام ہے جس میں آپ حضرت جبرائیل امین کے نزول سے قبل جلوہ افروز تھے۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ اخیر متعین ہے۔ سیاق میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ جگہ کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے

جو انہوں نے یہ لکھا ہے کہ سلف اور خلف نے اس مؤقف کی مخالفت کی ہے۔ ہم نے ان کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جنہوں نے اس کی موافقت کی ہے۔ امام قرطبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ قریب ہوا۔" امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس کا امر اور حکم قریب ہوا۔ تدلّی کا اصل معنی ہے کسی چیز کی طرف نزول حتیٰ کہ وہ اس کے قریب ہو جائے۔" ایک قول یہ بھی ہے کہ رفرف حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوا۔ حتیٰ کہ آپ اس پر جلوہ افروز ہو گئے۔ پھر حضور اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ علماء نے یہ اشکال کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ قاضی نے لکھا ہے: "اللہ کی طرف اور یا اس کی طرف سے یہ دنو یا قرب سے مراد قرب مکانی نہیں جو کسی حد پر ختم ہوتا ہو۔ حضور ﷺ کا اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد آپ کی عظیم منزلت کی تعظیم آپ کی شان والا کی تکریم اور اس نعمتِ کبریٰ کا اظہار ہے جو آپ کے علاوہ کسی اور کو عطا نہ کی گئی۔ اس سے مراد معرفت کے انوار کا چمکنا اور غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرنا تھا۔ جیسے کہ حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے: "رب تعالیٰ کی طرف سے دنو کی کوئی حد نہیں فہم یا وہم جس تک پہنچ سکے۔ اس دنو کے بارے کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت جبرائیل کو دنو سے کیسے روک دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ اس معرفت اور ایمان کے قریب ہوئے جو آپ کے قلب انور میں ڈالا گیا تھا۔ آپ اپنے سکون قلب کے ساتھ حریم ناز کے قریب ہوئے۔ سارا شک و شبہ ختم ہو گیا۔ یہ قرب حریم ناز سے بخشا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کی بارگاہ سے انعام، اکرام اور شرف و قدر کے عطیات حاصل کیے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی امیدوں کو کامیاب فرمایا۔ آپ معرفت اور ایمان کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ ثابت تھے۔ آپ کا قلب انور سب سے زیادہ پرسکون تھا۔ رب تعالیٰ کا قرب یا اس کی طرف سے قرب سے مراد یہ ہے کہ اس نے آپ پر بہت زیادہ انعامات و اکرام کیے۔ آپ سے آوازوں کو روک کر آپ کی وحشت کو دور کیا۔ آپ پر عظیم نعمتیں فرما کر آپ کو اکرام سے نوازا۔ رب تعالیٰ کے دنو کی تاویل وہی کی جا سکتی ہے جو آپ ﷺ کے اس فرمان کی تاویل ہے "ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا پر تشریف فرما ہوتا ہے۔ جب کہ رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے۔" اس کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ نزول فضل و کرم، قبول توبہ اور احسان و معرفت کے ساتھ ہوتا ہے۔" واسطی لکھتے ہیں: "جس نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ بذاتِ خود قریب ہوا اس نے وہاں مسافت بنا دی۔ لیکن وہاں مسافت محال ہے کیونکہ جب انسان اس کے قریب ہوتا ہے تو وہ اس سے اتنا ہی دور چلا جاتا ہے۔ یعنی وہ جس قدر اس کے قریب ہوتا ہے وہ دوری میں ہو جاتا ہے۔ یا تو یہ قرب و بعد کی نفی سے کنایہ ہے یا اس کی حقیقت کے ادراک کی نفی سے کنایہ ہے۔ یا اس حقیقت کے ادراک کے

لیے ہے کہ کوئی اس کا ادراک نہیں کرسکتا۔ حق کے لیے کوئی قرب و بعد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس ذات کے لیے محال ہیں۔ جہاں تک رب تعالیٰ کے اس فرمان "فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" کا تعلق ہے تو یہ اس کے کمال علم کی تمثیل ہے۔ وہ قرب سے بلند و برتر ہے۔ دنو کے بارے وہی تاویل کی جاسکتی ہے جو حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان میں کی جاتی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ذراع اس کے قریب ہو جاتا ہوں" یہ ایک تمثیل ہے جو معنی کے افہام کے قریب کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ یعنی جو میری اطاعت کے قریب ہوتا ہے تو اس کو اس کا کئی گنا اجر دیتا ہے۔ "جو چل کر میرے پاس آتا ہے میں بھاگ کر اس کی طرف آتا ہوں" یعنی اسے جزاء دینے میں پہل کرتا ہوں۔ "وہ اجابت اور قبول کے لحاظ سے سب سے قریب ہے۔ وہ احسان کرنے اور امید پورا کرنے اور دگنا ثواب عطا کرنے کے لحاظ سے قریب ہے۔ اسے از روئے مشاکلہ قریب کہا گیا ہے۔

﴿۹﴾ یہ صراحت موجود ہے کہ آپ پانچویں بار تخفیف کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور نہ گئے جبکہ حضرت ثابت کی روایت کا تقاضا ہے کہ آپ ساتویں بار کے بعد تخفیف کے لیے حریم ناز میں نہ گئے۔

﴿۱۰﴾ فعلا بہ الجبار۔ اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔

﴿۱۱﴾ پانچویں بار رجوع کے بعد مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے آپ کو واپس جانے کے لیے کہا تاکہ مزید تخفیف ہو جائے مگر آپ واپس نہ گئے۔

﴿۱۲﴾ بعض روایات میں طشت میں "تور" کا اضافہ ہے۔ آپ نے فرمایا: "میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ جس میں سونے کا "تور" تھا۔ شاید اس سے مراد چھوٹا ٹرے ہو جو بڑے ٹرے میں شامل ہو۔ تاکہ اس سے کچھ بکھرنے نہ پائے۔ جو گرے وہ بڑے ٹرے میں گرے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت شریک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے آپ کے قلب انور کو آب زمزم سے دھویا۔ یہ احتمال ہے کہ ایک طشت میں آب زمزم اور دوسرا ایمان سے بھرا ہوا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تور پانی اور ایمان کے لیے برتن ہو۔ اور ٹرے اس لیے ہوتا کہ غسل کے وقت اس میں موجود چیزیں نیچے نہ گریں۔ وہ ٹرے پر ہی رہیں۔ الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین صاحب البراق والمعراج و قاب قوسین او ادنٰی و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

نماز کیسے فرض ہوئی

امام شافعی، امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، طحاوی، بیہقی، امام نسائی، دارقطنی، الحاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت جبرائیل امین نے بیت اللہ کے پاس مجھے امامت کرائی۔ دوسری روایت میں ہے: ''بیت اللہ کے دروازے کے پاس انہوں نے مجھے دو بار امامت کرائی۔ مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج زائل ہو چکا تھا۔ وہ تسمہ کی مقدار کے برابر ڈھل چکا تھا۔ مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو چکا تھا۔ مجھے نماز مغرب اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو گیا مجھے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کسی چیز کا سایہ اس کی مثل ہو چکا تھا۔ دوسری روایت میں ہے ''جیسے کہ کل عصر کا وقت تھا۔'' پھر مجھے نماز عصر اس وقت پڑھائی۔ جب چیز کا سایہ اس کے دو مثل تھا۔ مجھے مغرب اس وقت پڑھائی جب روزہ افطار کرتا ہے اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا پہلا ثلث گزر چکا تھا۔ مجھے نماز فجر اس وقت پڑھائی جب صبح خوب روشن ہو چکی تھی۔ پھر انہوں نے میری طرف توجہ کر کے کہا: ''اے محمد عربی (جانِ عالم) ﷺ یہ آپ سے پہلے انبیاء (کی نمازوں) کا وقت تھا۔ ان دو اوقات کے مابین نمازوں کا وقت ہے۔'' میں اسی طرح آگاہ ہوا ہوں کہ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو پانچ نمازیں اسی طرح پڑھائی تھیں۔ نمازوں کی رکعتوں کے بارے بعض علماء کا خیال ہے کہ پہلے دو دو رکعتیں فرض کی گئیں تھیں۔ پھر حضر کی نماز میں دو دو کا اضافہ کر کے انہیں چار چار رکعتیں بنا دیا گیا سوائے نماز مغرب کے۔ جبکہ سفر کی نماز میں دو رکعتیں برقرار رکھی گئیں۔ امام شعبی، ابن اسحاق اور میمون بن مہران نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جبکہ دیگر علماء کرام کا خیال ہے کہ مغرب کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں پہلے ہی چار چار رکعتیں فرض کی گئیں تھیں۔ جبکہ صبح کی دو رکعتیں فرض ہوئیں تھیں۔ یہ حسن، نافع، جبیر بن مطعم اور ابن جریر کا موقف ہے۔ بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ حضر میں چار چار اور سفر میں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سارے اقوال کے دلائل المطولات میں مذکور ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم، ابن اسحاق نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر پہلے دو دو رکعتیں فرض ہوئیں پھر حضر میں انہیں چار چار کر دیا گیا اور سفر میں پہلی دو رکعتوں کو برقرار رکھا گیا۔

تنبیہات

❶ نماز کے اوقات کے بارے بعض علماء نے عند البیت اور بعض نے عند بیت الباب کا ذکر کیا ہے یہ امام شافعی، طحاوی اور امام بیہقی کی روایت ہے۔

❷ سابقہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء ظہر کی نماز سے ہوئی تھی۔ لیکن امام مسلم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز فرض کی گئی کہ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو نماز صبح اس وقت پڑھائی جب فجر طلوع ہو چکی تھی...... اسی طرح امام نسائی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ حضرت جبرائیل ہیں جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے ہیں۔" آپ نے نمازِ صبح اس وقت پڑھی جب فجر طلوع ہو چکی تھی۔

❸ ابو عمر نے لکھا ہے "حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی یہ گذارش کہ یہ آپ کی اور آپ سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام کی نمازوں کے اوقات ہیں۔" یہ صرف اس روایت میں ہے جسے حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے قاضی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اس کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ نمازیں انہی اوقات میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر فرض تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: "یہ آپ کے لیے مشروع وقت ہے۔ یعنی وہ وقت جو ان دونوں حدود کے مابین ہے یہ اول و آخر وقت ہے۔ یہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہ السلام کا وقت ہے ان کی نماز بھی اسی طرح دو اوقات کے مابین تھی۔ ورنہ یہ نمازیں ان اوقات میں فرض ہونا صرف اس امت کی خصوصیت ہے دیگر امم پر بعض نمازیں فرض تھیں۔ ابو داؤد نے عشاء کی روایت میں لکھا ہے: "اس نماز کا اہتمام کیا کرو اس نماز کے ذریعے تمہیں دیگر ساری اقوام پر فضیلت دی گئی ہے تم میں سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔" ابو الفتح نے لکھا ہے: "اس سے ان کے لیے وقت کی وسعت سے مراد ہے کہ یہ اس وقت کا اول اور آخر ہے۔ ورنہ اوقات بعینہا وہی ہیں۔

❹ بعض علماء نے "عند البیت" سے ایک اشکال ظاہر کیا ہے کہ آپ ہجرت سے قبل بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ آپ بیت اللہ کو اپنے اور بیت المقدس کے مابین رکھتے ہوں۔ اسی طرح "عند الباب" میں بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ بیت اللہ کے دروازے کے پاس نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز اس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہو۔

⑤ ابن منیر نے لکھا ہے "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضور انور ﷺ کو نماز سکھائیں تو یہ نماز ان پر فرض تھی۔ کیونکہ انہیں اس کا حکم دیا گیا تھا۔ حضور پاک ﷺ کی یہ نماز مفترض کے پیچھے مفترض کی نماز تھی۔

⑥ حربی نے لکھا ہے: "جو پہلے آپ پر نماز فرض کی گئی وہ دن کے وقت دو رکعتیں اور رات کے وقت دو رکعتیں تھیں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "آپ پر دو دو رکعتیں نماز فرض ہوئی پھر حضر میں اضافہ کر دیا گیا۔"

ابو عمر نے لکھا ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں حربی کے مؤقف کی کوئی دلیل نہیں نہ ہی اس کے بارے کوئی صحیح اثر مروی ہے بلکہ اس میں یہ دلیل ہے کہ دو دو رکعتیں جو نماز فرض ہوئی تھی وہ پانچ نمازیں تھیں کیونکہ "الصلاۃ" میں الف لام سے المعہود کی طرف اشارہ ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے: "جو بات ظاہر ہے اور جسے دلائل ظاہر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ شب معراج دو دو رکعتیں نماز فرض کی گئی۔ سوائے مغرب کے پھر ہجرت کے بعد ان میں اضافہ کر دیا گیا۔ سوائے صبح کی نماز کے۔" جیسے ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام بیہقی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سفر و حضر میں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے اور پرسکون ہو گئے تو حضر کی نماز میں دو دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ فجر کی نماز کی طویل قرأت کی وجہ سے اس کی دو رکعتیں ہی رکھی گئیں اور نماز مغرب کی تین رکعتیں رکھی گئیں کیونکہ وہ وتر ہے۔

پھر سفر میں چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کر دی گئی اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تھی۔

وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَكُمۡ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ۝۱۰۱ (النساء: ۱۰۱)

ترجمہ: "اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈر و تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔"

جو کچھ ابن اثیر نے مسند شافعی کی شرح میں لکھا ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال ربیع الاول کے ماہ مبارک میں نماز قصر فرض کی گئی۔ کیونکہ آیۃ الخوف اسی میں اتری تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ہجرت کے پہلے سال ربیع الاول میں فرض ہوئی۔ امام دولابی اور امام سہیلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ ہجرت سے چالیس روز بعد نماز قصر فرض ہوئی۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ تخفیف کے اعتبار سے نماز سفر کو برقرار رکھا گیا کیونکہ وہ اس وقت سے برقرار ہے جب سے اسے فرض کیا گیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قصر عزیمت ہے۔

⑦ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ نماز میں یہ اضافہ نسخ ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب دیا جائے گا کہ دو یا ایک رکعت کا اضافہ حتیٰ

کہ وہ ایک مکمل نماز بن جائے یہ نسخ ہے۔ کیونکہ نسخ کا معنی ہے حکم اٹھا دینا۔ دو رکعتوں کے اجزاء کا حکم اٹھ گیا جس نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا وہ نماز کو فاسد کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ سلام پھیرنے کے بعد نماز پڑھنا چاہے گا تو اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔ الا یہ کہ وہ نماز کو از سرِ نو شروع کرے۔ نسخ سے اجزاء کا حکم اٹھ گیا نماز کی تعداد میں اضافہ کہ پہلے دو تھیں پھر پانچ ہوگئیں۔ امام ابو حنیفہ نے اسے بھی نسخ لکھا ہے۔ یہ زیادتی ان کے نزدیک نسخ ہے۔ لیکن جمہور متکلمین نے اسے نسخ نہیں کہا لیکن یہاں اس تفصیل کی جگہ نہیں ہے۔

❀❀❀❀

انصار کے اسلام کی ابتداء

پہلا باب

انصار کا نسب

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ انصار ناصر کی جمع ہے۔ لیکن ناصر کے الف کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ زائدہ ہے۔ ان کا یہ نام زمانہ جاہلیت میں نہ تھا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے کتاب حکیم میں انہیں اس نام سے موسوم کیا۔

انصار کے دو گروہ تھے:

(۱) اوس

لغت میں اس کا معنی عطیہ یا عوض ہے۔ الزھر میں ہے کہ بکریوں اور گاؤں کو جھڑکنے کو اوس کہا جاتا ہے۔ اس پر الف لام اسی طرح داخل کر دیا گیا ہے جس طرح التیم پر داخل کیا گیا ہے اس کی جمع تیمی آتی ہے۔ یہ روم اور رومی کے باب سے ہے۔ اس طرح کے علم میں الف لام داخل نہیں ہوتا۔

(۲) بنو خزرج

امام سہیلی نے لکھا ہے: "لغت میں ٹھنڈی ہوا کو خزرج کہا جاتا ہے۔ یا خاص جنوب کی ہوا کو خزرج کہتے ہیں۔ زھر میں ہے کہ شدید ہوا کو خزرج کہتے ہیں۔ اوس اور خزرج حارثہ کے بیٹے تھے۔ جو ثعلبہ کا بیٹا تھا۔ اس کی گردن طویل تھی۔ اس لیے اسے العنقاء کہا جاتا تھا۔ یہ عمرو مزیقیاء کا بیٹا تھا۔ اسے یمن کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے یہ لقب ملا تھا۔ یہ روزانہ دو حلے پہنتا

تھا۔ رات کے وقت انہیں پھاڑ دیتا تھا۔ انہیں دوبارہ پہننا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ ابن عامر ماء السماء کا فرزند تھا۔ جب اس کی قوم کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے ان میں اپنا مال بکھیر دیا۔ یہ ان کے لیے آسمان کا پانی ثابت ہوا۔ یہ حارثہ کا بیٹا تھا جو غطریف کے نام سے موسوم تھا۔ لغت میں سردار یا شاہین کے بچے کو غطریف کہا جاتا ہے۔ یہ امرئ القیس کا فرزند تھا۔ اس کا لقب بطریق تھا۔ یہ روم کے قائدین میں سے ایک تھا۔ ابن ثعلبہ۔ اس کا لقب بہلول تھا۔ ابن مازن۔ اس کا لقب زاد السفر تھا۔ ابن الازد۔ ازد کا نام درا تھا۔ بن غوث بن مالک بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔ اس نے سب سے پہلے عربی میں گفتگو کی تھی۔ یہ عرب المتعربہ کا باپ تھا۔ جبکہ حضرت اسماعیل عرب المستعربہ کے باپ تھے۔ اسے سب سے پہلے ابیت اللعن اور عم صباحا کہا گیا۔ زبیر بن بکار کا موقف ہے قحطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اس کے والد کا نام ھمیسع تھا۔ یہ حضرت اسماعیل کے فرزند تھے۔ حضرت ابوہریرۃ نے جب انصار سے کہا تھا: "تلك امكم يابني ماء السماء" تو ان کی مراد یہی نسب تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے "میرے نزدیک یہی موقف راجح ہے۔"

❁❁❁❁

دوسراباب

انصار کی فضیلت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ (الانفال:۷۴)

ترجمہ: "اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔"

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (الحشر:۹)

ترجمہ: "اور (اس حال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔"

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ (الانعام:۸۹)

ترجمہ: "تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لیے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں۔"

حضرت غیلان بن جریر سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا انصار نام تم نے خود رکھا تھا یا اللہ تعالیٰ نے؟" انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہمارا یہ نام رکھا تھا۔" (بخاری، نسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے بنو قیلہ! اللہ تعالیٰ نے میری مدد ایسی

قوم سے فرمائی ہے جو زبان اور بازو کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے۔" بنو قیلہ سے مراد اوس اور خزرج ہیں۔ (الطبرانی)
ابوواقد اللیثی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے سرگوشی کی جسے سن کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا۔ آپ کے خدوخال میں خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ پھر فرمایا: "یہ عامر بن طفیل کا قاصد ہے جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ رب تعالیٰ میری طرف سے اسے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے دو گھرانوں کے ساتھ کافی ہوگیا ہے۔ اے بنو قیلۃ! یعنی انصار۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے اور خواتین دیکھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی شادی سے آرہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "بخدا! تم مجھے سارے لوگوں سے زیادہ پیارے ہو۔" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انصار کی ایک خاتون بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ اس کے ہمراہ اس کا بچہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا: "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے تم مجھے سارے لوگوں سے محبوب ہو۔" آپ نے دو بار اسی طرح فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انصار سے ایک مؤمن ہی محبت کرتا ہے۔ ان سے ایک منافق ہی بغض رکھ سکتا ہے۔ جو ان سے محبت کرتا ہے رب تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے رب تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے جبکہ انصار سے بغض منافقت کی نشانی ہے۔" ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی ایک گلی میں سے گزرے۔ آپ نے انصار کی بچیوں کو سنا وہ دف بجا کر یہ پڑھ رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی نجار   یا حبذا محمد من جار

ترجمہ: "ہم بنو نجار کی بچیاں ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنے عمدہ ہمسائے ہیں۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "انصار کا یہ قبیلہ آزمائش (کسوٹی) ہے۔ ان سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے۔" (امام احمد) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے۔" انہوں نے فرمایا: "ایسا شخص انصار سے بغض نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔" ان ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

نے مجھ سے محبت کی اس نے انصار سے محبت کی جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے انصار سے بغض رکھا۔ منافق ان سے محبت نہیں کرتا۔ مؤمن ان سے بغض نہیں رکھتا۔ جو ان سے محبت کرتا ہے رب تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے رب تعالیٰ ان سے بغض رکھتا ہے لوگ دثار ہیں۔ جبکہ انصار شعار ہیں۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں انصار چلتے۔"

حضرت رباح بن عبد الرحمان نے مرفوع روایت کیا ہے۔ "جس کا وضوء نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں۔ وضوء کے وقت جس نے ذکر نہ کیا اس کا وضوء نہیں ہے۔ جو مجھ پر ایمان نہ لایا اس کا رب تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے۔ جو انصار سے محبت نہیں کرتا اس کا مجھ پر ایمان نہیں ہے۔" حضرت علی بن سبرۃ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: "اے لوگو! وضوء کے بغیر نماز نہیں ہوتی جو وضو کرتے وقت ذکر نہیں کرتا اس کا وضوء نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا۔ اس کا مجھ پر ایمان نہیں جو مجھ پر ایمان نہ لایا اس نے انصار کا حق نہ جانا۔" حضرت حارث بن زیاد نے مرفوع روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس نے انصار سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ جس نے انصار سے بغض رکھا۔ رب تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔" ان سے ہی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے جو شخص انصار سے محبت رکھتا ہے۔ جب وہ رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو رب تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہوگا۔ جو انصار سے بغض رکھے گا وہ رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو رب تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتا ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے دو قبائل اوس اور خزرج نے باہم فخر کیا۔ اوس نے کہا: "ہم میں غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ ہیں ہم میں وہ ذات بھی ہیں جس کی وفات پر عرشِ الٰہی لرز اٹھا تھا یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ ہم میں وہ ہیں جنہیں شہد کی مکھیوں نے گھیر لیا تھا۔ یعنی حضرت عاصم بن ثابت۔ ہم میں وہ ہیں جن کی گواہی دو افراد کی گواہیوں کے برابر قرار دی گئی۔ یعنی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ خزرج نے ہم میں چار ایسے افراد ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں قرآن پاک کو جمع کیا تھا۔ ان کے علاوہ کسی اور نے قرآن مجید جمع نہ کیا۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو زید، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔"

حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس نے انصار سے محبت کی اس سے رب تعالیٰ نے محبت کی جس نے انصار سے محبت کی۔ رب تعالیٰ نے اس سے محبت کی۔" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس نے انصار سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ جس نے انصار سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔" حضرت انس سے روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا۔

حضور اکرم ﷺ نے سرداران قریش کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا تو بعض انصار نے کہا: ''بخدا! یہ عجیب بات ہے۔ ہماری تلواریں قریش کے خون سے آلودہ ہیں۔ ہمارا مال غنیمت انہیں دیا جا رہا ہے۔'' یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں میں مال غنیمت لے کر جائیں اور تم اپنے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ کو لے کر جاؤ۔ اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلتے تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلتا، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ مولا! انصار پر رحم فرما انصار کے بیٹوں اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔'' یہ سن کر انصار رونے لگے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔'' انہوں نے عرض کی: ''ہم حضور اکرم ﷺ کی تقسیم اور حصہ پر راضی ہیں۔'' حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''لوگ دثار ہیں انصار شعار ہیں۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں انصار چلتے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔ جو انصار کے کسی امر کا والی بنے تو ان کے محسن کے ساتھ احسان کرے اور ان کے برے کے ساتھ درگزر کرے۔ جس نے انہیں خوفزدہ کیا تو اس نے اسے خوف زدہ کیا جو ان کے سامنے ہے۔'' آپ نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

جب آپ ﷺ نے غزوہ حنین سے ملنے والا مال غنیمت تقسیم کیا۔ تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: ''اے انصار! کیا رب تعالیٰ نے تم پر احسان نہیں کیا کہ تم ایمان لے آئے۔ اس نے عزت کے ساتھ تمہیں مختص کر دیا۔ تمہیں عمدہ اسماء انصار اللہ وانصار رسولہ کے نام سے یاد فرمایا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور تم دوسری وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں تم چلتے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔'' انصار نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم راضی ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے تم اس کا جواب دو۔'' انصار نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے ہمیں تاریکی میں پایا۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اس سے نکال دیا۔ آپ نے ہمیں آگ کے گڑھے کے کنارے پر پایا رب تعالیٰ نے آپ کے طفیل ہماری نصرت کی۔ آپ نے ہمیں گمراہ پایا رب تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت دی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے رب ہونے، اسلام سے دین ہونے اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جیسے چاہیں کریں۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر تم مجھے کسی اور طریقے سے جواب دیتے تو تم پھر بھی سچے ہوتے۔ اگر تم اس طرح کہتے'' آپ ہمارے پاس تشریف لائے کفار مکہ نے آپ کو نکال دیا تھا۔ ہم نے آپ کو پناہ دی۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے آپ کی نصرت کی۔ ہم نے آپ کی اس چیز کو قبول کیا جسے لوگوں نے رد کر دیا تھا۔ اگر تم اس طرح کہتے تو تم سچے ہوتے۔'' انصار نے کہا: ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا ہے۔

ہمارے علاوہ دیگر لوگوں پر بھی فضل کیا ہے۔" پھر وہ بہت زیادہ روئے۔ حضور اکرم ﷺ بھی ان کے ساتھ رو رہے تھے۔"

(الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ پر کمبل تھا جس نے آپ کے مبارک شانوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ آپ نے سیاہ پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: "امابعد! اے لوگو! لوگ زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ انصار کم ہوتے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ جو تم میں سے ان کے کسی امر کا والی ہے۔ جس میں کسی کو نفع یا نقصان دے سکتا ہو تو وہ ان کے محسن سے قبول کرلے اور ان کے برے سے درگزر کرے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "انصار میرے مخلص اور ہمراز ہیں۔ عنقریب لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے۔ انصار کم ہوتے جائیں گے۔ ان کے محسن سے قبول کر لینا اور ان کے برے سے تجاوز کرنا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما انصار کی ایک محفل کے پاس سے گزرے۔ انصار رو رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا: "تم کیوں رو رہے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہمیں حضور اکرم ﷺ کی محفل یاد آ گئی تھی۔" یہ حضرات حضور والا ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور انصار کی بات بتائی۔ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے اپنے سر اقدس پر چادر کا کنارہ (بطور پٹی) باندھ رکھا تھا۔ آپ منبر پر رونق افروز ہو گئے۔ (اس کے بعد منبر پر رونق افروز نہ ہوئے۔) رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: "میں تمہیں انصار کے بارے وصیت کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھی اور ہمراز ہیں۔ انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ ان کا حق باقی ہے۔ ان کے محسن سے قبول کرلو اور ان کے برے سے تجاوز کرو۔"

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "انصار میرے مخلص اور ہمراز ہیں۔ عنقریب لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے۔ یہ کم ہوتے جائیں گے۔ ان کے محسن سے قبول کر لینا اور ان کے برے سے تجاوز کرنا۔" حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے وہ ساتھی جن کے پاس اہلِ بیت جائیں گے اور میرے ہمراز انصار ہیں ان کے برے سے درگزر کرو ان کے محسن سے قبول کرلو۔" حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ شہدائے احد کے لیے مغفرت طلب کی۔ پھر فرمایا: "اے مہاجرین کے گروہ! تم میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ انصار کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ انصار میرے مخلص ہیں میں ان کے پاس آیا ہوں۔ ان کے معزز کی عزت کرو۔ ان کے برے سے تجاوز کرو۔ انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ ان کا حق باقی ہے۔" امام احمد

نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے بنوھوازن کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''انصار! تم میرے بعد خود غرضی دیکھو گے۔ صبر کرنا حتیٰ کہ تم حوض پر میرے ساتھ ملاقات کرلو۔'' حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں تمہاری قوم کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کے وہ عفیف اور صابر ہیں۔''

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو عورت انصار کے گھروں کے مابین اترے یا اپنے والدین کے سامنے اترے اسے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔'' حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ملائکہ نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ انصار نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ بنوعبدالقیس نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ترکہ اور وراثت ہوتی ہے۔ میرا ترکہ اور وراثت انصار ہیں۔ ان کے بارے مجھے یاد رکھو۔'' آپ نے فرمایا: ''انصار میرے محبوب ہیں۔ میرے دین میں میرے بھائی ہیں۔ میرے دشمن کے خلاف میرے مددگار ہیں۔''

❁❁❁❁

تیسرا باب

انصار میں اسلام کی ابتداء

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی تبلیغ کا انداز یہ تھا کہ جب بھی ایام حج میں لوگ جمع ہوتے تو آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے اور قبائل کو اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ ان پر اپنا آپ پیش کرتے۔ ہدایت اور رحمت پیش کرتے۔ اگر آپ کو پتہ چلتا کہ عرب کا کوئی بااثر شخص مکہ مکرمہ میں آیا ہے تو آپ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ ابن اسحاق نے محمود بن لبید سے عمدہ سند سے روایت کیا ہے کہ ابوالحیسر انس بن رافع مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ہمراہ بنو عبدالاشہل کے کچھ جوان بھی تھے۔ وہ خزرج کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنے آئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے سنا۔ آپ ان کے پاس آئے اور وہاں تشریف فرما ہوگئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس چیز سے بہتر نہ بتاؤں جس کے لیے تم یہاں آئے ہو؟'' انہوں نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' آپ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ انہیں یہ دعوت دوں کہ وہ خدائے یکتا کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔'' پھر آپ نے ان پر اسلام پیش کیا انہیں قرآن پاک پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ نوخیز جوان تھے۔ انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! یہ چیز اس سے بہتر ہے۔ جس کے لیے ہم آئے ہیں۔'' ابوالحیسر نے مٹھی بھر مٹی لی اور اسے ایاس کے چہرے پر دے مارا۔ اس نے کہا: ''ہمیں چھوڑ دو ہم اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آئے ہیں۔'' ایاس خاموش ہوگئے۔ حضور اکرم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ کارواں مدینہ طیبہ آگیا۔ پھر اوس اور خزرج کے مابین جنگ ہوئی۔ پھر ایاس کا انتقال ہوگیا۔ محمود بن لبید نے کہا ہے ''مجھے اس شخص نے بیان کیا ہے جو ان کی موت کے وقت وہاں موجود تھا کہ لوگ لگاتار ایاس کو سنتے رہے۔ وہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہے۔ وہ تکبیر و تسبیح کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا وصال ہوگیا۔ انہیں ذرا شک نہ رہا ان کا انتقال حالت اسلام پر ہوا ہے اسلام اسی مجلس میں ہی ان کے دل میں جاگزیں ہوگیا تھا جس وقت انہوں نے آپ سے اسلام کی تعلیمات سنی تھیں۔

ابوزرعۃ نے اپنی دلائل نبوت میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ معاذ بن رفاعۃ بن رافع اپنے جدامجد سے

روایت کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے خالہ زاد حضرت معاذ بن عفراء عازم سفر ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ جب ثنیہ سے نیچے اترے تو انہوں نے درخت کے نیچے ایک شخص کو دیکھا۔ یہ انصار کے چھ افراد کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تو ہم نے کہا: "ہم اس کے پاس جاتے ہیں اپنی سواریاں اس کے حوالے کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں۔" ہم اس شخص کے پاس گئے۔ اسے اہل جاہلیت کا سلام کہا۔ اس نے ہمیں اہل اسلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا: "آپ کون ہیں؟" اس ہستی نے کہا: "نیچے اترو۔" ہم نیچے اترے۔ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے سن رکھا تھا۔ ہم نے پوچھا: "وہ ذات کہاں ہے جو دعویٰ کرتی ہے، جو کرتی ہے۔ اور کہتی ہے جو کہتی ہے۔" آپ نے فرمایا: "میں ہی وہ ذات ہوں۔" ہم نے عرض کی: "آپ ہم پر اسلام پیش کریں۔" آپ نے اسلام پیش کیا۔ آپ نے پوچھا: "آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی تخلیق کس نے کی ہے؟" ہم نے کہا: "انہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔" آپ نے پوچھا: "تمہیں کس نے بنایا ہے؟" ہم نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے۔" آپ نے پوچھا: "ان بتوں کو کس نے گڑھا ہے جن کی تم پرستش کرتے ہو؟" ہم نے کہا: "ہم نے۔" آپ نے فرمایا: "کیا خالق عبادت کا زیادہ مستحق ہے یا مخلوق۔" ہم نے کہا: "خالق۔" آپ نے فرمایا: "تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ تم اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو۔ تم بتوں کو جانتے ہو۔ رب تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ صلہ رحمی کرو۔ عداوت ترک کرو۔" انہوں نے کہا: "جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں اگر یہ باطل بھی ہو پھر بھی یہ اعلیٰ امور اور عمدہ اخلاق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ آپ ہماری سواریوں کی نگرانی کریں۔ حتیٰ کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں۔" حضرت معاذ آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

حضرت رافع نے فرمایا: "میں گیا۔ میں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ میں نے سات تیر نکالے۔ ایک تیر آپ کے لیے مختص کیا۔ میں نے دعا مانگی: "مولا! جس چیز کی طرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دعوت دے رہے ہیں۔ اگر وہ سچ ہے تو آپ کا تیر سات بار نکال دے۔ سات بار آپ کا ہی تیر نکلا۔ میں پکار اٹھا۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لوگ میرے پاس اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: "یہ پاگل صابی ہو گیا ہے۔" میں نے کہا: "نہیں! میں ایک مومن شخص ہوں۔" پھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب حضرت معاذ بن عفراء نے مجھے دیکھا تو کہا: "رافع! تم اس چہرے سے واپس نہیں لوٹے جو یہاں سے لے کر گئے تھے۔" میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سورۃ یوسف سکھائی۔ سورت علق کی بھی تعلیم دی پھر ہم مدینہ طیبہ واپس آگئے۔

❁❁❁❁

چوتھا باب

یومِ بعاث کا تذکرہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بعاث کی جنگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے لڑی گئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اہلِ مدینہ کی جمعیت منتشر تھی۔ ان کے سردار قتل کیے جا چکے تھے۔ کچھ زخمی تھے۔ انصار کے اسلام میں داخل ہونے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل یہ جنگ ہو چکی تھی۔"

❀❀❀❀

پانچواں باب

بیعت عقبہ اولیٰ

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنا دین حق غالب کرے۔ اپنے نبی کریم ﷺ کو عزت عطا فرمائے اور اپنا وعدہ پورا کرے۔ تو حضور مبلغ اعظم ﷺ ایام حج میں تبلیغ کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے انصار کے چند افراد کے ساتھ ملاقات کی۔ آپ نے قبائل کو کہا کہ وہ آپ کی نصرت و اعانت کریں۔ آپ عقبہ کے پاس تھے کہ بنوخزرج کے ایک گروہ نے آپ کے ساتھ ملاقات کی۔ رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''ہمارا تعلق خزرج کے ساتھ ہے۔'' آپ نے استفسار کیا ''کیا تم یہودیوں کے حلیف ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم بیٹھ نہیں جاتے میں چاہتا ہوں کہ تم سے چند باتیں کروں'' انہوں نے عرض کی: ''ضرور!'' وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان پر اسلام پیش کیا۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ ان کے ساتھ ایک بھلائی یہ بھی تھی کہ یہودی ان کے شہروں میں رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب اور علم والے تھے۔ جبکہ یہ مشرک اور بت پرست تھے۔ ان کے مابین جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جنگ کے وقت یہودی ان سے کہتے ''ایک جلیل اور عظیم نبی جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔ ان کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ہمراہ تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اس گروہ سے گفتگو کی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''اے قوم! جان لو! قسم بخدا! یہ وہی نبی ہیں جن سے یہود تمہیں ڈراتے ہیں۔ ان کے پیغام کو قبول کرنے میں کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے۔ ان کی دعوت پر لبیک کہو۔'' انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔ آپ کی تصدیق کی۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے مابین عداوت و دشمنی پورے جوبن پر ہے۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ آپ کی برکت سے انہیں متحد فرما دے۔ ہم ان کے پاس جا کر آپ کا معاملہ انہیں پیش کریں گے۔ اپنے اس دین سے انہیں بھی آگاہ کریں گے جو ہم نے قبول کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں متحد کر دیا تو پھر ہمیں آپ سے محبوب اور معزز اور کوئی نہ ہوگا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اگلے سال آپ کی خدمت میں آئیں گے۔ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی ہو گئے۔ وہ اپنے شہر لوٹ آئے وہ ایمان لا چکے تھے۔ وہ تصدیق کر چکے تھے۔

بنوخزرج میں سے وہ چھ افراد درج ذیل تھے:

1. بنو نجار میں سے حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ
2. عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
3. بنو زریق میں سے حضرت رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ
4. بنو سلمہ میں سے حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
5. بنو حرام بن کعب میں سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
6. بنو عبید بن عدی میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

ابن ابی حازم نے حضرت ابن اسحاق کی روایت میں عقبہ بن عامر کی جگہ معاذ بن عفراء کا نام لکھا ہے۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ان کی تعداد آٹھ تھی۔ انہوں نے حضرت ذکوان بن عبد قیس اور حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا ہے۔

❀❀❀❀

چھٹا باب

بیعت عقبہ ثانیہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''آئندہ سال حج کے زمانہ میں انصار کے بارہ افراد نے آپ کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی اس طرح بیعت کی جس طرح عورتیں آپ کی بیعت کرتی تھیں۔ یہ ان پر جہاد فرض کرنے سے پہلے کی بات ہے۔ ان خوش بخت افراد میں درج ذیل افراد شامل تھے: حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت ذکوان بن عبد قیس، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عباس بن عبادہ، حضرت قطبہ بن عامر، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عوف بن حارث، حضرت عویم بن ساعدۃ، حضرت مالک بن تیہان، حضرت معوذ بن حارث اور حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہم''

امام بخاری، امام مسلم اور امام بیہقی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ نے ہمیں عورتوں کی طرح بیعت کیا۔ یہ ہم پر جہاد فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ آپ نے ہمیں اس شرط پر بیعت کیا کہ ہم کسی کو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ چوری کریں گے، نہ بدکاری کریں گے، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے، نہ کسی پر ایسا بہتان لگائیں گے جسے ہم نے خود گھڑا ہوگا، اور نیکی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔''

آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو اس بیعت کو پورا کرے گا۔ اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یا جنت ہے۔ جو ان امور میں سے کسی امر میں مبتلا ہو گیا۔ اگر اسے دنیا میں سزا مل گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ اور پاکیزگی ہے۔ جس کے معاملہ کو رب تعالیٰ نے پوشیدہ کر دیا تو اس کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے تو اسے سزا دے چاہے تو اسے معاف کر دے۔'' اس پر ہم نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کر لی۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''جب انصار واپس جانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا۔'' ابن اسحاق نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف اس وقت بھیجا جب انہوں نے انہیں بھیجنے کے لیے عرض کی تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن انہوں نے دوسری بار حاضر ہونے کو

پہلی بار لکھا ہے۔امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کا سیاق زیادہ مکمل ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ انصار کو قرآن پاک پڑھائیں۔اسلام کی تعلیم دیں۔دین کی سوجھ بوجھ سکھائیں۔انہیں مدینہ طیبہ میں المقری یا القاری کہا جاتا تھا۔ ان کا قیام حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اوس ناپسند کرتے تھے کہ ان میں سے بعض بعض کو امامت کرائیں۔

❁❁❁❁

ساتواں باب

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام

ابن ابی دنیا، خرائطی اور امام بیہقی نے عبد المجید بن ابی عیسیٰ سے اور ابن عساکر نے امام بخاری سے تاریخ اوسط میں ابو محمد الکوفی سے روایت کیا ہے کہ قریش نے کسی کہنے والے کو سنا وہ کوہ ابی قبیس کو کہہ رہا تھا۔

فان یسلم اسعد ان یصبح محمد — بمکۃ لا یخشی خلاف المخالف

ترجمہ: "اگر دو سعدوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت ہو جائے گی کہ آپ کو کسی مخالف کی مخالفت کا اندیشہ نہیں رہے گا۔"

صبح کے وقت ابو سفیان نے پوچھا: "یہ دو سعد کون ہیں؟ کیا ان سے مراد سعد بن بکر اور سعد بن ھذیم ہے؟ دوسری رات کسی کی صدا آئی وہ یوں کہہ رہا تھا۔

فیا سعد سعد الاوس کن انت ناصر — و یا سعد سعد الخزرجین العظارف

اجیبا الی داعی الھدٰی و تمنیا — علی اللہ فی الفردوس زلفۃ عارف

فان ثواب اللہ لطالب الھدٰی — جنان من الفردوس ذات زخارف

ترجمہ: "اے قبیلہ اوس کے سعد آپ مددگار بن جائیں اے بنو خزرج کے سردار سعد! تم دونوں ہدایت کے داعی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دو۔ پھر جنت الفردوس کے بلند مقام کی رب تعالیٰ سے تمنا کرو۔ ہدایت کے طالب کے لیے رب تعالیٰ کے ہاں بطور اجر فردوس کے ایسے باغات ہیں جنہیں بہت زیادہ سجایا گیا ہے۔"

قریش کو پتہ چل گیا کہ اس سے مراد حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہما ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن مغیرہ اور عبد اللہ بن ابی بکر نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کو لے کر باہر نکلے وہ چاہتے تھے کہ بنو ظفر اور بنو عبد الاشہل کے پاس جائیں حضرت سعد بن معاذ حضرت

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت اسعد حضرت مصعب کو بنو ظفر کے باغ میں لے گئے۔ مسلمان ان کے پاس جمع ہونے گئے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر بنو عبد الاشہل کے سرداروں میں سے تھے۔ لیکن ابھی تک دولت اسلام نہیں سمیٹی تھی۔ جب انہوں نے حضرت مصعب کے بارے سنا تو سعد نے اسید سے کہا: ''تیرا والد تجھ پر روئے ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہمارے باغ میں آئے ہیں تا کہ ہمارے ضعیف اور کمزور لوگوں کو گمراہ کریں انہیں ڈانٹو انہیں روکو کہ وہ بارِ دگر اس طرف آنے کی جرأت نہ کریں اگر اسعد میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو میں انہیں کافی ہو جاتا وہ میری خالہ کے بیٹے ہیں۔ میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔'' اسید نے اپنا نیزہ لیا اور حضرت اسعد اور حضرت مصعب کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت اسعد نے انہیں آتے دیکھا تو وہ حضرت مصعب سے کہنے لگے ''تمہارے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے۔ اس سے حق تعالیٰ کے بارے سچ کہنا۔'' حضرت مصعب: ''اگر وہ بیٹھ گیا تو میں اس سے بات چیت کروں گا۔'' اسید ان کے پاس آ کر انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے کہا: ''کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تا کہ ہمارے کمزوروں کو گمراہ کرو۔ اگر تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔'' حضرت مصعب: آپ ذرا بیٹھ جائیں۔ چند باتیں تو سنیں۔ اگر وہ پسند آ جائیں تو انہیں قبول کر لینا ورنہ رد کر دینا۔'' اسید: ''آپ نے انصاف کی بات کی ہے۔'' پھر انہوں نے اپنا برچھا زمین میں گھاڑا۔ ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے انہیں تعلیمات اسلامیہ سے آگاہ کیا قرآن مجید سنایا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب نے فرمایا: ''بخدا! ہم نے حضرت اسید کی گفتگو سے قبل ہی ان کے چہرے پر اسلام کا نور دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے کہا: ''یہ کلام کتنا باجمال ہے۔ اگر تم یہ دین اختیار کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو؟'' حضرت مصعب: غسل کرو۔ پاکیزگی حاصل کرو۔ اپنے کپڑے صاف کرو۔ حق تعالیٰ کی گواہی دو۔ پھر نماز ادا کرو۔'' حضرت اسید اٹھے، نہائے، پاکیزہ کپڑے پہنے، دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت اسعد اور حضرت مصعب سے کہا: ''میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے اگر اس نے تمہاری اتباع کر لی تو پھر اس کی قوم کا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اس کا نام سعد بن معاذ ہے۔'' وہ حضرت سعد کے پاس آئے۔ وہ اپنی قوم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! اسید کا چہرہ وہ نہیں جو وہ یہاں سے لے کر گیا تھا۔'' حضرت اسید ان کے پاس آئے تو سعد نے پوچھا: ''کیا بنایا؟'' انہوں نے کہا: ''میں نے ان دونوں سے بات چیت کی ہے مجھے تو کوئی خطرہ نہیں لگا۔ میں نے ان دونوں کو منع کر دیا ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ بنو حارثہ حضرت اسعد کو تہ تیغ کرنے چلے گئے ہیں وہ جان گئے ہیں کہ وہ تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں۔ وہ انہیں قتل کر کے تمہیں تکلیف دینے کے خواہاں ہیں۔'' یہ سن کر حضرت سعد جلدی جلدی اٹھے۔ وہ یہ بات سن کر انتہائی غصے میں تھے۔ انہوں نے اپنا برچھا سنبھالا اور کہا: ''بخدا! تم نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا۔'' وہ حضرت

اسعد اور حضرت مصعب کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ مطمئن اور پرسکون تھے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ حضرت اسید کا ارادہ ہے کہ میں بھی ان کی باتیں سنوں۔ وہ انہیں برا بھلا کہتے ہوئے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے حضرت اسعد کو مخاطب کر کے کہا: ''ابوامامۃ! اگر میرے اور تمہارے مابین قربت نہ ہوتی تو پھر تم کبھی اس کا ارادہ نہ کر سکتے کیا تم ہمارے گھروں میں ہم پر ایسی چیز مسلط کرنا چاہتے ہو جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔'' حضرت اسعد نے حضرت مصعب سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ ''مصعب! آپ کے پاس وہ سردار آ رہا ہے جسے اس کی قوم کا پورا پورا تعاون حاصل ہے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر ان کی قوم کے دو افراد بھی باقی نہیں رہیں گے۔'' حضرت مصعب نے حضرت سعد سے کہا: ''کیا آپ بیٹھ کر ہماری باتیں نہیں سنیں گے۔ اگر وہ اچھی لگیں تو انہیں قبول کر لینا اگر پسند نہ آئیں تو انہیں ترک کر دینا۔'' حضرت سعد: ''تم نے سچ کہا ہے۔'' انہوں نے اپنا برچھا ایک طرف گاڑھا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے ان پر اسلام پیش کیا۔ قرآن پاک سنایا۔ یہ دونوں حضرات کہتے ہیں ''ہم نے پہلے ہی حضرت اسعد کے چہرے سے ایمان کا نور دیکھ لیا تھا۔ حضرت سعد نے پوچھا: ''جب تم اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''آپ غسل کر لیں پاکیزگی حاصل کریں۔ عمدہ کپڑے پہنیں۔ حق تعالیٰ کی گواہی دیں اور دو رکعت نماز ادا کریں۔'' حضرت سعد اٹھے۔ غسل کیا صاف کپڑے پہنے۔ رب تعالیٰ کی شہادت دی پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اپنا برچھا لیا اور اپنی قوم کی طرف آنے لگے۔ ان کے ہمراہ حضرت اسید بھی تھے۔ جب قوم نے آتے دیکھا تو اس نے کہا ''سعد تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہے جس چہرہ کے ساتھ وہ یہاں سے گئے تھے۔ وہ اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ''اے بنو عبد الاشہل! میری حیثیت اور وقعت تم میں کیا ہے؟'' قوم نے کہا: ''آپ ہمارے سردار ہیں۔ رائے کے اعتبار سے فاضل ہیں۔ عقل کے اعتبار سے دانا ہیں۔'' حضرت سعد: ''تم تمام مردوں اور عورتوں سے میری گفتگو اس وقت تک حرام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔'' حضرت اسعد اور حضرت مصعب نے فرمایا: ''بخدا! شام تک بنو عبد الاشہل کے سارے مرد و خواتین حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ دونوں حضرت اسعد کے گھر آ گئے اور لوگوں کو دین حق کی طرف بلانے لگے۔ انصار کے سارے مرد اور خواتین دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے۔ مگر بنو امیہ بن زید، خطمہ اور واقف اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے۔ یہ اوس اللہ کہلاتے تھے۔ یہ اوس بن حارثہ میں سے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ابو قیس بن اسلت تھا۔ اس کا نام صیفی تھا۔ یہ ان کا شاعر اور قائد تھا۔ یہ اس کی بات سنتے تھے اور اطاعت بجا لاتے تھے۔ اس نے انہیں اسلام سے روکے رکھا۔ یہ اسی حالت پر رہے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہو گئے۔ اور غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق بھی گزر گیا۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے لکھا ہے کہ اس ابوقیس نے زمانہ جاہلیت میں رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ یہ موٹے کپڑے پہنتا تھا۔ بتوں سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔ یہ جنابت سے غسل کرتا تھا۔ حائضہ عورتوں سے دور رہتا تھا۔ اس نے عیسائی بننے کا ارادہ کیا پھر اپنے اس ارادہ سے باز آ گیا۔ یہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا ایک مسجد بنا لی۔ جس میں جنبی اور حائضہ داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ کہتا: "میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی پوجا کرتا ہوں۔ اس کے بتوں کو چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا یہ بہت عمر رسیدہ تھا۔ یہ حق کی باتیں کرتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں رب تعالیٰ کی تعظیم بجالاتا تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے اشعار بھی لکھے تھے۔

❁❁❁❁

آٹھواں باب

بیعت عقبہ ثالثہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سال تک حضور اکرم ﷺ اس طرح تبلیغ فرماتے رہے کہ آپ مجنہ اور عکاظ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایام حج میں منیٰ میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ فرماتے: "مجھے پناہ کون دے گا؟ میری مدد کون کرے گا؟ حتیٰ کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچا لوں اس کے لیے جنت ہے۔" آپ نے کسی کو نہ پایا جو آپ کو پناہ دیتا آپ کی مدد کرتا۔ حتیٰ کہ ایک شخص مضر یا یمن سے چلتا وہ اپنی قوم اور رشتہ داروں کے پاس آتا وہ اسے کہتے: "قریش کے اس جوان سے بچنا۔ وہ تجھے فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔ آپ ان کے خیموں کے پاس سے گزرتے۔ وہ اپنی انگلیوں سے آپ کی طرف اشارہ کرتے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہمیں یثرب سے آپ کے پاس بھیج دیا۔ ہم میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا وہ آپ پر ایمان لاتا آپ اسے قرآن پاک سناتے وہ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاتا وہ بھی اسلام لے آتے۔ یثرب کے سارے گھروں میں اسلام کا اجالہ پھیل گیا۔ پھر رب تعالیٰ نے ہمیں بھیج دیا۔ ہم نے باہم مشاورت کی اور یہ طے کیا کہ حضور اکرم ﷺ کب تک مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں گھومتے رہیں گے۔ ہمارے ستر افراد عازم سفر ہوئے۔ ایام حج میں آپ سے ملاقات کی۔ ہم نے عقبہ کی گھاٹی میں آپ سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ ہم ایک ایک دو دو کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کی خدمت میں سارے حاضر ہو گئے۔ ہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا: "تم اس امر پر میری بیعت کرو کہ تم ہر چستی اور سستی کے عالم میں میری اتباع کرو گے۔ آسائش اور تنگی میں خرچ کرو گے۔ نیکی کا حکم دو گے برے کام سے روکو گے اور رب تعالیٰ کے بارے حق کہو گے کسی ملامت گر کی ملامت کا تمہیں خوف نہیں ہوگا۔ جب میں یثرب آؤں گا تو تم میری مدد کرو گے۔ تم ہر اس امر سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں، بیویوں اور بیٹوں کا دفاع کرتے ہو تمہارے لیے جنت ہے۔"

ہم نے اٹھ کر آپ کی بیعت کی۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے آپ کا دست اقدس تھام لیا۔ وہ سوائے میرے باقی سارے حاضرین سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے کہا: "اے اہلِ یثرب! ذرا ٹھہرو! ہم اپنی سواریوں پر سوار ہو کر آپ کی طرف

صرف اس لیے آئے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔آپ کو آج لے جانا گویا کہ سارے عرب کے ساتھ جنگ ہے۔تمہارے بہترین افراد کا قتل ہونا ہے۔تلواروں کا کام ہی زخمی کرنا ہے۔اگر تم تلواروں کے زخموں پر صبر کر سکتے ہو۔اپنے سرداروں کے قتل پر صبر کر سکتے ہو سارے عرب سے جنگ کر سکتے ہو تو انہیں حاصل کر لو۔اس کا اجر و ثواب رب تعالیٰ کے پاس ہے۔اگر تمہیں اپنے بارے کچھ خطرہ ہے۔تو پھر انہیں چھوڑ دو۔یہ بات رب تعالیٰ کے ہاں تمہارے معذور ہونے کے لیے بہتر ہے۔" ہم نے کہا:"اسعد بن زرارہ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔بخدا! ہم اس بیعت کو ترک نہیں کریں گے۔ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ہم اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ایک ایک کر کے ہم نے آپ کی بیعت کی۔ آپ نے اپنی شرائط پیش کیں اور ان کے پورا کرنے والے کے لیے جنت کا وعدہ کیا۔(امام احمد، بیہقی)

ابن اسحاق نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:"ہم عازم سفر ہوئے ہمارے ساتھ ہماری قوم کے مشرک لوگ بھی تھے۔ہم نماز بھی ادا کرتے رہے اور دین کے مسائل بھی سیکھتے رہے۔ہمارے مابین حضرت براء بھی تھے۔وہ ہمارے سردار تھے۔ہم سب سے عمر رسیدہ تھے۔" حاکم نے یہ اضافہ کیا ہے"ہماری تعداد پانچ سو تھی جب ظاہر البیداء تک پہنچے تو انہوں نے کہا:"اے میرے ہمسفرو! میرا ایک مشورہ ہے میں نہیں جانتا کہ تم اس میں میری مخالفت کرو گے یا موافقت۔" ہم نے پوچھا:"وہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا:"میں نہیں چاہتا کہ میں اس عظیم عمارت کعبہ معظمہ کی طرف پشت کروں۔میں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔" ہم نے کہا:"بخدا! ہمیں تو یہی خبر ملی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کی طرف منہ مبارک کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ہم آپ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے۔" انہوں نے کہا:"میں تو کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھوں گا۔" ہم نے ان کی بات نہ مانی۔وقتِ نماز ہوتا تو ہم شام کی طرف منہ کر لیتے جب کہ حضرت براء خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیتے۔حتیٰ کہ ہم خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ہمیں حضرت براء کا یہ عمل اچھا نہیں لگتا تھا۔مگر ان کا یہی اصرار تھا۔مکہ معظمہ پہنچ کر انہوں نے مجھے کہا:"میرے بھتیجے! آؤ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرتے ہیں۔اور اس مسئلہ کے بارے آپ سے استفسار کرتے ہیں جو میں نے اختیار کیا ہے۔تمہاری مخالفت کی وجہ سے میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔"

ہم آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی تلاش میں نکلے۔ہم نے اس سے قبل آپ کو دیکھا ہوا نہ تھا۔ہم مکہ مکرمہ کے ایک باسی سے ملے۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے پوچھا۔اس نے کہا:"کیا تم آپ کو پہچانتے ہو؟" ہم نے کہا:"نہیں۔" اس نے کہا:"کیا تم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو جانتے ہو؟" ہم نے کہا:"ہاں! ہمارا حضرت عباس سے تعارف تھا۔وہ تجارت کی غرض سے ہمارے پاس آتے جاتے تھے۔" اس نے کہا:"جب تم مسجد حرام میں جاؤ گے تو جو ہستی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس کے

پاس تشریف فرما ہوگی وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوں گے۔" جب ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حضرت عباس وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس ہی جلوہ افروز تھے۔ہم نے سلام عرض کیا اور وہیں بیٹھ گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"اے عباس! کیا آپ ان دو افراد کو جانتے ہیں؟" انہوں نے عرض کی:"ہاں! یہ اپنی قوم کے سردار حضرت براء اور یہ کعب بن مالک ہیں۔"

حضرت کعب فرماتے ہیں:"بخدا! مجھے آپ کا یوں کہنا کبھی نہیں بھولے گا" وہ کعب جو شاعر ہیں۔" انہوں نے عرض کی:"ہاں!" حضرت براء نے عرض کی:"یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب میں اس سفر پر روانہ ہوا۔تو توفیق الٰہی سے میں نے اسلام قبول کر لیا۔میں نے اس مبارک عمارت کی طرف پشت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں اسی کی سمت منہ کر کے نماز پڑھتا رہا۔میرے ساتھیوں نے میری مخالفت کی۔جس کی وجہ سے میرے دل میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔حضور والا! آپ کی اس کے بارے رائے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:"تم ایک قبلہ پر تھے کاش! تم اس پر صبر کر لیتے۔" یہ سن کر حضرت براء بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبلہ کی طرف لوٹ آئے اور شام کی طرف منہ کر کے ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے رہے۔ان کے اہل کا خیال یہ ہے کہ شاید وہ تاوقت وصال ہی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں۔ہم انہیں ان سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ابن ہشام کہتے ہیں کہ عون بن ایوب الانصاری کہتے ہیں:

و منّا المصلّی اول الناس مقبلا　　　علی کعبۃ الرحمٰن بین المشاعر

ترجمہ: "ہم میں سے ہی وہ شخص تھا جس نے رحمان کے مشاعر میں سے سب سے قبل خانہ کعبہ کی طرف منہ کیا۔"

شاعر کی مراد حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

حضرت کعب نے فرمایا:"پھر ہم ادائیگی حج کے لیے چلے گئے۔ہم نے ایام تشریق کے وسط میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو وہ رات آگئی جس کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے کیا تھا۔ابن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے۔"اس مبارک گروہ نے آپ سے یہ وعدہ کیا کہ جب لوگ سکون سے سو جائیں گے تو وہ منیٰ میں اترتے ہوئے دائیں جانب گھاٹی میں آپ سے ملاقات کریں گے۔جہاں آج کل مسجد بیعت ہے۔آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ سوتے ہوئے کو نہ جگائیں اور غائب کا انتظار نہ کریں۔"

حضرت کعب فرماتے ہیں:"جب ہم حج سے فارغ ہو گئے تو وہ رات بھی آگئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کا ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ہمارے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔وہ ہمارے راہ نماؤں اور سرداروں میں سے تھے۔ہم نے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ہم اپنا معاملہ مشرک قوم سے چھپا رہے تھے۔ہم نے عبداللہ سے کہا:"ابوجابر! آپ ہمارے

سردار ہیں ہم نہیں چاہتے کہ آپ جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں۔" ہم نے انہیں اسلام کے چشمہ صافی کی طرف بلایا۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات کے بارے بتایا۔ انہوں نے دولت اسلام سمیٹ لی اور ہمارے ہمراہ عقبہ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ اس رات ہم اپنے خیموں میں سو گئے جب رات کا تہائی حصہ بیت گیا تو ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ ہم قطا کی مانند چھپتے چھپاتے نکل آئے۔ عقبہ کے پاس ہم ایک گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہمارے ہمراہ دو خواتین بھی تھیں۔ (۱) حضرت ام عمارہ نبیبہ رضی اللہ عنہا وہ بنو مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ (۲) حضرت ام منیع اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہا۔ ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔ ہم اس گھاٹی میں بیٹھ کر آپ کا انتظار کرنے لگے۔" ابن سعد اور ابو معشر نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پہلے تشریف لا چکے تھے آپ ان کا انتظار کر رہے تھے۔"

حضرت کعب نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے۔ وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر ہی تھے۔ لیکن انہوں نے پسند کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کے اس معاملہ میں شرکت کریں اور اس معاہدہ کی توثیق کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف فرما ہو جانے کے بعد حضرت عباس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے کہا: "اے خزرج کے گروہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں کس حیثیت کے مالک ہیں تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے ان کی بھرپور حفاظت کی ہے۔ اس حفاظت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنی رائے میں ہم سے متفق نہ تھے۔ یہ اپنی قوم میں معزز ہیں اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس جائیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں اگر تم جانتے ہو کہ تم ان کے ساتھ کیے گئے عہد کو نبھا سکو گے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کر سکو گے تو پھر یہ بار گراں تمہیں مبارک ہو۔ لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہجرت کے بعد انہیں دشمن کے سپرد کر دو گے اور انہیں رسوا کر دو گے تو ابھی وقت ہے۔ انہیں چھوڑ دو۔ یہ اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔"

امام احمد نے حضرت ابو مسعود بدری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ آپ نے عقبہ کے پاس درخت کے نیچے ستر انصار سے ملاقات کی۔" آپ نے فرمایا: "تم میں سے جو گفتگو کرنے والا بات کا آغاز کرے۔ وہ گفتگو طویل نہ کرے۔ مشرکین کے جاسوس تمہارے تعاقب میں ہیں۔ اگر انہیں تمہارے بارے پتہ چل گیا تو وہ تمہیں رسواء کر دیں گے۔" ہم نے عرض کی: "عباس! آپ نے جو کچھ کہا ہے ہم نے سن لیا ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ بھی کچھ بیان کریں۔ اپنے لیے اور اپنے رب تعالیٰ کے لیے جو پسند کریں لے لیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو فرمائی۔ قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اسلام کی طرف ترغیب دی۔ پھر فرمایا: "میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم ہر چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کا دفاع کرتے ہو۔" حضرت

براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک تھاما اور عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بالکل! ہم آپ کی حفاظت ہر اس چیز سے کریں گے جس سے ہم اپنی بیویوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ ہمیں بیعت فرمالیں۔ ہم جنگی چالوں میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ ہمارے دوست واحباب کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ہم نسل درنسل اس کے وارث ہیں۔" اس کے بعد حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے اور یہودیوں کے مابین معاہدے ہیں۔ ہم انہیں ختم کر دیں گے۔ ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ دے تو آپ اپنی قوم کے پاس آجائیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔ پھر فرمایا: "تمہاری پناہ میری پناہ اور تمہاری حرمت میری حرمت ہے۔ میں تم سے اور تم مجھ سے ہو میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم جنگ کرو گے۔ میں اس سے صلح کروں گا جس سے تم صلح کرو گے۔"

حضرت کعب نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خود میں سے مجھے بارہ نقیب دو۔ جو اپنی قوم میں اس وقت فیصلہ کریں جب ان میں اختلاف رونما ہو۔" آپ نے ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے نو کا تعلق خزرج سے اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔ خزرج میں سے حضرت ابوامامۃ اسعد بن زرارہ۔ یہ بنو نجار کے نقیب تھے۔ حضرت رافع بن مالک یہ بنو زریق کے نقیب تھے۔ حضرت سعد بن ربیع۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ یہ بنو حارث کے نقیب تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ۔ حضرت منذر بن عمرو یہ بنو ساعدۃ کے نقیب تھے۔ حضرت براء بن معرور، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبادہ بن صامت۔ اوس میں سے حضرت اسید بن حضیر، یہ بنو عبدالاشہل کے نقیب تھے۔ رفاعۃ بن عبدالمنذر اور حضرت سعد بن خثیمہ۔ عمرو بن عوف کے نقیب تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابن اسحاق کہتے ہیں "مجھے عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نقباء سے کہا: "تم اپنی قوم کے اس طرح کفیل ہو جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کفالت کی تھی۔ میں اپنی قوم کا کفیل ہوں۔" انہوں نے عرض کی: "بالکل" ابن ہشام لکھتے ہیں "اہل علم حضرت ابوالہیثم کو تو نقیبوں میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت رفاعۃ کو ان میں شمار نہیں کرتے۔"

امام بیہقی نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے انصار کے ایک بزرگ نے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیل اشارہ کر رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسے نقیب بنائیں۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں: "میں پریشان تھا کہ یہ کیسے ہوا۔ دو شخص ایک قبیلہ سے اور ایک شخص دوسرے قبیلے سے نقیب بنایا گیا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ روایت بیان کی گئی کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارہ کر رہے تھے۔" ابونعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقیب بنائے تو فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وجہ سے اپنے دل میں کچھ ترذد نہ پائے۔ میں نے اسے نقیب بنایا ہے جن کی طرف حضرت جبرائیل نے اشارہ کیا ہے۔" روایت ہے کہ آپ نے اسعد

بن زرارہ کو نقیبوں کا نقیب بنایا۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو بنو نجار حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی کہ آپ ان میں سے کسی اور کو نقیب بنا دیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم میرے ننھال ہو۔ میں تمہارا نقیب ہوں''۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ ناپسند فرمایا کہ آپ کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نقیب بنائیں۔ امام سہیلی لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اقتداء کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے بارہ نقیب بنائے۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ط (المائدہ:۱۲)

ترجمہ: ''اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار۔''

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے متعلق درج ذیل اشعار لکھے تھے:

فابلغ ابيًّا انه قال رايه　　و حان غداة الشعب والحين واقع

ترجمہ: ''ابی تک یہ پیغام پہنچا دو کہ جو اس نے اپنی رائے سے کہا ہے وہ غلط نکلا ہے۔ شعب ابی طالب کی صبح گزر چکی ہے اب موت واقع ہونے والی ہے۔''

ابى الله ما منتك نفسك انه　　بمرصاد امر الناس راءٍ و سامع

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے انکار فرما دیا ہے کہ وہ ان خواہشات کو پورا کرے جو تیرے نفس نے کیں ہیں وہ دیکھنے والا، سننے والا اور لوگوں کا نگران بھی ہے۔''

و ابلغ اباسفيان ان قد بدالنا　　باحمد نور من هدى الله ساطع

ترجمہ: ''ابوسفیان تک بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات والا میں ہدایت الٰہیہ کا پھیلنے والا نور نکلا ہے۔''

فلا ترغبن فى حشد امر تريده　　والب و جمع كل ما انت جامع

ترجمہ: ''اس معاملہ میں رغبت نہ کر جسے تو پورا کرنے کی تمنا کرتا ہے تو جو کچھ جمع کرنا چاہتا ہے اسے جمع کر لے۔ سب کو اکٹھا کر لے۔''

و دونك فاعلم ان نقص عهودنا　　اباه عليك الرهط حين تبايعوا

ترجمہ: ''خوب سمجھ لے کہ ہمارے قبیلے نے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس عہد کو توڑے جو اس نے حضور اکرم ﷺ سے کیا تھا۔''

اباه البراء و ابن عمرو كلاهما　　واسعد ياباهٗ عليك و رافع

ترجمہ: ''حضرت براء اور حضرت ابن عمرو دونوں نے یہ عہد توڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسی طرح حضرت اسعد

اور حضرت رافع نے اس کا انکار کر دیا ہے۔"

و سعد اباہ الساعدی و منذر　　لانفك ان حاولت ذلك جادع

ترجمہ: "حضرت سعد جن کا باپ ساعدی ہے اور حضرت منذر نے بھی یہ معاہدہ توڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ اگر تو نے کوشش کی تو تیری ناک کٹ جائے گی۔"

وما ابن ربیع ان تناولت عهده　　بمسلمه لا یطمعن ثم طامع

ترجمہ: "حضرت ابن ربیع بھی یہ عہد نہیں توڑیں گے خواہ تو کتنی ہی کوشش کر لے وہ حضور ﷺ کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے۔"

و ایضا فلا یعطیکه ابن رواحة　　و اخفاره من دونه اسم ناقع

ترجمہ: "اس معاملہ میں حضرت ابن رواحہ بھی تیری پیروی نہیں کریں گے۔ یہ بیعت توڑنا ان کے لیے زہر ہلاہل ہے۔"

و فاءٌ به والقو قلّی ابن صامت　　بمندوحة عما تحاول یافع

ترجمہ: "یہ سارے آپ کے ساتھ وفاء کرنے والے ہیں۔قو قلی بن صامت میں بھی اتنی وسعت ہے کہ وہ اس امر کو روک لے جس کا تو ارادہ کر رہا ہے۔"

ابوهیثم ایضًا و فیّ بمثلها　　وفاءٌ بما اعطی من العهد خانع

ترجمہ: "حضرت ابوہیثم بھی باوفا ہیں اور وہ اپنے معاہدہ کو نبھانے والے ہیں۔ جو معاہدہ بھی وہ کر لیں۔"

وما ابن حضیر ان اردت بمطمع　　فهل انت عن احموقة الغیّ نازع

ترجمہ: "اگر تو حضرت اسید کے پاس اپنا لالچ لے کر جائے گا تو وہاں بھی کامران نہ ہو گا۔ کیا تو اپنی ہلاکت سے باز آئے گا یا نہیں۔"

و سعد اخو عمرو بن عوف فانه　　فروح لما حاولت للامر مانع

ترجمہ: "حضرت سعد عمرو بن عوف کے بھائی بھی تیرے عزم کو قدم کی ٹھوکر سے اڑانے والے ہیں۔ وہ اس معاملہ کو روکنے والے ہیں۔"

اولاك النجوم لا یغبك منهم　　علیك بنحس فی دجی اللیل طالع

ترجمہ: "یہ سارے تاباں ستارے ہیں جو رات کی ظلمت میں تیرے لیے نحوست لے کر طلوع ہوں گے۔"

حضرت کعب نے حضرت ابوالہیثم کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے رفاعۃ کا ذکر نہیں کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ''مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے روایت کیا ہے کہ جب یہ لوگ بیعت کے لیے اکٹھے ہوئے تو حضرت عباس بن عبادہ نے انہیں کہا: ''اے خزرج کے گروہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم آپ کی بیعت کس امر پر کر رہے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں۔'' حضرت عباس: ''تمہاری یہ بیعت اس امر پر ہے کہ تم ہر کالے اور سرخ سے جنگ لڑو گے۔ ذرا سوچ لو۔ جب تمہارے مال تباہ ہونے لگیں جب تمہارے سرداروں کے سر کٹنے لگیں تو ایسا نہ ہو کہ تم آپ کو چھوڑ دو۔ یہ دنیا اور آخرت کی ذلت ہوگی۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے اموال کی ہلاکت اور سرداروں کے قتل کے باوجود ان سے وفا کرو گے تو پھر یہ دامن کرم مضبوطی سے تھام لو۔ اللہ کی قسم! دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔'' انہوں نے کہا: ''ہم اپنے اموال کی بربادی اور اپنے سرداروں کی ہلاکت کے باوجود آپ کو ہی ترجیح دیں گے۔'' وہ عرض گزار ہوئے: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر ہم نے وفاء کی تو ہمیں کیا ملے گا؟'' آپ نے فرمایا: ''جنت'' وہ عرض پیرا ہوئے ''اپنا دست اقدس آگے بڑھائیں۔'' آپ نے اپنا دست ہدایت بخش آگے کیا تو انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔''

حضرت عاصم نے فرمایا: ''قسم بخدا! حضرت عباس نے یہ بات اس لیے فرمائی تھی تاکہ حضور اکرم ﷺ کی بیعت کا قلادہ ان کی گردنوں میں مضبوطی سے پڑے۔'' حضرت عبداللہ بن ابی بکر فرماتے ہیں: ''انہوں نے یہ بات اس لیے کی تھی تاکہ یہ لوگ اس رات اس بیعت کو مؤخر کر دیں ان کی امید تھی کہ عبداللہ بن ابی بھی آجائے گا۔ اور انہیں تقویت مل جائے۔'' اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا؟

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنونجار کا خیال ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی تھی۔ جبکہ بنوعبدالاشہل کہتے ہیں کہ یہ سعادت عظمیٰ سب سے پہلے حضرت ابوالہیثم نے حاصل کی تھی۔ جبکہ حضرت کعب نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ پھر دیگر لوگوں نے بیعت کی۔

جب ہم نے بیعت کر لی تو عقبہ کی چوٹی سے شیطان باآواز بلند چلایا۔ یہ آواز ان ساری آوازوں سے اونچی تھی جو میں نے سنی تھی۔ اس نے کہا: ''اے اہل حباحب! کیا تمہیں علم ہے کہ مذمم اور صابی تمہارے خلاف جنگ لڑنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں۔'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ عقبہ کا شیطان ہے یہ ازب کا بیٹا ہے۔ اے اللہ کے دشمن! سن لے بخدا! میں تیرے لیے ضرور فارغ ہوں گا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔'' حضرت عباس بن عبادۃ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ پسند کریں تو ہم صبح ہی اپنی تلواریں لے کر اہل منیٰ پر ٹوٹ پڑیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ہمیں ابھی اس کا حکم نہیں ملا۔ تم اپنے اپنے خیموں میں چلے

جاؤ۔" حضرت کعب فرماتے ہیں: "پھر ہم اپنے خیموں میں آ گئے وہاں صبح تک سوئے رہے۔"

سلیمان بن طرحان التیمی نے اپنی کتاب السیر میں لکھا ہے کہ جب ان انصار نے اسلام قبول کر لیا تو ابلیس چلایا:

"اگر تمہیں محمد عربی ﷺ سے کوئی حاجت ہے تو فلاں جگہ پہنچ جاؤ۔ یثرب کے باسیوں نے ان کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔"

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نیچے آئے۔ قوم میں سے انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ابلیس کی اس چیخ و پکار پر قریش پر معاملہ سخت ہو گیا۔ مشرکین اور انصار کے مابین معاملہ عظیم ہو گیا قریب تھا کہ ان کے مابین جنگ ہو جاتی۔ پھر ابوجہل نے ان ایام میں جنگ کو ناپسند کیا۔ اس نے کہا: "اے اوس اور خزرج کے گروہ! تم ہمارے بھائی ہو۔ تم نے ایک عظیم امر کو اختیار کیا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ تم اپنے صاحب کی وجہ سے ہم پر غالب آ جاؤ۔ حضرت حارثہ بن نعمان نے کہا: "ہاں! تیری ناک خاک آلود ہو۔ اگر ہم جان لیتے کہ حضور پاک ﷺ کا حکم ہے کہ تجھے باہر نکال دیں تو ہم تجھے باہر نکال دیتے۔" ابوجہل نے کہا: "ہم یہ امر تمہیں پیش کرتے ہیں کہ ہم تین ماہ بعد حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کو تمہارے ساتھ ملا دیں گے۔ ہم تمہیں ایسا معاہدہ لکھ کر دیں گے جس سے تم راضی ہو جاؤ گے۔ ہم محمد عربی ﷺ کو بھی نہیں روکیں گے۔" انصار نے کہا: "ضرور! اگر حضور اکرم ﷺ اس پر راضی ہو جائیں۔"

حضرت کعب نے فرمایا: "قریش نے کہا: "اے خزرج کے گروہ! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس صاحب کے پاس آئے ہو تا کہ انہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ تم نے ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لیے ان کی بیعت بھی کر لی ہے۔ بخدا! اس سے ناپسندیدہ تر امر اور کوئی نہیں کہ ہمارے اور تمہارے مابین جنگ ہو۔" اس وقت ہم میں سے مشرک اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا: "کسی بھی ایسے واقعہ کا ظہور نہیں ہوا۔ نہ ہی ہمیں اس کا کچھ علم ہے۔ انہوں نے سچ ہی بولا تھا۔ انہیں اس بیعت کے بارے کوئی علم نہ تھا۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر قریش کے وہ افراد اٹھ کر جانے لگے۔ ان میں حارث بن ہشام بھی تھا۔ اس نے نئے جوتے پہن رکھے تھے۔ میں نے اس سے ایک بات کی گویا کہ میں چاہتا تھا کہ میں بھی اس بات چیت میں شرکت کروں۔ میں نے کہا: "ابو جابر! تم تو سردار ہو۔ کیا تم مجھے اس طرح کا جوتا خرید کر نہیں دے سکتے جس قسم کا جوتا اس قریشی جوان نے پہن رکھا ہے۔" میری بات حارث نے بھی سن لی۔ اس نے جوتے اتار کر میری طرف پھینک دیے۔ اس نے کہا: "اللہ کی قسم! اب انہیں تم ہی پہنو گے۔" ابو جابر نے کہا: "رکو! لگتا ہے کہ تم نے اس جوان کو ناراض کر دیا ہے۔ اس کے جوتے واپس کر دو۔" میں نے کہا: "میں یہ جوتے واپس نہیں کروں گا۔ یہ ایک عمدہ فال ہے۔ اگر یہ فال سچ نکلی تو میں اس سے سب کچھ چھین لوں گا۔" پھر قریش مکہ مکرمہ میں ابن ابی کے پاس آئے۔ انہوں نے اس سے وہی سوال کیا جو ہم سے پہلے کر چکے تھے۔ اس نے کہا: "یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ میری قوم اس معاملہ میں مجھے دور کیسے رکھ سکتی

ہے۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر قریش وہاں سے چلے گئے۔"

"پھر لوگ منیٰ سے واپس آگئے۔ قریش اس خبر کی جستجو میں لگ گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ کوئی واقعہ رونما ضرور ہوا ہے وہ انصار کو ڈھونڈنے نکلے انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو کو مقام اذاخر میں پالیا۔ یہ دونوں نقیب تھے۔ وہ حضرت منذر کو تو نہ پکڑ سکے لیکن حضرت سعد کو انہوں نے پکڑ لیا۔ ان کے ہی تسمے سے ان کے ہاتھ ان کی گردن سے باندھے اور انہیں مکہ مکرمہ لے آئے۔ وہ انہیں مارنے لگے۔ بالوں سے کھینچنے لگے۔ کیونکہ ان کے بال کثیر تھے۔

حضرت سعد فرماتے ہیں: "بخدا! میں قریش کے ہاتھوں گرفتار تھا۔ اچانک قریش کی ایک جماعت میرے پاس آئی۔ ان میں ایک سفید رنگت والا، چمکدار اور دل موہ لینے والا شخص بھی تھا۔ میں نے دل میں کہا: "اگر ان میں سے کسی سے بھلائی کی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہی شخص ہے۔ مگر وہ شخص جب میرے قریب ہوا تو اس نے مجھے زور سے مکا مارا۔ میں نے دل میں سوچا" قسم بخدا! اس کے بعد ان میں کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی۔ میں ان کے ہاں پابند سلاسل تھا۔ اسی دوران ایک شخص میرے پاس آیا ان کا تعلق ان کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: "کیا قریش کے کسی شخص کے ساتھ تیرا معاہدہ یا پناہ نہیں ہے؟" میں نے کہا: "کیوں نہیں؟" میں جبیر بن مطعم کو تجارت کے وقت پناہ دیتا تھا۔ اپنے شہر کے باسیوں کے ظلم و ستم سے اسے بچاتا تھا۔ میں اسی طرح حارث بن حرب کو بھی پناہ دیتا تھا۔" اس نے کہا: "ان دونوں کا نام لے کر صدا دو۔ تمہارے مابین جو تعلقات ہیں انہیں یاد کراؤ۔" میں نے اسی طرح کیا۔ وہ ان دونوں کے پاس گیا۔ اس نے انہیں مسجد حرام میں پایا۔ اس نے انہیں کہا: "وادیٔ بطحاء میں ایک شخص کو مارا جا رہا تھا۔ وہ تمہارا نام لے کر صدائیں لگا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے اور تمہارے مابین پناہ ہے۔" انہوں نے پوچھا: "وہ کون ہے؟" اس نے کہا: "وہ سعد بن عبادہ ہے۔" انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! اس نے سچ ہی کہا ہے۔ وہ ہمارے تجارتی کارواں کو پناہ دیتا تھا۔ اپنے اہل شہر کے ظلم و تعدی سے ہمیں بچاتا تھا۔" وہ وادیٔ بطحاء میں آئے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔" ابن اسحاق کہتے ہیں: "ضرار بن خطاب نے ہجرت کے متعلق سب سے پہلے یہ دو اشعار کہے تھے۔ یہ اس واقعہ کے بارے سب سے پہلے شعر تھے۔ ضرار کا تعلق بنو محارب سے تھا۔

تدارکت سعدا عنوةً فاخذته ۔۔۔ و کان شفاء لو تدارکت منذرا

ولو نلته طلّت هناك جراحه ۔۔۔ و کانت صریا ان یهان و یهدرا

میں نے فوراً سعد کو پکڑ لیا۔ اس پر غلبہ پالیا۔ اس سے مجھے شفاء نصیب ہوئی۔ کاش میں منذر کو بھی پکڑ لیتا۔ اسے کثیر زخم آتے۔ وہ اس سے بلند ہوتا کہ اس کی بے عزتی کی جائے وہ رائیگاں بھی ہوتا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسے ان اشعار میں جواب دیا:

فلست الی عمرو ولا المرء منذر اذا ما مطایا القوم اصبحن ضمرًا

ترجمہ: "ارے! تو نہ سعد اور نہ ہی منذر کی طرح ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب ان کے لیے چھریری سواریاں تیار کیں جائیں۔"

اتفخر بالکتان لما لبستہٗ و قد یلبس الانباط ریطا مقصّرا

ترجمہ: "کیا تو اس لیے فخر کرتا ہے کہ تو نے روئی کا لباس پہنا ہے۔ حالانکہ قبطی بھی سفید چادریں پہنتے ہیں۔"

فلو لا ابووھب لمرّت قصائد علی شرف البرقاء یھوین حسرًا

ترجمہ: "اگر ابووھب موجود نہ ہوتا تو پھر قصائد برقاء کی چوٹی سے بھی آگے نکل جاتے وہ تھک کر نیچے گرتے جاتے۔"

فلاتك كالو سنان یحلم انه بقریة كسریٰ او بقریة قیصرا

ترجمہ: "تو اس اونگھنے والے کی طرح نہ ہو جا جو قیصر یا کسریٰ کے شہروں کے بارے خواب دیکھتا ہے۔"

ولاتك كالثكلی كانت بمعزل عن الثكل لو كان الفؤاد تفكرًا

ترجمہ: "تو اس عورت کی طرح نہ ہو جا جو اپنے اکلوتے بیٹے کی موت پر شب و روز روتی رہتی ہے۔ اگر اس کے پاس سوچنے والا دل ہوتا تو یوں نہ کرتی۔"

ولا تك كالشاة التی كانت حتفها بحفر ذراعیها فلم ترض محفرا

ترجمہ: "تو اس بکری کی مانند نہ ہو جا جس کی موت اس کے اپنے بازو سے کھودے ہوئے گڑھے سے ہوئی۔ وہ اس گڑھے پر خوش نہ تھی۔"

ولاتك كالغاوی فاقبل نحرہٗ ولم یخشه سهما من النبل مضمرا

ترجمہ: "تو اس کتے کی طرح نہ ہو جا جو گردن باہر نکالے کھڑا ہوا سے مخفی تیر کا اندیشہ نہ ہو۔"

فانا و من یهدی القصائد نحونا كمستبضع تمرا الی اهل خیبرا

ترجمہ: "ہم اور وہ شخص جو ہماری طرف اشعار روانہ کرتا ہے اس طرح ہیں جس طرح کوئی شخص خیبر میں کھجوریں فروخت کرنے جائے۔"

تنبیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو وہ نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا جو انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر

کے پڑھیں تھیں۔ کیونکہ ان کے لیے لازم تھا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو دیکھ کر سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ اسی لیے آپ نے انہیں نمازیں نہ لوٹانے کا حکم دیا۔ حضرت براء حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی طرف منہ اس لیے کیا ہو کہ انہوں نے علمائے یہود سے سنا ہو کہ ان کے زمانہ میں جو نبی مبعوث ہوں گے وہ دین ابراہیمی پر ہوں گے۔ اور ان کا قبلہ کعبہ معظمہ ہو گا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا کیونکہ انہوں نے تاویل کی تھی۔

عقبہ کی شب بیعت کرنے والے خوش نصیب افراد کے نام

یہ مبارک گروہ تہتر مرد اور خواتین پر مشتمل تھا۔ "العیون" میں ہے کہ یہی تعداد معروف ہے۔ اگر تفصیل میں زیادتی ہو تو یہ اس میں زیادتی نہیں ہوگی تو حاضرین کے اختلاف کی بنیاد پر ہو گا۔ ایک راوی نے ایک شخص کا اثبات کیا ہے لیکن دوسرے نے اس کا اثبات نہیں کیا۔ ابن اسحاق نے ان کو قبائل کی ترتیب سے لکھا ہے۔ لیکن میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان کا تذکرہ کروں گا۔

ابی بن کعب، اسعد بن زرارہ، اسید بن حضیر، اوس بن ثابت، اوس بن زید، براء بن معروف، بشر بن براء، بہیز بن ہیثم، ثابت بن جذع، جابر بن عبداللہ، جبار بن صخر، حارث بن قیس، خارجہ بن زید، خالد بن زید، خالد بن عمرو، خالد بن قیس، خدیج بن سلامۃ، خلاد بن سوید، ذکوان بن عبد قیس، رافع بن مالک، رفاعۃ بن رافع، رفاعۃ بن منذر، رفاعۃ بن عمرو، زیاد بن لبید، زید بن سہل، سعد بن خیثمہ، سعد بن ربیع، سعد بن زید، سعد بن عبادۃ، سلمہ بن سلامۃ، سلیم بن عمرو، سنان بن صیفی، سہل بن تحسیک، شمر بن سعد، صیفی بن سداد، ضحاک بن زید، ضحاک بن حارثہ، طفیل بن مالک، ظہیر بن رافع، عامر بن نابی، عباد بن قیس، عباس بن عبادہ، عبداللہ بن انیس، عند بن عمر، عبداللہ بن جبیر، عبداللہ بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن زید، عبداللہ بن عمرو، عبس بن عامر، عبید بن تیہان، عقبہ بن عمرو، عقبہ بن وہب، عمارہ بن حزم، عمرو بن جموح، عمرو بن حارث، عمرو بن غنمہ، عمرو بن غزیہ، عمیر بن عامر، عوف بن حارث، عدیم بن ساعدۃ، فروہ بن عمر، قتادہ بن نعمان، قطبہ بن عامر، قیس بن ابی صعصعۃ، کعب بن عمرو، کعب بن مالک، مالک بن تیہان، مالک بن دخشم، مالک بن رفاعۃ، معاذ بن جبل، معاذ بن حارث، معاذ بن عمرو، معقل بن منذر، معن بن عدی، معوذ بن حارث، نعمان بن عمرو، نہیر بن بھیر، ھانی بن نیار، یزید بن ثعلبہ، یزید بن خدام، یزید بن عامر، یزید بن منذر رضی اللہ عنہم۔ جبکہ خواتین میں سے حضرت اسماء بنت عمرو ام منیع اور حضرت نسیبہ بنت کعب ام عمارۃ رضی اللہ عنہا نے یہ سعادت حاصل کی۔

❁❁❁❁

نواں باب

حضرت عمرو بن جموح کا قبولِ اسلام

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب یہ خوش بخت صحابہ کرام مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا ان کی قوم میں بعض بزرگ ایسے بھی تھے جو اپنے شرک پر ہی تھے۔ ان میں سے ایک عمرو بن جموح بھی تھے۔ ان کے فرزند دلبند معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عقبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ عمرو بنوسلمہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا پتھر بنا رکھا تھا جس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ اسے مناۃ کہا جاتا تھا۔ جب بنوسلمہ کے نوجوانوں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو وغیرہما نے اسلام قبول کر لیا اور عقبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کر لی تو وہ رات کی تاریکی میں عمرو کے بت کے پاس جاتے اسے اٹھاتے اور اسے بنوسلمہ کے کسی کنویں میں پھینک دیتے۔ جس میں لوگوں کی گندگی پھینکی جاتی تھی۔ وہ اسے اس میں الٹا پھینک دیتے وقت صبح عمرو کہتے ''آج رات ہمارے معبود کے ساتھ دشمنی کس نے کی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑتے اسے پالیتے اسے پاک وصاف کرتے اسے خوشبو لگاتے۔ اسے کہتے: ''بخدا! اگر میں جان لیتا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کرتا ہے تو میں اسے رسواء کر دیتا رات کے وقت وہ سو جاتے۔ یہ جوان صحابہ کرام اس بت کے پاس جاتے اور اسے اسی طرح کرتے۔ عمرو پھر اسے تلاش کرتے۔ اسے ڈھونڈ کر اسے صاف کرتے۔ اس پر خوشبو لگاتے اور اسے اس کی جگہ پر رکھ دیتے۔ جب اکثر یہ معمول بن گیا تو ایک روز انہوں نے بت کو کنویں سے نکالا۔ اسے پاک وصاف کیا۔ خوشبو لگائی۔ ایک تلوار لے کر آئے اسے اس کے گلے میں لٹکایا۔ پھر کہا: ''بخدا! میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کرتا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہے تو اس تلوار کے ساتھ آنے والے کو روک لینا۔ رات کے وقت عمرو سو گئے۔ جوان صحابہ کرام اس بت کے پاس گئے۔ اس کی گردن سے تلوار اتاری۔ ایک مردہ کتا اس کی گردن کے ساتھ باندھا اور اسے بنوسلمہ کے گندے کنویں میں پھینک دیا۔ صبح کے وقت عمرو اس کی تلاش میں نکلے اپنے بت کو کنویں میں پایا وہ منہ کے بل لٹکا ہوا تھا ایک مردہ کتا اس کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جب اسے دیکھا تو نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ جب اسلام قبول کر لیا۔ رب تعالیٰ

نے عرفان عطا کر دیا تو رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ اشعار کہے جس نے انہیں گمراہی اور ضلالت سے بچا لیا تھا۔

والله لو كنت الها لم تكن ‏ ‏ انت و كلب وسط بئر فی قرن

افٍّ لملقاك الها مستدن ‏ ‏ الآن فتشناك عن سوء الغبن

الحمد لله العلیّ ذی المنن ‏ ‏ الواهب الرزاق دیّان الدین

هو الذی انقذنی من قبل ان ‏ ‏ اکون فی ظلمة قبر مرتهن

بأ احمد المهدی النبی المؤتمن

ترجمہ: "قسم اللہ کی! اگر تو خدا ہوتا تو پھر تیری لاش غلیظ کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنوئیں سے نہ ملتی۔ اس حقارت آمیز حالت میں تمہاری ملاقات پر صد افسوس! اب ہمیں علم ہوا ہے کہ ہم تمہارے بارے دھوکہ میں مبتلاء تھے۔ ساری ستائش اللہ رب العزت کے لیے ہے جو بلند و ارفع ہے جو بہت احسانات کرنے والا ہے وہ ہی دیتا ہے رازق بھی وہی ہے وہی سارے اہلِ ادیان کو جزاء دینے والا ہے۔ اس ذات والا نے ہی مجھے کفر سے نجات دی۔ اس سے قبل کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھا جاتا۔ اس نے مجھے ہدایت یافتہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق دی۔"

❁❁❁❁

ہجرتِ مدینہ

پہلا باب

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن

ابن سعد نے ابوامامۃ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب یہ ستر افراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر کے چلے گئے تو آپ کے قلب انور کو مسرت نصیب ہوئی۔ رب تعالیٰ نے آپ کا دفاع ایسی قوم سے کر دیا تھا۔ جو جنگی چالوں سے خوب آگاہ تھی۔ وہ ایک عمدہ قوم تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں پر مشرکین کی طرف سے اذیتیں شدت اختیار کر گئیں۔ اب انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مسلمان نکل جائیں گے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے زندگی کے دائرہ کو تنگ کر دیا۔ سب وشتم میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے اس چیز کا شکوہ بارگاہِ رسالت مآب میں کیا۔ ہجرت کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھا دی گئی ہے۔ میں نے دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین کھجوروں والی سخت زمین کو دیکھ لیا ہے۔ اگر ایسی بلند زمین ہو جو سخت چٹانوں والی اور کھجوروں والی ہو تو میں کہوں گا یہ وہی سرزمین ہے۔'' پھر کچھ ایام گزر گئے۔ آپ مسرور ہو کر اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے تمہاری ہجرت گاہ کے بارے بتا دیا گیا ہے یہ یثرب ہے۔ جو وہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہو وہاں چلا جائے۔'' مسلمان تیاری کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کی رفاقت میں چھپ کر نکلنے لگے۔ صحابہ کرام میں سے جس ذات نے سب سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت ابوسلمہ بن اسد تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''انہوں نے بیعتِ عقبہ سے ایک سال قبل مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیۃ کو ایک سال تک مکہ مکرمہ میں روک لیا گیا۔پھر بنومغیرہ نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔وہ تن تنہا عازم سفر ہو گئیں جب تنعیم کے مقام پر پہنچی تو انہیں عثمان بن طلحہ ملے۔یہ ابھی تک شرک پر ہی تھے۔اس کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔وہ ان کے ہمراہ ہو گئے۔جب وہ قباء پہنچے تو انہوں نے کہا: ''اس بستی میں تمہارے خاوند ہیں۔'' پھر وہ مکہ مکرمہ میں واپس آگئے وہ فرماتی تھیں ''میں نے کسی رفیق راہ کو نہیں دیکھا جو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف ہو۔وہ جب کسی منزل تک پہنچتے تو اونٹ نیچے بٹھاتے۔دور ہو کر کھڑے ہو جاتے جب میں اونٹ سے نیچے اتر جاتی تو وہ اونٹ لے جاتے۔اسے درخت کے ساتھ باندھ دیتے پھر کسی درخت کے نیچے جا کر لیٹ جاتے۔جب روانگی کا وقت آتا تو میرے اونٹ کے پاس آتے اسے آگے کرتے پھر دور ہو کر کھڑے ہو جاتے۔پھر کہتے: ''اس پر سوار ہو جاؤ۔'' جب میں سوار ہو جاتی اور اپنے اونٹ پر جم کر بیٹھ جاتی تو میرے پاس آتے نکیل تھام لیتے اور آگے آگے چلنا شروع کر دیتے۔وہ اسی طرح کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے مجھے مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔امام بخاری اور امام حاکم نے حضرت براء سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: ''مہاجرین میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پہنچے۔'' امام ابن اسحاق اور امام ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسلمہ کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی خثمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔یہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔'' ابن اسحاق نے لکھا ہے۔

''پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے اپنی اہلیہ اور بھائی ابواحمد عبد بن جحش کے ساتھ ہجرت کی۔حضرت ابواحمد نابینا تھے۔وہ مکہ مکرمہ کے بالائی اور نشیبی علاقوں میں کسی قائد کے بغیر ہی آتے جاتے تے۔یہ شاعر تھے۔ان کی زوجیت میں حضرت فارعۃ بنت ابوسفیان تھیں۔بنوجحش کے بارہ افراد نے اپنی بیوی بچوں سمیت ہجرت کر لی۔ابوسفیان نے ان کے گھر پر قبضہ کر لیا۔ایک قول یہ ہے کہ اس نے اسے عمرو بن علقمہ سے خریدا تھا۔حضرت عبداللہ بن جحش نے اس کا تذکرہ بارگاہِ رسالت مآب میں کیا۔آپ نے فرمایا: ''عبداللہ! کیا تم راضی نہیں ہو کہ اس کے بدلے رب تعالیٰ تمہیں جنت میں ایسا محل عطا کرے جو اس سے بہتر ہو۔'' انہوں نے عرض کی: ''ضرور!'' آپ نے فرمایا: ''جنت کا گھر تمہارے لیے ہے۔'' جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو ابواحمد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے گھر کے بارے عرض کی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہ دیا۔لوگوں نے حضرت ابواحمد سے کہا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند فرما رہے ہیں کہ تم وہ چیز حاصل کرو جو راہِ خدا میں تم سے لی جا چکی ہو۔''

انہوں نے دوبارہ بات نہ کی۔ بنوغنم نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مرد خواتین سارے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا چکے تھے۔

ابن السمان نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا جس نے اعلانیہ ہجرت کی ہو۔ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی تلوار حمائل کی۔ اپنی کمان لی۔ اپنے ہاتھ میں تیر لیے۔ نیزہ لیا۔ کعبہ معظمہ کی طرف گئے۔ سرداران قریش مسجد حرام کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑے سکون سے بیت اللہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیمی پر آئے۔ دو رکعتیں پڑھیں۔ ایک ایک محفل میں گئے۔ انہوں نے ان سے کہا: ''چہرے برباد ہو جائیں رب تعالیٰ ان ناکوں کو خاک آلود کرے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس پر روئے یا اس کا بچہ یتیم ہو جائے یا اس کی بیوی بیوہ ہو جائے وہ اس وادی سے پرے مجھ سے ملاقات کرے۔'' حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کوئی بھی ان کے پیچھے نہ آیا۔ حضرت عمر فاروق عازم سفر ہو گئے۔'' ابن اسحاق نے حضرت عمر فاروق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب ہم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے، حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ہشام بن عاص نے سرف کے اوپر بنوغفار کے اضاءۃ کے قریب کانٹوں والے درختوں کے پاس ایک دوسرے سے ملنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے کہا: ''جو بھی وقتِ صبح وہاں نہ پہنچ سکا تو گویا کہ اسے روک دیا گیا ہو۔ اس کے بقیہ دونوں ساتھی عازم سفر ہو جائیں۔ میں نے اور حضرت عیاش نے صبح اسی جگہ کی لیکن حضرت ہشام کو ان کی قوم نے روک لیا۔ انہیں فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ پھر ابوجہل اور حارث بن ہشام مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت عیاش بن ربیعہ سے کہا: ''تمہاری ماں نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ اپنے بالوں میں کنگھی نہیں کرے گی حتیٰ کہ تجھے دیکھ لے۔ وہ سورج کے سایہ میں نہ بیٹھے گی حتیٰ کہ تمہیں دیکھ لے۔'' ان کے دل میں اس کے لیے رقت پیدا ہو گئی۔ میں نے حضرت عیاش سے کہا: ''عیاش! بخدا! یہ لوگ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں ان سے بچو بخدا! جب تمہاری ماں کے سر میں جوئیں پڑیں گی وہ خود بخود کنگھی کر لے گی۔ جب مکہ مکرمہ کی گرمی شدید ہو جائے گی تو وہ خود بخود سایہ میں بیٹھنے لگے گی۔'' مگر انہوں نے کہا: ''میں اپنی ماں کی نذر پوری کروں گا۔ اس جگہ میرا مال بھی ہے میں اسے بھی لے آؤں گا۔'' میں نے کہا: ''عیاش! کیا تمہیں علم ہے کہ میں سارے قریش سے زیادہ امیر ہوں۔ تم میرا نصف مال لے لو اور ان کے ہمراہ نہ جاؤ۔'' مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اور ان کے ہمراہ جانے کے لیے اصرار کیا۔ میں نے ان کی ضد دیکھی تو میں نے کہا: ''اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو میری اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ یہ تیز رفتار ہے۔ اس کی پشت پر ہی بیٹھے رہنا اگر اس قوم سے کچھ شک گزرے تو اس پر بیٹھ کر بچ نکلنا۔ حضرت عیاش اس اونٹنی پر سوار ہوئے اور ان کے ہمراہ قباء سے باہر آ گئے۔ جب کچھ مسافت طے ہو چکی تو ابوجہل نے کہا: ''میرے بھتیجے! میں نے اپنے اونٹ پر بہت سا سامان لاد لیا ہے۔ کیا تم مجھے اس اونٹنی پر بیٹھنے کی اجازت

نہیں دیتے۔" حضرت عیاش: "ضرور! وہ اونٹنی سے نیچے آئے۔ وہ دونوں بھی اپنے اپنے اونٹ سے نیچے اترے۔ انہوں نے عیاش پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے انہیں پکڑا باندھا اور مکہ معظمہ لے آئے۔ انہیں وہاں مختلف فتنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اعلان کیا تھا: "اے مکہ والو! جس طرح ہم نے اپنے پاگل کے ساتھ کیا ہے تم بھی اپنے احمقوں کے ساتھ اسی طرح کرو۔"

حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں: "ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کوئی فرض، نفل یا توبہ قبول نہیں کرے گا جو فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچانا پھر کسی اذیت یا تکلیف کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ وہ لوگ بھی اپنے بارے اسی طرح کہتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو رب تعالیٰ نے ان کے بارے یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ (الزمر: ۵۳ تا ۵۵)

ترجمہ: "آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ۔ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرخم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور پیروی کرو، عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے۔ اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔"

حضرت عمر فاروق نے فرمایا: "میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت طیبہ کو ایک کاغذ پر لکھا اور اسے ہشام بن عاصی کے پاس بھیج دیا۔" ہشام کہتے ہیں: "جب یہ مکتوب میرے پاس پہنچا میں ذی طویٰ کے مقام پر اسے پڑھنے لگا۔ میں نشیب و فراز میں گھوم رہا تھا۔ اسے پڑھ رہا تھا لیکن مجھے اس کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔" میں نے عرض کی: "مولا! مجھے ان آیات کا مفہوم سمجھا دے۔ رب تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈال دیا کہ یہ ہمارے بارے ہی اتری ہیں۔ اس کے بارے اتری ہیں جو کچھ ہم اپنے بارے کہتے ہیں۔ میں اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ اس پر سوار ہوا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔"

حضرت ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: "کون ہے جو عیاش بن ربیعہ کو میرے پاس لے کر آئے گا۔" حضرت ولید بن ولید نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں انہیں

لے کر آؤں گا۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف نکلے۔ چھپتے چھپاتے وہاں پہنچ گئے۔ وہ ایک عورت سے ملے جو کھانا لا رہی تھی۔ انہوں نے اسے پوچھا: "خدا کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟" اس نے کہا: "ان دو قیدیوں کے پاس۔" وہ اس عورت کے پیچھے چلتے حتیٰ کہ ان کی قید کی جگہ کو دیکھ لیا۔ وہ ایسے کمرے میں مقید تھے جس پر چھت نہیں تھی۔ رات کے وقت وہ دیوار پھلانگ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک پتھر لیا اسے ان کو زنجیروں کے نیچے رکھا اور تلوار مار کر انہیں کاٹ دیا۔ ان کی تلوار کو ذوالمرہ کہا جاتا تھا۔ انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اسے ہانکنے لگے۔ راستہ میں انہیں ٹھوکر لگی جس سے ان کی انگلی زخمی ہو گئی۔ انہوں نے کہا:

هل انت الا اصبع دميت و فى سبيل الله ما لقيت

ترجمہ: "تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہے۔ راہِ خدا میں تو تجھے کچھ بھی تکلیف نہیں پہنچی۔"

انہوں نے ان دونوں کو بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر کر دیا۔ پھر لگاتار مہاجرین آنے لگے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت صہیب بن سنان حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہم کے ہاں ٹھہرے۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے تھے۔

ابن سعد نے حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ تو کفار قریش نے انہیں کہا "جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو تم فقیر اور کنگال تھے ہمارے ہاں تمہارے پاس مال کی فراوانی ہوئی ہے۔ پھر تم اپنے نفس اور مال کے ساتھ ہجرت کرنا چاہتے ہو۔ بخدا! اس طرح نہیں ہو سکتا۔" حضرت صہیب نے انہیں فرمایا: "اگر میں تمہیں اپنا مال دے دوں تو کیا تم میرا رستہ چھوڑ دو گے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "میں اپنا مال تمہیں دیتا ہوں۔" جب اس واقعہ کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: "صہیب نفع پا گئے۔ صہیب نفع پا گئے۔"

ابن سعد نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گروہ در گروہ آنے لگے۔ انصار نے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ انہیں پناہ دی۔ ان کے ساتھ ہمدردی کی۔ ان کی مدد کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل قباء میں حضرت سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو امامت کراتے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مہاجرین کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ آپ اذن ہجرت کے منتظر تھے۔ اب مکہ مکرمہ میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جنہیں محبوس کر دیا گیا تھا۔ یا وہ فتنہ میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں تھے۔ کتنی ہی بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہجرت کی اجازت مانگی مگر آپ انہیں فرماتے: "جلدی نہ کرو شاید رب تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیق بنا دے۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا

تھا کہ وہ رفاقت آپ ﷺ کی ہی ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے "انصار کے ایک گروہ نے عقبہ آخرہ میں آپ کی بیعت کی۔ پھر مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ پھر وہ مکہ مکرمہ چلے گئے پھر وہ ہجرت کر گئے مدینہ طیبہ آ گئے۔ انہیں مہاجر انصار کہا جاتا ہے۔ ان میں حضرت ذکوان بن عبد قیس، حضرت عقبہ بن وہب، حضرت عباس بن عبادہ اور حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔"

تنبیہات

1. ابن اسحاق اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم شفیع معظم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن ابن ابی شیبہ اور امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مہاجرین میں سے سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر ہمارے پاس آئے۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ ان دونوں روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ ایک کو خاص صفت کے ساتھ اولیت پر محمول کیا جائے گا۔ ابن عقبہ نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ سب سے پہلے مہاجرین میں سے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ وہ حبشہ سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ مکہ مکرمہ میں انہیں ستایا گیا۔ انہیں یہ خبر ملی کہ عقبہ اولیٰ میں بارہ انصاری صحابہ نے شرکت کی ہے۔ تو وہ اسی سال کے درمیان مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ اس روایت اور حضرت براء کی روایت کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو سلمہ مدینہ طیبہ میں اقامت کی نیت سے عازم سفر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ مشرکین سے راہ فرار اختیار کیا تھا۔ جبکہ حضرت مصعب بن عمیر مدینہ طیبہ میں اقامت کی نیت سے گئے تھے۔

2. ابو عمر نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ پہلی خاتون محترمہ جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں آنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا تھیں لیکن حضرت ابن عقبہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا ہے۔

3. ابن اسحاق نے بنو غنم کی مہاجرات میں حضرت ام حبیبہ کا نام لیا ہے لیکن امام سہیلی نے انہیں ام حبیب لکھا ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

4. ابن اسحاق نے بنو جحش کی خواتین میں حضرت جذامۃ بنت جندل رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے۔ "میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جذامۃ بنت وھب تھیں کیونکہ جذامہ بنت جندل نہ تو آل جحش الاسیدین اور نہ ہی دوسروں میں تھی۔ یہ وہم ہے۔ وہ جذامہ بنت وھب بن محصن ہیں۔ لیکن ابن جریر نے جذامۃ کا تذکرہ مہاجرات میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے محدثین جذامۃ بنت وھب کہتے ہیں۔ لیکن پسندیدہ موقف یہ ہے کہ وہ بنت جندل

الاسدیہ ہیں۔ یہ حضرت عکاشہ بن محصن کی بہن تھیں شاید والدہ کی طرف سے بہن تھیں۔ ابن حبان نے کتاب صحابہ میں لکھا ہے کہ حضرت جذامہ بنت جندل بنو غنم کی مہاجرات میں سے تھیں۔ جبکہ جذامۃ بنت وھب کا تعلق بنو ھلال سے تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت جذامۃ بنت جندل الاسدیہ رضی اللہ عنہا نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ یہ بات اس امر سے مزید واضح ہو جاتی ہے جسے ابوالحسن خزرجی نے تقریب المدارک شرح مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ جذامہ بنت وھب نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تھا۔

❁❁❁❁

دوسرا باب

ہجرت مدینہ اور کفار کا مکر و فریب

ابن اسحاق، عبدالرزاق، امام احمد، ابن جریر، ابن منذر اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کو مخلص ساتھی مل گئے ہیں۔ وہ ایسے جانثار تھے جو قریش کے علاوہ تھے ان کا تعلق بھی ان کے شہر کے ساتھ نہیں تھا۔ قریش نے دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام بھی ان کی طرف ہجرت کرتے جارہے تھے۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ انہیں امن و سلامتی کی جگہ مل جائے گی۔ انہیں وہاں مکمل تحفظ حاصل ہوگا۔ اگر یہ بھی خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں حضور اکرم ﷺ بھی ہجرت فرما کر وہیں تشریف نہ لے جائیں اور اپنے جانثاران کو جمع فرما کر ان پر حملہ آور نہ ہو جائیں تو وہ دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ وہ وہاں مشورہ کرنے لگے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے معاملہ میں کیا کرنا ہے۔ جس روز قریش وہاں جمع ہوئے اس دن کو یوم الزحمۃ کہا جاتا ہے ابلیس لعین بھی ایک بزرگ کی شکل میں وہاں آ گیا۔ اس نے موٹی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وہ دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ جب قریش نے اسے دیکھا تو پوچھا: ''کون ہو؟'' اس نے کہا: ''میرا تعلق اہلِ نجد سے ہے میں نے سنا ہے کہ تم کسی اہم مقصد کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ سنو کہ تم کیا مشاورت کرتے ہو۔ شاید تمہیں کوئی عمدہ مشاورت دے سکوں۔'' قریش نے کہا: ''بہت اچھا اندر آجاؤ۔ وہ ان کے پاس چلا گیا۔ دارندوہ میں قریش بنو عبد شمس میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابو سفیان۔ بنو نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر، بنو عبدالدار میں سے نضر بن حارث بنو اسد میں سے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، بنو مخزوم میں سے ابو جہل، بنو سہم میں سے نبیہ، منبہ ابنا حجاج، بنو جمح میں سے امیہ بن خلف میں جمع تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ قریش کے اور بھی افراد تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''تم اس شخص (حضور اکرم ﷺ) کے امر کا مشاہدہ کر چکے ہو۔ بخدا! ہم اس سے امن میں نہیں کہ وہ اپنے جانثاروں کو جمع کریں اور ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ ان کے بارے ایک رائے پر اتفاق کر لو۔ وہ باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: (امام سہیلی نے لکھا ہے کہ وہ ابوالبختری بن ہشام تھا) انہیں لوہے کی زنجیروں میں مقید کر دو۔ پھر ان کا دروازہ بند کر دو پھر ان شعراء کی طرح ان کا انتظار کرو جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں مثلاً زھیر اور نابغہ حتیٰ کہ

موت ان کا کام تمام کر دے۔" شیخ نجدی نے کہا: "بخدا! تمہاری یہ رائے درست نہیں ہے اگر تم انہیں مقید کر دو گے تو ان کا معاملہ پھیل جائے گا۔ وہ بات ان کے صحابہ تک پہنچ جائے گی۔ بلاشبہ وہ تم پر حملہ آور ہو کر انہیں تمہارے ہاتھوں چھین کر لے جائیں گے پھر وہ کثرت کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ رائے درست نہیں تم کسی اور رائے کا اظہار کرو۔

پھر وہ مشاورت کرنے لگے ان میں سے ایک شخص نے کہا: "امام سہیلی نے لکھا ہے کہ وہ ابوالاسود ربیعہ بن عمرو تھا۔ اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔ اس نے کہا: "ہم انہیں اپنے شہر سے نکال دیتے ہیں اور اپنے شہر سے جلاوطن کر دیتے ہیں۔ جب وہ یہاں سے چلے جائیں گے تو پھر ہمیں پرواہ نہ ہوگی کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔ جب وہ چلے جائیں گے ہم ان سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم اپنے معاملہ کی اصلاح کر لیں گے اور پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔" شیخ نجدی نے کہا: "نہیں! بخدا! یہ بھی رائے درست نہیں ہے کیا تم ان کی عمدہ گفتگو نہیں سنتے ان کی باتوں کی شیرینی نہیں دیکھتے۔ وہ اپنے کلام کے ساتھ لوگوں کے دل کس طرح موہ لیتے ہیں۔ بخدا! اگر تم نے اس طرح کیا تو تمہیں یہ خطرہ رہے گا کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے پاس چلے جائیں گے۔ وہ اپنے قول کی عمدگی اور باتوں کی شیرینی سے انہیں اپنا بنا لیں گے حتیٰ کہ وہ ان کی اتباع کرنے لگیں۔ پھر وہ تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں روندھ ڈالیں گے۔ معاملہ تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا جو جیسے چاہیں گے تم سے سلوک کریں گے۔ لہٰذا کوئی اور رائے دو۔"

ابو جہل نے کہا: "بخدا! میرے پاس ایک ایسی رائے ہے جس کے بعد تمہیں کسی مشورہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔" سرداران قریش نے پوچھا: "ابوالحکم! وہ کون سی رائے ہے؟" اس نے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ تم ہر قبیلے سے ایک ایسا جوان لو جو توانا، مضبوط اور حسب و نسب والا ہو پھر ہم ہر جوان کو ایک شمشیر براں دیں گے۔ پھر وہ یکبار حملہ کر کے حضور ﷺ کا کام تمام کر دیں گے۔ وہ انہیں قتل کر دیں گے ہم ان سے نجات پا لیں گے۔ اگر وہ اس طرح کر گزریں گے تو ان کا خون تمام قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ بنو عبد مناف ان سے جنگ نہیں کر سکیں گے۔ وہ دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ ہم انہیں دیت دے دیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا: "بخدا! رائے وہی ہے جو اس نے دی ہے اس کے علاوہ اور کوئی رائے نہیں۔"

ابن کلبی نے لکھا ہے کہ جب ابلیس لعین نے ابو جہل کی رائے کی تعریف کی تو اس نے کہا:

الرآی رآیان: رای لیس یعرفه ۔۔۔ هاد و رای کنصل السیف معروف
یکون اوّله نمر و مکرمة ۔۔۔ یومًا و آخره جدو تشریف

ترجمہ: "رائے دو ہی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی رائے ہوتی ہے جسے کوئی ہادی نہیں جانتا جبکہ دوسری رائے تلوار کے پھل کی طرح معروف ہوتی ہے۔ جس کی ابتداء عزت و تکریم ہوتی ہے اور اس کا آخر بزرگی اور

شرافت ہوتی ہے۔"

یہ بات طے کر کے قوم منتشر ہوگئی۔ ان کا اسی امر پر اتفاق ہوگیا تھا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آج اس بستر پر آرام فرما نہ ہوں۔ جس پر پہلے آرام فرما ہوتے ہیں۔" انہوں نے آپ کو قوم قریش کے اس مکر و فریب کی خبر دی۔ نیز بتایا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا اذن دے دیا ہے۔" رات کے ابتدائی حصہ میں نوجوانانِ قریش آپ کے درِ اقدس پر جمع ہو چکے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ آپ کب آرام فرما ہوتے ہیں اور وہ آپ پر حملہ کر دیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "میرے بستر پر سو جاؤ میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو۔ اس میں سو جاؤ تمہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ حضور اکرم اپنی اسی چادر میں آرام فرما ہوتے تھے۔"

جب نوجوانانِ قریش وہاں جمع ہوگئے تو ابوجہل نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ اگر تم نے ان کے امر کی اتباع کر لی تو تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ پھر تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا۔ تمہیں اردن کے باغوں کی مانند باغ ملیں گے۔ اگر تم نے اس طرح نہ کیا تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا تمہیں آگ میں جلایا جائے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف باہر نکلے۔ دستِ اقدس میں مٹھی بھر مٹی لی پھر فرمایا: "ہاں! میں اسی طرح کہتا ہوں۔ تو ان میں سے ایک ہے۔" رب تعالیٰ نے ان کی بصارت چھین لی وہ آپ کو دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ آپ وہ مشتِ خاک ان کے سروں پر پھینکنے لگے۔ آپ ان آیاتِ طیبات کی تلاوت کر رہے تھے۔

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ (یٰس: ۱ تا ۹)

ان میں سے ہر ایک شخص کے سر پر وہ خاک پڑی۔ پھر جہاں چاہتے تھے تشریف لے گئے۔

ایک شخص ان لوگوں کے پاس آیا جو ان میں سے نہ تھا۔ اس نے پوچھا: "تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟" انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔" اس شخص نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسواء کر دیا ہے۔ بخدا! وہ تمہارے پاس سے گذر کر چلے گئے ہیں۔

انہوں نے تم میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی پھینک دی ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری کیا حالت ہوئی ہے؟ ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہاں مٹی پڑی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے اندر جا کر دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی چادر اوڑھے آرام فرما تھے۔ انہوں نے کہا: "بخدا! یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اپنی چادر اوڑھے آرام کر رہے ہیں۔ وہ صبح تک اسی طرح رہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے بستر سے اٹھے۔ قریش نے کہا: "بخدا! اس شخص نے ہمیں سچ ہی کہا تھا۔" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔"

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان بیچ دی تھی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک چادر اوڑھی اور سو گئے۔ مشرکین یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں حتیٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وضو کرنے کے لیے اٹھے۔"

امام حاکم نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "وہ ذات جس نے سب سے پہلے اپنی جان بیچنے کے لیے پیش کی۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس کے بارے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

وقیت نفسی خیر من وطئ الحصی ... و من طاف بالبیت العتیق و بالحجر

رسول اللہ خاف ان یمکروا بہ ... فنجّاہ ذوالطول الا لہ من المکر

و بات رسول اللہ فی الغار آمنا ... موقّی و فی حفظ الا لہ و فی ستر

و بت اراعیھم وما یتھموننی ... و قد و طنت نفسی علی القتل والاسر

ترجمہ: "میں نے اپنی جان کے بدلے اس ہستی پاک کو بچایا۔ جو ہر اس ذات سے بہتر ہے جس نے شیٔ کو روندھایا جس نے بیت اللہ اور حجر کا طواف کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدشہ تھا کہ کہیں مشرکین آپ سے کوئی مکر نہ کریں۔ قوت والے معبود نے آپ کو مکر سے نجات عطا کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن کے ساتھ غار ثور میں رات بسر کی۔ آپ کی حفاظت کی گئی تھی۔"

آپ اپنے رب تعالیٰ کے تحفظ اور پردہ میں تھے۔ میں نے انہیں دیکھتے ہوئے رات بسر کی انہوں نے مجھ پر تہمت نہ لگائی۔ میں نے قتل ہونے یا قید ہونے کے لیے اپنے نفس کو تیار کر لیا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: "اس وقت یہ آیاتِ طیبات نازل ہوئیں:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال: ۳۰)

ترجمہ: "اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا۔ یا کہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔ اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا۔ اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔"

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ (الطور: ۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ: "پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں نہ مجنوں۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں۔ ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔ فرمائیے انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔"

تنبیہات

1. ابن جریر، ابن منذر نے عبید بن عمیر سے اور ابن جریر نے ایک اور سند سے مطلب بن وراعہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب قریش نے باہم مشاورت کی کہ وہ آپ کو محبوس کر دیں یا شہید کر دیں یا جلاوطن کر دیں تو آپ کے چچا جناب ابوطالب نے کہا: "کیا آپ جانتے ہیں کہ قریش کیا مشاورت کر رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "وہ ارادہ کر رہے ہیں کہ مجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔" جناب ابوطالب: "آپ کو یہ کس نے بتایا ہے؟" آپ نے فرمایا: "میرے رب تعالیٰ نے۔" انہوں نے کہا: "آپ کا رب تعالیٰ کتنا عمدہ ہے۔" البدایہ میں ہے کہ اس واقعہ میں جناب ابوطالب کا تذکرہ بڑا عجیب وغریب ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اس وقت جناب ابوطالب کی موت کو تین سال گزر چکے تھے۔

2. امام سہیلی نے لکھا ہے: "ابلیس نے قریش سے کہا تھا کہ اس کا تعلق اہل نجد سے ہے۔ کیونکہ قریش نے کہا تھا: "اہل تہامہ میں سے کوئی شخص تمہاری اس مشاورت میں شامل نہ ہو۔ کیونکہ ان کی ہمدردیاں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اس لیے وہ شیخ نجدی کی شکل میں آیا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ اس وقت بھی شیخ نجدی کی شکل میں آیا تھا۔ جب قریش نے حجر اسود کو رکھنے کے لیے آپ کو ثالث مقرر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا: "اے گروہ قریش! کیا تم اس بات پر راضی ہو گئے ہو کہ تمہارے عمر رسیدہ اور بزرگوں کو چھوڑ کر ایک جوان حجر اسود کو رکھے۔" اس نے ایک بار پھر شیخ نجدی کی شکل اپنائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجد سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ جب حضور اکرم ﷺ سے عرض کی گئی:

''آپ ہمارے نجد کے لیے بھی دعا کریں تو آپ نے فرمایا:'' وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے وہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔''

۳ بعض سیرت نگاروں نے وہ سبب بھی لکھا ہے جس کی وجہ سے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اس رات حملہ نہ کر سکے حالانکہ وہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کر رہے تھے وہ صبح تک انتظار کرتے رہے۔ گھر کی دیواریں بھی چھوٹی چھوٹی تھیں۔ وہ آپ کو شہید کرنے کے لیے آئے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے حملہ کرنے کی کوشش کی گھر کے اندر سے ایک خاتون چلا اٹھی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''یہ ہمارے لیے'' عار ہے کہ لوگ ہماری باتیں کریں گے کہ ہم نے اپنی چچازادوں کے لیے دیواریں پھلانگیں تھیں۔ اپنی حرمت کا پردہ چاک کیا تھا۔ اس لیے وہ صبح تک انتظار کرتے رہے۔ پھر ان کی بصارت چھین لی گئی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے سروں پر مٹی ڈالنے میں حکمت یہ تھی تاکہ پتہ چل جائے کہ وہ ذلیل ورسواء ہیں ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ نیز یہ کہ وہ عنقریب مٹی چاٹیں گے۔

۴ ابن مندہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ حضرت ماریہ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جھکیں حتیٰ کہ آپ دیوار پر چڑھ گئے اور مشرکین سے دور چلے گئے۔ لیکن پہلے روایت گزر چکی ہے کہ آپ کاشانہ اقدس کے دروازہ سے باہر نکلے تھے۔ اس کی سند اس روایت سے قوی ہے۔ حضرت ماریہ کی روایت میں کئی مجہول راوی ہیں۔

۵ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت سورت یٰسین پڑھی تھی۔ خوفزدہ لوگوں کو آپ کی اقتداء کرتے ہوئے خوف کے وقت یہی سورت تلاوت کرنی چاہیے۔ روایت ہے کہ جو خائف یہ سورت پڑھتا ہے۔ وہ امن میں ہو جاتا ہے۔

❁❁❁❁

تیسرا باب

بعثت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں قیام

امام بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرمایا۔ حضرت ابن عباس سے مختلف روایات مروی ہیں ان سب کا تذکرہ وصال النبی کے باب میں ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے اس زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں۔ میرا گمان یہ تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے۔ لیکن وہ تو مدینہ منورہ (یثرب) ہے۔" حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تمہاری ہجرت گاہ دیکھ لی ہے۔ وہ شور والی سرزمین ہے جو دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین ہے۔ وہ یا ہجر ہے یا یثرب ہے۔"

امام احمد اور امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عدی اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحزورۃ تشریف لے گئے۔ فرمایا: "بخدا! تو رب تعالیٰ کی بہترین سرزمین ہے۔ مجھے ساری زمین سے پیاری ہے۔ اگر تیرے باسی مجھے یہاں نہ نکالتے تو میں کبھی بھی نہ نکلتا۔"

تنبیہات

1. ابن التین نے لکھا ہے کہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دار ہجرت ایسی صفات سے دکھایا گیا جو اس میں اور دیگر شہروں میں جمع تھیں پھر اس وصف کے ساتھ دکھایا گیا جو مدینہ طیبہ کے ساتھ مختص ہے جس سے اس شہر خوباں کا تعین ہوگیا۔
2. حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ نے یہ دعا مانگی: "مولا! تو مجھے زمین کے اس ٹکڑے سے نکال دیا ہے۔ جو مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ اب مجھے اس ٹکڑے میں سکونت دے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔" اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اہل علم کا اختلاف نہیں کہ یہ روایت منکر اور موضوع ہے۔

❁❁❁❁

چوتھا باب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝ (الاسراء:۸۰)

ترجمہ: ''اور دعا مانگ لیجئے کہ اے میرے رب جہاں کہیں تو مجھے لے جائے۔ سچائی کے ساتھ لے جا اور جا کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔''

امام احمد، امام ترمذی، امام حاکم اور ضیاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو ہجرت کا حکم ملا تو اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ مدخل صدق سے مراد مدینہ طیبہ مخرج صدق سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ زبیر بن بکار نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو مدخل صدق مکہ مکرمہ کو مخرج صدق اور انصار کو "سلطاناً نصیرا" بنا دیا۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس سے نکلے تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ پھر رات تک وہیں تشریف فرما رہے۔ پھر آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو کر غار ثور تک پہنچے۔ اس میں داخل ہو گئے۔

ابن عقبہ، ابن اسحاق، امام احمد اور امام بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن اسحاق اور امام الطبرانی نے ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ آپ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ کو یہ امید ہے۔ میرے والدین

آپ پر نثار!" آپ نے فرمایا: "ہاں! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود کو روک لیا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میسر آسکے۔ انہوں نے اپنی دو اونٹنیوں کو اس مقصد کے لیے مختص کر دیا۔"

ابن شہاب نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز ہمارے ہاں صبح و شام تشریف لاتے تھے۔ ایک دن ہم دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھیں کہ کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے چادر اوڑھ رکھی ہے۔" آپ اس وقت ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: "میرے والدین آپ پر فدا! بخدا! آپ کسی ضروری کام کے لیے اس وقت تشریف لائے ہیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اجازت طلب کی۔ آپ کو اجازت دے دی گئی۔ آپ اندر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چارپائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں تشریف فرما ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جو تمہارے پاس بیٹھے ہیں انہیں باہر نکال دو۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کوئی حرج نہیں یہ میری نورانِ نظر ہیں۔" دوسرے الفاظ یہ ہیں: "یہ آپ کے اہل ہیں۔" آپ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مجھے ہجرت اور سفر کی اجازت دے دی ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے رفاقت نصیب ہوگی۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! ام المومنین نے فرمایا: "بخدا! میں نے پہلے کسی کو وفورِ مسرت سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا حتیٰ کہ میں نے اس روز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری ان دو اونٹنیوں میں ایک آپ لے لیجیے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قیمت کے ساتھ۔ میں اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہیں ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ ہی کی ہے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں! لیکن اس قیمت کے ساتھ جس سے میں اسے خریدوں گا۔" آپ نے فرمایا: "میں نے یہ اتنی رقم میں خرید لی ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کی ہو گئی۔" امام بخاری نے لکھا ہے کہ یہ جدعاء اونٹنی تھی۔ امام واقدی نے اس کی قیمت آٹھ سو دراہم بتائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اجرت پر لیا۔ اس کا تعلق بنو عبد بن عدی تھا۔ وہ ابھی تک مشرک تھا بعد میں اسلام لے آیا۔ انہوں نے یہ اونٹنیاں اس شخص کے سپرد کیں اور تین راتوں کے بعد غارِ ثور کے سامنے ملنے کا وعدہ کیا۔"

ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ہم نے جلدی جلدی تیاری کی۔ ہم نے ایک توشہ دان میں زادِ راہ رکھا۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ وہ بکری کے چمڑے کا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمربند کے دو ٹکڑے کیے ایک سے توشہ دان کا منہ بند کیا۔ دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھا۔ اسی لیے انہیں ذات النطاق یا ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔ امام بلاذری نے لکھا

ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''انہیں جنت میں دو کمر بند ملیں گے۔'' اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے سفر کے بارے بتایا آپ نے انہیں حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں ہی رہیں حتیٰ کہ وہ لوگوں کو امانتیں واپس کر کے آئیں جو وہ آپ کے پاس رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے لوگوں کو اپنی جس چیز کے بارے خطرہ محسوس ہوتا۔ وہ اسے آپ کے پاس رکھ دیتے تھے۔ کیونکہ وہ آپ کے صدق و امانت سے خوب آگاہ تھے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حضور اکرم ﷺ غارِ ثور کی طرف چلے گئے۔'' امام بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات قدسی رات کے وقت عازم سفر ہوئے۔'' ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حضرات اس چھوٹے دروازے سے باہر نکلے تھے۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پچھلے حصہ میں تھا۔ عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں حضرت ابوبکر صدیق کی کھڑکی سے باہر نکلا۔ مجھے سب سے پہلے ابوجہل ملا۔ رب تعالیٰ نے اس کی بصارت چھین لی۔ وہ مجھے اور ابوبکر کو نہ دیکھ سکا۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پانچ ہزار دراہم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔'' علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ جس روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس روز ان کے پاس چالیس ہزار دراہم تھے۔ جب ہجرت مدینہ کے لیے عازم سفر ہوئے تو اس روز چار یا پانچ ہزار دراہم تھے۔ یہ رقم حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اٹھا کر غارِ ثور کی طرف گئے تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''میرے پاس میرے دادا ابوقحافہ آئے۔ ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ ابوبکر نے تمہیں نفس کے ساتھ ساتھ مال سے بھی تکلیف دی ہے۔'' میں نے کہا: ''دادا جان! نہیں انہوں نے ہمارے لیے بہت سا مال چھوڑا ہے۔'' انہوں نے کہا: ''میں نے پتھر لیے انہیں گھر کے روشن دان میں رکھا۔ ہمارے والد گرامی اپنا مال اسی میں رکھتے تھے۔ میں نے ان پر کپڑا رکھا۔ اپنے دادا کا ہاتھ تھاما اور کہا: ''دادا جان! اپنا ہاتھ اس مال پر رکھو۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تو کہا: ''کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے تمہارے لیے کافی مال چھوڑا ہے یہ تمہارے لیے کافی ہے۔'' بخدا! والد گرامی ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گئے تھے۔ لیکن میں نے ارادہ کیا کہ اس طرح اس بزرگ کو تسلی ہو جائے۔''

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور کی طرف نکلے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کے آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں چلنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب مجھے یہ خدشہ لگتا کہ آگے دشمن نے گھات نہ لگائی ہو تو میں آپ کے آگے ہو جاتا ہوں۔ جب دشمن کی جستجو کا خطرہ لاحق ہوتا ہے تو آپ کے پیچھے ہو جاتا ہوں۔ کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں تاکہ آپ کے بارے مجھے امن رہے۔

جب وہ غار کے دہانے تک پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ کو اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ اس میں داخل نہ ہوں حتیٰ کہ میں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ اگر اس میں کچھ موجود ہو تو وہ آپ سے قبل مجھ پر حملہ آور ہو" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے۔ ہاتھ سے ٹٹولنے لگے۔ جب بھی کوئی سوراخ نظر آتا تو اپنا کپڑا لیتے اسے چیرتے اور اس کو اس سوراخ میں ٹھونس دیتے۔ حتیٰ کہ سارا کپڑا ختم ہو گیا ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ انہوں نے اپنی ایڑھی اس میں رکھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ سانپ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ڈنگ مار دیا۔ ان کے آنسو نیچے گرنے لگے۔

ابن ابی شیبہ اور ابن منذر نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ دونوں ہستیاں غار ثور تک پہنچیں تو وہاں ایک سوراخ تھا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایڑھی اس میں رکھ دی۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر اس کے اندر کوئی بچھو یا سانپ ہو تو وہ مجھے ڈنگ مارے۔" ابن مردویہ نے حضرت جندب بن سفیان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عازم سفر ہوئے غار تک پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ غار کے اندر تشریف نہ لے جائیں حتیٰ کہ میں اسے صاف کرلوں۔" حضرت ابوبکر صدیق اندر داخل ہو گئے۔ ان کے ہاتھ کو کوئی چیز لگی جس کی وجہ سے انگلی سے خون بہنے لگا۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا:

هل انت الا اصبع دميت و فی سبيل الله ما لقيت

ترجمہ: "تو صرف ایک انگلی ہے جس سے خون نکل رہا ہے۔ راہِ خدا میں یہ تکلیف کچھ بھی نہیں ہے۔"

ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وقتِ صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "آپ کا کپڑا کہاں ہے؟" انہوں نے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔ "مولا! ابوبکر صدیق کو جنت میں میرا درجہ عطا فرمانا۔" رب تعالیٰ نے وحی کی۔ "آپ کی دعا قبول ہو چکی ہے۔"

ابن سعد، ابونعیم، امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے ابو مصعب المکی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت انس، حضرت زید بن ارقم، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو پایا سب ہی بیان کرتے تھے کہ ہجرت کی شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کو حکم دیا۔ قاسم بن ثابت کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الراءۃ کا درخت وہاں اگا دیا۔ یہ درخت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اگا۔ اس نے آپ کو چھپا دیا۔ رب تعالیٰ نے مکڑا بھیج دیا۔ اس نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دو جنگلی کبوتروں کو حکم دیا۔ انہوں نے غار کے دہانے میں گھونسلہ بنا دیا قریش کے جوان ہر وادی سے اپنی تلواریں ڈنڈے اور سونٹے لے کر آ گئے۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چالیس گز کے فاصلے پر رک گئے۔ ان میں سے ایک غار کے

اندر دیکھنے لگا۔ اس نے دو جنگلی کبوتر دیکھے جو غار کے دہانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا۔ انہوں نے پوچھا: "تمہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے دو جنگلی کبوتر دیکھے ہیں میں سمجھا اس کے اندر کوئی نہیں ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ بات سماعت فرمائی۔ آپ کو علم ہو گیا کہ رب تعالیٰ نے اسے آپ سے دور کر دیا ہے۔ آپ نے ان کبوتروں کے لیے برکت کی دعا کی۔ وہ جوڑا حرم پاک میں چلا گیا۔ حرم پاک کے سارے کبوتر ان کی اولاد میں سے ہیں۔

امام احمد نے حسن سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کا تعاقب کیا جب وہ پہاڑ تک پہنچے تو رستہ مختلط ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھے غار کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑے کا جالا دیکھا۔ حضور اکرم ﷺ تین روز تک اس غار میں ٹھہرے رہے۔

حافظ ابو بکر احمد بن سعید نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "قریش حضور اکرم ﷺ کے تعاقب میں آ گئے۔ جب انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑا دیکھا تو انہوں نے کہا: "اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوا۔"
حضور اکرم ﷺ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی نگرانی فرما رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کی قوم آپ کے تعاقب میں ہے۔ بخدا! میں اپنے آپ کے لیے نہیں رو رہا۔ لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "لا تخف ان الله معنا" نہ ڈرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

امام احمد اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم غار میں تھے۔" میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو قدموں کے نیچے ہمیں دیکھ لے گا۔" آپ نے فرمایا: "ان دو کے بارے تمہارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔"
ابو نعیم نے الحلیۃ میں لکھا ہے کہ مکڑے نے دو بار جالا تنا تھا۔ ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام پر جب طالوت ان کے تعاقب میں تھا۔ دوسری بار حضور اکرم ﷺ کے لیے غار پر۔" علامہ بلاذری نے تاریخ میں اور ابو سعید نے شرف میں لکھا ہے کہ مشرکین نے ایک شخص علقمہ بن زرکو اجرت پر لیا۔ اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ آپ کے قدمین شریفین کے نشانات پر چلتا رہا۔ حتیٰ کہ غار ثور تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا: "قدمین شریفین کے نشانات اس جگہ ختم ہیں۔ میں نہیں جانتا آپ دائیں یا بائیں یا اوپر چلے گئے۔ جب وہ غار کے دہانے تک پہنچے تو امیہ بن خلف نے کہا: "تمہیں غار کے اندر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر مکڑے نے جالا تنا ہے جو محمد عربی ﷺ کی ولادت مبارکہ سے بھی پہلے کا ہے۔" پھر وہ آیا اور پیشاب کیا۔

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے جب مشرکین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مفقود پایا تو وہ سوار ہو کر ہر طرف آپ کو تلاش کرنے لگے۔ انہوں نے کنوؤں کے مالکوں کے پاس پیغام بھیجا۔ انہیں آپ کے متعلق کہا اور ان کے لیے بہت بڑا انعام مقرر کیا۔ وہ اس پہاڑ پر بھی آئے جس میں غار ثور تھا۔ جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز تھے۔ وہ اس کے اوپر چڑھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی آوازیں سن لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غم واندوہ نے آلیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبۃ:۴۰)

ترجمہ: "مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے دعا مانگی۔ رب تعالیٰ نے ان پر سکینت اتار دی۔ ابن ابی حاتم، ابوشیخ، ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ۔ (التوبۃ:۴۰)

ترجمہ: "پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر۔"

سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سکینت اتاری۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو پہلے یہ اتری ہوئی تھی۔ ابونعیم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو غار کی طرف منہ کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ ہمیں دیکھ لے گا۔" آپ نے فرمایا: "ہرگز نہیں! ملائکہ اپنے پروں کے ساتھ ہمیں چھپائے ہوئے ہیں۔" جلد ہی وہ ہماری طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: "ابوبکر! اگر یہ تمہیں دیکھتا تو اس طرح کرتا۔"

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ویح قوم جفوا نبیا بارض	الفته ضبابها والظباء
و سلوه و حن جذع الیه	و قلوه و رده الغرباء
اخرجوه منها و آواه غار	و حمته حمامة و رقاء
و کفته بنسجها عنکبوت	ما کفته الحمامة الحصداء

ترجمہ: "اس قوم کے لیے ہلاکت جس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس زمین سے نکالا جس کے گوہ اور ہرن بھی آپ سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو بھلا دیا حالانکہ کھجور کے تنے نے آپ سے محبت کی۔

انہوں نے آپ کو ناراض کیا حالانکہ اجنبیوں نے آپ سے محبت کی انہوں نے آپ کو شہر مکہ سے باہر نکالا۔ جبکہ غار نے آپ کو پناہ دے دی۔ خاکستری کبوتر نے آپ کی حفاظت کی۔ مکڑا جالا بن کر آپ کے لیے کافی ہو گیا۔ بہت زیادہ پروں والی کبوتری آپ کے لیے کافی ہو گئی۔"

انہوں نے لکھا ہے:

اقسمت بالقمر المنشق ان له — من قلبه نسبة مبرورة القسم

وما حوى الغار من خير و من كرم — و كل طرف من الكفار عنه عم

فالصدق فی الغار الصديق لم يردا — وهم يقولون ما بالغار من ارم

ظنوا الحمام و ظنوا العنكبوت على — خير البرية لم تنسج ولم تحم

و وقاية الله اغنت عن مضاعفة — من الدروع و عن عال من الاطم

ترجمہ: "میں اس چاند کی قسم اٹھاتا ہوں جو آپ کی مبارک انگلی سے شق ہو گیا تھا کہ اس چاند کو آپ کے قلب انور کے ساتھ صحیح نسبت ہے۔ میں اس سراپا خیر اور سراپا کرم کی قسم اٹھاتا ہوں۔ جس کو غار نے اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ اس طرح کہ سارے کافروں کی آنکھیں آپ کو دیکھنے سے اندھی ہو گئیں تھیں۔ آپ اور آپ کے یار غار، غار کے اندر موجود تھے۔ کفار کہتے تھے کہ غار میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ کفار نے گمان کیا کہ نہ تو حضور اکرم ﷺ کے اس غار ثور کے دہانے پر مکڑے نے جالا تنا اور نہ ہی کبوتری نے انڈے دیے۔ رب تعالیٰ حفاظت نے آپ کو دوہری زرہوں اور بلند و بالا قلعوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔"

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ دیگر غاروں کو چھوڑ کر غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ "کیونکہ آپ عمدہ فال لیتے ہیں۔" روایت ہے کہ کہا جاتا ہے کہ زمین بیل کے سینگ پر ہے۔ اسی مناسبت سے آپ نے غار ثور کا قصد کیا۔ تا کہ آپ کو بھی سکون اور قرار نصیب ہو۔"

ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کیا تم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کچھ لکھا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "کہو میں سن رہا ہوں۔" انہوں نے یہ شعر پڑھے:

والثانی اثنين فی الغار المنيف و قد — طاف العدو به اذ صعد الجبلا

كان حب رسول الله قد علموا — من البرية لم يعدل به رجلا

ترجمہ: ''وہ بلند غار میں دو میں سے دوسرے تھے۔ دشمن وہاں تلاش کر رہے تھے۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھے۔ وہ جانتے تھے کہ مخلوق میں سے وہی حضور اکرم ﷺ کے محبوب تھے۔ کوئی انسان ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔''

یہ سن کر حضور اکرم ﷺ مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''حسان! تم نے سچ کہا ہے وہ اسی طرح ہیں جس طرح تم نے کہا ہے۔''

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''یہ حضرات قدسی تین راتیں غارِ ثور میں مخفی رہے۔ حضرت عبداللہ ان کے پاس رات گزارتے تھے۔ وہ ایک ذہین وفطین جوان تھے۔ وہ وقتِ سحر ان کے پاس سے آ جاتے۔ وہ صبح کے وقت قریش کے پاس ہوتے۔ قریش کی باتیں غور سے سنتے اور رات کے وقت غار میں جا کر آپ کو بتا آتے۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کے وقت کھانا لے آتی تھیں۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے چرواہوں کے ہمراہ بکریاں چرواتے تھے۔ عشاء کے وقت وہ بکریاں لے کر غار کے پاس آجاتے اور ان حضرات کو دودھ پیش کرتے۔ پھر اندھیرے میں ہی بکریاں لے کر واپس لوٹ آتے۔ وہ رات اسی طرح کرتے رہتے۔

جب تین راتیں گزر گئیں۔ لوگ پرسکون ہو گئے۔ تو وہ شخص آ گیا جسے انہوں نے اجرت پر بطور راہ نما مقرر کیا تھا۔ حضرت عامر بن فہیرہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیا تھا تا کہ یہ راستہ میں آپ کی خدمت کریں۔ ابونعیم نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت کے ارادہ سے باہر تشریف لائے تو یہ دعا مانگی:

الحمد للہ الذی خلقنی و لم اك شیئًا۔ اللھم اعنّی علی ھول الدنیا و بوائق الدھر و مصائب اللیالی و الایام اللھم اصبحنی فی سفری و اخلفنی فی اھلی و بارك لی فیما رزقتنی ملك فذلّلنی و علی صالح خلقی و فقوّ منی و الی ربی محببنی و الی الناس فلا تکلنی انت رب المستضعنین و انت ربی اعوذ بوجھك الکریم الذی اشرقت له السمٰوٰت والارض فکشفت به الظلمات و صلح علیه امر الاولین و الآخرین ان یحل بی غضبك او ینزل علیّ سخطك اعوذبك من زوال نعمتكَ و فجاء ۃ نقمتك و تحول عاقبتك و جمیع سخطك لك العتبی خیر ما استطعت ولا حول ولا قوۃ الا بك۔

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور یعقوب بن سنان نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد گرامی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ''جب آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عازم سفر ہوئے تو آپ نے کیا کیا تھا؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہم عازم سفر ہوئے ہم نے دن اور رات سفر کیا۔ حتیٰ کہ دوپہر ہوگئی۔ سایہ سر پر آگیا۔ میں نے دیکھا کہ کیا مجھے سایہ نظر آتا ہے جس کی طرف جا کر ہم قیام کر سکیں۔ مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ میں اس کی طرف گیا۔ وہاں کچھ سایہ تھا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جگہ ہموار کی۔ میں نے آپ کے لیے پوستین بچھائی۔ میں آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ میں اس مقصد کے لیے باہر نکلا تاکہ دیکھوں کہ کوئی آپ کی تلاش میں تو نہیں۔ میں نے ایک چرواہا دیکھا جو چٹان کا سایہ حاصل کرنے کے لیے اسی طرف آرہا تھا۔ میں نے اس سے ملاقات کی۔ میں نے اس سے کہا: ''تم کس کے غلام ہو؟'' اس نے کہا: ''مکہ مکرمہ کے فلاں شخص کا'' اس نے جس شخص کا نام لیا میں اسے جانتا تھا۔ میں نے اسے پوچھا: ''کیا تیری بکریوں کے نیچے دودھ ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' میں نے کہا: ''کیا میرے لیے دودھ نکالو گے؟ اس نے کہا: ''ہاں! میں نے اسے حکم دیا۔ اس نے ایک بکری کے پاؤں باندھے۔'' میں نے اسے کہا: ''کھیری کو مٹی اور تنکوں سے جھاڑ لینا۔ اس نے ایک پیالے میں دودھ نکالا۔ آپ کے ہمراہ ایک پیالہ تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی نوش فرماتے تھے اور وضوء کرتے تھے۔ اس کو کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ میں دودھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ میں نے ناپسند کیا کہ آپ کو نیند سے بیدار کروں۔ میں ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ آپ خود ہی بیدار ہوگئے۔ میں نے دودھ میں پانی ڈالا اسے ٹھنڈا کیا۔ عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ دودھ نوش فرمالیں۔'' آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا کوچ کرنے کا وقت نہیں آیا۔'' میں نے عرض کی: ''ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!'' جب سورج ڈھل گیا تو ہم عازم سفر ہوئے۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کی داستان

الطبرانی، الحاکم، ابونعیم، ابوبکر شافعی نے حضرت جیش بن خالد خزاعی سے، یہ حضرت ام معبد کے بھائی تھے۔ ابن سعد اور امام بیہقی نے حضرت ابو معبد اور ابن سکن نے حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ رستہ دکھانے کے لیے عبداللہ بن الاریقط بھی ساتھ تھا۔ وہ حضرت ام معبد خزاعیۃ کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ وہ آپ کو نہیں پہچانتی تھی۔ وہ ایک دانا اور عقلمند خاتون تھیں۔ وہ اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھ جاتی تھیں اور مسافروں کو کھلاتی پلاتی تھیں۔ اس مبارک کارواں نے ان سے گوشت اور کھجوروں کے بارے پوچھا۔ تاکہ اس سے خرید لیں۔ اس وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ ایک خستہ حال اور

قحط زدہ قوم تھی۔ انہوں نے کہا: ''بخدا! ہمارے پاس کچھ ہوتا ہم تم سے نہ چھپاتے۔ حضور اکرم ﷺ نے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی۔ آپ نے پوچھا: ''ام معبد! یہ کیسی بکری ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ اتنی کمزور ہے کہ یہ چرنے کے لیے ریوڑ کے ساتھ نہ جاسکی۔'' آپ نے پوچھا ''کیا اس کے نیچے دودھ ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''اس کے نیچے دودھ نہیں ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم مجھے اذن دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ نکال لوں۔'' انہوں نے عرض کی: ''میرے والدین آپ پر فدا! ضرور! اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو ضرور نکال لیں۔'' حضور ﷺ نے وہ بکری اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔ اپنا دست شفاء بخش اس کی کھیری اور کمر پر پھیرا۔ بسم اللہ پڑھی اس کے لیے دعا مانگی۔ اس نے اپنی ٹانگیں کھول دیں۔ وہ دودھ اتار لائی۔ آپ نے ایک ایسا برتن منگوایا جس سے دس افراد سیر ہو سکتے تھے۔ آپ نے اس میں بہت زیادہ دودھ نکالا۔ حتیٰ کہ اس پر دودھ کی جھاگ آ گئی۔ پہلے حضرت ام معبد کو پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئیں پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے۔ پھر سب سے آخر میں خود نوش فرمایا۔ فرمایا: ''قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے۔'' پھر دوبارہ اس کا دودھ نکالا۔ وہ اس کے پاس چھوڑ دیا۔ اسے بیعت کیا اور وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت ام معبد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جس بکری کی کھیری کو حضور ﷺ نے مس کیا تھا وہ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں ۱۸ ھ تک ہمارے پاس رہی۔ اسی سال قحط آیا تھا۔ ہم صبح و شام اس کا دودھ نکالتے تھے۔ حالانکہ زمین پر کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت ہشام بن جیش نے کہا: ''میں نے وہ بکری دیکھی تھی۔ یہ حضرت ام معبد کے خاندان اور وہاں کے باسیوں کے لیے کافی ہو جاتی تھی۔''

تھوڑی مدت کے بعد اس کا خاوند بھی گھر آ گیا۔ وہ کمزور اور ناتواں بکریوں کو ہانک رہا تھا۔ وہ کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑاتے ہوئے چل رہی تھیں۔ ان کا گودا بھی تھوڑا سا باقی رہ گیا تھا۔ جب اس نے اتنا کثیر دودھ دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوا۔ اس نے پوچھا: ''ام معبد! اتنا دودھ کہاں سے آ گیا؟ کوئی شیر دار جانور تو گھر موجود نہ تھا۔'' انہوں نے کہا: ''نہیں! بخدا! ابھی ابھی یہاں سے ایک مبارک ذات گزری ہے۔'' ابو معبد نے کہا: ''ذرا مجھے ان کا حلیہ تو بیان کرو۔'' انہوں نے کہا: ''میں نے ایک ایسی ذات دیکھی ہے جس کا حسن نمایاں تھا جن کا چہرہ خوبصورت اور تخلیق بہت عمدہ ہوئی تھی۔ نہ بڑھی ہوئی توند اسے معیوب بنا رہی تھی اور نہ ہی پتلی گردن اور چھوٹا سر اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین بہت خوبصورت۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی اور پلکیں لانبی۔ اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم سرمگیں۔ دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے تھے۔ گردن چمکدار تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پرنور اور بارونق ہوتا۔ شیریں گفتار، گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی۔ نہ بیہودہ گفتگو موتیوں کی لڑی ہوتی جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ دور سے دیکھنے سے سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے۔ جب قریب سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ خوبرو اور حسین دکھائی دیتے۔ قد میانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ

آنکھوں کو برا لگے۔ نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھی۔ جو سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے لیے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے۔ اگر آپ انہیں کوئی حکم دیتے تو وہ فوراً بجالاتے۔ سب کے مخدوم سب کے محترم نہ وہ ترش رو تھے۔ نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی۔

یہ سراپا سن کر ابو معبد نے کہا: ''بخدا! یہ تو وہی ذاتِ والا ہیں جن کا معاملہ ہمیں مکہ مکرمہ سے پہنچا ہے میری خواہش ہے کہ میں ان کی رفاقت اختیار کرتا۔ اگر مجھ میں یہ قدرت ہوتی تو میں اس طرح ضرور کر گزرتا۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو گئے تو قریش کا ایک گروہ ہمارے پاس آیا۔ ان میں ابو جہل بھی تھا۔ میں باہر نکلی۔ اس نے پوچھا: ''ابوبکر کی نورِ نظر! تمہارے والد گرامی کہاں ہیں؟'' میں نے کہا: ''میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں۔'' اس خبیث نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ وہ ایک گندا اور فحش گو انسان تھا اور مجھے ایک تھپڑ مار دیا۔ جس سے میرے کان کی بالی دور جا گری۔ پھر وہ چلے گئے۔ تین روز گزر گئے ہمیں کوئی خبر نہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی نشیبی علاقے میں ایک جن آیا اس نے یہ اشعار گنگنائے۔ لوگ اس کی آواز سننے لگے۔ وہ اس کے تعاقب میں نکلے۔ وہ اس کی آواز سن رہے تھے۔ لیکن اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ وہ مکہ مکرمہ کے بالائی علاقے کی طرف نکل گیا۔ وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

جزی رب الناس خیرا جزائہ   رفقین قالا خیمتی ام معبد

ترجمہ: ''لوگوں کا رب تعالیٰ انہیں عمدہ جزائے خیر دے۔ ان دو ہستیوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں جلوہ افروز ہوئے ہیں۔''

ھما نزلا بالبر وارتحلا بہ   فافلح من امسی رفیق محمد

ترجمہ: ''انہوں نے پاکبازی کے ساتھ وہاں قیام فرمایا ہے۔ اور پھر عازم سفر ہو گئے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی بن گیا وہ کامیاب ہو گیا۔''

فیالقصی ما زوی اللہ عنکم   بہ من فعال لا تجازی و سودد

ترجمہ: ''اے قصی کی اولاد! رب تعالیٰ نے جو عمدہ افعال اور سرداری تمہیں بخشی ہے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔''

یھن بنی کعب مقام فتاتھم   و مقعدھا للمؤمنین بمرصد

ترجمہ: ''بنو کعب کو مبارکباد! ان کی خواتین کی نشست و برخاست کے اہل ایمان پناہ گاہ ہیں۔''

سلو اختکم عن شاتھا و انائھا فانّکم ان تسألوا الشاۃ تشھد

ترجمہ: "ذرا اپنی بہن سے اس کی بکری اور اس کے برتن کے بارے پوچھو تو سہی۔ اگر تم بکری سے سوال کرو گے تو وہ بھی یہی گواہی دے گی۔"

دعاھا بشاۃ حائل فتحلبت لہ بصریح ضرۃ الشاۃ مزبد

ترجمہ: "آپ نے بکری کو اپنے پاس بلایا پھر اس کی کھیری سے ایسا دودھ نکالا جس میں مکھن کی آمیزش تھی۔"

فغادرھا رھنا لدیھا طالب یرددھا فی مصدر ثم مورد

ترجمہ: "آپ نے وہ بکری اس کے مالک کے لیے باقی رکھی۔ جو بکریوں کو کبھی چراگاہ پر اور کبھی گھر لے کر جاتا تھا۔"

جب یہ اشعار حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سنے تو انہوں نے ہاتف کو یوں جواب دیا۔

لقد غاب قوم غاب عنھم نبیھم و قدّس من یسری الیہ و یغتدی

ترجمہ: "وہ قوم گھاٹا اٹھانے والی ہوگئی۔ جس کے شہر سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے۔ آپ جس قوم میں تشریف لائے وہ سعادتوں کی امین بن گئی۔"

ترحّل عن قوم فضلّت عقولھم و حل علی قوم بنور مجدد

ترجمہ: "آپ ایسی قوم سے جدا ہوئے جس کی عقلیں گمراہ ہو چکی تھی آپ ایک تاباں نور کے ساتھ دوسری قوم میں تشریف فرما ہو گئے۔"

ھداھم بعد ضلالتھم ربھم و ارشدھم من تبع الحق یرشد

ترجمہ: "آپ کی وجہ سے رب تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا رستہ دکھایا جو حق کی پیروی کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔"

و ھل یستوی ضلال قوم تسفھوا لحمی و ھداۃ یھتدون بمھتد

ترجمہ: "کیا اس کے گمراہ برابر ہو سکتے ہیں جو جان بوجھ کر بے وقوف بنے رہے اور اپنے راہ نما پر ہر قسم کی تہمت لگاتے رہے۔"

لقد نزلت منہ علی اھل یثرب رکاب ھدی حلت علیھم باسعد

ترجمہ: "آپ کی وجہ سے اہلِ یثرب کو ہدایت ملی اور ان کے مقدر میں ساری سعادتیں لکھ دی گئیں۔"

نبی یری ما لا یری الناس حوله و یتلو کتاب الله فی کل مسجد

ترجمہ: ''وہ ایسے محبوب مکرم ﷺ ہیں جو وہ چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں جسے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ہر مسجد اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔''

و ان قال فی یوم مقالة غائب فتصدیقها فی الیوم او فی الغد

ترجمہ: ''اگر وہ کوئی غیب کی بات فرمادیتے ہیں تو وہ آج ہی یا کل وقت چاشت ضرور پوری ہو جاتی ہے۔''

لیهن ابابکر سعادة جده بصحبته من یسعد الله یسعد

ترجمہ: ''جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضورِ پاک ﷺ کی رفاقت مبارک ہو۔ درحقیقت سعید وہی ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ سعادت مند کرتا ہے۔''

امام بیہقی کے حسن سند سے اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوا۔ ہم عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے ہاں اترے۔ حضور ﷺ نے ایک جداگانہ گھر دیکھا آپ اس کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں صرف ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس عورت نے کہا: ''اے اللہ کے بندو! میں ایک خاتون ہوں۔ میرے ہمراہ اور کوئی نہیں ہے۔ اگر تم ضیافت چاہتے ہو تو قبیلے کے سردار کے پاس چلے جاؤ۔'' ہم نے اسے جواب نہ دیا۔ یہ شام کا وقت تھا۔ اس کا بیٹا بکریاں ہانک کر لے آیا۔ اس نے کہا: ''نورِ نظر! یہ بکری اور یہ چھری ان دو افراد کی طرف لے جاؤ اور انہیں کہو کہ میری امی جان تمہیں کہہ رہی ہیں کہ یہ بکری ذبح کرو اور ہمیں بھی کھلاؤ۔ وہ بچہ جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''یہ چھری لے جاؤ اور میرے پاس پیالہ لے کر آؤ۔'' حضور اکرم ﷺ نے اس کی کھیری پر دستِ اقدس پھیرا۔ پھر پیالہ بھر کر دودھ نکال لیا۔ فرمایا: ''اسے اپنی امی کے پاس لے جاؤ۔'' اس نے سیر ہو کر دودھ پیا پھر وہ پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ پیالہ لے جاؤ دوسرا پیالہ لے کر آؤ۔ اس بچے نے اسی طرح کیا۔ آپ نے پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر آپ نے دودھ نوش فرمایا۔''

ہم وہاں دو راتیں ٹھہرے رہے پھر آگے چلے گئے۔ انہوں نے آپ کا نام مبارک رکھا۔ ان کی بکریاں کثیر ہو گئیں۔ وہ اپنا دودھ مدینہ طیبہ لے کر آتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے اس عورت کا بچہ دیکھا۔ اسے پہچان لیا۔ اس نے کہا: ''یہ وہ شخص ہیں جو اس مبارک ذات کے ساتھ تھے۔'' وہ عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے کہا: ''اللہ کے بندے! وہ ہستی کون ہے جو اس وقت آپ کے ہمراہ تھی؟'' انہوں نے پوچھا: ''تم ان کے بارے کیا جانتی ہو؟'' اس عورت نے کہا: ''کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے کہا: ''وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔'' اس عورت نے کہا: ''مجھے

ان کی خدمت میں لے چلیں۔ وہ اسے آپ کی خدمت میں لے گئے آپ نے اسے کھلایا اور عطا کیا۔ روایت ہے کہ آپ نے اسے ساز و سامان عنایت کیا۔ اسے کپڑے دیے۔ نوازشات کیں اس عورت نے اسلام قبول کر لیا۔"

امام بیہقی نے الدلائل میں لکھا ہے: "یہ داستان اس داستان سے کم و بیش ہے جو ہم نے حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کی حکایت بیان کی ہے۔ شاید یہ ایک ہی قصہ ہو۔ ابن اسحاق کی بیان کردہ حکایت سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ داستان ایک ہی ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام معبد کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ ان کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ اس نے ضیافت کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا: "بخدا! نہ تو ہمارے پاس کھانا ہے۔ نہ کچھ عطیہ ہے صرف بکری کا ایک بچہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ایک بکری کو بلایا۔ اس کی کھیری کو اپنا دست اقدس لگایا۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ آپ نے اسے پیالے میں دوہا حتیٰ کہ اسے جھاگ اوپر اٹھ آئی۔ آپ نے فرمایا: "ام معبد! پیو!" انہوں نے عرض کی: "آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔" آپ نے اسے پیالہ عنایت کیا۔ اس نے دودھ پیا۔ پھر آپ نے دوسری بکری منگوائی۔ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ وہ اپنے رستہ بتانے والے کو پلایا۔ پھر ایک اور بکری منگوائی۔ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ وہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر آپ آرام فرما ہو گئے۔

قریش آپ کی جستجو میں نکلے حتیٰ کہ وہ ام معبد تک پہنچ گئے۔ ان سے آپ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: "کیا تو نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ جس کا حلیہ یہ یہ ہے۔" ام معبد نے کہا: "مجھے پتہ نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ بکری کے بچہ کا دودھ نکالنے والے تو میرے مہمان بنے تھے۔" قریش نے کہا: "ہم ان کا ہی ارادہ کیے ہوئے ہیں۔" امام بیہقی نے لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ آپ نے خیمہ کے ایک گوشے میں وہ بکری دیکھی ہو۔ جیسے کہ ہم نے حضرت ام معبد سے روایت کیا ہے۔ پھر ان کا بچہ اپنی بکریاں لے کر آ گیا ہو۔ پھر ان کا خاوند آیا ہو تو انہوں نے ان سے آپ کا مبارک سراپا بیان کیا ہو۔

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی داستان

امام احمد، یعقوب بن سفیان اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے انہوں نے اس شخص کو ایک سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دے یا زندہ گرفتار کر دے۔ میں اپنی قوم بنو مدلج کی ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا۔ وہ ہم پر کھڑے ہو گیا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: "سراقہ! میں نے ابھی ابھی ساحل کے پاس ایک مختصر سا کارواں دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہیں۔" سراقہ نے کہا: "میں نے انہیں پہچان لیا ہے کہ وہ وہی ہیں۔"

لیکن اس نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا تا کہ میں خاموش ہو جاؤں۔ وہ شخص خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے اسے کہا: ''وہ تو نہیں ہیں۔ وہ تو فلاں اور فلاں ہیں۔ وہ اپنی گم شدہ اونٹنی کی تلاش میں ہیں۔'' میں اسی محفل میں ٹھہرا رہا۔ پھر میں اٹھا۔ اپنے گھر گیا۔ اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ ان ٹیلوں کے پیچھے میرا گھوڑا لے جائے اسے وہیں روکے رکھے۔ میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھلے حصہ سے نکل گیا۔ میں نے نیزے کا نچلا حصہ زمین پر لگایا اور اس کا اوپر والا حصہ نیچے کیا، حتیٰ کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس آ گیا۔ اس پر سوار ہوا اسے تیز دوڑایا۔ حتیٰ کہ اس نے مجھے اس کارواں کے قریب کر دیا۔ میں نے وہ کارواں دیکھ لیا۔ جب میں ان کے قریب گیا تو میرا گھوڑا پھسلا میں اس سے نیچے گر پڑا۔ میں اٹھا۔ میں نے اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا۔ میں نے اس میں سے تیر نکالے۔ میں نے قرعہ اندازی کی کہ کیا میں آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا۔ یعنی میں آپ کو نقصان نہیں دے سکتا۔ میں آپ کو گرفتار کر کے ایک سو اونٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا۔ میں نے قرعہ کی مخالفت کی۔ اس گھوڑے نے مجھے اس کارواں کے قریب کر دیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی قرأت کی آواز سن لی۔ آپ التفات نہیں فرما رہے تھے۔ جبکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بار بار دیکھ رہے تھے۔ میرے گھوڑے کے اگلے سم زمین میں دھنس گئے۔ حتیٰ کہ وہ گھٹنوں تک نیچے چلا گیا۔ میں نیچے اترا میں نے گھوڑے کو جھڑکا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے سم باہر نکالے۔ اس کے پاؤں کے ساتھ ہی آگ کا بگولہ نکلا جو دھوئیں کی طرح آسمان پر پھیل گیا۔ میں نے قرعہ اندازی کی۔ وہی تیر نکلا جسے میں پسند نہیں کرتا تھا۔ یعنی میں آپ کو نقصان نہیں دے سکتا۔ مجھے علم ہو گیا کہ آپ مجھ سے محفوظ ہیں۔ میں نے امان کے لیے پکارا۔ میں نے عرض کی: ''آپ مجھے مہلت دے دیں۔ بخدا! میں نہ تو تمہیں اذیت دوں گا نہ ہی تمہیں کسی ناپسند امر کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' حضور اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو کہ یہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟'' میں نے عرض کی: ''آپ کی قوم نے آپ کو پکڑنے کا انعام ایک سو اونٹ مقرر کیا ہے۔'' میں نے سارا واقعہ سنایا۔ میں نے آپ کو زادِ راہ بھی پیش کیا۔'' آپ نے نہ تو میرے سامان میں کمی کی اور نہ ہی مجھ سے کچھ پوچھا مگر فرمایا: ''ہم سے دور چلے جاؤ۔'' میں نے عرض کی کہ آپ مجھے امان نامہ لکھ کر دیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ابو بکر! اسے امان نامہ لکھ دو۔'' دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر مجھے امان نامہ لکھ دیا۔ حضور اکرم ﷺ آگے روانہ ہو گئے۔

میں واپس آ گیا۔ میں خاموش تھا۔ کسی سے بات تک نہ کی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ آپ غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف سے فارغ ہو گئے۔ میں آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے نکلا۔ میرے ہمراہ وہ نوشتہ تھا جو آپ نے میرے لیے لکھوایا تھا۔ میں نے جعرانہ میں آپ سے ملاقات کی۔ میں آپ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اسی اثناء میں انصار کا ایک گروہ میرے سامنے آ گیا۔ وہ

مجھے نیزے چھونے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے "دور ہو جا دور ہو جا" حتیٰ کہ میں حضور ﷺ کے قریب ہو گیا۔ آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ گویا کہ میں رکاب میں آپ کی پنڈلی کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ کھجور کے درخت کی گوند کی طرح سفید تھی۔ میں نے ہاتھ بلند کر دیا۔ میرے ہاتھ میں وہ نوشتہ تھا۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ نوشتہ ہے جسے آپ نے میرے لیے لکھوایا میں سراقہ بن مالک ہوں۔" آپ نے فرمایا: "آج وفاء اور نیکی کا دن ہے اسے میرے قریب کر دو۔" میں قریب ہوا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے یاد کیا کہ میں حضور ﷺ سے کیا سوال کروں۔ مجھے کچھ یاد نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! گمشدہ اونٹ میرے اس حوض پر آتے ہیں جسے میں نے اپنے اونٹوں کے لیے بھرا ہوتا ہے۔ اگر میں وہ پانی انہیں پلا دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا" آپ نے فرمایا: "ہاں! ہر جگر والی چیز کو پانی پلانے میں اجر ہے۔"

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سراقہ نے ہمارا تعاقب کیا، ہم سخت زمین میں چل رہے تھے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ تلاش کرتے کرتے ہم تک پہنچ گیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" جب ہمارے قریب ہوا اس کے اور ہمارے مابین ایک، دو یا تین نیزوں کا فاصلہ تھا۔ میں نے عرض کی: "یہ تو بالکل قریب پہنچ گیا ہے۔" میں رونے لگا۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: "کس لیے رو رہے ہو؟" میں نے عرض کی: "بخدا! میں اپنی ذات کے لیے نہیں رو رہا۔ بلکہ آپ کے لیے رو رہا ہوں۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگی: "مولا اسے تو اس طرح کافی ہو جا جس طرح چاہے۔" اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ وہ نیچے اتر آیا۔ اس نے کہا: "محمد عربی (جانِ عالم ﷺ) میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کا عمل ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا کرے۔ بخدا! میں اپنے پیچھے جستجو کرنے والوں کو روک لوں گا۔ یہ میرا ترکش ہے۔ آپ اس میں سے تیر لے لیں۔ آپ فلاں جگہ سے میرے اونٹوں اور بکریوں کے پاس سے گزریں گے۔ آپ اپنی ضرورت کے مطابق ان سے لے لیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہمیں تمہارے اونٹوں اور بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا۔ وہ جسے بھی ملتا اسے کہتا۔ اس جگہ تک تو میں تلاش کر چکا ہوں۔ وہاں تک کوئی نہیں۔ وہ اس کو اپنے ساتھ واپس لے جاتا۔ اس نے ہمارے ساتھ وفا کی۔"

ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب سراقہ واپس آیا۔ تو اس نے قریش سے کہا: "تم میری نظر اور باریک بینی سے آگاہ ہو۔ میں نے بہت جستجو کی لیکن مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔" قریش واپس آ گئے۔ ابن سعد اور بلاذری نے کہا: "سراقہ نے منگل کے روز قدید کے مقام پر آپ سے ملاقات کی تھی۔" ابن عساکر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور میں جانے، اپنے سفر اور سراقہ کے تعاقب کے بارے یہ اشعار لکھے ہیں:

قال النبی و لم یجزع یوقرنی و نحن فی شدۃ من ظلمۃ الغار

ترجمہ: "اس عالم میں کہ ہم غار کے اندھیرے کی ظلمت میں تھے۔آپ بالکل خوفزدہ نہ تھے۔آپ محبتِ الٰہیہ میں اضافہ فرمارہے تھے۔آپ نے کہا۔"

لا تخش شیئا ان اللہ ثالثنا و قد توکل لی منہ باظہارٖ

ترجمہ: "تم کسی چیز سے نہ ڈرو۔ہمارے ساتھ تیسرا رب تعالیٰ ہے۔اس نے میرے ساتھ غلبہ کا وعدہ کیا ہے۔"

و انما کید من تخشی بوادرہ کید الشیاطین کادتہ لکفار

ترجمہ: "وہ مکروفریب جس کے رونما ہوجانے سے تم خوفزدہ ہو وہ شیطانی چال ہے وہ کفار کے لیے ہی ہوگی۔"

واللہ مہلکم طرّا بما کسبوا و جاعل المنتہی منہا الی النار

ترجمہ: "رب تعالیٰ انہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دے گا۔اوران کا ٹھکانہ آتش دوزخ کو بنادیا گیا۔"

و انت مرتحل عنہم و تارکہم اما عدوّا و اما مدلج ساری

ترجمہ: "تم سفر پر روانہ ہوجاؤ گے اورانہیں چھوڑ دو گے۔صبح کے اجالے یا شام کے اندھیرے میں تم عازمِ سفر ہوجاؤ گے۔"

و ہاجر رضمہم حتّی یکون لنا قوم علیہم ذوو عز و انصار

ترجمہ: "تم ان کی سرزمین کی طرف ہجرت کرو گے حتّی کہ ایک معزز اور مددگار قوم ہمیں نصیب ہوگی۔"

حتّٰی اذالیل وارتنا جوانبہ و شد من دون من تخشی باستارٍ

ترجمہ: "جب رات کی ظلمت نے ہمیں ڈھانپ دیا اور اس نے ہر اس چیز کو پردوں سے روک لیا جس سے تو خوفزدہ ہوتا ہے۔"

سار الاریقط یہدینا و اینتنہ ینعبن بالقدم نعبا تحت اکوار

ترجمہ: "اریقط ہماری راہ نمائی کرنے لگا اور اس کی اونٹنیاں کجاووں کے نیچے تیزی سے چلنے لگیں۔"

یعسفن عرض الثنایا بعد اطولہا و کل سہب رقاق الترب موّارٖ

ترجمہ: "وہ گھاٹی کے طول اور عرض میں روانہ ہوئیں۔ہر نرم اور ہموار زمین کو انہوں نے عبور کرلیا۔"

حتّی اذا قلت قد انجدن عارضہا من مدلج فارس فی منصب وارٖ

ترجمہ: "جب میں نے سوچا کہ یہ بلندی پر پہنچ چکی ہیں تو بنو مدلج کے ایک تیز رفتار سوار نے انہیں آلیا۔"

یردی به مشرف الاقطار معتزم　　　كالسيّد ذی اللبدة المستأسدِ انصاری

ترجمہ: "اسے ایک برق رفتار اور ہر طرف دوڑانے والا گھوڑا اڑائے جا رہا تھا۔ وہ سردار نما، بہت زیادہ بالوں والا شیر کی طرح نقصان دینے والا تھا۔"

فقال: كرّوا فقلنا: ان كرتنا　　　من دونهالك نصر الخالق البارى

ترجمہ: "اس نے کہا: "لوٹ چلو" ہم نے کہا: "ہمارا لوٹنا تمہارے لیے ذرا جداگانہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد ساتھ ہے۔"

ان يخسف الارض بالاحوى وفارسه　　　فانظر الى اربع فى الارض غوار

ترجمہ: "کہ وہ تیز رفتار گھوڑے اور اس کے شہسوار کو نیچے دھنسا دے۔ ذرا موسم بہار والی نشیبی سرزمین کو دیکھو۔"

فهيل لما رأى ارساغ مهرته　　　قد سخن فى الارض لم تحفر بمحفار

ترجمہ: "جب اس نے اپنے گھوڑے کے سم دیکھے کہ وہ زمین کے اندر جا چکے ہیں۔ حالانکہ زمین کو کسی آلے کے ساتھ کھودا بھی نہیں گیا تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔"

فقال هل لكم ان تطلقوا فرسى　　　و تأخذوا موثقا فى نصح اسرار

ترجمہ: "کیا تم میرے گھوڑے کو آزاد کر دو گے اور ایک عہد نامہ لکھ کر دو جو پرخلوص اسرار میں سے ہو۔"

و اصرف الحىّ عنكم ان لقيتهم　　　و ان اعوّر منهم عين عوّار

ترجمہ: "اگر میں نے قریش کے لوگوں کو دیکھا تو انہیں تم سے دور لے جاؤں گا اور ان کی بند آنکھوں کو بند ہی رہنے دوں گا۔"

فادع الذى هو عنكم كفّ عورتنا　　　يطلق جوادى و انتم خير ابرار

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو جس نے ہماری تکلیف کو تم سے روکا ہے کہ وہ میرے گھوڑے کو آزاد کر دے تم سارے انسانوں سے بہترین ہو۔"

فقال قولا رسول الله مبتهلا　　　يا رب ان كان منه غير اخفار

ترجمہ: "حضور اکرم ﷺ نے پرسوز دعا مانگی "مولا! اگرچہ اس کی یہ سلامتی ان کے خلاف ہی ہے تو اسے آزاد کر دے۔"

فنجّه سالما من شر دعوتنا و مهره مطلقا من كلم آثار

ترجمہ: ''مولا! اسے ہماری دعا کے اثر سے نجات دے دے اور اس کے گھوڑے کو بھی زخموں کی تکلیف سے نجات دے دے۔''

فاظهر الله اذ يدعو حوا فره و فاز فارسه من هول اخطار

ترجمہ: ''جب آپ نے دعا مانگی تو رب تعالیٰ نے اس کے سموں کو آزاد کر دیا۔ اور اس کا سوار برباد ہونے سے نجات پا گیا۔''

امام بخاری حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ راستہ میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت زبیر سے ملاقات کی وہ مسلمان تاجروں کے قافلہ میں تھے جو شام سے واپس آ رہا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سفید کپڑے پیش کیے۔ امام بیہقی نے حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو انہیں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ملے جو شام سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب انہیں حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے بتایا گیا تو وہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے آئے۔ انہوں نے ان دونوں حضرات کو کپڑے پیش کیے۔ ان کپڑوں میں سے بعض کپڑے انہوں نے زیب بدن فرمائے۔

ابونعیم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''جب حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت فرمائی تو وہ جحفہ کے مقام پر ہمارے اونٹوں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کس کے اونٹ ہیں؟'' لوگوں نے بتایا: ''بنو اسلم میں سے ایک شخص کے۔'' حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: ''ان شاء اللہ! ہم سلامتی پا گئے ہیں۔'' میرے والد گرامی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ایک اونٹ پر سوار کیا اور اپنا غلام مسعود آپ کے ہمراہ بھیجا۔''

ابویعلی، الطبرانی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت قیس بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مخفی طور پر سفر رواں رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک غلام دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ انہوں نے اس سے دودھ مانگا۔ اس نے کہا: ''میرے پاس شیر دار بکری نہیں ہے۔ البتہ وہ بھیڑ کی بچی ہے جو سال کی ابتداء میں باردار ہوئی تھی۔ اب اس کے تھنوں میں دودھ نہیں ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اسی کو لے آؤ۔'' وہ اسی کو لے آیا۔ آپ نے اس کی ٹانگوں کو باندھا۔ اس کی کھیری پر دستِ اقدس پھیرا۔ حتیٰ کہ وہ دودھ اتار لائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک برتن لے آئے۔ آپ نے دودھ دوہا۔ پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر دودھ نکالا وہ چرواہے کو پلایا۔ پھر دودھ نکالا تو خود نوش فرمایا۔ چرواہے

نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟ بخدا! میں نے آپ کی مثل کوئی نہیں دیکھا۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم میرا یہ راز رکھو گے؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''میں محمد رسول اللہ ہوں۔'' چرواہے نے کہا: ''کیا آپ وہی ہیں جسے قریش صابی گمان کرتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ اسی طرح کہتے ہیں۔'' چرواہے نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی کریم ﷺ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور آپ نے جس معجزہ کا اظہار کیا ہے اس کا اظہار ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔''

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سفر میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ان لوگوں کو مجھ سے دور کر دو۔ ایک نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ جھوٹ بولے۔'' جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا: ''آپ کون ہیں؟'' وہ کہتے: ''میں باغی ہوں۔'' جب ان سے پوچھا جاتا ''آپ کے ساتھ کون ہے؟'' وہ فرماتے: ''یہ میرے راہ نما ہیں جو میری رہبری کرتے ہیں۔'' امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بوڑھے لگتے تھے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ جوان لگتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ان سے پوچھا: ''یہ تمہارے سامنے کون ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ وہ ذات ہے جو مجھے راستہ دکھاتی ہے۔'' پوچھنے والے نے اس سے مراد راستہ لیا تھا جبکہ آپ کی مراد راہِ خیر تھی۔

زبیر بن بکار نے الموفقیات میں اور ابو نعیم نے حضرت سعد بن عبادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب ہم نے حضور ﷺ کی بیعت عقبہ کی۔ میں کسی کام کے لیے حضر موت گیا۔ میں نے وہ کام کیا میں واپس آنے لگا۔ رستہ میں میں سو گیا۔ میں گھبرا کر اٹھا ایک پکارنے والا پکار رہا تھا:

ابا عمرو تا و بنی السهود　　　　و راح النوم و انقطع الهجود

ترجمہ: ''ابو عمرو! مجھے بیداری نے تھکا دیا ہے۔ نیند چلی گئی ہے۔ سونا ختم ہو گیا ہے۔''

دوسرا ہاتف بولا: ''یا خرعب! تمہاری تھکاوٹ ختم ہو جانی چاہیے سب سے عجیب بات وہ ہے جو مکہ مکرمہ اور یثرب کے مابین رونما ہوئی ہے۔'' اس نے پوچھا: ''شاهب! وہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''سلام کے نبی کریم ﷺ کو عمدہ کلام کے ساتھ سارے لوگوں کی طرف مبعوث کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے حرم پاک مکہ مکرمہ سے کھجوروں اور ٹیلوں والی سرزمین مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ہے۔''

پھر فجر طلوع ہو گئی۔ میں غور و فکر کرنے لگا۔ میں نے دو سانپ دیکھے جو مرے پڑے تھے۔ مجھے علم ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آ گئے ہیں۔

جب حضور سید عالم ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ کو حضرت ابو عبداللہ بریدۃ بن الحصیب الاسلمی اپنی قوم کے ستر افراد کے ساتھ ملے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: "آپ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "بریدہ" آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ہمارا امر ٹھنڈا اور درست ہوگیا۔" پھر آپ نے ان سے پوچھا: "تمہارا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہے؟" انہوں نے عرض کی: "اسلم کے ساتھ۔" آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ہم سلامتی پا گئے ہیں۔" پھر فرمایا: "تم کس کی اولاد میں سے ہو؟" انہوں نے عرض کی: "بنو سہم سے۔" آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ابوبکر! تمہارا تیر نکل آیا ہے۔" حضرت بریدہ نے عرض کی: "آپ کون ہیں؟" آپ نے فرمایا: "میں جانِ عالم، روحِ کائنات، محمد بن عبداللہ، اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔" حضرت بریدہ نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" حضرت بریدہ اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت بریدہ نے کہا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بنو سہم کو برضا و رغبت اسلام لانے کی توفیق عطا کی۔" وقتِ صبح انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ جھنڈے کے بغیر مدینہ طیبہ داخل نہ ہوں۔" انہوں نے اپنا عمامہ اتارا۔ اسے نیزے کے ساتھ باندھا پھر آپ کے آگے آگے چلنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ مبارک کارواں مدینہ طیبہ داخل ہوگیا۔

تنبیہات

1. الحافظ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کی ہجرت، عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کی بیعت اور آپ کی ہجرت کے مابین دو ماہ اور کچھ ایام کی مدت ہے۔

2. حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ اس سے پہلے نہیں جانتی تھیں کہ شدت خوشی سے بھی رویا جاتا ہے امام سہیلی نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ اس لیے فرمایا تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ وہ پہلے اس سے آگاہ نہ تھیں۔ حالانکہ عرب کے شعراء نے اپنے اپنے اشعار میں یہ منظر قلمبند کیا ہے۔ طائی بادلوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

دھم اذا وکفت فی روضۃ طفقت　　　عیون ازھارھا تبکی من الفرج

ترجمہ: "وہ سیاہ بادل جب اس کے گلشن میں برسا تو اس کے پھولوں کی آنکھیں خوشی کی شدت کی وجہ سے رونے لگیں۔"

ابو طیب کہتا ہے:

لا تنكرن لها صرعةً فمن فرح النفس ما يقتل

ترجمہ: "اس کی اس حالت کا منکر نہ بن کبھی کبھی زیادہ خوشی کی وجہ سے بھی نفس ہلاک ہو جاتا ہے۔"

دوسرا شاعر کہتا ہے:

و رد الكتاب من الحبيب بانه سيزورني فاستعبرت اجفاني

غلب السرور علی حتّٰی انه من فرط ما قد سرّني ابكاني

يا عين صار الدمع عندك عادةً تبكين فی فرحٍ و فی احزان

ترجمہ: "میرے محبوب کی طرف سے مجھے خط ملا ہے کہ وہ عنقریب ہی مجھ سے ملاقات کرے گا۔ یہ پڑھ کے میری آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ مجھ پر مسرت کا غلبہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس سے زیادہ خوشی نے مجھے رلا دیا۔ میری آنکھ! آنسو بہانا تیری عادت سی بن گئی ہے۔ تو خوشی اور غم دو حالتوں میں رونے لگتی ہے۔"

❸ امام سہیلی نے اہلِ مغرب کے بعض شیوخ سے روایت کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اونٹنی قبول نہ کی۔ حالانکہ انہوں نے اسلام کی اشاعت کے لیے کثیر رقم خرچ کی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ رب تعالیٰ کی طرف آپ کی ہجرت مال اور نفس کے ساتھ مکمل ہو۔

❹ آپ نے نبوت کے تیرھویں سال ماہ ربیع الاول میں ہجرت کی۔ اس دن سوموار تھا۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "پیر کے روز تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ پیر کے دن ہی ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے اور پیر کے دن ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور پیر کے روز ہی آپ کا وصال ہوا۔ امام حاکم نے لکھا ہے کہ اس کے بارے روایات متواتر ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے پیر کے دن ہی عازم سفر ہوئے۔ پیر کے روز ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ لیکن محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے لکھا ہے کہ آپ جمعرات کے دن مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے جمعرات کے روز عازم سفر ہوئے تھے لیکن غار ثور سے پیر کے روز مدینہ طیبہ کی طرف رواں ہوئے۔ آپ نے وہاں تین راتیں جمعۃ المبارک کی رات، ہفتہ کی رات اور اتوار کی رات قیام فرمایا۔ اور سوموار کی رات آپ عازم سفر ہو گئے۔

❺ روایت ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تھے۔ تو آپ نے ایک مشرک کو دیکھا۔ اس کا تذکرہ بارگاہ

رسالت مآب میں کیا تو آپ نے فرمایا: "اگر وہ ادھر سے آ گئے تو دوسری طرف سے نکل جائیں گے۔" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غار کی دوسری طرف دیکھا تو وہ دوسری طرف سے پھٹ چکا تھا۔ سمندر اس کے ساتھ متصل تھا۔ ایک طرف ایک کشتی باندھی گئی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: "رب تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے ہر چیز ناممکن نہیں۔ لیکن اس کی کوئی قوی یا ضعیف سند نہیں۔ ہم کسی چیز کو اپنی طرف سے ثابت نہیں کرتے۔ لیکن جو صحیح یا حسن ہوا سے کہتے ہیں۔

٦ بعض عجمی رافضی شیعہ اپنے بالوں کی مینڈھیاں بنا کر اپنے سروں کے اوپر لپیٹتے ہیں۔ اس سے وہ سانپوں کے لیے تعظیم کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے غار کے اندر جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ڈسا تھا۔

٧ امام احمد اور امام الحاکم نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنے رفیق راہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس ایام سے کچھ زائد دن ٹھہرا رہا۔ ہمارا کھانا صرف بریر (جھاؤ درخت کا پھل) ہوتا تھا۔" الحاکم نے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے "ہم غار میں اور رستہ میں دس سے کچھ زائد دن مشرکین سے مخفی رہے۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ امام احمد کی روایت میں غار کا ذکر نہیں ہے۔ یہ بعض راویوں کی زیادتی ہے۔ اسے ہجرت پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ غار میں دودھ لے کر آتے تھے۔ اسی طرح آپ نے رستہ میں ایک چرواہے سے ملاقات کی۔ حضرت ام معبد کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے۔

٨ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اے بندے! ذرا رب تعالیٰ کے اس فرمان میں غور تو کرو:

اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبۃ:٤٠)

ترجمہ: "جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

ان دونوں حضرات قدسی کو کس طرح لفظاً اور معنیً رب تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ معیت اس طرح حاصل ہے کہ رب تعالیٰ نصرت اور نعمت کے اعتبار سے ان کے ساتھ رہا۔ ہدایت وارشاد کے اعتبار سے ان کے ہمراہ رہا۔ لفظ کے اعتبار سے یہ معیت اس طرح حاصل ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کے پاک نام کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے "قیل یا رسول اللہ! یا فعل رسول اللہ" اسی طرح آپ کے یار غار کے لیے بھی یہ معیت حاصل تھی۔ انہیں یوں کہا جاتا تھا: "یا خلیفۃ رسول اللہ! فعل خلیفۃ رسول اللہ۔" آپ کے لیے رسالت اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

لیے خلافت کا لفظ۔ رب تعالیٰ کی معیت کے ساتھ بولا جاتا تھا۔ کسی اور خلیفہ کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے۔

9. مہلت بن ابی صفرۃ نے کہا ہے "اس وقت حضور اکرم ﷺ نے بکری کا دودھ نوش فرمالیا کیونکہ آپ مشکل دور سے گزر رہے تھے۔ یہ روایت آپ کے اس امر کے مخالف نہیں ہے "تم میں سے کوئی کسی کی بکری کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔" کیونکہ یہ یا تو مشکل کے وقت میں رونما ہوا تھا۔ یا اسے حملہ کی صورت پر محمول کیا جائے گا لیکن یہ امر درست نہیں۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود چرواہے کے پاس گئے۔ فرمایا: "کیا تم دودھ نکالنے والے ہو؟" اس نے عرض کی: "ہاں! گویا کہ انہوں نے یہ سوال کیا" کیا تمہارے مالک نے تمہیں اس شخص کے لیے اسے دوہنے کی اجازت دی ہے جو اس کے پاس آئے۔" اس نے کہا: "ہاں! یا عرب میں یہ رواج تھا کہ یہ مباح تھا۔ مسافر اور ابن سبیل کے لیے اس طرح دودھ نکال لینا مباح تھا۔ اس کے بارے ہر چرواہے کو اجازت تھی۔

داؤدی نے لکھا ہے کہ آپ نے یہ دودھ اس لیے نوش جاں کرلیا تھا کیونکہ آپ مسافر تھے۔ مسافر کے لیے یہ دودھ روا ہوتا ہے خصوصاً جبکہ اسے اس کی احتیاج ہو۔ بالخصوص حضور اکرم ﷺ کے لیے یہ مباح تھا۔ اس شخص نے دور کا مؤقف اختیار کیا ہے جس نے کہا ہے: "آپ نے اسے اس لیے جائز سمجھا کیونکہ وہ حربی کا مال تھا۔ کیونکہ جہاد بعد میں فرض کیا گیا اور ابھی تک مالِ غنیمت بھی مباح نہیں ہوئی تھی۔" الحافظ نے لکھا ہے: "حضرت ابوبکر صدیق کے فرمان" کیا تیری بکری کے پاس دودھ ہے؟ اس سے مراد یہ استفہام ہے کہ کیا تیرے پاس اذن ہے کہ تو یہ دودھ اس شخص کو پیش کرے جو یہاں سے گزرے تا کہ اس کی ضیافت ہو سکے۔ یہ بھی احتمال ہے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بکریوں کے مالک کو پہچان لیا ہو۔ اس کی صداقت کی وجہ سے اس کی رضا کو جان گئے ہوں یا اس نے یہ اذن عام دے رکھا ہو۔

10. ابونعیم نے اس جگہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا ہے جو بعض اسناد سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: "میں نوخیز جوان تھا۔ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں مکہ مکرمہ میں چراتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ وہ مشرکین سے چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: "جوان! تمہارے پاس دودھ ہے...... یہ ساری روایت معجزات میں آئے گی۔

البدایۃ اور الفتح میں ہے "حضرت ابن مسعود کے اس فرمان کہ یہ دونوں حضرات قدسی دشمن سے چھپے ہوئے تھے یا

بھاگے ہوئے تھے۔" سے مراد وقت ہجرت نہیں۔کیونکہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔ان کا واقعہ صحیح میں مرقوم ہے۔

◆11 العیون میں حضرت سراقہ کا قصہ حضرت ام معبد کی داستان سے پہلے رقم کیا گیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے واقعات کو ترتیب سے لکھا ہے۔لیکن "الاشارۃ" میں ہے کہ حضرت ام معبد کی داستان سراقہ کی داستان سے پہلے رونما ہوئی۔میں نے انہی کی پیروی کی ہے۔صحیح یہی ہے ایک گروہ نے یہی صراحت بیان کی ہے۔

◆12 حضرت سعدان کے بارے ہاتف کے اشعار ذکر کیے گئے ہیں۔ان کے بارے السید نے لکھا ہے "قیاس یہی بتاتا ہے کہ یہ اشعار بہت پہلے پڑھ گئے تھے کیونکہ ان سعدان رضی اللہ عنہما نے اس سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔

❁❁❁❁

پانچواں باب

اہلِ مدینہ کا استقبال، آپ کا قباء میں نزولِ اجلال اور مسجد قباء کی بنیاد

امام بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ابن سعد نے حضرت عبدالرحمان بن عویم اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے سنا کہ حضور پاک ﷺ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ وہ آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر ٹیلوں کی طرف نکل جاتے۔ وہاں آپ کا انتظار کرتے رہتے۔ جب ٹیلوں پر دھوپ آجاتی اور دوپہر کی دھوپ انہیں تکلیف دینے لگتی۔ جب انہیں کہیں سایہ نہ ملتا تو وہ واپس آجاتے۔ یہ گرم دن تھے۔ جب وہ دن آیا جس روز حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کو رشکِ ارم بنانا تھا تو وقتِ دوپہر صحابہ کرام گھروں کی طرف واپس آ گئے تھے تو ایک یہودی ان ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر ضروری کام کے لیے چڑھا۔ اس نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو واضح طور پر دیکھ لیا۔ اس سے رہا نہ گیا اس نے باآواز بلند کہا: ''اے بنو قیلہ! (یا اے عرب! تمہارے وہ صاحب تشریف لا رہے ہیں جن کے تم منتظر تھے۔'' مسلمانوں نے جلدی سے اسلحہ اٹھایا اور چٹان کے پاس آپ کی دست بوسی کی۔ پیر کا مبارک دن تھا۔ ربیع الاول کا ماہِ مقدس تھا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کھجور کے سایہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ عمر میں حضور اکرم ﷺ کے برابر ہی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ حضور انور ﷺ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ انصار میں سے جس شخص نے پہلے آپ کی زیارت نہیں کی تھی وہ آ کر حضور اکرم ﷺ کی بجائے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتا۔ جب دھوپ آپ ﷺ کے سراقدس پر آگئی تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی چادر سے آپ کو سایہ کرنے لگے۔ اس وقت وہ انصار جان گئے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک تو وہ ہے جسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سایہ کر رہے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سایہ میں آپ کے لیے جگہ بنا رہے ہیں تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو پہچان لیا۔ حضور اکرم ﷺ ان کے لیے دائیں طرف ہو گئے۔ آپ قباء تشریف لے گئے اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ حضرت سعد بن خیثمہ کے ہاں جلوہ افروز ہوئے تھے۔

رزین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔اسی طرح امام حاکم، ابن شہاب اور دمیاطی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔جب آپ لوگوں کے لیے باہر تشریف لاتے تو پھر حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہو جاتے۔کیونکہ وہ کنوارے تھے ان کے اہلِ خانہ وہاں نہ رہتے تھے۔وہ مہاجرین بھی ان کے ہاں ہی ٹھہرے تھے،جو کنوارے تھے۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت سعد کے ہاں قیام فرمایا تھا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب بن اساف یا حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر قیام فرمایا تھا۔

زبیر بن بکار نے حضرت عبداللہ بن حارثہ سے روایت رقم کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا۔ انہوں نے اپنے غلام کو پکارا "یا نُجَیْح!" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:"ابوبکر! تم کامیاب ہو گئے ہو۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے بعد مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرے رہے۔کسی نے کہا کہ آپ کے بعد انہوں نے تین روز تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔حتیٰ کہ لوگوں کی وہ امانتیں انہیں واپس کیں جو وہ آپ کے پاس رکھتے تھے۔پھر وہ عازمِ سفر ہو کر قباء میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔وہ بھی حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر ہی ٹھہرے۔حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں قباء میں ٹھہرا۔ایک مسلمان خاتون تھی جس کا خاوند نہ تھا۔میں نے دیکھا کہ ایک انسان رات کے اندھیرے میں اس کے پاس آتا۔اس کے دروازے پر دستک دیتا۔وہ اسے کچھ دیتا جسے وہ لے لیتی۔مجھے کچھ شک گزرا۔میں نے اس عورت سے کہا:"خدا کی بندی! یہ کون شخص ہے جو ہر رات تیرا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔تو اس کی طرف جاتی ہے اور وہ تجھے کچھ دیتا ہے۔میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہوتا ہے؟ تو ایک مسلمان عورت ہے۔تیرا خاوند بھی نہیں ہے۔" اس عورت نے کہا:"یہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں۔یہ جانتے ہیں کہ میں ایک بے سہارا عورت ہوں۔جب رات پڑتی ہے تو اپنی قوم کے بتوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔انہیں توڑتے ہیں۔پھر لکڑیاں میرے پاس لے آتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:"انہیں بطور ایندھن استعمال کرلو۔" اسی وجہ سے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں بڑا مقام تھا۔ان کا وصال عراق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی ہوا۔حضرت علی یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے پاس زمین کا ایک قطعہ تھا جس میں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔حضور اکرم ﷺ نے ان سے وہ جگہ خرید لی۔وہاں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔صحیح میں حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ بنو عمرو بن عوف میں قیام فرما تھے اور اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ابن عائذ نے لکھا ہے:"حضور سید کائنات ﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین دن قیام فرما رہے۔وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔آپ اس میں نماز ادا کرتے رہے۔اسی مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

یونس بن بکیر نے زیادات المغازی میں حضرت حکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو پہلے آپ قباء میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک ایسی جگہ مختص کی جائے جس میں آپ نماز ادا فرمائیں اور جس کے سایہ میں بیٹھیں۔ پتھر جمع کیے گئے اور مسجد قباء تعمیر کی گئی۔ یہ پہلی مسجد تھی جسے تعمیر کیا گیا'' الحافظ اور السید نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ عام مسلمانوں کے لیے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پہلی مسجد تھی۔ جس میں آپ نے اپنے صحابہ کرام کو ظاہراً جماعت کرائی۔ اس کے علاوہ دیگر مساجد بھی بنائی گئیں تھیں۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری سے دو سال قبل ہم مدینہ طیبہ میں مساجد بناتے تھے اور نماز قائم کرتے تھے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مہاجرین جو ہجرت کر کے قباء پہنچے تھے انہوں نے اور انصار نے مسجد بنائی تھی۔ جس میں وہ نماز پڑھتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو آپ نے اس مسجد میں صحابہ کرام کو امامت کرائی اور بیت المقدس کی طرف منہ کیا۔ ابتداء میں اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ کیونکہ ابن شیبہ نے یہ روایت لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قباء بنائی تھی اور اس کا قبلہ اس سمت رکھا جہاں آج کل محراب ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جبرائیل امین علیہ السلام نے میرا رخ بیت اللہ کی طرف کیا تھا۔''

الطبرانی نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''جب اہل قباء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجاء کی کہ آپ ان کے لیے مسجد بنا دیں۔ تو آپ نے انہیں فرمایا: ''تم میں سے ایک اٹھے اور اونٹنی پر سوار ہو جائے۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اونٹنی پر سوار ہوئے اسے حرکت دی مگر وہ نہ اٹھی۔ وہ واپس آگئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اونٹنی پر سوار ہوئے اسے حرکت دی مگر وہ نہ اٹھی۔ وہ واپس آگئے۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں اسے کوئی ایک اٹھے اور اونٹنی پر سوار ہو جائے۔'' حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ جب اس کی رکاب میں پاؤں مبارک رکھ دیا اور جم کر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: ''اس کی نکیل چھوڑ دو۔ جہاں جہاں تک یہ چکر لگائے وہاں تک مسجد بنالو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔''

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔ حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء تشریف لائے تو میں نے آپ کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے یہاں جلوہ فرمایا اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ میں نے آپ کی زیارت کی۔ آپ نے بہت بڑا پتھر اٹھایا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ نیچے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ مجھے آپ کے پیٹ مبارک پر سفید مٹی نظر آ رہی تھی۔ آپ کے ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر فدا! مجھے پتھر دیں میں آپ کی طرف سے اٹھا لیتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا:

"نہیں! اس کی طرح کا ایک اور اٹھا لو۔" آپ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ آپ نے فرمایا: "مجھے حضرت جبرائیل نے خانہ کعبہ کی سمت دکھائی۔" اسی لیے کہا جاتا تھا کہ مسجد قباء کا قبلہ ساری مساجد سے درست ہے۔"

السید نے لکھا ہے" صحیح روایت میں ہے کہ آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرتے تھے حتیٰ کہ یہ منسوخ ہو گیا نماز صبح میں آپ کے نقیب حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں بتایا۔ ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف چہرے کر لیے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو بیت اللہ کی سمت دکھائی۔ تاکہ آپ کو بیت المقدس کی سمت کا علم ہو سکے۔ تاکہ دونوں جہتیں سامنے آسکیں اور انہوں نے آپ کو یہ بھی بتایا ہو کہ آپ عنقریب خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کریں گے۔ یا یہ کہ آپ کو ہجرت کی ابتداء میں یہ اختیار حاصل تھا کہ آپ چاہیں تو بیت المقدس کی طرف اور پسند کریں تو خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کریں۔ یہ ربیع کا قول ہے۔ آپ نے ابتداء میں بیت المقدس کی طرف رخ کیا شاید یہودی اسلام قبول کر لیں یا اس وقت خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کرنا مشروع تھا۔ پھر بیت المقدس سے منسوخ ہو گیا پھر یہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے منسوخ ہو گیا۔ جیسے قاضی ابو بکر بن عربی وغیرہ نے لکھا ہے کہ قبلہ کو دو دفعہ منسوخ کیا گیا۔ یا پھر یہ تاسیس پہلی تاسیس کے علاوہ ہے۔ ابن شبہ کی وہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ ابن شبہ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مسجد قباء بناتے وقت یہ کہا تھا: "افلح من یعمر المساجد" مساجد کو آباد کرنے والا کامیاب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "المساجد" حضرت عبداللہ نے عرض کی: "یقرأ القرآن قائما و قاعدًا" جو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر قرآن پاک پڑھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "و قاعدًا" حضرت عبداللہ نے عرض کی: "ولا یبیت اللیل عنه راقدًا" وہ سو کر رات بسر نہیں کرتا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "راقدًا"

تنبیہات

1. حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عمرو بن عوف میں کتنی مدت قیام فرمایا۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح میں حضرت ابن شہاب نے حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے دس اور کچھ راتیں وہاں قیام فرمایا۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے وہاں چودہ راتیں قیام فرمایا۔ "الاشارۃ" میں ہے کہ آپ نے وہاں پانچ راتیں قیام فرمایا۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ آپ نے وہاں منگل، بدھ اور جمعرات کے تین ایام بسر فرمائے اور جمعۃ المبارک کے روز مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ انہوں نے جمعۃ المبارک کو ان ایام میں شمار نہیں کیا۔ ابن عباس اور ابن عقبہ نے تین راتوں کا قول کیا ہے۔ گویا کہ انہوں نے آپ کی تشریف آوری اور جانے کے

دن کو ان ایام میں شمار نہیں کیا۔

◆ معتمد موقف یہ ہے کہ آپ پیر کے روز قباء میں جلوہ افروز ہوئے۔ جیسے کہ صحیح میں ہے۔ ابن عقبہ نے کہا ہے کہ ربیع الاول کے یکم تاریخ کو آپ قباء تشریف لائے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ ابن سعد نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھی۔ ابو سعید نے شرف المصطفیٰ میں ابن حزم سے روایت کیا ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ربیع الاول کی تیرہ راتیں گزر چکی تھیں۔ اس اختلاف کو رؤیت ہلال کے اختلاف پر محمول کیا جائے گا۔

◆ الحافظ نے لکھا ہے کہ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ آپ دن کے وقت تشریف لائے۔ امام مسلم کی روایت میں رات کا تذکرہ ہے۔ اس دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ آپ رات کے آخری وقت میں تشریف لائے۔ دن کے وقت قباء میں داخل ہو گئے۔

❀❀❀❀

چھٹا باب

اہلِ مدینہ کی مسرت

امام احمد، امام مسلم اور امام بخاری نے سیدنا ابوبکر صدیق سے، سعید بن منصور نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے، امام بیہقی نے حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے بنونجار کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ کے ننھیال تھے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ وہ تلواریں حمائل کیے آگئے۔ انہوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: ''امن کے ساتھ سوار ہو جاؤ۔'' اس روز جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ جب سورج بلند ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی سواری منگوائی۔ مسلمان جمع ہو گئے۔ انہوں نے ہتھیار سجا لیے حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کے دائیں، بائیں اور پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل تھے۔ بنو عمرو بن عوف آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ ہم سے اکتا کر یہاں سے تشریف لے جا رہے ہیں؟ یا آپ ہمارے گھر سے بہتر کسی گھر کا ارادہ کیے ہوئے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو دیگر بستیوں کو کھا جائے گی۔ اس اونٹنی کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔'' آپ قباء سے باہر تشریف لائے۔ آپ مدینہ طیبہ کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ لوگوں نے آپ سے ملاقات کی۔ وہ راہوں پر نکل آئے۔ وہ اونٹوں پر سوار تھے۔ خدام اور بچے یہ نعرے لگانے لگے: ''اللّٰہ اکبر! جاء نا رسول اللّٰہ! جاء محمد'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں بچوں کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔'' جبکہ لوگوں نے کہا: ''محمد عربی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔'' ہم آگے گئے لیکن ہمیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کے ہمراہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہم مدینہ طیبہ کی دیواروں کے پیچھے چھپ گئے۔ آپ نے اعرابیوں میں سے ایک شخص کو بھیجا تا کہ انصار سے اذن لے۔ پانچ سو سے زائد معزز انصار نے آپ کا استقبال کیا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ''آپ امن کے ساتھ تشریف لے چلیں۔'' حضور ﷺ اور آپ کے یارِ غار لوگوں کے آگے آگے تھے۔ اہلِ مدینہ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ خواتین مدینہ آپ کی زیارت کے لیے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ وہ پوچھ رہی تھیں: ''سرورِ عالم ﷺ کون سے ہیں؟ امام الانبیاء ﷺ کون ہیں؟ چشم

فلک نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا؟"

امام احمد اور امام ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے آنے کی خوشی میں حبشیوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ کرتب دکھائے۔" امام بیہقی اور رزین نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ کی عزت مآب خواتین، بچیوں اور بچوں نے یہ اشعار پڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

ترجمہ: "چودھویں کا چاند ہم پر وداع کی گھاٹی سے طلوع ہوا۔ جب تک رب تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ اے وہ ذاتِ والا! جو ہم میں مبعوث ہوئی ہے آپ ایسے امر کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔"

امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے اہلِ مدینہ کو اتنا مسرور کبھی نہیں دیکھا۔ جتنے مسرور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے تھے۔" ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جس روز حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اس دن مدینہ طیبہ کی ہر چیز چمک اٹھی۔ حضرت ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے وہ دن دیکھا ہے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے۔ میں نے اتنا روشن اور حسین دن کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے جس محلہ میں سے گزرتے تو انصار عرض کرتے: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! عزت، دفاع اور دولت کی طرف تشریف لے آئیں۔" آپ انہیں دعائے خیر سے نوازتے۔ آپ فرماتے: "اس اونٹنی کو چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔" آپ بنو سالم کے محلہ سے گزرے۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی۔ عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔ ہم تعداد میں کثیر ہیں ہمارا قبیلہ اور حلقۂ یاراں بہت بڑا ہے۔ یا رسول اللہ! ہماری وسیع زمین ہے۔ ہم باغات کے مالک ہیں۔ ہم شجاع اور بہادر ہیں۔ اگر کوئی شخص ڈرتا ہوا اس بستی میں داخل ہو جائے۔ تو وہ ہمارے پاس آتا ہے۔ ہم اسے کہتے ہیں 'جہاں چاہو پھرو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔'" ان کا یہ خلوص دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ آپ نے فرمایا: "اس

مبارک اونٹنی کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔" حضرت عبادۃ بن صامت، حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔" آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم پر برکت ڈالے۔ اسے چھوڑ دو۔ اسے حکم مل گیا ہے۔"

جب آپ بنو سالم کی مسجد تک پہنچے۔ یہ مسجد وادی رانوناء میں ہے تو وہاں نماز جمعۃ کا وقت ہو گیا آپ نے نماز جمعۃ ادا کی۔ مدینہ طیبہ میں یہ پہلی نماز جمعۃ ادا کی گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے مسجد قباء میں نماز جمعۃ ادا کی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ ایک سو صحابہ کرام نے نماز جمعۃ ادا کی۔ پھر آپ رستہ کے دائیں طرف ہو گئے۔ حتیٰ کہ بنو حبلی آ گئے۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کے ہاں اترنے کا ارادہ کیا۔ وہ اس وقت خزرج کا سردار تھا۔ اس نے کہا: "انہی کے پاس جائیں جنہوں نے آپ کو بلایا ہے۔" حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کی بات کا برا نہ منائیں۔ جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو بنو خزرج اسے اپنا بادشاہ بنانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ جب اس حق سے اس کا رد ہو گیا جسے رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو یہ تنگ سینہ ہو گیا۔ لیکن یہ میرا گھر ہے یہ حاضر ہے۔" اس روایت کا تذکرہ ابن عقبہ اور رزین نے کیا ہے۔ السید نے لکھا ہے کہ صحیح میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا تھا۔ جب آپ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ شاید انہوں نے دو بار یہ گذارش کی ہو۔" واللہ اعلم

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بنو ساعدۃ کے پاس سے گزرے۔ حضرت سعد بن عبادۃ، حضرت منذر بن عمرو اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوں ہمارے پاس عزت، دولت، قوت اور مضبوطی ہے۔" حضرت سعد نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری قوم کا کوئی ایسا شخص نہیں جس کے کھجوروں کے باغات مجھ سے زیادہ ہوں۔ یا اس کے چشمے مجھ سے زیادہ ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ دولت، قوت اور کثیر تعداد بھی ہے۔" آپ نے فرمایا: "ابو ثابت! اس کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔" آپ آگے روانہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن ربیع، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہم نے آپ سے ملاقات کی۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں چھوڑ کر آگے نہ جائیں ہماری کثیر تعداد ہے۔ دولت بھی وافر ہے۔ حلقہ احباب بھی وسیع ہے۔" آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔ اس کا راستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے۔" پھر حضرت زیاد بن لبید، حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے آپ سے ملاقات کی۔ ان کا تعلق بنو بیاضہ سے تھا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوں۔ ہمارے پاس ہمدردی، عزت، ثروت اور قوت و طاقت ہے۔" آپ نے فرمایا: "اس کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔" حضرت براء کی روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں جناب عبدالمطلب کے ننھیال کے ہاں اتروں

گا۔انہیں اس شرف سے مشرف کروں گا۔" پھر آپ بنو عدی بن نجار کے پاس سے گزرے۔ یہ آپ کے ننھیال تھے۔حضرت ابوسلیط ،حضرت ہرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہما اور ان کی قوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔انہوں نے عرض کی:" یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ کے ننھیال ہیں ہمارے پاس کثیر تعداد، دفاع اور قوت کے ساتھ ساتھ قرابت بھی ہے۔ہمیں چھوڑ کرکسی اور کے پاس نہ جائیں۔قرابت کی وجہ سے کوئی اور قوم ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا:"اس کا رستہ چھوڑ دو اسے حکم دیا جاچکا ہے۔"

آپ آگے رواں ہوئے۔حتیٰ کہ بنو عدی بن نجار کے گھر آگئے۔ان کے سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ آگے روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس جگہ آگئے جہاں آج کل مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔مسجد کے دروازہ پر اونٹنی بیٹھ گئی۔ابن نافع نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب اونٹنی مسجد کی جگہ پر آئی تو بیٹھ گئی۔آپ اپنی اونٹنی پر ہی سوار تھے حتیٰ کہ آپ پر وحی کے نزول کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔اونٹنی اٹھی کچھ آگے گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اوپر ہی سوار تھے۔آپ نے اس کی نکیل چھوڑ رکھی تھی۔اونٹنی واپس آگئی اور اس جگہ بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔وہ اسی جگہ بیٹھ گئی۔اسے لازم پکڑ لیا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ اونٹنی کو لکڑی چبھونے لگے کہ شاید یہ اٹھے اور بنوسلمہ کے محلہ میں بیٹھ جائے۔مگر اس نے حرکت نہ کی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی سے نیچے تشریف لے آئے۔آپ نے فرمایا:"ان شاء اللہ! مقام اسی جگہ ہوگا۔" آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۝۲۹ (المومنون:۲۹)

ترجمہ: "اور یہ بھی عرض کرنا اے میرے رب اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔"

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔وہ آپ سے قیام کے بارے گفتگو کرنے لگے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"سب سے زیادہ قریب کس کا گھر ہے؟" انہوں نے عرض کی:"یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ میرا گھر ہے۔یہ اس کا دروازہ ہے۔ہم نے آپ کا کجاوہ وہاں رکھ دیا ہے۔" آپ نے فرمایا:" جاؤ اور ہمارے آرام کرنے کی جگہ تیار کرو۔" وہ گئے اور آپ کا بستر تیار کیا۔

امام الطبرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:" وہاں ایک عریش تھا لوگ وہاں چھڑکاؤ کرکے اسے ٹھنڈا کرتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی سے نیچے تشریف لائے۔سایہ کے پاس آئے۔وہاں نیچے اترے۔حضرت ابوایوب انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔انہوں نے عرض کی:"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس جگہ سے میرا گھر سارے گھروں سے زیادہ قریب ہے۔کیا میں آپ کا سامان اپنے گھر منتقل کرلوں؟" آپ نے فرمایا:

''ہاں! وہ آپ کا سامان اپنے گھر لے گئے۔ ایک اور شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے پاس تشریف لے چلیں۔'' آپ نے فرمایا: ''آدمی اپنے کجاوہ کے پاس ہوتا ہے وہ جہاں بھی ہو'' یہ ضرب المثل بن گئی۔ حضور اکرم ﷺ حضرت ابوایوب انصاری کے گھر جلوہ افروز ہو گئے۔ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی۔ اس کے گھر کو چین ملا۔ آپ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔''

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ نے آپ کی مبارک اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ پہلی بار اونٹنی انہی کے ہاں بیٹھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہمارے ہاں قیام ہوگا؟'' آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔'' مبارک اونٹنی اٹھی۔ مسجد نبوی کی جگہ پر اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں آج کل منبر مبارک ہے۔ آپ اس سے نیچے تشریف لے آئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا گھر سارے گھروں سے زیادہ قریب ہے۔ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ میں آپ کا سامان اپنے ہاں منتقل کر لوں۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' انہوں نے آپ کا سامان اپنے گھر منتقل کر لیا اور اپنے گھر آپ کی اونٹنی کو بٹھایا۔

امام حاکم اور ابوسعید نیساپوری نے لکھا ہے کہ جب آپ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہو گئے تو بنو نجار کی بچیاں دف بجاتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ وہ یوں کہہ رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجّار　　　　یا حبذا محمد من جار

ترجمہ: ''ہم بنو نجار کی (فرخندہ فال) بچیاں ہیں۔ محمد عربی ﷺ کتنے اچھے ہمسائے ہیں۔''

آقائے نامدار ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!'' آپ نے فرمایا: ''قسم بخدا! میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔'' آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔

ابن اسحاق نے المبداء میں اور ابن ہشام نے التیجان میں لکھا ہے کہ وہ مقدس گھر جس میں حضور اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ اسے تبع اول نے بنایا تھا۔ اس کا نام تبان اسعد تھا۔ اس کے ہمراہ چار سو علماء تھے۔ انہوں نے باہم عہد کر لیا کہ وہ اس شہر سے نہیں جائیں گے۔ تبع نے اس کا راز پوچھا۔ تو انہوں نے کہا: ''ہم نے اپنی کتب میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ یہاں تشریف لائیں گے۔ ان کا اسم گرامی محمد عربی ﷺ ہوگا۔ یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ ہم اسی جگہ قیام کریں گے۔ شاید ہم ان سے ملاقات کر لیں۔ تبع نے ان کے ساتھ ہی قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک گھر تعمیر کیا۔ انہیں ایک ایک لونڈی دی۔ ہر ایک کی ایک لونڈی کے ساتھ شادی کی۔ انہیں بہت مالا مال کیا۔ ایک خط لکھا

اس میں اپنے اسلام کا تذکرہ کیا۔ اس میں یہ اشعار بھی لکھے:

شهدت علی احمد انه — رسول من الله باری النسم
فلو مد عمری الی عمره — لكنت وزيرا له و ابن عم
و جاهدت بالسيف اعداء ه — و فرجت عن صدره كل هم

ترجمہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ ﷺ اس معبودِ برحق کی طرف سے رسولِ مکرم ﷺ ہیں جو ارواح کو پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میری عمر نے آپ کی عمر مبارک تک وفا کی تو میں آپ کا وزیر اور چچازاد بنوں گا۔ تلوار کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا۔ اور آپ کے سینۂ اقدس سے سارے غم دور کر دوں گا۔''

اس نے سونے کے ساتھ اس پر مہر لگائی۔ اسے ایک عظیم سردار کو دیا تاکہ وہ اگر حضور ﷺ کو پالے تو آپ کو پیش کرے یا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جسے یہ شرف حاصل ہو وہ یہ خط آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔ اس نے حضور پاک ﷺ کے لیے ایک گھر تعمیر کیا۔ جب آپ مدینہ طیبہ گئے تو اسی گھر میں قیام فرمایا۔ وہ گھر نسل در نسل آگے منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ حضرت ابوایوب انصاری کے پاس آ گیا۔ وہ اس عالم کی اولاد میں سے تھے۔ وہ سارے اہلِ مدینہ جنہوں نے آپ کی نصرت کی تھی وہ انہی علماء کی اولاد میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خط جس میں یہ اشعار تھے۔ وہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے پاس ہی تھا۔ وہ انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ گویا کہ حضور ﷺ اپنے گھر میں ہی رونق افروز ہوئے تھے۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو لوگ آپ کی زیارت کے لیے آنے لگے میں بھی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ میں نے چہرۂ والضحیٰ کی زیارت کی تو میں سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ کی یہ پہلی گفتگو سنی۔ آپ فرما رہے تھے: ''اے لوگو! سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ صلہ رحمی کرو۔ اس وقت نماز پڑھو۔ جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

امام مسلم اور امام ابن اسحاق نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں رونق افروز ہوئے تو آپ گھر کے نچلے حصہ میں جلوہ افروز ہوئے جبکہ میں اور حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا گھر کے اوپر والے حصہ میں تھے۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ میرے نیچے جلوہ گر ہوں۔ آپ اوپر والی منزل میں تشریف لے

جائیں۔ ہم نچلی منزل میں رہیں گے۔" آپ نے فرمایا: "ہمارے لیے اور اس شخص کے لیے اس میں سہولت ہے۔ جو میرے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے آتا ہے کہ ہم نچلی منزل میں رہیں۔" آپ نچلی منزل میں اور ہم اوپر کی منزل میں رہتے تھے ایک دفعہ ہمارا ایک گھڑا ٹوٹ گیا جس میں پانی تھا۔ ہمارے پاس ایک ہی لحاف تھا ہم اس کے ساتھ پانی جذب کرنے لگے۔ ہمیں خدشہ تھا کہ کہیں آپ پر نہ گرے اور آپ کو اذیت نہ دے۔" روایت ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ اوپر والی منزل میں جلوہ نما ہو گئے اور وہ نیچے آ گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرتے تھے۔ پھر آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ جو کھانا بچ جاتا وہ ہم کھاتے تھے۔ ہماری کوشش ہوتی تھی کہ اس جگہ سے کھانا کھائیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس لگے ہوئے تھے۔ ہم حصولِ برکت کے لیے اس طرح کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن آپ نے ہمارا رات کا کھانا واپس کر دیا۔ ہم نے اس میں پیاز یا لہسن ڈالا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا واپس کر دیا۔ ہم نے اس میں آپ کے دستِ اقدس کے اثرات نہ دیکھے۔ میں گھبرا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! آپ نے کھانا واپس کر دیا ہے۔ میں نے آپ کے دستِ اقدس کے نشانات نہیں دیکھے۔ جب آپ کھانا واپس کرتے ہیں تو میں اور ام ایوب اس جگہ سے کھاتے ہیں جہاں آپ کے دست اقدس لگے ہوتے ہیں۔ ہم حصولِ برکت کے لیے اس طرح کرتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "آج میں نے اس میں اس درخت کی بو پائی ہے۔ میں وہ شخص ہوں جس کے ساتھ سرگوشی کی جاتی ہے۔ تم اسے کھا لو۔" ہم نے وہ کھانا کھا لیا اور اس کے بعد اس میں پیاز یا لہسن نہ ڈالا۔

اخبار مدینہ میں حضرت یحییٰ بن حسن نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے تو ابتداء میں آپ کی خدمت میں ہدیہ نہیں آتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ میں نے ایک پیالہ پیش کیا۔ جس میں گندم کی روٹی کی ثرید گوشت اور دودھ تھا۔ میں نے اسے آپ کے سامنے رکھا۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! امی جان نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے۔" آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ انہوں نے اس میں سے کھایا۔ میں ابھی دروازہ تک ہی پہنچا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا پیالہ آ گیا۔ غلام نے اسے ڈھانپ کر اپنے سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کا کپڑا اٹھایا تاکہ دیکھوں میں نے ثرید دیکھی جس میں ہڈی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔" حضرت زید نے فرمایا: "ہم بنو مالک بن نجار کے گھروں میں رہتے

تھے۔ہم میں تین یا چار افراد ہر روز کھانا لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے۔حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے منتقل ہو گئے۔آپ نے سات ماہ تک وہاں قیام کیا۔حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کا پیالہ ہر روز آپ کی خدمت میں آتا۔'' اس کتاب میں ہے کہ حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ حضور اکرم ﷺ نے تمہارے ہاں قیام کیا ہے۔ذرا بتائیں کہ حضور اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ کون سا کھانا پسند تھا۔انہوں نے کہا: ''میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی مخصوص کھانے کا حکم دیا ہو یا ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا ہو۔اور آپ نے اس میں عیب نکالا ہو۔حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا ہے کہ ایک رات حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھانا بھیجا۔اس میں طفیشل تھا۔آپ نے وہ کھانا سیر ہو کر کھایا۔آپ پہلے اس قدر سیر ہو کر نہ کھاتے تھے۔ہم یہ کھانا آپ کے لیے پکاتے تھے۔ہم آپ کے لیے حلوہ بناتے تھے حلوہ آپ کو بہت پسند تھا۔رات کے کھانے میں پانچ سے لے کر سولہ تک صحابہ کرام شرکت کرتے تھے۔اس کا انحصار کھانے کی قلت یا کثرت پر ہوتا تھا۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا۔انہیں دو اونٹ اور پانچ سو دراہم دیے وہ حضرت خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ، سیدہ ام کلثوم، سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن کو لے کر آ گئے۔حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت ام ایمن اور فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو لے کر آ گئے۔حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اپنے اہل وعیال کو لے کر آ گئے۔ان میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت اسماء، حضرت ام رومان رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔یہ ہستیاں جب مدینہ طیبہ پہنچیں تو یہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہریں۔رزین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو حضرت زید کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ ان کے اہل خانہ کو لے آئیں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''مہاجرین حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل گئے مکہ مکرمہ میں صرف وہی مسلمان رہ گئے جو یا تو فتنہ میں مبتلا کر دیے گئے تھے یا مقید تھے۔جب حضور اکرم ﷺ پرسکون ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے اپنا دین غالب فرمایا اور مہاجرین اور انصار آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو حضرت ابوقیس حرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے یہ اشعار لکھے:

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ ۔۔۔ یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا
و یعرض فی اہل المواسم نفسہ ۔۔۔ فلم یرمن یؤوی ولم یرداعیا
فلمّا اتانا اظہر اللہ دینہ ۔۔۔ فاصبح مسرورًا بطیبۃ راضیا
والفی صدیقا و اطمأنت بہ النوی ۔۔۔ و کان لنا عونا من اللہ بادیا

يقص لنا ما قال نوح لقومه — وما قال موسى اذا جاب المناديا
فاصبح لا يخشى من الناس واحدا — قريباً ولا يخشى من الناس نائيا
بذلناله الاموال من جل مالنا — و انفسنا عند الوغى والتآسيا
و نعلم ان الله لا شى غيره — و نعلم ان الله افضل هاديا
نعادى الذى عادى من الناس كلهم — جميعا و ان كان الحبيب المصافيا
اقول اذا ادعوك فى كل بيعةٍ — تباركت قد اكثرت لاسمك داعيا
اقول اذا جاوزت ارضا مخوفةً — حنانيك لا تظهر علىّ الاعاديا
فطأ معرضا ان الحتوف كثيرة — و انك لا تبقى لنفسك باقيا
فوالله ما يدرى الفتى كيف يتقى — اذ هو لم يجعل له الله واقيا
ولا تحفل النحل المعيمة ربها — اذا صبحت ريّا واصبح ثاويا

ترجمہ: ''تقریباً دس سال تک حضور اکرم ﷺ قریش کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ آپ کو امید تھی کہ شاید ان میں آپ کو کوئی مخلص دوست مل جائے۔ آپ ایامِ حج میں اپنا نفس نفیس لوگوں کو پیش کرتے تھے۔ لیکن آپ نے کسی کو نہ پایا جو آپ کو پناہ دیتا۔ آپ نے ایسا آدمی نہ پایا جو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہوتا۔ جب آپ ہمارے ہاں جلوہ گر ہوئے تو رب تعالیٰ نے آپ کے دین کو غالب کر دیا۔ آپ مدینہ منورہ میں فرحاں و شاداں ہو گئے۔ آپ نے ایسا قبیلہ پالیا جو آپ کا دوست تھا۔ آپ کی غریب الوطنی پر سکون ہوگئی۔ آپ ہمارے لیے ایک واضح مددگار ثابت ہوئے۔ آپ نے ہمیں وہی کچھ فرمایا جو کچھ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ آپ وہ کچھ بھی بیان فرماتے تھے جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے منادی کو جواب دیا تھا۔ آپ لوگوں سے نہیں ڈرتے خواہ کوئی قریبی ہو یا بعید کا۔ ہم نے جنگ کے وقت ہمدردی کے وقت آپ پر حلال مال اور جانیں قربان کیں۔ ہم نے سمجھ لیا کہ رب تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم نے یہ بھی جان لیا کہ رب تعالیٰ تمام راہ نماؤں سے افضل ہے۔ جس نے بھی آپ سے دشمنی کی ہم اس کے دشمن ہیں خواہ وہ ہمارا جگری دوست ہی کیوں نہ ہو۔ مولا! جب میں مسجد میں جا کر سوال کرتا ہوں تو میں عرض کرتا ہوں کہ مولا! تو کتنا بابرکت ہے۔ میں نے کتنا ہی تجھے تیرے نام سے یاد کیا ہے میں جب کسی خوفناک جگہ سے گزرتا ہوں تو میں کہتا ہوں مولا! میں تجھ سے رحمت کی التجاء کرتا

ہوں مجھ پر کسی دشمن کو غالب نہ کرنا۔اے دشمن! پیٹھ پھیر کر یہاں سے چلا جا۔ بلاشبہ موت کے بے شمار اسباب ہیں تو اپنا نفس سدا کے لیے باقی نہیں رکھ سکتا۔اللہ تعالیٰ کی قسم! کوئی جوان نہیں جانتا کہ وہ اپنا بچاؤ کیسے کرے۔جبکہ خداوند قدوس اس کے لیے بچنے کے اسباب پیدا نہ کرے۔ایک کھڑی کھجور اپنے مالک کو سیراب کس طرح کر سکتی ہے۔جبکہ وہ خود پیاسی ہو اور اس کا مالک بھی ہلاکت کے گڑھے میں گر رہا ہو۔"

❁❁❁❁

مدینہ طیبہ کے بعض فضائل

پہلا باب

اس کی ابتداء

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مکہ مکرمہ ایسا شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تعظیم بخشی ہے۔ اس کی حرمت کو عظیم کیا ہے۔ اس نے مکہ مکرمہ کی تخلیق کی۔ ملائکہ نے اسے گھیر لیا۔ یہ زمین کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ اسے مدینہ طیبہ کے ساتھ ملا دیا۔ مدینہ طیبہ کو بیت المقدس کے ساتھ ملا دیا۔ پھر ایک ہزار سال بعد رب تعالیٰ نے ساری زمین کو تخلیق کیا۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''زمین پانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی اس زمین کو چھوا۔ سطح زمین پر جھاگ نمودار ہوئی۔ رب تعالیٰ نے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصہ سے مکہ مکرمہ، دوسرے سے مدینہ طیبہ، تیسرے سے بیت المقدس اور چوتھے سے کوفہ تخلیق کیا۔''

ان دونوں روایتوں کو خطیب نے اپنی کتاب فضائل بیت المقدس میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن سید کا قول اس کے برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان روایات کی کوئی اصل نہیں ہے۔'' میں نے ان روایات میں کوئی فرد نہیں پایا جس کے بارے کلام کی گئی سوائے ابن لہیعہ کے۔ وہ بھی راست باز تھے۔ لیکن آخری عمر میں ان سے اختلاط ہو جاتا تھا۔ امام ترمذی نے ان کی تعریف کی ہے۔

امام الطبرانی نے حضرت ذی مخبر سے روایت کیا ہے یہ نجاشی کے بھتیجے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ

نے اہلِ مدینہ کی طرف دیکھا۔ یہ اس کے آباد ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ یہ ایک کشادہ وادی تھی اس جگہ نہ ڈھیلے تھے نہ اون تھی۔ اس نے کہا: ''اہلِ یثرب! میں تمہارے لیے تین شرائط رکھنے لگا ہوں۔ میں تمہاری طرف ہر قسم کے اہل لے کر آؤں گا۔ تم نہ میری نافرمانی کرو گے نہ سرکشی کرو گے نہ ہی تکبر کرو گے اگر تم نے اس میں سے کوئی امر سرانجام دیا تو پھر میں تمہیں اس اونٹنی کی طرح چھوڑ دوں گا جسے کھانے سے نہیں روکا جاتا۔''

ایک قول یہ ہے کہ عمالیق میں سے بنو عملاق بن ارفخشذ بن سام بن نوح نے اسے آباد کیا۔ یہاں کاشت کاری کی اور پودے لگائے۔ انہوں نے دو سمندروں کے مابین، عمان، حجاز سے شام تک پھر مصر تک ساری زمین پر قبضہ کر لیا۔ جابر اور فرعون انہی میں سے تھے۔

ابو منذر نے لکھا ہے ''میں نے مدینہ طیبہ کی بنیاد کی روایت سلیمان بن عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکۃ رضی اللہ عنہم سے سنی۔ پھر میں نے قریش کے ایک شخص سے سنا۔ اس نے یہی چیزیں ابو عبیدۃ بن عبد اللہ بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے سنیں۔ میں نے ان کی روایت کو جمع کیا کیونکہ ان میں اتفاق زیادہ تھا اور اختلاف کم تھا۔ انہوں نے کہا: ''ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے حج کیا تو بنو اسرائیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان کے ساتھ حج کیا۔ وہ واپسی پر مدینہ طیبہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے اس کی وہ صفات دیکھیں جو شہر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات ان کے ہاں تورات میں موجود تھی۔ وہاں مرقوم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہوں گے۔ ان میں سے ایک گروہ نے مشورہ کیا کہ وہ اسی جگہ رہ جاتے ہیں۔ وہ بنو قینقاع کے بازار کی جگہ میں فروکش ہوئے۔ عرب کے دیگر لوگوں نے ان کے ساتھ الفت کی ان کا دین اپنا لیا۔ انہوں نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ کو آباد کیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ ان سے قبل عمالقہ کی ایک قوم نے اسے آباد کیا تھا۔

ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جب یہودیوں پر بخت نصر غالب آ گیا اور انہیں بربادی کا سامنا کرنا پڑا تو وہ بکھر گئے۔ وہ اپنی کتب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پاتے تھے کہ ان کا ظہور عرب کی کھجوروں والی سرزمین سے ہوگا۔ جب وہ سرزمین شام سے نکلے۔ وہ شام اور یمن کے مابین جس شہر کو اس طرح پاتے جس طرح کی صفات یثرب کی بیان کی گئیں تھیں تو ان میں سے ایک گروہ اپنا بسیرا وہیں کر لیتا۔ انہیں امید تھی کہ شاید وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر لیں۔ آپ کی اتباع کر لیں۔ حتیٰ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک گروہ یثرب فروکش ہو گیا۔ وہ حاملین تورات میں سے تھے۔ آباء مر گئے۔ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ اپنی اولاد کو بھی آپ کی اتباع پر ابھارتے تھے۔ جب ان کی اولاد میں جس نے آپ کا عہد ہمایوں پا لیا تو انہوں نے حسد کرتے ہوئے آپ کا انکار کر دیا۔ یہ حسد انصار سے تھا جو ان سے سبقت لے گئے تھے۔ حالانکہ وہ آپ کو خوب جانتے تھے۔

زبیر بن بکار نے حضرت عثمان بن عبدالرحمان التیمی سے روایت کیا ہے کہ اہلِ مدینہ کہتے تھے کہ گزشتہ زمانہ میں مدینہ طیبہ میں ایک قوم بستی تھی۔ جسے صعل اور رفالج کہا جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر حملہ کیا ان کی ایک ہزار دوشیزاؤں کو گرفتار کر لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دیا جس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ سیل عرم تک یہود یثرب پر غالب رہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مدینہ طیبہ ہی مراد ہے۔

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ (سباء:۱۵)

ترجمہ: ''اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور!''

یہ سارے شہروں سے سرسبز و شاداب تھا۔ یہ سخت زمین نہ تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس جگہ نہ مچھر تھا نہ مکھی تھی۔ نہ پسو تھے نہ بچھو تھے۔ نہ سانپ تھے۔ اگر کوئی مسافر ان کی وادیوں میں سے گزرتا۔ اس کی کپڑوں پر چیچڑی ہوتی تو وہ وہیں ہلاک ہو جاتی۔ اگر ایک عورت نکلتی اس کے سر پر اس کی ٹوکری ہوتی۔ وہ اپنے چرخے کا کام کرتی اگر وہ ان درختوں کے پاس سے گزرتی تو اتنے پھل گرتے کہ اس کی ٹوکری بھر جاتی۔ اگر ایک تیز رفتار سوار چلتا رہتا تو وہ دو ماہ سے زائد مدت میں ان کے شہر کے طول کو عبور کرتا۔ اس کا عرض بھی اتنا ہی تھا۔ اس کے باسی کثیر تھے انہیں طاقت اور قوت بھی حاصل تھی۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً ۔ (سباء:۱۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے بنادی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی اور کئی بستیاں سرِ راہ۔''

یعنی وہ بستیاں اتنی قریب تھیں کہ ایک بستی سے دوسری بستی نظر آتی تھی۔ وہ اپنے شہروں میں امن سے رہ رہے تھے۔ ایک عورت عازمِ سفر ہوتی۔ وہ کچھ بھی زادِ راہ نہ لیتی وہ ایک بستی میں شام گزارتی دوسری میں قیلولہ کرتی حتیٰ کہ شام پہنچ جاتی۔ انہوں نے نعمت کی ناشکری کی۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ۔ (سباء:۱۹)

ترجمہ: ''پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو۔''

یعنی ان کے مابین اور شام کے مابین جنگلات بنا دے جن میں سے وہ سوار ہو کر گزریں۔ رب تعالیٰ نے ان کی دعا کو جلد قبول فرما لیا۔ جیسے کہ اس نے فرمایا ہے:

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۔ (سباء:۱۹)

ترجمہ: "پس ہم نے انہیں افسانہ بنادیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا۔"

وہ اپنی وادیوں کے پانی پر لڑتے تھے۔ بلقیس نے حکم دیا تو ایک بند (ڈیم) بنادیا گیا حمیر کی زبان میں بند کو عرم کہا جاتا تھا۔ اس نے دو پہاڑوں کے مابین پتھروں اور تارکول سے ایک بند تعمیر کیا۔ اس نے اس کے تین دروازے بنائے۔ جو ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ اس کے پیچھے ایک بڑا سا تالاب بنایا۔ اس میں سے بارہ نہریں نکالیں وہ انہیں اس وقت کھولتے تھے جب انہیں پانی کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب ان کی ضرورت پوری ہو جاتی تھی تو وہ دروازے بند کر دیتے تھے۔ جب بارش ہوتی تو یمن کی وادیوں کا پانی اس ڈیم میں جمع ہو جاتا۔ بند کی وجہ سے پانی ڈیم کے اندر ہی رک جاتا۔ سب سے اوپر والا دروازہ کھولا جاتا۔ اس کا پانی تالاب میں گرنے لگتا وہ اوپر والے دروازے سے سیراب کرتے پھر دوسرے اور پھر تیسرے دروازے سے سیراب کرتے۔ پانی ختم نہ ہوتا حتیٰ کہ اگلا سال آجاتا۔ دس دن کی مسافت سے پانی بہہ کر ان کے پاس آجاتا وہ ان کی وادیوں میں ٹھہر جاتا۔ اس ڈیم کی لمبائی ایک فرسخ اور چوڑائی بھی ایک فرسخ ہی تھی۔ لقمان اکبر عادی نے اسے بنایا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اسے سباء بن یشجب نے بنایا تھا۔ وہ اس کی تکمیل سے پہلے مر گیا تھا۔ حمیر کے بادشاہوں نے اسے مکمل کیا۔

حمیر بن سباء اور کہلان بن سباء کی اولاد اس وقت یمن کے سرداروں میں سے تھی۔ عمرو بن مزیقیاء بن عامر ماء السماء ان کا سردار تھا۔ عمرو کی بیوی کو طریقہ کہا جاتا تھا۔ یہ کاہنہ تھی۔ اس کے ہاں تیرہ بچے ہوئے۔ اوس اور خزرج کے باپ کا نام ثعلبہ، خزاعہ کے باپ کا نام حارثہ تھا۔ جفنہ اور دغسان بھی اس کی اولاد میں سے تھے۔ اس عورت کے ہاں وداعۃ، ابو حارثہ و حارث، عوف، کعب، مالک اور عمران پیدا ہوئے۔ ان کی آگے نسل چلی لیکن تین کی نسل نہ چلی۔ عمرو کے لیے بہت سے محلات اور اموال تھے۔ جو کسی دوسرے کو نصیب نہ تھے۔ اس کے بھائی عمران نے دیکھا یہ کاہن تھا کہ عنقریب یہ پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ اس نے اس کا تذکرہ عمرو سے کیا۔ پھر طریقہ کاہنہ نے بھی اس طرح کیا۔ اس نے مسجع کلام کیا جو اسی پر دلالت کرتا تھا۔ عمرو نے پوچھا: "اس کی علامت کیا ہے؟" کاہنہ نے کہا: "جب تم دیکھو کہ جنگلی چوہے زیادہ ہو گئے ہیں وہ ڈیم میں سوراخ کر رہے ہیں تو سمجھ لینا کہ امر واقع ہو گیا ہے۔"

جب رب تعالیٰ نے ان اپنا غضب نازل کیا۔ ان کی ہلاکت کا اذن دیا۔ عمرو بن عامر اس بند میں داخل ہوا۔ اس کے چوہوں کو دیکھا جو اپنے بچوں کو وادی کے دامن سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر منتقل کر رہے تھے۔ اس نے کہا: "یہ اپنی اولاد کو صرف اس لیے منتقل کر رہے ہیں کیونکہ ان شہروں پر عذاب آنے کا وقت آگیا ہے۔" اس ڈیم میں شگاف ہو گیا اس سے پانی نکلنے لگا۔ اس شگاف کو بند کر دیا گیا۔ وقت صبح اس میں اس سے بھی بڑا شگاف تھا۔ اسے بھی بند کر دیا گیا۔ اگلے روز اس میں

اس سے بھی بڑا شگاف تھا۔ اس کے دو بلوں کے مابین ایک بلی باندھنے کا حکم دیا۔ معاملہ شدت اختیار کرتا گیا۔ چوہے اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں سے اس طرح پتھر الٹا رہے تھے جس طرح اسے پچاس افراد بھی الٹا نہیں سکتے تھے۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اس نے اپنے بھتیجے کو بلایا۔ اس نے کہا: "جب میں رات کے وقت اپنی قوم میں بیٹھوں تو تم میرے پاس آنا۔ مجھے کہنا۔" میرے مال پر کیوں بیٹھے ہو؟ میں تمہیں کہوں گا "تیرا میرے پاس کوئی مال نہیں ہے نہ ہی تیرا باپ کچھ چھوڑ کر گیا ہے تو جھوٹا ہے۔" تم میری تکذیب کرنا میں تمہاری تکذیب کروں گا۔ تو مجھے جواب دینا میں تمہیں جواب دوں گا۔ میں تمہیں گالیاں دوں گا تو مجھے گالیاں دینا۔ تو مجھے تھپڑ مار دینا میں تمہیں تھپڑ مار دوں گا۔" اس نے کہا: "چچا! میں تمہارے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا: "تم ضرور اس طرح کرنا۔ اس طرح میں تمہاری اور تمہارے اہلِ خانہ کی درستگی چاہتا ہوں۔"

اس جوان نے کہا: "ضرور! اس نے اسی طرح کیا جس طرح عمرو نے اسے کہا تھا۔ اس نے اسے اور اس نے اسے طمانچہ دے مارا۔ بزرگ نے کہا: "اے فلاں کے گروہ! کیا مجھے تمہارے ہاں طمانچے مارے جاتے ہیں۔ میں اس شہر میں کبھی نہیں رہوں گا۔ جہاں مجھے طمانچہ مارا گیا ہو۔ مجھ سے میری جاگیر کون خریدے گا؟" جب قوم نے اس کا اصرار دیکھا تو انہوں نے اسے عطیات دیے۔ اس نے دیکھا کہ بڑا عطیہ کس کا تھا؟ اس نے اس کے لیے بیع کو لازم کر دیا۔ اس نے مال منگوایا اور اسے نقد دے دیا۔ عمرو اور اس کی اولاد اسی رات عازم سفر ہو گئی۔

دوسری روایت میں ہے جب اسے اپنی رقم مل گئی تو اس نے کہا: "اے میری قوم! عذاب تمہارے پاس آ رہا ہے تمہارے معاملہ کا زوال قریب آ چکا ہے جو جدید گھر، خوبصورت اونٹ اور بعید مسافت کا خواہاں ہو وہ عمان چلا جائے۔ جو شراب خمیر، دیباج اور ریشم کو پسند کرتا ہو وہ بصریٰ چلا جائے وہ سدیر چلا جائے۔ جو دلدل میں مضبوط ہونے کا ارادہ کرتا ہو۔ جو قحط سالی میں کھانوں کا متمنی ہو اور کم گہرے پانی میں ٹھہرنے کا خواہاں ہو۔ اسے یثرب کھجوروں والی سرزمین میں چلے جانا چاہیے۔ اہلِ عمان عمان کی طرف چلے گئے۔ غسان بصریٰ کی طرف چلے گئے۔ اوس، خزرج اور بنو کعب بن عمرو یثرب کی طرف آ گئے۔ جب وہ مرکی وادی میں تھے تو بنو کعب نے کہا: "یہ ایک عمدہ جگہ ہے۔ ہم اس کا بدل نہیں چاہتے اس لیے انہیں خزاعۃ کہا جانے لگا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گئے تھے۔ اوس اور خزرج نے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ جب رب تعالیٰ نے ان کے بقیہ افراد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کے شہروں کو برباد کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ایک سرخ چوہیا ان بلیوں میں سے ایک بلی کی طرف آئی۔ اس نے بلی پر حملہ کر دیا۔ بلی پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اس بل میں گھس گئی جو اس کے پاس تھا۔ وہ بند میں گھس گئی اس میں بل کھودنے لگی۔ حتیٰ کہ اسے سیلاب کے لیے کمزور کر دیا۔ لوگوں کو علم تک نہ تھا جب سیلاب آیا۔ اس نے خالی جگہ پائی۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ اس نے بند کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا پانی اموال پر بہہ نکلا وہ اموال اٹھا کر لے گیا۔ صرف

وہی کچھ باقی رہ گیا جس کا تذکرہ رب تعالیٰ نے کیا ہے۔

جب اوس اور خزرج مدینہ طیبہ پہنچے وہ اس کے نشیب و فراز میں منتشر ہو گئے کچھ بنو اسرائیل کے ہمراہ ان کی بستیوں میں ٹھہر گئے۔ کچھ تنہا بسیرا کر گئے۔ وہ نہ تو بنو اسرائیل کے ساتھ ٹھہرے اور نہ ہی اہلِ عرب کے ساتھ قیام کیا۔ مال و دولت بنو اسرائیل میں تھی۔ انہوں نے بستیاں آباد کیں تھیں۔ اوس اور خزرج اتنی دیر ٹھہرے رہے جتنا اللہ رب العزت نے چاہا پھر یہودیوں سے کہا کہ وہ باہم معاہدے کر لیں تا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہیں۔ دیگر اقوام سے اپنا دفاع کر سکیں۔ انہوں نے باہم معاہدے کر لیے اور طویل مدت تک ان پر عمل پیرا رہے۔ اوس اور خزرج امیر بن گئے۔ ان کے پاس اموال آ گئے ان کی تعداد کثیر ہو گئی۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کو یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ وہ ان کے گھروں اور اموال پر غالب آ جائیں گے انہوں نے ان کے لیے غصے کا اظہار کیا۔ انہوں نے معاہدے توڑ دیے۔ اوس اور خزرج اس خدشہ کے پیشِ نظر گھر میں ٹھہر گئے کہ یہود انہیں جلاوطن نہ کر دیں۔ حتیٰ کہ ان میں مالک بن عجلان پیدا ہوا۔ یہ بنو سلام میں سے ایک شخص تھا۔ اوس اور خزرج نے اسے اپنا سردار بنا لیا۔

یہود کے بادشاہ فطیون نے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ کوئی دلہن اپنے خاوند کے پاس نہیں جا سکتی۔ حتیٰ کہ وہ پہلے اس کے پاس آئے۔ جب اوس اور خزرج مدینہ طیبہ آئے تو اس نے یہی قبیح عادت اوس اور خزرج میں بھی جاری کرنے کی کوشش کی۔ مالک بن عجلان کی بہن کی شادی بنو سالم کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی۔ فطیون نے اس مقصد کے لیے اپنا ایک قاصد بھیجا۔ مالک غائب تھا گھر میں نہ تھا۔ اس کی بہن نے اس کی تلاش میں آدمی بھیجا۔ اس نے ایک قوم میں اسے پا لیا اس نے اسے آواز دی۔ مالک نے اسے کہا: ''تو نے مجھے عار دلائی ہے۔ تو نے مجھے آواز دی ہے تجھے حیا نہیں آئی۔'' اس نے کہا: ''جو میرے ساتھ ارادہ کیا جا رہا ہے وہ اس سے بڑا ہے۔'' اس نے اسے ساری صورت حال بتائی۔ مالک نے کہا: ''میں تجھے اس کے بارے کافی ہو جاؤں گا۔'' بہن نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' اس نے کہا: ''میں عورتوں جیسا لباس پہنوں گا۔ میں تمہارے ساتھ تلوار لے جاؤں گا۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس نے اسی طرح کیا پھر عازم سفر ہو کر شام میں ابو جبیلۃ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ایک لشکر جرار تیار کیا وہ روانہ ہوا گویا کہ وہ یمن کا اردہ کیے ہوئے تھا۔ مالک بن عجلان ان کے ہمراہ پوشیدہ تھا۔ وہ ذوحرض کے مقام پر پہنچا اور مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ ان کے پاس آ گئے۔ پھر بنو اسرائیل کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا جو عطیات لینے کا خواہش مند ہو وہ بادشاہ کے پاس آئے۔ اسے اندیشہ تھا کہ وہ قلعوں میں چھپ نہ جائیں وہ ان پر قادر نہ رہے۔ ان کے مردان کے پاس گئے۔ اس نے انہیں اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ جب سارے جمع ہو گئے تو انہیں قتل کر دیا۔ اوس اور خزرج سارے اہلِ مدینہ سے معزز ہو گئے۔

دوسرا باب

مدینہ طیبہ کے نام

اسماء کی کثرت مسمیٰ کے شرف پر دلالت کرتی ہے۔اسے زرکشی نے اعلان میں ذکر کیا ہے۔صاحب قاموس نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔السید نے تاریخ میں ۹۵ اسماء کا تذکرہ کیا ہے جو یہ ہیں:

اثرب

یثرب میں ایک لغت یہ بھی ہے۔یہ اس شخص کا نام تھا جو سب سے پہلے یہاں مقیم ہوا۔ابوعبیدۃ کے نزدیک ساری زمین مدینہ کو یثرب کہا جاتا ہے یا صرف مدینہ طیبہ کو یا صرف اس کے ایک کونے کو یثرب کہا جاتا ہے۔مدینہ طیبہ پر اس کا اطلاق صحیح روایت سے ثابت ہے۔یا تو اسے اسی کے لیے وضع کیا گیا تھا یا بعض اسم کا اطلاق کل پر کیا گیا یا یہ اسی طرح مشہور ہو گیا۔اسے اس نام سے یاد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ارض اللہ

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ (النساء:۹۷)

ترجمہ: ''کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں۔''

ایک جماعت نے لکھا ہے اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔اس اضافت میں جو تعظیم ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

ارض الهجرة

حدیث پاک ہے کہ مدینہ طیبہ اسلام کا قبہ ہے۔

اکالۃ البلدان

سارے شہروں پر اس کے تسلط کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا۔ہے۔یہ اطراف کے سارے شہروں سے بلند ہے۔

اکالۃ القری

حدیث پاک ہے: آپ نے فرمایا: "مجھے اس بستی کا حکم دیا گیا ہے جو بستیوں کو کھا جائے گی۔"

الایمان

ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الحشر:۹)

ترجمہ: "اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے۔"

حضرت عثمان بن عبدالرحمان اور حضرت عبداللہ بن جعفر نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو الدار اور الایمان کہا ہے۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے۔ "مدینہ طیبہ کو ایمان اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان کا مظہر اور ملجا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کے فرشتے نے کہا "میں مدینہ طیبہ میں بسیرا کروں گا۔" حیاء کے فرشتے نے کہا: "میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔"

البارّۃ، البرّۃ

کیونکہ اس کے فیوض و برکات اہلِ مدینہ کے لیے خصوصی اور پورے عالم کے لیے عمومی ہیں۔

البحرۃ، البحیرۃ، البحیرۃ

امام زرکشی نے ان تینوں ناموں کا تذکرہ الاعلام میں منتخب کراع سے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ اولین نے معجم یاقوت سے روایت کیا ہے۔ وسعت کو الاستبحار کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وسیع زمین ہے۔ حضرت سعد بن عبادۃ نے کہا: "اس بحیرۃ (بستی) کے اہل نے اس شرط پر صلح کی ہے کہ وہ اسے پٹی سے باندھ دیں گے۔ جب رب تعالیٰ نے اس کار داس حق سے کیا جو آپ کو عطا کیا تو یہ اس سے جگمگا اٹھا۔ اسے البحر بھی کہا جاتا ہے اس کا اصل بستی ہے ہر بستی بحرۃ ہے۔

البلاط

ابن خالویہ نے اپنی کتاب "لَیس" میں اس کا تذکرہ کیا ہے لغت میں اس سے مراد بچھائے ہوئے پتھر ہیں۔ کثیر پتھروں کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

البلد

ارشادِ ربانی ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد:۱)

ترجمہ: "میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔"

ایک قول میں اس سے مراد مدینہ طیبہ اور دوسرے قول میں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہ سورت مکیہ ہے۔
لغت میں اس سے مراد شہروں کا سردار ہے۔

واسطی نے قاضی سے روایت کیا ہے یعنی آپ کے رب نے آپ کے لیے اس شہر کی قسم اٹھائی ہے۔ جسے یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حیاتِ ظاہری میں اس میں جلوہ افروز رہے اور بعد از وصال بھی آپ کی برکات کا ابرِ کرم برستا رہے گا۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔

بلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

البزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "شیاطین مایوس ہو چکے ہیں کہ میرے شہر میں ان کی پوجا کی جائے۔" یعنی مدینہ طیبہ اور جزیرۃ العرب میں۔ لیکن ان کے مابین لڑائیاں ہوں گی۔

بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (الانفال:۵)

ترجمہ: "جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے۔"

یہ آپ کے ساتھ اس طرح مختص ہے جس طرح گھر کے مقیم کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ یا اس سے مراد آپ کا کاشانہ اقدس ہے۔

تندد، تندر، الجابرۃ

مدینہ طیبہ کے دس ناموں میں اس کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے کیونکہ شکستہ کو جوڑ دیتا ہے۔ فقیر کو غنی کرتا ہے۔ یہ کثرت برکات اور آیات کے مشاہدات کی وجہ سے سر تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یا اس نے شہروں کو اسلام لانے پر مجبور کیا۔

جبار، الجبارۃ

یہ تورات سے منقول ہے۔

جزیرۃ العرب

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث پاک ''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو'' کی شرح میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلا۔ آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ''رب تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے بری کر دیا ہے۔'' (ابو یعلی، البزار، الطبرانی)

الجنۃ الحصینۃ

اس سے مراد پناہ گاہ ہے۔ یہ نام آپ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے جو آپ نے غزوۂ احد کے روز فرمایا تھا: ''میں محفوظ ڈھال میں ہوں۔ انہیں مدینہ طیبہ میں آنے دو۔ ہم یہیں ان کے ساتھ لڑیں گے۔''

الجبیبہ

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا فرماتے ہیں۔

الحرم

یہ تحریم کی وجہ سے حرم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''المدینہ حرم'' دوسری روایت میں ہے ''یہ امن عطا کرنے والا حرم ہے۔''

حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیونکہ آپ نے اِسے حرم بنایا تھا۔ حدیث پاک میں ہے: ''جس نے میرے اہل حرم کو خوفزدہ کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ خوفزدہ کرے گا'' دوسری روایت میں ہے ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حرم مکہ مکرمہ اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے۔''

حسنۃ

یہ لفظ السیئۃ کے مقابلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ (النحل: ۴۱)

ترجمہ: "تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے۔"

یعنی عمدہ پناہ گاہ۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ حسن حسی اور حسن معنوی پر مشتمل ہے۔ یہ قول امام فخر الدین رازی نے نقل کیا ہے۔

الخَیِّرۃ، الخَیْرۃ

یہ کثیر خیر کے معنی میں ہے۔ حدیث پاک ہے: "مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ کاش! وہ جان لیتے۔"

الدار

ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ۔ (الحشر:۹)

ترجمہ: "اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں۔"

دارالابرار، دارالمختار

کیونکہ یہ حضرت مصطفیٰ المختار ﷺ اور مہاجرین و انصار کا گھر ہے۔ کیونکہ یہ شریر لوگوں کو باہر نکال دیتا ہے۔ جو شریر یہاں اقامت اختیار کرتا ہے حقیقت میں اس کا گھر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یہاں دفن کرنے کے بعد بھی مردے کو دوسرے جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔

دارالایمان

الطبرانی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مدینہ طیبہ اسلام کا قبہ، ایمان کا گھر، ہجرت کی زمین اور حلال اور حرام کا مقام ہے۔"

بزار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ایمان سمٹ کر مدینہ طیبہ کی طرف اس طرح آجائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف آتا ہے۔"

دارالسنۃ، دارالسلامۃ، دارالفتح

صحیح میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا "حتیٰ کہ تم مدینہ طیبہ پہنچ جاؤ۔ یہ دار ہجرت اور دار سنت ہے۔" اس سے مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ سارے شہر فتح ہوئے۔ حضور نبی مختار ﷺ نے اسی کی طرف ہجرت کی

تھی اسی سے عالم میں سنت پھیلی تھی۔

الدرع الحصینۃ

امام احمد نے صحیح راویوں سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں نے دیکھا ہے کہ گویا کہ میں محفوظ ذرہ میں ہوں۔ میں نے محفوظ ذرہ کی تعبیر مدینہ طیبہ سے کی ہے۔''

ذات الحُجر ،ذات الحرار،ذات النخل

خنافر اور عمران بن عامر کے واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ "فلیلحق یثرب، ذات النخل" حدیث پاک ہے ''میں نے ہجرت گاہ کو دیکھا ہے وہ کھجوروں والی اور چٹانوں پر زمین ہے۔''

السلفۃ

اس کا یہ نام تورات سے ماخوذ ہے۔ اس کی وسعت کی وجہ سے اسے مدینہ طیبہ کہا جاتا ہے۔ اس کی شدتِ گرمی کی وجہ سے اسے یوں کہا جاتا ہے۔

الشافیہ

حدیث پاک ہے''اس کی مٹی میں ہر مرض سے شفاء ہے۔ ابن سدی نے لکھا ہے کہ اگر اس کے نام لکھ کر اس شخص کے گلے میں ڈالے جائیں جسے بخار ہو تو رب تعالیٰ اسے شفاء عطا کر دیتا ہے۔ عنقریب یہ بھی آئے گا کہ یہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور گناہوں کی مرض سے نجات عطا کرتا ہے۔

طابہ

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام طابۃ رکھا ہے۔''

طیبہ،طیبہ،طائب،المطیبہ

یہ چاروں الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ یہ صیغہ اور بناء کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں۔ یہ مدینہ، طیبہ اور طابہ ہے۔ تورات میں اس کا نام طیبہ اور مطیبہ ہے۔ یہ یا تو الطیب سے مشتق ہے۔ اس کا معنی پاک ہے۔ کیونکہ یہ شرک کی میل کچیل سے پاک ہے۔ یا اس میں وہ ذات والا جلوہ نما ہوئی ہے جو طیب ہے۔ یا یہ بھٹی کی

مانند ہے جو گندگی کو نکال دیتی ہے اور عمدہ کو رکھتی ہے۔

اشبیلی نے لکھا ہے "مدینہ طیبہ کی مٹی سے ایسی خوشبو آتی ہے جو کسی اور مٹی سے نہیں آتی۔" یہ امر سارے امور سے عمدہ ہے۔

بعض اہلِ علم نے لکھا ہے: "اس کی ہوا میں اور مٹی میں خوشبو ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نام بجا طور پر درست ہے۔ کیونکہ جو شخص یہاں قیام کرتا ہے وہ اس کی مٹی اور دیواروں میں ایسی خوشبو پاتا ہے جو اور کہیں نہیں پائی جاتی۔"

طبابا

اسے یاقوت نے لکھا ہے۔ اس سے مراد زمین کا مستطیل قطعہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ ظبابا ہو۔ کیونکہ اس جگہ بہت زیادہ وبائیں آتی تھیں۔

العاصمۃ

کیونکہ اس نے مہاجرین کو مشرکین سے بچایا تھا۔ یا یہ محفوظ پناہ گاہ ہے یا یہ معصومۃ کے معنی میں ہے۔ کیونکہ دجال اور طاعون اس میں داخل نہیں ہو سکتے جو اس کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے ختم کر دیتا ہے۔

العذراء

یہ شہر دشمنوں کے لیے ممنوع تھا حتیٰ کہ اس کے مالک حقیقی حضور اکرم ﷺ اس کے مالک بن جائیں۔

العراء

کیونکہ اس کی بنیاد آسمان کی طرف کم بلند ہے۔

العروض

اس کی پست جگہوں اور وادیوں میں سیلاب کی گزرگاہوں کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

الغراء

یہ الاغر کی تانیث ہے۔ پیشانی کی سفیدی کو غراء کہا جاتا ہے۔ ہر چیز میں سے بہترین کو غرہ کہا جاتا ہے۔ انسان کے چہرے کو غرہ کہا جاتا ہے۔ الاغر ہر چیز میں سے سفید کو کہا جاتا ہے اسی طرح کریم شخص کو، شدید گرمی والے ان کو الاغر کہا جاتا ہے۔ الغراء ایسی بوٹی ہوتی ہے جس کی خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس کی خوشبو کائنات میں پھیل گئی ہے۔ اس کے اصل کی

تعظیم کی گئی ہے۔اس کے درخت کثیر ہیں۔اس کا نور سفید ہے اور اس کا اجالا پھیل گیا ہے۔

غلبۃ

زمانہ جاہلیت میں اسے اس نام سے پکارا جاتا تھا۔اس جگہ یہود نے عمالیق پر غلبہ پایا تھا۔اوس اور خزرج نے یہود پر قبضہ پایا تھا۔مہاجرین اوس اور خزرج پر غالب آگئے تھے۔عجمی مہاجرین پر غالب آگئے تھے۔

الفاضحۃ

اس جگہ وہ شخص نہیں چھپ سکتا جس کا عقیدہ فاسدہ ہو۔جو بھی کسی معاملہ کو چھپاتا ہے اسے ظاہر کر دیا جاتا ہے جس سے وہ رسواء ہو جاتا ہے۔یہ اس مفہوم میں ہے کہ یہ غبیث کو باہر نکال دیتا ہے۔

قبۃ الاسلام

حدیث پاک ہے کہ مدینہ طیبہ اسلام کا قبہ ہے۔

قریۃ الانصار

انصار پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

قریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الطبرانی سے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کہ پھر دجال آگے بڑھے گا۔وہ مدینہ طیبہ آئے گا اسے اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔وہ کہے گا: "یہ اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بستی ہے۔"

قلب الایمان

ابن جوزی نے اسے المدینۃ قبۃ الاسلام کی شرح میں لکھا ہے۔

المؤمنۃ

یا تو اس نے حقیقت میں رب تعالیٰ کی تصدیق کی ہو گی۔اس کی تخلیق ہی اس طرح ہو گی کہ اس نے اس امر کو قبول کر لیا ہو گا۔جیسے سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا۔یا اسے یا نام مجازاً دیا گیا ہے کیونکہ اس کے باسی ایمان سے متصف ہیں۔اس جگہ سے ایمان پھیلا یا یہ مؤمن کے اوصاف پر مشتمل ہے یا اس میں داخل ہونے والا دشمنوں، طاعون اور دجال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی مؤمنہ ہے۔" دوسری روایت میں ہے: "تورات میں اس کا نام مؤمنہ ہے۔"

المبارکۃ

آپ کی دعا کے طفیل رب تعالیٰ نے اس میں برکت ڈالی۔

مبوا الحلال والحرام

الطبرانی کی روایت میں ہے "المدینۃ قبۃ الاسلام" تبؤ تمکن اور استقرار کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ان دونوں امور کا محل ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

مبین الحلال والحرام

اس نام کو ابن جوزی نے لکھا ہے۔

المجبورۃ

حدیث پاک میں ہے کہ "مدینہ طیبہ کے دس اسماء ہیں" یہ اسماء سابقہ کتب سے نقل کیے گئے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ یہ زندہ اور مردہ حالات میں ان کا کفیل ہے۔ کیونکہ اس کی وبا کسی اور جگہ منتقل کر دی گئی اور حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے کئی بار دعا کی۔

المحبۃ

یہ نام سابقہ کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔

المحبوبۃ

یہ نام بھی سابقہ کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔

المحببۃ، الحبیبہ

ان کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے۔ آپ کی اس کے لیے محبت اور دعا مشہور و معروف ہے۔ آپ کی محبت رب تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے۔

المجبورة

یہ الجبر سے مشتق ہے۔اس کا معنی مسرور ہے یا الجبرۃ سے مشتق ہے۔اس کا معنی نعمت ہے یا اوصاف جمیلہ میں مبالغہ مقصود ہے۔الجبار ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جہاں نباتات جلدی اگتی ہوں اور کثیر خیرات والی ہو۔

المحرمہ

اس کی حرمت کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

المحروسة

حدیث پاک ہے کہ مدینہ طیبہ ملائکہ سے بھرا ہوا ہے اس کے ہر ہر کونے میں فرشتہ مقرر ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔

المحفوظة

یہ برکات اور آسمانی ملائکہ سے محفوظ ہیں۔حدیث پاک ہے:''مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ اس طرح آئیں گے کہ ملائکہ نے ان کا گھیراؤ کیا ہوگا۔''

المحفوظة

یہ طاعون اور دجال سے محفوظ ہے۔روایت ہے کہ چار شہر محفوظ ہیں۔ان میں سے ایک مدینہ طیبہ ہے۔

المختارة

رب تعالیٰ نے اپنے مختار نبی ﷺ کے لیے پسند فرمایا تھا۔

مدخل صدق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴿۸۰﴾ (الاسراء:۸۰)

مدخل صدق سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔

المدینہ

قرآن پاک میں اس نام کا بار بار تذکرہ ہے۔ تورات میں بھی یہ نام مذکور ہے۔ یہ شہر نبی ﷺ کے لیے عَلَم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ جب اسے مطلق بولا جائے تو ذہن کسی اور کی طرف جاتا ہی نہیں۔ جب اسے نکرہ استعمال کیا جائے تو ہر شہر کا نام ہو سکتا ہے۔ ہر شہر کے لیے نسبت مدینی ہے جبکہ مدینہ طیبہ کے لیے نسبت مدنی ہے تاکہ ان کے مابین فرق ہو سکے۔

مدینہ رسول اللہ ﷺ

الطبرانی کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میرے اس شہر میں کوئی واقعہ رونما کیا یا کسی واقعہ کو رونما کرنے والے کو پناہ دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے ملائکہ کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ رب تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کرے گا۔''

المرحومۃ

یہ اسم مبارک تورات میں موجود ہے کیونکہ یہ اس ہستی کا گھر ہے جسے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا ہے اس پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

المرزوقۃ

کیونکہ رب تعالیٰ نے اس میں وہ ہستی جلوہ افروز کی جو افضل الخلق ہے۔ یا اس کے اہل کو رزق دیا جاتا ہے حدیث پاک ہے: ''کوئی بھی اس میں سے نہیں نکلتا مگر رب تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کرتا ہے۔''

مسجد الاقصیٰ

ابن الملقن نے الاشارات میں صاحب المطالع سے نقل کیا ہے۔

المسکینہ

یہ اسم مبارک تورات سے نقل کیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ''مدینہ طیبہ کے دس اسماء ہیں۔'' حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کتاب میں فرمایا: ''اے طابۃ! یا طیبہ! یا مسکینہ۔ خزانے قبول نہ کرنا، میں تیری سطحوں کو بستیوں کی سطحوں سے بلند کروں گا۔ مسکنت سے مراد خضوع ہے۔ رب تعالیٰ نے اس میں خضوع پیدا فرمایا۔ یا یہ

خاشعین اور خاضعین کا مسکن ہے۔

المسلمۃ

یہ مؤمنہ کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلیم و رضا کو پیدا کیا تھا۔ یا اس کے اہل نے سر تسلیم خم کیا تھا۔ ان کا شہر قرآن پاک کے ساتھ فتح ہوا تھا۔

مضجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ میری ہجرت گاہ اور میرا ٹھکانہ ہے۔''

المطیبہ، المقدسۃ

کیونکہ یہ شرک سے پاک ہے۔ یہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

المقر

السید نے اسے بعض کتب سے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''اللھم اجعل لنا بها قرارًا و رزقًا حسنًا۔''

المکتان

حضرت سعد بن ابی سرح نے اس وقت کہا تھا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرۃ کیا گیا تھا۔ ''وانصارنا بالمکتین قلیل۔''

نصر بن حجاج نے مدینہ طیبہ سے جلا وطن ہونے کے بعد کہا:

فاصبحت منفيا على غير ريبة و قد كان لى بالمتكين مقام

ترجمہ: ''میں بلاشبہ جلا وطن ہو چکا ہوں پہلے متکین میں میرا مقام ہوتا تھا۔''

السید نے لکھا ہے: ''اس سے یہی ظاہر ہے کہ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور نصر بن حجاج کا واقعہ اس جگہ رونما ہوا تھا۔ اہلِ مکہ یہاں آئے تھے اور یہاں غالب آ گئے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ یا اس سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہے۔

المکینہ

رب تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا مقام ہے۔

مہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ نے فرمایا: "المدینۃ مھاجری۔"

الموفیۃ

یہ حسی اور معنوی طور پر وفدوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اس کے باشندے اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو وہ رب تعالیٰ سے کرتے ہیں۔

الناجیۃ

یہ سرکشوں، طاعون اور دجال سے نجات عطا کرتا ہے۔ یہ بھلائیوں میں جلدی کرتا ہے۔ اس نے اپنی بلند منزلت کی وجہ سے مخلوق میں سے اعلیٰ رتبہ حاصل کر لیا۔

نبلاء

یہ کراع سے نقل کیا گیا ہے۔ السید نے لکھا ہے کہ یہ النبل سے ماخوذ ہے اس کا معنی فضل اور نجابت ہے۔

النحر

اسکی شدید گرمی کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے یا اس لیے کہ یہ اسلام کے شہروں کی بنیاد ہے۔

الہذراء

ابن نجار نے اسے تورات سے عذراء کی جگہ نقل کیا ہے۔ اسے ذال سے روایت کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ یا کثیر پانی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

یثرب

اثرب میں ایک لغت یہ بھی ہے۔ اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ حدیث پاک میں اسے اس نام سے یاد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ینددِ

اسے کراع نے ذکر کیا ہے۔ یہ یا تو الند سے مشتق ہے۔ معروف خوشبو کو الند کہا جاتا ہے۔ یا الند بلند ٹیلے کو کہا جاتا ہے یا یہ الناذ سے مشتق ہے اس کا معنی رزق ہے۔

یندر

بعض کتابوں میں ہے کہ مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں۔ بعض کتب میں تندد ہے۔ ابن زبالہ نے نو ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن شبہ نے آٹھ ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے ''الدار'' کو حذف کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ انہوں نے اسے الدار اور الایمان کا نام دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔ پہلی حدیث میں آٹھ ناموں کا تذکرہ ہے۔ اس حدیث پاک میں دو نام آئے ہیں۔'' خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دس اسماء ہیں یا نہیں۔ ابن زبالہ نے نو نام لکھے ہیں۔ انہوں نے الدار کا اضافہ کیا ہے اور دسویں کو حذف کر دیا ہے۔ ابن زبالہ نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز بن الداوردی نے لکھا ہے'' مجھ تک یہ پہنچا ہے کہ تورات میں مدینہ طیبہ کے چالیس نام ہیں۔'' زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ طیبہ کے چالیس نام ہیں۔ انہوں نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں وہ یہ ہیں: ''المدینہ، طیبہ، طابۃ، مسکینہ، جابرۃ، مجبورۃ، یندد، یثرب، کدار۔''

حضرت ابراہیم بن حسن سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ کے دس نام ہیں: ''المدینہ، طیبہ، طابۃ، المسکینہ، الجابرۃ، المجبورۃ، المرحومہ، العذراء، المحبوبۃ، القاصمۃ۔''

❁❁❁❁

تیسرا باب

مدینہ طیبہ کا نام یثرب رکھنے کی ممانعت

امام احمد، امام مالک، شیخان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ایسے شہرہ کا حکم دیا گیا ہے جو شہروں کو کھا جائے گا۔ اسے یثرب کہا جاتا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ ہے یہ لوگوں سے میل کچیل اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کرتی ہے۔

امام احمد، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے جید سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہا وہ رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔ یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے۔'' ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو اسے یثرب کہے اسے تین بار مغفرت طلب کرے۔ یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔''

امام عیسیٰ بن دینار نے لکھا ہے: ''جس نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہا اس کی خطاء لکھی جائے گی۔ اسی لیے امام، علامہ شیخ کمال دمیری نے اپنی منظوم کتاب الحج میں لکھا ہے:

و من دعاها یثربا یستغفر فقوله خطیئة لتنظر

جس نے اسے یثرب کہا وہ مغفرت طلب کرے۔ اس کا یہ قول خطاء ہے اسے غور کرنا چاہیے اس کراہت کا سبب یہ ہے یہ یا تو الثرب سے مشتق ہے۔ اس کا معنی فساد ہے یا یہ تثریب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے گناہوں کا مؤاخذہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمدہ نام پسند کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا ہے۔ قرآن پاک میں یثرب نام منافقین کی حکایت کرتے ہوئے درج کیا گیا ہے۔ جہاں تک آپ کے اس فرمان کا تعلق ہے: ''میرا خیال گیا کہ یہ ہمامہ یا ہجر ہے یہ یثرب ہے'' ''میں اسے یثرب ہی گمان کرتا ہوں'' یہ اس ممانعت کے پہلے کے فرمان ہیں۔

◆◆◆◆

چوتھا باب

آپ کے اس شہرِ خوباں سے محبت، اس کے لیے دعا اور آپ کی دعا کے طفیل وباء کا ختم ہو جانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑتی۔ (جب اس کے درختوں پر نظر پڑتی) تو مبارک شانوں سے چادر مبارک اتار لیتے۔ فرماتے: ''یہ پاکیزہ ارواح ہیں۔ اپنی سواری کو تیز چلاتے۔'' سواری کو مدینہ طیبہ کی محبت کی وجہ سے تیز چلاتے۔ مدینہ طیبہ کو دیکھ کر یہ دعا مانگتے۔ ''مولا! یہاں ہمارے لیے چین و قرار اور عمدہ رزق بنا دے۔''

امام احمد، امام مسلم اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں ساری روئے زمین سے بڑھ کر بخار کی وباء آتی تھی۔ اس کی وادیوں میں بہنے والا پانی کا ذائقہ اور بو صحیح نہ تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام بیمار ہو گئے۔ لیکن رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے محفوظ رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ایک ہی گھر میں تھے۔ انہیں بخار نے آلیا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی تاکہ ان کی عیادت کر آؤں۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں عیادت کرنے ان کے پاس گئی۔ یہ پردہ کی آیات کے نزول سے پہلے کی بات ہے انہیں بہت شدید بخار تھا۔ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا: ''والد گرامی! آپ کیسے ہیں؟'' انہوں نے کہا:

کل امْرِئٍ مصبح فی اهله والموت ادنی من شراك نعله

ترجمہ: ''ہر شخص اپنے اہلِ خانہ کے پاس صبح کرتا ہے۔ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب ہوتی ہے۔''

انہوں نے کہا:'' میں نے کہا: ''بخدا! میں نہیں جانتی کہ میرے والد گرامی کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قریب آئی۔ میں نے عرض کی: ''عامر! آپ خود کو کیسے پاتے ہیں؟'' انہوں نے کہا:

لقد وجدت الموت قبل ذوقه　　ان الجبان حتفه من فوقه
کل امرئٍ مجاهد بطوقه　　کالثور یحمی جلده بروقه

ترجمہ: ”میں نے موت سے پہلے ہی اس کا ذائقہ چکھ لیا۔ بزدل کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔ ہر شخص اپنی قوت کے مطابق سعی کرتا ہے۔ جیسے کہ بیل اپنے سینگوں سے اپنا تحفظ کرتا ہے۔“

انہوں نے فرمایا: ”میں نے کہا: ”بخدا! میں نہیں جانتی کہ عامر کیا کہہ رہے ہیں؟“ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بخار اترتا تو وہ گھر کے صحن میں آکر لیٹ جاتے۔ پھر بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے:

الالیت شعری هل ابیتن لیلة　　بواد حولی اذخر و جلیل
و هل اردن یومًا میاه مجنةً　　و هل یبدون لی شامة و طفیل

ترجمہ: ”مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں وادی میں ایک رات بسر کرسکوں گا۔ جبکہ میرے اردگرد اذخر اور جلیل ہوں گے۔ کیا میں کسی روز مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں گا۔ کیا میرے لیے کسی روز شامۃ اور طفیل ظاہر ہوں گے۔“

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”میں نے اس امر کا تذکرہ بارگاہِ رسالت مآب میں کیا۔ میں نے عرض کی: ”انہیں شدید بخار کی وجہ سے علم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟“ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور یہ دعا مانگی: ”مولا! مدینہ طیبہ کو ہمارے ہاں اس طرح محبوب بنادے جس طرح مکہ مکرمہ محبوب ہے۔ یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ اس کی آب و ہوا کو صحت مند بنادے۔ ہمارے لیے اس کے صاع اور مد میں برکت کردے۔ اس کی وباء کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔ آپ جحفہ کے چشمے عین خم سے پانی پینے سے اجتناب کرتے تھے۔

امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ اور محمد بن حسن مخزومی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے ایک سیاہ عورت دیکھی جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ مدینہ طیبہ سے نکلی وہ جحفہ چلی گئی۔ میں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ مدینہ طیبہ کی وباء جحفہ منتقل ہوگئی ہے۔“ ابن بکار نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ایک دن وقت صبح ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ وہ مکہ مکرمہ کے رستہ سے آیا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ”کیا تم نے کسی سے ملاقات کی ہے؟“ اس نے عرض کی: ”نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! سوائے ایک کالی عریاں عورت کے۔ اور کسی سے ملاقات نہیں کی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ بخار تھا آج کے بعد وہ ادھر نہیں آئے گا۔“ موسیٰ بن محمد نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہوگئے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے ایک مہاجر عورت سے

نکاح کرلیا۔ حضورا کرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ پھر فرمایا: ''اے لوگو! اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا) جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے لیے ہوگی۔ اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے ہوگی۔ جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوگی۔ وہ اس کی تلاش میں ہوگا۔ یا عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس کے لیے وہ ہجرت کرے گا'' پھر آپ نے دستِ اقدس بلند کیے اور عرض کی: ''مولا! اس کی وباء کو ہم سے کسی اور جگہ منتقل کر دے۔'' آپ نے تین بار اسی طرح کہا۔ وقتِ صبح آپ نے فرمایا: ''میرے پاس آج رات بخار کو لایا گیا۔ وہ کالی سیاہ بڑھیا تھی۔ اس نے اپنے کپڑے اٹھا رکھے تھے۔ وہ اس کے سامنے تھی جو اسے لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا: ''یہ بخار ہے اس کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟'' میں نے کہا: ''اسے خم میں رکھ دو۔''

امام بیہقی نے حضرت ہشام بن عروۃ رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مدینہ طیبہ کی وباء معروف تھی۔ اگر کوئی وادی وباء زدہ ہوتی اس پر سے انسان گزرتا۔ اسے کہا جاتا: ''گدھے کی طرح رینگو۔ اگر وہ اس طرح کرتا تو یہ وباء اسے کوئی نقصان نہ دیتی۔ شاعر نے کہا:

لعمری لئن عشرت من خشیۃ الرّدی نہیق الحمار انني لجزوع

ترجمہ: ''مجھے اپنی زندگانی کی قسم! اگر میں ہلاکت کے اندیشے سے اسی طرح رینگوں جس طرح گدھا رینگتا ہے تو میں گھبرایا ہوا ہوں گا۔''

ہشام نے کہا: ''جب کوئی بچہ جحفہ میں پیدا ہوتا وہ بالغ نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ بخار اسے آلیتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جب حضورا کرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مدینہ طیبہ آئے۔ تو انہیں مدینہ طیبہ کے بخار نے آلیا۔ مرض نے انہیں تھکا دیا۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ حضورا کرم ﷺ باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام اسی طرح بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جان لو! کھڑے ہو کر پڑھنے والے کا ثواب بیٹھ کر پڑھنے والے سے دوگنا ہے'' مسلمان کمزوری اور بیماری کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورا کرم ﷺ نے دعا مانگی: ''مولا! تو نے جو برکت مکہ معظمہ میں ڈالی ہے اس سے دوگنی برکت مدینہ طیبہ میں ڈال دے۔''

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورا کرم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا تھا۔ میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔ میں اس کے مُد اور اس کے صاع کے بارے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی تھی۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن فضل بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی: ''مولا! میں مکہ کی طرح اہلِ مدینہ کے لیے بھی تجھ سے دعا مانگتا ہوں۔'' حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: ''ہم اس کا اعتراف کرتے تھے ہم کو مد اور صاع اسی طرح کافی ہو جاتے تھے جس طرح مکہ مکرمہ میں کافی ہو جاتے تھے۔''

حضرت زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بکریوں کے لیے دعا یہ مانگی جو مدینہ طیبہ میں چرتی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! ابراہیم تیرے بندے اور خلیل تھے انہوں نے اہلِ مکہ کے لیے برکت کی دعا مانگی۔ میں (جانِ عالم) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ میں تیرا بندہ اور رسول ہوں میں مدینہ طیبہ کے باسیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تو ان کے صاع اور مد میں برکت ڈال دے جس طرح کی برکت تو نے اہلِ مکہ کے لیے ڈالی تھی۔ اس برکت کے ساتھ ساتھ دو برکتیں اور ڈال دے۔''

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب پہلا پھل پک کر تیار ہوتا تو لوگ اسے لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے لے لیتے۔ اپنے چشمانِ مقدس پر لگاتے۔ پھر یہ دعا مانگتے: ''مولا! ہمارے پھل میں برکت ڈال۔ ہمارے مدینہ میں ہمارے لیے برکت ڈال۔ ہمارے صاع میں ہمارے لیے برکت ڈال۔ ہمارے مد میں ہمارے لیے برکت ڈال۔ مولا! حضرت ابراہیم تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی۔ میں اسی طرح کی دعا مدینہ طیبہ کے لیے کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ اسی کی مثل کی دعا کرتا ہوں۔'' پھر آپ سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے عطا کر دیتے۔

تنبیہات

1. یہ حدیث پاک تقاضا کرتی ہے کہ جب بھی کوئی پھل پک کر تیار ہو جاتا تو اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا۔ آپ اس کے لیے دعا مانگتے۔
2. آپ مدینہ طیبہ سے محبت کرتے تھے اس لیے آپ بار بار اس کے لیے دعا مانگتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا پہلی دفعہ ہی قبول ہو گئی تھی۔ مزید حصول کے لیے بار بار دعا مانگتے تھے۔
3. وباء عمومی امراض کا نام ہے یہ طاعون سے اعم ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں ہے کہ آپ نے طاعون کے نہ آنے کی دعا مانگی تھی۔ کیونکہ یہ نہی سے پہلے کی بات ہے یا یہ کہ یہ نہی طاعون کے ساتھ ہو۔ یا پھیلنے والی موت کے ساتھ

مختص ہو۔ مرض کے ساتھ مختص نہ ہو۔ خواہ وہ عام ہو۔

- ④ حدیث پاک میں مذکورہ برکت دین و دنیا کو شامل ہے۔ کیونکہ اس سے مراد نمو اور زیادتی ہے۔ یہ برکت کیلی چیزوں میں حاصل ہے۔ اس حیثیت سے کہ ایک مد کافی ہو جاتا ہے جو اسی کے علاوہ کہیں اور کافی نہیں ہوتا۔ یہ امر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو وہاں بسیرا رکھتا ہو۔
- ⑤ مدینہ طیبہ سے وباء کا منتقل ہو جانا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ سارے اطباء بھی اس پر قادر نہیں ہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے "یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ان دنوں میں جحفہ وباء زدہ ہو گیا تھا۔ جو بھی اس کا پانی پیتا تھا اسے بخار آلیتا تھا۔" خطابی نے لکھا ہے کہ اس وقت اہلِ جحفہ یہودی تھے۔

❁❁❁❁

پانچواں باب

آپ کی دعا کے طفیل مدینہ طیبہ کا دجال اور طاعون سے محفوظ ہو جانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ کے رستوں پر فرشتے مقرر ہیں۔ جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ طاعون اور دجال مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دجال عنقریب ہر شہر کو روندھ ڈالے گا سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے ان کے رستوں میں سے ہر ہر رستے پر فرشتے پرے باندھے کھڑے ہیں جو ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ وہ سبخہ اترے گا۔ مدینہ طیبہ اپنے اہل کے ساتھ تین دفعہ لرزا ٹھے گا۔ ہر منافق اور کافر دجال کی طرف چلا جائے گا۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسیح الدجال کا رعب مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اس روز مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر ہر دروازے پر دو دو فرشتے مقرر ہوں گے۔ (بخاری)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے کہ دجال نے کہا: ''عنقریب مجھے باہر نکلنے کا اذن دیا جائے گا۔ میں باہر نکلوں گا۔ زمین پر چلوں گا۔ میں چالیس روز میں ہر ہر شہر میں جاؤں گا۔ مگر میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکوں گا۔ انہیں مجھ پر حرام کر دیا گیا ہے۔ میں جب بھی ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا تو مجھے ایک فرشتہ ملے گا جو اپنے ہاتھ میں تلوار سونتے ہو گا۔ وہ مجھے ان سے دور کر دے گا۔ ان کے ہر ہر رستے پر فرشتے مقرر ہیں جو ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عصا مبارک منبر پر مار کر فرمایا: ''یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔'' (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دجال مدینہ طیبہ کی طرف آئے گا۔ وہ ملائکہ کو پائے گا۔ وہ اس کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ دجال اور طاعون اس کے قریب تک نہ جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا فرمان ''ان شاء اللہ'' تبرک اور اس پر یقین کے لیے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دجال آئے گا لیکن مدینہ طیبہ کے رستوں میں داخل ہونا اس کے لیے حرام ہوگا۔ وہ اس سباخ جگہ پر اترے گا جو مدینہ طیبہ کے ساتھ ملی ہے۔ ایک شخص اس کے پاس جائے گا۔ وہ لوگوں میں سے بہترین ہوگا۔ وہ کہے گا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی

دجال ہے جس کے بارے ہمیں حضور اکرم ﷺ نے بتادیا تھا۔ دجال کہے گا"تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اسے قتل کر دوں پھر اسے زندہ کر دوں تو کیا تمہیں میرے معاملہ میں کوئی شک رہے گا؟ لوگ کہیں گے" نہیں" وہ اسے قتل کرے گا پھر اسے زندہ کرے گا۔ وہ شخص کہے گا" بخدا! تیرے بارے جتنی بصیرت آج مجھے حاصل ہوئی ہے پہلے حاصل نہ تھی۔" دجال اسے دوبارہ قتل کرنے لگے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔" (بخاری)

تنبیہات

◆ صحیح احادیث میں تذکرہ ہے کہ طاعون شہادت ہے۔ اگر اس طرح ہے تو پھر اسے دجال کے ساتھ کیوں ملا دیا گیا ہے۔ اور مدینہ طیبہ کی توصیف یوں کیوں بیان کی گئی ہے کہ طاعون کا مرض اس میں داخل نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا رحمت اور شہادت ہونے سے مراد اس کی توصیف مقصود نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے شہادت اور رحمت اس پہ مترتب ہوتی ہیں۔ اس سے پیدا ہوتی ہیں یہ ان کا سبب ہے جب یہ امر محکم ہوگا اور اسی طرح وہ احادیث جو طاعون عمواس کے بارے وارد ہیں۔ ان سے مدینہ طیبہ کی توصیف ظاہر ہوتی ہے کہ طاعون کا مرض اس شہر خوباں میں داخل نہ ہوگا۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ کفار کے جنات اور شیاطین مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی اتفاق سے داخل بھی ہو جائے تو پھر وہ رب تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے کسی ایک کو طاعون میں مبتلاء نہیں کر سکتے۔

اگر کہا جائے کہ جنات کا طاعون میں مبتلا کرنا یہ اس امر کے ساتھ مختص نہیں ہے کہ ان کے کفار کی طرف سے مؤمن انسانوں میں ہو۔ بلکہ یہ مؤمن جنات کی طرف سے کفار انسانوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ جب مدینہ طیبہ میں کفار جنات داخل نہیں ہو سکتے تو ان جنات کو منع نہیں کیا جا سکتا جو اہلِ ایمان ہیں کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کافر انسان مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ وہ مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو اسلام کا اظہار کرے۔ اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں۔ وہ شخص جس کا اسلام خالص نہ ہو وہ خالص کے تابع ہو گیا۔ لہٰذا اس سے امن حاصل ہو گیا کہ جنات ان کے پاس نہیں جا سکتے۔ اس لیے اس شہر مبارک میں طاعون نہیں آ سکتی۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ جواب اس جواب سے احسن ہے جو انہوں نے"المفہم" میں لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح کا طاعون مدینہ طیبہ میں نہیں پھیلے گا جس طرح عمواس اور حارف میں طاعون پھیلا تھا۔" یہ جواب اس صورت میں ہوگا جب طاعون میں سے کچھ نہ کچھ آنے کو مقدر سمجھا جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ

رحمت کا سبب طاعون میں منحصر نہیں ہے۔حضور اکرم ﷺ نے دعا میں عرض کی تھی: "مولا! تیری طرف سے عافیت میرے لیے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔" مدینہ طیبہ کے خصائص میں سے ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی تھی۔

المنبجی نے یہ جواب دیا کہ اس سے مراد طاعون کا تھوڑا پھیلنا ہے۔ یعنی اتنا طاعون نہیں پھیلے گا۔ جو اس کے اہل کو برباد کر دے۔ ایک جواب یہ ہے طاعون کے عوض انہیں بخار دے دیا گیا۔ کیونکہ طاعون مدتوں بعد آئے گا۔ جب کہ بخار گاہے بگاہے آتا رہے گا۔ الحافظ نے لکھا ہے "جب میں نے حضرت ابو المسیب کی روایت پڑھی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "حضرت جبرائیل امین بخار اور طاعون لے کر میرے پاس آئے۔ میں نے بخار کو مدینہ طیبہ میں روک دیا اور طاعون کو شام بھیج دیا۔" تو مجھے یہ جواب دیگر جوابوں سے عمدہ لگا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد قلیل تھی۔ سامان زیست ان کے پاس نہ تھا۔ مدینہ طیبہ کا شہر وباء زدہ تھا۔ مدینہ طیبہ کو صحت افزاء بنانے کے لیے حال دعا کے مناسب ہو گیا تا کہ وہاں کے باسیوں کے اجسام تندرست ہو جائیں تا کہ وہ کفار کے ساتھ جہاد پر قادر ہو سکیں۔ حضور اکرم ﷺ کو دو امور میں سے ایک پر اختیار دیا گیا۔ جن حضرات کو یہ امراض لاحق ہو جاتیں ان سے عظیم ثواب کا وعدہ تھا یہ امراض بخار اور طاعون تھیں۔ آپ نے بخار کو منتخب کر لیا۔ کیونکہ اس کا معاملہ طاعون کے معاملہ سے خفیف ہے کیونکہ طاعون سے عموماً جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔ بخار سے عموماً اجسام کمزور ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا تو آپ نے دعا فرمائی کہ بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ آپ کی دعا قبول کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ سارے شہروں سے زیادہ صحت افزا مقام بن گیا۔ جب رب تعالیٰ ان میں سے کسی ایک کو مارنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے وہ طاعون لگ جاتی ہے جو اسے مرتبہ شہادت پر فائز کر دیتی ہے۔ یہ ایک عظیم منصب ہے۔ جو اس سعادت سے رہ گیا۔ اسے بخار آلیتا۔ بخار بھی آگ میں سے مومن کا حصہ ہوتا ہے۔ بخار کا ایک دن ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔

آپ کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے مدینہ طیبہ کو یہ سعادت آپ کے وصال کے بعد بھی حاصل رہی۔ مکہ مکرمہ بھی اس سعادت میں شامل ہو گیا۔ ماضی میں یہاں کبھی بھی طاعون کا مرض نہیں پھیلا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے معارف میں لکھی ہے۔ ایک جماعت نے ان سے نقل کی ہے۔ اور امام نووی کے زمانہ تک اسے برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے کتاب الاذکار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ اس کے بعد ایک دفعہ ۷۴۹ھ میں یہاں طاعون کا مرض پھیلا تھا۔ اس زمانہ کے لوگوں میں سے بعض نے اس کی صراحت لکھی ہے۔

۲ طاعون کا مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہونا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ سارے اطباء مل کر بھی شہروں میں سے کسی ایک شہر سے اسے دور نہیں کر سکتے نہ ہی کسی بستی سے دور کر سکتے ہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے طفیل مدینہ طیبہ کو اس سے محفوظ کر دیا گیا۔

۳ احادیث طیبہ کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دجال سارے شہروں میں داخل ہوگا۔ جمہور علماء کا یہی مؤقف ہے۔ ابن حزم نے اسے شاذ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ''اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اور اس کا لشکر اچانک داخل ہوں گے۔ گویا کہ انہوں نے اس امکان کو بعید سمجھا ہے کہ دجال سارے شہروں میں داخل ہو۔ کیونکہ اسے تھوڑی سی مدت نصیب ہوگی۔ لیکن وہ اس روایت سے آگاہ نہ ہو سکے جو مسلم شریف میں ہے کہ اس کے بعض دن ایک سال کے برابر ہوں گے۔

❀❀❀❀

چھٹا باب

مدینہ طیبہ میں قیام کرنے، اسی جگہ مرنے اور اس کے مصائب پر صبر کرنے کی ترغیب

حضرت صمیۃ اللیثیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا "تم میں سے جس کو یہ طاقت حاصل ہو کہ وہ مدینہ طیبہ میں ہی مرے تو اسے وہاں ہی مرنا چاہیے جو وہاں مرتا ہے اس کی شفاعت کی جاتی ہے یا اس کے لیے گواہی دی جاتی ہے۔ (ابن حبان، بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس شہر خوباں میں ضرور مرے۔ جو اس میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔" (امام احمد، ترمذی، ابن حبان)

حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا: "یمن فتح ہوگا۔ ایک قوم اپنے اہل خانہ اور اپنے پیروکاروں کے ہمراہ اونٹوں کو ہانکتے ہوئے مدینہ طیبہ سے نکل جائے گی۔ مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے کاش وہ جان لیتے۔ عراق فتح ہوگا۔ ایک قوم اپنے اہلِ خانہ اور اطاعت گزاروں کے ساتھ اس طرف نکل جائے گی۔ مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے کاش وہ جان لیتے۔"

امام احمد، بزار، امام مسلم، امام الطبرانی نے حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو ایوب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو اسید الساعدی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں فتوحات ہوں گی۔ دجال ان کی طرف نکلے گا۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "لوگ خوشحالی چاہتے ہوئے شاداب علاقوں کی طرف نکلیں گے۔ وہ خوشحالی پالیں گے۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "انہیں کھانا، لباس اور سواری مل جائے گی۔ انہیں کہا جائے گا، ہماری طرف آؤ۔ تم حجاز کی قحط زدہ سرزمین میں ہو۔ مدینہ طیبہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ کاش وہ جان لیتے۔" بعض الفاظ میں ہے: "وہ اپنے حاجیوں اور عمرہ کرنے والے بھائیوں کے پاس سے گزریں گے۔ وہ انہیں کہیں گے۔" تم اس بھوک اور تنگدستی میں کیوں قیام کر رہے ہو۔" آپ نے فرمایا: "ان میں سے بعض چلے جائیں گے۔ بعض ٹھہرے رہیں گے۔"

آپ نے کئی باراسی طرح فرمایا۔ پھر فرمایا: ”مدینہ منورہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ جو اس میں قیام کرتا ہے۔ وہ اس کی تنگدستی اور شدت کے باوجود ثابت قدم رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت آجاتا ہے میں روزِ حشر اس کا شفیع یا شہید (گواہ) ہوں گا۔ بخدا! جو بھی اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کر دیتا ہے۔ مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل نکال دیتی ہے۔ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ خود سے شریر لوگوں کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگار کو نکال دیتی ہے۔“ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میرا جو امتی مدینہ طیبہ کی تنگی اور شدت پر صبر کرتا ہے میں روز حشر اس کی شفاعت کروں گا۔“ (مسلم)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگتے تھے ”مولا! مجھے اپنے رستہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مبارک میں موت عطا فرما۔“ (بخاری)

یحییٰ بن سعید سے مرسل روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ سے بڑھ کر روئے زمین کا کوئی ٹکڑا مجھے پسند نہیں جہاں میری قبر انور بنے۔“ آپ نے تین باراسی طرح فرمایا۔ (موطا امام مالک)

حضرت ابوسعید المہری کے غلام سے روایت ہے کہ وہ حرّہ کی راتوں میں سے ایک رات حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بارے مشاورت کی۔ اس کی تنگی اور کثرت عیال کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا: ”اب اس کی تنگی اور شدت پر وہ مزید صبر نہیں کر سکتے۔“

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: ”تمہارے لیے ہلاکت! میں تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ مدینہ طیبہ کو لازم پکڑلو۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے ”جو بھی اس کی شدت پر صبر کرتے ہوئے مرجائے گا میں روزِ حشر اس کا شفیع یا گواہ بنوں گا۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔“

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ اہلِ مدینہ کے ساتھ جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اس طرح پگھلائے گا جس طرح سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے یا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: ”جو شخص بھی مدینہ طیبہ کی سختی اور تنگی پر صبر کرے گا روزِ حشر میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا۔“ (مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جس کی مدینہ طیبہ میں کوئی اصل ہو وہ اس سے مضبوطی کے ساتھ چمٹا رہے۔ جس کی وہاں اصل نہ ہو وہ وہاں اپنی اصل بنالے۔ لوگوں پر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جس کی وہاں اصل نہ ہوگی گویا کہ وہ اس سے نکلنے والا اور غیر کی طرف جانے والا ہوگا۔“ امام زہری نے مرسل روایت کیا ہے کہ مکہ

مکرمہ میں اموال نہ بناؤ۔ اپنی ہجرت گاہ میں اموال بناؤ انسان اپنے مال کے ساتھ ہوتا ہے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے ایسے شہر کا حکم دیا گیا جو شہروں کو کھا جائے گا۔ اسے یثرب کہا جاتا ہے حالانکہ وہ مدینہ طیبہ ہے وہ لوگوں کو اس طرح پاک کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگار کو دور کرتی ہے۔"

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔ اسے بخار نے آلیا۔ اس نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! میری بیعت واپس کریں۔" مگر آپ نے انکار کر دیا۔ وہ پھر حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کی: "میری بیعت واپس کر دیں۔" آپ نے انکار کر دیا۔ وہ اعرابی مدینہ طیبہ سے باہر نکل گیا۔ آپ نے فرمایا: "مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو اپنی گندگی کو باہر نکال دیتی ہے اور عمدہ چیز کو خالص کر دیتی ہے۔"

(امام مسلم، امام بخاری)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ منورہ "طیبہ" ہے۔ یہ گندگی کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی چاندی کی میل کچیل نکال دیتی ہے۔" (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے قلعوں کو گرا دیا جائے۔

امام بزار نے حسن سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مدینہ طیبہ میں گرانی ہو گئی۔ حالات مشکل ہو گئے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صبر کرو۔ خوش ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے صاع اور مد میں برکت کی دعا کر دی ہے۔ کھاؤ۔ گروہ بندی نہ کرو۔ ایک فرد کا کھانا دو کو، دو افراد کا کھانا چار کو اور چار افراد کا کھانا پانچ چھ افراد کو کافی ہو جائے گا۔ برکت جماعت میں ہوتی ہے۔ جس نے اس کی شدت اور تنگی پر صبر کیا روز حشر میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔ جو اس سے اعراض کرتے ہوئے نکلے گا۔ رب تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کر دے گا۔ جو اہلِ مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ رب تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے۔"

امام بخاری نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ منورہ طیبہ ہے یہ گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی چاندی کی میل کچیل کو دور کرتی ہے۔"

تنبیہات

1. قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ کے فرمان "کنت شهيدا او شفيعا" کے بارے مجھ سے بہت پہلے سوال کیا گیا۔ نیز یہ کہ اس جگہ آپ نے اہلِ مدینہ کو شفاعت کے لیے کیوں مخصوص کیا۔ حالانکہ آپ کی شفاعت عام ہو گی اور

آپ کی ساری امت کو شامل ہوگی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ "اَوْ" شک کے لیے نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا مؤقف اس کے برعکس ہے اس روایت کو حضرات جابر، ابو ہریرہ، ابوسعید، سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، صفیہ بنت ابی عبید اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہم نے اسی لفظ سے روایت کیا ہے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ سب نے اسے اَوْ لفظ شک سے روایت کیا ہو۔ یا ان کے راویوں نے شک کے لفظ پر اتفاق کر لیا ہو اور یہ ایک ہی صیغہ سے واقع ہوا ہو۔ بلکہ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے اسی طرح فرمایا ہے یا تو آپ ہی اس جملے کے بارے سب سے زیادہ جانتے ہیں یا اَوْ تقسیم کے لیے ہے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اہلِ مدینہ کے لیے شفیع اور بعض کے لیے گواہ ہوں گے۔ آپ اطاعت گزاروں کے لیے گواہ اور گناہ گاروں کے لیے شفیع ہوں گے۔ یا جو آپ کی حیاتِ طیبہ میں وصال کرے گا آپ اس کے لیے گواہ جو آپ کے بعد وصال کرے گا آپ اس کے لیے شفیع ہوں گے۔ یہ خصوصیت اس شفاعت سے زائد ہوگی جو عام گناہ گاروں کے لیے ہوگی۔ یہ اس گواہی سے زائد ہوگی جو عام امت کے لیے ہوگی۔ جیسے کہ آپ نے احد کے شہداء کے بارے فرمایا تھا: "میں ان پر گواہ ہوں"۔ یہ ان کے بلند مقام کی وجہ سے ان کے لیے تخصیص ہوگی یا اَوْ "واؤ" کے معنی میں ہے آپ اہلِ مدینہ طیبہ کے لیے عام شفیع اور گواہ ہوں گے۔ اگر اَوْ کو شک کے لیے بنایا جائے۔ جیسے کہ بعض حضرات کا مؤقف ہے اگر یہ صحیح لفظ ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔ یہ شفاعت عامہ سے زائد ہوگی۔ ورنہ یہ شفاعت اس شفاعت عامہ سے جداگانہ ہوگی جو ساری امت کو شامل ہوگی۔ جو امت کو آگ سے نکالنے کے لیے ہوگی۔ یا آپ کی شفاعت سے آپ کی بعض امت کو آگ سے نکال دیا جائے گا۔ یہ شفاعت اہل مدینہ کے درجات کی بلندی کے لیے ہوگی۔ یا حساب میں تخفیف کے لیے ہوگی۔ اس کے ساتھ رب تعالیٰ انہیں گوناگوں نعمتوں سے نوازے گا۔

◆ آپ نے فرمایا: "تنفی الناس" بعض روایتوں میں "الرجال" کا لفظ ہے۔ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "یہ آپ کے عہد ہمایوں کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ ہجر پر اور آپ کے ہمراہ ٹھہرنے پر صرف اسی نے صبر کیا جس کا ایمان محکم تھا"۔ امام نووی نے لکھا ہے "اس مؤقف کا تعلق حدیث پاک کے ظاہر کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ شریروں کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ دجال کے زمانہ میں اس طرح ہوگا۔ واللہ اعلم۔ الحافظ نے لکھا ہے: "یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں زمانے مراد ہوں۔ مذکور سبب کی وجہ سے آپ کی حیاتِ طیبہ میں معاملہ اسی طرح ہو۔ اس کی تائید اس اعرابی کا قصہ بھی کرتا ہے جس نے آپ سے بیعت واپس کرنے کے لیے کہا تھا۔ آپ نے اعرابی کے نکل

جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ حدیث پاک بیان کی۔ پھر آخری زمانہ میں بھی اسی طرح ہو۔ جب دجال آئے گا زمین اپنے مکینوں کے ساتھ لرز اٹھے گی۔ ہر منافق اور کافر دجال کے پاس چلا جائے گا۔

السید نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے کامل خبث والوں کو اس سے دور کر دیا۔ وہ کفار تھے ان کے علاوہ جو (منافق) یہاں مرے گا تو ملائکہ اسے دوسری جگہ منتقل کر دیں گے۔ جیسے کہ الاقشہری نے اشارہ کیا ہے۔ اس سے مراد خبث کامل والے ہی ہیں۔ وہ اہلِ شقاوت اور کافر ہیں۔ ان سے مراد اہلِ اسلام اور اہلِ سعادت نہیں ہیں کیونکہ پہلی قسم شفاعت اور مغفرت کے قابل نہیں ہے۔ یا اعرابی اور دجال کے واقعات کے علاوہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نفوس کو ان کے شر اور گناہوں کی ظلمتوں سے دور کر دیتا ہے کیونکہ اس میں تنگیاں اور مشقتیں ہیں۔ ثواب کئی گنا بے لگا تار رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ (ھود: ۱۱۴)

ترجمہ: ''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

یا اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص بھی اس جگہ خباثت کو چھپاتا ہے اس کی خباثت ظاہر ہو جاتی ہے۔

جیسے کہ مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ احتمال بیان کیا ہو۔ بلکہ یہ مدت سے میرے ذہن میں ہے۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو صحیح میں غزوۂ احد کے بارے ہے کہ جب آپ غزوۂ احد کے لیے تشریف لے گئے تو منافقین واپس آ گئے تو آپ نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے...... جو بات میرے لیے غور و فکر کے بعد عیاں ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث پاک کے چاروں معانی ہیں۔ آپ کا فرمان ''کاش وہ جان لیتے'' کا معنی یہ ہے کہ کاش وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب جان لیتے یا وہاں قیام کرنے کا ثواب جان لیتے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ''لو'' ''لیت'' کے معنی میں ہو۔ جو مقدر عبارت کا محتاج نہ ہو۔ دونوں اعتبار سے اس شخص کے لیے تجہیل ہے جو اس شہر خوباں سے جدا ہوا اور دوسرے شہر کو اس پر ترجیح دی۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مدینہ طیبہ سے اعراض کرتے ہوئے اس سے نکلتے ہیں اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن جو جہاد یا ضرورت وغیرہ کے لیے نکلا وہ اس حدیث پاک کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔

الطیب نے لکھا ہے: ''لا یعلمون'' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس چیز کا عرفان بالکل نہیں رکھتے اگر ''لو'' تمنی کے لیے ہوتا تو یہ زیادہ بلیغ ہوتا کیونکہ یہ ایسی چیز کی تمنا کے لیے آتا ہے جس کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔ یعنی کاش وہ شدت اور سختی کے اعتبار سے اہلِ علم میں سے ہوتے۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے ''اس کا مفہوم یہ ہے کہ یمن فتح ہوگا اس کے

شہر قوم کو تعجب میں ڈال دیں گے اس کے مکینوں کی زندگی دیکھ کر وہ عش عش کر اٹھیں گے۔ وہ اس کی وجہ سے اپنے اہلِ خانہ سمیت وہیں چلے جائیں گے۔ وہ مدینہ طیبہ سے نکل جائیں گے۔ حال یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں اقامت ان کے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کا حرم پاک ہے۔ آپ کا پڑوس ہے۔ وحی کے نزول کا مقام ہے۔ برکات کے نزول کی جگہ ہے۔ کاش کہ وہ جان لیتے کہ اس جگہ اور کون کون سے فوائد ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان اخروی فوائد سے آگاہ ہو جاتے جن کے سامنے یہ فانی لذتیں حقیر ہیں۔ الطیبی نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے کیونکہ "قوم" نکرہ ذکر کی ہے اور "یبسون" سے اس کا وصف بیان کیا ہے۔ پھر **لو کانوا یعلمون** سے اس کی تاکید لگائی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو فانی لذتوں اور عارضی خواہشات میں کھو گئے اور حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں رہنے سے اعراض کیا۔ اسی لیے "قومًا" کا لفظ بار بار ذکر کیا۔ اور یبسون کا لفظ ذکر کیا کیونکہ انہوں نے قبیحہ ہیئت کو اپنایا تھا۔

❁❁❁❁

ساتواں باب

جس نے یہاں کوئی واقعہ رونما کیا، واقعہ رونما کرنے والے کو پناہ دی یا اس کے اہل کے ساتھ برا ارادہ کیا یا انہیں ڈرایا اس کے بارے وعید

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابوامامۃ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مدینہ طیبہ میں کوئی حادثہ رونما کیا یا حادثہ رونما کرنے والے کو پناہ دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ رب تعالیٰ اس سے کوئی فرضی یا نفلی عبادت قبول نہیں کرے گا۔'' حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا۔ اسے اللہ تعالیٰ ڈرائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کرے گا۔'' (امام احمد)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو سرکش بھی مدینہ طیبہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ رب تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دے گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے۔'' بزار نے حسن سند کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مولا! جو اہلِ مدینہ کو کسی مصیبت میں مبتلاء کرے اسے کافی ہو جا۔ جو بھی مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔''

محمد بن حسن نے حضرت سعید بن میسب سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مولا! جو میرے ساتھ اور میرے اہلِ شہر کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسے جلد ہلاک کر دے۔'' امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اہلِ مدینہ طیبہ کو خوفزدہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے خوفزدہ کرتا ہے۔'' (ابن حبان)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مولا! جو اہلِ مدینہ طیبہ پر ظلم کرے اسے ڈرائے تو بھی اسے ڈرا۔ اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ رب تعالیٰ اس سے کوئی فرض یا

نفل قبول نہیں کرے گا۔''

المدارک میں ہے کہ محمد بن مسلمہ نے کہا: ''میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا۔ انہوں نے کہا: ''میں مہدی کے پاس گیا۔'' اس نے کہا: ''مجھے وصیت کریں۔'' میں نے کہا: ''میں تمہیں اللہ وحدہ لا شریک سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ شہر اور آپ کے پڑوسیوں پر مہربانی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ میری ہجرت گاہ ہے۔ اسی جگہ سے مجھے اٹھایا جائے گا۔ اسی جگہ میری قبر انور ہو گی۔ اس کے اہل میرے پڑوسی ہیں۔ میری امت پر یہ فرض ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے۔ جس نے میری وجہ سے ان کی حفاظت کی میں روزِ حشر اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا۔ جس نے میرے پڑوسیوں کے بارے میری وصیت کی حفاظت نہ کی۔ رب تعالیٰ اسے جہنمیوں کی پیپ پلائے گا۔''

مصعب نے لکھا ہے کہ جب مہدی مدینہ طیبہ آیا تو امام مالک اور دیگر رؤساء مدینہ نے کئی میل دور جا کر اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے امام مالک کو دیکھا۔ تو ان کی طرف گیا انہیں سلام کیا۔ ان کے ساتھ معانقہ کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے کہا: ''امیر المؤمنین! ابھی تم مدینہ طیبہ داخل ہونے لگے ہو۔ تم دائیں بائیں ایسی قوم کے پاس سے گزرو گے۔ جو مہاجرین اور انصار کی قوم ہیں۔ انہیں سلام کرنا۔ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نہیں جو اہلِ مدینہ سے افضل ہو۔ نہ ہی کوئی شہر مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔'' اس نے کہا: ''امام صاحب! آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟'' اس نے کہا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے علاوہ روئے زمین پر کسی اور نبی کی قبر معروف نہیں ہے۔ جن کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہو۔ وہ قوم دیگر اقوام سے افضل ہو گی۔'' مہدی نے اسی طرح کہا جس طرح امام مالک نے اسے کہا تھا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے پڑوس کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت جبرائیل مجھے لگاتار پڑوسیوں کے حقوق کے بارے بتاتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ یہ عنقریب انہیں وارث بنا دیں گے۔'' آپ نے ایک پڑوسی کو چھوڑ کر دوسرے کو مخصوص نہیں کیا۔ جس نے اس افضلیت میں غور و فکر کیا اسے مدینہ طیبہ کی سکونت کی افضلیت میں شبہ نہ رہا کہ یہ مکہ مکرمہ کی سکونت سے افضل ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ مکہ مکرمہ میں اجر و ثواب کئی گنا ہوتا ہے۔ کیونکہ فضیلت کی جہت اس میں منحصر نہیں ہے۔ یہ ثواب و برکت کا کئی گنا ہوتا ہے۔ یہ بیت اللہ کا پڑوس ہے اور مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ کے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑوس ہے۔ وہ ہستیٔ پاک رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہے۔

تنبیہات

❶ آپ نے فرمایا: ''جو شخص بھی مدینہ طیبہ سے اعراض کرتے ہوئے اس سے نکلتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کر دیتا ہے۔'' علامہ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔'' اس میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے لکھا ہے کہ یہ امر آپ کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ مختص ہے۔ دوسرے گروہ نے لکھا ہے یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عام ہے۔ صحیح مؤقف یہی ہے۔ محب الطبری نے لکھا ہے۔ زیادہ ظاہر مؤقف یہی ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث پاک میں ہے ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں انہیں فتوحات ہوں گی۔ لوگ خوشحالی کی طرف عازمِ سفر ہوں گے......

❷ آپ نے فرمایا: ''جو بھی اہلِ مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے رب تعالیٰ اسے آگ میں پگھلا دیتا ہے...... علامہ قاضی عیاض نے لکھا ہے: '' آپ کا فرمان آگ میں پگھلا دیتا ہے۔'' ان احادیث مبارکہ کے اشکال کو دور کرتا ہے جن میں اس زیادتی کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ یہ حکم آخرت کا حکم ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس نے آپ کی حیاتِ طیبہ میں اس کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے شر سے مسلمانوں کی کفایت کی گئی۔ اس کی چال اس طرح کمزور ہو جاتی ہے جس طرح سیسہ آگ میں کمزور ہو جاتا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جو مکر و فریب سے مخفی طور پر اس کے ساتھ مکر کرتا ہے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو اعلانیہ مکر و فریب کرے وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہوگی۔ یہ اس شخص کے لیے ہوگا جو دنیا میں اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دیتا۔ اس کے لیے تسلط ممکن نہیں بناتا۔ بلکہ اسے جلدی ہلاک کر دیتا ہے جیسے کہ بنو امیہ کے دور میں مسلم بن عقبہ نے اس شہر پر لشکر کشی کی تو وہ واپسی پر ہی مر گیا۔ اسی طرح یزید بھی فوراً ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح جس نے بھی اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا وہ فوراً ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑا۔

❁❁❁❁

آٹھواں باب

دیگر شہروں پر مدینہ طیبہ کی فضیلت

ابوالولید باجی، قاضی عیاض وغیرہما نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ زمین کا وہ مبارک ٹکڑا جو آپ کے اعضاء مبارکہ کے اردگرد ہے۔ وہ خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ ابن عساکر نے ''تحفہ'' میں اسی طرح لکھا ہے۔ ابومحمد عبداللہ بن ابی عمر السبکری نے اپنے قصیدہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

جزم الجميع بان خير الارض ما قد حاط ذات المصطفى و حواها
و نعم لقد صدقوا بساكنها علت كالنفس حين زكت زكا مأواها

ترجمہ: ''سارے علماء نے یہ یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ روئے زمین کا وہ قطعہ ساری زمین سے افضل ہے۔ جو حضور اکرم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے اردگرد ہے۔ انہوں نے یقیناً سچ کہا ہے زمین کو اس کے ساکن سے ہی رفعت نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح نفس پاکیزہ ہوتا ہے تو اس کا مسکن بھی پاکیزہ ہو جاتا ہے۔''

بلکہ امام سبکی نے حضرت ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے کہ وہ قطعۂ زمین میں عرش سے بھی افضل ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن رزین الجبیری نے اپنے قصیدہ میں لکھا ہے:

ولا شك ان القبر اشرف موضع من الارض والسبع السموات طرة
و اشرف من عرش المليك و ليس فى مقالى خلاف عند اهل الحقيقة

ترجمہ: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ قبر انور زمین اور ساتوں آسمانوں سے افضل ہے۔ یہ جگہ رب تعالیٰ کے عرش سے افضل ہے اہلِ حقیقت کے نزدیک میرے اس مؤقف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

علامہ فاکہی نے یہ صراحت کی ہے یہ مبارک جگہ سارے آسمانوں سے افضل ہے۔ بلکہ ظاہر مؤقف یہی ہے کہ زمین تمام آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ آپ اس جگہ جلوہ افروز ہیں۔ امام تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ زمین کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کی تخلیق اسی سے ہوئی اور اسی میں وہ دفن ہوئے۔

امام نووی نے لکھا ہے: "مختار موقف جسے جمہور علماء نے اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہیں۔ سوائے زمین کے اس قطعہ کے جو آپ کے اعضاء مبارکہ کے ارد گرد ہے۔ پھر علماء کا اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سارے شہروں سے افضل ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، بعض صحابہ کرام اور اکثر مدنی علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ امام مالک، امام احمد (ایک قول کے مطابق) کے مطابق مدینہ طیبہ افضل ہے۔

انسان کو اس کی قبر کی مٹی سے تخلیق کیا جاتا ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر انور کے پاس سے گزرے۔ آپ نے پوچھا: "یہ کس کی قبر انور ہے؟" صحابہ کرام نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ فلاں حبشی کی قبر انور ہے۔" آپ نے فرمایا: "لا الہ الا اللہ۔ اسے اپنے آسمان اور زمین سے اس جگہ لایا گیا۔ جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔"

اس کتاب کے پہلے باب میں حضرت کعب کا یہ اثر گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق اس مٹی سے ہوئی جو آپ کی قبر انور سے حاصل کی گئی تھی۔ یزید الجریری نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے ابن سیرین کو سنا۔ وہ کہہ رہے تھے، اگر میں قسم اٹھا دوں۔ تو میں اس قسم میں سچا اور پاکباز ہوں گا۔ اس میں ذرہ بھر شک نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو ایک مٹی سے پیدا کیا گیا پھر انہیں اسی مٹی کی طرف سے لوٹا دیا گیا۔"

امام احمد، امام ترمذی، امام الطبرانی اور امام حاکم نے مطر بن عکامس سے اور امام ترمذی نے ابوعزۃ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے کہ کسی شخص پر کسی جگہ موت طاری کرے۔ تو اس کے لیے اس کی طرف حاجت پیدا کر دیتا ہے۔" حکیم ترمذی نے لکھا ہے "اس کی موت اس جگہ اس لیے واقع ہوتی ہے کیونکہ اسے اسی زمین سے تخلیق کیا گیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ (طٰہٰ: ۵۵)

ترجمہ: "اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے یکبار۔"

آدمی کو اسی طرف لوٹایا جاتا ہے جہاں سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔

ابن الجوزی نے "الوفا" میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا تو آپ کے مدفن میں اختلاف ہوگیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں

روئے زمین کا اور کوئی قطعہ اتنا معزز نہیں جتنا معزز وہ قطعہ ہے جہاں اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو قبض کیا ہے۔" ابو یعلی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: "نبی کریم ﷺ کی روح پاک کو اسی جگہ قبض کیا جاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔"

السید نے لکھا ہے: "جو قطعہ زمین نبی کریم ﷺ کو اور آپ کے رب کریم کو پسندیدہ ہو۔" کیونکہ آپ کی محبت رب تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوتی ہے۔ جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم ﷺ کو پسند ہو وہ افضل کیوں نہ ہوگی۔" اسی لیے یہ موقف بھی ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ دعا مانگی تھی۔ "مولا! مدینہ طیبہ ہمیں اس طرح محبوب بنادے جس طرح مکہ مکرمہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔" آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ حتیٰ کہ آپ جب مدینہ طیبہ کو دیکھتے تھے تو اپنی سواری کو تیز چلاتے تھے۔"

تنبیہ

سلطان العلماء شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے "مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین فضیلت کا مفہوم یہ ہے کہ ان میں سے ایک میں اچھا کام کرنے کا ثواب دوسرے شہر میں وہ کام کرنے سے عمدہ ثواب رکھتا ہے۔ اس صورت میں علامہ قاضی کا یہ قول اشکال پیدا کر رہا ہے۔" امت مرحومہ کا اتفاق ہے کہ آپ کی قبر انور کی جگہ افضل ہے" کیونکہ کسی ایک کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہاں عبادت کرے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی فضیلت مجاورت (پڑوس) کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ناپاک کے لیے حرام ہے کہ وہ قرآن پاک کی جلد کو مس کرے۔ یہ کثرت ثواب کی وجہ سے نہیں۔ ورنہ قرآن پاک کا افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس میں عمل کرنا ممکن نہیں۔ امام سبکی نے لکھا ہے" کبھی فضیلت عطا کردہ ثواب اور کبھی کسی اور وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر عمل کرنا مشکل ہو۔ قبر انور وہ مبارک جگہ ہے جہاں رحمت، رضوان اور ملائکہ کا پیہم نزول ہوتا ہے۔

یہ جگہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کو اتنی محبت ہے عقول جس کے ادراک سے قاصر ہیں یہ محبت کسی اور جگہ کے لیے نہیں لہٰذا یہ جگہ مبارکہ دیگر مقامات سے افضل کیوں نہ ہوگی۔ ہمارے لیے تو اس جگہ عمل کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس کا مفہوم یہ نہیں کہ اس جگہ اعمال کئی گنا ہوتے ہیں۔ یہ افضلیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ شخص وہیں دفن ہوتا ہے جس جگہ سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اس مبارک جگہ میں اعمال کا اجر و ثواب کئی گنا اس لیے بھی ہوتا ہے کہ حضور والا ﷺ کی ذات اقدس زندہ ہے اور آپ کے اعمال مبارکہ کا اجر و ثواب کئی گنا ہے۔ اس کا تعلق اس امر سے نہیں کہ ہمارے اعمال وہاں کئی گنا ہوں۔"

السید نے لکھا ہے انہوں نے جو نفیس کلام کیا ہے اسے یہاں رقم کرنا بہت موزوں ہے۔''اس جگہ جو رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں ان کا فیضان ساری امت کو عام ہے۔ یہ غیر متناہی ہیں۔ کیونکہ ہر لمحہ آپ کا مقام بلند ہوتا رہتا ہے۔ امت مرحومہ جو کچھ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے پالیتی ہے وہ فضل کی انتہاء ہے۔ اسی لیے یہ امت خیر الامم ہے کیونکہ اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیائے کرام علیہم السلام سے بہترین ہیں۔ پھر آپ کی قبر انور کی جگہ سارے مقامات سے افضل کیوں نہ ہو۔ وہ خیرات کے فیض کا منبع کیوں نہ ہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کے مؤقف کے مطابق جو یہ کہتا ہے کہ اس میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے اس کے مطابق یہ ہمارے عمل کی جگہ نہیں ہے۔ کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ اس کا ارد گرد خانہ کعبہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں عمل کیا جاتا ہے حالاکہ اس ساری خیرات کے حصول کا سبب خانہ کعبہ ہی ہے......

عنقریب مزید تفصیل رب تعالیٰ کے اس فرمان کی شرح میں آئے گی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ (النساء:٦٤)

ترجمہ: ''اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے تو اپنے آپ پر حاضر ہوئے آپ کے پاس۔

لب لباب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قبر انور کی زیارت کے لیے آیا جائے۔ آپ کی زیارت کی جائے۔ آپ سے شفاعت کی التجاء کی جائے۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ والا میں آپ کا وسیلہ عظمیٰ پیش کیا جائے۔ آپ کا پڑوس ساری قربتوں سے افضل ہے۔ آپ کے پاس ہی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ یہ مقام افضل کیوں نہ ہو؟ یہ ان خیرات و برکات کا سبب ہے۔ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ بلکہ ان سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جنت میں تمہاری کمان کا کنارہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔''

❁❁❁❁

نواں باب

مدینہ طیبہ کا حرم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔ اس کا کانٹے دار درخت نہ کاٹا جائے۔ نہ ہی اس کے شکار کو مارا جائے۔'' (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا۔ آپ فرمارہے تھے۔ ''میں مدینہ طیبہ کی دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین جگہ کو حرم بناتا ہوں۔ یا مدینہ طیبہ کے دو پہاڑوں کے مابین جو جگہ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔ ارے! اس میں نہ تو خونریزی کی جائے نہ اس میں اسلحہ اٹھایا جائے نہ ہی اس سے درخت کاٹا جائے سوائے چارہ کے لیے۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہ اس کی سبز گھاس کاٹی جائے نہ ہی اس کے شکار کو چرنے سے روکا جائے۔ یہاں کا لقطہ اٹھانا بھی حلال نہیں سوائے اس شخص کے لیے جو اس کا اعلان کرے۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں۔ نہ اس میں جنگ کے لیے اسلحہ اٹھایا جائے۔ نہ ہی کسی کے لیے روا ہے کہ اس کا درخت کاٹے سوائے اس کے کہ آدمی اسے اپنے اونٹ کے لیے چارہ بنادے۔

امام احمد اور امام ابو داؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوہ عیر سے لے کر کوہ ثور تک حرم ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پر تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ مولا! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا۔ میں مدینہ طیبہ کی دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین جگہ کو حرم بناتا ہوں۔''

❁❁❁❁

دسواں باب

مدینہ طیبہ کے بعض خصائص

یہ خصائص ایک سو سے زائد ہیں۔ اسے امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ اسے اس ذاتِ والا نے حرم بنایا ہے جو سارے انبیائے کرام سے افضل ہے۔ اس کے شکار یا درخت سے تعرض والے سے شکار یا درخت کا حصہ چھین لیا جائے گا۔ جیسے کہ کفار کا قتیل۔ یہ زجر و توبیخ میں مکہ مکرمہ کے بارے احکام سے زیادہ ہے۔ عدم کی صورت میں اس کی جزاء مشروع نہیں کی گئی یہ اس کی حرمت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ شفاء کے حصول کے لیے اس کی مبارک مٹی منتقل کرنا جائز ہے۔ یہ افضل ترین قطعۂ زمین پر مشتمل ہے۔ اس سے مراد آپ کی قبر انور ہے۔ اس جگہ وہ ہستی پاک تشریف فرما ہے جو ساری مخلوق سے افضل ہے۔ جو اس امت مرحومہ سے افضل ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور اسلاف عظام کی قبور اسی جگہ ہیں۔ وہ بہترین افراد تھے۔ انہیں اس کی مٹی سے تخلیق کیا گیا۔ اور روزِ حشر انہیں اسی جگہ سے اٹھایا جائے گا۔ یہ شہداء نے گھرا ہوا ہے جیسے کہ امام مالک نے کہا ہے۔ اس جگہ وہ افضل شہداء آرام فرما ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنی جانیں رب تعالیٰ کے لیے قربان کیں۔ آپ ان کے لیے گواہ تھے۔ رب تعالیٰ نے اسے ذاتِ بابرکات ﷺ کے لیے مختص کیا جو ساری مخلوق سے افضل ہے۔ جو اسے ساری مخلوق سے محبوب ہے۔ اس نے اہلِ مدینہ کو آپ کی نصرت اور مدد کے لیے چن لیا۔ اسے قرآن پاک کے ذریعے فتح کیا۔ جبکہ دیگر سارے شہر شمشیر و سنان سے فتح ہوئے۔ اسلام کے سارے شہر اس مبارک جگہ سے فتح ہوئے۔ اللہ رب العزت نے اسے دین کا مظہر بنایا۔ فتح مکہ سے قبل اس کی طرف ہجرت واجب تھی۔ آپ کی نصرت اور مدد کے لیے اس جگہ ٹھہرنا لازم تھا۔ قاضی عیاض نے اسے متفق علیہ کہا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ''جس نے فتح مکہ سے قبل ہجرت کی تو جمہور علماء اسے فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں اقامت سے منع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قضائے نسک کے بعد تین دن ٹھہرنے کی رخصت دی۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں رہنے پر ابھارا۔ وہاں اصل بنالینے کا حکم دیا۔ وہاں انتقال کرنے پر ابھارا۔ اور اس پر شفاعت یا گواہی یا دونوں کا وعدہ کیا۔ وہاں مرنے کی دعا کرنا مستحب ہے۔ آپ نے اسی شخص کے لیے شفاعت یا گواہی کا وعدہ کیا جو اس کی تنگی اور شدت پر صبر کرے گا۔ آپ نے مکہ مکرمہ سے زیادہ برکت کا سوال کیا۔ اس سے محبت کی دعا کی۔ اسے

قرار اور رزق حسن بننے کی دعا کی۔ جب آپ اس کے قریب جاتے تھے تو مبارک شانوں سے چادر مبارک اتار دیتے تھے۔ آپ نے اس کا نام طیبہ رکھا۔ اس کی ہوا عمدہ ہے۔ اس سے ایسی خوشبو آتی ہے جو کسی اور شہر سے نہیں آتی۔

یہاں زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ اس کے کثیر نام ہیں۔ تورات میں اس کا نام مؤمنہ ہے۔ اس میں اس کا نام مجبوبہ اور مرحومہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اسے اپنی طرف منسوب کیا۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ (النساء:۹۷)

ترجمہ: ''کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں۔''

بیت کے لفظ کے ساتھ اسے اپنے محبوب کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ فرمایا:

كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ (الانفال:۵)

ترجمہ: ''جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ۔''

رب تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی۔ فرمایا:

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ (البلد:۱)

ترجمہ: ''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی (یا مدینہ کی)۔''

رب تعالیٰ نے اس سے آغاز کیا۔ فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ۔ (الاسراء:۸۰)

ترجمہ: ''اور دعا مانگا کیجیے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے۔ سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔''

حالانکہ مخرج، مدخل سے مقدم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کے محبوب کریم ﷺ نے اس کے لیے خصوصی برکت کی دعا کی۔ اس کے پھلوں، مکیال، بازاروں اور مکینوں کے لیے دعا کی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کرتی ہے۔''

جو اس سے اعراض کرتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کا نعم البدل عطا کرے گا۔ جو اس کے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ رب تعالیٰ اسے پگھلا دے گا۔ صرف ارادہ پر وعید کو مترتب کیا۔ جیسے کہ حرم پاک کے بارے فرمایا:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ (الحج:۲۵)

ترجمہ: ''اور جو اس میں زیادتی کا ارادہ کرے ناحق تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔''

جو اس میں واقعہ رونما کرے گا یا واقعہ رونما کرنے والے کو پناہ دے گا۔اس کے لیے شدید وعید ہے۔چھوٹے واقعہ کو بڑا سمجھا گیا ہے۔کیونکہ یہ اس شخص کی جرأت پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے سید المرسلین ﷺ کے حرم پاک اور آپ کی بارگاہِ ناز میں اس جرم کے ارتکاب کی جرأت کی۔جو اس کے اہل پر ظلم کرے یا انہیں ڈرائے اس کے لیے سخت وعید ہے۔ جو اس کے مکینوں کا احترام نہ کرے اس کے لیے وعید ہے۔ان کی عزت و تعظیم کرنا امت پر لازم ہے۔جو اس کے بارے ان کی حفاظت کرے گا آپ اس کے لیے شفیع یا گواہ ہوں گے۔آپ نے فرمایا:"جو اہلِ مدینہ کو ڈرائے گویا کہ اس نے میرے پہلو میں قلب انور کو ڈرایا۔یہ ایمان اور حیاء کے فرشتے کے ساتھ مختص ہے۔ایمان سمٹ کر اسی کی طرف آئے گا۔ملائکہ اس کی حفاظت پر مختص ہیں۔یہ ہمیشہ کے لیے دارالسلام ہے۔آپ نے فرمایا:"شیاطین مایوس ہو چکے ہیں کہ میرے اس شہر میں ان کی پوجا کی جائے۔"اسلام کے شہروں میں سے سب سے آخر میں یہ خراب ہوگا۔یہ دجال سے محفوظ ہوگا۔دجال کے لیے اس شہر سے وہ شخص نکلے گا جو لوگوں میں سے بہترین یا بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔وہ دجال کی تکذیب کرے گا۔اس کی وباء اور بخار کو منتقل کر دیا گیا۔اس کی مٹی اور کھجور باعثِ شفاء ہے۔آپ نے فرمایا:"ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی طرف آئے۔جو قبر انور کے پاس درود پاک پڑھتا ہے آپ اس کا درود شریف سماعت فرماتے ہیں۔جو آپ کی زیارت کرتا ہے آپ کی شفاعت اس کے لیے لازم ہے۔یہ پہلی مسجد ہے جسے اس امت کے عام مسلمانوں کے لیے تعمیر کیا گیا۔اس کی بنیاد آپ کے دست اقدس سے رکھی گئی۔آپ نے بنفس نفیس اس میں کام کیا۔آپ کے ساتھ خیر الامم تھی۔رب تعالیٰ نے اس کی شان کے بارے فرمایا:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط (التوبۃ:۱۰۸)

ترجمہ: "وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے۔وہ اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں قیام کریں۔"

یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے۔یہ ان مساجد میں سے ایک ہے جن کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔یہ ساری مساجد سے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔اس کی زیارت کرنے والے کے لیے اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔جس نے اس میں چالیس نمازیں پڑھیں اسے آگ اور عذاب سے بری کر دیا جاتا ہے۔وہ نفاق سے بری ہو جاتا ہے جو پاکیزگی حاصل کر کے صرف نماز پڑھنے کی نیت سے اس کی طرف جاتا ہے اسے ایک حج کا ثواب دیا جاتا ہے۔جو مسجد قباء آتا ہے اور اس میں نماز ادا کرتا ہے اسے ایک عمرہ کا ثواب دیا جاتا ہے۔آپ کے کاشانہ اقدس اور قبر انور کے مابین جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔بعض راویوں نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فرمان ساری مسجد نبوی کو شامل ہے۔

یہ وہ مبارک مسجد ہے جس کے علاوہ زمین کے کسی اور ٹکڑے کے بارے معروف نہیں کہ وہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ آپ کے حوض پر ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے منبر اور مصلّٰی کے مابین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ عنقریب آئے گا کہ اس سے مراد عیدگاہ ہے جو اس شہر خوباں کے ایک طرف ہے۔

آپ نے احد کے بارے فرمایا: "یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے۔ آپ نے وادیٔ بطحان کے بارے فرمایا: "یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے۔" آپ نے اس کی وادی العقیق کو وادیٔ مبارک کا نام دیا۔" آپ نے فرمایا: "وہ ہم سے پیار کرتی ہے ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔" اس کے پھلوں کے بارے آپ نے فرمایا: "عجوہ جنت میں سے ہے۔ عرس کے کنویں کے بارے آپ نے دیکھا کہ آپ نے جنت کے کنوؤں میں سے ایک کنویں پر صبح کر رہے ہیں پھر آپ نے اس کنویں پر صبح کی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔

مسجد نبوی کی کئی خصوصیات ہیں۔ اس میں نماز پڑھنے والے کے لیے آگ، عذاب اور نفاق سے برأت لکھ دی جاتی ہے۔ اس جگہ آواز پست رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: "جو شخص میری اس مسجد میں آذان سنتا ہے وہ اس سے صرف کسی ضروری ضرورت کے لیے ہی باہر نکلتا ہے جو واپس نہیں آتا وہ منافق ہے۔" اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کو لہسن کھا کر نہیں آنا چاہیے کیونکہ اس کا اختصاص وحی کے ملائکہ کے ساتھ ہے۔ جو اس کے منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھاتا ہے اس کے لیے شدید وعید ہے۔ سارے اعمال کا اجر و ثواب یہاں کئی گنا ہو جاتا ہے جیسے کہ امام غزالی نے صراحت بیان کی ہے۔ اس میں ایک نماز جمعہ دیگر مساجد میں سوائے مسجد حرام میں ایک ہزار جمعۃ المبارک کے برابر ہے۔ اس میں ایک رمضان المبارک گزارنا دیگر مساجد میں ایک ہزار رمضان گزارنے کے برابر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ مدینہ طیبہ کے لیے سب سے پہلے شفاعت کریں گے۔ ان کے لیے مزید شفاعت اور اکرام کا بھی وعدہ ہے۔ روزِ حشر جو یہاں سے اٹھے گا وہ امن میں ہوگا۔ اس کے بقیع مبارک سے ستر ہزار افراد کو چاند کی صورت پر اٹھایا جائے گا۔ وہ حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے قبرستان بقیع پر فرشتے مقرر ہیں جونہی یہ بھر جاتا ہے وہ اس کے اطراف میں پکڑ کر اسے جنت میں لے جاتے ہیں۔ روزِ حشر آپ بھی اسی مقام سے اٹھیں گے۔ اور وہاں کے لوگ دیگر سارے لوگوں سے پہلے اٹھیں گے۔ جس جس مقام پر آپ نے دعا مانگی ہے وہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں ستون مخلقہ، منبر مبارک، دار عقیل کا گوشہ اور مسجد فتح میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

اس شہر خوباں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں مساجد اور زیارت گاہیں کثیر ہیں۔ جو اس کی مبارک مٹی کے

عیب نکالے گا اسے برا سمجھا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ جس نے کہا کہ اس کی مٹی ردی ہے اسے تیس درے مارے جائیں گے۔ اسے قید کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا: ''وہ اس امر کا کتنا مستحق ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے جس مبارک مٹی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک جلوہ افروز ہے وہ گمان کرتا ہے کہ طیب نہیں ہے۔

مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے لیے مستحب ہے کہ آدمی ایک راستہ سے داخل ہو دوسرے سے نکلے اس میں داخل ہونے کے لیے غسل کرے۔ اس کے اہل کا مواقیت سب سے دور ہے۔ بعض اسلاف کا مؤقف ہے کہ مکہ مکرمہ سے قبل آغاز مدینہ طیبہ سے کیا جائے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حج کرتے وقت مدینہ طیبہ سے آغاز کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: ''ہم اس مبارک مقام سے آغاز کرتے ہیں جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم بنایا ہے۔ حضرات علقمہ، الاسود، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہم مدینہ طیبہ سے آغاز کرتے تھے۔ امام مالک کے پیروکار العبدی کہتے ہیں ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے لیے جانا کعبہ معظمہ کی زیارت کے لیے جانے سے افضل ہے۔ عنقریب یہ تفصیل بھی آئے گی کہ جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی نذر مانی اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اسے پورا کرے۔

جو آپ کی قبر انور کے علاوہ کسی اور کی قبر کی نذر مانے اس کے لیے دو وجہیں ہیں۔ یہ بات حضرت ابن کج نے کہی ہے۔ امام رافعی اور امام نووی نے اسے برقرار رکھا ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی نذر مانے اس کے لیے کافی ہے کہ وہ مسجد نبوی میں حاضر ہو جائے۔ یہ شیخ ابو علی کا قول ہے۔ انہوں نے ایسے شخص کو لازم آنے کے قول سے فرع نکالی ہے۔ جیسے امام شافعی اور امام بویطی نے کہا ہے کہ قربت کو آنے کے ساتھ ضم کرنا ضروری ہے صحیح مؤقف یہی ہے۔ شیخ ابو علی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ آپ کی زیارت قربات میں سے سب سے عظیم قربت ہے۔ لیکن امام نے اس میں توقف اختیار کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق مسجد اور اس کی تعظیم کے ساتھ نہیں۔ انہوں نے کہا: ''قیاس یہی ہے کہ اگر اس نے مسجد میں صدقہ کیا یا ایک دن کا روزہ رکھا تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے صحیح مؤقف وہی ہے جسے المختصر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ اس کے نہ آنے کو مستلزم ہے۔

اس کے بازار میں چیز لانے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے ذخیرہ اندوز کتاب اللہ میں الحاد کرنے والے کی طرح ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ حجاز کی آگ کا ظہور اس سرزمین سے ہوگا۔ یہ اس کے حرم پاک کے پاس آ کر بجھ جائے گی۔ امام نسائی، بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''عنقریب لوگ اپنے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے لیکن انہیں ایسا عالم نہ ملے گا جو عالم مدینہ سے زیادہ جاننے والا ہو'' حضرت سفیان بن عیینہ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے۔ اس کے بارے اور بھی اقوال ہیں۔ امام مالک نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ کا اجماع خبر واحد

سے مقدم ہے کیونکہ ان کی رہائش نزول وحی کے مقام پر ہے اور وہ ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں۔

شوافع کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اہل مدینہ رمضان المبارک میں چھتیس رکعتیں پڑھتے ہیں۔ امام شافعی نے لکھا ہے: ''میں نے اہلِ مدینہ طیبہ کو دیکھا وہ انتالیس رکعتیں پڑھتے ہیں اور ان میں سے تین وتر ہوتے ہیں''۔

علامہ رویانی وغیرہ نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اہلِ مکہ کے ساتھ مساوات کرتے تھے جو ترویحات کے درمیان طواف کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ وہ ہر چکر کو ایک ترویحہ کے قائم مقام رکھتے تھے۔ امام شافعی نے لکھا ہے: ''اہلِ مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ اہلِ مکہ کے ساتھ مقابلہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سارے شہروں پر فضیلت دی ہے۔

یہ شہر مکہ مکرمہ کے ساتھ اس حیثیت سے بھی مشارکت کرتا ہے کہ اس کے سرسبز و شاداب درخت کو کاٹنا حرام ہے۔ اس کا گھاس کاٹنا اور شکار کرنا حرام ہے شکار کو خوفزدہ کرنا اور اسے بھگانا حرام ہے۔ جنگ کے لیے اسلحہ اٹھانا حرام ہے۔ یہاں سے لقطہ اٹھانا جائز نہیں سوائے اس شخص کے جو اس کی تشہیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کی مٹی کو لے جانا جائز ہے۔ اگر کافر کو یہاں دفن کیا جائے تو اسے اکھیڑ پھینکنا لازم ہے۔ مسجد نبوی اور مسجد حرام مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہو جاتی ہے جو یہ نذر مانے کہ وہ اس میں نماز پڑھے گا یا یہاں اعتکاف بیٹھے گا۔ اگر کسی نے یہ نذر مسجد نبوی کے بارے مانی تو اسے مسجد اقصیٰ کافی نہیں ہوگی۔ لیکن مسجد حرام اسے کافی ہو جائے گی کیونکہ وہاں اجر و ثواب زیادہ ہے۔ اگر کسی نے بیت المقدس کی طرف چلنے کی نذر مانی تو اسے اختیار ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف چلے یا ان دونوں مساجد میں سے کسی ایک کی طرف چلے۔ لیکن جس مؤقف کو علماء نے راجح لکھا ہے جو امام بغوی کے کلام کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسجد حرام کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ چلے۔ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کو خوشبو لگائے گا تو اس میں امام الحرمین نے توقف کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں مساجد کے ساتھ اسے مختص کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر ہم تعظیم کی طرف دیکھتے ہیں جو انہیں کعبہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اگر کعبہ معظمہ کے امتیازی فضل کی طرف دیکھتے ہیں تو پھر نہیں۔ السید نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ آپ کی قبر انور کو خوشبو لگائے گا تو اس کے لیے قبر انور کو خوشبو لگانا ہی لازم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ امام مالک ابی عبداللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی مالکی پر رحم کرے جنہوں نے یہ اشعار کہے ہیں:

هناءٌ كم يا اهل طيبه قد حقا فبالقرب من خير الورٰى خزتم السبقا

ترجمہ: ''اے مدینہ طیبہ والو! تمہیں بشارت ہو سچ بات یہ ہے کہ حضور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کی وجہ سے تم سبقت لے گئے ہو''۔

فلا يتحرك ساكن ثوى بربوعها الى سواها و ان جار الزمان ولو شقا

ترجمہ: ''اس جگہ پر رہنے والا اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ نہیں جاتا اگرچہ زمانہ اس پر ظلم کرے اور اگرچہ زمانہ شدت اختیار کر جائے۔''

و كم ملك رام الوصول لمثل ما وصلتم فلم يقدر ولو ملك الخلقا

ترجمہ: ''کتنے ہی بادشاہوں نے وہاں تک پہنچنے کی کوشش کی جہاں تم پہنچے ہو لیکن وہ قادر نہ ہوا اگرچہ وہ ساری زمین کا مالک بن گیا۔''

فبشرا كم نلتم عناية ربكم فها انتم فی بحر عناية غرق

ترجمہ: ''تمہیں بشارت ہو۔ تم نے اپنے رب تعالیٰ کی مہربانی سے یہ سعادت حاصل کی ہے تم اس کی مہربانی کے سمندر میں غرق ہو۔''

ترون رسول الله فی كل ساعة و من يراه فهو السعيد به حقّا

ترجمہ: ''تم ہر لمحہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کر رہے ہو۔ جو آپ کی زیارت کرتا ہے وہ سعید ہے یہی بات یہی ہے۔''

متی جئتم لا يغلق الباب دونكم وباب ذوی الاحسان لا يقبل الغلقا

ترجمہ: ''تم جب بھی حاضر ہو جاؤ تمہارے لیے درِاقدس بند نہیں کیا جاتا۔ احسان کرنے والوں کے دروازے بندش کو قبول نہیں کرتے۔''

فيسمع شكوا كم و يكشف ضركم ولا يمنع الاحسان ضرو لا رقّا

ترجمہ: ''آپ تمہارے شکوے سنتے ہیں تم سے غم دور کرتے ہیں کوئی نقصان یا غلامی اس احسان کو نہیں روک سکتی۔''

بطيبه مثواكم و اكرم مرسل يلا خطكم فالدهر يجری لكم وفقا

ترجمہ: ''مدینہ طیبہ تمہارا ٹھکانہ ہے اور سارے مرسلین سے معزز ترین رسول کریم ﷺ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ زمانہ تمہارے لیے توفیق لے کر آیا ہے۔''

و كم نعمة الله فيها عليكم فشكرا و نعم الله بالشكر تستبقی

ترجمہ: ''اس میں تم پر کتنی نعمتیں ہیں رب تعالیٰ کا شکر ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں شکر کے ساتھ ہی محفوظ ہوتی ہیں۔''

امنتم من الدّجال فيها فحولها ملائكة يحمون من دونها الطرقا

ترجمہ: "اس میں ہونے کی وجہ سے تم دجال سے محفوظ ہو۔ اس کے اردگرد ایسے فرشتے ہیں جو اس کے رستوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

كذالك من الطاعون انتم بما من　　　فوجه التّلالى لا يزال لكم طلقا

ترجمہ: "اسی طرح تم طاعون سے بھی امن میں ہو اور پہاڑوں کی چوٹیاں خندہ پیشانی سے تمہارا استقبال کرتی ہیں۔"

فلا تنظروا الا لوجه حبيبكم　　　و ان حادت الدنيا و مرّت فلا فرقا

ترجمہ: "تم صرف اپنے حبیب لبیب ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھو اگر دنیا آئے یا جائے کوئی فرق نہیں۔"

حياة و موتا تحت رحماه انتم　　　و حشر فستر الجاه فوقكم ملقى

ترجمہ: "زندگی اور موت میں تم آپ کی پناہ میں ہو۔ اور روزِ حشر جاہ و منصب کا پردہ تمہارے اوپر ہوگا۔"

فيا راحلا عنها لدنيا ترديها　　　اتطلب ما يفنى و تترك ما يبقى

ترجمہ: "اے دنیا کی وجہ سے اس سے اعراض کرنے والے کیا تو فانی کو تلاش کرتا ہے اور باقی رہنے والے کو چھوڑ رہا ہے۔"

أتخرج عن حوز النبي و حرزه　　　الى غيره تسفيه مثك قد حقا

ترجمہ: "کیا تو آپ کی محفوظ پناہ اور قلعے سے نکلتا ہے کسی اور کی طرف جاتا ہے تمہاری بے وقوفی ثابت ہو چکی ہے۔"

لئن سرت من فيض المكارم عنده　　　فاكرم من خير البريّة ما تلقى

ترجمہ: "اگر آپ کے پاس اخلاق عالیہ کے فیضان کی وجہ سے تو جا رہا ہے تو تو اس ہستی سے بہترین ذات کو نہ پا سکے گا جو ساری دنیا سے بہترین ہے۔"

هو الرزق مقسوم فليس بزائد　　　ولو سرت حتى كدت تخترق الافقا

ترجمہ: "یہ تقسیم شدہ رزق ہے۔ اس سے زائد نہیں ہے اگر تو چلے اور قریب ہے کہ تو افق کو چیر دے۔"

فكم قاعد قد وَسَّعَهُ الله رزقه　　　و مرتحل قد ضاق بين الورٰى رزقًا

ترجمہ: "کتنے بیٹھنے والوں کے رزق کو رب تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے کتنے چلنے والے ہیں کائنات میں جن کا رزق تنگ ہے۔"

فعش فى حمى خير الانام و مت به　　　اذا كنت فى الدارين تطلب ان ترقى

ترجمہ: "حضور اکرم ﷺ کی پناہ میں زندہ رہو اور اسی میں مر جاؤ اگر تم دو جہاں میں ترقی کرنے کے خواہاں ہو۔"

اذا قمت فیما بین قبر و منبر بطیبه فاعرف این خیر لك الارقی

ترجمہ: ''اگر تم منبر شریف اور قبر انور کے پاس کھڑے ہو تو سمجھ لو کہ اس سے ارفع مقام تمہیں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔''

لقد اسعد الرحمان جار محمد و من حال فی ترحاله فهو الاشقی

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کو سعادت مند کیا ہے جس نے وہاں سے رخت سفر باندھا وہ سب سے بد بخت ہے۔''

سب سے عظیم اور عجیب قصیدہ وہ ہے جسے امام ولی عارف باللہ ابو محمد عبد اللہ بن ابی عمر البسکری نے لکھا ہے۔ علامہ بدر الدین فرحون نے لکھا ہے کہ ایک متقی شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ مجھے شک ہے کہ وہ شیخ تھا یا اور کوئی۔ اس نے یہ قصیدہ پڑھا۔ جب آخر تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں۔'' امام ابو عبد اللہ التونسی نے اس سے خماسی بنائی۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

1. مدینہ طیبہ کے پہاڑوں کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں۔ جن میں حبیب رب العالمین کا روضہ مبارکہ ہے اپنے دل کو ہمیشہ آپ کی محبت سے آباد رکھ۔ حبیب لبیب ﷺ کا شہر مبارک اس قابل ہے کہ تو اس سے محبت کرے بڑی خوشی سے اس کے ذکر میں نغمہ زن ہو۔
2. ہمہ وقت اس مبارک شہر کی مٹی کے بوسے لیا کرو۔ ہر سال وہاں جانے کی سعادت حاصل کیا کرو۔ صرف ایک ہی بار اس کی زیارت نہ کرو۔ اے کریم لوگوں کی اولاد! جب بھی اس کی زیارت کا ارادہ کرو تو سر کے بل چل کر آؤ۔
3. اگر تم سعادت مند ہو تو اپنی ساری زندگی یہیں بسر کر دو اس مٹی میں حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہیں یہ سب سے پاکیزہ مٹی ہے۔ آپ کا پڑوس اختیار کر لو تو اس سے امن میں ہو جاؤ گے کہ تمہیں کسی شدت کا سامنا کرنا پڑے۔ حقیقت میں تمہاری زندگی اس وقت شروع ہو گی جب تم مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا لو گے اور اس کے بلند مقامات پر بود و باش رکھو گے۔
4. یہ میری ہر اس چیز سے پناہ گاہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں یہ میری جنت ہے۔ جو اس میں تشریف فرما ہیں ان کے طفیل میری روح پاک ہو گئی۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو یہی مجھے میری منزل نظر آتی ہے۔ حسن کی اس منزل اور اس سراپا جمال نے اور اس کی عمدہ صفات نے عاشقین کی عقول کو سلب کر لیا ہے۔
5. ان منازل کی مٹی کی مانند کوئی نعمت نہیں۔ یہ پانی ہیں جن کا پینا ہمارے لیے سراپا شفاء ہے۔ اے پاکیزہ ہوا اور عمدہ جھونکے والے شہر! پاکیزہ مشک کو بھی اس کی مٹی کی طرح خیال نہ کرو۔ افسوس! اس کی عمدہ خوشبو کو مشک کیسے پہنچ سکتی ہے۔

- یہ شہر خوباں تعریف کے اعتبار سے عمدہ کیوں نہ ہو۔ ہم اس کی عزت وتکریم کیوں نہ کریں۔ حضور ﷺ قبل از وصال اور بعد از وصال یہیں جلوہ افروز ہیں۔ اس کی بادِ صبح مرکب خوشبو کی نقل اتارتی ہے جب وہ خوشگوار ہوتی ہے۔ اے جوان! اگر تم خوشبو حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر کچھ دیر کے لیے اپنے لب اس مٹی پر رکھ دو۔
- اگر یہ سارے شہروں سے پاکیزہ نہ ہوتا۔ مطہر نہ ہوتا۔ تو رب تعالیٰ اسے اس وقت اپنے محبوبِ کریم ﷺ کے لیے پسند نہ کرتا جب آپ کو سیر کرائی۔ اس کی پاکیزگی پر یقین کر لو جو بہتان باندھتا ہے اسے چھوڑ دو خوش ہو جاؤ۔ صحیح روایت میں بار بار آیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا نام طابۃ رکھا ہے۔
- یہ ہمارے لیے ہمارے محبوب کریم ﷺ کا گھر ہے۔ نفس اپنے محبوب کے گھر کو پسند کرتا ہے۔ اس کے نصیب کی وجہ سے رب تعالیٰ نے اسے مشرف فرمایا ہے۔ اس کی عمدگی کی وجہ سے اسے عمدہ لوگوں کے لیے مختص کیا ہے۔ اسے پسند کیا اور یہاں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کے سایوں پر طویل ہو گئی ہیں۔ یہ اس ہستی کی وجہ سے ہے جس نے نفوس کو ان کی گمراہی سے روکا۔ تم شہروں میں گھوم کر دیکھ لو تمہیں اس جیسا مبارک شہر نہ ملے گا۔ مدینہ طیبہ کی طرح کی اور کوئی منزل نہیں ہے۔ اس کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ اس کے صحن میں حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔
- میرے لیے کون ہے جو حبیب لبیب ﷺ سے ملاقات کرے اور کامیاب ہو جائے اور اس کی مٹی سے مشک اذفر جیسی خوشبو سونگھے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کائنات کا دل جس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اسے کائنات کی بہترین ذات پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت کے لیے مختص کیا گیا۔ جو قدر و منزلت میں سب سے عظیم ہیں تمہاری کیا رائے ہے۔
- اس کے ساتھ میری محبت تکلف کے بغیر طبعی ہے حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک کے لیے دلوں کو اس کے لیے پاکیزہ کر دیا گیا ہے۔ اس سرزمین مقدس کا جلال کسی پر مخفی نہیں ہے۔ جب اس کے مقابلہ میں دیگر شہروں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ تو وہ ان حروف کی مانند ہو جاتے ہیں جن کا کوئی معنی نہ ہو۔
- یہ پاکیزہ دلوں کا محبوب ہے یہ اپنے اہل اور مہمانوں کے لیے کشادہ منزل ہے یہ ساری زمین سے فضیلت لے گیا ہے یہ عجیب بات ہے کہ یہ مسمّٰی القدس سے بلند ہے لیکن یہ قریب ہے پھر مکہ مکرمہ تو وہی ہے جو ہے۔
- تین امور کے لیے اس کی زیارت کو لازم پکڑو۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں خوف سے امن ہوتا ہے۔ یہ دونوں شہر دلوں کو پاک کرتے ہیں۔ ان میں فرق نہیں صرف یہ بات ہے کہ جب بھی یہ ظاہر ہوتے ہیں ان کی روشنی ظلمتوں کو دور کرتی ہے۔

⑭ یہ بات خوب سمجھ لو۔ مجھے امید ہے کہ تجھے افاقہ ہوگا تم وہ امر سمجھ جاؤ گے جو آسمانوں سے بالا ہے کہ ان دونوں شہروں کے لیے فضیلت ہے۔ لیکن سارے علماء کا اتفاق ہے کہ وہ زمین جس نے آپ کے اعضاء مبارکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ ساری زمین سے بہترین ہے۔

⑮ عجیب امر یہ ہے کہ میری محبت اسی سے ہی تسلی پاتی ہے۔ اسی پاک زمین کو حضور اکرم ﷺ کی قبر انور کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ہار اپنے جواہرات کی وجہ سے گراں قدر ہوتے ہیں۔ جی ہاں! لوگوں نے سچ کہا ہے کہ زمین اپنے مکینوں کی وجہ سے ارفع مقام پاتی ہے۔ جیسے نفس اس وقت پاک ہوتا ہے جس وقت اس کا ٹھکانہ پاک ہو جاتا ہے۔

⑯ میں تمہیں کہتا ہوں تم فراق اختیار کرنے والے نہ بنو۔ آپ کے حجرات مقدسہ کے پاس قیام کرو یہ بیعت کا مقام ہے۔ وہاں التجا کرو تمہیں خائب و خاسر نہیں ہونا پڑے گا۔ اسی سے مدینہ طیبہ کی فضیلت آشکارا ہوتی ہے اور اب ساری فضیلتیں اس میں موجود ہیں۔

⑰ اس سے مخلوق کے لیے واضح رستہ ظاہر ہوا شہروں پر یہ بہت بڑا احسان ہے اس کی فضیلت کے خصائص طاقتور ہیں۔ اسے جنت کے باغ کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مشرف کیا ہے اور یہ عنایت کیا ہے۔

⑱ یہ دیکھنے والے دل کے لیے مخفی نہیں ہے۔ اپنے دل کو خواہشات سے پاک کرو اور دیکھو اپنے دل کو خواہشات سے پاک کر دو غور و فکر کرو۔ وہاں پر اپنا رخسار رکھ دو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور اس شہر خوباں کو سیراب کرے۔

⑲ یہ رات کو آنے والے ہر شیطان سے محفوظ ہے۔ یہ دجال کے داخل ہونے اور طاعون کے لاحق ہونے سے محفوظ ہے۔ اس میں انسان کا دل پر اعتماد رہتا ہے۔ یہ اس کے عمدہ محاسن ہیں کیا اس کا کوئی دلفگار عاشق ہے جو اس سے دور رہنے پر انتہائی بخیل ہو۔

⑳ مولا! مجھے ہمیشہ اس کی حمایت کے تحفظ میں رکھ۔ میں جب اس سے دور ہونے کا ارادہ کروں میری موت سے کچھ دیر قبل مجھے یہاں لے آ۔ میں خوفزدہ ہوں کہ میں کہیں اس سے جدا نہ ہو جاؤں۔ اس طرح میرے دل کو بہت دکھ اور درد ہو۔

㉑ اے وہ بہترین ذات والا، جس سے کچھ مانگا جاتا ہے۔ اے سب سے کریم ذات جس سے دعا مانگی جاتی ہے۔ میرا ملجا و ماویٰ اور اسلام اس شہر سے دور نہ کر۔ اس مبارک جگہ سے دور ہونا خسارہ ہی خسارہ ہے۔ میں جب بھی کسی جانے

والے کا حال دیکھتا ہوں تو میرا دل اس کے لیے غمزدہ اور مغموم ہو جاتا ہے۔

- جان بوجھ کر اس شہر سے کوچ نہ کرو۔ میں اس سفر کو ضائع سمجھتا ہوں۔ اگر تم یہاں ٹھہرے رہو تو تمہاری اطاعت ہے میں تمہیں کیوں دیکھتا ہوں کہ تم یکے بعد دیگرے گروہوں کی صورت میں اس کی پناہ طلب کرتے ہوئے آرہے ہو۔
- یہ سفر کیوں ہے؟ مدینہ طیبہ میں ہی تمہاری حفاظت کا سامان ہے حضور خیر الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہی تمہیں مدد حاصل ہوگی یہاں تمہارا ہونا اور ٹھہرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ بخدا! تمہاری جدائی نے میرے دل کی آگ کو بھڑکا دیا ہے اور میری آنکھوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلے ہیں۔
- بخدا! تم نے ہر نیکی کو ضائع کر دیا ہے مدینہ طیبہ کی طرف واپس آجاؤ اس کی برکات وخیرات کم نہیں ہیں۔ مجھے کیا ہے اگر تم میرا یہ حیلہ قبول نہ کرو۔ اگر فضیلت کی جستجو میں پریشان ہو تو پھر اس شہر مبارک میں ساری خیرات جمع ہیں۔
- کیا تم کسی جاہ ومنصب کے حصول کے لیے یہاں سے سفر کرنا چاہتے ہو۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاہ ومنصب سب سے اکمل ہے۔ یا تمہیں پیاس نے آلیا ہے تو یہ عمدہ چشمہ ہے یا تمہیں کسی نقصان کا اندیشہ ہے تو پھر ان برکات میں غور و فکر کرو جن میں سے عمدہ ترین تک تم پہنچو گے۔
- جب انسان کسی تنگی کی وجہ سے یہاں سے سفر نہیں کرتا یہاں تھوڑے رزق پر گزارہ کر لیتا ہے یہاں قناعت کرو اگرچہ تھوڑے سے لقمے کے ساتھ ہی۔ اس کے لیے ہلاکت جو کسی خواہش نفسانی کی وجہ سے زیادہ مانگتا ہے۔ وہ ایسی زندگی کے حصول کے لیے یہاں سے جاتا ہے جس کے انجام کا اسے علم نہیں۔
- خواہش نفسانی اور تلذذ کی وجہ سے یہاں سے کوچ نہ کرو۔ ذرا اس پناہ اور لذت کو دیکھو۔ جس پر نفس قائم رہ سکے۔ اسی پر قناعت کر اور اتنی غذا حاصل کر جو زندگی کے لیے وہ کافی ہو جو کفایت کرے۔ وہ صحیح نہیں جو نفوس کو سرکشی پر ابھارے اور اس کی خسیس آرزوؤں کو پورا کر دے۔
- وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جو اس میں قحط سالی کی پرواہ نہیں کرتا جو اطاعت گزار ہو کر یہاں زندگی بسر کرتا ہے وہ وہاں سالوں کی مدت کو ایک ساعت سمجھتا ہے۔ مولا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کے کم رزق پر مجھے قناعت کرنے کی توفیق دے دے۔ اور اس کی پناہ گاہ میں مجھے قلعہ بند ہونے کی توفیق عطا فرما۔
- مولا! یہ سراپا نعمت ہے۔ اس کی نعمتوں کا ابر کرم مجھ پر برسا۔ اس کے زائر سے محبت کر اور اس کے مقیم سے راضی ہو جا۔ میں اس وقت سعید ہوں گا جب تو مجھے یہاں قیام کرنے کی سعادت عطا کرے گا اور تیری رضا اور وہاں دائمی قیام حاصل ہو جائے گا حتی کہ میں دنیائے فانی کو خیر آباد کہہ جاؤں گا۔

- ۳۰ مولا! اس شہر خوباں تک پہنچنا میرے لیے آسان کر دے۔ میرے نفس کو آمادہ کر کہ وہ اس میں داخل ہو جائے۔ نفس تجھ سے سوال کرتا ہے اے کریم! اسے قبول فرما۔ میں نے نفس کی تمنا کو پورا کر دیا ہے۔ میں نے اس کی التجاء کو قبول کر لیا ہے اس کے لیے بشارت!
- ۳۱ اگر تم سچے اور ہمت والے ہو تو اس مبارک شہر کی خدمت کرو۔ اس کی خدمت ضائع ہونے والی نہیں ہوتی۔ یہاں سیر کرو۔ یہ اس ذات کا پڑوس ہے جو ساری دنیا سے زیادہ اپنے عہد کو نبھانے والی ہے اور سب سے معزز ہے اس کے قرب پر فخر کیا جا سکتا ہے۔
- ۳۲ ہر کارواں کے ساتھ طیبہ کا عزم کرو۔ وہاں قیام کرو اگر مٹھی بھر غذا میسر ہو سکے تو اسی پر قناعت کرو ہر سال اس ذات والا کی زیارت کرو جو آیات اور نور کے ساتھ تشریف لائی۔ دلوں کو اندھے پن سے شفایاب کیا۔
- ۳۳ آپ کا یہ بہت بڑا منصب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیر کرائی۔ آپ ہمارے لیے شفیع کریم ہیں آپ ایسی کریم ذات ہیں جنہیں دیدارِ الٰہی کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ آپ شرف اس مقام کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ جسے وسیلہ کہا جاتا ہے۔ وہ بہترین ذات ہے جسے یہ مقام عطا کیا جائے گا۔
- ۳۴ سارے اخلاق کریمانہ آپ کی مبارک چادر کی تہ میں ہیں آپ کے ورودِ مسعود کی وجہ سے ساری کائنات روشن ہو گئی۔ سمندر ان کی سخاوت کے عطیات سمیٹنے سے عاجز ہے۔ آپ کائنات کی آنکھ کی پتلی ہیں اور اس کے وجود کا راز ہیں۔ آپ یٰسین، زندگی کی اکسیر اور طٰہٰ ہیں۔
- ۳۵ غار کے کبوتر نے آپ کی حفاظت کی۔ جنگل میں بھیڑیے نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔ میں آپ کی ذات کی جلالت کو شمار کیسے کر سکتا ہوں۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔ میں آپ کی کچھ صفات بھی بیان نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میرے پاس سنگریزوں جتنے منہ ہوں۔
- ۳۶ شفاعت کا امر آپ کے دستِ اقدس میں ہے۔ ہرنی نے آپ کو پکارا تو اس کا نقصان ختم ہو گیا۔ روح آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے تو آپ اس کی قدر کو شرف عطا کر دیتے ہیں۔ آپ کے اتنے کثیر محاسن ہیں جن کا شمار ممکن ہی نہیں آپ کی مثال اور نظیر ہمیں نظر ہی نہیں آتی۔
- ۳۷ رب تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے دونوں جہانوں میں آپ کو ہر قسم کی عنایت عطا کی ہے۔ آپ بزرگی کی انتہائی رفعتوں پر فائز ہیں۔ میں قرآن پاک کی ایک ایسی آیت سے آگاہ ہوا ہوں۔ جس سے مجھے علم ہوا ہے کہ آپ کی رفعت کو مشابہت نہیں دی جا سکتی۔

- میں نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خصائص کے ساتھ مختص کیا ہے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ آپ کی تائید کی گئی۔ انبیائے کرام کی زبان سے آپ کی تعریف کی گئی۔ میں نے دیکھا کہ عالمین کی فضیلت محدود ہے لیکن نبی مختار ﷺ کے فضائل ان گنت ہیں۔
- وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی تعریفیں باقی رہیں گی۔ ہم میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جو آپ کی عمدہ تعریف ہیں۔ آپ کے عمدہ اوصاف نے اہلِ زبان کو تھکا دیا ہے۔ اس ذاتِ والا کی تعریف کا احاطہ کرنے کی سبیل کیسے ہو سکتی ہے جیسے اس کا معبود برحق فرمادے۔ ''آپ کا منصب رفیع ہے۔''
- تمہارے زندگی بھر کے ساتھی گمراہ نہ ہوئے۔ آپ کو منتخب کرلیا گیا اور آپ کی تکریم کی گئی۔ آپ کے ''دل نے جھوٹ نہ بولا بلند مقام پایا۔ آپ کے لیے یہی کافی ہے جو آسمان کے رب نے فرمایا ہے اس نے کہا ہے:۔ جو آپ کی بیعت کر رہے تھے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بیعت کر رہے تھے۔''
- سارے انبیائے کرام نے آپ کی فضیلت کی گواہی دی ہے۔ آپ ختم المرسلین ﷺ ہیں۔ اس لیے وہ آپ سے پہلے تشریف لائے۔ آپ کو لواءِ حمد اٹھانے سے مختص کیا گیا ہے۔ کیا ایسے فخر آپ سے قبل کسی کے لیے تو نے سنے ہیں۔ آپ کی کریم خلقت کتنی پاکیزہ ہے۔
- اے ہادی کی امت! تمہاری مثل کون ہو سکتا ہے۔ احمد مجتبیٰ ﷺ کا جلال تمہارے کمال کو دیکھ رہا ہے۔ آپ ہی تمہاری پردہ پوشی فرمانے والے ہیں۔ آپ ہی تمہارے انجام کے لیے عمدہ ذخیرہ ہیں۔ آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرو۔ اسی کے ساتھ ہی نفوس کو رشد اور غنا جیسی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے بندوں میں حضور اکرم ﷺ جیسا کوئی نہیں۔ روزِ حشر آپ ہی مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔ آپ کا حوضِ کوثر ایک عمدہ مورد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر کسی قید کے بغیر ہی صلوٰۃ و سلام بھیجے۔ آپ کی ذات والا پر رب تعالیٰ کی بہت زیادہ برکات ہوں۔
- آپ پر درود پڑھنا ہی ہمیں کل بچائے گا۔ جب غمزدہ ہو جاؤ تو اپنے پاس حضور انور ﷺ کا ذکر خیر کرلو۔ دشمنوں کے جگروں کو آپ پر درود شریف پڑھ کر غیظ میں مبتلا کردو۔ آپ کی عظیم اولاد پاک پر بھی درود شریف بھیجو جو ہدایت کے سورج ہیں آپ کی عترت پاک کی تکریم کرو اور جوان سے محبت کرے اس کی تعظیم کرو۔
- حضور اکرم ﷺ کی اولاد پاک کی تعظیم کرو۔ ان کے پاس ہی آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ جود وسخا ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہے۔ ہماری تعریف کا رخ آپ کی طرف اور آپ کی اولاد پاک کی طرف ہے۔ اسی طرح آپ پر اور آپ

کی اولادِ پاک پر ہمارا اسلام ہو۔ اور اس مبارک گروہ پر سلام ہو جنہوں نے ان کی اصلاح کی گواہی دی ہے۔

◆ جب فیاضی آپ کے بادل کو تلاش کرتی تو بلند اقبال لوگ ضرورت کے وقت آپ کے دروازوں کے پاس ہی آتے تھے۔ وہ موروثی بزرگی کے جوہر کے وارث بنے۔ میری مراد آپ کے دانشمند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو تقویٰ شعار گروہ ہے۔ جسے ہدایت ملی ان کی ہدایت کی وجہ سے ملی۔

◆ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ آپ کی پناہ کی طرح کی کوئی پناہ نہیں، آپ اس سے راضی ہو جائیں اور اس کے نفاذ کا کرم فرمادیں تو پھر وہ پناہ کتنی عمدہ ہے جسے میں حاصل کر رہا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ کریم کے لیے ہیں یہ عمدہ اشیاء ہیں میرا خیال ہے کہ آپ ان سے راضی ہو جائیں گے۔

شیخ ابو عبد اللہ محمد نے ایک قصیدہ کو یوں خماسی بنایا ہے۔

◆ علامہ بسکری کے قصیدہ نے قبولیت کا شرف حاصل کر لیا۔ مجھے کہا گیا کہ میں اسے خماسی بنادوں تاکہ یہ طویل ہو جائے۔ میں نے ثواب کے دروازہ میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ میں نے کلام آراستہ کرنے کے لیے اپنا دامن کھینچا۔ کہا گیا کہ باغ پھلیں پھولیں اور ان کی خوشبو میں اضافہ ہو۔

◆ اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ مجھے معاف کرے اور اسے معاف کرے جو اسے پڑھے۔ دار نعیم میں ہمارے لیے ضیافت کا اہتمام کرے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مخلصین کا اجر عطا کرے۔ ان کے قصیدہ پر سچائی کی روشنی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے لیے وہی خواب کافی ہے جو انہوں نے دیکھا۔

◆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''میں اس قصیدہ کی وجہ سے راضی ہو گیا ہوں۔ انہوں نے اپنی عمدہ نیت کی وجہ سے بشارت کو پالیا ہے۔ اگر میں پسند کروں کہ میں بھی اس کی مثل پالوں تو یہ سعادت ہے جس سے مجھے نوازا گیا ہے۔ وہاں میرا دل اپنی خواہشات بر آنے پر کامیاب ہو جائے گا۔

◆ مولا! حضور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمارا معاملہ آسان کر دے۔ ہماری لغزشیں بخش دے۔ ہمارا نقصان ختم کر دے۔ ہمارے عطیات کو بڑا کر دے۔ ہماری ستر پوشی فرما۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی پناہ میں ہمارا ٹھکانہ بنا۔ ہمارے نفوس کے سوالات اور ان کی دعائیں قبول فرما۔

◆ اے اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیج۔ آپ کی آل پر اور صحابہ کرام پر جو قیام، رکوع اور سجود کرتے تھے جو اپنی زبان، ہاتھوں اور مال سے تیرے دین کا دفاع کرتے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بلند مقام سے محبت کرتے تھے۔

ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال کے اہم واقعات

پہلا باب

آپ کی نماز جمعۃ

یہ پہلا جمعۃ المبارک تھا جو آپ ﷺ نے ادا فرمایا۔ یہ پہلا خطبہ تھا جو اسلام میں دیا گیا۔ جیسے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے ''العیون'' میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''یہ پہلا خطبہ تھا جو حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں دیا۔ آپ اہلِ مدینہ طیبہ میں کھڑے ہو گئے۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ''امابعد! اے لوگو! نیک اعمال سرانجام دو۔ تم سب کو ضرور جان لینا چاہے کہ تم میں سے ہر ایک نے صاعقہ کا سامنا کرنا ہے۔ وہ اپنی بھیڑیں اس حالت میں چھوڑے گا کہ انہیں چرانے والا کوئی نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا۔ اس کے لیے نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ ہی حاجب۔ جو اس سے اس کے لیے پردہ کرے ''کیا تیرے پاس میرا رسول مکرم ﷺ تشریف نہیں لایا۔ اس نے تجھے تبلیغ نہیں کی۔ میں نے تجھے مال عطا نہیں کیا۔ کیا میں نے تجھ پر فضل و کرم نہیں کیا۔ اب بتا تو نے اپنے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟ وہ اپنے دائیں بائیں دیکھے گا۔ اسے کچھ نظر نہ آئے گا وہ اپنے سامنے دیکھے گا اسے جہنم کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ جو اپنے چہرے کو جہنم سے بچانے کی استطاعت رکھتا ہو خواہ کھجور کے ٹکڑے سے ہی، وہ ضرور اس طرح کرے۔ جو یہ بھی نہ پائے اسے عمدہ گفتگو سے ہی اپنے آپ کو جہنم سے بچانا چاہیے۔ وہاں ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات گنا تک ہوگا۔ السلام علیکم والسلام علی رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

پھر آپ نے دوسری بار ایک اور خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اس سے مدد طلب کرتا ہوں۔ ہم اپنے نفوس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے صرف اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے۔ بہترین کلام رب تعالیٰ کی کتاب ہے وہ کامیاب ہو گیا جن کے دل میں رب تعالیٰ نے اسے مزین کر دیا۔ کفر کے بعد اسے اسلام میں داخل کر دیا۔ اسے لوگوں کی باتوں پر ترجیح دی۔ یہ ساری باتوں سے عمدہ کلام ہے۔ سارے کلاموں سے بلیغ ہے اس سے تم بھی پیار کرو جس سے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے۔ دلوں کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔ کلام الٰہی اور ذکر الٰہی سے اکتا نہ جاؤ۔ تمہارے دل اس سے بیزار نہ ہو جائیں۔ کیونکہ یہ کلام ان چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے پھر انہیں منتخب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اعمال میں سے عمدہ ترین بندوں میں سے برگزیدہ اور کلام میں سے صالح کا نام دیا ہے۔ جو کچھ لوگوں کو دیا گیا ہے اس میں سے بعض حلال اور حرام امور ہیں۔ رب تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ رب تعالیٰ کے بارے سچ کہو یہ بہترین بات ہے جو تم کرتے ہو۔ رحمت الٰہیہ کی وجہ سے باہم محبت کرو۔ رب تعالیٰ اس کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑنے سے ناراض ہوتا ہے۔"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ابن جریر نے حضرت سعید بن عبدالرحمان الجمحی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے مدینہ طیبہ میں پہلے جمعۃ المبارک کے موقع پر یہ خطبہ دیا۔ "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اسی کی تعریف کرتا ہوں۔ اسی سے مدد طلب کرتا ہوں اسی سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اسی سے ہدایت مانگتا ہوں۔ اسی پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کا کفر نہیں کرتا۔ اسکے ساتھ جو کفر کرتا ہے اس سے عداوت رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ محمد عربی (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے انہیں ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ نور اور نصیحت کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس وقت رسل عظام کو تشریف لائے کافی مدت گزر چکی تھی۔ لوگوں کے پاس علم قلیل تھا۔ لوگ گمراہی میں مبتلا تھے۔ قیامت قریب آ گئی ہے موت کا وقت بھی قریب آ گیا ہے جو اللہ رب العزت اور اس کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ کامیاب ہے۔

جس نے ان کی نافرمانی کی۔ وہ گمراہ ہو گیا۔ جس نے زیادتی کی اور بہت زیادہ گمراہ ہو گیا۔ میں تمہیں رب تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو عمدہ وصیت کر سکتا وہ یہ ہے کہ وہ اسے آخرت کی ترغیب

دے۔اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرے۔اس سے ڈرو جس سے رب تعالیٰ نے تمہیں ڈرایا ہے۔اس سے بڑھ کر اور کوئی ذکر نہیں۔جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔اس خوف کی بنا پر تقویٰ پر عمل کرتا ہے تو یہ امر اس کے لیے اس چیز کے حصول کے لیے عمدہ مددگار ہوگا۔جو تم آخرت کے بارے چاہتے ہو۔جو اعلانیہ اور مخفی طور پر اس امر کی اصلاح کر لیتا ہے جو اس کے اور اس کے رب تعالیٰ کے مابین ہے اس سے مقصود صرف رضائے الٰہی ہوتی ہے تو پھر اس دنیا میں یہ اس کے لیے ذکر بن جائے گا اور موت کے بعد اس کے لیے توشہ بن جائے گا۔جب انسان اس چیز کا محتاج ہوگا جو اس نے آگے بھیجی ہوگی۔جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس کے بارے وہ چاہے گا کہ اس کے اور اس کے مابین طویل بُعد ہوتا۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰ (آل عمران:۳۰)

ترجمہ: ''ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔''

اس نے سچ بات فرمائی۔اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔اس میں کوئی وعدہ خلافی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۲۹ (ق:۲۹)

ترجمہ: ''میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔''

اپنے جلد ملنے والے یا دیر ملنے والے امور میں رب تعالیٰ سے ڈرو۔

بلاشبہ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵ (الطلاق:۵)

ترجمہ: ''اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔''

جو رب تعالیٰ سے ڈرا وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کر گیا۔تقویٰ رب تعالیٰ کی ناراضگی سے بچاتا ہے۔یہ اس کی سزا اور ناراضگی سے بچاتا ہے۔تقویٰ چہرہ کو سفید کرتا ہے۔رب کو راضی کرتا ہے درجات بلند کرتا ہے اپنا حصہ حاصل کرو۔رب تعالیٰ کی جناب میں تفریط نہ کرو اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے۔اس نے تمہارے لیے اپنا رستہ واضح کیا۔تاکہ وہ سچوں اور جھوٹوں کے بارے جان لے۔تم اس طرح احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے اس کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھو۔اس کے رستہ میں جہاد کا حق ادا کرو۔اس نے تمہیں چن لیا ہے اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ (الانفال:۴۲)

ترجمہ: ''تاکہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیئے دلیل سے جیئے۔''

اللہ تعالیٰ کی طاقت اور اختیار کے علاوہ اور کوئی طاقت اور اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔ موت کے بعد جو کچھ ہے اسے جان لو۔ جو اس امر کی اصلاح کر لیتا ہے جو اس کے اور رب تعالیٰ کے مابین ہے تو رب تعالیٰ اس کے اس امر کے لیے کافی ہو جاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے مابین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ وہ اس کے خلاف فیصلے نہیں کر سکتے۔ لوگوں کا مالک وہی ہے۔ لوگوں کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ اکبر۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تنبیہات

❶ الروض الانف میں ہے" آپ نے فرمایا: "احبوا اللہ من کل قلوبکم" اس سے مراد یہ ہے کہ دل کے سارے اجزاء پر اس کی محبت کا غلبہ ہو۔ دل کا ہر عمل اور ذکر رب تعالیٰ کے لیے سراپا خلوص ہو۔ "فانہ من کل ما یخلق اللہ یختار و یصطفی" کے بارے امام سہیلی نے لکھا ہے کہ فانہٗ میں الہاء ضمیر کلام الٰہی کی طرف راجع نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر اور حدیث کی ضمیر ہے۔ گویا کہ فرمایا: "ان الحدیث من کل... کیونکہ سارے اعمال اللہ رب العزت کے تخلیق کردہ ہیں۔ ان میں سے جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ و ربك یخلق من یشاء و یختار۔ (قصص: ۶۸) آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ خیرتہٗ من الاعمال سے مراد ذکر اور تلاوت کلام الٰہی ہے۔ مصطفیٰ من عبادہٖ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج: ۷۵)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بعض کو رسول"۔

ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ عمل ہو جو لوگوں کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں "مِنْ" تبعیضیہ نہیں ہو گا۔ یہ ابتدائے غایت کے لیے ہو گا۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کی توفیق رب تعالیٰ نے دی ہے۔ اور پھر اسے مکمل کرنے کی توفیق دی ہے۔

ان الحمد للہ احمدہٗ میں الحمد للہ دال کے رفع کے ساتھ ہے۔ میں نے اس کا اعراب اسی طرح دیکھا ہے۔ یہ اعراب حکایۃ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اضمار الامر کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا: "ان الامر الذی اذکرہٗ" ہٗ کی ضمیر جو امر کی طرف راجع تھی اسے حذف کر دیا۔ تاکہ کوئی بھی چیز رب تعالیٰ کی حمد سے مقدم نہ ہو

سکے۔ اِنَّ کا مقدم ہونا اسماء کی تقدیم میں سے نہیں ہے۔ یہ تو ایک حرف ہے جو اپنے مابعد کو مؤکد کرتا ہے۔ قرآن پاک کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے حصولِ برکت کے لیے اپنے خطبہ کا آغاز بھی حمد سے کیا۔

❷ روز جمعۃ کو جمعۃ کیوں کہا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اسے عروبۃ کہا جاتا تھا۔ ابوجعفر النحاس نے اپنی کتاب "صناعۃ الکتابۃ" میں لکھا ہے کہ اہلِ عرب الف لام کے ساتھ شاذ و نادر ہی معرب بناتے ہیں۔ اس کا معنی ہے واضح اور عظیم دن۔ اسکا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں مخلوق جمع ہوتی ہے۔ ابوحذیفہ بخاری نے اسے المبتداء میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کیونکہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی۔

امام احمد، امام نسائی، ابن خزیمہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ روز جمعۃ کیا ہے۔" میں نے عرض کی: "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محترم ﷺ ہی جانتے ہیں۔" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ تیسری بار آپ نے فرمایا: "کیونکہ اس میں تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی۔" اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے۔ جسے ابن ابی حاتم نے قوی اسناد سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے اسے مرفوع روایت کہا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے "یہ اصح ہے اس روایت کے ساتھ ساتھ وہ روایت بھی ہے جسے امام ابن سیرین نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار حضرت اسعد بن زرارہ کے ہمراہ جمع ہوتے تھے۔ وہ یوم جمعۃ کو یوم العروبۃ کہتے تھے۔ وہ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ وہ اس کو اس اجتماع کی وجہ سے یوم جمعہ کہتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ کیونکہ لوگ اس میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے روزِ جمعۃ کہتے تھے۔ اسے ابن حزم نے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کیونکہ یہ اسلامی نام ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں نہیں تھا اسے پہلے عروبہ کہا جاتا تھا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اہلِ لغت نے لکھا ہے "عروبہ ایک قدیمی نام ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں تھا۔ وہ کہتے تھے جمعۃ سے مراد یوم العروبۃ ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے ساتوں دنوں کے نام تبدیل کر دیے تھے۔ ان کے پہلے نام یہ ہیں "اول، اھون، جُبار، دُبار، مؤنس، عروبۃ اور شیار۔"

علامہ جوھری نے لکھا ہے "اہلِ عرب اپنے پرانے ناموں میں سوموار کو "اھون" کہتے تھے۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نام تو تھے جو آج تک متعارف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کعب بن لوی نے اس کا نام جمعۃ رکھا تھا۔ یہ قول دلیل کا محتاج ہے کہ اہلِ عرب نے اس کا نام تبدیل کر کے جمعۃ رکھا تھا۔ اور عروبۃ کا نام خاص نقل کی طرف

باقی رکھا۔

۴ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ میں نماز جمعۃ پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے اذن سے تھا۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ آنے سے قبل نماز جمعۃ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ میں جمع نہ کر سکتے تھے۔ نہ ہی آپ اس کا آغاز کر سکتے تھے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ ''اما بعد! اس دن میں غور و فکر کر لو جس طرح یہود ہفتہ کے روز زبور باآواز بلند پڑھتے ہیں۔ اپنی خواتین اور بچوں کو جمع کرو۔ جب سورج جمعہ کے روز زوال سے ڈھل جائے۔ تو دو رکعتیں پڑھ کر رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔'' سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جمعۃ پڑھائی حتیٰ کہ حضور انور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے وہ ظہر کے وقت صحابہ کرام کو جمع کرتے۔'' اس روایت کی سند میں محمد بن غالب باھلی ہیں ان پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی جاتی تھی الزھر میں 'اس روایت کے متن میں ارسال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے نماز جمعۃ شروع کی تھی۔ عبدالرزاق نے صحیح سند سے حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ آیت جمعۃ اترنے سے قبل اور حضور انور ﷺ کے مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہونے سے قبل اہلِ مدینہ طیبہ نماز جمعۃ پڑھتے تھے۔ انصار نے کہا: ''یہودیوں کے لیے ہفتہ میں ایک دن متعین ہے جس میں وہ جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کے لیے ایک دن متعین ہے۔ آئیں ہم بھی ایک دن جمع ہو جایا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں۔ نماز پڑھا کریں اور اس کا شکر ادا کیا کریں۔ انہوں نے یوم العروبۃ کو اس کام کے لیے مختص کیا وہ حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں جمع ہوتے تھے۔ وہ انہیں نماز جمعۃ پڑھاتے تھے اس کے بعد یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الجمعۃ: ۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تمہیں بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف۔''

الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے۔ لیکن اس کی شاہد روایت بھی ہے جس کی سند حسن ہے۔ جسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح لکھا ہے۔ حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے قبل حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہمیں نماز جمعۃ پڑھاتے تھے۔ حضرت ابن سیرین کی مرسل روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ کرام نے روز جمعۃ کو اپنے اجتہاد سے منتخب کیا

تھا۔اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں ہوں اور آپ نے وحی کے ذریعے اس کے بارے جان لیا ہو لیکن مکہ مکرمہ میں یہ ممکن نہ ہو۔ جیسے کہ گذشتہ روایات سے عیاں ہوتا ہے۔ پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور صحابہ کرام ﷺ کو نمازِ جمعہ پڑھائی۔ جیسے ابن اسحاق نے روایت کیا ہے صحابہ کرام کو توفیق الٰہی اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے ذریعے اس دن کو منتخب کرنے کی توفیق ملی۔

ایک قول یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق اسی دن مکمل ہوئی انسان کو عبادت کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ وہ اس روز عبادت میں مشغول رہے۔ رب تعالیٰ نے اس روز موجودات کو مکمل کیا۔ اس میں اس انسان کو پیدا کیا جو ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ لازم ہے کہ وہ اس روز عبادت کر کے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس کا تتمہ خصائص میں آئے گا ان شاء اللہ!

دوسرا باب

مسجد نبوی کی تعمیر

یہ روایت گزر چکی ہے۔ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس آپ کی مبارک اونٹنی بیٹھی تھی۔ آپ نے فرمایا: "یہی قیام گاہ ہے۔"

پھر آپ نیچے تشریف لے آئے۔ آپ نے یوں عرض کی:

رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴿۲۹﴾ (المؤمنون:۲۹)

ترجمہ: "اے میرے رب اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔"

یہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ جن کا نام سہل اور سہیل تھا۔ اس جگہ کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ یحییٰ بن حسن اور بلاذری وغیرہما نے ان کا نسب یوں لکھا ہے۔ "ابنا رافع بن ابی عمرو بن عائذ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار۔ ابن حزم نے یہی صراحت لکھی ہے۔ ابو عمر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔

صحیح روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے فرمایا: "بنو نجار! مجھ سے اس قطعۂ زمین کی قیمت لے لو۔" انہوں نے عرض کی: "بخدا! ہم اس کی قیمت (اجر و ثواب) صرف اللہ تعالیٰ سے حاصل کریں گے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ کا سودا کیا تاکہ اس جگہ مسجد نبوی تعمیر کریں۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ کی خدمت میں بطور ھبہ پیش کرتے ہیں۔" مگر آپ نے ان سے بطور ہبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ یہ جگہ ان سے خرید لی۔ پھر یہاں مبارک مسجد تعمیر کی۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اس جگہ مسجد بنا رکھی تھی۔

یحییٰ بن حسن نے حضرت زید بن ثابت کی والدہ ماجدہ حضرت نوار بنت مالک رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل انہوں نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ اسی جگہ لوگوں کو پانچ وقت کی نماز

پڑھاتے تھے۔ وہ اس جگہ لوگوں کو نماز جمعہ بھی پڑھاتے تھے۔ یہ حضرت سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما کی جگہ تھی جہاں لوگ اپنی کھجوریں خشک کرتے تھے۔ گویا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہی ہوں۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے اسی جگہ میں صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ اس جگہ مسجد تعمیر کی۔ یہی آپ کی مبارک مسجد ہے۔''

شیخان اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسجد کی صرف دیواریں تھیں جس پر چھت نہ تھی۔ اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ آپ نے غرقد کی کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ زمانہ جاہلیت کی کچھ قبریں وہاں موجود تھیں۔ آپ نے وہ قبریں اکھیڑنے کا حکم دیا۔ ہڈیاں کہیں غائب کرنے کا حکم دیا۔ اس جگہ میں کچھ پانی تھا جس کا رستہ بنا کر باہر نکال دیا گیا۔ اس جگہ کچھ کھنڈرات تھے۔ انہیں ہموار کر دیا گیا۔ قبلہ کی طرف ستون رکھے گئے۔ ان پر چھت ڈالا گیا۔ دروازہ کی چوکھٹیں پتھروں کی بنائی گئیں تھیں۔

ابن عائذ نے لکھا ہے کہ اس جگہ عریش بنایا گیا تھا۔ جس میں آپ نے بارہ دن نماز ادا فرمائی پھر اس پر چھت ڈال دیا گیا۔ محمد بن حسن مخزومی اور یحییٰ بن حسن نے حضرت شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا: ''حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے عریش کی طرح کا عریش میرے لیے بنا دو۔ جو تمام (جڑی بوٹی) لکڑیوں پر مشتمل ہو اور حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے سایہ بان کی طرح ہو۔ امر اس سے بھی زیادہ عجلت والا ہے۔ آپ سے عرض کی گئی کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا سایہ بان کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''جب وہ کھڑے ہوتے تھے تو ان کا سر اس کے چھت کے ساتھ لگتا تھا۔'' مسجد کی تعمیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بنفس نفیس کام کیا۔ جیسے کہ صحیح میں ہے۔ آپ انہیں کام کی ترغیب دلاتے ہوئے ان کے ساتھ اینٹیں لانے لگے۔ آپ فرما رہے تھے:

اللھم ان الاجر اجر الآخرۃ   فارحم الانصار والمھاجرہ

ترجمہ: ''مولا! اجر تو آخرت کا اجر ہی ہے۔ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔''

روایت ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ بن رواحہ کا ہے۔ امام زہری سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرما رہے تھے: ''اللھم لاخیر الاخیر الآخرۃ فارحم المھاجرین والانصار۔'' یہ شعر کے وزن پر نہیں ہے۔ محمد بن حسن مخزومی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مسجد بنائی تو اینٹیں اور دیگر سامان تعمیر قریب کیا جا رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اپنی چادر مبارک رکھ دی۔ جب مہاجرین اولین اور انصار نے آپ کی یہ اداد یکھی تو انہوں نے بھی اپنی چادریں رکھ دیں۔ وہ رجز پڑھ کر کام کرنے لگے۔ وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

لئن قعدنا والنبی یعمل   ذاك اذا للعمل المضلل

ترجمہ: ''اگر ہم بیٹھ جائیں اور حضور اکرم ﷺ کام میں مصروف رہیں تو یہ ایک نازیبا فعل ہوگا۔''

امام بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ جب حضور پاک ﷺ نے مسجد تعمیر کی تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اعانت کی۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے سینۂ اقدس پر مٹی لگ گئی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ وہ اینٹیں اٹھاتے۔ انہیں اپنے کپڑوں سے دور رکھتے۔ جب اینٹیں نیچے رکھتے تو آستینیں جھاڑتے اپنے کپڑوں کو دیکھتے اگر ان پر مٹی نظر آتی تو اسے بھی جھاڑ لیتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا تو یہ شعر پڑھے:

لا یستوی من یعمر المساجد یدأب فیھا قائما و قاعدا

و من یری عن الغبار حائدًا

ترجمہ: ''مساجد کو آباد کرنے والا اور اس میں رکوع و سجود کرنے والا اور وہ شخص جو گرد و غبار سے بچنے سے کوشش کرتا ہے وہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔''

حضرت عمار بن یاسر نے یہ اشعار سن لیے۔ وہ انہیں پڑھنے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان سے مراد کون ہے۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کہا: ''اے ابن سمیہ! مجھے علم ہے تم کس کا ارادہ کیے ہو؟'' ان کے ہاتھ میں شاخ تھی۔ انہوں نے کہا: ''یوں کہنے سے رک جاؤ۔ ورنہ میں اسے تمہارے چہرے پر ماردوں گا۔'' ان کی یہ بات حضور اکرم ﷺ نے سماعت فرمالی۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر فرمایا: ''عمار میری دونوں آنکھوں اور ناک کے مابین کی جلد ہیں۔'' آپ نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ دیا۔ صحابہ کرام حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کچھ کہنے سے رک گئے۔ پھر انہوں نے حضرت عمار سے کہا: ''تمہاری وجہ سے حضور اکرم ﷺ ناراض ہوئے ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ہمارے بارے قرآن پاک نازل ہوگا۔'' انہوں نے کہا: ''میں آپ کو راضی کرلوں گا۔'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا اور آپ کے صحابہ کرام کا عجیب معاملہ ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تمہارا اور اُن کا کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''وہ مجھے شہید کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خود ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں۔ جبکہ مجھ پر دو دو اینٹیں رکھ رہے ہیں۔ آپ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کے ساتھ مسجد میں گھومنے لگے۔ اپنے دست اقدس سے ان کے بال سے مٹی جھاڑنے لگے۔ فرمایا: ''اے ابن سمیۃ! میرے صحابہ کرام تمہیں شہید نہیں کریں گے۔ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم انہیں جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں آگ کی طرف بلائیں گے۔'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں فتنوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

امام عبدالرزاق نے اس سند سے روایت کیا ہے جو شیخین کی شرط پر ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ امام

بخاری اور امام بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مسجد نبوی تعمیر کر رہے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک اینٹ اٹھانے لگے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھانے لگے۔ ایک اینٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جبکہ دوسری اینٹ اپنی طرف سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کمر پر دست اقدس پھیرا اور فرمایا: "ابن سمیہ! لوگوں کے لیے ایک اجر ہے تمہارے لیے دو اجر ہیں۔ دودھ تمہاری آخری غذا ہوگا۔ باغی گروہ تمہیں شہید کرے گا۔ تم انہیں جنت کی طرف بلاؤ گے وہ تمہیں آگ کی طرف بلائیں گے۔ حضرت عمار نے کہا: "میں فتنوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

ابویعلی نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے راوی صحیح ہیں مگر تابعی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ تو آپ ایک پتھر لے کر آگئے اور اسے رکھ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے۔ انہوں نے بھی اسے رکھ دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے۔ انہوں نے اسے رکھا۔ ایک پتھر حضرت عثمان غنی لے کر آئے۔ انہوں نے اسے بنیاد میں رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس امر کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "میرے بعد خلافت کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔"

امام بیہقی نے قوی سند سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: "میرے بعد یہ امر کے والی ہوں گے۔" امام احمد نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے اینٹیں لا رہے تھے۔ میں نے آپ کی زیارت کی۔ آپ اپنے پیٹ مبارک کے ساتھ اینٹ لگا کر لا رہے تھے۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ امر آپ پر گراں گزر رہا ہے۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ مجھے پکڑا دیں۔" آپ نے فرمایا: "اس کے علاوہ اور کوئی اینٹ اٹھا لو کوئی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی۔" یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب دوسری بار مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ کیونکہ پہلی تعمیر کے وقت تو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یحییٰ بن حسن نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ کے پاس پتھر تھا آپ کو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ پتھر مجھے عطا فرما دیں۔" آپ نے فرمایا: "جاؤ اور پتھر اٹھا لاؤ تم مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب کے محتاج نہیں ہو۔" امام احمد اور یحییٰ بن حسن نے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ مسجد تعمیر فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام بھی اس میں آپ کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ میں گارا ملا سکتا تھا۔ میں نے بیلچہ لیا اور مٹی ملانے لگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "یہ حنفی مٹی ملانے کے لیے

ہے۔" آپ فرماتے تھے: "اس یمامی کو مٹی کے قریب کرو۔ یہ اس کام کا زیادہ ماہر ہے اور اس کے شانے مضبوط ہیں۔"

یحییٰ بن حسن نے حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم و بیش ستر ذراع طویل اور ساٹھ ذراع چوڑی مسجد تعمیر ہوئی۔ بقیع خجبہ میں اینٹیں تیار کی گئیں۔ اس کی دیواریں تعمیر کی گئیں اور لکڑی کے ستون قائم کیے گئے۔ اس کے وسط کو کھلا رکھا گیا۔ آپ کی دو ازواج مطہرات کے لیے حجرے بھی تعمیر کیے گئے۔

یحییٰ نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "آپ نے اینٹوں کے رذو پر اینٹ کے اوپر اینٹ رکھی پھر اینٹ کے ثلث پر دوسری نصف رکھی۔ جب صحابہ کرام کی کثرت ہوگئی۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کاش آپ اس میں اضافہ کردیں۔"

آپ نے اس میں اضافہ فرما دیا۔ اور دو مختلف اینٹوں سے تعمیر کی۔ بنیاد کو تین ذراع تک پتھروں سے اٹھایا گیا۔ قبر کی طرف کی دیوار تقریباً ایک سو ذراع تھی۔ چوڑائی میں بھی یہی کیفیت تھی۔ یہ مسجد مربع شکل میں تھی۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پہلے مسجد پر چھت نہیں ڈالا گیا تھا۔ صحابہ کرام نے گرمی کی شکایت کی تو پھر اس کی لکڑی اور ستونوں کو شہتیر بنایا گیا اور کھجور کا چھت ڈالا گیا۔ جب چھت ٹپکنے لگا۔ تو اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ اس کو وسط سے کشادہ رکھا گیا۔

یحییٰ بن حسن نے حضرت اسامۃ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا۔ اس کے آخر میں تین دروازے رکھے۔ (۱) باب ابی بکر۔ آج کل یہ دروازہ قبلہ کی سمت ہے (۲) باب عاتکہ۔ اسے باب عاتکہ یا باب الرحمۃ کہا جاتا ہے۔ (۳) اس دروازے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے تھے۔ آج کل اسے باب آل عثمان کہا جاتا ہے۔ ان دو دروازوں کو قبلہ تبدیل ہونے کے بعد بھی تبدیل نہیں کیا گیا۔ جب قبلہ تبدیل ہوگیا تو آپ نے وہ دروازہ بند کردیا۔ جو آپ کے پیچھے تھا۔ پھر اس کے بالکل سامنے ایک دروازہ بنایا گیا۔

ابن زبالۃ نے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار مسجد نبوی تعمیر کیا۔ ایک بار اس وقت تعمیر کیا گیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو اس وقت اس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک سو ذراع سے کم تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح کرایا تو اس تعمیر میں وسعت دی گئی۔ زبیر بن بکار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کھجور کی شاخوں سے مسجد تعمیر کی۔ اور ہجرت کے چار سال بعد اسے اینٹوں سے تعمیر کیا۔

الطبرانی نے حضرت ابو ملیح سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص سے فرمایا جس کی زمین مسجد نبوی کے ساتھ متصل تھی۔ "یہ قطعہ زمین دے دو۔ رب تعالیٰ تمہیں جنت میں گھر عطا کرے گا۔" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اس شخص سے کہا: "یہ قطعہ زمین دس ہزار دراہم کے عوض فروخت کردو۔" انہوں نے اس شخص سے قطعہ

زمین خرید لیا۔ پھر وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ قطعۂ زمین مجھ سے خرید لیجیے جو میں نے انصاری سے خریدا ہے۔'' آپ نے جنت میں گھر کے عوض ان سے وہ زمین کا ٹکڑا خرید لیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں نے اسے دس ہزار دراہم کے عوض خریدا تھا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اب اینٹیں رکھو۔'' صحابہ کرام اینٹیں رکھنے لگے۔

امام احمد، امام ترمذی نے ثمامہ بن حزن القشیری سے، امام احمد اور امام دارقطنی نے احنف بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر سے نیچے دیکھا تو لوگوں سے پوچھا: ''کیا یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں!'' انہوں نے پوچھا: ''کیا یہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں؟'' لوگوں نے بتایا: ''ہاں'' انہوں نے کہا: ''میں تمہیں اس رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیا تم جانتے ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو بنوفلاں سے زمین کا یہ ٹکڑا خریدے گا اور اس سے مسجد وسیع کرے گا۔ اس کے بدلے اسے جنت میں بھلائی نصیب ہوگی۔''

دوسری روایت میں ہے ''اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔'' میں نے اپنے مال میں سے عمدہ مال کے بیس ہزار دراہم سے اسے خریدا۔ میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی: ''میں نے وہ قطعۂ زمین خرید لیا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اسے ہماری مسجد میں شامل کر دو۔ اس کا اجر وثواب تمہیں ملے گا۔'' صحابہ کرام نے کہا: ''ہاں! اللہ تعالیٰ کی قسم!''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے کونوں میں بعض صحابہ کرام کو کھڑا کیا تا کہ قبلہ کی سمت درست کریں۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ خانہ کعبہ کی طرف دیکھ لیں اور قبلہ کی سمت درست کرلیں۔'' انہوں نے اپنے دست اقدس سے اشارہ کیا۔ اس طرح خانہ کعبہ اور آپ کے مابین سارے پہاڑ ہٹ گئے۔ آپ نے خانہ کعبہ کو دیکھ کر مسجد کے قبلہ کی سمت کو درست کیا۔ اسے چکور بنایا۔ آپ کی نگاہ ناز کے سامنے کوئی چیز حائل نہ تھی۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو حضرت جبرائیل نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو پہاڑ درخت اور چیزیں پہلی حالت پر آ گئیں۔ آپ کا قبلہ میزاب رحمت کی طرف بن گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنی اس مسجد کا قبلہ مقرر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ میرے لیے کعبہ مقدسہ کو بلند کیا گیا۔ اسے میرے سامنے رکھ دیا گیا۔''

امام مالک علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ العتبیہ میں اسی طرح ہے ''میں نے سنا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے

حضور اکرم ﷺ کے لیے مسجد نبوی کے قبلہ کی سمت کا تعین کیا۔" امام بخاری اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں میں مسجد نبوی ستونوں پر مشتمل تھی۔ یہ ستون کھجور کے تنوں کے بنے ہوئے تھے۔ کھجور کی شاخوں کا چھت ڈالا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ چھت بوسیدہ ہوگئی۔ انہوں نے اسے کھجور کے تنوں اور شاخوں سے تعمیر کیا۔ اس میں اضافہ نہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا۔ انہوں نے اسے اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے تعمیر کیا۔ اس کے ستون لکڑی کے بنائے۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بوسیدہ ہوگئی۔ انہوں نے اس میں بہت سے اضافے کیے۔ منقش پتھروں اور چونے سے اس کی دیواریں تعمیر کیں۔ منقوش پتھروں سے اس کے ستون بنائے اور ساگوان کی چھت ڈالی۔ العیون میں ہے: "انہوں نے عقیق سے پتھر بھی اس جگہ منتقل کیے۔"

سب سے پہلے مروان بن حکم نے مسجد میں گیلری بنائی۔ اسے منقش پتھروں سے بنایا اور اس کے لیے روشن دان مقرر کیا۔ پھر اس میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔ حتیٰ کہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ آگیا۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف خط لکھا۔ وہ اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ انہیں مسجد نبوی گرانے اور اسے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ان کی طرف مال، مختلف رنگوں کے پتھر، سنگ مرمر اور شام اور مصر سے اسی رومی اور قبطی کاریگر بھیجے۔ انہوں نے اسے تعمیر کیا اور اس میں بہت سے اضافے کیے۔ انہوں نے حضرت صالح بن کیسان کو اس پر نگران مقرر کیا۔ یہ ۸۷ھ یا ۸۸ھ کا واقعہ ہے۔ پھر کسی خلیفہ نے اس میں کمی و بیشی نہ کی۔ حتیٰ کہ مہدی خلیفہ بنا۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ مہدی نے عبدالملک بن شبیب الغسانی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک شخص کو مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ وہ مسجد نبوی کی تعمیر کریں اور اس میں توسیع کریں۔ اس وقت جعفر بن سلیمان مدینہ طیبہ کا گورنر تھا۔ انہوں نے ایک سال تک کام کیا اس کی وسعت میں ایک سو ذراع کا اضافہ کیا۔ اس کا طول تین سو ذراع اور عرض دو سو ذراع بن گیا۔

علی بن محمد المدائنی نے لکھا ہے کہ مہدی نے جعفر بن سلیمان کو مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور یمامہ کی ولایت سونپی۔ اس نے مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی میں توسیع کی۔ مسجد نبوی کی تعمیر ۱۶۲ھ میں مکمل ہوگئی۔ مہدی ۱۶۰ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ اس نے گیلری گرادینے اور اسے مسجد کے ساتھ برابر کردینے کا حکم دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مامون نے بھی اس کی توسیع کی تھی۔ مامون کے بعد کسی خلیفہ نے اس میں کوئی اضافہ نہ کیا حتیٰ کہ ۶۵۴ھ میں رمضان المبارک کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں آگ لگ گئی۔ ابوبکر بن اوحد الفراش مغربی کنارے میں داخل ہوئے۔ تاکہ مسجد کے میناروں کے لیے لالٹینیں نکالیں۔ انہوں نے شعلہ لالٹینوں کے خانوں میں سے ایک خانے میں رکھ دیا۔ اس خانہ میں بوسیدہ کپڑا بھی تھا اس میں آگ لگ گئی۔

وہ آگ پر قابو نہ پا سکے قالینوں کو بھی آگ لگ گئی۔ آگ کے شعلوں میں اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ جلد ہی چھت تک بھی پہنچ گئی۔ پھر قبلہ کی طرف چھتوں تک پھیلتی چلی گئی۔ لوگوں نے آگ بجھانے کی بہت کوشش کی۔ امیر مدینہ بھی آ گیا۔ اہل مدینہ طیبہ کی اکثریت اس کے ساتھ تھی۔ وہ آگ پر قابو نہ پا سکے۔ تھوڑی دیر میں ہی آگ مسجد نبوی کے سارے چھت تک پھیل گئی۔ وہ منبر مبارک، دروازوں، خزانوں، گیلریوں اور صندوقوں تک پہنچ گئی۔ ایک لکڑی بھی باقی نہ بچی۔ اسی طرح کتابیں اور حجرہ مقدسہ کا غلاف بھی جل گیا۔

امام قسطلانی لکھتے ہیں "اس وقت اس پر گیارہ پردے تھے۔ آگ نے وہ پردے جلا دیے جو ناپسندیدہ تھے اس آگ سے قہریت اور عظمتِ الٰہیہ آشکارا ہو رہی تھی۔ جس نے ہر شخص کو مبہوت کر دیا تھا۔ اس آگ کا ظہور حجاز کی اس آگ کے ظہور کے بعد ہوا تھا۔ سرزمین مدینہ سے اس سے ڈرایا گیا تھا۔ جب اہلِ مدینہ مسجد نبوی میں پناہ گزیں ہو گئے تو انہیں محفوظ کر دیا گیا۔ یہ مدینہ طیبہ کے حرم پاک تک پہنچنے سے قبل بجھ گئی تھی۔

عوام الناس نے یہی سمجھا کہ یہ آگ حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کی برکت سے ان سے روک دی گئی ہے۔ اسی طرح آپ کے طفیل آخرت کی آگ بھی ان سے دور کر دی جائے گی۔ حالانکہ وہ گنہ گار ہوں گے۔ حال البیان نے بزبان حال یہ تقاضا کیا۔ یہ زبان مقال سے فصیح ہے۔ آگ گناہوں کی زندگی کو پاک کرتی ہے۔ اس وقت مسجد نبوی اور مدینہ طیبہ پر رافضی شیعوں کا غلبہ تھا۔ قاضی اور خطیب بھی ان کا تھا۔ انہوں نے بے ادبی کا مظاہرہ کیا۔ جیسے کہ ابن جریر نے لکھا ہے۔ اسی لیے آگ کے بعد مسجد نبوی کی دیواروں پر یہ اشعار لکھے ہوئے پائے گئے۔

لم يحترق حرم النبی لريبة ۔۔۔ يخشى عليه وما به من عار

لكنها ايدی الروافض لامست ۔۔۔ تلك الرسوم فطهرت بالنار

ترجمہ: "حرم نبی ﷺ کسی تہمت کی وجہ سے نہیں جلا جس سے اس کے بارے خدشہ ہو۔ اور نہ ہی اسے کوئی عار تھی۔ بلکہ ان مبارک مقامات کو رافضیوں کے ہاتھوں نے مس کیا تھا۔ انہیں آگ سے پاک کیا گیا۔"

اسی طرح دیواروں پر یہ اشعار بھی لکھے ہوئے تھے:

قل للروافض بالمدينه ما بكم ۔۔۔ لقيادكم للذم كلّ سفيهٍ

ما اصبح الحرم الشريف محرّما ۔۔۔ الا لسبكم الصحابة فيه

ترجمہ: "مدینہ طیبہ کے رافضیوں سے کہہ دو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے مذمت کرنے کے لیے اپنی رسی میں ہر احمق کو جکڑ لیا ہے۔ حرم پاک کو صرف اس لیے آگ لگی ہے کیونکہ تم اس میں آپ کے صحابہ کرام کو برا

بھلا کہتے ہو۔"

صرف وہ گنبد ہی جل جانے سے بچا جو ناصر الدین اللہ نے حرم پاک کے ذخیروں کو محفوظ کرنے کے لیے بنایا تھا۔
مؤرخین لکھتے ہیں: "مسجد نبوی کے ستون اسی طرح کھڑے رہے گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہوں جب ہوا چلتی تھی وہ مائل ہو جاتے تھے۔ بعض ستونوں سے سیسہ پگھل گیا تھا وہ گر پڑے تھے حجرہ مقدسہ کے اوپر جو چھت تھا وہ حضور اکرم ﷺ کے روضہ انور کی چھت پر گر پڑا۔ یہ دونوں چھت نیچے گر پڑے۔

جمعۃ المبارک کی صبح کو لوگوں نے نماز کے لیے الگ جگہ بنالی۔ انہوں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو خط لکھا۔ ایام حج میں عراق کے کارواں کے ساتھ کاری گروں کے ہمراہ آلات پہنچ گئے ۶۵۵ھ کی ابتداء میں کام شروع ہوا۔ انہوں نے وہ چھت ہٹانے کی کوشش کی جو مبارک قبور پر گرا تھا۔ مگر وہ یوں نہ کر سکے امیر مدینہ منیف بن شیحہ اور دیگر اکابرین کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ مستعصم باللہ کو اطلاع دی جائے اور وہ مناسب کارروائی کرے۔ انہوں نے ایک خط بھیجا۔ لیکن خلیفہ اور اس کے گورز فتنہ تاتار کو کچلنے میں مصروف تھے۔ ملبہ وہاں ہی پڑا رہا۔ کوئی وہاں نہ پہنچا۔ یہ عظیم اور جلیل کام کرنے کی جرأت کسی کو نہ ہوگی۔ اس کام کے آغاز کی جسارت کوئی نہ کر سکا جس سے قدم لرز جاتے تھے۔ یمن کے بادشاہ مظفر شمس الدین یوسف بن منصور کو یہ توفیق نصیب ہوئی پھر صاحب مصر کو معزول کر دیا گیا۔ اس نے اس کی جگہ اپنے باپ کے غلام مظفر سیف الدین قطز معزی کا تقرر کیا۔ اس کا حقیقی نام محمود بن ممدود تھا۔ اس کی ماں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی بہن تھی۔ اس کا چچازاد اس کا باپ تھا۔ تتار کے غلبہ کے وقت کو اسیر بنا دیا گیا تھا۔ اسے دمشق میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ پھر اسے فروخت کرنے کے لیے مصر میں پیش کیا گیا۔ اس نے ۱۰ ذی القعدہ ۶۵۷ھ رمضان المبارک میں اقتدار سنبھالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اسلام کو عزت دی یہ عین جالوت میں گر پڑا اس واقعہ کے ایک ماہ بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ اس وقت وہ قاہرہ میں داخل ہو رہا تھا۔

اس سال مسجد نبوی کو باب السلام سے باب الرحمۃ تک تعمیر کیا گیا اور باب جبرائیل سے باب النساء تک تعمیر کیا گیا۔
اسی سال کے آخر میں ملک الظاہر رکن الدین بیبرس البندقداری مصر کا والی بنا۔ اس نے مسجد نبوی کا خصوصی انتظام کیا اس نے لکڑیوں، لوہا اور سیسہ کا خصوصی اہتمام کیا۔ اس نے ۵۳ کاری گروں کا اہتمام کیا۔ ان کے خرچہ کی کفالت کی اس کے سفر سے قبل ان پر خرچہ کیا۔ ان کے ہمراہ امیر جمال الدین محسن الصالحی وغیرہ کو بھیجا۔ پھر آلات اور اخراجات کے ساتھ ان کی مدد کی۔
اس کے عہد میں مسجد نبوی کے بقیہ چھت کا کام مکمل ہوا۔ جیسے کہ یہ جلنے سے قبل چھت کے اوپر چھت تھا۔ البتہ شمالی چھت کو ایک چھت بنا دیا گیا۔ پھر مسجد نبوی اسی حالت پر رہی۔ حتیٰ کہ مشرقی اور مغربی چھتوں کو از سر نو ڈالا گیا۔ جو مسجد کے صحن سے دائیں اور بائیں طرف تھے۔ یہ کام ۶۵ ۷ھ میں ہوا۔ یہ بادشاہ ناصر محمد بن قلاوون الصالحی کے دور کی ابتداء تھی۔ اس کا چھت

شمالی چھت کی طرح ایک ہی بنا دیا گیا۔ پھر ۷۲۹ ھ میں بادشاہ ناصر محمد نے قبلہ کی طرف چھت میں سائبانوں کا اضافہ کیا۔ جو اس کے آخری حصہ کے ساتھ متصل تھے۔ اس سے دیوار کی طوالت میں اضافہ ہو گیا۔ اور ان کا فائدہ بڑھ گیا۔ پھر ان سائبانوں میں خلل واقع ہو گیا۔ پھر بادشاہ برسبای نے ۸۳۱ ھ نے قبرص کے مال سے ان کو از سرے نو بنا دیا۔

اس طرح اس بادشاہ نے اس شامی چھت کی بھی تجدید کی جو نجاریہ مینار کے ساتھ متصل تھا۔ بادشاہ جقمق کے زمانہ میں روضہ مبارکہ کے چھت میں خلل آ گیا۔ اس نے اسے ۸۵۳ ھ میں نئے سرے سے تعمیر کیا۔ پھر سلطان قایتبائی نے مسجد کے چھت کے اکثر حصہ کی تعمیر کی۔ پھر ۸۸۶ ھ رمضان المبارک کی تیئسویں رات کو رات کے آخری ثلث میں مسجد نبوی کو آگ لگ گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رئیس المؤذنین وصدر المدرسین شمس الدین محمد بن خطیب تہلیل کے لیے منارہ شرقیہ یمانیہ پر چڑھے یہ "الرئیسیہ" کے نام سے معروف تھا۔ دیگر مؤذنین دوسرے مناروں پر چڑھ گئے۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ سخت کڑک پیدا ہوئی بجلی گری۔ اس کا بعض حصہ مذکورہ منارہ کے ہلال پر گرا۔ مسجد کے مشرقی حصہ میں آگ کا انگارہ گرا۔ مینار کی چوٹی پھٹ گئی۔ رئیس صاحب کا اسی وقت وصال ہو گیا۔ مسجد کے منارہ رئیسہ اور حجرہ مبارکہ کے اوپر بجلی گری۔ اس پر اس طرح سوراخ ہو گیا جیسے ڈھال ہوتی ہے۔ مسجد نبوی میں آگ لگ گئی۔ مسجد کے دروازے کھول دیے گئے۔ اعلان کر دیا گیا کہ مسجد میں آگ لگ گئی ہے۔ امیر مدینہ قسطل بن زهیر اور اہل مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔ امدادی ٹیم پانی لے کر آگ بجھانے چلی گئی۔ آگ دونوں چھتوں کو لگ گئی۔ یہ شمال اور مغرب کی طرف پھیلتی چلی گئی۔ لوگ اسے بجھانے سے عاجز آ گئے۔ قریب تھا کہ آگ انہیں بھی لپیٹ لیتی۔ یہ بھاگ گئے۔ بعض لوگ نیچے گر پڑے وہ ہلاک ہو گئے۔ بعض کو نجات مل گئی۔ آگ ان کے اور مسجد کے ان دروازوں کے مابین حائل ہو گئی۔ جو صحن میں تھے۔ تقریباً دس افراد شہید ہو گئے۔ آگ بہت زیادہ پھیل گئی۔ وہ آگ سمندر کی طرح لگتی تھی۔ اس کی چیخ و چنگھاڑ تھی۔ شعلے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ محلات کی مانند بڑے بڑے شرارے پھینک رہی تھی۔ قریبی مکانات گر پڑے۔ لیکن آگ کم نہ ہو رہی تھی۔ بعض کتب، صحف اور صندوق نکال لیے گئے۔ یہ تقریباً دس صندوق تھے۔ جنہیں شرارے پہنچے اور یہ بھی جل گئے۔ امیر مدینہ قسطل حجازی کو بتایا گیا کہ اہل عرب میں سے ایک سچے شخص نے اس واقعہ کے ایک رات قبل خواب میں دیکھا کہ آسمان پر بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پھر عظیم آگ ان کے تعاقب میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے آگ پکڑی۔ فرمایا: "میں نے اسے اپنی امت سے روک دیا ہے۔"

السید نے لکھا ہے" مجھے ایک جماعت نے بتایا ہے کہ انہوں نے سفید پرندوں کی شکلیں دیکھیں جو آگ کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ گویا کہ وہ انہیں پڑوسیوں کے گھروں سے روک رہے تھے۔ بہت سے لوگ اس آگ کے انگارے دیکھ کر ہی بھاگ گئے تھے۔ پھر لوگ اس کا خوف دیکھ کر مدینہ طیبہ کے دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ ان

کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ دوسرے دن آگ بجھ گئی۔ لوگوں نے سلطان قایتبای کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ حجرہ مقدسہ اور اس محکم عمارت کو بنایا جو آج تک قائم ہے۔

تنبیہات

1. ان دو یتیموں کے باپ کے نام میں اختلاف ہے مسجد کی زمین جن کی ملکیت میں تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ یہ رافع بن عمرو کے بیٹے تھے۔ امام زھری اور ابن اسحاق نے انہیں عمرو کے فرزند لکھا ہے۔ العیون میں ہے: "یہ امر زیادہ مشہور ہے۔" امام سہیلی نے ان دونوں اقوال میں تطبیق قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں رافع بن عمرو کے فرزند تھے۔ ان کو دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ امام زھری اور امام ابن اسحاق کا قول ارجح ہے۔

2. ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ ابوذر الہروی نے لکھا ہے کہ وہ اسعد بن زرارۃ کی کفالت میں تھے۔ الحافظ اور السید نے لکھا ہے "یہ وجہ ہے" ابن زبالہ اور یحییٰ نے لکھا ہے کہ وہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ بعض علماء نے ان اقوال میں اس طرح تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان سب نے ان کی کفالت کی تھی۔ حضرت اسعد بن زرارۃ کے وصال کے بعد یہ مختلف صحابہ کرام کی کفالت میں رہے۔ بعض اہلِ علم نے ابن ابی فدیک سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے بعض اہلِ علم سے سنا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل ہی حضرت اسعد کا وصال ہو گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قطعۂ زمین سہل اور سہیل سے خرید لیا۔

3. صحیح میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی جگہ کے بارے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا۔ انہیں کہا: "اے بنو نجار! اپنا یہ قطعۂ زمین مجھے فروخت کر دو۔" انہوں نے کہا: "ہم اس کی قیمت صرف رب تعالیٰ سے مانگیں گے۔" دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے دونوں بچوں کو بلایا۔ ان سے اس جگہ کا سودا کیا تا کہ اس جگہ مسجد تعمیر کریں۔ ابن عیینہ کی روایت میں ہے: "آپ نے ان کے چچا سے بات کی جو ان کا کفیل تھا کہ وہ یہ جگہ فروخت کرے۔" اس نے پوچھا "آپ اسے کیا کریں گے؟" اس کے لیے چارہ کار نہ رہا سوائے اس کے کہ وہ ان کے ساتھ سچ بولے۔ اس نے انہیں بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خریدنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے کہا: "ہم آپ کو پیش کرتے ہیں۔" انہوں نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہاں مسجد تعمیر کی۔ (جندی)

ابن زبالہ اور یحییٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں راضی کرلوں گا۔" ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت اسعد نے انہیں اس زمین کے عوض کھجوریں دے دیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ زمین خرید لی تھی۔ الحافظ نے ان اقوال کو یوں جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب بنونجار نے کہا: "ہم اس کا عوض صرف رب تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔" تو آپ نے اس کے مخصوص مالک کے بارے پوچھا۔ صحابہ کرام نے دو یتیموں کا نام لیا۔ آپ نے ان سے یا ان کے سرپرست سے وہ جگہ خرید لی۔ اس وقت اس قول "ہم اس کا عوض صرف رب تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔" کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ وہ ان دو یتیموں سے خرید لیں گے۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت اسعد نے ان یتیموں کو اپنے باغ کی کھجوریں دیں تھیں۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت ابوایوب نے کہا تھا: "میں انہیں راضی کرلوں گا۔" انہوں نے انہیں راضی کرلیا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن عفراء نے بھی کہا تھا۔ یہ معاملہ خریدنے کے بعد ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سارے امور حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے طے کیے ہوں۔ حضرت ابوایوب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے ان یتیموں کو کسی چیز کے ساتھ راضی کیا ہو۔ لہٰذا ان سب کی طرف سے منسوب کر دیا گیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ان یتیموں نے عوض لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسے ابتدائی امر پر محمول کیا جائے گا۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ آپ نے بنوعفراء سے دس دیناروں کے عوض اسے خرید لیا تھا۔ یہ دینار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش کیے تھے۔ شاید انہوں نے بھلائی میں رغبت رکھی اور اس رقم کے ساتھ یہ دینار بھی دے دیے۔ یا شاید آپ نے پہلے اس زمین کا کچھ حصہ خریدا ہو تا کہ ابتداء میں مسجد تعمیر کریں۔ پھر دوسرا حصہ بھی خرید لیا ہو۔ کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ نے دو بار مسجد نبوی تعمیر کی تھی۔ اس میں اضافہ کیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادائیگی کی ہو اور دوسری بار دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اموال سے۔

السید نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تمہیں باغی گروہ شہید کرے گا۔" یہ دوسری بار تعمیر کے وقت فرمایا تھا۔ امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت ابوعبدالرحمان سلمی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اپنے والد گرامی سے کہا: "ہم نے اس شخص کو شہید کر دیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے فرمایا تھا جو فرمایا تھا۔" انہوں نے پوچھا: "کون سا شخص؟" انہوں نے کہا: "حضرت عمار بن یاسر۔" کیا آپ کو وہ دن یاد نہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی تعمیر کی تھی۔ ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: "تم دو دو اینٹیں اٹھا

رہے ہو حالانکہ تمہیں رخصت ہے۔ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم جنتی ہو۔" حضرت عمرو حضرت معاویہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: "ہم اس شخص کو قتل کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے وہ فرمایا ہے جو فرمایا ہے۔" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "خاموش ہو جاؤ۔ تم اپنے معاملہ کو خود خراب کر رہے ہو کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے انہیں تو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے شہید کیا ہے جو انہیں لے کر آئے اور انہیں ہمارے سامنے پھینک دیا۔" سمہودی نے لکھا ہے "اس امر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نے حضرت عمار کے بارے یوں اس وقت فرمایا تھا جب دوسری بار مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ کیونکہ حضرت عمرو نے ہجرت کے پانچویں سال اسلام قبول کیا تھا۔"

❁❁❁❁

تیسرا باب

حجرات مقدسہ کی تعمیر

''الروض الانف'' میں ہے کہ حجرات مقدسہ کی تعداد نو تھی۔ ان میں سے بعض کھجور کی شاخوں سے تعمیر کیے گئے تھے۔ جن پر مٹی سے لیپ کر دیا گیا تھا۔ ان کا چھت کھجور کی شاخوں کا تھا۔ بعض کی دیواریں پتھروں کی تھیں جنہیں ایک دوسرے کے اوپر جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ ان کا چھت بھی کھجور کی شاخوں کا تھا۔

الحافظ ذہبی نے بلبل الروض میں لکھا ہے ''ہم تک یہ روایت نہیں پہنچی کہ آپ کے لیے نو حجرات مقدسہ بنائے گئے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی تعمیر ہوگئی۔ میرا گمان نہیں کہ آپ نے یوں کہا ہو۔ آپ نے پہلے صرف ایک حجرہ مقدسہ بنایا۔ جو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے تھا۔ آپ کو دوسرے حجرے کی ضرورت نہ تھی حتیٰ کہ ہجرت کے دوسرے سال شوال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کاشانہ نبوی میں آگئیں۔ آپ نے مختلف اوقات میں ان حجرات کو تعمیر کیا تھا۔

دوسرے باب میں گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنی دو ازواجِ مطہرات حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے حجرات تعمیر کیے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہو چکا تھا۔ اگرچہ رخصتی بعد میں ہوئی تھی۔ پھر ضرورت کے وقت دوسرے حجرات بنائے گئے۔

محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے ارد گرد حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے۔ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی زوجہ محترمہ سے نکاح فرماتے۔ حضرت حارثہ ان کے لیے ایک کمرہ خالی کر دیتے۔ حتیٰ کہ ان کے سارے مکانات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہو گئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن یزید الہدیٰ نے ہمیں روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حجرات مقدسہ کی اس وقت زیارت کی۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے انہیں گرایا۔ یہ اینٹوں سے بنائے گئے حجرات تھے۔ ان کی چھتیں کھجور کی شاخوں کی تھیں جن پر مٹی کا لیپ کیا گیا تھا۔ میں نے انہیں شمار کیا یہ تعداد میں نو تھے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ سے لے کر جو باب النبی کے ساتھ متصل تھا۔ حضرت اسماء بنت حسن کے گھر تک تھے۔

میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کی زیارت کی۔ ان کا حجرہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ میں نے ان کے پوتے سے پوچھا۔ انہوں نے کہا: ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے لیے دومۃ الجندل تشریف لے گئے۔ تو حضرت ام سلمہ نے اپنا حجرہ اینٹوں سے بنایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اینٹیں دیکھیں۔ آپ سب سے پہلے انہی کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کیسی عمارت ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ارادۃً کیا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں رک جائیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ام سلمہ! وہ سب سے برا عمل جس میں مسلمان کا مال ضائع ہوتا ہے وہ تعمیر ہے۔''

محمد بن عمر نے لکھا ہے ''میں نے یہ روایت حضرت معاذ بن محمد انصاری کو سنائی۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت عطاء خراسانی کو اس محفل میں سنا جس میں حضرت عمران بن ابی انس تھے۔ یہ محفل قبر انور اور منبر مبارک کے مابین لگی تھی۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حجرات مقدسہ کی زیارت کی ہے۔ ان کی دیواریں کھجور کی شاخوں کی تھیں۔ دروازوں پر کالے بالوں سے بنے ہوئے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ اسی دوران ولید بن عبدالملک کا خط آیا۔ وہ پڑھ کر سنایا گیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم حجرات مقدسہ کو گرادیں۔ میں نے اس دن سے زیادہ لوگوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

عطاء نے کہا: ''میں نے اس روز حضرت سعید بن مسیب کو فرماتے سنا۔ انہوں نے فرمایا: ''بخدا! یہ بات از حد پسند تھی کہ حجرات مقدسہ کو ان کی حالت پر رکھا جاتا تاکہ مدینہ طیبہ کا ہر پروان چڑھنے والا بچہ اور آفاق سے آنے والا شخص دیکھتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کس چیز پر اکتفاء کیا تھا۔ یہ امر لوگوں کے فخر کرنے اور زیادہ مال ومتاع جمع کرنے میں زہد پیدا کرتا۔''

حضرت معاذ نے فرمایا: ''جب حضرت عطاء خراسانی اپنی بات سے فارغ ہوئے تو حضرت عمران بن ابی انس نے کہا: ''ان میں سے چار حجرات اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے بعض کمرے کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ پانچ حجرات کھجوروں کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے کمرے نہ تھے۔ ان کے دروازوں پر بالوں کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ میں نے پردہ کی پیمائش کی وہ تین ذراع طویل اور ایک ذراع عریض تھے یہ ذراع بڑے تھے یا بڑے سے قدرے کم تھے۔ اس روز جو رونے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد پاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں حضرات ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف، ابوامامۃ بن سہل بن حنیف اور حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ زاروزار رونے لگے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ اس روز حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کاش ان حجرات مقدسہ کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا انہیں گرایا نہ جاتا۔

لوگ وہ دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا پسند کیا تھا۔ حالانکہ خزانوں کی چابیاں آپ کے

دست اقدس میں تھیں۔" ابن سعد، امام بخاری نے ادب میں، ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی نے الشعب نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں قریب البلوغ تھا۔ میں حجرات مقدسہ میں داخل ہوتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ میں اپنے ہاتھ سے ان کا چھت چھولیتا تھا۔"

امام بخاری نے ادب میں، ابن ابی الدنیا، امام بیہقی نے حضرت داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "میں نے حجرات مقدسہ کی زیارت کی وہ کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے سامنے بالوں کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ میرا گمان ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے لے کر کمرہ کے دروازہ تک چھ یا سات ذراع کا فاصلہ تھا۔ کمرہ کا اندر کا حصہ تقریباً دس ذراع تھا۔ جبکہ ان کی اونچائی سات یا آٹھ ذراع تھی۔

محمد بن حسن المخزومی نے محمد بن ہلال سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حجرات مقدسہ کی زیارت کی۔ وہ کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے۔ ان کے سامنے بالوں کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ وہ قبلہ، مشرق اور شام کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مسجد کی مغرب کی طرف کوئی حجرہ نہ تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کا دروازہ شام کی طرف تھا۔ اس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ جو عرعر یا ساج کا تھا۔"

ابن مندہ نے بشر بن صحار عبدی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حجرات میں داخل ہوا۔ میں ان کا چھت چھو سکتا تھا۔" ابن سعد نے حضرت عمرو بن دینار، حضرت عبید اللہ بن ابی مرثد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "آپ کے کاشانۂ اقدس کے ارد گرد دیوار نہ تھی۔ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے ارد گرد دیوار بنائی۔ حضرت عبید اللہ نے فرمایا: "پہلے یہ دیوار چھوٹی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بڑی دیوار تعمیر کی۔"

تنبیہ

امام بخاری نے تاریخ میں اور ادب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے امام بخاری نے المدخل میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام حجرات مقدسہ کے دروازوں پر از روئے ادب اپنے ناخون سے دستک دیتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دروازوں کے ارد گرد چوکھٹ نہ تھی۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ پہلا قول درست ہے۔

❁❁❁❁

چوتھا باب

آذان کی ابتداء

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر سے، ابن اسحاق، ابن راھویہ اور امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ محمد بن عبداللہ سے، امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک سے، ابن راھویہ نے امام شعبی سے مرسل، امام عبدالرزاق اور ابوداؤد نے حضرت عبید بن عمیر سے، ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابوشیخ، دارقطنی، بیہقی اور امام طحاوی نے حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابتداء میں صحابہ کرام نماز کے وقت بلائے بغیر ہی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے تھے۔ جب صحابہ کرام کی تعداد زیادہ ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے اہتمام فرمایا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے؟ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی۔ بعض نے کہا کہ نماز کے وقت جھنڈا گاڑھا جائے جسے دیکھ کر صحابہ کرام ایک دوسرے کو نماز کے وقت کے بارے بتائیں۔ بعض نے اس وقت بگل بجانے کا مشورہ دیا۔ جیسے کہ یہودی نماز کے وقت بگل بجاتے ہیں۔ آپ نے یہ مشورہ پسند نہ فرمایا۔ بعض نے ناقوس پھونکنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''عیسائیوں کا طریقہ ہے۔'' بعض نے وقت نماز آگ روشن کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔''

شیخین نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیا ہم وقت نماز ایک شخص کو نہ بھیجیں جو نماز کے لیے اعلان کرے۔'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے ندا لگاؤ۔'' حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس مشاورت میں موجود تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے اس اضطراب کی وجہ سے بے چین تھے۔ انہیں خواب میں آذان سکھائی گئی۔ انہوں نے کہا: ''میرے پاس سے ایک شخص گزرا۔ اس نے سبز کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ میں نے اسے کہا: ''اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا تو یہ ناقوس بیچے گا۔'' اس نے پوچھا: ''تم اس کے ساتھ کیا کرو گے؟'' میں نے کہا: ''ہم اس کے ذریعے نماز کے لیے بلائیں گے۔'' اس نے کہا: ''کیا میں تمہاری راہ نمائی اس چیز کی

طرف نہ کروں جو اس سے بہتر ہو۔ میں نے کہا: "ضرور! اس نے کہا: "اس طرح کہو" اللہ اکبر! اللہ اکبر! امام شعبی کی روایت میں ہے" بارگاہ رسالت مآب میں جاؤ اور آپ کو یوں کہنے کے لیے عرض کرو: "اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح، حیّ علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔"

ابن راھویہ کی روایت میں ہے کہ وہ شخص دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ مسجد میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے آذان دی۔ پھر وہ مجھ سے دور ہو گیا۔ پھر کہا: "نماز قائم ہونے لگے تو یوں کہو: "اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح، قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ، اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔"

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے آذان دی۔ پھر کچھ دیر بیٹھا پھر اسی طرح کہا مگر قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ کیا۔ وقتِ صبح میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اس خواب کے بارے بتایا۔ اگر لوگ کچھ نہ کہتے تو میں کہتا کہ میں عالم بیداری میں تھا سویا ہوا نہ تھا۔"

ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ رات کے وقت ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ ابن سعد نے ان سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ کسی چیز کے ساتھ صحابہ کرام کو نماز کے وقت جمع کیا جائے۔ آپ کی خدمت میں بگل کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ کی خدمت میں ناقوس کا تذکرہ کیا گیا آپ نے اسے بھی پسند کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں آذان سنی۔ اسی رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خواب دیکھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے وقت صبح بارگاہِ رسالت میں اس خواب کا تذکرہ کیا۔ حضرت عبداللہ رات کے وقت ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "یہ ایک سچا خواب ہے۔ ان شاء اللہ!" دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھلائی دکھائی ہے۔ اٹھو اور وہ کلمات حضرت بلال کو سکھا دو جو تم نے خواب میں سنے ہیں۔" دوسری روایت میں ہے "حضرت بلال کو میرا حکم دو کہ وہ آذان دیں ان کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہے۔" میں حضرت بلال کے ساتھ اٹھا۔ میں نے وہ کلمات سکھائے جو خواب میں سنے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آذان سن لی۔ وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے وہ کہہ رہے تھے" یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس نے آپ

کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے جس طرح کا خواب انہوں نے دیکھا ہے۔"

حضرت ابو عمیر بن انس کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا۔ اسے بیس دن کے لیے چھپائے رکھا۔ حضرت عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ اسی اثناء میں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ناقوس کے لیے دو لکڑیاں خریدنا چاہتے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا۔ انہیں کہا گیا: "ناقوس نہ بناؤ بلکہ آذان دیا کرو۔" حضرت عمر گئے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں۔ اس سے قبل وحی آچکی تھی۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آذان دیتے سنا۔ حضرت عبداللہ بن زید نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: "تمہیں کس چیز نے روکا تھا کہ تم مجھے بتاتے۔"

انہوں نے عرض کی: "حضرت عبداللہ بن زید مجھ سے سبقت لے گئے تھے۔ مجھے حیاء آئی۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہ ثابت ہو گیا ہے۔"

امام زھری، نافع بن جبیر اور ابن مسیب رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ "الصلاۃ جامعۃ" کے الفاظ اس وقت بولے جاتے تھے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تھا۔ صحابہ کرام حاضر ہوتے تھے اور آپ انہیں اس سے آگاہ فرما دیتے تھے۔ اگرچہ نماز کا وقت نہ بھی ہوتا۔" ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

احمد اللہ ذا الجلال والاکرام حمدًا علی الاذان کثیرا

اذ اتانی بہ البشیر من اللہ فاکرم بہ لدیّ بشیرًا

فی لیال والی بھن ثلاث کلما جاء زادنی توقیرا

ترجمہ: "میں آذان پر رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جو ذوالجلال والاکرام ہے۔ جب رب تعالیٰ کی طرف سے بشارت دینے والا میرے پاس آیا۔ اس سے وہ بشارت دینے والا میرے نزدیک معزز بن گیا۔ وہ لگاتار تین راتیں میرے پاس آتا رہا۔ وہ جب بھی میرے پاس آیا اس کی عزت میں اضافہ ہو گیا۔"

ابن کثیر نے لکھا ہے "یہ عجیب وغریب اشعار ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ حضرت عبداللہ نے لگاتار تین ایام تک یہی خواب دیکھا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی سند منقطع ہے۔ ابو بکر الحکمی مجہول راوی ہے۔

امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ایک یہودی تاجر تھا۔ جب اس نے مؤذن کو آذان دیتے سنا۔ اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جلا دے۔" وہ اسی طرح تھا کہ ایک لونڈی آگ لے کر اس کے پاس سے گزری۔ ایک شرارہ اس پر گرا۔ اس نے اسے جلا کر خاکستر بنا دیا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ نے حضرت سدی سے روایت کیا ہے کہ ایک عیسائی شخص تھا وہ جب بھی مؤذن کے یہ کلمات سنتا۔ اشھد ان محمد رسول الله۔ وہ کہتا: ''اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جلادے۔ ایک رات ایک خادمہ اس کے پاس آگ لے کر آئی۔ وہ اور اس کے اہلِ خانہ سوئے ہوئے تھے۔ اس آگ سے اس کا گھر، وہ شخص اور اس کے اہلِ خانہ جل گئے۔'' امام مسلم نے حضرت سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''مجھے میرے والد گرامی نے بن حارثہ کی طرف بھیجا۔ میرے ہمراہ ہمارا غلام تھا۔ کسی نے دیوار سے اسے اس کے نام سے پکارا۔ اس نے دیوار کی طرف دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے اس کا تذکرہ والد گرامی سے کیا۔ انہوں نے کہا: ''اگر مجھے علم ہوتا کہ تجھے اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو میں تجھے کبھی نہ بھیجتا۔ لیکن اگر ایسی آواز سنو تو آذان دیا کرو۔ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پاک بیان کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے آذان دی جاتی ہے جو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔''

امام بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جب تمہیں شیطان گمراہ کرنے لگے تو آذان دیا کرو۔ پھر وہ نقصان نہیں دے سکے گا۔'' امام بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ راستہ میں اسے جن کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے حضرت سعد کو بتایا۔ انہوں نے فرمایا: ''ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ جب ہمیں شیطان گمراہ کرنے لگے تو ہم آذان دیں۔'' جب وہ شخص واپس آنے لگا تو شیطان اس کے ساتھ ساتھ کچھ دیر کے لیے چلا۔ اس نے آذان دی وہ شیطان بھاگ گیا۔ جب وہ شخص پرسکون ہو گیا تو وہ دوبارہ آ گیا اس نے آذان دی تو وہ چلا گیا۔

تنبیہات

1. لغت میں آذان کا معنی آگاہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ۔ (التوبۃ: ۳)

ترجمہ: ''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔''

یہ الاذن سے مشتق ہے جس کا معنی غور سے سننا اور دھیان دینا ہے۔ شرعاً اس کا معنی ہے فرض نماز کے وقت مخصوص الفاظ کے ساتھ اعلان کرنا۔

❷ آذان کے بعض اسرار

حضرت قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ آذان ایک ایسا کلمہ ہے جو ایمان کے عقیدہ کو جامع ہے۔ یہ عقلیات اور سمعیات دونوں انواع پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتداء ذات حق کو ثابت کرتی ہے۔ ان صفات کو ثابت کرتی ہے جو اس کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی اضداد سے تنزیہ ثابت کرتی ہے۔ وہ یہ قول ہے۔ ''اللہ اکبر'' یہ لفظ اپنے اختصار کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتا ہے جس کا تذکرہ ہم نے کر دیا ہے۔ پھر وحدانیت کے اثبات کی صراحت کی۔ اس شرک کی نفی کی جو اس کے حق میں محال ہے۔ یہ ایمان اور توحید کی بنیاد ہے یہ دین کے سارے وظائف سے مقدم ہے۔ پھر نبوت کے اثبات کی صراحت کی۔ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ وحدانیت کی گواہی کے بعد یہ بہت بڑا ستون ہے۔ اس کی جگہ توحید کے بعد ہے کیونکہ اس کا تعلق ان افعال کے ساتھ ہے جن کا وقوع جائز ہے۔ ان مقدمات کا تعلق واجبات کے باب سے ہے۔ ان بنیادوں کے بعد عقائد عقلیات مکمل ہو گئے۔ جو رب تعالیٰ کے حق میں واجب محال اور جائز ہیں پھر مؤذن مسلمانوں کو ان عبادات کی دعوت دیتا ہے جن کی طرف رب تعالیٰ نے بلایا ہے وہ انہیں نماز کی طرف بلاتا ہے۔ اسے نبوت کے اثبات کے بعد رکھتا ہے کیونکہ اس کے وجوب کی معرفت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہوئی۔

عقل کے اعتبار سے نہیں ہوئی۔ پھر وہ فلاح کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس سے مراد کامیابی اور دائمی نعمتوں میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس میں امور آخرت مثلاً مر کر جی اٹھنے اور جزاء کی طرف بھی اشارہ ہے۔ عقائد اسلام کے یہ آخری ترجمان ہیں۔ پھر وہ قیام نماز کے لیے دو بار تذکرہ کرتا ہے تاکہ اس کی مشروعیت کا اعلان ہو سکے۔ یہ ایمان کی تاکید کو متضمن ہے۔ اس تکرار سے مقصود یہ ہے کہ یہ عبادت دل اور زبان کے ساتھ ہو تاکہ نمازی اس میں اپنے معاملہ کی گواہی پر اور اپنے ایمان کی بصیرت پر داخل ہو۔ اسے احساس ہو سکے کہ وہ کس عظیم عبادت کا آغاز کر رہا ہے۔ وہ جس ہستی کی عبادت کرنے لگا ہے وہ کتنی عظیم ہے۔ اس عبادت کا ثواب کتنا بڑا ہے۔'' قاضی علیہ الرحمۃ کا کلام ختم ہوا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ عبارت جلیل نفیس امور میں سے ہے۔''

میں کہتا ہوں ''امام حافظ برہان الدین البقاعی نے آذان کے اسرار میں ایک لطیف کتاب تحریر کی ہے۔ انہوں نے اس کا نام ''الایذان بفتح اسرار التشهد والأذان'' لکھا ہے۔ میں اس جگہ اس کا تذکرہ کرنے لگا ہوں۔ یہ عبارت بہت نفیس ہے۔ آذان اور تشہد کی بعض روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔'' آذان کا مقصود نماز کے اوقات کے

بارے بتانا ہے۔ یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ دین کا غلبہ ہو چکا ہے اس کا جھنڈا کونین میں لہرا رہا ہے۔ یہ مشہور ہو چکا ہے۔ یہ آفاق میں پھیل چکا ہے۔ یہ غالب آچکا ہے۔ جابر بادشاہ ذلیل ہو چکے ہیں یہ اس امر کا اعلان ہے کہ دین محمدی ہی دین اسلام ہے۔ رب تعالیٰ اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کرتا۔ یہ سارے ادیان پر غالب آچکا ہے۔ سارے مخالفین مغلوب ہو چکے ہیں اس کے جھنڈے رفعتوں پر لہرا رہے ہیں۔ پہلے وہ مخفی تھے۔ اس کے جھنڈوں کی علامات پھیل چکی ہیں حالانکہ پہلے وہ مخفی تھیں۔ اہلِ باطل مٹ چکے ہیں۔ کئی صدیوں سے شرک کا غلبہ تھا۔ باطل پر عمل ہو رہا تھا۔ وہی مشہور تھا مناسب یہی ہے کہ اس کی اذان کی صراحت کی جائے۔ بآوازِ بلند اس کے نغمات آلاپے جائیں لوگ رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔ معبودانِ باطلہ کی پرستش کرتے تھے۔ ابتدائی امور کو ہی اس بات سے شروع کیا گیا کہ وہ اپنی کبریائی میں منفرد ہے۔ وہ رفعتوں میں واحد ہے۔ مؤذن آذان کی ابتداء ہی اسمِ اعظم سے کرتا ہے۔ جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو سارے کمالات کو جامع ہے۔ ''اللہ'' وہ عظیم مالک الملک جس کا کف نہ ہو جس کا شریک، مثال اور ضد نہ ہو۔ خبر کو نکرہ ذکر کیا گیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو سکے۔ یہ علی الاطلاق اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کی انفرادیت میں کوئی خفاء نہیں۔ پھر کہا ''اکبر'' متعلق کا تذکرہ نہ کیا تاکہ یہ اعلیٰ غایات اور بلند ترین نہایات پر دلالت کرے۔ کیونکہ ذہنوں میں شرک محکم ہو چکا تھا۔ اہلِ طغیان کا یہ وطیرہ بن چکا تھا حال کا تقاضا تھا کہ اس کو بار بار کہا جاتا۔ اسی لیے اقامت میں بھی یہ الفاظ دو بار ذکر کیے گئے۔

کیونکہ اذان کے سارے کلمات کا مدعا وقتِ نماز کا اعلان کرنا ہے۔ ان مقاصد کے ساتھ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے علاوہ سارے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں۔ مؤذن کسی حرفِ عطف کے بغیر تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے ''اللہ اکبر'' کل کائنات کا شدید تقاضا تھا۔ شرک کا زمانہ طویل ہونے کی وجہ سے تاکید کا تذکرہ نہیں کیا۔ موجودات کے کانوں کو لذت بخشتے ہوئے کہا کائنات کے جگر کی پیاس بجھاتے ہوئے کہا: ''اللہ اکبر'' جب ذہنوں میں یہ بات محکم ہو گئی۔ مکمل علم حاصل ہو گیا کہ توحید کا غلبہ ہو چکا ہے سارے ادیان مغلوب ہو چکے ہیں۔ ہر سامع اس کے مابعد کو سننے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس آذان کی ابتداء میں سارے لوگوں کے سامنے اس اعلان کو دہرایا: ''اللہ اکبر''

جب اس امر کا علم ہو گیا کہ یہ امر غیر متناہی ہے کوئی انتہاء نہیں جہاں اس کی حد کا اختتام ہو سکے۔ تو اس کے نتیجہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔ ہر سامع کو اس جواب کی تلقین کرتے ہوئے کہا: جو اس پر واجب تھا۔ بعض اسرار کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اس دین کی ابتداء میں اس کی جو حالت تھی اس کے بارے اعلان کرتے ہوئے کہا۔ اس تاکید کے حسن پر دلیل دیتے ہوئے کہا: ''اشھد'' یعنی میں قطعی طور پر جانتا ہوں میں اس شخص کی طرح دیکھ رہا ہوں۔ جو محسوس چیز کو دیکھتا ہے جو

بہت روشن ہو"لا الہ الا اللہ" کیونکہ یہ مقام تاکید کا شدید تقاضا کرتا تھا لہٰذا دوبارہ کہا: "اشھد ان لا الہ الا اللہ"
جب اس جگہ تاکید نے اپنا حصہ پالیا۔ اسے مزید ضرورت نہ رہی۔ لوگوں نے اسے قبول کرلیا تو وہ رسالت ثابت ہو گئی۔ جو اس دین حق کو لے کر آئی۔ اس کے ساتھ سرکشوں سے جہاد کیا۔ حتیٰ کہ انہیں اکیلے ہی ذلیل ورسواء کر دیا۔ نتائج مسلمہ کے طریقہ پر کہا "اشھد ان محمداً" آپ کا وہ اسم گرامی ذکر کیا جو آپ کے مشہور ترین اسماء میں سے ہے۔ سب سے پاکیزہ اور سب سے ظاہر ہے۔ "رسول اللہ" رسالت کا وصف ذکر کیا جو حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین واسطہ ہے۔ کیونکہ یہ مقام اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی پر منحصر ہے۔ پھر آپ کی تعظیم اور تمجید کے لیے اسے دوبارہ ذکر کیا۔ کہا: "اشھد ان محمدا رسول اللہ" جب تاکید پوری ہوگئی کیونکہ اس میں اسلام کے لیے شدائد اور مصائب تھے۔ اس کے بعد اس امر کا تذکرہ کیا حال جس کا تقاضا کرتا ہے۔ اسے بلند آواز سے ادا کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ دین حق کا ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ اس میں حقیقت شریعت کے مخالف نہیں ہے۔ خصوصاً شریعت کا نفاذ کرنے والا شریعت کے مطابق عمل پیرا ہے۔ اس کا ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ اس میں نفاق نہیں۔ کہا: اشھد ان لا الہ الا اللہ۔
جب ذہنوں میں اس اعلان کا راز محکم ہوگیا تو پھر اس کے بعد وہ شہادت دی حال جس کا تقاضا کرتا تھا۔ کہا: "اشھد ان محمدا رسول اللہ" پہلے کی طرح اسے مؤکد کیا۔ جب یہ ثابت ہوگیا۔ تباہ کن امور کے اندھیرے چھٹ گئے۔ شاہراہ ہدایت پر چلنا آسان ہوگیا۔ تو اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: جسے رسالت نے ترجیح دی۔ جیسے گمراہ کن شرک سے نجات، ٹیڑھی راہوں سے دوری۔ گمراہی کی وادیوں سے نجات حاصل کرتے ہوئے کہا: "حیّ علی" آؤ۔ جرأت کے ساتھ کسی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ "الصلاۃ" نماز کی طرف آؤ۔ یہ دین کی انتہاء ہے۔ اس کی شیرازہ بندی کو شامل ہے۔ اپنے ماننے والوں کو ممتاز کرتی ہے۔
جب اس حال کو دیکھنے والا اس انجام تک پہنچنے کے لیے عجیب دعویٰ کرتا ہے۔ مؤذن تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے "حیّ علی الصلوۃ" جب اس نے اتنا کہا تو اسے کہا گیا کیا اس کے علاوہ بھی کوئی عمل ہے تو اس نے کہا: "حیّ علی الفلاح" یہ ہر اس عمل کی طرف داعی ہے جو کامیابی اور کامرانی کو دامن میں ڈال دے۔ نماز کی طرف بلانے کو پوری تاکید کے ساتھ ادا کیا۔ حفاظ نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے یہ قول "حیّ علی خیر العمل" ثابت نہیں ہے جو صحیح میں ہے۔ وہ دو امور کی وجہ سے زیادہ بلیغ ہے۔ (۱) وہ سب بھلائیوں کو شامل ہے (۲) اسے اس لازم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو عمل پر مرتب ہونے والی انتہاء ہے۔ تاکہ اس میں شوق اور محبت پیدا ہو۔ اس کے بعد کہا: "حیّ علی

الفلاح" جب دشمن کو ذلیل کرے اور مغلوب کرنے کے ساتھ دبدبہ طوالت اختیار کر گیا جو طاقت کی بناء پر اعمال شریعۃ کی طرف توجہ نہ دینے کے موجب تھے۔ اس کلام کو مؤکد کیا گیا جو ہر قسم کی بھلائی کی طرف داعی تھا۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کلام اس امر کا مستحق ہے کہ اسے مؤکد کیا جائے اور اس کے آثار کی جلالت کے آثار کو جانا جائے۔ کہا: "حیّ علی الفلاح" اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ امر پر خطر ہے۔ یہ مشکل راہ ہے۔ اس کے لیے زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ تاکہ آخر میں روزِ حشر کو راحت نصیب ہو۔

جسے دعوت دی جا رہی ہے اگر وہ سویا ہوا ہو۔ نیند میں بھی بھلائی ہوتی ہے۔ کیونکہ یا تو اس کا مقصد بدن کا آرام پہنچانا ہوتا ہے تاکہ اطاعت پر قوی ہو سکے۔ تاکہ معصیت سے نجات مل سکے۔ رات کے آخری حصہ میں نیند زیادہ آتی ہے۔ صبح کی آذان کے ساتھ تثویب مختص ہے۔ صبح کی آذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا جاتا ہے۔ نماز سب سے بڑی فلاح ہے۔ آذان کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو بے چینی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے دوسری بار کہا: "الصلوٰۃ خیر من النوم" کیونکہ (عرب میں) صبح کی دو آذانیں ہوتی ہیں۔ تثویب عموماً پہلی آذان میں ہوتی ہے۔ یہ رات کے قیام کی طرف دعوت ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ آذان مشروع کی گئی۔ بعض روایات میں آپ نے اس راز سے یوں پردہ اٹھایا۔ "تاکہ تمہارا قیام کرنے والا لوٹ آئے اور تمہارا سونے والا جاگ پڑے۔"

یہ تثویب کبھی دوسری آذان میں ہوتی ہے۔ یہ صبح کی فرض نماز کی طرف دعوت ہوتی ہے۔ یہ اس کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس میں فرض کی ترغیب دی جاتی ہے۔ داعی اصرار کے ساتھ اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہ وہ واجب ہے کہ جس نے اس میں کوتاہی کی اسے سزا دی جاتی ہے۔ جو اس کی حدود کو تجاوز کرتا ہے اسے ملامت کی جاتی ہے۔ اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ جب دین حق مکمل ہو گیا۔ یہ اصل، فرع، قول، نیت اور عمل کے اعتبار سے مکمل ہو گیا تو مؤذن اس کی طرف ترغیب و ترہیب کے ساتھ دعوت دیتا ہے۔ وہ اس امر کے ساتھ یاد کراتا ہے۔ جس سے آغاز ہوا۔ تاکہ رب تعالیٰ کی اس عظمت کا اظہار ہو سکے جس کے ساتھ اس نے دین کو غالب کیا۔ سرکشوں کو ذلیل کیا۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ "اللہ اکبر" پھر اس کی شدید ضرورت کے لیے اسے ترغیب و ترہیب کے ساتھ مؤکد کیا۔ کہا "اللہ اکبر" جب امر مکمل ہو گیا۔ شوق کو جلا ملی تو اس جگہ چار بار تکبیر کہنے کی ضرورت نہ رہی جیسے کہ پہلے تھا۔ توحید پر آذان کا اختتام ہوا تاکہ علم ہو سکے کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف وہ چیز قبول ہو سکتی ہے جو از ابتداء تا انتہا توحید کے ساتھ متصل ہو۔ کہا: "لا الٰہ الا اللہ" جب مؤذن اس حد تک پہنچ گیا جس کے بعد اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ تاکید کی ضرورت نہ تھی۔ نہ ہی لفظ شہادت کی

ضرورت تھی۔ تاکہ علم ہو سکے کہ اس کے بعد صرف تلوار ہے۔ اگر کسی نے اس میں توقف کیا یا سرکشی کی تو اس کا علاج صرف تلوار ہے۔ کیونکہ آذان کا مقصد صرف یہ اعلان کرنا ہے کہ اسلام سارے ادیان پر غالب آ گیا ہے۔ یہ کامیاب ہو چکا ہے۔ یہ پھیل چکا ہے۔ اس کا ستون محکم ہو چکا ہے۔ اس کے جنود اور مددگار غالب آ چکے ہیں بار بار اور تاکید کے ساتھ اسی کا تذکرہ ہوا۔ فقروں کے مابین حروف عاطفہ بھی ذکر نہ کیے گئے۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اس مقصد سے اسے آگے پیچھے کر سکے۔ یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کا ہر ہر جملہ اس مستقل علیحدہ رکن ہے۔ اور بار بار ذکر کر کے غلبہ کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ یہ آذان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حالت نیند اور عالم بیداری میں مشروع فرمایا ہے رات اور دن میں مشروع فرمایا ہے۔ اس پر اضافہ ممکن نہیں جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے: ''مولا! یہ ایک مکمل دعوت ہے جس نے اس میں ایک حرف کا بھی اضافہ کیا اس نے برا کام کیا ظلم وستم کیا۔''

اذان سننے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ انہی الفاظ کے ساتھ آذان کا جواب دے۔ تاکہ اس کے اعتقاد کا اعلان ہو سکے۔ اس کے مدعا کا یقین ہو سکے۔ "حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح" کا جواب لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے مدد طلب کر رہا ہے کہ ان عمدہ افعال کو ادا کرنے کی توفیق دے۔ یہ اس امر کا اعلان ہے کہ امور پر حقیقی قدرت رب تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اقامت میں یہ کلمات ایک ایک بار کہے جاتے ہیں۔ (احناف کے ہاں یہ کلمات اقامت میں بھی دو دو بار کہے جاتے ہیں)

کیونکہ جب آذان سے وحدانیت اور رسالت کا امر ثابت ہو گیا تو جسے دعوت دی تو وہ اس امر کو جان گیا۔ معاملہ تاکید سے مستغنی ہو گیا۔ اس نماز کے قیام کے اعلان کے علاوہ کسی امر کے اعلان کی ضرورت نہ رہی جس کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ اس کو اس کے وقت کا علم ہو سکے۔ تکبیر کو مؤکد ذکر کیا گیا تاکہ غافل اور سست شخص بھی قیام نماز کے لیے جلدی کرے۔''

◆ کس سال آذان کی ابتداء ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ پہلے سال اس کا آغاز ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ دوسرے سال اس کا آغاز ہوا۔

◆ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا تم کسی ایسے شخص کو نہیں بھیجتے جو نماز کا اعلان کرے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے صدا دو۔'' اس حدیث پاک کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں۔ ''نماز کی طرف یہ پکار اعلان کے علاوہ تھی۔ یہ اذان سے پہلے شروع تھی۔'' الحافظ نے لکھا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اشارہ کے ایک شخص بھیجا جائے جو نماز کا اعلان کرے۔ مشاورت کے بعد تھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسکے بعد خواب دیکھا تھا۔ جن الفاظ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ دعوت دیتے تھے وہ یہ تھے: "الصلوۃ جامعۃ" جسے ابن سعد اور سعید بن منصور نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کی ہے۔ قاضی ابوبکر العربی نے اس جگہ جوگفتگو کی ہے وہ لکھنے کے قابل نہیں ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پر طعن کیا ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ الحافظ نے تفصیل سے ان کا رد کیا ہے۔

5. الطبرانی نے لکھا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آذان کو خواب میں دیکھا تھا۔ لیکن اس روایت کی سند صحیح نہیں۔ امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے کہ یہ خواب دس سے زائد افراد نے دیکھا تھا۔ الجیلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے کہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خواب دیکھا تھا۔ لیکن ابن الصلاح نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے "میں نے یہ روایت بہت تلاش کی ہے لیکن مجھے ملی نہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں صرف یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے تھے۔ مغلطای نے فقہ کی بعض کتب سے لکھا ہے کہ انصار کے سترہ افراد نے یہ خواب دیکھا تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ حق مؤقف یہ ہے کہ اس میں صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی ثابت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قصہ بعض اسناد سے روایت ہے۔

الحافظ ابن ابی اسامۃ نے کثیر بن مرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سب سے پہلے حضرت جبرائیل نے آسمان پر آذان دی۔ اسے حضرات عمر فاروق اور بلال رضی اللہ عنہما سے سنا۔ حضرت عمر، حضرت بلال سے سبقت لے گئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرض کی: پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے انہیں فرمایا: "اس معاملہ میں عمر تم سے سبقت لے گئے ہیں۔" اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں سعید بن سنان ہے۔ امام ذہبی نے المغنی میں لکھا ہے "یہ متروک اور متہم تھا۔"

6. بعض روایات دلالت کرتی ہیں کہ آذان ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں مشروع تھی۔ ان میں سے ایک روایت وہ جسے امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اذان وحی کی۔ آپ اسے لے کر نیچے تشریف لائے اور حضرت بلال کو سکھا دی۔" اس روایت کی سند میں طلحہ بن زید ہے۔ حافظ ابن رجب نے لکھا ہے کہ اس سند سے یہ روایت کسی شک کے بغیر موضوع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ہر سند کے ساتھ موضوع ہے۔ ابن شاہین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور

اکرم ﷺ کو شب معراج اذان سکھائی گئی۔ آپ پر نماز فرض ہوئی۔" اس کی سند میں حصین بن مخارق ہے۔ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ دارقطنی نے الافراد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نماز فرض ہوئی تو حضرت جبرائیل نے حضور اکرم ﷺ کو آذان سکھائی۔" اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابن مردویہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "جب مجھے معراج کرائی گئی۔ تو حضرت جبرائیل نے اذان دی۔ ملائکہ نے گمان کیا کہ شاید وہ انہیں امامت کرائیں گے۔ لیکن انہوں نے مجھے مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا۔ میں نے انہیں امامت کرائی۔" اس سند میں غیر معروف راوی ہے۔ امام ذھبی نے مختصر الامام میں لکھا ہے "یہ حدیث منکر ہے بلکہ موضوع ہے۔" بزار وغیرہ نے روایت لکھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو اذان سکھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے پاس ایک سواری براق لے کر آئے۔ آپ اس پر سوار ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ ایک حجاب کے پاس پہنچے۔ حجاب سے ایک فرشتہ نکلا اس نے پوچھا: "جبرائیل! یہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ فرشتہ ساری مخلوق سے رب تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ جب سے میری تخلیق ہوئی ہے میں نے یہ فرشتہ نہیں دیکھا۔ صرف ابھی دیکھا ہے۔" اس فرشتے نے کہا: "اللہ اکبر، اللہ اکبر" حجاب کے پیچھے سے کہا گیا "میرے بندے نے سچ کہا ہے میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ میں ہی سب سے بڑا ہوں" اس نے بقیہ اذان کا ذکر کیا۔ اس روایت کے آخر میں ہے "پھر فرشتے نے آپ کو دستِ اقدس سے پکڑا۔ آپ نے آسمان والوں کو امامت کرائی۔" اس روایت کی سند میں زیاد بن منذر ہے۔ وہ بھی متروک ہے۔ ابن معین نے اس کے بارے لکھا ہے: "یہ اللہ کا دشمن جھوٹا تھا۔"

امام ذہبی نے لکھا ہے۔ "یہ روایت اس کی وضع کردہ ہے۔" ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس روایت کو امام سہیلی نے صحیح گمان کیا ہے۔ حالانکہ وہ منکر ہے۔ زیاد بن منذر اس میں منفرد ہے۔ رافضیہ کا فرقہ جارودیہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس پر تہمت لگائی جاتی تھی۔ اگر حضور اکرم ﷺ نے شب معراج اذان سنی ہوتی تو ہجرت کے بعد آپ اس کا ضرور حکم دیتے۔

ابن شاہین نے مذکور زیاد کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: "میں نے ابن حنفیہ سے پوچھا: "ہم بیان کرتے تھے کہ آذان خواب میں سکھائی گئی تھی۔" اس نے کہا: "بخدا! یہ باطل ہے۔ لیکن جب حضور اکرم ﷺ کو معراج کرائی

گئی تو آپ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا گیا۔ جس نے آپ کو آذان سکھائی۔'' الحافظ ابن حجر نے لکھا ہے'' یہ باطل ہے اگر اسے صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے۔ تو اسے تعدد اسراء پر محمول کیا جائے گا۔ یہ معراج مدینہ طیبہ میں ہوئی ہوگی۔''

امام قرطبی کا یہ قول لازم نہیں آتا کہ جو آذان آپ نے شب معراج کو سنی تھی وہ آپ کے حق میں مشروع تھی۔ اس موقف میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس روایت کی ابتداء میں ہے'' جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذان سکھانے کا ارادہ کیا'' امام الطبری نے لکھا ہے کہ شب معراج کی آذان کو لغوی معنی پر محمول کیا جائے گا یعنی اعلان۔ اس میں بھی اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں اس کیفیت کی صراحت ہے جو اس میں مشروع ہے۔ ابن شاہین نے زیاد کی سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور اذان سکھائی۔ حضرت جبرائیل براق لے کر آئے......'' زیاد کذاب راوی ہے۔ ابو شیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا:'' نماز کی فرضیت کے ساتھ ہی آپ پر آذان کا نزول ہوا'' اس کی سند میں عبدالعزیز بن مروان ہے۔ وہ تالف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے:'' صحیح بات یہی ہے کہ ان روایات میں سے ایک روایت بھی درست نہیں۔ ابن منذر نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ اذان کے بغیر ہی نماز پڑھتے تھے۔ جب سے نماز فرض ہوئی اس وقت سے لے کر ہجرت مدینہ تک اور پھر مذکورہ مشاورت تک آپ آذان کے بغیر ہی نماز پڑھتے تھے۔'' امام سہیلی نے ان روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے تکلف کیا ہے۔ صحیح موقف کو اپنا لینا بہتر ہے۔ انہوں نے اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحابی نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا وہ اس کے موافق ہوگیا جو اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج کو سنا تھا۔ آپ نے فرمایا:'' یہ ایک سچا خواب ہے۔'' اس وقت آپ نے جان لیا کہ جو کچھ آسمان میں دیکھا تھا وہ زمین پر سنت قائم ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ کیونکہ سکینہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان سے گفتگو کرتی تھی۔''

اس سے یہ علم ہوتا ہے کہ صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خواب پر اکتفاء نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق کا خواب بھی اس کے ساتھ ملا دیا گیا تا کہ ان کے خواب کو تقویت نصیب ہو۔ پھر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب پر اقتصار کیوں کیا گیا۔ ممکن ہے وہ یہ جواب دیں تا کہ یہ شہادت کے مفہوم میں ہوسکے۔ پہلے ضعیف روایت گزر چکی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بھی یہ خواب دیکھا تھا لیکن اس کی تاویل کی گئی ہے۔

اس کے الفاظ یہ ہیں: "اس میں عمر تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کے خواب کے مطابق اذان دینے پر سبقت لے گئے ہیں۔"

۷ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اذان حضور اکرم ﷺ کی زبان اقدس کے علاوہ کسی اور کی زبان سے ہو۔ کیونکہ اس میں رب تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص کی رفعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی رفیع شان کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ یہ کسی اور کی زبان سے ادا ہو۔ تاکہ آپ کی شان اور بلند ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح: ۴)

ترجمہ: "اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔"

"آپ کے ذکر کی رفعت کا تذکرہ کسی اور کی زبان سے ہو" امام سہیلی کا یہ قول بہت عمدہ ہے۔

۸ ابوالشیخ نے عبدالعزیز بن مروان کی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اذان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اذان سے اخذ کی گئی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (سورۃ الحج: ۲۷)

ترجمہ: "اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا۔"

حضور اکرم ﷺ نے بھی اذان دی۔ ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ حضرت جبرائیل نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اس وقت اذان دی جب انہیں جنت سے اتارا گیا۔

۹ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے منتخب کیا گیا کیونکہ جب انہیں راہِ خدا میں اذیت دی جاتی تھی تو وہ احد، احد کے ترانے الاپتے تھے۔ اذان ان کے سپرد کی گئی کیونکہ یہ ابتداء سے لے کر انتہاء تک توحید پر مشتمل ہے۔

۱۰ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب پر اذان کے حکم کو ثابت کیا گیا۔ غیر نبی کے خواب پر حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ پر وحی کا نزول بھی ہوا ہو۔ اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دیکھا جائے اس پر برقرار رہا جاتا ہے یا نہیں۔ جب اس کے نظم کو دیکھا تو اس میں وسواس کے دخول کو بعید سمجھا۔

عبید بن عمیر کی روایت پہلے مؤقف کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان سنی۔ پھر بارگاہِ رسالت مآب میں یہ خواب سنانے کے لیے حاضر ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس ضمن میں وحی ان سے سبقت لے جا چکی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''وحی تم سے سبقت لے گئی ہے۔'' اس ضمن میں یہ اصح ہے ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کے خواب سے آٹھ روز قبل حضرت جبرائیل امین بارگاہِ رسالت مآب میں آذان لے کر آگئے تھے۔

11. اذان کو دو دو بار اور اقامت کو ایک ایک بار کہنے میں کیا حکمت ہے؟ اس میں حکمت یہ ہے کہ اذان غائبین کے لیے اعلان نماز ہے۔ اس لیے اس میں تکرار ہے تا کہ یہ آواز ان تک پہنچے جبکہ اقامت حاضرین کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے مستحب ہے کہ اذان بلند جگہ پر ہو۔ جبکہ اقامت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ نیز یہ کہ اذان میں آواز بنسبت اقامت بلند ہو۔

❁❁❁❁

پانچواں باب

مؤاخات

ابن عمر نے لکھا ہے۔ العیون اور الفتح میں بھی اسی طرح ہے۔ انہوں نے کتاب الصیام میں اصحاب المغازی سے نقل کیا ہے کہ مؤاخات دو بار ہوئی تھی۔ (۱) ہجرت سے قبل مہاجرین کے مابین۔ یہ حق اور ہمدردی پر مؤاخات تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرات ابوبکر اور عمر، حمزہ اور زید بن حارثہ کے مابین مؤاخات قائم کی تھی۔ ابو یعلی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے میرے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مابین اخوت قائم کی۔'' اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت ابن مسعود، حضرت عبیدہ اور حضرت بلال، حضرت مصعب اور حضرت سعد، حضرت عبیدہ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت سعد بن ابی زید اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ، اپنے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے مابین اخوت قائم کی۔

امام حاکم اور خلعی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے مابین اخوت قائم کی۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مابین اخوت قائم کی۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اپنے صحابہ کرام کے مابین اخوت قائم کی ہے لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے بھائی بنو۔''

انہوں نے عرض کی: ''ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!'' آپ نے فرمایا: ''تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔''

دوسری بار اخوت کے بارے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ ''حضور اکرم ﷺ نے ہمارے گھر مہاجرین اور انصار کے مابین اخوت قائم کی۔'' امام احمد، شیخان اور ابو داؤد وغیرہم نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین اور انصار کے مابین اخوت قائم کی۔ حق ہمدردی اور وصال کے بعد وراثت پر ان کے مابین اخوت قائم کی۔ یعنی رشتہ داروں کو چھوڑ کر وہ ان کے وارث بنیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خارجہ بن زید،

حضرت عمر فاروق اور حضرت عتبان بن مالک، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سلمہ بن سلامۃ (یا ابن مسعود) حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت کعب بن مالک، حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم کے مابین مؤاخات قائم کی۔ سارے صحابہ کرام سے فرمایا: ''باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔ حضرت علی میرے بھائی ہیں۔''

مسلمان اسی اخوت پر قائم رہے۔ حتیٰ کہ سورۃ الانفال کی یہ آیات طیبات نازل ہوگئیں رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معاہدہ کو تقویت دی فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (الانفال: ۷۲/ ۷۳)

ترجمہ: ''جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔''

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کو محکم کیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین قائم کیا تھا۔ وہ ان رشتہ داروں کو چھوڑ کر جو مکہ مکرمہ میں موجود تھے یہ باہم وارث بنے تھے۔ جتنی دیر رب تعالیٰ نے چاہا صحابہ کرام اس عہد پر برقرار رہے۔ غزوۂ بدر کے بعد رب تعالیٰ نے دوسری آیت طیبہ نازل کی جس نے اس اخوت کو منسوخ کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(الانفال: ۷۵)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا۔ تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تم میں سے ہیں اور رشتہ دار ایک دوسرے کے حق دار ہیں حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

میراث میں مؤاخات منقطع ہوگئی ہر انسان اپنے نسب، ورثاء اور رشتہ داروں کی طرف لوٹ آیا۔ خرائطی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے ایسی قوم کبھی نہیں دیکھی ہم ان کے پاس آئے انہوں نے قلیل مال میں ہم سے بہت ہمدردی کی اور کثیر مال میں ہم پر اچھی طرح خرچ کیا۔ انہوں نے مشقت میں ہماری معاونت کی۔ انہوں نے عمدہ چیز میں ہمیں شریک کیا ہمیں خدشہ ہے کہ وہ سارا اجر لے جائیں

گے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں! جو تم نے ان کی تعریف کی ہے تم نے ان کے لیے رب تعالیٰ سے دعا کر دی ہے۔"

امام مسلم، امام نسائی اور خرائطی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم نے خود کو دیکھا ایک مسلمان شخص اپنے درہم یا دینار کا اپنے بھائی سے زیادہ مستحق نہ تھا۔" امام زہری، حمزہ بن سعید نے اسی طرح کہا ہے جس طرح ابن سعد نے ان سے روایت کیا ہے۔ "یہ فرخندہ فال افراد نوے تھے۔ جن میں سے ۴۵ مہاجر اور ۴۵ انصار تھے۔" ایک قول یہ ہے کہ ان کی تعداد ایک سو تھی ۵۰ مہاجرین اور پچاس انصار تھے۔ ابن اسحاق، سعید بن داؤد، ابو عمر اور ابو الفرج نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اور حضرت علی المرتضیٰ کے مابین اخوت قائم فرمائی اور فرمایا: "تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

ابو بکر شافعی نے حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخوت قائم کی تو اپنے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ اور حضرت اسید، حضرت جعفر طیار اور حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت خارجہ بن زید، حضرت عمر فاروق اور حضرت عتبان بن مالک، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اوس بن ثابت اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت کعب بن مالک کے مابین اخوت قائم کی۔ ابو الفرج نے حضرت کعب کی جگہ حضرت ابی بن مالک کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعید بن زید، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سلمہ بن سلامۃ، حضرت سعد بن وقاص اور حضرت محمد بن سلمہ، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم کے مابین اخوت قائم کی۔

امام بخاری نے کتاب البیوع کی ابتداء میں لکھا ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے مابین اخوت کیسے قائم کی۔" امام احمد، شیخان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد الرحمان بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع کے مابین اخوت قائم کی۔ حضرت سعد نے انہیں اپنا نصف مال اور نصف اہل پیش کیا۔ حضرت سعد نے کہا: "میں سارے لوگوں سے زیادہ امیر ہوں۔ میں اپنا نصف مال آپ کو پیش کرتا ہوں۔ ذرا دیکھو میری کون سی بیوی آپ کو پسند ہے۔ میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کر لینا۔" حضرت عبد الرحمان نے کہا: "اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور اہل میں برکت ڈالے۔ بازار کی طرف میری راہنمائی کر دو۔" انہوں نے وہاں خرید و فروخت شروع کی۔

آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت ابو طلحہ زید بن سہل کے مابین اخوت قائم کی۔ یہ روایت اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جسے ابن اسحاق اور ابو عمر نے روایت کیا ہے الا یہ کہ یہ اخوت حضرت ابو عبیدہ اور حضرت سعد بن معاذ کے

مابین قائم ہوئی ہو۔ سُنید نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت محمد بن سلمہ، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابی بن کعب، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابوایوب، حضرت عامر بن یاسر اور حضرت حذیفہ بن یمان یا حضرت عمار اور حضرت ثابت بن قیس کے مابین اخوت قائم کی۔ کیونکہ حضرت حذیفہ نے غزوۂ احد کے وقت اسلام قبول کیا تھا، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ اور حضرت عباد بن بشر، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت منذر بن عمر رضی اللہ عنہم کے مابین اخوت قائم کی۔

محمد بن عمر اسلمی نے انکار کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی کسی صحابی سے اخوت قائم کی ہو۔ کیونکہ وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے بعد مدینہ طیبہ آئے۔ ان کے نزدیک حضرت طلیب بن عمیر اور حضرت منذر بن عمرو کے مابین اخوت قائم کی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سہل بن حنیف، حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابودرداء عویمر بن ثعلبہ کے مابین اخوت قائم کی۔ محمد بن عمر نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ حضرت سلمان فارسی نے غزوۂ احد کے بعد اسلام قبول کیا۔ انہوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی تھی۔ آپ نے حضرت بلال اور حضرت ابورویحہ، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اور حضرت عویم بن ساعدۃ، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت عاصم بن ثابت، حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت طفیل بن حارث، حضرت سفیان بن نسر اور حضرت حصین بن حارث، حضرت عبداللہ بن جبیر اور حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عباس بن عبادہ اور حضرت عتبہ بن غزوان۔ حضرت معاذ بن ماعص اور حضرت صفوان بن وھب، حضرت رافع بن معلّٰی اور حضرت مقداد بن عمرو، حضرت عبداللہ ابن رواحہ اور حضرت ذوالشمالین عمرو بن نضلہ، حضرت یزید بن حارث اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت سعد بن خیثمہ اور حضرت عامر بن ابی وقاص، حضرت خبیب بن عدیؔ اور حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت قطبہ بن عامر اور حضرت شماس بن عثمان، حضرت حنظلہ بن ابی عامر اور حضرت ارقم بن ابی ارقم، حضرت طلحہ بن زید انصاری اور حضرت زید بن خطاب، حضرت معن بن عدی اور حضرت عمرو بن سراقہ، حضرت سعد بن زید اور حضرت عاقل بن بکیر، حضرت مبشر بن عبدالمنذر اور حضرت عبداللہ بن مخرمۃ، حضرت فروہ بن عمرو اور حضرت خنیس بن حُذافہ حضرت۔ منذر بن محمد اور حضرت ابوسبرۃ بن ابی رھم، حضرت عبادہ بن خشخاش اور حضرت مسطح بن اثاثہ حضرت زید بن المزین اور حضرت ابومرثد، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت مجذر بن زیاد اور حضرت عامر بن فہیرۃ، حضرت حارث بن صمہ اور حضرت مجمع رضی اللہ عنہم کے مابین رشتہ اخوت قائم فرمایا۔

تنبیہات

1. الروض الانف میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مؤاخات قائم کی۔ تاکہ پردیس کی وحشت ختم ہو سکے۔ اپنے اہل وعیال اور قبیلہ کی جدائی سے تسلی فراہم ہو سکے وہ ایک دوسرے

کے ساتھ تعاون کر سکیں۔ جب اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا۔ اس کی شیرازہ بندی ہو گئی۔ وحشت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

مِنْكُمْ ۚ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۚ (الانفال: ۷۵)

ترجمہ: "رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہے حکم الٰہی کے مطابق۔"

اس سے مراد میراث ہے۔ پھر سارے اہلِ ایمان کو بھائی بھائی بنا دیا۔ وہ محبت اور دعوت کی عمومیت میں باہم بھائی بھائی بن گئے۔

۲ اخوت کا آغاز کب کیا گیا ایک قول یہ ہے کہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد، دوسرا قول نو ماہ بعد کا، ایک قول یہ ہے کہ جب آپ مسجد تعمیر کر رہے تھے یا تعمیر مسجد سے قبل، یا ہجرت کے ایک سال بعد، یا ہجرت کے تین ماہ بعد ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر یہ رشتہ اخوت قائم کیا۔ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ مؤاخات حضرت انس کے گھر ہوئی تھی۔ ابو سعد نیساپوری نے الشرف میں لکھا ہے کہ یہ مؤاخات مسجد نبوی میں ہوئی تھی۔

۳ امام واقدی نے انکار فرمایا ہے کہ حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء کے مابین مؤاخات قائم ہوئی ہو۔ کیونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور غزوۂ خندق میں شرکت کی تھی۔ الحافظ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے مراد دوسری بار اخوت کا رشتہ قائم کرنا ہے۔ ایک بار مؤاخات کا آغاز ہو گیا تو آپ لگا تار اس کی تجدید کرتے رہے۔ جو اسلام قبول کر لیتا اور مدینہ طیبہ حاضر ہو جاتا ہے۔ اسے کسی صحابی کے ساتھ رشتۂ اخوت میں پرو دیا جاتا۔ یہ مؤاخات ایک بار تو واقع نہیں ہوئی تھی کہ اس مؤاخات کو رد کر دیا جائے۔ جو حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء کے مابین قائم ہوئی تھی۔ یہی جواب حضرت ابو ذر، منذر بن عمرو، حضرت حذیفہ، حضرت عمار، حضرت جعفر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کی مؤاخات کے بارے دیا جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت معاذ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ اخوت قائم کرنے کا انتظار کیا حتیٰ کہ وہ حبشہ سے واپس تشریف لے آئے۔

۴ محمد بن عمر نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ہر اس مؤاخات کا انکار کیا ہے جو غزوۂ بدر کے بعد رونما ہوئی۔ انہوں نے کہا ہے کہ غزوۂ بدر نے ایسی وراثت کو منقطع کر دیا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ امر مؤاخات کو بالکل ختم نہیں کرتا۔ یہ اس مخصوص مؤاخات کو ختم کرتا ہے جو صحابہ کرام کے مابین اس لیے منعقد ہوئی تھی تاکہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں۔

۵ ابن تیمیہ نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ مہاجرین کے مابین یہ مؤاخات ہوئی ہو۔ خصوصاً انہوں نے حضور اکرم ﷺ

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین اخوت کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مؤاخات کو ایک دوسرے شفقت سے برتنے کے لیے مشروع کیا تھا۔ تا کہ ان کے مابین تالیف قلبی ہو سکے۔ لہٰذا کسی مہاجر کا دوسرے مہاجر کا بھائی بنانے میں یہ حکمت کارفرما نہیں ہے۔

الحافظ نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نص کا قیاس کے ساتھ رد ہے۔ اور مؤاخات کی حکمت سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بعض مہاجرین مال، قبیلہ اور قوت میں دوسرے سے قوی تھے۔ آپ نے اعلیٰ اور ادنیٰ کے مابین مؤاخات قائم کی تا کہ ادنیٰ اعلیٰ کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اعلیٰ ادنیٰ کی مدد کرے۔ اس سے وہ حکمت آشکارا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بچپن سے ہی آپ کی کفالت میں تھے۔ اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مابین مؤاخات قائم کی۔ کیونکہ حضرت زید ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی اخوت ثابت ہے حالانکہ وہ مہاجرین میں سے تھے۔ صحیح میں ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت زید نے کہا تھا: ''حضرت حمزہ کی نورِ نظر میری بھتیجی ہیں۔ حاکم، ابن عبدالعزیز نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے مابین رشتۂ اخوت قائم کیا۔ یہ دونوں مہاجر تھے۔ ضیاء المقدسی نے المختارۃ میں لکھا ہے۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ المختارۃ کی روایات مستدرک کی روایات سے زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تذکرۃ میں آئے گی۔

6. امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور ابن حبان نے حضرت شعبہ بن التوام سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں (ایسا) کوئی معاہدہ نہیں (جو اسلام کے حکم کے مخالف ہو) شعبہ بن التوام نے یہ اضافہ کیا ہے'' بلکہ تم جاہلیت کے معاہدہ کو تمام رکھو'' دوسرے الفاظ میں ہے'' جاہلیت کے ہر معاہدہ کو اسلام نے سخت اور شدید کیا ہے یہ بات مجھے خوش نہیں کرتی کہ مجھے سرخ اونٹ ملیں اور میں وہ معاہدہ توڑوں جو دارالندوہ میں ہوا تھا۔

امام بخاری نے الکفالۃ اور الاعتصام میں اور امام مسلم نے فضائل میں اور امام ابوداؤد نے فرائض میں عاصم بن سلیمان الاحول سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت انس سے عرض کی: '' کیا آپ کو علم ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں ہے'' انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے گھر میں قریش اور انصار کے مابین معاہدہ کیا تھا۔'' امام الطبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت انس نے معاہدہ کے اثبات

کے لیے جو استدلال کیا ہے وہ سابقہ روایات کے منافی نہیں ہے۔ یہ اخوت ہجرت کی ابتداء میں ہوئی تھی صحابہ کرام ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔ پھر آیت میراث سے یہ منسوخ ہوگئی۔ یہ برقرار رہی حتیٰ کہ قرآن پاک اسے ختم کر دے۔ اس سے مراد حق پر نصرت اور تعاون ہے۔ ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے "مگر نصرت اور خلوص" اسی کی وصیت کی جاتی ہے۔ میراث ختم ہوگئی ہے۔

خطابی نے لکھا ہے کہ ابن عیینہ نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے مابین رشتۂ اخوت قائم کیا۔ اسلام میں معاہدہ کا مطلب ہے کہ دینی احکام اور حدود میں تعاون کرنا۔ جاہلیت میں معاہدہ سے مراد ان امور پر عمل پیرا ہونا تھا جو ان کے مابین طے پاتے تھے۔ اسلام نے وہ معاہدے ختم کر دیے جو اسلام کے حکم کے خلاف تھے۔ بقیہ کو اسی طرح رہنے دیا۔ جاہلیت میں جو معاہدے فتنوں، قتال اور شب خون مارنے کے لیے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ اسلام میں انہیں ختم کر دیا "لا حلف فی الاسلام"۔ جاہلیت میں جو معاہدے مظلوم کی نصرت اور صلہ رحمی کے لیے تھے جیسے حلف المطیبین وغیرہ ان کے بارے فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں جو معاہدے تھے۔ اسلام نے ان کی شدت میں اضافہ کیا ہے۔" اس سے مراد وہ معاہدہ ہے جو خیر اور نصرتِ حق پر منعقد ہو۔" اس طرح دونوں روایتیں جمع ہوگئیں ایسے معاہدہ کا تقاضا ہی اسلام کرتا ہے۔ ممنوع معاہدہ وہ ہے جو حکمِ اسلام کے مخالف ہو۔

❁❁❁❁

ساتواں باب

تحویل قبلہ

ابن اسحاق، ابن سعد، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، صحاح ستہ، ابوداؤد، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، دار قطنی، بیہقی، نے حضرت براء بن عازب سے، ابن اسحاق، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد اور نحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، یحییٰ بن حسن نے اخبار مدینہ میں حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلہ کو منسوخ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا فرماتے تھے۔ خانہ کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا فرمائی پھر مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کو آپ کا قبلہ بنا دیا گیا۔ پھر آپ نے ہجرت فرمائی ہجرت کے وقت مدینہ طیبہ کی اکثر آبادی یہودی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے صخرۂ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرنے کا حکم دیا۔ یہودی اس کی وجہ سے آپ کو طعنے دینے لگے۔ آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرتے تھے۔ آپ کو پسند تھا کہ خانہ کعبہ کو آپ کا قبلہ بنا دیا جائے۔ کیونکہ یہودی کہتے تھے "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی) یوں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے ہیں۔"

آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا: "میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہودیوں کے قبلہ سے پھیر دے۔" حضرت جبرائیل نے عرض کی: "میں بھی آپ کی طرح عبد ہوں۔ میں کسی چیز کا مالک نہیں مگر مجھے جو حکم دیا جائے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ نظر اٹھا کر آسمان کی طرف کثرت سے دیکھتے تھے۔ آپ حضرت ام بشر بنت براء رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ آپ کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں۔ نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں اپنے صحابہ کرام کو نماز ظہر پڑھائی۔ جب آپ دو رکعتیں پڑھا چکے تو حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور آپ کو اشارہ کیا کہ آپ بیت اللہ کی طرف رخ انور کر لیں۔ حضرت جبرائیل نے بیت اللہ کی طرف رخ انور کر لیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرف چلے گئے۔ آپ نے میزاب رحمت کی طرف رخ انور کر لیا۔ مرد خواتین کی جگہ اور خواتین مردوں کی جگہ آ گئیں۔ اسی قبلہ کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (البقرہ: ۱۴۴)

ترجمہ: "ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جو آپ پسند کرتے ہیں۔"

اسی لیے اس مسجد کو مسجد قبلتین کہا جاتا ہے۔ اس وقت ظہر کی چار رکعتیں تھیں۔ دو کے وقت رخ انور بیت المقدس کی طرف اور دو کے وقت رخ انور خانہ کعبہ کی طرف ہو گیا۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ باہر نکلے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی تھی۔ وہ بنو حارثہ کے پاس سے گزرے۔ یہ انصار تھے۔ وہ نماز عصر میں رکوع کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں۔ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔" یہ سن کر انہوں نے بھی اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔

حضرت رافع بن خدیج نے کہا "ایک آنے والا ہمارے پاس آیا۔ ہم نے بنو عبد الاشہل میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اس نے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم مل چکا ہے کہ آپ کعبہ مقدسہ کی طرف رخ انور کریں۔ ہمارے امام نے خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر لیا ہم نے بھی اپنے رخ موڑ لیے۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "لوگ قباء میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا۔ ابن طاہر المقدسی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عباد بن بشر ہی تھے۔ انہوں نے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک نازل ہو چکا ہے آپ کو حکم مل چکا ہے کہ آپ خانہ کعبہ کی طرف رخ انور کر لیں۔ تم بھی کعبہ مشرفہ کی طرف منہ کر لو۔ ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف رخ موڑ لیے۔"

یہود کو یہ بات بہت عجیب لگتی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح اہلِ کتاب بھی متعجب تھے۔ جب آپ نے بیت اللہ کی طرف رخ انور کیا تو انہیں یہ بات بہت عجیب لگی۔ منافقین نے کہا: "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی زمین کی طرف گر پڑے ہیں۔" مشرکین نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا ہے کہ ہمارا قبلہ ان کا قبلہ اور وسیلہ بنا دیا جائے۔ ان کو علم ہو گیا ہے کہ ہمارا دین ان کے دین سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ عنقریب وہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔" نعوذ باللہ منہ

یہودیوں نے اہلِ ایمان سے کہا: "تمہیں حضرت موسیٰ، حضرت یعقوب اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے قبلہ سے کس چیز نے پھیرا ہے۔ بخدا تم ایک فتنہ پسند قوم ہو۔" اہلِ ایمان نے کہا: "ہم میں سے بعض افراد کا وصال ہو چکا ہے ہم نہیں جانتے کہ ہم اور وہ ایک قبلہ پر تھے یا نہیں۔" رفاعۃ بن قیس، کردم بن عمرو، کعب بن اشرف، رافع بن ابی رافع، حجاج بن عمرو، ربیع، کنانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: "اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کس چیز نے آپ کو اس قبلہ سے پھرا ہے جس پر آپ پہلے تھے۔ حالانکہ آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ آپ اپنے پہلے قبلہ کی طرف لوٹ چلیں۔ ہم آپ کی

اتباع کریں گے اور آپ کی تصدیق کریں۔"ان کا مقصد صرف فتنہ اور فساد تھا۔اس وقت یہ آیات نازل ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ (البقرہ:۱۴۲تا۱۴۵)

ترجمہ: "اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے۔جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور ہمارا رسول تم پر گواہ ہو اور نہیں مقرر کیا۔ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے ہمارے رسول ﷺ کی۔کون مڑتا ہے الٹے پاؤں بے شک یہ حکم بہت بھاری ہے مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کر دے۔اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربان کہ رحم کرنے والا ہے ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔آپ پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ کو اس طرف بے شک جنہیں کتاب دی گئی وہ جانتے ہیں۔

تنبیہات

1. یہ تو تذکرہ کیا گیا ہے۔مرد خواتین کی جگہ اور خواتین مردوں کی جگہ آگئیں اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ امام صاحب مسجد کے اگلے حصہ سے مسجد کے پچھلے حصہ میں چلے گئے۔کیونکہ جو شخص مدینہ طیبہ میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرتا ہے۔اس کی کمر بیت المقدس کی طرف ہوتی ہے۔اگر امام صاحب اسی جگہ پھر جاتے تو ان کے پیچھے اہلِ ایمان کی صفیں نہیں آسکتیں تھیں۔جب امام صاحب پھر گئے تو مرد حضرات بھی گئے پھر حتیٰ کہ وہ ان کے پیچھے چلے گئے۔ خواتین پھر کر مردوں کے پیچھے چلی گئیں۔اس سے نماز میں عمل کثیر واقع ہوتا ہے۔شاید عمل کثیر کے حرام ہونے سے قبل تھا۔جیسے کہ کلام کے حرام ہونے سے پہلے تھا۔یا اس عمل کو مذکورہ مصلحت کے لیے معاف کر دیا گیا۔یا یہ عمل لگا تار واقع نہیں ہوا تھا بلکہ متفرق طور پر ہوا تھا۔

2. تحویل قبلہ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔امام بخاری نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔''یہ ہجرت کے سولہ یا سترہ سال بعد ہوا تھا۔''ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ہجرت سے سترہ ماہ بعد تحویل قبلہ ہوا تھا۔''ابن منذر نے یہ مدت سولہ ماہ لکھی ہے۔بزار اور ابن جریر نے حضرت انس سے انیس ماہ کی مدت روایت کی ہے۔الحافظ نے لکھا ہے سولہ ماہ اور سترہ ماہ کی مدت میں یوں تطبیق قائم ہو سکتی ہے کہ جس راوی نے سولہ ماہ کا قول کیا ہے۔اس نے پہلے اور تحویل قبلہ کے مہینہ کو پورا مہینہ شمار کیا ہے۔زائد ایام شمار نہیں کیے۔جس نے سترہ ماہ کا قول انہوں نے ان دونوں ماہ کا شمار کیا ہے۔جس نے شک کیا اس نے اس میں تردد کا اظہار کیا۔کیونکہ اس میں اختلاف نہیں کہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں تشریف لائے تھے۔دوسرے سال نصف رجب کے قریب تحویل قبلہ ہوا تھا۔جمہور علماء کا یہی مؤقف ہے۔امام حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے ابن حبان نے لکھا ہے۔''سترہ ماہ اور تین ایام''یہ مدت اس امر پر مبنی ہے کہ آپ ربیع الثانی میں تشریف لائے۔ وہ روایات جن میں تیرہ،اٹھارہ،انیس،دس اور دو ماہ اور دو سالوں کا تذکرہ ہے ان کی اسناد ضعیف ہیں۔پہلی تین روایات پر اعتماد ہے۔

3. تحویل قبلہ کس ماہ میں ہوا۔اس میں اختلاف ہے۔محمد بن حبیب نے نصف شعبان کا قول کیا ہے امام نووی نے الروضۃ میں اسی کا ذکر کیا ہے۔اسی کو برقرار رکھا ہے۔انہوں نے صحیح مسلم کی شرح میں سترہ ماہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔کیونکہ امام مسلم نے یقین کے ساتھ اسی کو ہی روایت کیا ہے۔یہ روایت اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے۔

اگر آپ کی تشریف آوری اور تحویل قبلہ کے دونوں مہینوں کو شمار نہ کیا جائے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ تحویل قبلہ جمادی الآخرۃ میں ہوا تھا۔

◆ ۴ تحویل قبلہ کس نماز میں ہوا تھا؟ صحیح میں حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پہلی نماز پڑھی تھی وہ نماز عصر تھی۔ اکثر سیرت نگاروں نے نمازِ ظہر کا قول کیا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ بنو سلمہ میں آپ نے سب سے پہلی نماز، نمازِ ظہر ادا کی تھی۔ مسجد نبوی میں نماز عصر ادا کی تھی۔ اہلِ قبا نے نماز صبح خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی تھی۔

◆ ۵ مکہ مکرمہ میں آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی اس میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت براء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اٹھارہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی۔ آپ کی مدینہ طیبہ میں آمد کے دو ماہ بعد قبلہ کو پھیر دیا گیا۔" اس روایت کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ آپ صرف بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔ امام زھری نے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ خانہ کعبہ کو اپنی کمر انور کے پیچھے رکھتے تھے یا کہ اسے اپنے اور بیت المقدس کے مابین رکھتے تھے۔ پہلے قول کے مطابق آپ میزابِ رحمت کو اپنے پیچھے رکھتے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ دو یمانی رکنوں کے مابین نماز پڑھتے تھے۔ لوگوں نے یہی گمان کیا کہ آپ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ انور کرتے رہے۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ انور کیا۔ پھر وہ منسوخ ہو گیا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ اسے دو بار نسخ کا دعویٰ لازم آتا ہے۔ پہلا قول صحیح ہے کیونکہ وہ دونوں قولوں کو جمع کرتا ہے۔ حاکم وغیرہ نے اسی کو صحیح کیا ہے۔ ابو عمر نے اس قول کو دوسرے قول پر محمول کیا ہے۔ حضرت جبرائیل کی امامت اس امر کی تائید کرتی ہے کہ اسے اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے بعض اسناد میں ہے کہ بیت اللہ کے پاس یوں ہوتا تھا۔ ابن جریر نے قوی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کر لیں۔" اس کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ انور کرنا ہجرت مدینہ کے بعد ہوا تھا۔ لیکن امام احمد نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا کرتے تھے خانہ کعبہ آپ کے سامنا ہوتا تھا۔" ابن سعد نے یہی روایت جید اور قوی سند سے روایت کی ہے۔ ان روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ احتمال ہے کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی ہو تو آپ کو

حکم دیا گیا ہو کہ آپ لگاتار بیت المقدس کی طرف رخ انور کریں۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے"یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا" یہ قول اس شخص کے قول کو رد کرتا ہے جو کہتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا آپ کا اجتہاد تھا۔ اس روایت کو ابن جریر نے عبدالرحمان بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ یہ راوی ضعیف ہے۔ حضرت ابو عالیۃ سے روایت ہے کہ آپ نے اہلِ کتاب کی تالیف قلبی کے لیے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ یہ صراحت نص کے ساتھ ہی ثابت ہو سکتا ہے۔

٦ دس مسلمان نماز فرض ہونے اور تحویل قبلہ سے قبل وصال ہو چکا تھے۔ مکہ مکرمہ میں (۱) حضرت عبداللہ بن شہاب (۲) حضرت مطلب بن ازہر (۳) سکران بن عمرو، سرزمین حبشہ میں (۴) حضرت حطاب بن حارث جمحی (۵) عمرو بن امیہ اسدی (٦) عبداللہ بن حارث سہمی (۷) عروہ بن عبدالعزیٰ (۸) عدی بن نضلہ۔ مدینہ طیبہ کے انصار میں سے حضرت براء بن معرور اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم۔ ان دس صحابہ کرام پر اتفاق ہے۔ ایاس بن معاذ اشہلی کی وفات بھی اسی مدت میں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے اسلام میں اختلاف ہے۔

۷ صحیح البخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بارے زہیر بن معاویہ سے روایت ہے کہ ان کا وصال تحویل قبلہ سے پہلے ہوا تھا۔ اور بعض افراد شہید ہوئے تھے۔ ہمیں علم نہیں کہ ہم ان کے بارے کیا کہیں؟ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس قتل (شہادت) کا تذکرہ صرف امام زہری کی روایت میں ہے باقی روایات میں صرف موت کا ذکر ہے۔ میں نے ایک روایت بھی نہیں پڑھی جس میں یہ تذکرہ ہو کہ تحویل قبلہ سے قبل کوئی مسلمان شہید ہوا ہو۔ لیکن عدم ذکر عدم وقوع کو لازم نہیں۔ یہ روایت درست ہے تو پھر اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ بعض غیر معروف مسلمان جہاد کے بغیر ہی اس مدت میں شہید ہو گئے تھے۔ لیکن تاریخ کی طرف قلیل توجہ کی وجہ سے ان کا شمار نہیں ہو سکا۔ پھر میں نے تاریخ میں اس شخص کا تذکرہ پڑھا جس کے اسلام میں اختلاف ہے۔ وہ سوید بن صامت ہے۔ شاید یہی مراد ہو۔ بعض فضلاء نے مجھے یہ بتایا ہے کہ اس سے مراد وہ کمزور مسلمان ہیں جنہیں مکہ مکرمہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ جیسے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین کریمین۔ اس کا دارومدار اس چیز کے ثبوت پر ہے کہ ان کی شہادت معراج کے بعد ہوئی تھی۔

❁❁❁❁

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود اور منافقین کی عداوت

پہلا باب

اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائیں تو وہ آپ پر ایمان لائیں آپ کی نبوت کا اعتراف اور بغض وعناد کی وجہ سے اکثر کا کفر کرنا

میں نے اس کتاب کے آغاز میں بہت سی ایسی احادیث کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اب میں ان روایات کا تذکرہ کروں گا۔ جن کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّايَ فَارۡهَبُوۡنِ ۝ (البقرۃ:۴۰)

ترجمہ: ”اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر اور پورا کرو میرے ساتھ (کیا ہوا) وعدہ کو اور صرف مجھی سے ڈرو۔“

ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے اہلِ کتاب کے گروہ! اس کلام تقدس پر ایمان لے آؤ۔ جسے میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے کیونکہ وہ آپ کا ذکر خیر تورات اور انجیل میں پاتے تھے۔ تم آپ پر پہلے کفر کرنے والے نہ بنو۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۴۲)

ترجمہ: ''اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم اسے جانتے ہو۔''

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ اس مطلب یہ ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ حالانکہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے۔ یہودیت اور نصرانیت بدعت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: ''جس کے ذکر کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور وہ حلال کرتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔''

ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے تکتمو الحق سے مراد محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ وصف بیان کیا تھا ''آپ کی چشمانِ مقدس سرمگیں ہوں گی۔ آپ کی قامت مبارکہ میانہ ہوگی۔ آپ کے بال مبارک گھنگھریالے ہوں گے۔ آپ کا چہرہ انور حسین ہوگا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تو یہودی علماء آپ سے حسد کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی کتب میں آپ کے اوصاف تبدیل کر دیے۔ انہوں نے کہا: ''ہم اپنے ہاں آپ کے اوصاف نہیں پاتے۔'' انہوں نے کہا: ''ہم پاتے ہیں کہ نبی امی طویل قامت والے، نیلی آنکھوں والے، اور سیدھے بالوں والے ہوں گے۔'' وہ اپنے احمقوں سے کہتے ''یہ اس نبی کے اوصاف نہیں ہیں جو یہ یہ چیز حرام کرے گا۔'' انہوں نے آپ کے اوصاف تبدیل کر دیے لوگوں پر امر ملتبس کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہی احمق لوگ کھلاتے پلاتے تھے۔ کیونکہ وہ تورات کی تعلیم دیتے تھے۔ انہیں خدشہ لاحق ہو گیا کہ یہ احمق ایمان لے آئے تو ان کا کھانا پینا بند ہو جائے گا۔''

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ اہلِ عرب یہودیوں کے پاس سے گزرتے تو وہ انہیں اذیت دیتے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر تورات میں پاتے تھے۔ وہ رب تعالیٰ سے سوال کرتے تھے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کرے تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر اہلِ عرب سے جنگ کریں۔ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کفر کیا کیونکہ آپ بنو اسرائیل میں سے نہ تھے۔ ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت عباس سے اور ابو نعیم، عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ طیبہ کے یہودی بنو اسد، بنو غطفان، جہینہ اور عذرہ وغیرہا کے مشرکین کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ وہ ان

الفاظ کے ساتھ مشرکین کے خلاف مدد مانگتے تھے: "مولا! ہم تجھ سے محمد عربی ﷺ کے واسطہ سے نصرت طلب کرتے ہیں۔ ہماری مدد فرما۔" ان کی مدد کر دی جاتی۔ وہ یہ دعا بھی مانگتے تھے "مولا! ہم میں وہ نبی امی مبعوث فرما دے جن کا ذکر خیر ہم تورات میں پاتے ہیں۔ جن کے بارے تو نے وعدہ کیا تھا کہ تو انہیں آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا۔" جب آپ جلوہ افروز ہو گئے تو وہ آپ سے کفر کرنے لگے یہ صرف اہلِ عرب سے حسد تھا۔ وہ جانتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: "اے گروہِ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اسلام لے آؤ۔ تم حضور ﷺ کے وسیلے سے ہمارے خلاف مدد طلب کرتے تھے اس وقت ہم مشرک تھے۔ تم ہمیں بتاتے تھے کہ آپ مبعوث ہوں گے۔ تم ہمارے لیے آپ کے اوصاف بیان کرتے تھے۔"

ابن جریر، ابن منذر نے ابن جریج سے بعض ان اہلِ کتاب سے روایت کیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا: "ان اوصاف کی وجہ سے جو ہماری کتب میں موجود تھیں ہم آپ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ہم اپنے بیٹوں کے بارے نہیں جانتے کہ ہماری خواتین نے ان کے بارے کیا کیا ہے؟"

ابن اسحاق، امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ام المؤمنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میرے باپ اور چچا ابویاسر کی اولاد میں سے کوئی ایسا بچہ نہ تھا جو مجھ سے انہیں پیارا ہو۔ میں جب بھی ان سے ملاقات کرتی وہ دوسری اولاد کو چھوڑ کر مجھے پیار کرنے لگتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ قبا تشریف لائے تو میرا باپ حیی بن اخطب اور چچا ابویاسر آپ کے پاس صبح صبح ہی چلے گئے۔ وہ غروبِ آفتاب کے وقت واپس آئے۔ وہ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ وہ سست تھے اور گرتے گرتے چل رہے تھے۔ میں معمول کے مطابق دوڑ کر ان کے پاس گئی۔ بخدا! ان میں سے کسی ایک نے بھی نظر اٹھا کر میری طرف نہ دیکھا۔ میں نے اپنے چچا ابویاسر کو سنا وہ میرے باپ سے پوچھ رہا تھا "کیا وہ وہی ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں!" اس نے پوچھا: "کیا تو نے ان کا حلیہ اور اوصاف دیکھ لیے ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں! بخدا!" اس نے پوچھا: "تمہارے دل میں ان کے لیے کیا ہے؟" اس نے کہا: "جب تک میں زندہ رہوں گا ان سے عداوت ہی کرتا رہوں گا۔"

ابن عقبہ نے امام زھری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابویاسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سے گفتگو کی۔ آپ کی گفتگو سنی پھر اپنی قوم کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا: "اے میری قوم! میری اطاعت کرلو۔ رب تعالیٰ تمہارے ہاں اس پاک ہستی کو لے آیا ہے جس کے تم منتظر تھے۔ ان کی اتباع کرلو ان کی مخالفت نہ کرو۔" اس کا بھائی حیی ابن اخطب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس کا تعلق بنونضیر کے ساتھ تھا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی گفتگو سنی۔ پھر اپنی قوم کے پاس واپس آ گیا۔ اپنی قوم میں

اس کی بات مانی جاتی تھی۔ اس نے کہا: ''میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ بخدا! جس کے ساتھ میں عداوت ہی کرتا رہوں گا۔'' اس کے بھائی ابویاسر نے کہا: ''میرے بھائی! اس معاملہ میں میری اطاعت کرلو۔ اس کے بعد جس مسئلہ میں چاہو میری مخالفت کر لینا۔'' اس نے کہا: ''بخدا! میں تیری اطاعت نہیں کروں گا۔'' شیطان نے اس پر غلبہ پالیا اور اس کی قوم نے اس کی رائے کی پیروی کرلی۔

امام احمد نے زوائد المسند میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ جرمقانی حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ''تمہارے وہ ساتھی کہاں ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ اگر میں نے ان سے سوال کیا تو مجھے علم ہو جائے گا کہ آپ نبی ہیں یا نہیں۔'' پھر جرمقانی نے کہا: ''بخدا! یہ کلام مقدس تو اسی کلام مقدس کی طرح ہے۔ جسے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تھے۔''

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک عالم بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت سورہ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے پوچھا: ''اے محمد عربی! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کو اس سورت کی تعلیم کس نے دی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔'' یہ سن کر وہ عالم یہودیت متعجب ہو گیا۔ وہ یہودیوں کے پاس واپس آیا۔ اس نے کہا: ''محمد عربی ﷺ اس طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسے تورات نازل ہوئی۔'' وہ اپنے گروہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ کے اوصافِ حمیدہ سے آپ کو پہچان لیا۔ انہوں نے مہر نبوت کو دیکھا جو آپ کے شانوں کے مابین تاباں تھی۔ انہوں نے آپ سے سورۃ یوسف کی قرأت سنی یہ قرأت سن کر انہوں نے تعجب کیا۔ وہ اسلام لے آئے۔

محمد بن عمر اسلمی نے روایت کیا ہے کہ نعمان السبئی یمن کے یہودی علماء میں سے تھا۔ جب اس نے آپ کے بارے سنا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ سے چند اشیاء کے بارے سوال کیا۔ پھر کہا: ''میرا باپ ایک کتاب پر مہر لگا کر رکھتا تھا۔ وہ کہتا تھا: ''یہ اس وقت تک یہود کو پڑھ کر نہ سنانا حتیٰ کہ تم سن لو کہ یثرب سے ایک نبی مکرم ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ جب تم ان کے بارے سن لو تو یہ کتاب کھول لینا'' جب میں نے سنا تو میں نے یہ کتاب کھولی۔ اس میں آپ کے وہی اوصاف مرقوم تھے جیسے میں آپ کی زیارت کر رہا ہوں۔ اس میں بھی لکھا ہوا تھا کہ آپ کیا حلال کریں گے اور کیا حرام کریں گے۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی امت آخری امت ہے۔ آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔ آپ کی امت کی قربانیاں ان کے خون ہوں گے۔ ان کے سینے اناجیل ہوں گے۔ وہ جس جنگ میں شرکت کریں گے ان کے ہمراہ جبرائیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس طرح محبت کرے گا جس طرح پرندہ اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے۔'' میرے باپ نے کہا: ''جب ان کے

بارے سن لو تو ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور ان کی تصدیق کرو۔" حضور اکرم ﷺ پسند فرماتے تھے کہ آپ کے صحابہ کرام اس کی باتیں سنیں۔ وہ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: "اے نعمان! ہمیں وہی داستان سناؤ۔ اس نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک وہ داستان بیان کر دی۔ اس نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تبسم فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔" کہا جاتا ہے کہ یہ وہی حضرت نعمان تھے جنہیں اسود عنسی کذاب نے شہید کیا تھا۔ ان کا ایک ایک عضو کاٹا تھا۔ وہ یہی کہہ رہے تھے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ تو جھوٹا اور رب تعالیٰ پر افتراء باندھنے والا ہے۔" اس نے انہیں آگ میں جلا دیا۔ اس کے بارے اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

❁❁❁❁

دوسرا باب

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام قبول کرنا

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ بنوخزرج میں سے قواقل کے حلیف تھے۔ اسرائیلی پھر انصاری تھے۔ ان کا نام حصین تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرمایا۔ وہ اہلِ کتاب کے عالم تھے۔ انہوں نے اس روز اسلام قبول کیا جس روز آپ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ جیسے امام بیہقی نے حضرت عبدالعزیز بن صہیب سے روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کی اولاد کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء تشریف لائے۔ ایک شخص حضرت عبداللہ کے پاس گیا اور آپ کی تشریف آوری کی خبر دی...... اس روایت میں ہے" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا۔ پھر میں اپنے اہلِ خانہ کے پاس آ گیا۔" حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے" شاید پہلے انہوں نے قباء میں آپ کی زیارت کی ہو۔ پھر بنونجار کے گھر میں آپ کی زیارت کی ہو۔"

امام بخاری، امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، ابن اسحٰق نے ان کی اولاد میں سے ایک شخص سے، امام بیہقی نے امام زھری سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:" جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے سنا تو میں آپ کے اوصاف، حلیہ مبارکہ اور مبارک شکل اور اس زمانہ کو پہچان گیا جس کے ہم منتظر تھے۔ میں آپ کی وجہ سے بہت مسرور تھا۔ مگر مہر بلب تھا۔ حتیٰ کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ جب آپ قباء تشریف لائے تو ایک شخص نے مجھے آپ کی آمد کے بارے بتایا۔ میں کھجور کی چوٹی پر تھا وہاں کام کر رہا تھا۔ میری پھوپھو خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ جب میں نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو میں نے تکبیر بلند کی۔ میری پھوپھو نے میری تکبیر سنی تو کہا:" اگر تم حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے سنتے تو اس سے زیادہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہتے۔" میں نے اسے کہا:" پھوپھو! بخدا! وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ انہی کے دین پر ہیں اور اسی کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں جس کے ساتھ وہ مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا:" میرے بھتیجے! کیا وہ وہی نبی ہیں جن کے بارے ہم کہتے ہیں کہ انہیں قیامت کے ساتھ مبعوث کیا جائے گا۔" میں نے انہیں کہا:" ہاں!" انہوں نے کہا:" وہ وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ جب میں نے چہرہ والضحیٰ

کی زیارت کی تو میں نے کہا: ''یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ کا پہلا فرمان سنا۔'' آپ فرمارہے تھے:
'سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ سور ہے ہوں۔ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے آپ کی تشریف آوری کے بارے
سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ سے عرض کی: ''میں آپ سے چند اشیاء کے بارے سوال کرنے لگا ہوں جنہیں
صرف ایک نبی ہی جانتا ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہے؟ اہلِ جنت کا پہلا کھانا کیا ہے؟ بچہ اپنے باپ یا
ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ چاند میں سیاہی کیسی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کے بارے ابھی ابھی جبرائیل نے
بتایا ہے۔'' حضرت عبداللہ نے پوچھا: ''جبرائیل نے بتایا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں! انہوں نے عرض کی: ''ملائکہ میں
سے وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔'' آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ (البقرۃ:۹۷)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے! جو دشمن ہو جبریل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔''

آپ نے فرمایا: ''قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ مشرق سے ایک آگ نکلے گی۔ جو لوگوں کو ہانک کر مغرب کی طرف
لے جائے گی۔ وہ کھانا جسے اہلِ جنت میں سے پہلے کھائیں گے۔ وہ مچھلی کا جگر ہوگا۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ
جائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔ جہاں
تک اس سیاہ حصہ کا تعلق ہے جو چاند میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے یہ دونوں سورج تھے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ۔ (الاسراء:۱۲)

ترجمہ: ''اور ہم نے بنایا رات اور دن کو دو نشانیاں اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو۔''

یہ سیاہی جو تمہیں نظر آتی ہے یہ وہ ''محو'' ہی ہے۔ علم کے سمندر کی یہ بیکرانیاں دیکھ کر حضرت عبداللہ نے کہا: ''اشھد
ان لا الله الا الله و انك رسول الله'' پھر وہ اپنے اہلِ خانہ کے پاس تشریف لے آئے۔ انہیں اسلام لانے کا حکم دیا۔
وہ سب اسلام لے آئے۔ انہوں نے اپنا اسلام چھپا لیا۔ پھر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
یہودی جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار اور سردار کا بیٹا ہوں۔ میں سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے زیادہ عالم کا فرزند

ہوں۔ یہودی ایک جھوٹی قوم ہے اگر انہیں اس سے قبل کہ آپ ان سے سوال کریں میرے اسلام کا علم ہوگیا تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ وہ میرے متعلق وہ کچھ کہیں گے جو مجھ میں نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ مجھے اپنے کسی کمرہ میں چھپادیں۔" آپ نے انہیں ایک کمرہ میں چھپادیا یہود کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے فرمایا: "اے گروہ یہود! تمہارے لیے ہلاکت! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں حق کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم اسلام قبول کرلو۔" انہوں نے کہا: "ہم نہیں جانتے۔" آپ نے فرمایا: "حصین بن سلام تم میں سے کیسا شخص ہے؟" انہوں نے کہا: "وہ ہم میں سے بہترین اور ہم میں سے بہترین کا فرزند ہے۔ وہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ وہ سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ عالم کا بیٹا ہے۔" آپ نے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام قبول کرلے۔" انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ اسے اس سے پناہ دے گا۔" آپ نے فرمایا: "ابن سلام! ان کی طرف باہر نکلو۔" حضرت عبداللہ باہر نکلے۔ انہوں نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اے گروہِ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس پیغامِ حق کو قبول کرلو جسے لے کر آپ تشریف لائے ہیں۔ بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تم تورات میں آپ کا اسم مبارک اور اوصاف پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ کو پہچان لیتا ہوں۔" یہودیوں نے کہا: "تم جھوٹے ہو۔ تم ہم سب سے برے ہو اور سب سے بُرے کی اولاد ہو۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے یہی خدشہ تھا۔ میں نے آپ کو عرض نہیں کی کہ یہ ایک جھوٹی قوم ہے۔ یہ بہتان طراز، دروغ گو اور فاسق و فاجر قوم ہے۔" حضرت عبداللہ کہتے ہیں: "میں نے اپنے اسلام کا اظہار کردیا میرے اہلِ خانہ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ میری پھوپھو خالدہ بنت حارث نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے اپنا اسلام بہت اچھا کیا۔

✿✿✿✿

تیسرا باب

یہود کی آپ کے ساتھ عداوت، آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ، اور ان کی عہد شکنی

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین معاہدہ کیا۔ اس میں یہود کو بھی شامل کیا۔ ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ انہیں ان کے دین اور اموال پر برقرار رکھا۔ ان کے لیے اور ان پر بعض شرائط عائد کیں۔ یہ جنگ کی اجازت سے پہلے تھا۔ یہ جزیہ لاگو کرنے سے قبل تھا۔ ابن اسحاق نے اس معاہدہ کا متن ذکر کیا ہے جو تقریباً دو اوراق پر مشتمل ہے۔ لیکن سند کے بغیر ہے۔ ابوعبید نے اسے کتاب الاموال میں امام زہری سے جید سند سے روایت کیا ہے۔ میں اسے آپ کے خطوط مبارکہ کے باب میں ذکر کروں گا۔

ابن عائذ نے حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہود میں سے سب سے پہلے ابو یاسر بن اخطب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سے بات کی، جب وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو کہا: ''اے قوم! میری بات مان لو یہ وہی نبی مکرم ﷺ ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔'' اس کے بھائی نے ان کی مخالفت کی۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ شیطان نے ان پر غلبہ پالیا۔ انہوں نے اس کی اتباع کرلی۔

ابوسعد نیشاپوری نے الشرف میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ میمون بن یامین یہودیوں کا سردار بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ''یارسول اللہ! یہود کی طرف پیغام بھیجیں مجھے ان کا حَکَم بنالیں وہ میری طرف لوٹ آئیں گے۔

آپ نے اسے کمرہ میں داخل کیا۔ پھر یہود کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''میرے اور اپنے مابین کسی کو ثالث مقرر کرلو۔'' انہوں نے کہا: ''ہم میمون بن یامین پر راضی ہیں۔'' جب وہ باہر نکلا تو اس نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔'' مگر یہودیوں نے ان کا انکار کردیا۔ تصدیق نہ کی۔

امام احمد، شیخان نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہودی علماء میں سے دس علماء بھی مجھ پر ایمان لے آتے تو روئے زمین کے سارے یہودی مجھ پر ایمان لے آتے۔'' ابن ابی حاتم اور ابوسعد

نیساپوری نے اس روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا: ''بارہ علماء'' اس کی تصدیق سورۃ المائدۃ میں ہے:

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ط (المائدۃ:١٢)

ترجمہ: ''اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار۔''

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس سے مختص علماء مراد ہیں۔ ورنہ آپ پر دس سے زائد علمائے یہود ایمان لائے تھے۔'' ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ زمانہ ماضی میں ایمان لے آتے جیسے آپ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری سے پہلے کا زمانہ یا مدینہ طیبہ تشریف لاتے وقت۔'' الحافظ نے لکھا ہے'' جو امر ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت یہودیوں کے رئیس تھے۔ دیگر لوگ ان کے تابع تھے ان میں سے بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، یہ بنوقینقاع یہودیوں کے رئیس تھے۔ بنونضیر میں سے ابویاسر بن اخطب، اس کا بھائی حیی بن اخطب، کعب بن اشرف، ابورافع سلام بن ربیع، بنوقینقاع میں سے سعد بن حنیف، فنحاص، رفاعۃ بن زید، بنوقریظہ میں سے زبیر بن باطی، کعب بن اسد، اسی نے ہی بنوقریظہ کے لیے معاہدہ کیا تھا۔ اور غزوۂ خندق کے وقت اسے توڑ دیا تھا۔ شمویل بن زید، ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک یہودیوں کا رئیس تھا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیتا تو یہودیوں کی ایک جماعت اس کی پیروی کرتی۔

شاید اس روایت کا ایک احتمال وہ ہو جسے ابونعیم نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اگر زبیر بن باطی اور اس کے دیگر رؤساء اسلام لے آتے تو سارے یہودی اسلام لے آتے۔'' امام سہیلی نے عجیب وغریب بات کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہودی علماء میں سے صرف دو نے اسلام قبول کیا تھا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن صوری۔ الحافظ نے لکھا ہے'' مجھے صحیح سند سے علم نہیں ہوسکا کہ عبداللہ بن صوری نے اسلام قبول کیا تھا۔'' امام سہیلی نے کسی اور جگہ اسے تفسیر نقاش کی طرف منسوب کیا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس کے بعد یہودی علماء آپ سے عداوت، حسد اور بغاوت کرنے لگے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب میں سے اپنا رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتخب کیا تھا۔ یہی یہودی علماء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف سوالات کرتے تھے۔ آپ کے لیے مشکل پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حق اور باطل کے مابین التباس پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن پاک ان امور کے بارے اترتا تھا جو وہ سوالات کرتے تھے۔ البتہ ان میں سے بعض حلال اور حرام کے متعلقہ مسائل بھی ہوتے تھے جن کے مسلمان آپ سے سوالات کرتے تھے۔ ابن اسحاق نے ان یہودیوں کے نام لکھے ہیں۔ ان کے تذکرہ کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں تین قبائل کا ذکر کیا ہے (۱) بنوقینقاع۔ یہ مدینہ طیبہ

کے قبائل میں سے واسطی قبیلہ تھا۔(۲) قریظہ اور نضیر۔ان تینوں قبائل نے آپ کے ساتھ جنگیں کیں تھیں۔انہوں نے وہ عہد توڑ دیا تھا۔جو آپ کے اور ان کے مابین تھا۔آپ نے بنو قینقاع پر احسان کیا۔بنو نضیر کو جلاوطن کیا۔بنو قریظہ کو تہ تیغ کیا۔ان کی اولاد کو قیدی بنایا۔سورۃ الحشر بنو نضیر کے بارے اور سورۃ الاحزاب بنو قریظہ کے بارے نازل ہوئی۔ان کی تفصیلات آپ کے جہاد کے باب میں آئیں گی۔

❁❁❁❁

چوتھا باب

یہود کا آپ سے روح کے بارے سوال

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ (یا انصار) کے کھیت میں سے چل رہا تھا۔ آپ کے دستِ اقدس میں کھجور کی شاخ تھی۔ آپ یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''ان سے روح کے بارے سوال کرو۔'' بعض نے کہا: ''ان سے سوال نہ کرو تم کو کوئی ناپسندیدہ بات نہ سنا دیں۔'' دوسروں نے کہا: ''ہم ان سے ضرور سوال کریں گے۔'' وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم یا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ روح کیا ہے؟ ہمیں روح کے بارے بتائیں۔ جسم میں جو روح ہے اسے عذاب کیسے دیا جاتا ہے۔ روح تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ آپ خاموش رہے۔ آپ اس شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے رہے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ نزول وحی کے اختتام کے بعد آپ نے فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء:۸۵)

ترجمہ: ''یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق انہیں بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔''

ابن جریر نے ثقہ سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی علماء نے کہا: ''ہم اپنی کتابوں میں اسی طرح پاتے ہیں۔'' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''ہم نے تمہیں کہا نہ تھا کہ ان سے سوال نہ کرو۔''

تنبیہات

1. حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ امام احمد، ترمذی، امام نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا: ''ہمیں کوئی چیز

بتاؤ جس کے بارے ہم اس شخص سے پوچھ سکیں۔" انہوں نے کہا: "ان سے روح کے بارے سوال کرو۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ (الاسراء:۸۵)

ترجمہ: "اور یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق انہیں بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔"

یہودیوں نے کہا: "ہمیں کثیر علم عطا کیا گیا ہے ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات دی گئی ہو اسے خیر کثیر عطا کی جاتی ہے۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف:۱۰۹)

ترجمہ: "اے حبیب آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں)۔"

ابن اسحاق نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الاسراء کی یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو علمائے یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ کہتے ہیں "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" تمہیں علم میں سے قلیل حصہ عطا کیا گیا ہے۔ کیا اس سے مراد ہم ہیں یا آپ کی قوم۔" آپ نے فرمایا: "نہیں بلکہ تم مراد ہو۔" انہوں نے عرض کی: "آپ پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات دی گئی ہے۔ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "یہ علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ کچھ عطا کیا ہے اگر تمہیں اس کے بارے علم ہو جائے تو تمہیں فائدہ ہو جائے۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ (لقمان:۲۷/۲۸)

ترجمہ: ''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور اس کے علاوہ سات سمندر (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں بیشک اللہ سب پر غالب بڑا دانا ہے نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔''

حضرت ابن مسعود کی روایت اور حضرت عطاء کا اثر ظاہر کرتا ہے کہ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان کا نزول متعدد بار ہوا۔ دوسری بار آپ کے سکوت کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ شاید اس معاملہ کی مزید تفصیل بیان کی جائے۔ ورنہ صحیح کی روایت اصح ہے۔ شیخ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ جب صحت میں دو اسناد برابر ہو جائیں تو ان میں سے ایک کو اس حیثیت سے ترجیح دی جائے گی کہ اس کا راوی قصہ کے ظہور کے وقت موجود تھا۔ یا ترجیحات کی دیگر وجوہ کی وجہ سے اسے ترجیح دی جائے گی۔ پھر انہوں نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایات کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ پھر لکھا ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہو۔ لیکن پہلی روایت اس کے مخالف ہے۔ لیکن جو روایت امام بخاری نے لکھی ہے وہ دوسری سے اصح ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔

2. ابو نعیم نے لکھا ہے'' کہا جاتا ہے کہ گذشتہ کتب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی ایک علامت یہ بھی لکھی ہوئی تھی کہ جب ان سے روح کے بارے سوال کیا جائے گا تو وہ اس کی حقیقت کا علم اس کے خالق اور پیدا کرنے والے کے سپرد کر دیں گے۔ آپ ان مباحث کو چھوڑ دیں گے جن میں فلاسفہ اور اہلِ منطق ظن وتخمین سے کچھ کہتے رہے۔ یہودیوں نے آپ سے سوال کر کے آپ کو آزمایا تا کہ وہ اس وصف سے آگاہ ہو جائیں جو ان کے ہاں مرقوم تھا۔ آپ پر نازل شدہ کتاب حکیم اس امر کے ساتھ موافقت کر گئی جو ان کے ہاں ثابت تھا۔

3. ابن التین نے لکھا ہے'' اس روایت میں کس روح کے بارے سوال کیا گیا تھا اس میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے مختلف اقوال ہیں: (۱) انسانی روح (۲) حیوانی روح (۳) حضرت جبرائیل (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام، (۵) القرآن (۶) وحی (۷) وہ فرشتہ جو روزِ حشر تنہا پرے باندھے کھڑا ہو گا (۸) وہ فرشتہ جس کے ستر ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار لغات ہیں۔ وہ ان ساری لغات میں رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اس تسبیح سے رب تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ وہ ملائکہ کے ساتھ محوِ پرواز ہوتا ہے۔ ایک قول

یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کی ٹانگیں زیرِ زمین ہیں اور اس کا سرعرش کے پایہ کے اوپر ہے۔
(۹) بنو آدم کی طرح کی ایک مخلوق ہے۔ جو کھاتی اور پیتی ہے۔ آسمان سے جو فرشتہ بھی نازل ہوتا ہے اس کے ہمراہ ان میں سے ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جو کھاتی اور پیتی ہے۔
الحافظ نے لکھا ہے "یہ اقوال مفسرین کے اس کلام سے جمع کیے گئے ہیں جو انہوں نے لفظ روح کے بارے کیا ہے جو قرآن پاک میں وارد ہے۔ وہ اس آیت طیبہ میں خصوصاً استعمال نہیں ہوا۔ ارشادِ ربانی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعراء:۱۹۳)

ترجمہ: "اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل)۔"

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:۵۲)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔"

يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ (غافر:۱۵)

ترجمہ: "نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے۔"

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلۃ:۲۲)

ترجمہ: "اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔"

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (النباء:۳۸)

ترجمہ: "جس روز روح اور فرشتے پر باندھ کر کھڑے ہوں گے۔"

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (النحل:۲)

ترجمہ: "اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے۔"

پہلی آیت طیبہ میں حضرت جبرائیل، دوسری میں قرآن پاک تیسری میں وحی چوتھی میں قوت پانچویں اور چھٹی میں احتمال ہے کہ حضرت جبرائیل یا اور کوئی اور ہو اور الروح کا اطلاق حضرت عیسیٰ پر بھی ہوتا ہے۔
ابن راھویہ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "روح اللہ کی طرف سے ہے۔ رب تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ بنو آدم کی طرح اس کی مختلف صورتیں ہیں زمین پر جو فرشتہ بھی نازل ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔"
علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ میں روح سے مراد کئی اقوال ہیں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد و

روح ہے جس سے انسانی جسم میں زندگی ہوتی ہے۔ اہلِ نظر نے لکھا ہے کہ انہوں نے روح کے رستوں اور جسم کے ساتھ اس کے امتزاج کے بارے سوال کیا تھا۔ اسی کو رب تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کیا ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ راجح قول یہی ہے کہ انہوں نے انسان کی روح کے بارے سوال کیا تھا کیونکہ یہودی یہ نہیں مانتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتے ہیں اور فرشتے ارواح ہیں۔" امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے "پسندیدہ مؤقف یہ ہے کہ یہودیوں نے اس روح کے بارے سوال کیا تھا جو حیات کا سبب ہے اور اس کا عمدہ جواب دیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احتمال یہ ہے کہ سوال روح کی ماہیت کے بارے ہو کہ یہ جگہ گھیرنے والی ہے یا نہیں۔ کیا یہ قدیمہ ہے یا حادثہ ہے۔ جسم سے جدا ہونے کے بعد یہ باقی رہتی ہے یا فناء ہو جاتی ہے۔ اس کو نوازنے اور عذاب دینے کی حقیقت کیا ہے۔ سوال میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس معانی میں سے کسی ایک کو مختص کر دے لیکن اظہر بات یہی ہے کہ انہوں نے روح کی ماہیت کے بارے سوال کیا تھا۔ کیا یہ قدیمہ ہے یا حادثہ۔ اس کا جواب اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک موجود شی ہے جو طبائع، اخلاط اور ترکیب کے اعتبار سے متغایر ہے۔ یہ ایک بسیط مجرد جوہر ہے۔ جسے خالق نے تخلیق کیا ہے یہ رب تعالیٰ کا فرمان "کُن" ہے۔ یہ موجود ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا کردہ ہے۔

جسم کی حیات کی افادیت میں اس کی تاثیر ہے۔ اس کی مخصوص کیفیت کا علم نہ ہونا اس کی نفی کو لازم نہیں۔

④ علماء کے روح کے بارے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اندر جانے والا سانس ہے یا اس سے مراد حیات ہے یا اس سے مراد وہ لطیف جسم ہے جو سارے جسم میں ہے یا خون مراد ہے یا یہ عرض ہے۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ اس کے بارے ایک سو اقوال ہیں۔ ابن مندہ نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ ہر نبی کے لیے پانچ ارواح، ہر مؤمن کے لیے تین ارواح اور ہر زندہ کے لیے ایک روح ہے۔

⑤ قاضی ابوبکر ابن العربی نے لکھا ہے کہ روح اور نفس میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے یہ جدا جدا ہیں یہی مؤقف درست ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ہی چیز ہے کبھی روح کو نفس اور نفس کو روح کہا جاتا ہے۔ جیسے روح اور نفس کو دل سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی روح کو حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان کے شاگرد امام سہیلی نے لکھا ہے کہ روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔ (الحجر: ۲۹)

ترجمہ: "تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح۔"

تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ط (المائدۃ:۱۱۶)

ترجمہ: ''تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔''

ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ پر رکھنا جائز نہیں، اگر ان کے مابین تغایر نہ ہوتا تو جائز ہوتا۔

◆ "قل الروح من امر ربی" کے بارے امام رازی لکھتے ہیں: ''احتمال ہے کہ اس جگہ امر سے مراد فعل ہو۔''

جیسے ارشادِ ربانی ہے:

وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ۔ (ھود:۹۷)

ترجمہ: ''اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔''

یا اس سے مراد اس کا فعل ہے۔ جواب یہ ہوگا کہ روح میرے رب کا فعل ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ یہ قدیمہ ہے یا حادثہ ہے تو جواب ہوگا کہ یہ حادثہ ہے...... اسی لیے اسلاف کرام ایسی چیزوں میں غور و فکر کرنے اور بحث کرنے سے رک جاتے تھے۔ ''اسماعیلی نے لکھا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ یہ جواب ہو کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور مراد یہ ہو کہ اس کا علم رب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے بارے کسی اور سے سوال نہیں ہو سکتا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ علماء کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ یہود نے آپ سے روحِ انسانی کے بارے سوال کیا تھا۔ پھر اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ انہوں نے از روئے مذاق سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ''محمد عربی ﷺ! آپ فرمائیں کہ روح میرے رب کا امر ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو اس کی تشریح کا حکم نہ دیا۔ امر الٰہی سے مراد شرع ہے۔ اس سے مراد وہ کتاب زندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا۔ جو شریعت مطہرۃ میں داخل ہو گیا۔ اس نے کتاب و سنت کا عرفان حاصل کر لیا۔ اس نے روح کو جان لیا۔ گویا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دین مصطفی ﷺ میں داخل ہو جاؤ تم اسے جان لو گے جس کے بارے تم نے پوچھا ہے۔ یہ میرے پروردگار کا امر ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کی تبلیغ کے لیے میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہوں۔ کیونکہ روح کی پہچان نہ تو طبعی اعتبار سے اور نہ ہی فلسفہ کے اعتبار سے ہو سکتی ہے نہ ہی قیاس اور رائے کو اس میں عمل دخل ہے۔ صرف شریعت مطہرہ کے اعتبار سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ جب تو قرآن و سنت میں اس کا تذکرہ پر غور کرے گا۔ مثلاً رب تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ (السجدۃ:۹)

ترجمہ: ''پھر اس کی قد و قامت کو درست کیا اور پھونک دی اس میں اپنی روح۔''

اس سے مراد روحِ حیات ہے حیات اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ نفخ کی نسبت درحقیقت فرشتے کی طرف ہے۔ جس نے بامرِ الٰہی اس میں روح پھونکی تھی۔ جب تم حضور اکرم ﷺ کی احادیث طیبہ میں غور و فکر کرو گے۔ آپ نے فرمایا: ''ارواح جمع شدہ لشکر ہیں۔ جو ایک دوسرے کو جانتی ہیں، ہوا میں سونگھ لیتی ہیں۔ موت کے بعد انہیں اجسام میں سے قبض کر لیا جاتا ہے۔ قبر میں ان سے سوالات ہوں گے۔ وہ وہاں سوالات کو سنیں گی۔ سمجھیں گی اور دیکھیں گی۔ انہیں نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ وہ لذت پائیں گی۔ درد محسوس کریں گی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ ساری صفات اجسام کی ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا یہ اجسام ہیں لیکن یہ کثافت اور ثقل اور اظلام میں اجساد کی مانند نہیں ہیں کیونکہ اجسام پانی، مٹی اور بدبودار کیچڑ سے پیدا کیے گئے تھے۔ یہی ان کی اصل ہے جبکہ ارواح نفخ سے پیدا کردہ ہیں۔ جیسے کہ ارشادِ ربانی پہلے گزر چکا ہے۔ یہ نفخ فرشتے کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جبکہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے نفخ کی نسبت اپنی طرف کی ہے اسی طرح اس نے ارواح کو قبض کرنے کی نسبت بھی اپنی طرف کی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ (الزمر: ۴۲)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فرشتے کی طرف بھی کی ہے۔ فرمایا:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ۔ (سجدۃ: ۱۱)

ترجمہ: ''فرمائیے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ۔''

فرشتے کی طرف یہ نسبت مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے۔ روح بھی ایک جسم ہے۔ لیکن یہ ریح (ہوا) جنس سے ہے اس وجہ سے اس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ فرشتے کا نفخ بھی ریح کے معنی میں ہے۔ لیکن وہ ایک نورانی مخلوق ہے۔ ریح متحرک ہوا کا نام ہے اس لیے پہلے فرشتے سے اسے پکڑا۔ جب ہم نے از روئے شریعت روح کے معانی اور صفات کو پہچان لیا ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس کی پہچان اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی۔ اس آیت طیبہ میں رب تعالیٰ نے ''امر ربی'' فرمایا ہے۔ امر اللہ یا من امر ربکم نہیں فرمایا۔ یہ اس خصوصیت پر دلالت ہے کہ اسے صرف وہی جان سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ پر ایمان لاتا ہے۔ جو یقین کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور اسے دین کا عرفان حاصل ہو۔ اسی وجہ سے یہودیوں کو اس کے متعلق نہ بتایا گیا۔

◆ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس جگہ بالاتفاق امر سے مراد طلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مامور ہے۔ امر کا مامور پر

اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ جیسے خلق کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ (ھود:۱۰۱)

ترجمہ: ”جب آگیا حکم آپ کے رب کا۔“

❶ ابن بطال نے لکھا ہے ”اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت کا علم اپنی ذات کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اس میں مخلوق کی آزمائش مقصود ہے۔ تاکہ وہ انہیں ان کا عجز بتائے کہ وہ اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ وہ علم کو اس ذات کی طرف لوٹانے پر مجبور ہیں۔“ امام قرطبی نے لکھا ہے ”اس میں آدمی کے عجز کا اظہار مقصود ہے جب وہ اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں جانتا تو وہ رب تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتا ہے؟“

❾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ وہ روح کی تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔ یعنی اس کی مراد کا تعین نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح استاذ الطائفہ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔ جیسے کہ عوارف المعارف میں علماء کے مختلف اقوال لکھنے کے بعد ان کا یہ قول لکھا گیا ہے ”اس کی تفصیل سے رک جانا اولیٰ ہے۔“ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب سیکھنا بھی ہے۔“ حضرت جنید سے ایک قول یوں بھی منقول ہے۔ ”روح ایک ایسی چیز ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مختص کیا ہے۔ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ موجود سے زیادہ اس کی تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔“ ابن عطیۃ اور اہلِ تفسیر کی ایک جماعت نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ جس نے اس میں غور و فکر کیا ہے اس نے یہ جواب دیا ہے کہ یہود نے عاجز کرنے کے لیے آپ سے سوال کیا تھا کیونکہ اس کا اطلاق کئی اشیاء پر ہو سکتا تھا۔ انہوں نے یہ امر مخفی رکھا کہ آپ کس چیز کے ساتھ جواب دیتے ہیں تاکہ وہ کہیں کہ ان کی مراد یہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو لوٹا دیا۔ انہیں مجمل جواب دیا۔ جو مجمل سوال کے مطابق تھا۔“

عوارف میں ہے: یہ روا ہے کہ اس کے بارے ان کا کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کی تاویل کے مطابق ہو۔ وہ ان آیات کے مطابق ہو جو نازل کی گئیں تھیں۔ اس حیثیت سے کہ اس کی تفسیر بیان کرنا حرام ہو لیکن اس کی تاویل جائز ہو۔ تفسیر صرف نقل کے ساتھ ہی روا ہو۔ عقل طاقت کے ساتھ اس کی طرف جاتی ہو۔ یہ اس معنی کا تذکرہ ہے جو آیت طیبہ کا احتمال رکھتا ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہو تو اس میں قول کرنے کی وجہ اور احتمال ہو سکتا ہے۔ آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس مسئلہ میں مزید گفتگو نہ کی جائے۔ فرمایا: ”وما اوتیتم من العلم الا قلیلا“ یعنی روح کے حکم کو اس کثیر علم میں شامل کر لو۔ جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ اس کے بارے سوال نہ کرو۔ یہ اسرار میں

سے ہے۔

⑩ ابن مندہ نے کتاب الروح میں محمد بن نصر المروزی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس امر پر اجماع لکھا ہے کہ روح مخلوق ہے۔ بعض غالی شیعہ اور بعض متصوفین سے اس کے قدیم ہونے کا قول بھی نقل کیا ہے۔

⑪ اس میں اختلاف ہے کہ کیا روح دنیا کے فناء ہوتے وقت فناء ہو جائے گی یا باقی رہے گی۔ جمہور نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

⑫ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود کے اس سوال میں حکمت یہ ہے کہ تورات میں لکھا تھا۔ "بنو آدم کی ارواح کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" انہوں نے کہا: "ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اسے مخفی رکھا تو آپ نبی ہوں گے۔ ان کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔" وہ ایسی چیز نہ لے آئیں جسے تم ناپسند کرو۔"

⑬ کتاب الروح میں ابن قیم کا مؤقف یہ ہے کہ اس آیت طیبہ میں جس روح کے بارے پوچھا گیا ہے وہ وہی ہے جو اس آیت طیبہ میں ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ (النباء:۳۸)

ترجمہ: "جس روز روح اور فرشتے پر باندھ کر کھڑے ہوں گے۔"

جبکہ ارواح بنی آدم کو قرآن پاک میں نفس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے "انہوں نے اس طرح لکھا ہے۔ لیکن ان کی ترجیح پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ پہلا قول ہی راجح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا: "ہمیں روح کے بارے بتائیں اس روح کو کیسے عذاب دیا جائے گا جو جسم میں ہے۔"

⑭ بعض علماء محققین نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح کی حقیقت سے آگاہ نہ فرمایا ہو۔ بلکہ یہ احتمال ہے کہ آپ کو اس سے آگاہ فرما دیا ہو۔ لیکن آپ کو حکم دیا ہو کہ اس کے بارے کسی کو نہ بتائیں۔ قیامت کے علم کے بارے بھی ان کا یہی مؤقف ہے تفصیل خصائص میں آئے گی۔

❁❁❁❁

پانچواں باب

حروف مقطعات کو سن کر اس امت کی عمر کے بارے یہودیوں کی حیرانگی

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ایک بار ابو یاسر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ کی زبان اقدس پر اس آیت طیبہ کی تلاوت جاری تھی۔

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ (البقرۃ:۱)

ترجمہ: "الف لام میم یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں۔"

وہ اپنے بھائی حیی کے پاس گیا۔ وہ اس وقت یہودیوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔ ابو یاسر نے کہا: "خدا کی قسم! جان لو۔ میں نے ابھی ابھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ تلاوت کرتے سنا۔" انہوں نے ابو یاسر سے پوچھا: "کیا تو نے واقعی یہ آیت طیبہ سنی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! حیی یہودیوں کے ایک گروہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ نے ایسی آیت کی تلاوت فرمائی ہے جس میں "الم" ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "کیا اس کلام کو جبرائیل اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبل بھی انبیائے کرام مبعوث کیے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی نے بتایا ہو کہ اس کے اقتدار کی مدت کتنی ہے؟ اس کی امت کا دنیاوی حصہ کیا ہے یہ صرف آپ نے ہی آگاہ فرمایا ہے۔"

حیی نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: "الف، ایک، لام، تیس اور میم چالیس۔ یہ کل اکہتر سال ہیں۔ تم اس امت میں شامل ہو رہے ہو۔ جس کی مدتِ اقتدار صرف اکہتر سال ہے۔" پھر اس نے آپ کی طرف توجہ کی اور کہا: "کیا آپ پر ان کے علاوہ اور حروفِ مقطعات کا نزول ہوا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! المص کا نزول ہوا ہے۔" اس نے کہا: "قسم بخدا! یہ مدت پہلی مدت سے طویل ہے۔ الف، ایک، لام، تیس، میم چالیس اور صاد نوے۔ یہ عمر ایک سو اکسٹھ سال بنتی ہے۔ اس نے آپ سے پوچھا: "کیا آپ پر اس کے علاوہ اور بھی حروفِ مقطعات اترے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "الٓر" کا نزول ہوا۔ اس نے کہا: "یہ مدت پہلی دونوں مدتوں سے طویل ہے۔ الف ایک، لام تیس، اور راء دو سو۔ یہ عرصہ دو سو اکتیس سال

بنتا ہے۔" اس نے عرض کی: "کیا آپ پر اور بھی حروفِ مقطعات اترے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "المر" کا نزول ہوا ہے۔" اس نے کہا: "اللہ کی قسم! یہ مدت پہلی تینوں مدتوں سے دراز ہے۔ الف ایک، لام تیس، میم چالیس اور راء دو سو ہے۔ یہ عرصہ دو سو اکہتر سال بنتا ہے۔ اس نے عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہوگیا ہے۔ ہمیں علم نہیں ہو سکا کہ آپ کو قلیل مدت عطا کی گئی یا کثیر۔" وہ اٹھ کر چلے گئے۔ ابو یاسر نے اپنے بھائی حیی اور دیگر علماء یہود سے کہا: "شاید تمہیں علم نہ ہو کہ آپ کے ساری مدتوں کو جمع کر دیا گیا ہو۔ یہ مدتیں اکہتر سال، ایک سو اکسٹھ سال، دو سو اکتیس سال اور دو سو اکہتر سال بنتی ہیں ان کا مجموعہ سات سو چونتیس سال ہے۔" پھر انہوں نے کہا: "ان کا معاملہ ہم پر ملتبس ہو چکا ہے گمان کیا جاتا ہے۔ یہ آیت طیبہ انہی کے بارے نازل ہوئی۔"

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ (آل عمران:۷)

ترجمہ: "اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "میں نے اس شخص سے سنا ہے جسے میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا کہ یہ آیت اہلِ نجران کے بارے نازل ہوئی۔ اس لیے وہ اس وقت وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے سوالات کیے تھے۔" ابن اسحاق کہتے ہیں: "مجھے محمد بن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف نے بتایا ہے کہ یہ آیات اہلِ یہود کے ایک وفد کے بارے اتریں۔" مگر انہوں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کا شانِ نزول کیا ہے؟"

تنبیہات

❶ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن جریر نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے اس سے ابن اسحاق کی سند عیاں ہو جاتی ہے۔ یونس بن بکیر نے عن ابن اسحاق، عن محمد بن ابی محمد، عن عکرمہ، عن ابی سعید کی روایت سے نقل کیا ہے۔ ابن منذر نے اسے ایک اور سند سے ابن جریر سے مفصل روایت کیا ہے۔

❷ امام سہیلی نے لکھا ہے "یہ تاویلیں یہودی علماء کی ہیں۔ انہوں نے ان حروف کی جو تاویلیں کیں ہیں۔ ممکن ہے درست ہوں۔ حروفِ مقطعات اب بھی ان پر دلالت کرتے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو ان کی تصدیق کی اور نہ ہی انہیں جھوٹا فرمایا۔ آپ نے ایک اور روایت میں فرمایا ہے۔" اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کیا کرو اور نہ ہی تکذیب کیا کرو۔ بلکہ ان کے جواب میں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ و برسولہ کہا کرو۔ اگر ان میں صحیح ہونے کا احتمال پایا جاتا ہو تو ضروری ہے کہ شریعت میں ان کی جستجو کریں۔ کیا کتاب و سنت میں ان کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ (الحج: ۴۷)

ترجمہ: ''اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔''

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت زمل خزاعی رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ منبر مبارک پر جلوہ افروز ہیں۔ اس کی سات سیڑھیاں ہیں۔ اس کے پہلو میں ایک کمزور اونٹنی ہے جو اس منبر کو اٹھا رہی ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹنی کی تعبیر قیام قیامت سے فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ''منبر کی سیڑھیوں سے مراد دنیا کی عمر ہے۔ اس کی عمر سات ہزار سال ہے۔ میں اس کے آخر میں دنیا میں آیا ہوں۔'' اس روایت کی سند اگر چہ ضعیف ہے مگر یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت ہے۔ صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اس دنیا کی عمر سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کو محیط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری یوم میں اس دنیا میں رونق افروز ہوئے۔ اس کے بھی کئی سال اور کئی صدیاں بیت چکی ہیں۔''

امام الطبری نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ آثار اسی کی تائید کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ اس سے سبقت لے گئی ہے۔'' آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ اس روایت کو کئی اسناد سے روایت کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کوئی اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ اس امت کی عمر میں نصف دن کا اضافہ کر دے۔'' نصف دن سے مراد پانچ سو سال ہیں۔ ابوداؤد نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ امام الطبری فرماتے ہیں کہ یہ روایت سابقہ روایت کی تائید کرتی ہے۔ درمیانی انگلی، شہادت کی انگلی سے انگلی کے ساتویں حصے کا زائد ہے۔ جس طرح ایک دن کا نصف سات دنوں کے نصف کا ساتواں حصہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو پانچ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ اس حدیث پاک میں نصف سے زیادہ کی نفی نہیں جس میں نصف یوم کا تذکرہ ہے نہ ہی اس روایت میں نفی ہے "بعثت انا والساعة كهاتين" جو اس تاویل کی صحت کو رد کر دے آپ کے اور روزِ حشر کے مابین نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ کوئی شریعت ہے۔ روزِ حشر قریب ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ (النحل: ۱)

ترجمہ: ''قریب آگیا ہے حکمِ الٰہی پس اس کے لیے عجلت نہ کرو۔''

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① (القمر:۱)

ترجمہ: "قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔"

جب ہم نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے جب آخری ہزار سال کے بھی کئی سال گزر چکے تھے تو پھر ہم نے ان حروف مقطعات کو دیکھا جو سورتوں کی ابتداء میں تھے۔ وہ چودہ حروف ہیں جن کو یہ قول جمع کرتا ہے۔ "الم یسطع نص حق کرہ" جب ہم ابی جاد کے حساب سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قاف "سو" راء دوسو تین سو۔ یہ کل چھ سو ہو گئے۔ عین "ستر" صاد ساٹھ، اب کل سات سو تین ہو گئے۔ نون پچاس، کاف بیس اب ان کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہو گئی۔ میم چالیس لام تیس، اب یہ تعداد آٹھ سو ستر ہو گئی۔ یاء دس، طاء نو، الف ایک اب تعداد آٹھ سو نوے ہو گئی۔ "ح آٹھ، ہاء پانچ، اب یہ تعداد نو سو تیس ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز میں انہی حروف کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بعید نہیں کہ ان حروف کے بعض مقتضات اور اشارہ سالوں کی اس تعداد کے بارے ہو۔ جیسے ہم نے پہلے ساتویں ہزار سال کے بارے اشارہ کر دیا ہے جس میں آپ جلوہ گر ہوئے۔ ممکن ہے یہ حساب آپ کی بعثت یا ہجرت سے شروع ہو۔ ہر اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ علامات قیامت ظاہر ہو چکی ہیں۔ قیامت اچانک ہی آئے گی۔ روایت ہے کہ متوکل عباسی نے قاضی جعفر بن عبدالواحد عباسی سے پوچھا: "دنیا کی کتنی عمر باقی رہ گئی ہے؟" اس نے حضور اکرم ﷺ سے مرفوع روایت لکھی کہ آپ نے فرمایا: "اگر میری امت نے عمدہ افعال سرانجام دیے تو اس کی بقاء کی مدت آخرت کے ایام میں سے ایک یوم کے برابر ہو گی۔ آخرت کا یوم ایک ہزار سال کے برابر ہے اور اگر اس نے برے اعمال سرانجام دیے تو پھر اس کی عمر نصف یوم ہے۔ اس روایت میں سابقہ روایت کا تتمہ اور تفصیل ہے۔ پانچ سو سال تو گزر چکے ہیں (امام سہیلی کے دور تک) مگر امت مرحومہ ابھی تک موجود ہے۔ الحمدللہ!

امام سہیلی کے اس کلام میں بحث مباحثہ کی گنجائش موجود ہے۔ جن امور کا تذکرہ الزہر اور الفتح میں کیا گیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

1. امام سہیلی نے حضرت زمل خزاعی کا تذکرہ کیا ہے لیکن وہ ابن زمل ہیں بعض علماء نے ان کا نام عبداللہ، بعض نے ضحاک اور بعض نے عبدالرحمان لکھا ہے۔ الحافظ نے الاصابۃ میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے امام سہیلی نے انہیں خزاعی لکھا ہے حالانکہ وہ الجہنی ہیں۔ الزہر میں اس طرح ہے۔
2. انہوں نے لکھا ہے "اس روایت کی سند ضعیف ہے" انہوں نے اس کے ضعف پر اقتصار کیا ہے۔ ابن الجر نے الفتح میں لکھا ہے کہ اس روایت کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے۔ انہوں نے الاصابۃ میں لکھا ہے "اس روایت میں سلیمان

بن عطاء سلم بن عبد اللہ الجہنی سے منفرد ہو گئے ہیں۔ سلیمان بن عطاء کے بارے امام ذہبی نے المغنی میں لکھا ہے ''اس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت تھی'' الحافظ نے التقریب میں اسے منکر الحدیث لکھا ہے۔ ابن جوزی نے اس کا تذکرہ الاحادیث الواھیۃ میں کیا ہے۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ اس کے الفاظ مصنوعی اور سخن سازی ہے۔ ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ دنیا کی عمر آخرت کے ایام میں سے سات یوم باقی رہ گئی ہے۔'' اس کی سند میں العلاء بن زیدل ہے۔ اس پر تہمت ہے۔ ابن عساکر نے اسے ابو علی حسین بن داؤد بلخی کی سند سے روایت کیا ہے۔ خطیب نے لکھا ہے یہ ثقہ نہیں تھا۔ اس کی روایت موضوع ہے۔ الحاکم نے لکھا ہے: ''اس نے ایک جماعت سے روایت کیا لیکن عمر کے اعتبار سے سماع کا احتمال نہیں ہے۔ ان کے لیے ان کے نزدیک عجیب امور ہیں اسی حالت پر ہی اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کی سند میں ابو ہاشم الایلی ہے۔ اس روایت کو حاکم، حکیم ترمذی نے نوادر میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں صالح بن محمد ہے۔ انہوں نے یعلی بن ہلال سے اور انہوں نے لیث بن مجاہد سے روایت کیا ہے۔

٣ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح اسناد سے موقوفاً روایت کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہے کہ میں صرف اس کی ایک سند سے واقف ہوا ہوں۔ جو صحیح نہیں ہے۔ ابن جریر نے اسے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ امام سہیلی نے یہ روایت وہاں سے ہی اخذ کی ہے۔ یہ روایت یحییٰ بن یعقوب انصاری کی سند سے روایت ہے۔ یہی ابو طالب القاص انصاری ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے ابو حاتم نے اس کو سچا راوی لکھا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے'' کبھی کبھی یہ خطائیں کرتا تھا۔''

٤ انہوں نے اہلِ مغرب کے طریقہ پر حروف کے اعداد بیان کیے ہیں۔ السین کے تین سو، الصاد کے ساٹھ اعداد جبکہ اہلِ مشرق السین کے ساٹھ اور الصاد کے ستر اعداد شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مقدار ٧٤٣ سال بنتی ہے۔ یہ مقدار گزر چکی ہے کیونکہ وہ ٩٣٥ سال میں تھے۔ اس حیثیت سے یہ سب کچھ باطل ہے۔

٥ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابی جاد کے اعداد کے بارے ثابت ہے کہ اس کا تعلق سحر کے ساتھ ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: ''یہ بعید از قیاس نہیں لیکن شریعت مطہرۃ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔''

٦ امام سہیلی کے شیخ قاضی ابو بکر ابن عربی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ''بُعِثْتُ انا والساعة کھاتین'' کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ نے سبابہ اور وسطی انگلی مبارکہ سے اشارہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ وسطی سبابہ سے انگلی کے ساتویں حصہ کے نصف سے زائد ہے۔ قیام قیامت کو اتنی مدت ہی باقی رہ گئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے'' یہ بعید از

قیاس ہے۔ دنیا کی عمر کا علم نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ساتویں حصہ کا نصف مجہول مدت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ صحیح مؤقف یہ ہے کہ اس سے اعراض کیا جائے۔ علامہ قاضی علیہ الرحمۃ نے الاکمال میں لکھا ہے "بعض لوگوں نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے کہ دو انگلیوں کے مابین جو نسبت ہے دنیا اسی نسبت سے باقی رہ گئی ہے۔ یہ نسبت گزشتہ دنیا کے ساتھ ہے۔ اس کی کل عمر سات ہزار سال ہے۔ اس مؤقف کی نسبت ان روایات کی طرف ہے جو صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے جسے ابوداؤد نے تاخر هذه الامة نصف يوم میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کی شرح پانچ سو سال سے کی ہے۔ اسی سے ہی ساتویں حصہ کا نصف حاصل کیا گیا ہے۔ یہ قریب ہے جو سبابہ سے متصل ہے۔" اس روایت کی عدم صحت ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ اس کا خلاف ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ اگر یہ امر ثابت ہوتا تو اس کا خلاف واقع نہ ہوتا۔"

حضرت قاضی صاحب کے دور سے لے کر آج تک چار سو سال گزر چکے ہیں۔ ابن عربی نے "فوائد رحلته" میں لکھا ہے۔ ان حروف مقطعات کا علم باطل ہے جو سورتوں کی ابتداء میں ہیں۔ مجھے ان کے بارے بیس سے زائد اقوال ملے ہیں۔ میں ایک قول کو بھی نہیں جانتا جس کا فیصلہ علم کے ساتھ کیا جا سکے۔ نہ ہی ان کے بارے انسان سمجھ تک پہنچ سکتا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ حروف کے اعداد بعض یہودیوں سے منقول ہے۔ اگر جو کچھ حروف کے اعداد کے بارے ذکر کیا جاتا ہے اسے درست مان لیا جائے تو اسے تمام حروف پر محمول کیا جائے گا۔ جن کا تذکرہ ہوا ہے مکرر حروف کو حذف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر حرف کا ایک راز ہے جو اسی کے ساتھ مختص ہے۔ یا سورتوں کے اسماء میں سے مکرر کو حذف کرنے پر اقتصار کیا جائے گا اگر ان میں حروف مکرر ہوں۔ جن سورتوں کی ابتداء ان حروف سے کی گئی ہے۔ ان کی تعداد ۲۹ ہے۔ ان حروف کی تعداد ۶۸ ہے۔ وہ درج ذیل ہیں' الم چھ، حم سات، الر پانچ، طسم دو، المص، کھیعص، طہ، طس، یس، ص، ق، ن۔ اگر ان سورتوں کو حذف کر دیا جائے جن میں یہ مکرر تذکرہ ہے تو الم میں سے پانچ، حم میں سے چھ، الر میں چار اور طسم میں سے ایک ہے باقی چودہ سورتیں رہ جاتی ہیں ان میں حروف کی تعداد ۳۸ ہے۔ اگر ان کا حساب مغربی اعداد کے اعتبار سے کیا جائے تو یہ ۲۶۲۴ سال بنتے ہیں مشرقی حساب سے ان کی تعداد ۱۷۵۴ سال بنتی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے "میں نے یہ تفصیل اس لیے ذکر نہیں کی کہ اس پر اعتماد کیا جائے بلکہ اس لیے کی ہے تاکہ یہ علم ہو سکے کہ امام سہیلی نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس پر اعتماد نہ کیا جائے کیونکہ اس میں بہت زیادہ مخالفت پائی جاتی ہے۔

◆ ۸ جامع معمر میں مجاہد اور عکرمہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں روایت ہے:

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ (المعارج:۴)

ترجمہ: "اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔"

دنیا کتنی گزر چکی ہے اور کتنی باقی ہے اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

◆ ۹ امام سہیلی نے جو کچھ جعفر بن عبدالواحد سے نقل کیا ہے وہ موضوع ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ صرف اسی کی طرف منسوب ہے وہ آئمہ کے نزدیک احادیث وضع کرنے میں مشہور ہے۔ اس کی سند کا بھی تذکرہ نہیں ہے۔ امام سہیلی پر تعجب ہے وہ اس پر کیسے خاموش رہے حالانکہ انہیں اس کی حالت کا علم تھا۔

❁❁❁❁

چھٹا باب

سورۃ اخلاص کے نزول کا سبب

ابوالشیخ نے العظمۃ میں حضرت انس بن مالک سے، ابن ابی حاتم، ابن عدی، امام بیہقی نے السماء والصفات میں حضرت ابن عباس سے الطبرانی نے السنۃ میں الضحاک سے، ابن جریر، ابن المنذر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس میں کعب بن اشرف، حیی ابن اخطب بھی شامل تھا۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! یہ مخلوق تو رب تعالیٰ نے بنائی ہے رب تعالیٰ کو کس نے بنایا ہے؟ یہ سن کر آپ کو سخت غصہ آیا۔ آپ کی رنگت متغیر ہو گئی۔ آپ اپنے رب تعالیٰ کی وجہ سے ان پر سخت ناراض ہوئے۔ حضرت جبرائیل حاضر خدمت ہوئے۔ آپ کو پرسکون کیا۔ انہوں نے عرض کی: "آپ نرمی اختیار فرمائیں۔" انہوں نے رب تعالیٰ کی جانب سے اس سوال کا جواب بھی دے دیا جو یہودیوں نے آپ سے کیا تھا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص نازل کی۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

(سورۃ الاخلاص)

ترجمہ: "(اے حبیب) فرما دیجیے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "جب آپ نے ان کو یہ سورت سنائی جو انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بتائیں کہ آپ کے رب کی تخلیق کیسی ہے اسکے ہاتھ اور بازو کیسے ہیں؟ حضور ﷺ کو پہلے سے بھی زیادہ غصہ آ گیا۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو پرسکون کیا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۶۷ (الزمر: ۶۷)

ترجمہ: "اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے۔ لوگوں کے شرک سے۔"

ساتواں باب

اوس اور خزرج کے مابین فتنہ انگیزی کی سازش

ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت زید بن اسلم سے، فریابی اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شاس بن قیس عمر رسیدہ شخص تھا۔ یہ کفر میں شدید تھا۔ مسلمانوں سے شدید کینہ اور بغض رکھتا تھا۔ یہ مسلمانوں سے حسد کرتا تھا۔ یہ اوس اور خزرج کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرا۔ وہ ایک محفل میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ اس باہمی الفت و محبت اور اتفاق کو دیکھ کر آتش پا ہو گیا جو اسلام نے انہیں بخشی تھی۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلام نے آ کر ان میں باہم صلح کرا دی۔ رب تعالیٰ نے ان کے دلوں کو باہم جوڑ دیا تھا۔ اس نے دل میں کہا: ''بنو قیلہ کے گروہ ان شہروں میں مل کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بخدا! جب یہ مل کر بیٹھتے ہیں تو ہمیں قرار نصیب نہیں ہوتا۔'' اس نے ایک جوان یہودی کو حکم دیا۔ یہ اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے کہا: ''ان کے پاس جا۔ ان کے ہمراہ بیٹھ جا۔ یوم بعاث کو یاد کر۔ اس سے پہلے کے حالات یاد کر۔ اور اس وقت کے اشعار پڑھ۔'' اس نے اسی طرح کیا۔ اس نے وہ اشعار پڑھے جو ان دو قبائل نے اس وقت کہے تھے۔ اس نے ان کے دلوں میں کچھ غصہ پیدا کر دیا۔ ایک قبیلہ نے کہا: ''اس روز ہمارے شاعر نے اس طرح کہا تھا۔ دوسرے نے کہا: اس روز ہمارے شاعر نے یوں کہا تھا۔ لوگ باہم باتیں کرنے لگے۔ وہ باہم جھگڑنے لگے۔ باہم فخر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان میں سے دو افراد اوس بن قیظی اور جبار بن صخر باہم الجھ پڑے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''اگر تم چاہو تو ہم ابھی جنگ کا آغاز کر دیتے ہیں۔'' دونوں فریق غصے میں ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ''ہم جنگ کرتے ہیں۔ وعدہ کی جگہ وہ چٹان ہے۔ ہتھیار، ہتھیار۔ وہ چٹان کی طرف جانے لگے اوس اور خزرج زمانہ جاہلیت کے دعوے کرنے لگے۔

اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین صحابہ کرام تھے۔ آپ اوس اور خزرج کے پاس پہنچے۔ آپ نے فرمایا: ''اے مسلمانوں کے گروہ! اللہ اللہ! یہ جاہلیت کے دعوے۔ حالانکہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اس کے بعد کہ رب تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ اس کے ساتھ تمہیں عزت بخشی ہے۔ تم سے جاہلیت کا امر

ختم کر دیا ہے۔ تمہیں کفر سے بچا لیا ہے۔ تم میں باہم الفت ڈال دی ہے۔ کیا تم پہلے کی طرح کفر کی طرف لوٹنے لگے ہو۔ صحابہ کرام نے جان لیا کہ یہ شیطانی وسوسہ تھا۔ ان کے دشمن کا فریب تھا۔ انہوں نے ہتھیار اپنے سامنے پھینک دیئے۔ وہ رونے لگے۔ اوس اور خزرج کے افراد ایک دوسرے کے گلے لگانے لگے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ اطاعت گزار اور سر تسلیم خم کیے واپس آ گئے۔ رب تعالیٰ نے دشمن کی آگ کو بجھا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس دشمن شاس بن قیس کے بارے یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۞ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ (آل عمران: 98، 99)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے اے اہلِ کتاب یہ کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ آپ فرمائیے اے اہلِ کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا چکا تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے) گواہ ہو اور نہیں ہے اللہ بے خبر ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے اوس بن قیظی اور جبار بن ضمر اور ان کے ساتھیوں کے بارے یہ آیات طیبات نازل کیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۞ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ (آل عمران: 100، 101)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہلِ کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہو گا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔''

آٹھواں باب

سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۸۱ اور سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ کا نزول

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ (آل عمران: ۱۸۱)

ترجمہ: "بے شک اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں۔"

اور

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ (الانعام: ۹۱)

ترجمہ: "جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی)"

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المدارس تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہو چکی تھی۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ (البقرۃ: ۲۴۵)

ترجمہ: "کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن۔"

انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے اردگرد یہودی جمع ہیں۔ اس شخص کو فنحاص کہا جاتا تھا۔ یہ ان کے علماء سے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے فنحاص! اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ اسلام قبول کر لے۔ بخدا! تو خوب جانتا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ رب تعالیٰ کے پاس سے حق لے کر تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔ تمہارے ہاں تورات میں بھی آپ کا ذکر خیر ہے۔" فنحاص لعنہ اللہ نے کہا: "اے ابوبکر! ہم اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہے۔ وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی طرف اس طرح آہ وزاری نہیں کرتے جس طرح وہ ہماری طرف آہ وزاری کرتا ہے۔ ہم اس سے مستغنی ہیں مگر وہ ہم سے مستغنی نہیں ہیں۔ اگر وہ ہم سے مستغنی نہ ہوتا تو ہم سے اموال بطور قرض نہ لیتا۔ جیسے تمہارے صاحب گمان کرتے ہیں۔ وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے اور ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔" یہ بکواسات سن کر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے فنحاص کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا: "دشمن خدا! اگر ہمارے اور تیرے

مابین عہد نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔"

فنحاص بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ اس نے عرض کی: "محمد عربی! (صلی اللہ علیک وسلم) ذرا دیکھیں آپ کے ساتھی نے میرا کیا حشر کیا ہے؟" حضور اکرم ﷺ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "آپ کو اس عمل پر کس نے ابھارا؟" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ کے اس دشمن نے بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے یہ اس سے مستغنی ہیں۔ مجھے اس کی اس بکواس پر غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرہ پر مار دیا۔" فنحاص نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور فنحاص کی تردید کرتے ہوئے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ (آل عمران: ۱۸۱)

ترجمہ: "بے شک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ)۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس غصے کے بارے فرمایا:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (آل عمران: ۱۸۶)

ترجمہ: "اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔"

ابن ابی حاتم، ابوالشیخ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ فنحاص نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى۔ (الانعام: ۹۱)

ترجمہ: "جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھیے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے کر آئے تھے موسیٰ علیہ السلام۔"

سدی نے لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ یہ آیت طیبہ مالک بن ضیف کے بارے نازل ہوئی۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر اور محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''ایک شخص مالک بن ضیف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے جھگڑا کرنے لگا۔ اس نے کہا: ''ابوالقاسم صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ آسمان سے ایسی کتاب نہیں لاتے جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام الواح لے کر آئے تھے۔'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَ اٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾

(النساء: ۱۵۳)

ترجمہ: ''مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات انہوں نے کہا تھا اے موسیٰ علیہ السلام! دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے پھر بنالیا انہوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد کے آچکیں تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ علیہ السلام کو واضح غلبہ۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: ''میں تجھے اس ذات والا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم تورات میں پاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے۔'' یہ مالک بہت موٹا تھا۔ یہ سن کر ناراض ہو گیا۔ اس نے کہا: ''بخدا! اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔'' اس کے ساتھیوں نے کہا ''تیرے لیے ہلاکت! کیا حضرت موسیٰ پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟'' اس نے کہا: ''اس نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔'' اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ (الانعام: ۹۱)

ترجمہ: ''اور نہ قدر جانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ ﷺ پوچھیے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ علیہ السلام (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ) اور تمہیں سکھایا گیا جو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ فرما دیجئے اللہ! پھر چھوڑ دیجئے انہیں (تاکہ) وہ اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔''

❁❁❁❁

واں باب

یہود کا آپ سے بعض اشیاء کے بارے سوال اور سرکشی

ابن اسحاق، طیالسی، فریابی، امام احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، بیہقی اور ابونعیم نے حسن سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کا ایک گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے کہا: ''ابوالقاسم صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ سے چند امور کے بارے سوال کرنے لگے ہیں۔ جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''مجھ سے جو چاہو سوال کرو لیکن تم عہد کرو۔ اللہ کے نام کا وعدہ کرو جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں نے تمہارے سوالات کے جوابات دے دیے تو تم میری اتباع کرو گے۔'' انہوں نے یہ وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا: ''ہم آپ سے چار سوالات کرتے ہیں۔ (۱) ہمیں بتائیں کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سا کھانا خود پر حرام کیا تھا۔ (۲) آدمی کا پانی عورت کے پانی سے کیسے مختلف ہوتا ہے اور اس سے مؤنث اور مذکر کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ (۳) اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور آپ کے ساتھ کون سا فرشتہ ہوتا ہے۔ (۴) یہ رعد کیا ہے؟ آپ نے ان سے عہد اور وعدے لیے۔ اگر میں نے تمہیں بتا دیا تو تم میری پیروی کرو گے۔'' انہوں نے وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں اس ذاتِ والا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم جانتے ہو کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ ان کی مرض طوالت اختیار کر گئی۔ انہوں نے نذر مانی کہ اگر رب تعالیٰ نے انہیں عافیت بخشی تو وہ خود پر وہ گوشت اور مشروب حرام کر دیں گے جو انہیں سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ اونٹ کا گوشت اور ان کا دودھ انہیں تمام اشیاء سے مرغوب تھا۔'' دوسری روایت میں ہے ''وہ جنگل میں رہتے تھے انہیں عرق النساء کی شکایت ہوگئی۔ انہیں ایسی چیز نہ ملی جس سے وہ علاج کرتے۔ سوائے اونٹوں کے گوشت اور دودھ کے۔'' یہ سن کر انہوں نے کہا: ''ہاں! بخدا! مولا! گواہ رہنا۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں اس ذاتِ والا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ آدمی کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے۔ جبکہ عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے۔ جس کا پانی غالب آجاتا ہے تو بچہ اذنِ الٰہی سے اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر مرد کا پانی غلبہ پالے تو بچہ پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی غلبہ پالے تو بچی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ

اذن الٰہی سے ہوتا ہے۔" یہ سن کر یہودیوں نے کہا: "ہاں! بخدا! ہاں! مولا! گواہ رہنا۔" آپ نے فرمایا: "میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل بدستور بیدار رہتا ہے۔" انہوں نے عرض کی: "ہاں! بخدا! ہاں! مولا! گواہ رہنا۔" اب آپ ہمیں اس فرشتے کے بارے بتائیں جو آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔" آپ نے فرمایا: "میرے پاس جبرائیل امین آتے ہیں رب تعالیٰ جس نبی کو بھی مبعوث کرتا ہے جبرائیل امین اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔" انہوں نے کہا: "ہم آپ سے جدا ہو جاتے ہیں اگر آپ کے علاوہ کوئی اور فرشتہ آتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے۔ آپ کی تصدیق کرتے۔" آپ نے فرمایا: "تمہیں کس چیز نے روکا ہے کہ تم میری اتباع کرو۔" انہوں نے کہا: "ملائکہ میں سے جبرائیل ہمارا دشمن ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (البقرۃ:۹۷)

ترجمہ: "آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبریل علیہ السلام کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔"

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍؕ (البقرۃ:۹۰)

ترجمہ: "سو وہ حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ ان یہودی علماء نے کہا: "آپ رعد کے بارے ہمیں بتائیں۔" آپ نے فرمایا: "یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کا مؤکل ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کی تلوار ہوتی ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہوا اس جگہ لے جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتا ہے۔" انہوں نے پوچھا: "یہ کیسی آواز ہوتی ہے؟" آپ نے فرمایا: "یہ اس فرشتے ہی کی آواز ہے۔" انہوں نے کہا: "آپ نے سچ کہا ہے۔"

امام احمد، بزار اور الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے آپ سے عرض کی: "یا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے؟" آپ نے فرمایا: "مرد اور عورت کے نطفہ سے تخلیق ہوتی ہے۔ آدمی کا پانی گاڑھا ہوتا ہے۔ اس سے ہڈیاں اور پٹھے تخلیق ہوتے ہیں۔ عورت کا پانی پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔" یہودی نے کہا: "آپ سے پہلے جو تھا اس نے بھی اسی طرح کہا تھا۔"

امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ، حاکم، امام بیہقی اور امام ابونعیم نے حضرت صفوان بن عسال سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: "آؤ ہم اس نبی کے پاس چلتے ہیں ہم اس سے سوال کرتے ہیں۔" اس کے ساتھی نے اسے کہا: "اسے نبی نہ کہو۔ اگر انہوں نے تمہاری بات سن لی کہ تم انہیں نبی کہہ رہے ہو ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی۔"

وہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے سوال کیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ (الاسراء:۱۰۱)

ترجمہ: ''اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں۔''

آپ نے فرمایا: ''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس نفس کو قتل نہ کرو جسے رب تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے ساتھ۔ بدکاری نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ جادو نہ کرو۔ بری کو بادشاہ کے پاس لے کر نہ جاؤ تاکہ وہ اسے قتل کر دے۔ سود نہ کھاؤ۔ پاکدامن عورت پر بہتان نہ لگاؤ۔ میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار نہ کرو۔ اور اے گروہِ یہود! تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ تم سبت کے بارے زیادتی نہ کرو۔'' یہ سن کر انہوں نے آپ کے دستِ اقدس اور پاؤں مبارک چوم لیے۔ انہوں نے عرض کی: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔'' آپ نے ان سے پوچھا: ''تمہیں اسلام لانے سے کون سی چیز منع کرتی ہے۔'' انہوں نے عرض کی: ''داؤد علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ ان کی اولاد میں سے نبی ہو۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔''

امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر تھا۔ ایک یہودی عالم دین آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کی: ''جب اس زمین کو تبدیل کر کے اور ہی زمین بنا دیا جائے گا اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''پل کے پار ظلمت میں۔'' اس نے پوچھا: ''سب سے پہلے کسے اجازت ملے گی۔'' آپ نے فرمایا: ''فقراء مہاجرین کو۔'' اس نے پوچھا: ''جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں کیا تحفہ ملے گا؟'' آپ نے فرمایا: ''مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ۔'' اس شخص نے عرض کی: ''اس کے بعد ان کی غذا کیا ہوگی؟'' آپ نے فرمایا: ''ان کے لیے جنت کا وہ بیل ذبح کیا جائے گا جو اس کی اطراف میں چرتا تھا۔'' اس شخص نے پوچھا ''ان کا مشروب کیا ہوگا؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ ایک چشمے سے پئیں گے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔'' اس نے کہا: ''آپ نے سچ فرمایا ہے۔'' اس نے عرض کی: ''میں آپ سے ایک ایسا سوال کرنے آیا ہوں جسے روئے زمین پر ایک شخص یا دو شخص یا نبی ہی جانتے ہوں گے۔ میں آپ سے بچے کے بارے سوال کرنے آیا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''مرد کا پانی سفید ہوتا ہے۔ عورت کا پانی زرد ہوتا ہے۔ جب یہ جمع ہو جائیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ پا لے تو اذنِ الٰہی سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو اذنِ الٰہی سے بچی پیدا ہوتی ہے۔'' اس یہودی نے کہا: ''آپ نبی برحق ہیں۔ آپ سچے ہیں۔'' پھر وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس شخص نے مجھے اس چیز کے بارے پوچھا۔ جس کے بارے پوچھا۔ میں اس میں سے کچھ بھی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے مجھے اس سے آگاہ فرما دیا۔''

ابن ابی شیبہ، احمد بن منیع، عبد بن حمید، امام نسائی نے الکبریٰ میں اور امام الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک یہودی شخص آیا۔ جسے ثعلبہ بن حارث کہا جاتا تھا۔ اس نے پوچھا: ''ابوالقاسم صلی اللہ علیک وسلم! آپ گمان کرتے ہیں کہ اہلِ جنت کھاتے اور پیتے ہیں۔'' یہودی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اگر انہوں نے اقرار کر لیا تو ان کے ساتھ مباحثہ کروں گا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تیرا مسک کے درخت پر ایمان ہے۔'' اس نے عرض کی: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''کیا تو اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں پاتا ہے۔'' اس نے عرض کی: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے ان میں سے ایک مرد کو ایک سو مردوں کے برابر کھانے، پینے اور جماع کی قوت عطا کر دی جائے۔'' اس یہودی نے کہا: ''جو کھائے یا پیئے گا اسے حاجت تو ہوگی۔'' آپ نے فرمایا: ''ان کی حاجت یوں پوری ہوگی کہ اس کی جلدوں سے پسینہ نکلے گا جس میں مسک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔ اس کے بعد ان کے پیٹ پتلے ہو جائیں گے۔''

سعید بن منصور، ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بزار، حاکم، بیہقی اور ابن جریر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''ایک یہودی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: ''اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! مجھے ان ستاروں کے بارے بتائیں جنہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے سجدہ ریز دیکھا تھا۔ ان کے نام کیا ہیں؟'' آپ نے اسے جواب نہ دیا۔ حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے انہوں نے آپ کو ان ستاروں کے نام بتائیے۔ آپ نے یہودی کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا: ''کیا اگر میں نے تمہیں ان ستاروں کے نام بتا دیے تو تو ایمان لے آئے گا؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''وہ ستارے تھے: حرثان، طارق، ذیال، ذوالنفات، ذوفرغ، وثاب، عمودن، قابس، ضروج، مصبح، ضیاء، نور۔'' حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں آسمان کے افق پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔'' یہودی نے عرض کی: ''بخدا! یہی ان ستاروں کے نام ہیں۔'' حکم بن ظہیر نے لکھا ہے الضیاء سے مراد سورج ہے۔ یہ ان کے والد گرامی تھے۔ النور سے مراد قمر ہے۔ یہ ان کی والدہ ماجدہ تھیں۔'' الحافظ نے مجمع الزوائد کے حاشیہ میں لکھا ہے۔'' میں نے نسخہ مصححہ میں دیکھا ہے کہ یہ عقیلی کے ضعفاء میں سے ہے۔''

❁❁❁❁

دسواں باب

زانی کی سزا سے یہودیوں کا رجوع

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، امام بیہقی نے السنن میں حضرت ابوہریرۃ سے، عبدالرزاق، احمد، عبد بن حمید، ابوداؤد، ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں ان سے ہی، امام مسلم، ابوداؤد، النحاس، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت براء بن عازب سے، شیخان نے ابن عمر سے۔ ابن جریر اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے۔ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن منذر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودی بیت المدارس میں جمع ہوئے۔ ایک شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے بدکاری کی تھی۔ ان کا تعلق اہل فدک سے تھا۔ وہاں کے لوگوں نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی طرف لکھا کہ ان کے بارے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھو۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو مان لو اگر رجم کرنے کا حکم دیں تو نہ مانو۔" حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب وہ بیت المدارس میں جمع ہوئے تو انہوں نے کہا: "اس مرد اور اس عورت کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دو۔" دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: "ہمارے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلو۔ انہیں تخفیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر انہوں نے رجم کے علاوہ اور کوئی فتویٰ دیا تو ہم اسے قبول کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اسے دلیل پکڑیں گے۔ ہم کہیں گے کہ یہ تیرے انبیاء میں سے ایک نبی کا فتویٰ ہے۔" دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: "ان دونوں میں آپ کو ثالث بنالو۔ اگر انہوں نے ان کے بار تجبیہ پر عمل کیا (تجبیہ یہ ہے کہ کھجور کی رسی پر تیل مل کر اسے کوڑا بنالیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بدکاری کرنے والے مرد اور عورت کو مارا جاتا تھا۔ پھر دونوں کو گدھے پر پیچھے کی طرف منہ کرکے بٹھالیا جاتا تھا۔ ان کا منہ کالا کیا جاتا تھا) تو ان کی پیروی کرلینا۔ وہ بادشاہ اور قوم کے سردار ہوں گے۔ اور اگر انہوں نے ان کے بارے رجم کا فیصلہ کیا تو وہ نبی ہوں گے۔ ان سے اجتناب کرنا۔ ورنہ جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے اسے چھین لیا جائے گا۔"

وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنی مسجد میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا: "ابوالقاسم! اس شادی شدہ مرد نے اس شادی شدہ عورت سے بدکاری کی ہے۔ ہم آپ کو ان کے مابین ثالث مقرر کرتے

ہیں۔ آپ ان کا فیصلہ کریں۔" آپ نے فرمایا: "تم تورات میں اس کے بارے کیا پاتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم انہیں شرمندہ کرتے ہیں اور کوڑے مارتے ہیں۔" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا: "آپ تورات کو چھوڑیں اور اپنا فتویٰ دیں۔" آپ نے انہیں رجم کرنے کا فتویٰ دیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

آپ نے ان کے ساتھ بات نہ کی حتیٰ کہ آپ بیت المدارس تشریف لائے اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "اے گروہِ یہود! اپنے علماء میری طرف باہر نکالو۔" انہوں نے عبداللہ بن صوریا، ابو یاسر اور وہب بن یہودا کو باہر نکالا۔ انہوں نے کہا: "یہ ہمارے علماء ہیں۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم تورات میں اس شخص کے بارے کیا حکم پاتے ہو جس نے شادی کے بعد زنا کیا۔" انہوں نے کہا: "انہیں بھگایا جاتا ہے اور ان کا منہ کالا کیا جاتا ہے۔" حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: "تم نے جھوٹ بولا ہے تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔" وہ تورات لائے۔ اسے کھولا۔ ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس سے پہلے اور بعد پڑھنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: "اپنا ہاتھ اٹھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ وہاں رجم کی آیت واضح تھی۔ اس نے کہا: "محمد عربی ﷺ نے سچ کہا ہے۔" دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا۔ ان میں سے ایک جوان خاموش رہا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اسے خاموش دیکھا تو اس سے بار بار مسئلہ پوچھا۔ اس نے کہا: "اگر ہم سے واسطہ دے کر پوچھتے ہیں تو ہم تورات میں رجم پاتے ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: "تم نے رب تعالیٰ کے اس حکم میں تخفیف کب پیدا کی؟" اس نے کہا: "ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے قریبی رشتہ دار نے بدکاری کی۔ اسے رجم نہ کیا گیا۔ پھر ایک طاقتور خاندان کے مرد نے بدکاری کی۔ لوگوں نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا اس کی قوم حائل ہوگئی۔" انہوں نے کہا: "بخدا! ہمارے اس ساتھی کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ تو اپنے ساتھی کو لائے اور اسے رجم کرے۔" انہوں نے اس سزا پر باہم صلح کر لی۔"

دوسری روایت میں ہے "ہمارے امیر طبقہ میں زنا زیادہ ہو گیا۔ جب ہم کسی امیر کو پکڑ لیتے تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ جب کسی غریب کو پکڑ لیتے تو اس پر حد جاری کر دیتے تھے۔ ہم نے کہا: "آؤ! ہم ایک ہی سزا مقرر کر دیتے ہیں۔ ہم امیر اور غریب کو وہی دیا کریں گے۔ ہم نے مذکورہ سزا پر اتفاق کر لیا۔ ابو القاسم! بخدا! یہ سب جانتے ہیں کہ آپ نبی برحق ہیں مگر یہ آپ سے حسد کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے بارگاہِ الٰہیہ میں عرض کی: "مولا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرا امر زندہ کیا جسے یہ زمانہ قدیم سے شہوت کی وجہ سے مار چکے تھے۔" یہودی چار گواہ لے آئے۔ انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے اس مرد کے

ذکر کو عورت کی شرم گاہ میں اس طرح دیکھا جیسے سرمچو سرمے دانی میں ہوتا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ انہیں مسجد نبوی کے دروازے کے پاس رجم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے اس مرد کو دیکھا وہ اس عورت پر جھک رہا تھا تاکہ اسے پتھروں سے بچائے۔" دوسری روایت میں ہے "میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے انہیں رجم کیا۔ میں نے مرد کو دیکھا وہ اس عورت کو پتھروں سے خود سے بچا رہا تھا۔"

❁❁❁❁

گیارھواں باب

یہودی موت کی تمنا نہ کرسکے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۹۴)

ترجمہ: "آپ فرمائیے اگر تمہارے لیے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو۔"

ابن جریر نے حضرت ابو عالیہ سے روایت کیا ہے کہ یہود نے کہا: "جنت میں وہی جائے گا جو یہودی یا عیسائی ہوگا" انہوں نے کہا: "ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے (نعوذ باللہ) اور اس کے محبوب ہیں۔" رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی مگر انہوں نے موت کی تمنا نہ کی۔

امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ پہلی آیت نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو یوں کہو: "مولا! ہم پر موت طاری کر دے۔ مجھے اس ذاتِ والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی یہ کہے گا اس کا تھوک اس کے گلے میں اٹک جائے گا وہ وہیں مر جائے گا۔" انہوں نے موت کی تمنا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۝ (البقرۃ:۹۵)

ترجمہ: "اور ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔"

اس آیت طیبہ کے نزول کے وقت حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بخدا! وہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔"

ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو ان کا تھوک ان کے گلے میں اٹک جاتا اور وہ وہیں مر جاتے۔" امام احمد، امام بخاری، ترمذی، امام نسائی، ابن مردویہ اور ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور جہنم میں انہیں ان کا ٹھکانہ نظر آجاتا۔"

بارھواں باب

یہود کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کرنا

امام بخاری، امام مسلم، اسماعیلی، امام بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، امام احمد، عبد بن حمید، امام بخاری اور امام نسائی نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے، ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، ابن سعد، امام بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن سعد نے عمر بن حکم سے مرسل روایت کیا ہے کہ جب ذوالحجۃ کے مہینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور ماہ محرم آ گیا۔ ہجرت کو سات سال گزر چکے تھے۔ یہودی کے رؤسا (یہ مدینہ طیبہ میں باقی تھے یہ منافق تھے اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے۔) لبید بن اعصم کے پاس گئے۔ یہ بنو زریق کا حلیف تھا۔ یہ جادوگر تھا یہودی جانتے تھے کہ یہ جادو اور زہر کے بارے سب سے زیادہ جانتا ہے۔ انہوں نے کہا: ''ابو اعصم! تو ہم سب سے زیادہ جادو کو جانتا ہے۔ ہم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ تو جانتا ہے کہ ان کا ہم میں کیا اثر ہو رہا ہے۔ اس کا دین ہمارے مخالف ہے۔ اس نے ہمارے بعض افراد کو قتل اور بعض کو جلاوطن کر دیا ہے۔ ہم تیرے لیے اجرت مقرر کرتے ہیں تو ہماری طرف سے اسے ایسا جادو کر جو ان کا کام تمام کر دے۔'' انہوں نے اس کے لیے تین دینار اجرت مقرر کی۔ اس شرط پر کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کرے۔

عبداللہ بن عمیر کی روایت میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''بنو زریق کے یہودیوں میں سے ایک یہودی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا۔'' ابن عیینہ کی روایت میں ہے: ''یہ بنو زریق کا ایک شخص تھا۔ یہ یہودیوں کا حلیف اور منافق تھا۔'' ابن سعد نے حضرت عبدالرحمان بن کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ جادو اعصم کی بیٹیوں اور لبید کی بہنوں نے کیا تھا۔ یہ لبید سے زیادہ جادوگر تھیں۔ یہ اس سے زیادہ خبیث تھیں۔ لبید ہی یہ چیزیں لے کر گیا تھا اور انہیں کنویں کے پتھر کے نیچے دفن کیا تھا۔ جب انہوں نے یہ گرہیں لگائیں تو اس گھڑی آپ کو اپنی بصارت عجیب لگی۔ لبید کی ایک لڑکی زبردستی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی۔ انہوں نے اسے یہ امر بتا دیا یا اس نے سن لیا۔ پھر وہ اپنی بہنوں اور لبید کے پاس چلی گئی انہیں یہ معاملہ بتایا۔ ان میں سے ایک نے کہا: ''اگر وہ نبی ہوئے تو عنقریب تمہیں اس جادو

کے بارے بتادیں گے اور اگر وہ کچھ اور ہوئے تو پھر یہ جادو انہیں دیوانہ کر دے گا حتیٰ کہ ان کی عقل جاتی رہے گی۔'' صحیح میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا۔ آپ کو یوں محسوس ہوتا کہ آپ نے ازواجِ مطہرات سے وظیفۂ زوجیت ادا کر لیا ہے حالانکہ آپ نے ایسا نہ کیا ہوتا۔'' حضرت سفیان نے کہا ہے اگر کیفیت یہی تھی تو پھر یہ جادو کتنا قبیح تھا۔

یحییٰ بن یعمر نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے کہ حتیٰ کہ آپ کو اپنی بصارت عجیب لگنے لگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ ان کی رائے یہی تھی کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے۔ امام بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کی طبیعت گھٹنے لگی۔ لیکن اس کی وجہ معلوم نہ تھی۔ آپ کو کئی روز تک یہ شکایت رہی۔ اسماعیلی نے ابوضمرہ سے روایت کیا ہے کہ یہ تکلیف چالیس روز رہی۔ امام احمد نے چھ ماہ کا قول کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا: ''ایک رات آپ میرے ہاں جلوہ افروز تھے آپ نے دعا مانگی۔ پھر دعا مانگی پھر فرمایا: ''عائشہ! کیا تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس چیز کے بارے بتا دیا ہے جس کے بارے میں اس سے پوچھتا تھا۔'' میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میرے پاس دو آدمی (حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) آئے۔ ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا۔ (دمیاتی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت جبرائیل تھے) دوسرا میرے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: (میکائیل نے جبرائیل سے کہا: ''اے جبرائیل!) کیا تمہارے اس صاحب (ﷺ) کو کوئی تکلیف ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں!'' پہلے آدمی نے پوچھا: ''انہیں کیا تکلیف ہے؟'' دوسرے نے کہا: ''انہیں جادو کیا گیا ہے۔'' اس نے پوچھا: ''انہیں کس نے جادو کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''لبید بن اعصم یہودی نے۔'' پہلے شخص نے پوچھا: ''کس چیز کے ساتھ؟'' اس نے کہا: ''کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر۔'' پہلے نے پوچھا: ''یہ چیزیں کہاں ہیں؟'' اس نے کہا: ''اروان یا ذروان کے کنویں میں۔'' ان اشیاء کو پانی میں سخت پتھر کے نیچے رکھا گیا ہے۔'' پہلے شخص نے پوچھا: ''ان کا علاج کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''کنویں کا پانی نکالا جائے پھر پتھر کے نیچے سے یہ چیزیں نکال لی جائیں۔ اس میں گیارہ گرہیں لگی ہیں۔ اگر انہیں کھول دیا جائے تو وہ اذنِ الٰہی سے شفایاب ہو جائیں گے۔''

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اس کنویں کے پاس گئے۔ وہاں دیکھا اس پر کھجور کا درخت تھا۔ ایک شخص کنویں کے اندر گیا۔ اس نے پتھر کے نیچے سے غلاف نکالا۔ اس میں کنگھی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ کے بال مبارک بھی نکالے گئے۔ ان میں گیارہ گرہیں لگائی گئیں تھیں۔

ان میں سوئیاں چبھوئی گئیں تھیں۔حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سورۃ الفلق اور سورۃ الناس لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ان کی گیارہ آیات ہیں گرہیں بھی گیارہ ہی تھیں۔آپ جب ایک آیت طیبہ کی تلاوت فرماتے ایک گرہ کھل جاتی۔جب بھی سوئی نکالی جاتی اس کے بعد آپ کو کچھ درد محسوس ہوتا پھر آرام و راحت محسوس ہوتا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی۔حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا: ''گویا کہ اس کا پانی اس پانی کی طرح تھا جس میں مہندی بھگوئی ہوئی ہو۔اور اس کھجور کے پتے جو اس کا پانی پیتی تھی سوکھ کر یوں مڑ چکے تھے گویا کہ وہ شیاطین کے سر ہوں۔''میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اسے باہر نہیں نکالا؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''سفیان کی روایت میں ہے: ''کیا آپ نے اسے پھیلایا نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''نہیں! رب تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا فرما دی ہے۔میں لوگوں کے مابین فتنے کی آگ نہیں بھڑکانا چاہتا۔'' آپ نے ان اشیاء کو دفن کر دینے کا حکم دیا۔آپ سے عرض کی گئی: ''کاش! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اسے قتل کر دیتے۔'' آپ نے فرمایا: ''اس کے بعد اس کے لیے شدید عذاب ہے۔''ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پکڑ لیا۔اس نے اعتراف گناہ کر لیا۔آپ نے اس سے درگزر کیا اور اسے تہ تیغ نہ کیا۔

تنبیہات

1. ''السحر'' کو مطلق بولا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وہ آلہ لیا جاتا ہے جس سے جادو کیا جاتا ہے۔اور کبھی اسے مطلق بول کر اس سے مراد ساحر کا فعل لیا جاتا ہے اور آلہ سے کبھی معانی میں سے ایک معانی مراد ہو گا جیسے گرہوں پر پھونکیں مارنا۔کبھی اسے محسوسات مراد ہوں گے اور کبھی اس سے حسی اور معنوی دونوں امر مراد ہوں گے۔یہ بلیغ معنی ہے۔

2. سحر کے بارے اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ صرف تخیل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔شوافع میں سے ابوجعفر استرباذی کا یہ قول ہے۔احناف میں ابوبکر دارمی کا یہی قول ہے۔ابن حزم ظاہری اور ایک گروہ کا یہی موقف ہے۔امام نووی نے لکھا ہے ''صحیح موقف یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔عام علماء نے اسی کو اپنایا ہے۔کتاب وسنت اور صحیح روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا جادو سے کسی چیز کو بدلا جا سکتا ہے۔جس نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف تصور ہے انہوں نے یہ نظریہ رد کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کی بھی حقیقت ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس کی تاثیر سے صرف مزاج بدلتا ہے۔عام امراض لگ جاتی ہیں اور اس کی انتہاء ایسی حالت پر ہوتی ہے کہ جماد حیوان بن جاتا ہے۔یا اس کے برعکس ہے۔جمہور علماء نے پہلا موقف اپنایا ہے۔جبکہ ایک گروہ نے دوسرا موقف اپنایا ہے۔اگر قدرتِ الٰہیہ کو دیکھا جائے تو یہ امر

مسلّم ہے۔ لیکن اگر واقع کو دیکھا جائے وہ اختلاف کا محل ہے تو کثیر علماء کا دعویٰ ہے کہ اس پر دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ وہ ایسی قوم کا ذکر کرتے ہیں جو جادو کا مطلق انکار کرتی ہے۔ گویا کہ اس سے مراد وہ ان لوگوں کو لیتے ہیں جو اسے تصور سمجھتے ہیں۔ ورنہ یہ سینہ زوری ہے۔

علامہ مازری نے لکھا ہے کہ جمہور علماء جادو کے اثبات کا قول کرتے ہیں نیز یہ کہ اس کی حقیقت ہے۔ بعض اس کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور اس سے رونما ہونے والے واقعات کو خیالات باطلہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ مؤقف مردود ہے کیونکہ جادو کے اثبات کے بارے روایت وارد ہے۔ عقل بھی اس کا انکار نہیں کرتی کہ رب تعالیٰ جادوگر کے کلمات کی وجہ سے خرقِ عادت امور پیدا فرما دے یا اجسام کی ترکیب بدل دے یا مخصوص ترتیب پر قوی کے مابین امتزاج کر دے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض طبیب بعض جڑی بوٹیوں کو باہم ملاتے ہیں۔ ان کی ترکیب سے وہ نافع بن جاتی ہیں حالانکہ وہ پہلے نقصان دہ ہوتی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جادو کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے زیادہ نہیں ہوتی:

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ (البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: ”جس سے جدائی ڈالتے تھے خاوند اور اس کی بیوی میں۔“

کیونکہ یہ تخفیف کا مقام ہے اگر اس کی تاثیر اس سے زائد ہوتی تو اس کا ذکر کر دیا جاتا۔ مازری لکھتے ہیں ”عقل کی جہت سے صحیح یہ ہے کہ اس کی تاثیر اس سے زائد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آیت میں زیادتی کی ممانعت کی نص نہیں ہے۔ اگرچہ ہم کہیں کہ یہ امر اس میں زائد ہے۔“ پھر انہوں نے وہ فرق لکھا ہے جو جادو، معجزہ اور کرامت کے مابین ہے۔ میں معجزات کے ابواب میں ان کا تذکرہ کروں گا۔“

◆۳ امام نووی نے لکھا ہے کہ جادو کرنا حرام ہے۔ یہ بالاجماع کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ نے اسے سات تباہ کن گناہوں میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کفر ہیں اور بعض کفر نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہیں۔ اگر اس میں ایسا قول یا فعل ہو جو کفر کا تقاضا کرے تو وہ کفر ہے جیسے شیاطین یا ستاروں کی پوجا کرنا اس کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے۔ اگر اس میں ایسا امر ہو جو کفر کا تقاضا کرتا ہو تو جادوگر سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اگر ایسا جادو ہو جس میں کفر کا تقاضا نہ ہو تو اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ امام مالک نے لکھا ہے کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے گا اسے توبہ کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ زندیق کی طرح اسے تہ تیغ کر دیا جائے گا۔'' قاضی نے لکھا ہے' امام احمد کا یہی قول ہے صحابہ کرام کی ایک جماعت اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی

یہی مؤقف ہے۔" امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

❹ بعض علماء نے دو وجوہات کی بناء پر جادو سیکھنا جائز قرار دیا ہے۔ (۱) اس میں کفر وغیرہ کی تمیز کرنے کے لیے (۲) جو اس امر میں مبتلاء ہو اس کی اذیت دور کرنے کے لیے۔ پہلے معاملہ میں تو صرف اعتقاد کی جہت کے اعتبار سے ممانعت ہے۔ جب اعتقاد درست ہو تو صرف کسی چیز کو جاننا ممانعت کو لازم نہیں جیسے کہ بت پرستوں کی عبادت کے بارے جاننا کیونکہ جو چیز ساحر جانتا ہے اس کی کیفیت اس کے قول یا فعل کی حکایت ہی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جہاں تک دوسرے معاملہ کا تعلق ہے اگر وہ کفر یا فسق کی انواع میں سے کسی نوع کے بغیر مکمل نہ ہو تو یہ اصلاً حلال نہیں۔ ورنہ یہ مذکورہ معنی میں جائز ہے۔ اس کی مزید تفصیل آپ ﷺ کی عصمت کے ابواب میں آئے گی۔

❺ لبید بن اعصم کے بارے بتایا جاتا ہے کہ وہ بنو زریق کا یہودی تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ بنو زریق میں سے تھا۔ یہ یہودیوں کا حلیف تھا۔ یہ منافق تھا۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے اسے یہودی کہا ہے اس نے اسے نفس امر کی طرف دیکھا ہے۔ جس نے اسے منافق کہا ہے اس نے اس کے ظاہر کی طرف دیکھا ہے۔ ابوالفرج نے لکھا ہے "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے منافقت کرتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔" یہی مؤقف واضح ہے۔

❻ آپ ﷺ پر جادو کا اثر کتنی مدت رہا؟ اسماعیلی نے ابوضمرہ سے روایت کیا ہے کہ آپ چالیس روز تک اس سے متاثر رہے۔ امام احمد نے یہ مدت چھ ماہ لکھی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ طبیعت مبارکہ کے تغیر سے یہ مدت چھ ماہ بنتی ہو اور اس کا صحیح اثر چالیس روز تک رہا ہو۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "مجھے صحیح روایات سے معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کتنی دیر تک اس کے زیر اثر رہے حتیٰ کہ میں امام زھری کی روایت سے آگاہ ہوا جسے جامع معمر میں لکھا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک سال تک اس سے متاثر رہے۔

❼ آپ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی پھر آپ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ امام نووی نے لکھا ہے "اس میں اس امر کا استحباب ہے کہ ناپسندیدہ امور کے حصول کے وقت دعا کرنی چاہیے۔ دعا بار بار مانگنی چاہیے اور رب تعالیٰ کی درگاہ والا میں حسن التجاء کرنی چاہیے تاکہ رب تعالیٰ وہ مصیبت دور کرے۔" الحافظ نے لکھا ہے "اس معاملہ میں حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اسباب پر عمل کرنے کے دونوں امور پر عمل پیرا ہوئے۔ معاملہ کی ابتداء میں آپ نے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور مصیبت پر صبر کرنے کے لیے رب تعالیٰ سے اجر و ثواب کی تمنا کی۔ جب یہ

معاملہ طول پکڑ گیا۔ آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اس طرح عبادت کرنے میں کمزوری واقع ہو گی۔ تو آپ علاج کرانے کی طرف مائل ہوئے۔ پھر دعا کی۔ یہ دونوں مقامات کمال میں انتہاء ہیں۔

◆۸ ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار کو جادو کی اشیاء نکالنے کے لیے بھیجا۔ جبکہ صحیح میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں کے پاس گئے۔ عمر بن حکم سے مرسل روایت ہے کہ آپ نے جبیر بن ایاس زرقی کو بلایا اس نے ان اشیاء کے بارے بتایا کہ وہ چیزیں ذروان کے کنویں کے اندر پتھر کے نیچے ہیں۔ جبیر نے ہی وہ اشیاء باہر نکالیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ قیس بن محصن زرقی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے یہ اشیاء باہر نکالیں۔ ان روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ جبیر نے اس معاملہ میں مدد کی تھی لہٰذا اسے ان کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

❁❁❁❁

تیرھواں باب

بعض سرکش منافقین

ابن اسحاق نے بہت سے منافقین کا تذکرہ کیا ہے۔میں صرف ان کا تذکرہ کروں گا۔جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا۔ پہلے میں نفاق کا معنی لکھوں گا۔نفاق ایک ایسا نام ہے جسے اسلام سے قبل مخصوص معنی میں کوئی نہیں جانتا تھا۔اس سے مراد منافق کا وہ فعل ہے جو اس کے کفر کو چھپا دے وہ اس کے ایمان کا اظہار کر دے۔جیسے کہ آدمی نفق ''سرنگ'' میں چھپ جاتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سے مشتق ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ نافق الیربوع سے مشتق ہے۔چوہا اپنے بل کے ایک منہ قاصعاء سے داخل ہوتا ہے اور اس کے نافقاء سے نکل آتا ہے۔یا اس کے برعکس کرتا ہے۔کیونکہ اس کے بل کے چار منہ ہوتے ہیں۔''نافقاء، قاصعاء، راھطاء، داماء'' وہ تیز رفتاری سے نافقاء کے کنارے تک جاتا ہے اسے چھپاتا ہے پھر دوسری جانب سے نکل آتا ہے۔جب کسی دوسرے بل میں جانا چاہتا ہے تو نافقاء کو اپنا سر مارتا ہے اس سے باہر نکل آتا ہے۔یہ سوراخ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوتے ہیں وہ ایک کا ارادہ کرتا ہے اور دوسرے سے نکل آتا ہے۔

منافق کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے وہ ایک جہت سے ایمان میں داخل ہوتا ہے دوسری سے نکل جاتا ہے یہ جو ہے کے اس فعل سے مشتق ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ نافقاء کی صورت سے مشتق ہے جو ہے کے فعل سے نہیں۔

کیونکہ نافقاء وہ سوراخ ہوتا ہے جس کا ظاہر مدخل (داخل ہونے کی جگہ ہوتا ہے) اور باطن مخرج (نکلنے کی جگہ) ہوتا ہے۔منافق کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔وہ ایمان کا اظہار کرتا ہے۔اس کے باطن میں نفاق ہوتا ہے۔نفاق کی جگہ دل ہوتا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔بہت سے لوگوں نے خود کو یہودیوں کی طرف منسوب کر لیا۔زمانۂ جاہلیت میں انہیں بڑا شخص سمجھا جاتا تھا۔منافقین شرک اور قیامت کو جھٹلانے کے اعتبار سے اپنے آباء کے دین پر ہی تھے۔لیکن اسلام نے انہیں سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا۔قوم کی اجتماعیت نے انہیں اسلام کا اظہار کرنے پر مجبور کیا۔انہوں نے اسلام کا اظہار کیا۔اسلام کو بطور ڈھال استعمال کیا تا کہ قتل ہونے سے بچ سکیں۔دل میں نفاق رکھا۔ان کی تمنائیں یہودیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور اسلام کا انکار کرتے تھے۔

رب تعالیٰ نے سورۃ براۃ میں ان کے بارے بتایا۔ منافقین میں سے ایک جلاس بن سوید تھا۔ یہ غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب قرآن پاک کا نزول ہوا۔ اس میں منافقین کا تذکرہ ہوا تو جلاس نے کہا: ''بخدا! اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر ہم تو گدھے سے بھی برے ہیں۔'' حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بکواس سن لی۔ یہ جلاس کی کفالت میں تھے۔ حضرت عمیر نے اسے کہا: ''بخدا! اے جلاس! تو مجھے سارے لوگوں سے پیارا ہے تیرے احسانات مجھ پر سب سے زیادہ ہیں۔ مجھے سخت گراں گزرتا ہے کہ تجھے کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن تو نے ایسی بات کر دی ہے کہ اگر میں اسے آگے بیان کروں تو تجھے رسوا کر دوں گا۔ اور اگر خاموش رہوں تو اپنا دین تباہ کرلوں گا۔ ان میں سے ایک بات مجھ پر دوسری سے آسان ہے۔'' وہ حضور والا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کو جلاس کی بات بتائی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا۔ جلاس حضور اکرم ﷺ کے سامنے قسم اٹھا گیا کہ حضرت عمیر نے اس کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ جو حضرت عمیر نے کہا۔ اس نے وہ کچھ نہیں کہا۔ حضرت عمیر نے کہا: ''بخدا! تو نے یہ بات کی ہے۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ والا میں توبہ کرلو۔'' حضور ﷺ پر وحی کے اثرات نمودار ہونے لگے۔ سارے حاضرین ساکت و جامد ہو گئے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو وہ اسی طرح کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے سر اقدس اٹھایا اور فرمایا:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ (التوبہ: ۷۴)

ترجمہ: ''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا۔ ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے۔ سو اگر وہ توبہ کرلیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم۔ دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔''

جلاس نے کہا: ''میں نے یہ غلطی کی تھی۔ رب تعالیٰ نے مجھے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں۔'' آپ نے اس کی توبہ قبول کرلی۔ اس کا ارادہ تھا کہ مشرکین کے ساتھ جا ملے گا۔ ابن سیرین نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے کان پکڑے اور فرمایا: ''لڑکے! تمہارے کانوں نے تمہارے ساتھ وفا کی اور تمہارے رب نے تمہاری تصدیق کر دی۔''

تنبیہات

❶ اس آیت طیبہ کا اور بھی شان نزول لکھا گیا ہے۔ وہ عبداللہ بن ابی کا یہ قول ہے اس نے غزوۃ المریسیع میں کہا تھا ''بخدا! ہماری اور محمد عربی ﷺ کی مثال یونہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے: ''اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ تجھے ہی کاٹ کھائے۔ اگر ہم مدینہ گئے تو معزز وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔'' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ بات بارگاہ رسالت مآب میں پہنچا دی۔ ابن ابی نے قسم اٹھا دی کہ اس نے یہ بات نہیں کی۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

❷ محمد بن عمر نے روایت کیا ہے کہ جلاس نے توبہ کر لی۔ اپنی توبہ کو عمدہ کیا۔ اس نے وہ بھلائی نہ چھوڑی جو وہ حضرت عمیر پر کرتا تھا۔ اس کی توبہ معروف تھی۔

نبتل بن حارث بھی منافقین میں سے تھا۔ یہ ایک طویل القامت، سیاہ شکل، بکھرے بالوں والا سرخ آنکھوں والا۔ پچکے گالوں والا شخص تھا۔ اس کے بارے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''تم میں سے جو شیطان کی طرف دیکھنا چاہے وہ نبتل کی طرف دیکھ لے۔''

ابن اسحاق نے بنو عجلان کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ''آپ کے پاس ایک کالا، بکھرے بالوں والا، پچکے گالوں والا اور سرخ آنکھوں والا شخص آتا ہے۔ اس کی آنکھیں پیتل کی دو ہنڈیوں کی طرح ہیں۔ اس کا جگر گدھے کے جگر سے بھی خبیث ہے۔ وہ آپ کی باتیں منافقوں تک پہنچاتا ہے۔ اس سے احتیاط فرمائیں۔'' یہ ساری صفات نبتل بن حارث کی تھیں۔ یہ آپ کی خدمت میں آتا تھا۔ آپ کے فرامین سنتا تھا۔ پھر انہیں منافقین تک پہنچا دیتا تھا۔ یہ کہتا تھا: ''محمد عربی ﷺ کانوں کے کچے ہیں جو بھی آپ کے پاس بات کرتا ہے آپ اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ (التوبۃ:٦١)

ترجمہ: ''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

ان منافقین میں مربع بن قیظی بھی تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ غزوۂ احد کے لیے جا رہے تھے اور آپ اس کے باغ سے گزرنے لگے۔ تو اس نے کہا تھا: ''محمد عربی ﷺ! اگر آپ نبی ہیں تو پھر میں آپ کو اپنے باغ میں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتا۔'' اس تیرہ بخت نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور کہا: ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ مٹی آپ کے علاوہ کسی اور پر بھی پڑے گی تو میں اسے آپ پر پھینک دیتا۔'' صحابہ کرام جلدی سے گئے تاکہ اسے قتل کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔ یہ دل کا بھی اندھا ہے اور نظر کا بھی۔''

ان منافقین میں سے ایک عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ یہ منافقین کا سردار تھا۔ منافقین اسی کے پاس ہی جمع ہوتے تھے۔ اسی نے ہی یہ بکواس کی تھی ''اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو معزز وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا'' اس کی یہ بکواس سورۃ المنافقین میں اسی طرح اتری۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کے شرف میں دو افراد کو بھی شک نہ تھا۔ اس سے قبل اوس اور خزرج نے کسی اور شخص پر اتفاق نہیں کیا تھا۔ اس وقت اسلام کا آفتاب طلوع ہو گیا۔ قوم تاج بنوا کر اسے بادشاہ بنانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اسی اثناء میں حضور اکرم ﷺ وہاں جلوہ افروز ہو گئے۔ جب اس کی قوم نے اسے چھوڑا اور اسلام قبول کر لیا۔ تو اس کے دل میں کینہ پیدا ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے سلطنت چھین لی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم اسلام قبول کرنے پر مصر ہے تو یہ نہ چاہتے ہوئے اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہ اپنے کینہ اور نفاق پر قائم تھا۔

ابن اسحاق، امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''حضور اکرم ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے اس پر زین کسی ہوئی تھی۔ اس پر فدک کا بنا ہوا موٹا کپڑا ڈالا گیا تھا۔ اس کے منہ میں کھجور کے پتوں کی لگام تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بنو حارث بن خزرج میں تھے۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہے۔ آپ عبداللہ بن ابی کے پاس سے گزرے۔ وہ بلند مکان کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی محفل میں مسلمان، مشرکین اور یہودی بھی تھے۔ اس محفل میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب سواری کی گرد اس محفل تک پہنچی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی چادر سے اپنی ناک

کو ڈھانپ لیا۔اس نے کہا:"ہماری طرف گرد نہ اڑاؤ۔" حضور اکرم ﷺ نے سلام کیا۔ وہاں ٹھہر گئے۔انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔انہیں ڈرایا اور بشارت دی۔ابن ابی نے آپ سے کہا:"اے آدمی! تمہاری گفتگو کا یہ انداز اچھا نہیں ہے۔اگر چہ یہ حق ہے ہماری محافل میں ہمیں اذیت نہ دو۔اپنے گھر لوٹ چلو جو تمہارے پاس آتے اسے یہ پیغام دو۔" حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:"ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ پیغام حق ہمیں ہماری محافل میں سنائیں بخدا! ہم اسے پسند کرتے ہیں۔مسلمان، مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے۔حضور اکرم ﷺ انہیں ٹھنڈا کرتے رہے۔حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے۔حضور اکرم ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔آپ نے انہیں فرمایا:"سعد! کیا تم نے سنا نہیں کہ ابو حباب (ابن ابی) نے ابھی ابھی کیا کہا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی:"یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس سے درگزر فرمائیں۔اسے معاف فرمائیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ عطا کر دیا ہے۔جو عطا کر دیا ہے۔اہل بحیرہ نے اتفاق کر لیا تھا کہ اسے تاج پہنائیں اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔جب اس حق کے سامنے اس کی پیش نہ گئی۔جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو یہ چیز اس کے گلے میں اٹک گئی۔اس نے وہ نازیبا کام کیا ہے۔جو آپ نے ملاحظہ کیا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا:"میں نے عرض کی:"اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیک وسلم کاش! ابن ابی کے پاس تشریف لے چلیں۔حضور اکرم ﷺ اس کی طرف تشریف لے گئے۔آپ گدھے پر سوار ہوئے۔ مسلمان پیدل ہی تھے۔یہ سخت زمین تھی۔حضور اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے کہا:"مجھ سے دور ہو جائیں مجھے آپ کے گدھے کی بو تکلیف دے رہی ہے۔" ایک انصاری شخص نے کہا:"بخدا! حضور اکرم ﷺ کے گدھے کی بو تیری بو سے بہت عمدہ ہے۔" یہ سن کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک شخص کو غصہ آ گیا۔ہر ایک کے ساتھی دوسرے کے ساتھیوں پر الجھ پڑے وہ شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑنے لگے۔مجھے خبر ملی ہے کہ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ (الحجرات:۹)

ترجمہ: "اور اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے:"جب ابن ابی نے اپنی قوم کا اختلاف دیکھا تو اس نے یہ شعر کہے:

متی ما یکن مولاك خصمك لا تزل ... تذل و یصرعك الذین تصارع

ترجمہ: "جب تیرا ساتھی ہی تیرا دشمن بن جائے۔تو ذلیل ہو جائے گا۔اور وہ لوگ تجھے پچھاڑ دیں گے جنہیں تو پچھاڑتا تھا۔"

و هل ینهض البازی بغیر جناحه   و ان جُذّ یومًا ریشه فهو واقع

ترجمہ: ''کیا کوئی باز اپنے پروں کے بغیر اڑ سکتا ہے۔ اگر کسی روز اس کے پر کاٹ دیے جائیں اور وہ گرا پڑا ہو۔''

ان منافقین میں سے ایک ابوعامر فاسق بھی تھا۔ اس کا نام عمرو بن صیفی تھا۔ یہ حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کا باپ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ یہ صوف پہنتا تھا۔ یہ اپنی قوم میں معزز تھا۔ اس کی اطاعت کی جاتی تھی لیکن بدبختی اس پر غالب آ گئی۔

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابوعامر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اس کے مکہ مکرمہ کی طرف نکلنے سے پہلے کی بات ہے۔ اس نے کہا: ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! یہ کون سا دین ہے جس کے ساتھ آپ تشریف لائے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''یہ حنفیت دین ابراہیمی ہے۔'' اس نے کہا: ''میں اسی دین پر ہوں۔'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو اس دین پر نہیں ہے تو نے اس میں وہ چیزیں شامل کر دی ہیں جو اس میں نہیں تھیں۔'' اس نے کہا: ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! بلکہ آپ نے اس دین میں ایسی چیزیں شامل کر دی ہیں جو اس میں نہیں تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس میں کچھ بھی داخل نہیں کیا۔ میں اسے پاک اوصاف لے کر آیا ہوں۔'' ابوعامر نے کہا: ''ہم میں سے جو جھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اسے تنہا اور پردیس میں موت طاری کرے۔'' کیونکہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تھے اس لیے اس نے اس طرح کہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اللہ تعالیٰ جھوٹے پر اسی طرح موت طاری کرے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کے ساتھ اسی طرح ہوا۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف گیا جب آپ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو وہ طائف کی طرف نکل گیا۔ جب اہل طائف نے اسلام قبول کر لیا تو وہ شام کی طرف نکل گیا۔ وہاں حالت غربت میں، دھتکارا ہوا تنہا مر گیا۔

الحمدللہ! آج بروز ہفتہ مؤرخہ ۱۲/۶/۲ کو سبل الہدیٰ کی تیسری جلد کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ علی ذالك۔

غبار راہ حجاز
ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، سرگودھا

(اردو ترجمہ)

سُبُل الھُدیٰ و الرَّشَاد

فِی سیرۃ خیر العِبَاد

جلد چہارم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

غزوات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلا باب

جہاد کا اذن اور اہل کتاب اور مشرکین سے درگزر کا منسوخ ہونا

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ وحی نازل کی کہ آپ اس رب کریم کے نام مبارک سے پڑھیں جس نے تخلیق کی۔ یہ نبوت کی ابتداء تھی۔ اس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ خود پڑھیں۔ اس وقت اس نے آپ کو تبلیغ کا حکم نہ دیا۔ پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ (المدثر:۱،۲)

ترجمہ: "اے چادر لپیٹنے والے اٹھیے اور (لوگوں) کو ڈرائیے۔

"اقرأ" سے آغاز ہوا۔ "یا ایھا المدثر" سے رسالت کا تاج آپ کے سر پر سجایا پھر اس نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں پھر اپنی قوم کو ڈرانے کا حکم دیا۔ پھر آپ کو اپنے ارد گرد سارے عرب کو پیام حق دینے کا حکم دیا۔ پھر یہ پیام آخرین تاقیامت سارے جن وانس تک پہنچانے کا حکم دیا۔ آپ نے نبوت کے بعد دس سال تک قتال کے بغیر پیام حق پہنچایا۔ نہ جہاد کیا نہ کسی سے جزیہ لیا۔ آپ کو رک جانے، صبر کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر آپ کو ہجرت کا اذن ملا۔ جب آپ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہو گئے تو رب تعالیٰ نے آپ کی اور اپنے مؤمنین بندوں کی نصرت و تائید کی۔ دشمنی اور عداوت کے بعد ان کے دل جوڑ دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے انصار اور اسلام کے لشکر اوس اور خزرج نے ہر سیاہ اور سرخ سے آپ کا دفاع کیا۔ انہوں نے آپ پر جانیں نچھاور کیں۔ آپ کی محبت وعشق کو آباء اور بیٹوں کی محبت سے مقدم کیا۔ آپ کی

محبت وعشق کو اپنی بیبیوں سے مقدم سمجھا۔ آپ انہیں ان کی جانوں سے بھی عزیز تھے۔ اہلِ عرب اور یہودیوں نے آپ سے دشمنی کی۔

امام بیہقی وغیرہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آئے تو اہلِ عرب اور یہود آپ سے دشمنی پر متفق ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے لیے جنگ اور عداوت کے شعلے بڑھائے۔ وہ ہر جانب سے آپ پر حملہ کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ حتیٰ کہ مسلمان صبح اور شام اسلحہ ہی پہنے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ کہتے تھے "تم ہمیں دیکھتے ہو کہ ہم اس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ہماری زندگی سراپا سکون و اطمینان ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْــٴًـا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ (النور: ۵۵)

ترجمہ: "وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو۔ جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے رہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔"

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مفہوم ہے۔

وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

(النحل: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: "اور جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے) ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش! یہ جان لیتے جنہوں نے (مصائب) میں صبر کیا اور مشکلات میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات طیبات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے نازل ہوئیں۔ جنہیں مکہ مکرمہ میں تکلیف دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ظلم کی آندھی چلنے کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ دنیا میں حسنہ (رزق وسیع) کا وعدہ کیا۔ رب تعالیٰ نے انہیں کشادہ رزق عطا کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی صحابی کو کچھ عنایت فرماتے تو فرماتے:

"لے لو! اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس میں برکت ڈالے۔ یہ وہ رزق ہے جس کا رب تعالیٰ نے تم سے دنیا میں وعدہ کیا ہے۔ جو تمہارے لیے اس نے آخرت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے وہ اس سے افضل ہے۔"

یہودی اور مشرکین آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو اذیتیں دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں صبر، درگزر اور عفو کا حکم دیا۔ فرمایا:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ (آل عمران:۱۸۶)

ترجمہ: "اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ کو اختیار کرو تو بے شک بڑی ہمت کا کام ہے۔"

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ (البقرۃ:۱۰۹)

ترجمہ: "دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنادیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے۔ جو ان کے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق۔"

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ (البقرۃ:۱۰۹)

ترجمہ: "(اے غلامانِ مصطفیٰ) معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ تعالیٰ (ان کے بارے میں) اپنا حکم۔"

ابوداؤد، ابن منذر اور امام بیہقی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو یہودی اور مشرکین آپ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں

اس پر صبر و درگزر کا حکم دیا۔' امام بخاری، امام مسلم، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور الطبرانی نے حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر فرماتے تھے۔" حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا اذن دے دیا۔ مختلف غزوات میں قریش کے بہت سے سورما تہ تیغ ہوئے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جب مسلمانوں کو تقویت نصیب ہوگئی۔ مسلمانوں کے بازو مضبوط ہو گئے تو رب تعالیٰ نے انہیں جہاد کا اذن دے دیا۔ ان پر جہاد فرض نہ کیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۟ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج: ۳۹/۴۰)

ترجمہ: "اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق۔ صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارت گری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور سب پر غالب ہے۔"

علماء کرام نے لکھا ہے کہ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں پر ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنا فرض قرار دیا جو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ لیکن ان کے ساتھ تو جہاد کرنے کا اذن نہ تھا۔ جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرے۔ فرمایا:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ (البقرۃ: ۱۹۰)

ترجمہ: "اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔"

پھر رب تعالیٰ نے سارے مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ دین سارے کا سارا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔ فرمایا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۚ (التوبۃ: ۳۶)

ترجمہ: ''اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں۔''

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ (البقرۃ:۲۱۶)

ترجمہ: ''اور فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔''

پہلے اس کی اجازت نہ تھی۔ پھر اس کا اذن مل گیا۔ پھر اس کے لیے اذن ملا جو جنگ کی ابتداء کرے۔ پھر سارے مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن ملا۔ یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے۔

امام احمد، ترمذی، امام نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ جہاد کے بارے سب سے پہلے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ (الحج:۳۹)

ترجمہ: ''اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنیاد پر کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔''

امام احمد، امام بخاری، امام ابوداؤد وغیرہم نے حضرت ابوہریرہ، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں حتیٰ کہ وہ گواہی دینے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول محترم ہیں۔ وہ ہمارا قبلہ قبول کرلیں۔ وہ زکوٰۃ دینے لگیں، ہمارا ذبیحہ کھالیں۔ ہماری نماز پڑھنے لگیں۔ جب وہ یوں کرنے لگیں ہم پر ان کے خون حرام ہیں ان کے اموال حرام ہیں مگر ان کے حقوق۔ ان پر وہی ہے جو کچھ دیگر مسلمانوں پر ہے اور ان کے لیے وہی کچھ ہے جو دیگر مسلمانوں کے لیے ہے۔ ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: ''مگر ان کے حقوق سے کیا مراد ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''شادی کے بعد زنا، اسلام کے بعد کفر یا کسی کو قتل کرنا اور اس کے بدلہ میں اس کا قتل ہوجانا۔''

ہجرت کے بعد کفار کے ساتھ آپ کے معاملات تین طرح کے تھے۔

- ایک قسم کے ساتھ آپ نے مصالحت کرلی۔ ان کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ آپ کے خلاف کسی دشمن کی اعانت نہیں کریں گے۔ وہ کافر ہی رہے۔ لیکن ان کے خون اور اموال محفوظ تھے۔

2. دوسری قسم نے آپ کے ساتھ جنگ کی اور آپ کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا۔
3. تیسری قسم نے آپ کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے آپ کے ساتھ نہ جنگ کی نہ صلح کی۔ بلکہ وہ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے معاملہ کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ان میں سے بعض لوگ وہ تھے جو اندر سے آپ کے غلبہ اور فتح کے متمنی تھے۔ بعض آپ کے دشمن کے ظہور اور غلبہ کے خواہاں تھے۔ بعض لوگ ظاہری طور پر آپ کی صف میں شامل ہو گئے۔ لیکن وہ باطنی طور پر آپ کے دشمن کے ساتھ تھے۔ تاکہ وہ خود کو دونوں فریقوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ یہ منافقین تھے۔ ہر گروہ کے ساتھ آپ نے اسی طرح معاملہ کیا جس طرح رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا۔

آپ نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں کے ساتھ صلح کر لی۔ آپ کے اور ان کے مابین امن کا معاہدہ ہوا۔ مدینہ طیبہ کے ارد گرد ان کے تین گروہ تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان سب نے معاہدہ توڑ دیا۔ یہ تفصیل غزوات میں آئے گی۔ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ نے جو معاہدہ کیا ہے اسے پورا کریں۔ جب تک وہ عہد کی پاسداری کریں۔ اس وقت تک آپ بھی معاہدہ نبھائیں۔ اگر آپ کو یہ خدشہ ہو کہ وہ خیانت کریں گے۔ تو ان سے معاہدہ ختم کریں۔ لیکن ان کے ساتھ جہاد اس وقت تک نہ کریں حتیٰ کہ آپ انہیں اس معاہدہ کو توڑنے سے آگاہ کر دیں۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اس کے ساتھ جہاد کریں جو آپ سے عہد شکنی کرے۔

جب سورت "براءۃ" کا نزول ہوا تو اس وقت ان ساری اقسام کا ذکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اہلِ کتاب میں سے اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کریں حتیٰ کہ وہ جزیہ ادا کرنے لگیں یا وہ دین اسلام میں داخل ہو جائیں اس نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کفار کے ساتھ جہاد کریں۔ منافقین کے ساتھ جہاد کریں۔ ان کے ساتھ سختی فرمائیں۔ آپ نے کفار کے ساتھ سیف اور نیزہ کے ساتھ جہاد کیا۔ منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان اقدس سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک سورت میں حکم دیا کہ آپ کفار سے معاہدوں سے برأت کا اعلان کر دیں۔ ان کے معاہدے توڑ دیں۔ اس نے اس سورت میں معاہدہ کرنے والوں کی تین اقسام بنائیں۔

1. ایک قسم کے ساتھ آپ کو جہاد کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ عہد شکنی کی تھی۔ عہد کی پاسداری نہ کی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ جہاد کیا۔ ان پر غلبہ پا لیا۔
2. دوسری قسم کے ساتھ مدت مقررہ تک کے لیے معاہدہ تھا۔ انہوں نے نہ تو عہد توڑا تھا اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی کی مدد کی تھی۔ آپ کو ان کے عہد کو مکمل کرنے کا حکم دیا۔
3. ایک قسم کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہ تھا نہ ہی انہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ ان کا مطلق عہد تھا۔ رب تعالیٰ نے

آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کے لیے چار ماہ کی مدت متعین فرمادیں۔ جب چار ماہ گزر جائیں تو ان کے ساتھ جہاد کریں۔ یہ چار ماہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں:

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ۔ (التوبہ:٥)

ترجمہ: "پھر جب گذر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو۔"

یہ مہینے لوگوں میں مشہور ہیں۔ ان کی ابتداء اس دن سے ہوئی جس دن یہ اعلان کیا گیا تھا۔ یہ دسویں ذی الحجۃ تھی۔ یہ حج اکبر کا دن تھا جس میں یہ اعلان ہوا۔ اس کا آخری دن ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تھی۔ ان سے مراد وہ چار ماہ نہیں جو رب تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (التوبہ)

ترجمہ: "بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔"

ان میں سے ایک تنہا ہے اور تین لگاتار ہیں۔ یہ رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجۃ اور محرم کے ماہ مقدس میں۔ ان ماہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو نکالنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ ممکن نہیں، کیونکہ یہ لگاتار نہیں ہیں۔ اس نے مشرکین کے لیے چار ماہ کی مدت کا تعین کیا۔ پھر آپ کو حکم دیا کہ ان مہینوں کے گزر جانے کے بعد آپ ان کے ساتھ جہاد کریں اس سے جہاد کریں۔ جس نے آپ کے ساتھ عہد توڑا۔ جس کا عہد نہ تھا۔ یا جس کا مطلق عہد تھا اس کے لیے چار ماہ کی مدت کا تعین کیا۔ اس نے آپ کو حکم دیا کہ آپ معاہدہ کرنے والے کا عہد اس کی مدت تک مکمل کریں۔ ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ اس مدت میں کفر پر برقرار نہ رہے۔ آپ نے اہلِ ذمہ پر جزیہ لاگو کیا۔ معاہدے اور صلح کرنے والے اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ کفار دو قسموں میں منقسم ہو گئے۔

١. اہلِ ذمہ۔ یہ امن سے تھے۔
٢. اہلِ حرب۔ یہ آپ سے خوفزدہ تھے۔

اہلِ زمین آپ کے بارے تین اقسام میں منقسم ہو گئے۔

١. آپ پر ایمان لانے والے مسلمان۔
٢. آپ سے مصالحت کرنے والے بھی امن میں تھے۔

۳ آپ کے ساتھ جنگ کرنے والے۔ یہ خوفزدہ تھے۔

منافقین کے بارے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کا ظاہر قبول کر لیں اور ان کے باطن اللہ رب العزت کے سپرد کر دیں۔ آپ ان کے ساتھ علم اور دلیل سے جہاد کریں۔ آپ ان سے اعراض کریں۔ ان پر سختی فرمائیں۔ انہیں تنہائی میں بلیغ قول فرمائیں۔ آپ کو منع فرما دیا گیا کہ آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ ان کی قبروں پر کھڑے نہ ہوں۔ آپ کو بتا دیا گیا کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔

تنبیہ

بعض ملحد کہتے ہیں کہ آپ کو تلوار اور قلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے آپ کو دلائل اور معجزات کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔ آپ دس سال تک لوگوں کو حق کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ وہ کفر اور تکذیب پر ڈٹے رہے۔ پھر آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ یہ اس عذاب کا عوض ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کو دیا جب انہوں نے اپنے رسل عظام علیہم السلام کی تکذیب کی۔

دوسرا باب

غزوات کی تعداد میں اختلاف

ابن سعد نے ابن اسحاق سے، ابن عقبہ اور محمد بن عمر نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ وہ غزوات جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی۔ ان کی تعداد ستائیس (۲۷) ہے۔ ایک قول انتیس (۲۹) کا ہے۔ جبکہ ایک اور قول چھبیس کا بھی ہے۔ یہ اس سیرت نگار کا قول ہے جس نے غزوۂ خیبر اور غزوۂ وادی القری کو ایک غزوہ شمار کیا ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے غزوات کی تعداد ۲۵ لکھی ہے۔ حافظ عبدالغنی مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ قول مشہور ہے۔ ابن اسحاق، ابن عقبہ اور ابو معشر نے اسی مؤقف کا اختیار کیا ہے۔ ابو الفرج نے تلقیح میں، دمیاطی اور عراقی نے اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ المورد میں ہے کہ مؤلف حافظ عبدالغنی نے ان مذکورہ علماء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں نے کسی سیرت نگار کو نہیں دیکھا جس نے ان علماء سے ان کے علاوہ روایت کیا ہو۔ پھر انہوں نے غزوات کے نام شمار کیے ہیں۔ جو درج ذیل ہے۔ غزوۃ الابواء۔ اسے ودان بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ بواط، غزوۃ سفوان، اسے بدر الاولیٰ بھی کہا جاتا ہے یہ کرز بن جابر کی تلاش میں تھا۔ غزوۃ العشیرۃ، غزوۃ بدر الکبریٰ، غزوہ بنوسلیم۔ اسے غزوۃ قرقرۃ الکدر بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ السویق، غزوہ غطفان۔ اسے غزوۃ ذی امر بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ الفرع، غزوہ بنوقینقاع، غزوہ احد، غزوہ حمراء الاسد، غزوہ بنونضیر، غزوہ بدر الاخیرۃ۔ اسے بدر الموعد بھی کہا جاتا ہے، غزوۃ دومۃ الجندل، غزوۃ بنو مصطلق، اسے غزوہ المریسیع بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۃ خندق، غزوہ بنوقریظہ، غزوۃ بنولحیان، غزوۃ الحدیبیہ، غزوہ ذی قرد، غزوہ خیبر، غزوہ ذات الرقاع، اسے غزوۃ محارب یا غزوہ بنوثعلبہ کہتے ہیں۔ غزوۃ عمرۃ القضاء، غزوۃ فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف پھر غزوہ تبوک۔ بعض سیرت نگاروں نے ان میں تقدیم و تاخیر کی ہے۔ ان کی تفصیلات آ رہی ہیں۔

ابن اسحاق، ابن سعد اور ابن حزم اور ابن اثیر نے کہا ہے کہ حضرت سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو غزوات میں قتال کیا۔ بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح، حنین اور طائف۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے غزوہ بنونضیر، وادی قریٰ اور غابۃ میں قتال کیا۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ آپ نے آٹھ غزوات میں قتال کیا۔ انہوں نے قریظہ کو شمار نہیں کیا۔ انہوں نے اسے غزوۂ خندق کے ساتھ ملایا ہے کیونکہ یہ اس کے معاً بعد تھا۔ دیگر سیرت نگاروں نے اسے علیحدہ شمار کیا ہے کیونکہ یہ غزوۂ خندق میں کفار کی

ہزیمت کے بعد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے طائف اور حنین کو ایک غزوہ شمار کیا ہے کیونکہ یہ اس کے فوراً بعد رونما ہوا ہے۔

امام مسلم نے حضرت بریدۃ بن حصیب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم ﷺ نے آٹھ غزوات میں قتال کیا۔'' امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ شاید انہوں نے غزوۃ الفتح کو ساقط کر دیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اسے صلح کے ساتھ فتح کیا گیا تھا۔ جیسے امام شافعی نے لکھا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ سابقہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

الحافظ ابو العباس حرانی نے ابن مطہر الرافض کے قول کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیرت نگاروں کے اس قول سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ نے ان غزوات میں بنفس نفیس قتال کیا تھا۔ جیسے کہ ان طلبہ نے سمجھا ہے جو آپ کے حالات کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ آپ نے غزوہ احد کے علاوہ کسی غزوہ میں خود قتال نہیں کیا۔ آپ نے ابی بن خلف کے علاوہ کسی کو اپنے دست اقدس سے نہیں مارا اسے اپنے دست اقدس سے نیزہ مارا۔''

میں کہتا ہوں ''سیرت نگاروں کے اس قول'' آپ نے فلاں فلاں غزوہ میں قتال کیا تھا'' سے مراد یہ ہے کہ ان غزوات میں آپ نے دشمن کے ساتھ قتال کیا تھا۔ ان میں آپ کی موجودگی میں آپ کے لشکر نے جہاد کیا تھا جبکہ بقیہ غزوات میں یوں نہ ہوا تھا۔ ان میں بالکل قتال ہوا ہی نہ تھا۔ لیکن الحافظ نے الفتح میں حضرت ابن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آٹھ غزوات میں بنفس نفیس قتال کیا تھا۔ میں نے مغازی ابن عقبہ کے صحیح نسخہ کی طرف رجوع کیا۔ اس میں تھا: ''ان غزوات کا تذکرہ جن میں آپ نے خود قتال کیا۔ آپ نے بدر............میں قتال کیا۔ لیکن بارہ غزوات میں آپ نے قتال نہیں کیا۔ انہوں نے یہ تذکرہ نہیں کیا کہ آپ نے بنفس نفیس قتال کیا ہو۔ بعض نسخوں میں ہے کہ آپ نے اپنی کمان سے تیر برسائے حتیٰ کہ وہ پھٹ گئی۔ غزوہ احد کے روز آپ نے اپنی لخت جگر حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ ﷞ کو اپنی تلوار عطا فرمائی اور فرمایا: ''اس سے خون دھو دو'' حدیث مبارک میں ہے: ''جب ہم کسی لشکر سے نبرد آزما ہوتے تھے تو سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ تلوار چلاتے تھے۔''

سات بڑے بڑے غزوات ہیں۔ بدر، احد، خندق، خیبر، فتح، حنین، تبوک۔ ان غزوات کی شان میں قرآن پاک نازل ہوا۔ سورۃ الانفال کی بہت سی آیات غزوہ بدر کے بارے، سورۃ آلِ عمران کی آیات غزوہ احد کے بارے، سورۃ الاحزاب کی آیات غزوہ خندق اور قریظہ کے بارے، سورۃ الحشر غزوہ نضیر کے بارے، سورۃ الفتح کی آیات صلح حدیبیہ اور خیبر کے بارے نازل ہوئیں۔ اس میں فتح کی بشارت بھی دی گئی تھی۔ فتح کا تذکرہ سورۃ النصر میں غزوہ تبوک کے بارے سورۃ براءۃ کی آیات نازل ہوئیں حضور اکرم ﷺ صرف غزوۃ احد میں زخمی ہوئے۔ غزوہ بدر، احد اور حنین میں ملائکہ نے آپ کے ساتھ قتال کیا۔ غزوہ خندق میں ملائکہ اترے۔ انہوں نے مشرکین کو اکھیڑ پھینکا انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ آپ نے مشرکین کے چہروں

کی طرف مٹی پھینکی وہ بھاگ نکلے۔غزوۂ طائف میں آپ نے منجنیق کے ساتھ جہاد کیا۔صرف ایک غزوہ میں آپ نے خندق کھودی۔وہ غزوۂ احزاب ہے۔یہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

تنبیہات

1. خطیب بغدادی نے جامع میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت زین العابدین علی بن حسین بن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: ''ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات ایسے ازبر کرائے جاتے تھے۔جیسے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں۔'' اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص زھری مدنی سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے: ''ہمیں والد گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات یاد کراتے تھے اور آپ کے غزوات اور سرایا ہمیں بار بار سناتے تھے۔وہ فرماتے تھے۔''میرے نورِ نظر! یہ تمہارے آباء کرام کا شرف ہے اس کے ذکر کو ضائع نہ کرو۔'' امام زہری سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا: ''غزوات کے علم میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔''

2. ابن اسحاق، امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے غزوات میں شرکت کی؟'' انہوں نے کہا: ''انیس میں۔'' میں نے عرض کی: ''آپ کے ساتھ تم نے کتنے غزوات میں شرکت کی؟'' انہوں نے فرمایا: ''سترہ غزوات۔'' الحافظ نے لکھا ہے''انیس غزوات سے مراد وہ غزوات ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی خواہ ان میں قتال کیا یا نہ کیا۔'' ابویعلی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوات کی تعداد اکیس ہے۔'' اس روایت کی اصل مسلم شریف میں موجود ہے۔اس طرح حضرت زید بن ارقم نے دو کا تذکرہ نہیں کیا۔شاید وہ غزوہ ابواء اور غزوہ بواط ہوں وہ ان کی کم عمری کی وجہ سے ان پر مخفی رہے ہوں۔ اس مؤقف کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے''وہ پہلا غزوہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے وہ ذات العشیرہ یا العشیرۃ ہے'' حالانکہ العشیرہ تیسرا غزوۃ ہے۔''

ابن کثیر کا قول اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت زید کے قول کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ غزوۂ العشیرۃ وہ پہلا غزوہ ہے جس میں حضرت زید بن ارقم نے شرکت کی۔میں کہتا ہوں کہ یہ سوال''وہ پہلا غزوہ کون سا ہے جس میں تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی۔'' انہوں نے فرمایا: ''العشیرۃ'' اس کا بھی احتمال ہے کہ شاید اس سے بعد کے دو غزوات ان پر مخفی رہے ہوں۔یا انہوں نے دو غزوات کو ایک غزوہ شمار کیا ہو جیسے حضرت موسیٰ بن

عقبہ نے کیا ہے۔ اسی طرح بعض سیرت نگاروں نے طائف اور حنین کو ایک غزوہ شمار کیا ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب قریب تھے۔ حضرت زید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے اقوال کو ابن سعد کی وسعت پر محمول کیا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستائیس غزوات میں شرکت کی۔ ان کے شیخ محمد بن عمر نے بھی ان کی تتبع کی ہے۔ یہ ابن اسحاق کی تعداد کے برابر ہے۔ لیکن انہوں نے غزوہ وادی القریٰ کو خیبر سے جدا نہیں کیا۔ امام سہیلی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ گویا کہ چھ زائد غزوات کا تعلق اسی اعتبار سے ہے۔ اسی پر اس روایت کو محمول کیا جائے گا جسے امام عبدالرزاق نے صحیح سند سے حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوبیس غزوات میں شرکت کی۔ سلمہ بن شبیب کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسیب نے پہلے اٹھارہ اور پھر چوبیس غزوات بتائے۔ امام زھری لکھتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ یہ شیخ کا وہم ہے یا انہوں نے اسی طرح سنا ہے" الحافظ نے لکھا ہے "اس احتمال سے وہم دور ہو جاتا ہے اور سارے اقوال جمع ہو سکتے ہیں۔"

غزوات کے بارے سب سے پہلے حضرت عروۃ بن زبیر نے تالیف لکھی۔ یہ بہت بڑے تابعی تھے پھر موسیٰ بن عقبہ اور امام زھری نے ان کی اتباع کی۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "موسیٰ بن عقبہ کے بیان کردہ غزوات سب سے اصح ہیں۔" امام سہیلی کا یہ قول کہ "امام زھری نے سب سے پہلے غزوات پر تالیف لکھی" درست نہیں ان کتب میں سے زیادہ جامع اور مشہور کتاب ابوبکر محمد بن اسحاق بن یسار کے غزوات ہیں۔ یہ عراق میں مقیم تھے۔ ان کی تالیف کے بارے ایک جماعت نے کلام کیا ہے۔ دوسری جماعت نے اس کی تعریف لکھی ہے۔ لیکن معتمد بات یہ ہے کہ وہ صدوق تھے تدلیس کرتے تھے۔ وہ جب کسی روایت کی صراحت کر دیں وہ حسن الحدیث ہوتی ہے۔

امام شافعی نے لکھا ہے کہ جو غزوات میں کمال حاصل کرنا چاہے وہ ابن اسحاق کی طرف رجوع کرے۔ اس ضمن میں ان گنت آئمہ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ ایک کثیر جماعت نے انہیں روایت کیا ہے۔ بعض نے ایسے امور کا اضافہ کیا ہے جو دوسرے نے نہیں کیا۔ ابن ہشام نے ابومحمد زیاد بن عبداللہ کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ صدوق اور مغازی میں ثابت ہیں۔ ابن اسحاق کی روایات کے علاوہ دیگر روایات میں نرمی ہے ان سے ابن ہشام نے روایت کیا ہے۔ ان کی تہذیب و تنقیح کی ہے۔ بہت سے اضافے کیے ہیں۔ بہت سی ایسی چیزوں کا اضافہ کیا ہے جو خالص ہیں۔ حتیٰ کہ اس کتاب کو ان کی طرف ہی منسوب کر دیا گیا ہے۔ علماء میں سے بہت سے آئمہ نے اس کتاب کی طرف توجہ کی ہے۔ امام ابوذر الخشنی نے اس کے مشکل الفاظ کی شرح لکھی ہے۔ یہ مختصر ہے مگر بہت مفید ہے۔ امام سہیلی نے مشکل الفاظ کی بہت زیادہ شرح لکھی ہے۔

امام ذہبی نے اس کا اختصار کیا ہے۔ اس کا نام ''بلبل الروض'' رکھا ہے۔ محمد بن احمد الکفیری دمشقی اور یحییٰ بن شیخ الاسلام الشمس کرمانی نے اس کو مختصر کیا ہے انہوں نے اپنی اپنی تالیف کا نام زہر الروض رکھا۔ علامہ شیخ عز الدین نے اس کی شرح نور الروض لکھی۔ علامہ جمال الدین نے بھی اس کی شرح لکھی۔ لسان العرب ان ہی کی تالیف ہے۔ میں نے بعض احناف کو بھی دیکھا ہے انہوں نے اس کتاب پر مفید حاشیے لکھے ہیں۔ حافظ علاء الدین مغلطائی نے روض اور سیرۃ پر ایک کتاب تالیف کی ہے جس کی دو جلدیں ہیں۔ انہوں میں امام سہیلی کی کئی مقامات پر گرفت کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کی بہت بڑی شرح لکھی ہے۔ یہ بہت عظیم کتاب ہے علامہ مرجانی نے اسے مختصر کیا ہے اس کا نام روائح الزھر رکھا ہے۔ ابو احمد محمد بن عایذ نے تین جلدوں میں اس کی شرح لکھی ہے۔ اس میں وہ فوائد ہیں جو ابن ہشام کی کتاب میں نہیں۔ ابوعثمان سعید بن یحییٰ نے ایک جلیل کتاب لکھی ہے۔ اس کی اکثر روایات ابن اسحاق سے مروی ہیں اس میں بہت سے اضافے بھی ہیں۔ امام واقدی نے غزوات میں ایک عظیم کتاب لکھی ہے ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے علماء نے اس میں کلام کیا ہے۔ معتمد یہ ہے کہ وہ متروک ہیں۔ یہ علم کا سمندر تھے۔ حافظہ زبردست تھا۔ علماء میں سے آئمہ نے ان سے بہت سی روایات نقل کیں ہیں۔ امام اصفہانی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی کتاب ''الدلائل میں ان سے بہت سی روایات نقل کی ہیں''

متاخرین میں سے ابن کثیر نے السیرۃ النبویہ میں، الحافظ نے الفتح میں اور شیخ نے خصائص الکبریٰ میں ان کی روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے ان کی اتباع کی ہے اور ان کی وہ روایات ذکر کیں ہیں جو مجھے ان کے علاوہ کسی اور سے نہیں ملیں۔ میں نے غزوہ حدیبیہ میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی روایت ان سے نقل کی ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ حضرت مقداد کی یہ روایت غزوۂ بدر کے بارے ہے۔ کسی بھی سیرت نگار نے اس روایت کو غزوہ حدیبیہ میں ذکر کیا ہو۔ میں نے یہ روایت نقل کرنے سے اعراض کیا ہے۔ پھر میں نے ابن شیبہ کو دیکھا انہوں نے اپنی مصنف میں اسے امام واقدی کی سند کے علاوہ ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس روایت کو حضرت عروہ بن زبیر سے نقل کیا۔ میں نے اسے نقل کرنے کے لیے استخارہ کیا۔ میں نے اس کے بعض فوائد کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر خطیب نے کہا ہے ''یہ اپنے زمانہ میں علم کی انتہاء تھے۔ لیکن اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جس کا تعلق حلال یا حرام کے ساتھ ہو۔ بلکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا پر مشتمل تھے۔ جن سے اہل محبت کے دلوں کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ اس باب میں علماء نے اتنی کتابیں رقم کیں ہیں جن کا کوئی شمار نہیں میں عنقریب ایسے امور کا تذکرہ کروں گا جن سے میں آگاہ ہوا ہوں۔

شیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے "ابوالحسن البکری کی سیرت پر بطلان اور کذب غالب ہے اس کو پڑھنا درست نہیں۔" میں کہتا ہوں کہ ان بکری کا نام احمد بن عبداللہ بن محمد ہے۔ امام ذھبی نے اپنی کتاب المیزان اور حافظ ابن حجر نے اللسان میں لکھا ہے کہ یہ کذاب اور دجال تھا۔ یہ ایسے قصے گھڑتا تھا جو کبھی رونما نہیں ہوئے تھے۔ یہ کتنا جاہل تھا۔ اس کی حیاء کتنی قلیل تھی۔ اس نے ایک حرف بھی سند کے ساتھ روایت نہیں کیا۔ اس کی یہ کتابیں کم یاب ہیں۔ انتقال الانوار، رأس الغول، سر الدھر، کتاب کلندجہ، حصن الدولاب، کتاب الحصون السبعۃ، الذروہ فی السیرۃ النبویۃ" اس کی مشہور تصنیف ہے۔ اس نے کسی ایک غزوہ کا تذکرہ بھی صحیح انداز میں نہیں کیا بلکہ جو کچھ ذکر کیا ہے یا وہ اصل سے ہی باطل ہے یا اس میں باطل اضافہ ہے۔

امام ذھبی نے "المغنی" میں لکھا ہے "اس بکری کی روایت پر کوئی اعتماد نہیں ہے یہ مجہول الحال ہے دل گواہی دیتا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ جو واضح مصائب وہ لے کر آیا ہے وہ جھوٹے جھوٹے طلباء کے ہاں بھی رائج نہیں ہیں۔

❁❁❁❁

تیسرا باب

غزوۃ الابواء

اسے غزوہ وودان بھی کہا جاتا ہے۔ ابوعمرو نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ربیع الاول کے بقیہ ایام اور ماہ صفر تک مدینہ طیبہ میں جلوہ نما رہے ہجرت کے دوسرے سال آپ ماہ صفر میں اس غزوہ کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے علم اسلام تھاما ہوا تھا۔ اس علم کا رنگ سفید تھا۔ ابوسعد اور ابوعمرو کے مطابق آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین صحابہ کرام تھے اس مہم میں ایک انصاری صحابی بھی نہ تھا۔ آپ قریش کے کارواں کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ نے بنو ضمرہ کے سردار کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ابن سعد اور ابوعمرو نے اس کا نام مخشی بن عمرو ضمری لکھا ہے۔ ابن حزم نے الجمرۃ میں اس کا نام عمارۃ بن مخشی لکھا ہے۔

آپ نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ نہ تو مسلمان بنوضمرہ پر اور نہ ہی بنوضمرہ مسلمانوں پر لشکر کشی کریں گے۔ نہ وہ آپ کے خلاف لشکر کشی کریں گے نہ ہی آپ کے دشمن کی مدد کریں گے۔" آپ کے اور ان کے مابین یہ معاہدہ طے پایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ تحریر (حضور جانِ کائنات) محمد عربی ﷺ کی طرف سے بنوضمرہ کے لیے ہے ان کے اموال اور جانیں محفوظ ہوں گی۔ اگر دشمن ان پر حملہ کر دے تو ان کی نصرت کی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ وہ دین الٰہی میں جنگ کریں۔ جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا یہ معاہدہ برقرار رہے گا۔ نیز یہ کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ انہیں اپنی نصرت کے لیے پکاریں گے۔ وہ آپ کی صدا پر لبیک کہیں گے۔ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا ذمہ ہے جو ان پر حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ خواہ وہ نیک اور متقی ہو۔"

پھر حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں جانِ کائنات ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی۔

چوتھا باب

غزوہ بواط

حضور اکرم ﷺ ربیع الاول میں اس غزوہ کے لیے تشریف لے گئے ہجرت کو تیرہ ماہ گزر چکے تھے۔ یہ ابن سعد کا قول ہے لیکن ابوعمرو اور ابن حزم نے لکھا ہے یہ غزوہ ربیع الآخر میں رونما ہوا تھا۔ اس میں دو سو مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی تھی۔ آپ کا سفید جھنڈا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اٹھایا ہوا تھا۔ ابن سعد کے مطابق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ جبکہ ابن ہشام اور ابوعمرو نے حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے العیون، الاشارہ اور المورد میں یہی مرقوم ہے۔ آپ قریش کے قافلہ کے قصد سے نکلے تھے۔ اس کا قائد امیۃ بن خلف تھا۔ اس کارواں میں قریش کے ایک سو افراد تھے۔ جبکہ یہ کارواں اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ بواط کے مقام تک پہنچے قافلہ آگے جا چکا تھا آپ مدینہ طیبہ واپس لوٹ آئے۔

تنبیہ

''الروض الانف'' میں ہے کہ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت سائب بن مظعون کو مقرر کیا یہ عثمان بن مظعون کے بھائی تھے پھر انہوں نے لکھا ہے ''سائب بن عثمان ان کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ان کے کلام کا تقاضا ہے کہ نیابت کے فرائض حضرت سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے تھے۔ سائب بن عثمان بن مظعون نے نہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ السیرۃ کے نسخہ میں ہے'' سائب بن عثمان بن مظعون''

پانچواں باب

غزوہ سفوان۔غزوہ بدر الاولیٰ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ غزوۃ العشیرۃ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے کچھ راتیں ہی مدینہ طیبہ میں بسر فرمائی ہوں گی۔ یہ راتیں دس سے زائد نہ تھیں۔ ابن حزم نے لکھا ہے "اس غزوہ کے دس روز بعد حضور اکرم ﷺ ربیع الاول کے ماہ مبارک میں اس غزوہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ہجرت کے تیرہ ماہ گزر چکے تھے۔ آپ کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں نکلے کیونکہ اس نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا۔ الجماء اور اس کے ارد گرد مسلمانوں کے جانور چرتے تھے۔ اس غزوہ میں علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ علم سفید رنگ کا تھا۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ آپ کرز کے تعاقب میں نکلے۔ آپ سفوان تک پہنچ گئے۔ یہ جگہ مقام بدر کے قریب ہی ہے آپ نے کرز کو نہ پایا۔ آپ واپس آگئے لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

تنبیہ

ابن سعد اور زر بن حبیش نے اس غزوہ کا تذکرہ غزوۃ العشیرۃ سے پہلے کیا ہے جبکہ ابن اسحاق نے اس کا تذکرہ غزوہ العشیرۃ کے بعد کیا ہے۔

❁❁❁❁

چھٹا باب

غزوۃ العشیرۃ

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جمادی الآخر میں اس غزوۃ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ آپ کی ہجرت کو سولہ ماہ بیت چکے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ جمادی الاولیٰ میں اس غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا جھنڈا سفید تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔ آپ نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ۱۵۰ صحابہ کرام کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ بعض سیرت نگاروں نے مجاہدین کی تعداد دوسو مقرر کی ہے۔ آپ نے کسی کو نکلنے پر مجبور نہ کیا۔ مسلمانوں کے ہمراہ تیس اونٹ تھے وہ ان پر باری باری سوار ہو رہے تھے۔ آپ قریش کے قافلہ کی نیت سے نکلے۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ ایک کارواں مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہو چکا ہے جو شام کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ قریش نے اس کارواں کے لیے اپنے اموال جمع کیے تھے۔ آپ ینبع کی وادی میں العشیرۃ کے مقام تک پہنچے۔ اس وقت یہ کارواں آگے نکل چکا تھا۔ یہ وہی کارواں تھا جس کے تعاقب میں آپ اس وقت نکلے جب یہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اس کی وجہ سے غزوۂ بدر رونما ہوا۔

ابوعمرو لکھتے ہیں'' آپ ملل کے رستے سے العشیرۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ جمادی الاولیٰ کے بقیہ ایام اور جمادی الآخرۃ کے کچھ ایام وہیں قیام پذیر رہے۔ آپ نے بنو مدلج اور ان کے صنعاء سے معاہدہ کیا۔ ان کا تعلق بنو ضمرۃ کے ساتھ تھا۔ پھر آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کی کنیت عطا کی تھی۔ تفصیلات بعد میں آئیں گی۔

❁❁❁❁

ساتواں باب

غزوۃ بدر الکبریٰ

اس غزوۃ کو غزوہ بدر العظمی، بدر القتال اور یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ ابن جریر، ابن منذر نے لکھا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے حاکم نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ میں حق اور باطل کے مابین فرق کیا تھا۔ یہ ایک عظیم واقعہ تھا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی۔ کفر اور اس کے اہل کو دور کیا اس میں کثیر علامات اور مشہور دلائل جمع کیے تاکہ وہ امر متحقق ہو سکے جس کا وعدہ رب تعالیٰ نے دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کیا تھا۔ اور اس چیز کی خبر دی کہ مسلمانوں کا میلان لشکر کفار کو چھوڑ کر قافلہ کی طرف تھا۔ جنگ کے وقت بارش آ جانا مسلمانوں کے لیے نعمت اور طاقت کا سبب تھا۔ یہ کفار کے لیے آزمائش اور انتقام تھا۔ یہ رب تعالیٰ کی مسلمانوں کے لیے ایک امداد تھی۔ جو اس نے آسمانی لشکر سے کی تھی۔ حتیٰ کہ انہوں نے ان کی آوازیں سنیں جب انہوں نے کہا: "حیزوم! آگے بڑھو۔ انہوں نے دیکھے کہ سر کسی ضرب اور چوٹ کے بغیر ہی دھڑوں سے جدا ہو رہے تھے۔ انہوں نے ابو جہل وغیرہ پر کوڑوں کے نشانات دیکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی طرف سنگریزے اور مٹی پھینکی حتیٰ کہ یہ سارے لشکر کے لیے کافی ہو گئی۔ مشرکین کو مسلمانوں کی نگاہوں میں کم کر دکھایا تاکہ ان کا خوف کم ہو سکے۔ وہ لڑائی پر بہادر ہو سکیں۔ آپ نے مشرکین کی قتل گاہوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "یہ فلاں کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی قتل گاہ ہے۔" پھر مسلمانوں نے مشرکین کو اسی طرح قتل ہوتے دیکھا جیسے آپ نے فرمایا تھا۔ آپ نے عقبہ بن ابی معیط سے فرمایا تھا "اگر میں نے تجھے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے باہر پالیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا" رب تعالیٰ نے آپ کا یہ فرمان سچ کر دکھایا۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس سونے کے بارے بتا دیا جو انہوں نے وقت روانگی حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔ حضرت عباس کا آپ کی صداقت کے بارے اور نبوت کی حقیقت کے بارے شبہ زائل ہو گیا۔ انہیں اس معاملہ میں بصیرت اور یقین حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے فرمایا:

اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰهُ فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ خَیۡرًا یُّؤۡتِكُمۡ خَیۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡكُمۡ ۔ (الانفال:۷۰)

ترجمہ: ''اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بیس اوقیہ سونے کے عوض بیس غلام عطا کیے جو ان کے مال کے ساتھ ان کی تجارت کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرما دیا کہ عمیر بن وھب اور صفوان بن امیہ نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ کیسے بنایا تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔ اس کی وجہ سے حضرت عمیر کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف اسلام کے داعی بن کر لوٹ گئے۔ ان کے علاوہ دیگر نشانیاں اور معجزات جو رب تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے تھے۔ اہلِ ایمان نے انہیں دیکھا تو ان کے یقین اور بصیرت میں اضافہ ہو گیا۔

آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ واپس لوٹا دی حالانکہ وہ ان کے رخساروں پر بہہ نکلی تھی۔ صحیح روایت کے مطابق یہ معجزہ غزوۂ احد میں رونما ہوا تھا۔ غزوۂ بدر الکبریٰ سارے مشاہد سے زیادہ مکرم و معزز ہے۔

سبب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ابوسفیان شام سے ایک کارواں لے کر واپس آ رہا ہے جو ایک ہزار اونٹ پر مشتمل ہے۔ اس میں بڑے بڑے لوگوں کے اموال ہیں قریش کے خاندان کے ہر فرد نے اس میں سرمایہ کاری کی تھی۔ اس میں پچاس ہزار دینار کی سرمایہ کاری کی گئی تھی۔ بعض نے یہ رقم اس سے کم لکھی ہے۔ ابن عقبہ اور ابن عائذ نے لکھا ہے کہ اس کارواں میں ستر افراد تھے۔ ابن اسحاق نے تیس یا چالیس افراد کا قول کیا ہے۔ ان میں مخرمہ بن نوفہ اور عمرو بن عاص جیسی شخصیات بھی تھیں۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کارواں کے تعاقب آپ روانہ ہوئے تھے حتیٰ کہ جب آپ العشیرۃ تک پہنچے تو یہ کارواں آگے نکل گیا۔

آپ نے صحابہ کرام کو اپنے ہمراہ نکلنے کے لیے فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ قریش کا کارواں ہے۔ اس میں ان کے اموال ہیں نکلو۔ شاید رب تعالیٰ تمہیں یہ بطور مالِ غنیمت عطا فرما دے۔'' صحابہ کرام نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ بعض حضرات نے سامان لیا۔ بعض نے نہ لیا۔ بہت سے لوگ آپ کے پیچھے رہ گئے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے آپ نے ان پر ملامت نہ کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا گمان نہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ کرنا پڑے گی۔ آپ نے صحابہ کرام کو جمع کرنے کا اہتمام بھی نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''جس کی سواری موجود ہو وہ ہمارے ہمراہ اس پر سوار ہو جائے۔'' صحابہ کرام نے اپنی وہ سواریاں لانے کی اجازت طلب کی جو مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں! جس کی سواری ادھر موجود ہو وہ آ جائے۔'' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سواری کے لیے چالیس اونٹ پیش کیے۔ آپ نے اپنی روانگی سے دس روز قبل حضرت طلحہ بن

عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام کے رستہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ کارواں کی خبر کے بارے ٹوہ لگائیں۔ وہ خوار کی زمین تک پہنچے۔ وہ حضرت کثیر بن مالک الجہنی کے ہاں فروکش ہوئے۔ انہوں نے ان کو پناہ دی۔ انہیں مخفی رکھا حتیٰ کہ کارواں گزر گیا۔ پھر وہ عازم سفر ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرت کثیر بھی تھے وہ ان کے محافظ تھے۔ وہ انہیں ذوالمروہ تک لے آئے۔ وہ آگے نکل آئے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کارواں کے بارے بتائیں۔ انہوں نے پایا کہ آپ عازم سفر ہو چکے تھے۔ جب آپ نے ینبع کا علاقہ فتح کیا تو یہ حضرت کثیر کو عطا فرما دیا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے پاس بہت کچھ ہے یہ علاقہ میرے بھتیجے کو عنایت فرما دیں۔" آپ نے انہیں دے دیا۔ ان سے عبدالرحمان بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما نے وہ خرید لیا۔ (عمر بن شبہ)

ابوسفیان نے زرقاء کے مقام پر جذام کے ایک شخص کو پایا۔ اس نے بتایا کہ آتی دفعہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے کارواں پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تیرا کارواں بچ نکلا تھا۔ اب آپ تیرے کارواں کی واپسی کے منتظر ہیں۔ آپ نے رستہ کے لوگوں سے معاہدے بھی کر لیے ہیں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی خوفزدہ ہو کر آگے عازم سفر ہوئے ابوسفیان حجاز کے قریب آیا تو مختلف خبروں کی ٹوہ لینے لگا۔ وہ جس کارواں سے ملتا اسے اس امر کے بارے پوچھتا۔ حتیٰ کہ ایک کارواں نے اسے بتایا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے لیے اور تیرے کارواں کے لیے صحابہ کرام کو ترغیب دی ہے۔ اس وقت وہ محتاط ہو گیا۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو دس مثقال دیے اسے مکہ مکرمہ بھیجا اس نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے۔ اپنا کجاوہ الٹا کر دے اپنی قمیص آگے اور پیچھے سے پھاڑ دے۔ قریش کے پاس جائے انہیں ان کے مال کی حفاظت پر ابھارے۔ یہ انہیں بتائے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کارواں پر حملہ کرنے کے لیے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ ضمضم جلدی سے مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہو گیا اور اس نے اسی طرح کیا جس طرح ابوسفیان نے اسے کہا تھا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ابن اسحاق، امام بیہقی، موسیٰ بن عقبہ نے حضرت عکرمہ، ابن عباس اور عروہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ضمضم کو قریش کے پاس آنے میں ابھی تین روز باقی تھے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے خواب دیکھا۔ انہوں نے یہ خواب عظیم سمجھا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس کی طرف پیغام بھیجا۔ انہوں نے کہا: "میرے بھائی! میں نے آج رات خواب دیکھا ہے اس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے تمہاری قوم کو کسی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا۔" انہوں نے پوچھا: "کیا خواب تھا؟" انہوں نے کہا: "بھائی! میں اس وقت تک تمہیں نہ بتاؤں گی حتیٰ کہ تم وعدہ کرو تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرو گے

اگر لوگوں نے یہ خواب سن لیا تو وہ ہمیں اذیت دیں گے۔ اور ہمیں ناپسندیدہ باتیں سنائیں گے۔" حضرت عباس نے ان سے وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا: "میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا ہے وہ الابطح کے اوپر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا ہے وہ اپنی بلند آواز سے چلایا ہے "اے دھوکا بازو! تین روز کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو۔ اس نے تین چیخیں ماری ہیں۔ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ اس کے ارد گرد جمع تھے پھر وہ اپنے اونٹ کو لے کر مسجد میں داخل ہو گیا۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے پھر میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ گیا اس نے تین چیخیں ماریں۔ اس نے کہا "اے فریبیو! تین روز کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آؤ۔" پھر اس نے ایک عظیم چٹان کو پکڑا اور اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکا اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے لڑھکا دیا۔ وہ چٹان نیچے گرنے لگی۔ وہ تیزی سے نیچے آئی۔ جب وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو پھٹ گئی تمہاری قوم کا ایک گھر بھی نہ رہا مگر اس میں اس کا ایک ٹکڑا گرا۔" حضرت عباس نے کہا: "بخدا! یہ ایک ہولناک خواب ہے۔ اسے مخفی رکھو۔" عاتکہ نے کہا: "تم بھی اسے مخفی رکھنا اگر یہ خواب قریش تک پہنچ گیا۔ تو وہ ہمیں اذیت دیں گے۔" حضرت عباس وہاں سے نکلے۔ وہ ولید بن عتبہ سے ملے۔ اس سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ یہ خبر مکہ مکرمہ میں پھیل گئی۔ حتیٰ کہ قریش اپنی محافل میں اس کا تذکرہ کرنے لگے۔

حضرت عباس نے کہا: "میں بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے گیا۔ قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ ابوجہل وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ عاتکہ کے خواب کے بارے باتیں کر رہے تھے۔ ابوجہل نے جب مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا "اے بنو عبدالمطلب! تم میں یہ نبیہ کب سے پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے پوچھا "کیا مراد ہے؟" اس نے کہا: "عاتکہ کا خواب" میں نے پوچھا: "اس نے کیا دیکھا؟" اس نے کہا: "بنو عبدالمطلب! کیا تم اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ تمہارے مرد نبوت کا دعویٰ کریں حتیٰ کہ تمہاری خواتین بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں۔" ابن عقبہ کے الفاظ یہ ہیں "بنو ہاشم! کیا تم مردوں کے جھوٹ پر راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ تم اپنی خواتین کے جھوٹ بھی ہمارے پاس لانے لگے۔ ہم اور تم دو دوڑنے والے گھوڑوں کی طرح تھے۔ ہم نے بزرگی میں مقابلہ کیا۔ جب کارواں باہم مقابلہ کرنے لگے تو تم نے کہہ دیا "ہم میں سے نبی ہے۔" پھر کچھ باقی نہ رہا حتیٰ کہ تم کہو "ہم میں سے نبیہ بھی ہے میں قریش کے کسی گھر کو نہیں جانتا جس کے مرد اور عورتیں تمہارے مردوں اور عورتوں سے زیادہ جھوٹے ہوں۔" اس نے انہیں بہت اذیت دی۔ عاتکہ نے اپنے خواب میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے کہا ہے کہ تم تین ایام کے اندر اندر نکلو ہم تین ایام کا انتظار کریں گے اگر یہ سچ ہوا تو یہ رونما ہو جائے گا اگر تین دن گزر گئے اور اس میں سے کچھ بھی رونما نہ ہوا ہم تمہارے خلاف نوشتہ لکھ دیں گے کہ تمہارا گھرانہ اہل عرب کے سارے گھرانوں سے جھوٹا ہے۔"

حضرت عباس نے کہا: "بخدا! مجھے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ سوائے اس کے کہ میں نے عاتکہ کے خواب کا

انکار کر دیا۔میں نے انکار کر دیا کہ عاتکہ نے کوئی خواب دیکھا ہو۔"

ابن عقبہ نے یہ اضافہ کیا ہے "حضرت عباس نے ابوجہل سے کہا "کیا تو رکتا ہے یا نہیں۔جھوٹ تجھ میں ہے تیرے گھرانے میں ہے۔" حاضرین محفل نے کہا: "ابوالفضل! آپ جاہل نہیں ہیں۔نہ احمق ہیں۔" ابن عائذ نے یہ اضافہ کیا ہے۔حضرت عباس نے کہا: "اے بزدل! ذرا نرمی کر۔" جب اس فاسق تک یہ خبر پہنچی تو حضرت عباس کو عاتکہ سے بہت سی باتیں سننی پڑیں۔

حضرت عباس نے کہا: "شام کے وقت بنو عبدالمطلب کی ہر خاتون میرے پاس آئی۔اسنے کہا: "یہ خبیث تمہارے مردوں پر الزام لگا تا رہا تم نے برداشت کر لیا۔اب وہ تمہاری خواتین پر بھی الزام لگانے لگا ہے۔یہ سن کر بھی تمہاری غیرت نہ جاگی۔" میں نے کہا: "بخدا! اب اس سے بڑھ کر کوئی امر نہیں کہ میں اس کے پاس جاؤں۔اگر اس نے دوبارہ یہ بکواسات کیے تو تمہاری طرف سے اسے کافی ہو جاؤں۔" میں اس خواب کے تیسرے روز بعد نکلا میں غضبناک اور غصے سے لبریز تھا۔میں نے سمجھا کہ میری طرف سے اسے کسی ایسے امر کا سامنا نہیں کرنا پڑا جسے میں پسند کرتا تھا کہ اسے سامنا کرنا پڑے۔میں مسجد میں داخل ہوا۔میں نے اسے دیکھ لیا، بخدا! میں اس ارادہ سے اس کی طرف جا رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ تعرض کرتا ہوں۔ تاکہ اگر وہ وہی باتیں دہرائے تو میں اس پر حملہ کر دوں۔وہ ایک پھرتیلا، تھیکے نقوش والا تیز زبان اور تیز نظروں والا انسان تھا۔وہ مسجد کے دروازے کی طرف نکلا تو دوڑنے لگا۔میں نے دل میں کہا "اس لعنتی کو کیا ہوا ہے؟ کیا وہ اس خوف سے بھاگ رہا ہے کہ میں اسے گالی گلوچ نہ کروں۔اس نے وہ کچھ سن لیا تھا۔جسے میں نہیں سن سکا تھا۔اس نے ضمضم کی آواز سن لی تھی۔وہ وادی کے دامن میں اپنے اونٹ پر کھڑے ہو کر چیخ رہا تھا۔اس نے اس کی ناک کاٹ دی تھی۔اس کا کجاوہ الٹا کر دیا تھا۔اپنی قمیص چاک کر دی تھی۔وہ کہہ رہا تھا "اے گروہ قریش! اے بنو لوی بن غالب! کارواں! کارواں! تمہارے وہ اموال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہیں محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھی ان پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔میں نہیں سمجھتا کہ تم اسے پا سکو گے۔مدد! مدد! بخدا! میں نہیں سمجھتا کہ تم اسے پا سکو گے۔" یہ سن کر قریش بہت گھبرا گئے۔وہ عاتکہ کی خواب سے ڈر گئے اس معاملہ نے مجھے ابوجہل سے اور اس کو مجھ سے غافل کر دیا۔عاتکہ نے یہ اشعار کہے:

الم تکن الرویا بحق و جاء کم ... بتصدیقها فلّ من القوم هارب

فقلتم. ولم اکذب. کذبت و رجلا ... یکذبنا بالصدق من هو کاذب

ترجمہ: "کیا یہ میرا خواب سچا نہیں تھا۔کیا بھاگنے والے شکست خوردہ اس کی تصدیق کے لیے تمہارے پاس نہیں آئے۔میں جھوٹی نہیں تھی لیکن تم نے کہا "تو نے جھوٹ بولا ہے۔سچ کے ساتھ اس شخص نے

ہماری تکذیب کی ہے جو جھوٹا تھا۔"

لوگوں نے جلدی جلدی تیاری کی۔ اس نے کہا: "کیا محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ حضرمی کے کارواں کی طرح کا کارواں ہے۔ ہرگز نہیں۔ بخدا! انہیں کسی دوسری صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔" لوگ دو گروہوں میں منقسم تھے یا وہ خود روانہ ہونے والے تھے یا اپنی جگہ کسی کو بھیجنے والے تھے۔ تین ایام میں انہوں نے تیاری کر لی۔ ایک روایت دو دنوں کی بھی ہے۔ ان کے قوی نے کمزور کی مدد کی۔ سہیل بن عمرو، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی اور حنظلہ بن ابی سفیان لوگوں کو روانگی پر ابھار رہے تھے۔ سہیل نے کہا: "اے آلِ غالب! کیا تم محمد عربی ﷺ ان کے صابی ساتھیوں اور اہلِ یثرب کو اسی طرح چھوڑ دو گے کہ وہ تمہارے کارواں اور اموال پکڑتے رہیں جو مال لینے کا خواہاں ہو یہ میرا مال حاضر ہے جس کے پاس قوت نہیں میری قوت حاضر ہے۔" امیہ بن ابی صلت نے اشعار کہہ کر اس کی تعریف کی۔ نوفل بن معاویہ قریش کے قوی لوگوں کے پاس گیا۔ انہیں ترغیب دی کہ وہ ان لوگوں کا خرچہ برداشت کریں جو عازم سفر ہوں۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا: "یہ پانچ سو دینار ہیں انہیں جہاں چاہو استعمال کرلو۔" اس نے خویطب بن عبدالعزیٰ سے دو سو دینار لیے۔ ان سے اسلحہ اور سواریوں میں استعمال کیا۔ طعیمہ بن عدی نے بیس اونٹ سواری کے لیے دیے۔ انہیں تقویت دی اور ان کے اہلِ خانہ کی اعانت کی۔ انہوں نے کسی ایسے شخص کو نہ چھوڑا جو روانگی کو ناپسند کرتا تھا وہ گمان کرتے تھے کہ یہ محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کی صف میں ہوں گے اسے نہ کسی مسلمان نے چھوڑا جس کے اسلام کے بارے وہ جانتے تھے نہ ہی بنو ہاشم کے کسی فرد کو چھوڑا سوائے اس کے جس پر وہ تہمت نہیں لگاتے مگر سب کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ انہوں نے حضرات عباس بن عبدالمطلب، طالب بن ابی طالب، عقیل بن ابی طالب اور دیگر افراد کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ قریش کا جو شخص پیچھے رہا تھا اس نے اپنی جگہ کسی کو بھیج دیا تھا۔ وہ ابولہب کے پاس گئے۔ اس نے خود جانے یا کسی کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنی جگہ بھیجا۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ یہ اس کے چار سو دراہم کے مقروض تھے۔ اس نے انہیں بھیجا اور یہ رقم معاف کرنے کا وعدہ کیا۔ ابولہب پیچھے رہا۔ وہ عاتکہ کے خواب کی وجہ سے خوفزدہ تھا۔ عاتکہ کے خواب نے گویا کہ اسے ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا۔ امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ، زمعہ، عمیر، حکیم بن حزام وغیرہم نے ہبل کے پاس قرعہ اندازی کی تھی۔ لیکن وہ تیر نکلے تھے جن پر جانے سے روکا گیا تھا۔ انہوں نے ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا لیکن ابوجہل نے انہیں اس رائے سے پھیر دیا۔ جب امیہ بن خلف نے پیچھے رہ جانے کا عزم کرلیا۔ یہ ایک بزرگ اور عمر رسیدہ شخص تھا یہ بھاری بھرکم اور جسیم شخص تھا۔ عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس آیا یہ مسجد میں اپنی قوم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ عقبہ ایک چھوٹی سی انگیٹھی لے کر آیا۔ جس میں آگ اور بخور تھا۔ اس نے وہ اس کے سامنے رکھا اور کہا: "ابوعلی! یہ دھونی لو۔ تو عورتوں میں سے ہے۔"

اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے۔'' پھر اس نے تیاری کی اور لوگوں کے ہمراہ نکلا۔ اس کے عازمِ سفر نہ ہونے کا سبب بعد میں بیان کیا جائے گا۔

ابلیس، سراقہ بن مالک کی شکل میں

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''جب قریش تیاری کر چکے انہوں نے روانگی پر اتفاق کر لیا۔ وہ طاقتور اور کمزور اونٹوں پر روانہ ہوئے۔ ان کے ہمراہ گانے والی لونڈیاں اور دف بھی تھے تو انہیں وہ عداوت یاد آ گئی جو ان کے اور بنو بکر کے مابین تھی۔ انہوں نے کہا: ''ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور انہیں واپس آنا پڑے گا۔'' ابلیس سراقہ بن مالک کنانی شکل میں آیا۔ یہ بنو کنانہ کا سردار تھا اس نے کہا: ''میں تمہیں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارے بعد کنانہ کسی ایسے امر کا ارتکاب کریں، جو تمہیں ناپسند ہو۔'' یہ سن کر قریش تیزی سے عازمِ سفر ہو گئے۔ ان کی تعداد نو سو پچاس تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ سرداروں میں سے صرف ابولہب ہی پیچھے رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ارد گرد کے قبائل بھی جمع کیے بنو عدی کے علاوہ قریش کے قبائل میں اور کوئی پیچھے نہ رہا۔ بنو عدی کا ایک شخص بھی شریک نہ ہوا۔ یہ لشکر اپنے شہر سے اس طرح نکلا جس طرح اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (الانفال:۴۷)

ترجمہ: ''اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کو دکھلاوے کے لیے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے۔''

ابن عقبہ اور ابن عائذ نے لکھا ہے ''مشرکین روانہ ہوئے ان کے ہمراہ ابلیس بھی تھا۔ اس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ بنو کنانہ اس کے پیچھے اس کی مدد کے لیے آ رہے ہیں۔ اس نے کہا:

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ (الانفال:۴۸)

ترجمہ: ''کوئی غالب نہیں آسکتا تھا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا۔''

ابلیس ان کے ساتھ ہی رہا حتیٰ کہ وہ انہیں میدانِ بدر میں لے گیا پھر انہیں چھوڑ گیا۔ اس کے بارے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار لکھے تھے:

سرنا و ساروا الی بدر لحینهم	لو یعلمون یقین العلم ما ساروا
دلّهم بغرور ثم اسلمهم	ان الخبیث لمن والاه غرّارُ
و قال انی لکم جار فاوردهم	شر الموارد فیه الخزی والعار

ثم التقینا فولوا عن سراتھم   من منجدین و من ھم فرقۃ غار

ترجمہ: ''ہم روانہ ہوئے اور قریش بھی روانہ ہوئے وہ ہلاکت کے لیے بدر کی طرف روانہ ہوئے کاش وہ علم یقین کے ساتھ یہ جان لیتے کہ وہ خود روانہ نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ابلیس مکر و فریب کے ساتھ انہیں لے آیا پھر انہیں حوالے کر دیا۔ خبیث وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ دھوکہ باز دوستی لگا لے۔ اس نے انہیں کہا: ''میں تمہارا ضامن ہوں وہ انہیں بری گھاٹ پر لے آیا جہاں غم اور عار تھی۔ جب ہم ان کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے تو اپنی چٹانوں سے ٹیلوں کی طرف بھاگ نکلے اور ایک گروہ نشیبی زمین کا قصد کیے ہوئے تھا۔''

''الامتاع'' میں ہے ''جب قریش مرالظہران کے مقام پر اترے تو ابو جہل نے ایک اونٹ ذبح کیا۔ لشکر کے خیموں میں سے ہر ہر خیمہ کو اس کا خون لگا۔ ضمضم نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ کی وادی نیچے سے لے کر اوپر تک خون سے بہہ پڑی ہے۔ مشرکین کے پاس دو سو گھڑ سوار تھے۔ چھ سو زرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ لونڈیاں تھیں جو دف بجاتی تھیں جس روز وہ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے اس دن ابو جہل نے ان کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔ پھر عسفان کے مقام پر امیۃ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کیے۔ سہیل بن عمرو نے قدید کے مقام پر دس اونٹ ذبح کیے۔ وہ قدید سے سمندر کی طرف نکلے۔ وہاں چشموں کے پاس قیام کیا۔ درختوں کا سایہ حاصل کیا۔ اس روز عتبہ بن ربیعہ نے ان کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔ ابواء کے مقام پر منبہ اور نبیہ نے ان کے لیے دس اونٹ ذبح کیے۔ پھر وہ اپنا اپنا زادِ راہ کھانے لگے۔ وہ عشاء کے وقت جحفہ پہنچ گئے وہاں فروکش ہوئے۔

جہیم بن صلت کا خواب

امام بیہقی نے ابن شہاب سے اور ابن عقبہ نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ جب قریش جحفہ کے مقام پر فروکش ہوئے تو ان میں ایک شخص تھا جسے جہیم کہا جاتا تھا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے سر رکھا تو اسے اونگھ آ گئی۔ پھر گھبرا کر اٹھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''کیا تم نے وہ گھڑ سوار دیکھا ہے جو ابھی ابھی میرے سر پر کھڑا تھا۔ انہوں نے کہا: ''نہیں! اس نے کہا: ''ابھی ابھی میرے سر پر ایک سوار کھڑا تھا'' اس نے کہا: ''ابو جہل، عتبہ، شیبہ، زمعہ، ابوالبختری، امیہ بن خلف قتل ہو گئے۔ اس نے ان تمام سرداروں کے نام لیے جو غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ پھر میں نے اسے دیکھا اس نے اپنے اونٹ کے حلق پر مارا پھر اسے لشکر میں بھیج دیا۔ لشکر کے خیموں میں سے ہر ہر خیمہ پر اس کا خون گرا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا: ''تمہارے ساتھ شیطان کھیلا ہے۔ جب یہ بات ابو جہل تک پہنچی تو اس نے کہا: ''تم بنو مطلب کے جھوٹ کے ساتھ بنو ہاشم کے جھوٹ کو بھی ملا لائے ہو۔''

حضور اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ رمضان المبارک میں عازم سفر ہوئے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: ''ہفتہ کے روز آپ روانہ ہوئے۔ اس وقت رمضان المبارک کے بارہ روز گزر چکے تھے۔'' ابن ہشام نے لکھا ہے ''اس وقت رمضان المبارک کی آٹھ راتیں گزر چکی تھیں۔ بئر ابی عنبہ پر آپ نے لشکر روکا۔ یہ مدینہ طیبہ سے ایک میل دور ہے۔ آپ پر آپ کا لشکر پیش کیا گیا آپ نے بچوں کو واپس بھیج دیا۔ آپ نے حضرات عبداللہ بن عمر، اسامۃ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن حضیر، زید بن ارقم، زید بن ثابت اور عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو واپس بھیج دیا۔ آپ نے حضرت عمیر کو واپس جانے کے لیے فرمایا۔ تو وہ رونے لگے۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ غزوۂ بدر میں انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی عمر سولہ برس تھی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ بئر سقیا کا پانی پئیں آپ نے خود بھی اس کا پانی پیا۔ سقیا کے گھروں کے پاس نماز پڑھی۔ اس دن مدینہ طیبہ کے لیے یہ دعا کی ''مولا! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے۔ انہوں نے اہل مکہ کے لیے دعا کی تھی۔ میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیرا بندہ اور نبی ہوں میں تجھ سے اہلِ مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے صاع، مد اور پھلوں میں برکت ڈال دے۔ مولا! مدینہ طیبہ ہمیں محبوب بنا دے۔ اس کی وباء کو خم بھیج دے۔ مولا! میں دو سنگلاخ چٹانوں کی درمیانی جگہ کو حرم بناتا ہوں۔ جیسے تیرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا۔''

خبیب بن اساف ایک شجاع اور بہادر انسان تھا لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی قوم خزرج کی مدد اور مالِ غنیمت کے حصول کے لیے نکلا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: ''ہمارے ساتھ وہی روانہ ہو جو ہمارے دین پر ہو۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور بہادری کے جوہر دکھلائے۔ آپ اتوار کے روز سقیا کے گھروں سے روانہ ہوئے۔ جب وہاں سے جانے لگے تو آپ نے یہ دعا مانگی ''مولا! یہ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا فرما۔ یہ عریاں ہیں انہیں کپڑے پہنا۔ یہ بھوکے ہیں انہیں سیر کر۔ یہ غریب ہے انہیں اپنے فضل سے غنی فرما۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''آپ نے پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا یہ پرچم سفید تھا۔ آپ کے سامنے دو جھنڈے بھی تھے ان میں سے ایک حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس تھا اسے عقاب کہا جاتا تھا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک بیس سال تھی۔ دوسرا جھنڈا کسی انصاری صحابی کے پاس تھا۔

ابن سعد نے لکھا ہے: ''مہاجرین کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر، خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر اور اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم کے پاس تھا۔ انہوں نے الہدیٰ میں یقین کے ساتھ یہی لکھا ہے۔

ابوالفتح نے لکھا ہے ''مشہور یہ ہے کہ اس روز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عریش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ جبکہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔'' میں کہتا ہوں ''عریش تو مقام بدر میں تھا۔ جبکہ جو کچھ ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ راستہ کی بات ہے۔ آپ نے نماز پر اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو الروحاء کے مقام سے واپس کر دیا اور انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ نے اپنی زرہ ذات الفضول پہن رکھی تھی۔ آپ نے وہ تلوار لٹکا رکھی تھی جو حضرت سعد بن عبادہ نے آپ کو بطور تحفہ پیش کی تھی۔ اسے ''العضب'' کہا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ستر اونٹ تھے وہ ان پر باری باری سوا ہو رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار تھے۔ دوسرے قول میں حضت مرثد بن ابی مرثد کا تذکرہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ، حضرت زید، حضرت ابوکبشہ اور حضرت انسہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہم ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت رفاعہ، حضرت خلاد اور حضرت عبید بن یزید ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ الروحاء کے مقام پر ان کا ایک اونٹ تھک کر بیٹھ گیا۔ وہ حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارا ایک اونٹ بیٹھ گیا ہے۔'' آپ نے پانی منگوایا اس میں وضو کیا کلی کی۔ پھر فرمایا: ''اس کا منہ کھولو'' انہوں نے اسی طرح کیا آپ نے وہ مبارک پانی اس کے منہ میں ڈال دیا پھر اس کی گردن اور سر پر ڈال دیا۔ پھر اس کے کولہو اور کوہان پر انڈیلا۔ پھر اس کے پچھلے حصے اور دم پر پانی انڈیل دیا۔ پھر فرمایا: ''اس پر سوار ہو جاؤ۔'' وہ آگے گزر گیا صحابہ کرام اسے پیچھے سے جا ملے ان کا اونٹ ان پر جھپٹ رہا تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ کی عیدگاہ تک پہنچے وہ بدر سے واپس آ رہے تھے تو یہ اونٹ بیٹھ گیا۔ تو اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کر دیا گیا۔ (البزار، الطبرانی)

امام احمد، ابن سعد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''بدر کے موقعہ پر ہم تین تین ایک اونٹ پر باری باری سواری کر رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابولبابہ ایک اونٹ پر باری باری سواری کر رہے تھے۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ سوار ہو جائیں۔ ہم پیدل چلتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''نہ تو تم چلنے پر مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ ہی میں تم دونوں سے زیادہ اجر سے مستغنی ہوں۔''

البدایۃ اور العیون میں ہے ''یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ نے مقام الروحاء سے حضرت ابولبابہ کو واپس نہیں کیا تھا۔ پھر آپ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ہو گئے۔

ابن عقبہ، ابن اسحاق، امام ذہبی اور ابن قیم نے لکھا ہے "آپ کے ساتھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے۔" مسلمانوں کے ہمراہ دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا حضرت مقداد بن اسود کا تھا۔ جسے سبحہ یا بعرجہ کہا جاتا تھا۔ دوسرا گھوڑا حضرت زبیر بن عوام کا تھا جسے الیسل یا یعسوب کہا جاتا تھا۔ ابن سعد نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کے ہمراہ تین گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی کا تھا جسے الیسل کہا جاتا تھا۔ آپ نے پیادہ دستہ پر امیر حضرت قیس بن ابی صعصعۃ کو مقرر کیا۔ جب آپ سقیا کے گھروں سے جدا ہوئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صحابہ کرام کو گن لیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو بئر ابی عنبہ کے پاس جمع کیا اور انہیں شمار کیا۔ پھر آپ کو عرض کی کہ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ یہ سن کر آپ بہت مسرور ہوئے۔ فرمایا: "حضرت طالوت کے ساتھیوں کی تعداد بھی اتنی تھی۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام تربان پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے سعد! ہرن کو دیکھو اور تیر کمان میں رکھو۔ آپ اٹھے اور اپنی مبارک ٹھوڑی ان کے کندھوں اور کانوں کے مابین رکھ دی۔" فرمایا: "تیر پھینکو" مولا! ان کی تیر اندازی کو درست فرما۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تیر ہرن کی گردن سے خطاء نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر آپ مسکرانے لگے۔ حضرت سعد دوڑ کر باہر نکلے ہرن پکڑ لیا۔ ابھی وہ زندہ تھا اسے ذبح کیا اور اٹھا لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے صحابہ کرام کے مابین تقسیم کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے روانہ ہو گئے جب عرق الظبیہ کے مقام تک پہنچے تو ایک اعرابی ملا۔ آپ نے اس سے لوگوں کے بارے پوچھا لیکن اس کے پاس کوئی خبر نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرو۔" اس نے پوچھا: "کیا تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول موجود ہیں؟" صحابہ کرام نے فرمایا: "ہاں! اس نے آپ کو سلام عرض کیا پھر کہا: "اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر بتائیں کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟" حضرت سلمہ بن سلامہ نے کہا: "یہ سوال آپ سے نہ کرو۔ میری طرف آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ تو نے اس کے ساتھ بدمعاشی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تیرا حمل ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔ تم نے اسے رسواء کر دیا ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام سجسج پر نزول اجلال فرمایا۔ یہ روحاء کا کنواں تھا پھر عازم سفر ہو کر المنصرف پہنچے آپ مکہ مکرمہ کے رستہ سے بائیں طرف ہٹ گئے۔ آپ النازیۃ کے دائیں طرف چلے آپ بدر کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ آپ اس کے کونے پر چلے آپ نے الرحقان کی وادی عبور کی جو نازیۃ اور الصفراء کی گھاٹی کے مابین ہے۔ جب صفراء کے قریب پہنچے تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو الجہنی اور حضرت عدی بن ابی الزغباء کو بدر کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ ابوسفیان کے کارواں کے بارے خبریں حاصل کریں۔

روانگی کے وقت آپ نے ایک یا دو دن روزہ رکھا۔ پھر آپ کے منادی نے ندای دی "لوگو! میں روزہ افطار کر رہا

ہوں۔تم بھی روزہ افطار کر دو۔" پھر آپ آگے روانہ ہو گئے پھر الصفراء پہنچے۔یہ بستی دو پہاڑوں کے مابین ہے۔آپ نے ان پہاڑوں کے نام پوچھے۔صحابہ کرام نے عرض کی: "ایک کو مسلح اور دوسرے کو مخرئی کہا جاتا ہے آپ نے مکینوں کے بارے پوچھا تو عرض کی گئی: "بنو النار اور بنو حراق" حضور اکرم ﷺ نے ان کے درمیان سے گزرنا ناپسند کیا آپ نے ان کے ناموں سے فال پکڑی۔آپ نے صفواء کو بائیں طرف چھوڑا۔وادی ذفران کے دائیں طرف چلے آپ نے اسے عبور کیا۔پھر اسی میں نزول اجلال فرمایا۔آپ کو قریش کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔تاکہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کریں۔آپ نے صحابہ کرام سے مشاورت کی پہلے مہاجرین نے گفتگو کی۔انہوں نے بہت عمدہ گفتگو کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔انہوں نے عمدہ گفتگو کی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی اور کمال کیا۔حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے وہ کر گزریں۔ہم آپ کے ساتھ ہیں بخدا! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے۔جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی امت نے ان سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ:۲۴)

ترجمہ: "پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔"

بلکہ آپ بھی تشریف لے چلیں آپ کا رب تعالیٰ بھی چلے۔آپ جہاد فرمائیں ہم آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے جہاد کریں گے۔مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد تک بھی گئے تو ہم شمشیر زنی کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ جائیں گے۔" ایسے عمدہ جذبات کا اظہار سن کر آپ بہت مسرور ہوئے آپ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ نے لکھا ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ قریش ہیں۔یہ ان کا غلبہ ہے۔جب سے انہیں عزت نصیب ہوئی ہے وہ ذلیل نہیں ہوئے۔جب سے انہوں نے کفر کیا ہے وہ ایمان نہیں لائے۔بخدا! وہ آپ سے ضرور جنگ کریں گے۔آپ خوب تیاری کر لیں۔" پھر آپ نے تیسری بار مشورہ طلب کیا انصار سمجھ گئے آپ کی مراد وہ ہیں۔کیونکہ ان کی تعداد محدود تھی۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے۔انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں!" آپ نے یوں اس لیے فرمایا تھا کیونکہ انہوں نے اس شرط پر آپ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی کہ وہ اپنے شہروں میں ہر سرخ و سفید سے آپ کا دفاع کریں گے۔آپ نے ان کا موقف معلوم کرنے کے لیے یوں فرمایا۔حضرت سعد نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے۔آپ کی تصدیق کی۔ہم نے گواہی دی کہ آپ پیغام حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ہم نے اس پر اپنے عہد اور

مواثیق دیے۔ اطاعت شعاری اور سر تسلیم خم کرنے کا عہد کیا۔ جو آپ کا ارادہ ہے آپ اسے کر گزریے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ کو یہ خدشہ ہے کہ انصار اپنے شہروں میں ہی آپ کا دفاع کریں گے۔ میں ان کی طرف سے عرض کر رہا ہوں۔ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں۔ جس کے ساتھ چاہیں تعلق قائم فرمائیں جس کے ساتھ چاہیں قطع تعلقی فرمائیں۔ ہمارے اموال میں سے جو چاہیں لے جائیں۔ جو چاہیں عطا فرما دیں۔ جو مال آپ لیں گے وہ ہمیں اس مال سے عزیز ہوگا۔ جو آپ چھوڑیں گے۔ آپ ہمیں بھی حکم دیں ہمارا معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہوگا۔ اللہ کی قسم! اگر آپ روانہ ہو کر برک الغماد (البرک من عمدان من ذی یزن) تک تشریف لے چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ بخدا! اگر آپ ہمیں اس سمندر کے کنارے لے آئیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں چھلانگیں لگا دیں گے۔ بخدا! ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم کل دشمن سے ملاقات کرنا ناپسند نہیں کریں گے۔ ہم جنگ میں صبر کرتے ہیں۔ معرکہ آزمائی کے وقت سچ کر دکھاتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہم سے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام کرائے کہ آپ کی چشمان مقدس کو ٹھنڈک نصیب ہو۔ شاید آپ کسی ایک امر کے لیے نکلے ہیں رب تعالیٰ نے کسی دوسرے امر کو رونما کر دیا ہے۔ رب تعالیٰ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے کر چلیں۔ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لڑیں گے۔ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں گے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ: ۲۴)

ترجمہ: ''پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔''

بلکہ آپ اور آپ کا رب تعالیٰ تشریف لے چلیں ہم آپ کے پیچھے پیچھے ہیں۔''

یہ سن کر آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ حضرت سعد کی باتوں سے مسرور ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں بشارت ہو۔ رب تعالیٰ نے مجھے ان دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ بخدا! گویا کہ میں اب بھی قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک جماعت نے دشمن کے ساتھ نبرد آزمائی کو ناپسند کیا۔

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا۔ انہیں یہ پسندیدہ تر تھا کہ وہ کارواں کے ساتھ معرکہ آزما ہوں۔ اس جگہ جنگ کی سختی کم تھی۔ آدمیوں کی تعداد محدود تھی۔ جب کارواں آگے گزر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ آپ مشرک قوم کا قصد کیے ہوئے تھے۔ ان کی سطوت و شوکت کی وجہ سے بعض مسلمانوں نے ان کی طرف جانا ناپسند کیا۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب ہم ایک یا دو دن چلے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا: ''مشرک قوم کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟'' انہیں تمہاری روانگی کی خبر مل

چکی ہے۔"ہم نے عرض کی:"بخدا! مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ہم نے تو کارواں کا ارادہ کیا تھا۔" آپ نے فرمایا:"مشرک قوم کے ساتھ لڑنے کے بارے کیا ارادہ ہے؟"ہم نے وہی گذارش کی...... اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ (الانفال:۵)

ترجمہ: "جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بیشک اہلِ ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا۔"

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذفران سے الاصافر گھاٹی پر روانہ ہوئے۔ پھر آپ الدبۃ شہر کی طرف اترے۔ حنان کو اپنے دائیں طرف چھوڑا۔ یہ ریت کا بہت بڑا ٹیلہ تھا گویا کہ پہاڑ ہو۔ پھر آپ نے بدر کے قریب نزول اجلال فرمایا۔ آپ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے۔ عرب کے ایک بزرگ کے پاس گئے۔ اس سے قریش، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھیوں اور ان کی خبروں کے بارے پوچھا۔ اس بزرگ نے کہا:"میں تمہیں اس وقت تک نہ بتاؤں گا حتی کہ تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"جب تم ہمیں بتاؤ گے تو ہم تمہیں بتا دیں گے۔ اس نے کہا" اس کے بدلہ میں یہ۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! اس بزرگ نے کہا:" مجھے یہ خبر ملی ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی فلاں فلاں دن عازم سفر ہوئے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے سچ کہا ہے تو وہ اس مقام پر ہوں گے۔ اس نے اس جگہ کا نام لیا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فروکش ہوئے تھے اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ قریش فلاں دن عازم سفر ہوئے ہیں۔ اگر اس کی بات سچی ہے جس نے مجھے یہ بتایا ہے تو پھر قریش فلاں جگہ ہوں گے اس نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش تھے۔

جب وہ بوڑھا اپنی اس خبر سے فارغ ہوا تو اس نے پوچھا:"تمہارا تعلق کن کے ساتھ ہے؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"ہم پانی سے ہیں۔" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر واپس آگئے۔ وہ بزرگ کہہ رہا تھا" پانی سے کیا؟ کیا عراق کے پانی سے۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ بزرگ سفیان ضمری تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کی طرف واپس آگئے۔ جب رات پڑی تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بدر کے چشمہ کی طرف بھیجا۔ وہ مختلف خبروں کی تلاش میں تھے۔ انہیں قریش کے لیے پانی لانے والے غلام ملے ان میں بنوالحجاج کا غلام اسلم، بنوالعاص بن سعید کا غلام ابویسار تھے۔ انہوں نے انہیں پکڑا اور مسلمانوں کے پڑاؤ میں لے آئے۔ ان سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ ان دونوں نے کہا:"ہم قریش

کے لیے پانی لانے کے لیے مختص ہیں۔ انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا ہے۔ مسلمانوں نے ان کی خبروں کو سچا نہ سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید ان کا تعلق ابوسفیان کے کارواں کے ساتھ ہو۔ انہوں نے انہیں مارا۔ جب انہوں نے انہیں بہت زیادہ مارلیا تو انہوں نے کہا: ''ہم ابوسفیان کے کارواں میں شامل تھے۔'' صحابہ کرام نے انہیں چھوڑ دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے رکوع کیا دوسجدے کیے پھر سلام پھیرا پھر فرمایا: ''جب انہوں نے تمہارے ساتھ سچ بولا تو تم نے انہیں مارا۔ جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے ساتھ ہے۔ مجھے قریش کے بارے بتاؤ۔'' انہوں نے کہا: ''وہ ریت کے اس ٹیلے سے پرے ہیں جو آپ کے دور کے کنارے پر نظر آ رہا ہے۔'' آپ نے ان سے پوچھا۔ ''ان کی تعداد کیا ہے؟'' غلام: بہت زیادہ۔ حضور اکرم ﷺ: ان کی تعداد کیا ہے؟ غلام: ہم نہیں جانتے؟ آپ نے پوچھا: ''ہر روز وہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''ایک دن نو اور دوسرے دن دس۔'' آپ نے فرمایا: ''ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے مابین ہے۔'' آپ نے پوچھا: ''سردارانِ قریش میں سے ان میں کون کون شامل ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوالبختری، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل، امیہ بن خلف، نبیہ، منبہ پسرانِ حجاج، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود۔'' حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کی طرف توجہ کی اور فرمایا: ''مکہ مکرمہ نے اپنے جگر کے پارے تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔''

ابن عائذ نے لکھا ہے: ''یہ کارواں چلتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے دس راتوں میں جحفہ پہنچ گیا۔ بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء آگے نکل گئے تھے۔ وہ مقام بدر میں ٹھہرے۔ چشمہ کے قریب اپنے اونٹ بٹھائے۔ پھر مشکیزہ لے کر پانی سے بھرنے کے لیے لے گئے۔ انہوں نے دو لونڈیوں کی گفتگو سنی وہ بھی وہاں سے پانی بھرنے آئیں تھیں۔ ایک عورت دوسری سے قرض کا تقاضا کر رہی تھی۔ اس نے دوسری عورت سے کہا: ''ارے! کل یا پرسوں یہاں قریش کا قافلہ پہنچ جائے گا۔ میں ان کی خدمت کروں گی۔ پھر تیرا قرضہ چکا دوں گی۔'' مجدی نے اسے کہا: ''تو نے سچ کہا ہے۔ پھر ان کے مابین تصفیہ کرا دیا۔ عدی اور بسبس نے یہ بات سن لی وہ اپنے اونٹوں پر بیٹھے اور سوار ہو کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے اور جو کچھ سنا تھا اس کے بارے بتا دیا۔

ابوسفیان کا مدینہ طیبہ کے قریب پہنچنا اور حضور اکرم ﷺ سے بچاؤ کرنے کی تدبیر کرنا

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان عازم سفر ہوا۔ کارواں اس کے ساتھ تھا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گیا۔ ضمضم بن عمرو سست ہو گیا۔ وہ حالت خوف میں مقام بدر پر آیا۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو

مسلمان بدر کے چشمہ پر اترے تھے تو کارواں کا رخ بدر کے چشمہ کی طرف تھا۔ انہوں نے بدر کے پیچھے رات بسر کی ان کا ارادہ تھا کہ وہ وقت صبح بدر پہنچ جائیں گے اگر انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ اونٹ اس طرف بڑھ نہیں رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے انہیں رسیوں سے مارا۔ وہ مسلسل آوازیں نکال رہے تھے۔ وہ انہیں بدر کے چشمہ پر لے آئے انہیں پانی کی ضرورت نہ تھی۔ وہ کل پانی پی چکے تھے کارواں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر کہا: "جب سے ہم عازم سفر ہوئے ہیں ایسی صورت حال سامنے نہیں آئی۔ اس رات کی تاریکی ان پر چھا گئی حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے بھی کچھ نہ دیکھا۔ ابوسفیان احتیاط کے طور پر کارواں سے آگے نکلا۔ وہ چشمہ بدر تک پہنچا۔ اس نے وہاں مجدی بن عمرو جہنی کو پایا اس نے اسے پوچھا: "کیا یہاں کسی کو دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے کسی کو نہیں دیکھا البتہ میں نے دو سواروں کو دیکھا ہے۔ (یعنی بسبس اور عدی) انہوں نے اس ٹیلے پر اونٹ بٹھائے پھر اپنا مشکیزہ بھرا پھر روانہ ہو گئے۔" ابوسفیان اس جگہ پہنچا جہاں ان کے اونٹ بیٹھے تھے۔ اونٹوں کے لید نے پکڑے۔ انہیں توڑا تو اندر سے کھجور کی گٹھلیاں نکلیں۔ اس نے کہا: "بخدا! یہ تو یثرب کا چارہ ہے۔ وہ جلدی سے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ کارواں کا رستہ تبدیل کر دیا۔ انہیں ساحل سمندر کی طرف لے گیا۔ بدر کو اپنے بائیں طرف چھوڑا۔ وہ صبح وشام سفر کرتا رہا تا کہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کر سکیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس نے اپنا کارواں بچا لیا ہے تو اس نے قیس بن امرئ القیس کو قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا "تم اپنے اموال، آدمی اور کارواں بچانے کے لیے نکلے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان سب کو نجات دی ہے۔ تم واپس آ جاؤ۔" قریش تک جب یہ خبر پہنچی تو قریش جحفہ کے مقام پر تھے۔ ابوجہل نے کہا: "نہیں! بخدا! ہم واپس نہیں لوٹیں گے حتیٰ کہ ہم بدر جائیں گے۔ بدر عرب کے بازاروں میں سے ایک بازار تھا۔ جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ ہم وہاں تین روز قیام کریں گے۔ کھانا کھائیں گے۔ شراب پئیں گے، لونڈیاں موسیقی سنائیں گی عرب کے لوگ ہمارے اس سفر اور اجتماع کے بارے سنیں گے۔ وہ اس کے بعد ہم سے ڈرتے رہیں گے۔" لیکن اہل رائے نے آگے سفر جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ایک دوسرے کے پاس گئے۔ حارث بن عامر، امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ، حکیم بن حزام، ابوالبختری، علی بن امیۃ اور عاص بن منبہ کا موقف تھا کہ واپس لوٹ چلیں حتیٰ کہ ابوجہل نے انہیں بزدلی کی عار دلائی۔ عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث نے اس کی مدد کی اور انہوں نے آگے بڑھنے پر اتفاق کر لیا۔

اخنس بن شریق نے کہا: "بنو زہرۃ! رب تعالیٰ نے تمہارے اموال کو نجات بخشی ہے اس نے تمہارے ساتھی مخرمہ بن نوفل کو بچا لیا ہے تم اسی کے دفاع اور اپنا مال بچانے نکلے تھے۔ بزدلی کا طعنہ مجھ پر آنے دو تم واپس لوٹ چلو۔ تمہیں فضول عازم سفر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں کہتے رہیں۔" یہ سارے واپس لوٹ آئے۔ اس کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد تین سو تھی۔ اس قبیلہ کے کسی فرد نے اس جنگ میں شرکت نہ کی

سوائے دو افراد کے وہ مسلم بن شہاب زھری کے چچا تھے یہ حالتِ کفر میں مرے تھے۔

ابن سعد نے لکھا ہے"قیس بن امرئ القیس ابوسفیان سے ملا۔اسے قریش کے آنے کی خبر دی۔اس نے کہا:"ہائے قوم! یہ ابوجہل کا کام ہے۔بنوزھرہ اخنس کی رائے پر رشک کرتے تھے وہ ان میں معزز اور قابل اطاعت تھا۔بنوہاشم نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو ابوجہل نے ان پر شدت کی۔اس نے کہا:"یہ گروہ ہم سے جدا نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ ہم واپس آجائیں۔"

ابن سعد نے لکھا ہے:"ان واپس آنے والوں میں سے بنوعدی بھی تھے جب وہ ثنیہ تک پہنچے۔ان کا نام لفت تھا۔" وہ وقت سحر ساحل کی طرف نکلے پھر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔انہیں ابوسفیان بن حرب ملا۔اس نے پوچھا:"بنوعدی! کیسے واپس آ گئے ہو؟ نہ تمہارے ساتھ گروہ ہے نہ کارواں ہے۔"انہوں نے کہا:"تم نے ہی قریش کی طرف پیغام بھیجا تھا کہ وہ واپس لوٹ آئیں۔" دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انہیں مرالظہران کے مقام پر ملا تھا۔قریش آگے بڑھے۔انہوں نے وادی کے دور کے کنارے پر قیام کیا۔ان کا قیام عقنقل کے پیچھے وادی کے دامن میں تھا۔حضور اکرم ﷺ اور مسلمان مشرکین اور چشمے کے مابین فروکش ہوتے۔پہلے مشرکین پانی کے چشموں پر غالب آگئے۔مسلمانوں کو شدید پیاس نے آلیا۔انہیں شدید تنگی نے آلیا۔ شیطان نے ان کے دلوں میں غیظ ڈالا۔اس نے یوں وسوسہ سازی کی"تم گمان کرتے ہو کہ تم اولیاء اللہ ہو۔تم میں اس کے رسول مکرم ﷺ موجود ہیں۔حالانکہ مشرکین پانی پر غلبہ پا چکے ہیں۔تم عجز کرتے ہوئے نماز ادا کر رہے ہو۔"اس رات اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ بارش نازل کی۔مشرکین پر موسلا دھار بارش ہوئی۔جس نے انہیں پیش قدمی سے روک دیا۔مسلمانوں پر پھوار برسی۔رب تعالیٰ نے انہیں اس کے ساتھ پاک صاف کر دیا۔شیطانی وسوسہ کو ان سے دور کر دیا۔زمین ہموار ہوگئی۔ ریت جم کر بیٹھ گئی۔قدم محکم ہو گئے۔اس پر ٹھہرنا آسان ہوگیا۔ان کے دلوں کو تقویت نصیب ہوئی۔انہیں چلنے پھرنے میں سہولت ہوگئی وادی بہہ پڑی۔اہلِ ایمان نے سیر ہو کر پانی پیا،انہوں نے مشکیزے بھر لیے۔جانوروں کو پانی پلایا۔جنابت سے غسل کیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ (الانفال:۱۱)

ترجمہ: "اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدموں کو۔"

اس رات مسلمانوں پر اونگھ طاری ہوگئی۔یہ اونگھ ان پر طاری کی گئی تھی۔وہ سو گئے۔حتیٰ کہ کسی ایک کی ٹھوڑی ان کے آگے ہو جاتی تھی۔حتیٰ کہ وہ پہلو کے بل گر جاتا تھا۔

ابو یعلی اور امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ بدر کے روز ہمارے مابین حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی گھڑ سوار نہ تھا۔ ہم سب سوئے ہوئے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے۔ آپ تادم صبح درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے۔

عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "یہ اونگھ رب تعالیٰ کی طرف امن کی علامت تھی۔ نعاس دو بار آئی تھی۔ غزوۂ بدر کے روز۔ غزوۂ احد کے روز۔ یہ جمعۃ المبارک کی رات تھی۔ دونوں لشکروں کے مابین ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو مشرکین کے پڑاؤ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس کا چکر لگایا۔ پھر واپس آ کر آپ کو بتایا کہ وہ سخت اضطراب کا شکار ہیں اور ان پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے وقت جلدی فرمائی آگے بڑھ کر چشموں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تیز بارش نے مشرکین کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آپ نے بدر کے سب سے قریبی چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ وہیں فروکش ہو گئے۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا یہ ایسی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتارا ہے؟ جس سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ہمارے لیے روا نہ ہو یا یہ ایک رائے، جنگ اور چال ہے؟" آپ نے فرمایا: "یہ رائے، جنگ اور چال ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ جگہ قیام کرنے کے لیے مناسب نہیں۔ آپ صحابہ کرام کو لے کر اٹھیں۔ حتیٰ کہ ہم مشرکین کے قریبی چشمہ پر اتریں۔ پھر اس کے پیچھے سے سارے چشمے بند کر دیں۔ پھر اس چشمہ پر ہم حوض بنا لیں۔ ہم اسے پانی سے بھر لیں۔ پھر دشمن پر کاری ضرب لگائیں۔ ہم پانی پی سکیں گے لیکن دشمن کو پانی نہ ملے گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے عمدہ رائے دی ہے۔"

ابن سعد نے لکھا ہے "حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی رائے بہت عمدہ ہے۔" آپ اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھے حتیٰ کہ مشرکین کے قریبی کنویں پر اترے۔ نصف رات کے وقت وہیں فروکش ہو گئے۔ بقیہ کنوؤں کو بھر دیا گیا۔ جس کنویں پر آپ جلوہ نما ہوئے تھے اس کے پاس ایک حوض بنا دیا گیا۔ اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ پھر صحابہ کرام نے اس میں برتن رکھ دیے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا ہم آپ کے لیے عریش نہ بنا دیں۔ جس میں آپ رونق افروز ہوں۔ ہم آپ کے پاس اپنی سواریاں تیار رکھیں۔ پھر ہم دشمن سے جنگ آزما ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر غلبہ دے دیا۔ اس نے ہمیں دشمن پر فتح دے دی تو ہمیں پسند بھی یہی ہے۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہوئی تو آپ ان سواریوں پر بیٹھ جانا۔ ہماری اس قوم سے جا ملنا جو ہمارے پیچھے ہے۔ آقا! ہمارے پیچھے ایسے لوگ ہیں بخدا! ہم ان سے زیادہ آپ سے محبت نہیں کرتے۔ اگر آپ دشمن کے

ساتھ نبرد آزما ہوں گے تو وہ آپ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کا دفاع فرمائے گا۔ وہ آپ کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار کریں گے۔ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی تعریف کی۔ اور دعائے خیر سے نوازا۔ پھر آپ کے لیے ایک ایسے ٹیلے پر عریش بنا دیا گیا جہاں سے معرکہ کو دیکھا جا سکتا تھا۔ اس میں آپ رونق افروز ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس میں یہ دو ہستیاں ہی جلوہ افروز تھیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا: "فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ فلاں اس جگہ قتل ہوگا۔ ان شاء اللہ!" ان میں سے کوئی ایک بھی اس جگہ سے آگے پیچھے نہ گرا جہاں آپ نے اشارہ فرمایا تھا۔ (امام مسلم، امام احمد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بدر پر صبح کی۔ قریش وقتِ صبح روانہ ہوئے۔ وہ غیظ و غضب اور زرہوں کے ساتھ آئے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غصے اور ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ آتش انتقام اور غصے سے بھڑک رہے تھے۔

وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دینا چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کا کارواں لے لینا چاہتے تھے اور اس میں موجود افراد کو تہ تیغ کرنا چاہتے تھے۔ کل عمرو بن حضرمی، اس کے ساتھی اور وہ کارواں بھی پہنچ گیا جو اس کے ساتھ تھا۔ رب تعالیٰ نے انہیں کسی وعدہ کے بغیر ہی جمع کر دیا تھا۔ جیسے کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ (الانفال: ۴۲)

ترجمہ: "اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لیے تھی) تاکہ کر دکھاتا اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا۔"

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا۔ جب وہ عقنقل سے نشیبی علاقے میں اتر رہے تھے۔ اس ٹیلے سے وہ اس وادی میں آئے تھے۔ سب سے پہلے زمعہ بن الاسود نظر آیا۔ یہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے اس کا بیٹا تھا۔ اس نے گھوڑا پھرایا۔ یہ اپنی قوم کے لیے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ آپ نے یہ دعا مانگی: "مولا! یہ قریش کا گروہ ہے جو بڑے تکبر اور فخر سے آ رہا ہے۔ یہ تیرے ساتھ لڑنا چاہتا ہے تیرے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہا ہے۔ مولا! اپنی وہ مدد بھیج دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ مولا! کل انہیں برباد کر دے۔"

جب آپ نے عتبہ بن ربیعہ کو دیکھا وہ سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا: "اگر قوم میں سے کسی میں بھلائی ہے تو وہ اس سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر قریش اس کی بات مان لیں تو نجات پالیں گے۔ اے علی المرتضیٰ! حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ کو آواز دینا۔'' وہ مشرکین کے قریب تھے۔ ان سے پوچھو'' یہ سرخ اونٹ پر کون سوار ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ عتبہ بن ربیعہ ہے۔ وہ لوگوں کو جنگ کرنے سے روک رہا ہے۔ وہ لوگوں کو واپس جانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے: ''اے میری قوم! یہ عار مجھ پر ڈال دو۔ اور کہہ دینا'' عتبہ بزدل تھا۔'' لیکن ابوجہل انکار کر رہا ہے۔''

خفاف بن رحضہ یا اس کے باپ ایماء ابن رحضہ الغفاری نے قریش کی طرف چند جوان اونٹ بطور تحفہ بھیجے ان کے ساتھ اپنا بیٹا بھیجا۔ اس نے کہا: ''اگر تم پسند کرو تو ہم اسلحہ اور آدمیوں سے تمہاری مدد کریں تو ہم اس طرح بھی کر دیتے ہیں۔'' قریش نے اس کے لڑکے کے ذریعے پیغام بھیجا'' تمام نے صلہ رحمی کر دی ہے۔ تم نے اپنا حق پورا کر دیا ہے۔ ہمیں زندگانی کی قسم! اگر ہم لوگوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں تو پھر تو ہم میں کوئی کمزوری نہیں۔ اگر ہماری یہ لڑائی رب تعالیٰ کے خلاف ہے جیسے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتے ہیں تو پھر رب تعالیٰ کے ساتھ لڑائی کرنے کی طاقت کس میں ہے؟''

جب قریش میدانِ جنگ میں آئے تو ان میں سے بعض لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوض پر آئے ان میں حکیم بن حزام بھی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔ انہیں چھوڑ دو۔'' ان میں سے جس جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ قتل ہو گیا مگر حکیم بن حزام بچ گئے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ جب وہ قسم اٹھاتے تھے تو یوں اٹھاتے تھے'' نہیں! مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس نے مجھے غزوۂ بدر میں نجات دی تھی۔''

جب قوم ذرا پرسکون ہو گئی تو اس نے عمیر بن وھب الجمحی کو بھیجا۔ اس نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش نے کہا: ''ہمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے بارے اندازہ لگا کر دو۔'' اس نے لشکر گاہ کے ارد گرد گھوڑے پر چکر لگایا۔ پھر قریش کی طرف گیا۔ اس نے کہا: ''ان کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ وہ اس سے کچھ کم یا کچھ زائد ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہرو! میں غور سے دیکھ لوں کیا کچھ لوگ کمین گاہوں میں نہ چھپے ہوں یا اور کوئی مددگار ہیں۔'' وہ وادی میں دور تک گیا اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ قریش کی طرف آیا۔ اس نے کہا: ''میں نے اور کچھ نہیں دیکھا گروہِ قریش! میں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں۔ جو موتیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے اونٹ ایسی اموات اٹھائے ہوئے ہیں جو یقینی طور پر پہنچنے والی ہیں۔ وہ ایسی قوم ہیں جن کا دفاع اور پناہ گاہ صرف تلواریں ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ گونگے بنے ہوئے ہیں۔ وہ بات چیت نہیں کر رہے۔ وہ زہریلے سانپوں کی طرح پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ واللہ! میں نہیں دیکھتا کہ ان میں سے کوئی شخص قتل ہو مگر وہ تم میں سے کسی ایک کو قتل کر کے۔ اگر تم میں اتنی تعداد میں افراد قتل ہو گئے تو پھر بعد میں زندگی میں کیسی شیرینی باقی رہے گی آگے تمہاری مرضی۔''

قریش نے ابوسلمہ جشمی کو بھیجا۔ اس نے مسلمانوں کے پڑاؤ کا اپنے گھوڑے پر جائزہ لیا پھر واپس آیا۔ اس نے کہا:

''بخدا! میں نے ان کے پاس نہ اسلحہ کے ڈھیر دیکھے ہیں نہ قوت و طاقت دیکھی ہے نہ گھوڑوں کی جماعت

دیکھی ہے۔لیکن میں نے ایسی قوم ضرور دیکھی ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے پاس جانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔
وہ موت کو گلے لگانا چاہتی ہے۔ان کی قوت اور جائے پناہ صرف تلواریں ہیں۔ان کی آنکھیں نیلی ہیں گویا
کہ ڈھال کے نیچے کنکریاں ہوں۔یہ میری رائے ہے ورنہ جو تمہیں مناسب لگے۔"

جب حکیم بن حزام نے یہ بات سنی تو وہ لوگوں میں گیا۔وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اس سے بات کی تاکہ وہ لوگوں کو واپس لے چلے۔اس نے کہا:"اے ابوالولید! تم قریش کے سردار اور رئیس ہو۔تمہاری اطاعت کی جاتی ہے۔کیا ایک ایسا کام کر گزرتے ہو جس کی وجہ سے تمہیں آخری زمانہ تک بھلائی کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا۔اس نے پوچھا:"حکیم! وہ کیا ہے؟" اس نے کہا:"لوگوں کو واپس لے چلو۔اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا بوجھ اٹھالو۔"اس نے کہا:"میں نے اس طرح کر دیا ہے۔تم اس کے ضامن ہو۔وہ میرا حلیف تھا۔اس کی دیت اور اس کے مال کا نقصان مجھ پر ہے۔ابن حنظلیہ کے پاس جاؤ۔اس کے علاوہ اور کوئی لوگوں میں پھوٹ نہیں ڈال سکتا۔" عتبہ لوگوں میں بات کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! تم محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کر کے کیا کرو گے۔" بخدا! اگر تم نے ان کے ساتھ جنگ کر دی تو پھر تم میں سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔اس نے اس کے چچازاد، خالہ زاد یا قبیلہ کے کسی فرد کو تہ تیغ کیا ہوگا۔واپس لوٹ چلو۔محمد عربی ﷺ اور دیگر قبائل عرب کے رستے سے ہٹ جاؤ۔اگر انہوں نے ان کا کام تمام کر دیا تو تم یہی چاہتے ہو۔اگر نتیجہ کچھ اور نکلا تو تم ان سے اس حال سے میں ملاقات نہیں کرو گے تم ان سے اعراض کر رہے ہو۔ میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو جان کی بازی لگانے کا عزم کیے ہوئے ہے۔تم ان تک نہیں پہنچ سکتے۔جب تک تم میں بھلائی ہے۔قوم! آج بزدلی کا طعنہ مجھ پر آنے دو۔کہہ دو:"عتبہ نے بزدلی دکھائی۔حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں بزدل نہیں ہوں۔"

حکیم نے کہا:"میں ابوجہل کے پاس آیا۔میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ذرہ تھیلے سے نکال رکھی تھی۔وہ اسے درست کر رہا تھا۔میں نے اسے کہا:"ابوجہل! مجھے عتبہ نے تمہاری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔"اس نے کہا:"بخدا! عتبہ نے جب سے محمد عربی ﷺ اور اس کے صحابہ کرام کا لشکر دیکھا ہے تو خوف کی وجہ سے اس کا سانس پھول گیا ہے۔بخدا! ہم واپس نہ جائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد عربی ﷺ کے مابین فیصلہ کر دے۔عتبہ نے یہ سب کچھ اس لیے کہا ہے کیونکہ اس نے دیکھ لیا ہے کہ محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھی ایک اونٹ کو کھانے والے ہیں۔ایک اونٹ انہیں سیر کر سکتا ہے۔ان میں اس کا بیٹا بھی ہے۔وہ اس سے تمہیں خوفزدہ کر رہا ہے۔"

پھر اس نے عامر بن حضرمی کی طرف پیغام بھیجا اس نے کہا:"یہ تیرا حلیف عتبہ ہے۔وہ لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے۔تیرے بھائی کا بدلہ تیری آنکھوں کے سامنے ہے۔اٹھ اور قریش سے اس انتقام اور اپنے بھائی کے قتل کی دہائی

دے۔" اس نے پیچھے سے چادر اٹھادی۔ بلند آواز سے چلایا: "واعمراہ، واعمراہ! اس سے جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ لوگوں کا معاملہ شدت اختیار کرگیا۔ انہوں نے جنگ کرنے پر اپنی رائے پختہ کرلی۔ لوگوں پر وہ رائے فاسد کردی جس کی طرف عتبہ نے انہیں دعوت دی تھی۔ جب عتبہ تک ابوجہل کی بات پہنچی تو اس نے کہا: "عنقریب وہ جان لے گا کون گوز مارتا ہے کہ سانس کس کا پھولا ہوا ہے۔ میرا یا اس کا؟"

پھر عتبہ نے ایک خود تلاش کیا جس میں اسکا سر داخل ہو سکے تو اس کو لشکر میں سے ایسا خود نہ مل سکا۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بہت بڑی تھی۔ پھر اس نے اپنی چادر سے اپنا سر لپیٹ لیا۔ پھر ابوجہل نے اپنی تلوار سونتی اسے گھوڑے کی کمر پہ مارا۔ ایماء بن رحضہ نے اسے کہا: "یہ بری فال ہے۔"

محمد بن عمر اسلمی، بلاذری اور المتاع کے مصنف نے رقم کیا ہے کہ جب قریش فروکش ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا۔ انہوں نے یہ پیغام دیا "واپس لوٹ چلو اگر یہ امر میری طرف سے تمہارے علاوہ کسی اور کو پہنچے تو یہ زیادہ پسندیدہ تر ہے کہ یہ تمہیں پہنچے اور مجھے تمہارے علاوہ کسی اور سے یہ امر پہنچے مجھے اس سے پسندیدہ تر ہے کہ تمہاری طرف سے پہنچے۔" حکیم بن حزام نے کہا: "انہوں نے نصیحت اور خلوص کا اظہار کر دیا ہے قبول کرلو بخدا! انہوں نے جو خلوص تمہیں پیش کر دیا ہے اس کے بعد تم ان پر غالب نہیں آسکتے۔" ابوجہل نے کہا: "واللہ! ہم واپس نہیں جائیں گے۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان پر تسلط عطا کیا ہے۔"

ابن عائذ نے لکھا ہے "بعض مشرکین نے جب مسلمانوں کی قلیل تعداد کو دیکھا تو انہوں نے کہا: "انہیں ان کے دین نے فریب دے رکھا ہے یہ قول کرنے والے ابوالبختری بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل بن ہشام تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب انہوں نے صحابہ کرام کو قلیل دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ شاید غلبہ کثرت تعداد کی وجہ سے ملتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ (الانفال: ۴۹)

ترجمہ: "یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں شک کا روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے تو جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

ابن منذر، ابن ابی حاتم نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے غزوہ بدر کے دن کہا تھا "ان مسلمانوں کو پکڑلو۔ انہیں رسیوں میں کس دو۔ ان میں سے کسی کو قتل نہ کرو۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ (القلم:١٧)

ترجمہ: ''ہم نے ان کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا۔''

آغازِ جنگ

وقتِ صبح قریش کے آنے سے قبل آپ نے صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی۔ جب قریش آئے تو آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی کر رہے تھے۔ آپ نیزے کے ساتھ صفیں درست کر رہے تھے۔ آپ اس کے ساتھ اشارہ کر رہے تھے کہ آگے ہو جاؤ۔ پیچھے ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ وہ سیدھے ہو گئے۔ آپ نے علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا تھا۔ انہوں نے اسے اس جگہ رکھ دیا تھا جہاں آپ نے انہیں حکم فرمایا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفوں کا جائزہ لینے لگے۔ آپ کا رخ انور مغرب کی طرف تھا۔ سورج کو آپ نے پیچھے رکھا۔ مشرکین آئے انہوں نے سورج کی طرف رخ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامیہ کنارے پر اترے۔ قریش یمانیہ کنارے پر اترے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم وادی کے بلند کنارے پر اترے ہیں اور وادی کی بلندی کی طرف سے ہوا چل رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسے آپ کی نصرت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے اپنی صفیں بنالیں ہیں۔ میں نے اپنا علم گاڑھ دیا ہے۔ میں اسے تبدیل نہیں کرسکتا۔ جب حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صف بندی فرما رہے تھے۔ تو حضرت سواد بن غزیہ صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تیر (یا چھڑی) ان کے پیٹ پر لگائی اور فرمایا: ''سواد! سیدھے ہو جاؤ'' انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اٹھا دیا اور فرمایا: ''قصاص لے لو'' انہوں نے خود کو آپ کے جسم مطہر کے ساتھ چمٹا لیا اور بوسے لینے لگے۔ آپ نے پوچھا: ''اس حسین عمل پر تمہیں کس نے ابھارا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''اللہ تعالیٰ کا جو امر آ پہنچا ہے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں مجھے خدشہ ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ میں نے چاہا کہ اس آخری وقت میں میری جلد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد کے ساتھ مس ہو جائے۔''

آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: ''امابعد! میں تمہیں اس امر پر ابھارتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے ابھارا ہے۔ اس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے۔ رب تعالیٰ جو عظیم و برتر ہے۔ وہ تمہیں حق کا حکم دیتا ہے۔ وہ صدق کو پسند کرتا ہے۔ وہ اہلِ خیر کو وہ بلند مقامات عطا فرماتا ہے جو اس کے ہاں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تم آج

حق کی منازل میں سے ایک منزل پر فروکش ہو۔ اس میں رب تعالیٰ وہی کچھ قبول کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے۔ سختی کے مقامات میں صبر ایسی چیز ہے جس سے رب تعالیٰ غم کو دور کر دیتا ہے۔ دکھ سے نجات دیتا ہے۔ آخرت میں اس کے ساتھ تم نجات پاؤ گے تم میں اللہ تعالیٰ کا نبی مکرم ﷺ موجود ہے۔ وہ تمہیں ڈراتا ہے اور تمہیں حکم دیتا ہے۔ آج رب تعالیٰ سے حیاء کرو کہ وہ تمہارے معاملہ میں کسی ایسی چیز سے آگاہ ہو جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ (غافر:١٠)

اس امر کو دیکھو جس کے بارے اس نے تمہیں اپنی کتاب میں حکم دیا ہے اس نے تمہیں اپنی علامات دکھائی ہیں رسوائی کے بعد تمہیں عزت بخشی۔ اس کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے گا۔ ایسے مقامات میں کوشش کرو کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے۔ تم اس رحمت اور مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے اس کا وعدہ حق ہے۔ اس کا فرمان سچ ہے۔ اس کی سزا شدید ہے۔ میں اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں جو الحی القیوم ہے۔ ہم اس سے اپنی فتح کی التجاء کرتے ہیں۔ اس کا دامن تھامتے ہیں۔ اسی پر توکل کرتے ہیں۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں اور مسلمانوں کو بخش دے۔" قریش جنگ کے لیے تیار ہو گئے شیطان ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے:

"مشرکین کے پاس تین جھنڈے تھے۔ ایک جھنڈا ابوعزیز بن عمیر کے پاس، دوسرا نضر بن حارث کے پاس، تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس تھا۔ یہ سارے عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اسود بن عبدالاسد باہر نکلا یہ فحش گو اور بداخلاق شخص تھا۔ اس نے کہا: "میں نے رب تعالیٰ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں تمہارے حوض سے ضرور پانی پیوں گا یا اسے گرا دوں گا یا مر جاؤں گا۔" جب وہ باہر نکلا تو اسد اللہ و رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں آئے۔ جب وہ باہم معرکہ آزما ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار ماری اور نصف پنڈلی سے کاٹ کر رکھ دی۔ وہ حوض سے پرے ہی تھا۔ وہ پشت کے بل گر پڑا۔ اس کی ٹانگ سے خون نکل کر اس کے ساتھیوں کی طرف بہہ رہا تھا۔ وہ حوض کی طرف آیا تا کہ اپنی قسم پوری کر لے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور حوض سے دور ہی اسے واصل جہنم کر دیا وہ اس میں گر پڑا اپنی صحیح ٹانگ سے اسے گرا دیا اور اس سے پانی پیا۔"

ابن سعد نے لکھا ہے "عمیر بن وھب آیا۔ اس نے مسلمانوں کی طاقت کو آزمایا لیکن مسلمان ثابت قدم رہے۔ وہ پیچھے نہ ہٹے۔ عامر بن حضرمی نے مسلمانوں پر سختی کرنے کی کوشش کی۔ جنگ لوگوں کے مابین چھڑ گئی۔ سب سے پہلے حضرت مھجع بن عائش کے سر پر شہادت کا تاج سجا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ انہیں عامر بن حضرمی نے شہید کیا تھا۔ انصار میں سے سب سے پہلے حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا۔ انہیں حبان بن عرقہ نے شہید کیا تھا۔ دوسرا

قول یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ سعادت حضرت عمیر بن حمام نے حاصل کی تھی انہیں خالد بن الاعلم العقیلی نے شہید کیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا: "ان کے ساتھ جنگ کا آغاز نہ کرنا حتیٰ کہ میں تمہیں اذن دے دوں۔ اگر وہ تمہارے قریب آئیں تو تیروں کے ساتھ انہیں دور کر دو۔ اپنی تلواریں نہ سونتو حتیٰ کہ وہ تمہارے بالکل قریب آجائیں اور تمہارے تیر کام نہ کریں۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! مشرکین کی قوم قریب آ گئی ہے۔ انہوں نے ہم سے بہت کچھ پالیا ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب میں مشرکین کو قلیل کر کے دکھایا تھا۔ آپ نے یہ خواب صحابہ کرام کو سنایا تا کہ وہ ثابت قدم رہیں۔

ابن اسحاق، ابن منذر نے حبان بن واسع سے اور وہ اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے روز اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرمائیں۔ پھر اپنے عریش میں تشریف لائے پھر آپ بیدار ہوئے۔ فرمایا: "ابوبکر! بشارت ہو۔ تمہارے پاس رب تعالیٰ کی نصرت آ گئی ہے۔ یہ حضرت جبرائیل امین ہیں۔" جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اسے لے جارہے ہیں۔ ان کے گھوڑے کے پاؤں گرد آلود ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ صفوں سے باہر نکلے۔ انہوں نے دعوتِ مبارزت دی۔ ان کے مقابلہ میں انصار کے تین افراد نکلے وہ حضرات عوف اور معاذ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ تھے۔

ابن عقبہ، ابن سعد اور ابن عائذ نے لکھا ہے: "جب انہوں نے مقابلہ کی دعوت دی اور مذکورہ بالا تین صحابہ کرام ان کی دعوت پر پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے حیاء آئی۔ کیونکہ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمان اور مشرکین باہم نبرد آزما ہو رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند کرتے تھے کہ قتال کی شدت آپ کے چچازادوں کے علاوہ کسی اور قوم کے لیے ہو۔" انہوں نے پوچھا: "تم کون ہو؟" انصار: "ہم انصار کے بعض افراد ہیں۔" قریش کے افراد نے کہا: "تم معزز مدمقابل ہو لیکن ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔" پھر انہوں نے بلند آواز سے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہماری قوم میں سے ہمارے مدمقابل بھیجیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام سے فرمایا: "اپنی صفوں کی طرف لوٹ آؤ۔ ان کے چچازاد اٹھ کر ان کی طرف جائیں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عبیدہ بن حارث اٹھو، حمزہ! اٹھو، علی! اٹھو" حضرت علی اس روز سفید صوف کا نشان لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "تم اس حق کے لیے لڑو جس کے ساتھ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا ہے۔ وہ اپنے باطلوں کو اس لیے لے کر آئے ہیں تا کہ رب تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں۔" یہ حضرات قدسیہ ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" حضرت عبیدہ نے کہا: "میں عبیدہ ہوں۔" حضرت علی نے فرمایا: "میں علی

ہوں۔" حضرت حمزہ نے فرمایا: "میں حمزہ ہوں۔" انہوں نے کہا: "ہاں! معزز مدمقابل!" حضرت عبیدہ عمر رسیدہ تھے۔ انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو جالیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو جالیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عتبہ پر جھپٹ پڑے۔ حضرت حمزہ نے فوراً اپنے مدمقابل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ اور عتبہ میں باہم شمشیر زنی ہوتی رہی۔ دونوں نے اک دوسرے کو تھکا دیا۔ عتبہ نے وار کیا جو حضرت عبیدہ کی پنڈلی پر لگا اور اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تلواریں لے کر پلٹے اور عتبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت عبیدہ کو اٹھایا اور صحابہ کرام تک پہنچایا۔ جب وہ انہیں لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے انہیں آپ کی ایک سمت لٹا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنا پاؤں مبارک آگے کر دیا۔ حضرت عبیدہ نے عرض کی: "کاش اس وقت جناب ابو طالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ میں نے اس کا یہ قول سچ کر دکھایا ہے۔

كذبتم و بيت الله نبزى محمدا و لمّا نطاعن حوله و نناضل
و نسلمه حتى نصرع حوله و نذهل عن ابناء نا والحلائل

ترجمہ: "مشرکین! کعبہ مقدسہ کی قسم! تم جھوٹ بول رہے ہو کہ ہم محمد عربی ﷺ کو چھوڑ دیں گے اور آپ کے اردگرد تیر نہیں چلائیں گے۔ شمشیر زنی نہیں کریں گے۔ ہم تو انہیں تمہارے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ ہم آپ کے اردگرد پچھاڑے جائیں اور ہم آپ کے دفاع میں اپنے نوران نظر اور بیویوں سے بھی غافل ہو جائیں۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔"

امام شافعی نے حضرت قیس بن عباد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو سنا وہ قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت طیبہ:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ٘ (الحج: ۱۹)

ترجمہ: "یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے اپنے رب کے بارے میں۔"

ان افراد کے بارے نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوۂ بدر کے روز دعوت مبارزت دی تھی۔ یعنی حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ، عتبہ، شیبہ اور ولید۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ آیت طیبہ ان افراد کے بارے نازل ہوئی تھی جنہوں نے غزوۂ بدر کے روز دعوت مبارزت دی تھی۔ یعنی حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ، عتبہ، شیبہ اور ولید کے بارے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں سب سے پہلے فیصلہ کروانے کے لیے روز

حشر اپنے رب کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھوں گا۔" امام بخاری نے حضرت امام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "یہ آیت طیبہ ہمارے بارے نازل ہوئی ہے۔"

ابو العالیہ نے لکھا ہے" جب یہ مشرکین واصل جہنم ہوئے اور مسلمان واپس آ گئے تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے کہا: "ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں، حضور اکرم ﷺ کے منادی نے کہا: "اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے۔ تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔ ہمارے شہداء جنت میں ہیں۔ جبکہ تمہارے مقتولین آگ میں ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی نظروں میں مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی نظروں میں مشرکین کو کم کر دکھایا۔ حتیٰ کہ ابو جہل نے کہا: "محمد عربی ﷺ اور آپ کے ساتھی ایک اونٹ سے سیر ہو جانے والے ہیں۔"

ابن عتبہ نے لکھا ہے: "مسلمانوں نے درگاہِ ایزدی میں بآواز بلند آہ و زاری شروع کی جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ شروع ہو چکی ہے۔"

دعائے مصطفیٰ ﷺ اور نزول ملائکہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "پھر حضور اکرم ﷺ عریش میں تشریف لے آئے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی عریش میں موجود نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کو واسطہ دینے لگے تاکہ وہ اپنی نصرت کا وعدہ پورا کرے۔ آپ نے عرض کی: "مولا! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر زمین میں تیری پوجا ہرگز نہیں ہوگی۔" حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے واسطہ دینے کی حد کر دی ہے۔ رب تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔"

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور الطبرانی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں چاہتا ہوں کہ آپ کو مشورہ دوں۔ حالانکہ آپ کی ذاتِ والا اس سے بالاتر ہے کہ آپ کو مشورہ دیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ قسم دے کر اسے وعدہ پورا کرنے کے لیے کہا جائے۔" آپ نے فرمایا: "ابن رواحہ! میں رب تعالیٰ سے قسم دے کر کہوں گا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔"

ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: "غزوۂ بدر کے روز میں نے کچھ دیر قتال کیا۔ پھر جلدی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ تاکہ دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ آپ سر بسجود تھے۔ آپ "یاحی یاقیوم" کا ورد فرما رہے تھے۔ اس سے زائد کچھ بھی عرض نہیں کر رہے تھے۔ پھر میں چلا گیا کچھ دیر جہاد

کیا پھر واپس آیا۔ پھر آپ سر بسجود تھے۔ آپ انہی الفاظ کا ورد فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرما دی۔" امام بیہقی نے حسن سند کے ذریعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کسی کو اس قدر واسطہ دیتے نہیں سنا جس قدر حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز واسطہ دیا تھا۔ آپ فرما رہے تھے: "مولا! میں تجھے وہ وعدہ اور عہد یاد کراتا ہوں۔ مولا اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی" آپ نے توجہ فرمائی تو آپ کا چہرہ انور گویا کہ چاند کا حصہ تھا۔ فرمایا: "گویا کہ میں دشمن قوم کے افراد کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔ جہاں وہ کل گریں گے۔"

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس اور حضرت حکیم بن حزام اور ابراہیم التیمی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب لڑائی شروع ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے دستِ اقدس بلند کر دیے۔ آپ نے رب تعالیٰ سے اس نصرت کا سوال کیا جو اس نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ آپ یوں عرض کر رہے تھے۔ "اگر مشرکین اس گروہ پر غالب آ گئے تو شرک کا غلبہ ہو جائے گا تیرا دین تیرے لیے قائم نہ رہ سکے گا" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ سے عرض کر رہے تھے: "اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت ضرور کرے گا وہ آپ کو سرخرو ضرور فرمائے گا۔" آپ کو عریش میں اونگھ آ گئی۔ آپ بیدار ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دشمن کے کندھوں کے پاس ایک ہزار لگاتار ملائکہ بھیج دیے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ابو بکر! تمہیں بشارت ہو۔" یہ جبرائیل امین ہیں۔ جو زرد عمامہ پہنے ہوئے ہیں۔ وہ زمین اور آسمان کے مابین اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں۔ جب وہ زمین پر اترے تو کچھ دیر کے لیے مجھ سے غائب ہوئے پھر نمودار ہوئے ان کے گھوڑے کے پاؤں غبار آلود تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: "جب آپ نے دعا مانگی ہے تو اللہ کی نصرت آپ کے پاس آ گئی ہے۔"

ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم، ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ بدر کے روز جب حضور اکرم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ آپ کے صحابہ کرام کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ حضور اکرم ﷺ قبلہ رو ہو گئے۔ اپنے ہاتھ مبارک بلند کیے۔ آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ آپ عرض کر رہے تھے: "مولا! وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر اہلِ اسلام کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔" آپ لگاتار اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کرتے رہے۔ آپ قبلہ رو تھے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک نیچے گر پڑی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ آپ کے شانوں پر ردائے پاک رکھی۔ چادر مبارک کے ساتھ ہی آپ سے چمٹ گئے۔ عرض کی: "یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے واسطہ دینے میں مدد کر دی ہے وہ عنقریب وہ وعدہ پورا کرے گا جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ (الانفال: ۹)

ترجمہ: "یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے آپ کی مدد کی۔

سعید بن منصور نے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے روز حضور اکرم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ انہیں کثیر سمجھا۔ مسلمانوں کی طرف دیکھا تو انہیں قلیل سمجھا۔ آپ نے دو رکعتیں ادا کیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی نماز میں عرض کی: "مولا! مجھے چھوڑ نہ دینا۔ مولا! مجھے رسوا نہ کرنا۔ مولا اپنا وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔"

امام بخاری، امام نسائی اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ روز بدر اپنے عریش میں تشریف فرما تھے آپ یوں عرض کر رہے تھے۔ "مولا! میں تمہیں وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مولا! اگر تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے! حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست اقدس تھام لیا۔ عرض کی: "یارسول اللہ! آپ نے اپنے رب کے ساتھ آہ و زاری کرنے کی حد کر دی ہے۔ آپ باہر تشریف لائے۔ آپ اپنی زرہ میں حرکت فرما رہے تھے۔ آپ یہ آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝ (القمر: ۴۵، ۴۶)

اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ (الانفال: ۹)

ترجمہ: "یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔"

أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: "یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں رعب سو تم مارو گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند کے اوپر۔"

ابو یعلی، حاکم، امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں بدر کے کنوئیں سے واپس آ رہا تھا۔ بہت شدید آندھی آئی۔ میں نے ایسی آندھی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر وہ ختم ہو گئی۔ پھر

آندھی آئی میں نے اس قسم کی آندھی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر سخت آندھی آئی۔ پہلی آندھی کے وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ نیچے اترے تھے۔ دوسری آندھی کے وقت حضرت میکائیل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے دائیں طرف اترے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف ہی تھے۔ جبکہ تیسری بار حضرت اسرافیل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ آپ کے بائیں طرف اترے تھے۔ میں آپ کے بائیں طرف ہی تھا۔ جب رب دو جہاں نے اپنے دشمنوں کو شکست سے دو چار کیا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ وہ مجھے لے کر تیز چلا حتیٰ کہ اس نے مجھے نیچے گرا دیا۔ میں اس کی گردن سے نیچے آگیا۔ میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تو میں جم کر بیٹھ گیا۔ تو میں نے اس قوم پر نیزہ بازی شروع کی۔ حتیٰ کہ میں نے اسے زخمی کر دیا۔" انہوں نے اپنی بغل کی طرف اشارہ کیا۔

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز فرمایا: "یہ حضرت جبرائیل ہیں جو اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے ہیں ان پر آلاتِ حرب ہیں۔"

ابن اسحاق، ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور وہ بنو غفار کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا: "میں اور میرا چچازاد میدانِ بدر میں تھے۔ ہم اپنے شرک پر تھے۔ ہم پہاڑ پر سے دیکھ رہے تھے کہ فتح یا شکست کسے نصیب ہوتی ہے۔ پھر ہم مال غنیمت لوٹیں۔ ایک بادل آیا۔ جب وہ پہاڑ کے قریب ہوا تو ہم نے اس میں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنیں۔ ہم نے اس میں ایک شہسوار کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا "حیزوم! آگے بڑھو۔ میرے ساتھی کے دل کا پردہ پھٹ گیا۔ وہ اسی جگہ مر گیا۔ میں بھی قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا پھر میں اٹھ کھڑا ہوا۔"

محمد بن عمر نے ابورہم الغفاری سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے چچازاد سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا: "اسی اثناء میں کہ میں اور میرا چچازاد بدر کے کنوئیں کے پاس تھے۔ جب ہم نے مسلمانوں کی قلیل اور قریش کی کثیر تعداد دیکھی جب دونوں لشکر نبرد آزما ہوئے تو ہم محمد عربی ﷺ کے لشکر کی طرف گئے۔ ہم آپ کے لشکر کے بائیں طرف گئے۔ ہم نے کہا: "یہ قریش کا چوتھائی حصہ ہیں۔ اسی اثناء میں کہ ہم میسرہ میں چل رہے تھے کہ اچانک بادل آیا وہ ہم پر چھا گیا۔ ہم نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ہم نے اس میں آدمیوں اور اسلحہ کی آوازیں سنیں۔ ہم نے ایک ذات کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی "حیزوم! آگے بڑھو" ہم نے انہیں سنا وہ کہہ رہے تھے "ذرا آہستہ! تمہارا معاملہ مکمل ہو جائے گا" وہ حضور اکرم ﷺ کے میمنہ پر اترے پھر اسی طرح ایک اور گردہ آیا وہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اترا۔ وہ قریش سے بھی دو گنے ہو گئے۔ میرا چچازاد موقع پر ہی مر گیا مجھے زندگی نصیب ہوگئی۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی اور اسلام قبول کر لیا۔

امام مسلم، ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسی اثناء میں کہ اس روز ایک مسلمان شخص

مشرکین میں سے کسی ایک شخص کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا۔اچانک وہ اس کے سر پر کوڑا پڑنے کی آواز سنتا وہ کسی شہ سوار کی آواز سنتا۔''اے خیروم! آگے بڑھو۔وہ مشرک اس کے سامنے گر پڑتا۔جب وہ اس کی طرف دیکھتا تو اس کی ناک خاک آلود ہوتی۔اس کا چہرہ پھٹ گیا ہوتا۔جیسے کوڑے کی ضرب لگی ہو۔وہ ساری جگہ سبز ہو گئی تھی۔ایک انصاری آیا۔اس نے یہ بات آپ کو عرض کی۔آپ نے فرمایا:''تم نے سچ کہا ہے یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔''

ابن اسحاق، اسحاق بن راھویہ نے حضرت ابن اسید الساعدی سے روایت کیا ہے۔انہوں نے نابینا ہو جانے کے بعد کہا:''اب اس وقت میں تمہارے ساتھ میدان بدر میں جاؤں اور مجھے بینائی مل جائے تو میں تمہیں وہ گھاٹی دکھاؤں جہاں سے فرشتے آتے تھے۔مجھے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

امام احمد، امام بزار اور امام حاکم نے صحیح سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا: ''مجھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے روز کہا گیا:''ہم میں سے ایک کو کہا گیا:''تمہارے ساتھ جبرائیل ہیں'' دوسرے سے کہا گیا:''تمہارے ساتھ میکائیل ہیں۔اسرافیل ایک عظیم فرشتہ ہے جو قتال کے وقت آتا ہے۔وہ جس صف میں ہو اس سے قتال نہیں ہو سکتا۔''

ابراہیم حربی نے ابوسفیان بن حارث سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا:''ہم روز بدر ایسے سفید آدمیوں سے ملے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے جو آسمان اور زمین کے مابین تھے۔''امام حاکم اور امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت سہیل بن حنیف سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا:''ہم نے غزوۂ بدر میں خود کو دیکھا کہ اگر ہم میں سے کوئی ایک مشرک کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتا تو اس کے جانے سے قبل اس کا سر کٹ کر نیچے گر پڑتا۔''

امام بیہقی نے حضرت ربیع بن انس سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا:''لوگ اپنے مقتولوں میں سے ان کو پہچان لیتے تھے جنہیں فرشتوں نے مارا ہوتا تھا۔ان کی گردنوں پر اور پوروں پر ضرب کے یوں نشان ہوتے تھے جیسے آگ کے جل جانے کا نشان ہوتا ہے۔''

امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا:''میں نے غزوۂ بدر کے روز سفید مرد دیکھے جو آسمان اور زمین کے مابین ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ان پر نشان لگائے گئے تھے۔وہ قتل کر رہے تھے اور قیدی بنا رہے تھے۔''

امام بیہقی نے حضرت خارجہ بن ابراہیم سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے پوچھا:''بدر کے روز اپنے گھوڑے کو''حیزوم آگے بڑھو کس نے کہا تھا؟''انہوں

نے کہا: "میں سارے اہل آسمان کو نہیں جانتا"

امام بیہقی نے حضرت حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے خود کو غزوۂ بدر کے دن دیکھا کہ آسمان سے ایک چادر سی اتری ہے جس نے افق کو گھیر لیا ہے۔ چیونٹیوں سے بھر گئی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس چیز کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی مدد کی گئی ہے اس وقت فوراً ہمیں شکست ہوگئی۔ وہ فرشتے تھے۔

محمد بن عمر اسلمی سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "یہ جبرائیل ہیں جو ہوا کو ہانک رہے ہیں گویا کہ وہ دحیہ کلبی ہیں۔ میری صبا سے مدد کی گئی ہے جبکہ عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا تھا۔"

محمد بن عمر اسلمی اور ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے غزوۂ بدر کے روز دو آدمی دیکھے ایک آپ کے دائیں طرف جبکہ دوسرا بائیں تھا۔ وہ سخت لڑائی لڑ رہے تھے۔ پھر تیسرا شخص آپ کے پیچھے سے آیا اور چوتھا آپ کے سامنے سے آیا۔

ابن سعد نے خویطب بن عبدالعزی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے غزوۂ بدر کے روز مشرکین کی طرف سے شرکت کی تھی۔ میں نے جم غفیر دیکھا۔ میں نے ملائکہ دیکھے وہ زمین اور آسمان کے مابین قتل کر رہے تھے اور قیدی بنا رہے تھے۔

امام بیہقی نے حضرت سائب بن ابی جیش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہا کرتے تھے "بخدا! مجھے لوگوں میں سے کسی شخص نے گرفتار نہیں کیا۔ ان سے پوچھا جاتا "پھر تمہیں کس نے گرفتار کیا؟" وہ کہتے: "جب قریش کو شکست ہوگئی تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہی شکست ہوگئی۔ مجھے ایک سفید اور طویل شخص نے گرفتار کیا جو آسمانوں اور زمین کے مابین ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے مجھے باندھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مجھے باندھا ہوا پایا انہوں نے لشکر میں صدا لگائی۔ "اسے کس نے قیدی بنایا ہے؟" کسی کا گمان تک نہ تھا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے۔ حتیٰ کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: "اے ابن ابی جیش! تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے؟" میں نے عرض کی: "میں اسے نہیں جانتا۔" میں نے ناپسند کیا کہ میں آپ کو وہ کچھ بتاؤں جو میں نے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: "تمہیں فرشتوں میں سے ایک فرشتے نے گرفتار کیا ہے۔"

محمد بن عمر اسلمی اور امام بیہقی نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے غزوۂ بدر کے روز آپ کی خدمت میں تین سر پیش کیے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ان دو کو تو میں نے قتل کیا ہے جبکہ تیسرے شخص کے بارے میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو سفید اور طویل تھا اس نے اسے مارا میں نے

اس کا سر پکڑ لیا۔" آپ نے فرمایا: "وہ فلاں فرشتہ تھا۔"

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "فرشتہ ایسے شخص کی شکل میں متشکل ہوتا تھا جسے لوگ جانتے تھے۔ وہ انہیں ثابت قدم کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے میں ان کے قریب ہوا۔ میں نے انہیں یوں کہتے ہوئے سنا "اگر انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے۔ وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔

ابن راھویہ، ابونعیم اور امام بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے قریش کی شکست سے قبل دیکھا۔ لوگ باہم قتال کر رہے تھے کہ سیاہ چادر سی پھیل گئی ہے۔ اس نے وادی کو بھر دیا ہے۔ مجھے شک نہ رہا کہ وہ ملائکہ تھے۔ اس وقت قوم قریش کو شکست ہو گئی۔

امام احمد، ابن سعد، ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے اور حضرت امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے حضرت عباس کو قیدی بنایا وہ حضرت ابو الیسر تھے وہ ایک کمزور شخص تھے۔ جبکہ حضرت عباس ایک بھاری بھرکم انسان تھے۔ آپ نے فرمایا: "ابو الیسر! تم نے عباس کو کیسے گرفتار کر لیا؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! انہیں گرفتار کرنے میں میری مدد ایک ایسے شخص نے کی ہے جس کو میں نے نہ پہلے دیکھا ہے نہ بعد میں۔ اس کی شکل اس طرح تھی۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ایک معزز فرشتے نے انہیں گرفتار کرنے میں تمہاری مدد کی ہے۔"

ابن سعد، ابوشیخ نے العظمۃ میں حضرت عطیہ بن قیس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے روز قتال سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ ایک سرخ گھوڑی پر سوار تھے۔ انہوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ ان کے پاس ان کا نیزہ تھا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں حتیٰ کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ کیا آپ راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! میں راضی ہوں، وہ واپس چلے گئے۔

ابو یعلی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم نے غزوۂ بدر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی۔ آپ نے نماز میں تبسم فرمایا۔ جب آپ نے نماز مکمل کی تو ہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔" آپ نے فرمایا: "میرے پاس سے جبرائیل گزرے ان کے پروں پر گرد و غبار تھا۔ وہ قوم قریش کے تعاقب سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر تبسم کیا۔ میں نے انہیں دیکھ کر تبسم کیا۔"

امام بخاری نے حضرت رفاعۃ بن رافع الزرقی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ بدری صحابہ کرام کو کیسے سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

''سارے مسلمانوں سے افضل۔'' انہوں نے عرض کی: ''وہ فرشتے بھی دیگر فرشتوں سے افضل ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔''

ابن سعد نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''اس روز کسی مشرک کا سر کٹ کر گر پڑتا لیکن معلوم نہ ہوتا تھا کہ سر کس نے کاٹا ہے۔ ایک شخص کا بازو کٹ کر گر پڑتا لیکن یہ علم نہ ہوتا تھا کہ اسے کس نے کاٹا ہے۔''

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''مردفین'' کا معنی ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک فرشتہ' عبد بن حمید نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے لگاتار۔ رب تعالیٰ نے پہلے ایک پھر تین پھر پانچ ہزار سے یہ تعداد مکمل فرمادی۔

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے حضرت ابوواقد اللیثی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں غزوۂ بدر کے روز ایک مشرک کے تعاقب میں تھا۔ تاکہ اس کے سر پر ضرب کاری لگاؤں۔ لیکن میرے پہنچنے سے قبل ہی اس کا سر کٹ کر جدا ہوگیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے۔

امام بیہقی نے حضرت حمزہ بن صہیب سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد گرامی نے کہا: ''میں نے غزوہ بدر کے روز کتنے کٹے ہوئے ہاتھ اور کاری ضربیں دیکھیں جن کے زخموں سے خون نہیں نکلا تھا۔''

ابونعیم نے حضرت ابودردہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''مجھے بنوسعد کے ایک شخص نے بیان کیا ہے۔ اس نے کہا: ''غزوہ بدر کے روز مجھے شکست ہوگئی جب میں نے اپنے سامنے ایک شخص کو چت دیکھا۔ میں نے کہا: ''اس کے قریب جاؤ اس سے پیار کرو۔ وہ وادی کے کنارے سے نیچے گرا۔ میں اس کے پاس گیا اس کا سر کٹ کر جدا ہو چکا تھا۔ لیکن میں نے اس کے قریب کسی کو نہیں دیکھا۔''

امام الطبرانی نے حضرت رفاعۃ بن رافع سے اور ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کی ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ مدد کی۔ حضرت جبرائیل امین پانچ سو ملائکہ کے ساتھ ایک سمت جبکہ حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری سمت تھے۔ ابلیس شیاطین کا لشکر لے کر آیا۔ اس کے ہمراہ اس کا جھنڈا بھی تھا۔ وہ بنومدلج کے افراد کی صورتوں میں تھے۔ شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں تھا۔ اس نے مشرکین سے کہا: ''آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ میں تمہارا ضامن ہوں۔'' حضرت جبرائیل امین تشریف لائے۔ شیطان نے انہیں دیکھا اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا وہ اور اس کا گروہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ اس شخص نے کہا: ''سراقہ! کیا تیرا گمان نہیں تھا کہ تو ہمارا ضامن ہے'' اس نے کہا: ''میں وہ

کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔" یہ اس وقت کی بات ہے جب اس نے فرشتوں کو دیکھ لیا تھا۔ حارث بن ہشام ان کے ساتھ چمٹ گیا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اسے سراقہ سمجھ رہا تھا۔ جب اس نے اس کی بات سنی شیطان نے حارث کو سینے پر مارا۔ حارث نیچے گر پڑا۔ شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ وہ سمندر میں گر پڑا۔ اس نے اپنے ہاتھ بلند کیے۔ اس نے کہا: "مولا! تیرا وہ وعدہ جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مولا! میں تیری اس مہلت کا طلب گار ہوں جو تو نے مجھے دی ہے۔" اسے خدشہ لاحق ہوا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ ابو جہل نے کہا: "اے لوگو! سراقہ کی بزدلی تمہیں پست ہمت نہ کر دے۔ اس نے محمد عربی ﷺ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ تمہیں عتبہ اور شیبہ کا قتل کم ہمت نہ کر دے انہوں نے جلدی کی تھی۔ لات و عزیٰ کی قسم! بخدا! ہم واپس نہیں جائیں گے حتیٰ کہ ہم محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ لیں۔" تم میں سے کوئی انہیں قتل نہ کرے بلکہ انہیں پکڑ کر رسیوں میں باندھ دو تا کہ ہم انہیں ان کی خطاء کی پہچان کرائیں۔" روایت ہے کہ اس کے بعد انہوں نے سراقہ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا۔ انہوں نے کہا: "سراقہ! تو صفیں چیر کر نکلا تو ہمیں شکست ہو گئی۔" اس نے کہا: "بخدا! مجھے تو تمہاری کسی شکست کی خبر نہیں۔ میں نہ وہاں موجود تھا نہ ہی مجھے کوئی خبر ہے۔" انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئے۔ انہوں نے وہ کلام سنا جو رب تعالیٰ نے اس کے بارے نازل کیا تھا انہیں علم ہو گیا کہ وہ تو ابلیس تھا جو ان کے پاس سراقہ کی شکل میں آیا تھا۔

ابن ابی حاتم نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے آپ پر یہ گراں گزرا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ (آل عمران: ۱۲۴/۱۲۵)

ترجمہ: "کیا یہ تمہیں کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔ ہاں کافی ہے۔ بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔"

کرز تک اس شکست کی خبر پہنچ گئی وہ واپس لوٹ آیا وہ قریش کے پاس نہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد پانچ ہزار ملائکہ سے نہ کی۔ ان کی مدد ایک ہزار ملائکہ سے کی گئی۔

یوم بدر کے ملائکہ کی نشانی

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ عباد بن حمزہ نے کہا: ''غزوۂ بدر کے روز فرشتے نازل ہوئے۔ انہوں نے زرد عمامے باندھے ہوئے تھے۔ حضرت زبیر نے اس روز زرد چادر کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ اس کے پلو کو منہ پر لپیٹ رکھا تھا۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''غزوۂ بدر کے روز ملائکہ نے سفید عمامے پہن رکھے تھے۔ جنہیں انہوں نے اپنے پیچھے لٹکا رکھا تھا جبکہ غزوۂ خیبر کے روز انہوں نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے۔

الطبرانی اور ابن مردویہ نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مسومین کا معنی ہے ''نشان والے'' بدر کے ملائکہ نے سیاہ جبکہ احد کے ملائکہ نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے۔''

ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر نے روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت زبیر نے زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے اسے لپیٹ کر اسی سے اپنا منہ بھی لپیٹ رکھا تھا۔ فرشتوں نے بھی اس روز زرد عمامے باندھ رکھے تھے۔

الطبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عروۃ نے کہا ''حضرت جبرائیل یوم بدر کو حضرت زبیر کی نشانی پر اترے انہوں نے زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ایسے شخص نے بیان کیا ہے جسے میں جھوٹا نہیں کہتا کہ حضرت ابن عباس نے کہا: ''غزوۂ بدر میں فرشتوں نے سفید عمامے باندھ رکھے تھے انہوں نے ان کے پلو پیچھے لٹکا رکھے تھے سوائے حضرت جبرائیل امین کے۔ انہوں نے زرد عمامہ باندھ رکھا تھا''

ابونعیم نے فضائل صحابہ کرام میں اور ابن عساکر نے عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ان تک یہ خبر پہنچی ہے کہ غزوۂ بدر کے روز فرشتے اترے۔ وہ سفید پرندوں کی طرح تھے۔ انہوں نے زرد عمامے باندھ رکھے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس روز زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتے ابوعبداللہ کی علامت پر اترے۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے بھی زرد عمامہ باندھ رکھا تھا۔''

ابن سعد نے لکھا ہے: ''غزوۂ بدر کے روز اترنے والے ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے عمامے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے ان کے پلو کندھوں کے مابین لٹکا رکھے تھے۔ وہ سبز، زرد اور سرخ نور کے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے چہرے پر بال تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ملائکہ نے علامات لگا رکھی ہیں۔ تم بھی علامات مقرر کرو۔ گھوڑوں کے سروں

پر علامات لگاؤ۔ ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔"

ابن ابی شیبہ نے عمیر بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے غزوۂ بدر کے روز صوف استعمال کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: نشان لگاؤ۔ ملائکہ نے علامات لگا رکھی تھیں۔" اس دن پہلی بار صوف استعمال کیا گیا۔ ابن ابی شیبہ نے اور ابن منذر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ بدر کے روز ملائکہ نے اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں اور کانوں پر سفید صوف کے نشان لگا رکھے تھے۔

ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ "مسومین" سے مراد سرخ اون ہے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتے آئے تو انہوں نے علامات لگا رکھی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی خود کو اور اپنے گھوڑوں کو صوف سے نشان لگا دیا۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ اس روز ملائکہ کی علامات یہ تھیں کہ ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر صوف لگائی گئی تھی۔ یہ صوف ان کے کانوں پر بھی لگائی گئی تھی۔ وہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔

اس روز مسلمانوں کا شعار

امام بیہقی نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس روز مہاجرین کا شعار یا بنی عبدالرحمان اور خزرج کا شعار یا بنی عبداللہ اور اوس کا شعار یا بنی عبید اللہ۔ گھڑ سواروں کا شعار خیل اللہ تھا۔ ابن سعد نے اسی طرح لکھا ہے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ اس روز سب کا شعار "یا منصور امت" تھا۔

حارث بن ابی اسامۃ نے حضرت زید بن علی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا شعار "یا منصور امت" تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس روز شعار "احد احد" تھا۔ جب نصرت کے لیے ملائکہ اترے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔ آپ کو اونگھ آئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ عریش سے زرہ سمیت باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو قتال پر ابھارنے لگے لوگوں کو جنت کی بشارت دی۔ نزول ملائکہ سے انہیں تشجیع دلائی صحابہ کرام ابھی تک اپنے دشمن پر حملہ آور نہیں ہو رہے تھے۔ اس وقت ان پر سکینت و طمانیت، طاری ہو گئی انہیں اونگھ آ گئی۔ جو طمانیت، ثبات اور ایمان کی دلیل ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذْ یُغَشِّیۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ ۔ (الانفال:۱۱)

ترجمہ: "یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے۔"

اسی لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میدانِ جنگ میں اونگھ آجانا ایمان کی علامت ہے جبکہ نماز میں اونگھ آنا نفاق کی علامت ہے۔

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے "پھر لوگ باہم لڑنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔ آپ نے فرمایا: "اٹھو اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین جتنا ہے مجھے اس ذات والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے آج جو شخص بھی صبر کرتے ہوئے، اجر کے حصول کے لیے، پیش قدمی کرتے ہوئے نہ کہ پیٹھ پھیرتے ہوئے جہاد کرے گا رب تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (صحیح مسلم) حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں کھجوریں تھیں جنہیں وہ کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "واہ! واہ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کا عرض آسمانوں اور زمین جتنا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! انہوں نے عرض کی: "میرے اور میرے جنت میں دخول میں صرف اتنا وقت ہے کہ یہ مشرکین مجھے قتل کر دیں۔ اگر میں اتنی دیر زندہ رہوں کہ میں یہ کھجوریں کھا لوں تو یہ ایک طویل زندگی ہوگی۔" انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں گرا دیں تلوار تھامی۔ دشمن سے نبرد آزما ہو گئے۔ حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر گئے۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب وہ جہاد کر رہے تھے تو ان کے لبوں پر یہ اشعار تھے:

رکضا الی اللہ بغیر زاد   الا التقی و عمل المعاد
والصبر فی اللہ علی الجہاد   و کل زاد عرضۃ النفاد
غیر التقی والبر والرشاد

ترجمہ: "اپنے رب تعالیٰ کی طرف بغیر کسی زادِ راہ کے تیزی سے بڑھو۔ صرف تقویٰ، آخرت کے لیے نیک عمل اور جہاد فی سبیل اللہ میں صبر بہترین زادِ سفر ہے۔ ہر زادِ راہ ختم ہونے والا ہے سوائے تقویٰ، نیکی اور ہدایت کے۔"

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں کے پہلے شہید تھے۔ جبکہ ابن سعد نے حضرت مہجع کو پہلا شہید قرار دیا ہے۔

حضرت عوف بن حارث کی شہادت

ابن اسحاق نے لکھا ہے "مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عوف بن حارث (عفراء کے نورِ نظر)

نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! رب تعالیٰ اپنے بندے کے کس فعل کی وجہ سے ہنستا ہے (خوش ہوتا ہے) آپ نے فرمایا: "بے زرہ اور بے خود ہو کر اس کا خود کو دشمن کے اندر ڈال لینا۔" انہوں نے اپنی زرہ اتاری۔ اسے پھینکا اپنی شمشیر تھامی دشمن سے قتال کیا حتیٰ کہ قبائے شہادت پہن لی۔

اس روز حضور اکرم ﷺ نے بھی بہت سخت جنگ کی۔ اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سخت جنگ کی۔ جیسے کہ انہوں نے عریش میں آہ و زاری کرنے میں حد کر دی تھی۔ پھر یہ حضرات قدسیہ نیچے اترے صحابہ کرام کو قتال پر ابھارا خود بھی جہاد کیا۔ دونوں مقامات کو جمع کیا۔ ابن سعد، اور فریابی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب غزوہ بدر کے روز قتال کا وقت آیا تو ہمیں حضور اکرم ﷺ کے دامن کرم میں پناہ ملی۔ ہم نے آپ کے ساتھ لگ کر اپنا دفاع کیا آپ نے سارے لوگوں سے زیادہ جہاد کیا۔ کوئی شخص بھی آپ سے بڑھ کر مشرکین کے قریب نہ تھا۔"

امام احمد کے الفاظ یہ ہیں: "میں نے غزوہ بدر کے روز خود کو دیکھا ہم حضور اکرم ﷺ سے پناہ حاصل کر رہے تھے۔"

امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں: "جب جنگ کی آگ بھڑکتی تھی۔ قوم قوم سے ملتی تھی تو ہم حضور اکرم ﷺ کی پناہ حاصل کرتے تھے۔"

ابو جہل کی اپنے لیے بد دعا

ابن اسحاق، امام احمد نے عبد اللہ بن ثعلبہ سے اور ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ باہم نبرد آزما ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ابو جہل نے کہا: "مولا! جو ہم میں سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے جو ہمارے پاس وہ چیز لے کر آیا ہے جسے ہم نہیں جانتے اسے ہلاک کر دے۔ مولا! جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور جس سے تو زیادہ راضی ہے اس کی مدد فرما۔ گویا کہ وہ اپنے نفس پر فتح طلب کر رہا تھا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (الانفال:۱۹)

ترجمہ: "اگر تم فیصلہ کے طلبگار تھے تو آگیا تمہارے پاس فیصلہ۔"

امیہ بن خلف کا قتل

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "وہ امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ امیہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت سعد کے ہاں قیام کرتا اور حضرت سعد جب مکہ مکرمہ جاتے تو امیہ کے ہاں قیام کرتے۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت سعد عمرہ کرنے کے لیے

تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں امیہ کے ہاں قیام کیا۔ انہوں نے امیہ سے کہا: ''میرے لیے خلوت کی گھڑی تلاش کروتا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر سکوں۔'' وہ دو پہر کے وقت نکلے۔ انہیں ابو جہل ملا۔ اس نے پوچھا: ''ابوصفوان! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟'' اس نے کہا: ''یہ سعد ہیں۔'' ابو جہل نے کہا: ''ارے! میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ طواف کیا ہے حالانکہ تم نے صابیوں کو پناہ دے رکھی ہے تمہارا گمان ہے کہ تم ان کی مدد اور اعانت کرو گے۔ بخدا! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو تم اپنے اہلِ خانہ کی طرف صحیح و سالم واپس نہ جاسکتے۔'' حضرت سعد نے اسے اس کی آواز سے بلند آواز میں کہا: ''بخدا! اگر تو نے مجھے اس سے منع کیا تو میں تجھے اس امر سے روک دوں گا جو اس سے شدید ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کی طرف راستہ ہے۔'' امیہ نے انہیں کہا: ''یہ ابوالحکم اس وادی کے اہل کا سردار ہے۔ اس سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔'' حضرت سعد نے کہا: ''امیہ! چھوڑ دے بخدا! میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔'' امیہ: مجھے، حضرت سعد: ہاں! امیہ: مکہ مکرمہ میں؟ حضرت سعد: میں نہیں جانتا۔ یہ سن کر امیہ بہت گھبرا گیا۔ اس نے کہا: ''بخدا! محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے۔'' جب امیہ اپنے اہلِ خانہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ''ام صفوان! کیا تو سن نہیں رہی کہ حضرت سعد کیا کہہ رہے ہیں۔ اس عورت نے پوچھا: ''حضرت سعد نے کیا کہا ہے؟'' امیہ: انہوں نے بتایا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔'' میں نے ان سے پوچھا: ''کیا مکہ مکرمہ میں؟'' انہوں نے کہا: ''میں نہیں جانتا۔'' بخدا! اب میں مکہ مکرمہ سے باہر نہیں نکلوں گا۔ جب غزوہ بدر کا موقع آیا تو ابو جہل نے لوگوں کو نکلنے پر مجبور کیا۔ اس نے کہا: ''اپنے کارواں کی خبر لو۔'' امیہ نے سفر کرنا ناپسند کیا۔ ابو جہل اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ''ابوصفوان! جب لوگ تمہیں دیکھیں گے کہ تم عازمِ سفر نہیں ہوئے تم وادی کے سردار ہو تو وہ بھی تمہارے ساتھ ٹھہر جائیں گے۔'' ابو جہل اس کے ساتھ اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ امیہ نے کہا: ''تم نے مجھ پر غلبہ پالیا ہے تو میں مکہ مکرمہ کا وہ اونٹ خریدوں گا جو سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگا۔''

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کے پاس آیا۔ اس نے پیچھے رہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ مسجد حرام میں اپنی قوم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ عقبہ کے پاس ایک انگیٹھی تھی جس میں آگ اور بخور تھا۔ اس نے اسے امیہ کے سامنے رکھا اور کہا: ''اے ابو علی! یہ بخور حاصل کرو۔ تم عورتوں میں سے ہو۔'' اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے۔ اسے تباہ کرے جو کچھ تو لے کر آیا ہے۔'' امیہ نے اپنی بیوی سے کہا: ''ام صفوان! میری تیاری کر۔'' اس نے کہا: ''ابوصفوان! کیا تمہیں وہ بات بھول گئی ہے جو تمہیں یثربی بھائی نے بتائی تھی۔''

ابوصفوان: نہیں۔ میں چاہتا ہوں میں ان کے ساتھ تھوڑا سا چلوں۔'' جب وہ روانہ ہوا۔ وہ جس منزل میں بھی اترتا

اپنے اونٹ کو باندھتا۔ اسی طرح وہ مقام بدر تک پہنچ گیا اور مقتول ہوگیا۔

امام بخاری، ابن اسحاق نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "امیہ مکہ مکرمہ میں میرا دوست تھا۔ میرا پہلا نام عبدعمرو تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے اپنا نام عبدالرحمان رکھ لیا۔ وہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملتا تو مجھے کہتا: "عبدعمرو! کیا تم نے وہ نام چھوڑ دیا ہے جو تمہارے باپ نے تمہارا رکھا تھا۔" میں اس سے کہتا: "ہاں!" وہ کہتا: "میں کسی رحمان کو نہیں جانتا۔ اپنے اور میرے مابین کوئی نام مقرر کرلو جس کے ساتھ میں تمہیں بلایا کروں تم مجھے پہلے نام سے جو جواب نہیں دیتے۔ میں تمہیں اس نام سے نہیں پکاروں گا۔ جسے میں جانتا نہیں۔" وہ جب بھی مجھے عبدعمرو سے پکارتا تھا میں اسے جواب نہیں دیتا تھا۔ اس نے کہا: "تم عبداللہ ہو۔" میں کہتا: "ہاں! میں اس کے پاس سے گزرتا تو وہ مجھے عبداللہ کے نام سے پکارتا تو میں اسے جواب دیتا میں اس کے ساتھ بات چیت کرلیتا۔ جب میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آیا تو میں اس کے ساتھ خط وکتابت کرتا رہا تاکہ وہ تنگی میں میری مدد کرے اور میں مدینہ طیبہ میں اس کی تنگی اور پریشانی میں اس کی مدد کروں۔ غزوۂ بدر کے روز میں اسے بچانے کے لیے نکلا۔ میں نے اسے دیکھا وہ اپنے بیٹے علی کے ساتھ تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میرے پاس زرہیں تھیں۔ جنہیں میں نے بعض مشرکین سے چھینا تھا۔ میں انہیں اٹھائے ہوئے تھا۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے کہا: "عبدعمرو! میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: "عبداللہ!" میں نے کہا: "ہاں!" اس نے کہا: "کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہارے لیے ان زرہوں سے عمدہ ہوں جنہیں تم اٹھائے ہوئے ہو۔" میں نے کہا: "ہاں! خدا کی قسم! میں نے ہاتھ سے زرہیں پھینک دیں۔ میں نے اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے کہا: "میں نے ایسا دن آج تک نہیں دیکھا۔ کیا تمہیں دودھ میں رغبت ہے۔" میں انہیں پکڑ کر چل رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے مجھے کہا: "عبداللہ! تم میں سے وہ شخص کون تھا جس نے اپنے سینے پر مور کا پر سجا رکھا تھا؟ میں نے کہا: "وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔" اس نے کہا: "انہوں نے ہماری یہ درگت بنائی ہے۔" حضرت عبدالرحمان نے فرمایا: "بخدا! میں انہیں لے کر جا رہا تھا کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ لیا۔ یہی امیہ انہیں مکہ مکرمہ میں اذیتیں دیتا تھا۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو انہوں نے کہا: "یہ کفر کا سردار امیہ ہے اگر وہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پا سکوں گا۔" انہوں نے بآواز بلند کہا: "اے گروہ انصار! انصار کا ایک گروہ ہمارے تعاقب میں ہوگیا۔ جب مجھے یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ وہ ہمیں آ لیں گے تو میں نے ان کے لیے امیہ کا بیٹا چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف مشغول ہو جائیں۔ امیہ ایک بھاری بھرکم انسان تھا۔ میں نے اسے کہا: "نیچے بیٹھ جا۔" وہ نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا آپ اس پر گرا لیا۔ تاکہ اس کا دفاع کرسکوں۔ انہوں نے ہمیں

گھیر لیا۔ حتیٰ کہ ہمیں اس طرح گھیر لیا جس طرح محل کے ارد گرد مکان ہوں۔ میں اس کا دفاع کر رہا تھا۔ ایک شخص نے تلوار بلند کی اور اس کے بیٹے کو مار دی اس کے ضرب کاری لگی۔ امیہ نے ایسی چیخ ماری کہ میں نے اتنی بلند چیخ کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے اسے کہا: ''اپنے آپ کو بچاؤ۔ میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ بخدا! اب میں تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ انہوں نے اس کے پر خچے اڑا دیے۔ ان میں سے کسی کی تلوار میری ٹانگ پر بھی لگی۔'' حضرت عبدالرحمان فرماتے تھے ''اللہ تعالیٰ حضرت بلال پر رحم کرے۔ ان کی وجہ سے میری زرہیں بھی چلی گئیں اور انہوں نے مجھے میرے قیدیوں کی وجہ سے تکلیف دی۔''

مشتِ خاک

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال:۱۷)

ترجمہ: ''نہیں پھینکی آپ نے (مشتِ خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔''

محمد بن عمر اسلمی نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ آپ نے زمین سے مٹھی بھر خاک لی اور اسے مشرکین کی طرف پھینک دیا۔ فرمایا: ''چہرے برباد ہو جائیں۔ مولا! ان کے دلوں میں رعب ڈال دے۔ ان کے قدموں پر لرزہ طاری کر دے۔'' اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو شکست ہوگئی۔ وہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے اپنی زرہیں پھینک دیں۔ مسلمان انہیں تہ تیغ کر رہے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سنگریزے لیے۔ ایک کو قوم کے میمنہ کی طرف، دوسرے کو قوم کے میسرہ کی طرف اور تیسرے کو اس قوم کے سامنے پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: ''چہرے برباد ہو جائیں۔'' مشرکین کو شکست ہوگئی۔

الطبرانی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''غزوہ بدر کے روز ہم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ چیز آسمان سے زمین کی طرف گری تھی۔ گویا کہ سنگریزے طشت میں گرے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سنگریزے پھینکے اور فرمایا: ''چہرے برباد ہو جائیں۔'' ہمیں شکست ہوگئی۔

ابوالشیخ، ابونعیم اور ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''میں نے سنگریزوں کی آوازیں سنیں وہ گویا کہ آسمان سے کسی طشت میں گرے ہوں۔ جب لوگوں نے صف بندی کر لی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پکڑا۔ انہیں دشمن کی طرف پھینک دیا۔ مشرکین کو شکست ہوگئی۔

الطبرانی اور ابوالشیخ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''علی! مجھے مٹھی بھر سنگریزے دو۔'' حضور اکرم ﷺ نے انہیں کفار کی طرف پھینک دیا۔ دشمن کا کوئی فرد نہ بچا مگر اس کی آنکھیں ان سے بھر گئیں۔

ابن جریر، ابن منذر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی: ''مولا! اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔'' حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ''آپ ﷺ مٹھی بھر مٹی لیں اور اسے ان کے چہروں کی طرف پھینک دیں۔'' وہ ہر ہر مشرک کی آنکھوں، ناک اور منہ میں پڑی وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ان پر حملہ کر دو۔'' پھر انہیں شکست ہو گئی۔ سرداران قریش میں سے جو قتل ہوئے وہ قتل ہوئے جو قیدی بنے وہ قیدی بنے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال:١٧)

ترجمہ: ''پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا۔ اور (اے محبوب) تم نے نہیں پھینکی (مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔''

ابن عقبہ اور ابن عائذ نے لکھا ہے ''ان سنگریزوں کی عظیم شان تھی۔ مشرکین کے ہر ہر فرد کی آنکھیں اس سے بھر گئیں۔ مسلمان انہیں تہ تیغ کرنے لگے اور قیدی بنانے لگے۔ ہر شخص چہرے کے بل جھک گیا۔ وہ نہیں جانتا کہ کہاں جائے؟ وہ اپنی آنکھوں سے وہ مٹی نکال رہا تھا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''اس کے بعد شکست ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سردارانِ قریش میں سے اسے قتل کیا جسے قتل کیا اور اسے قیدی بنالیا گیا جسے قیدی بنالیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ عریش کی طرف واپس آگئے۔ آپ تلوار سونتے ہوئے تھے۔ انصار کا ایک گروہ آپ کی حفاظت کر رہا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر دے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تلوار سونتے عریش کے دروازے پر کھڑے تھے۔ امام بیہقی نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عرض کی: ''مولا! میری طرف سے نوفل بن خویلد کو کافی ہو جا۔ اسے حضرت جبار بن صخر نے قیدی بنایا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عاص بن سعید کو بھی قتل کیا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا کسی کو نوفل کا علم ہے؟'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے میری دعا کو قبول فرمایا ہے۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں بنو ہاشم کے بعض افراد کو جانتا ہوں۔ انہیں مجبوراً لایا گیا ہے۔ ہمیں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بنو ہاشم میں سے کسی کو ملے تو اسے قتل نہ کرے۔ جو

ابو البختری کو ملے اسے قتل نہ کرے۔" حضور اکرم ﷺ نے اس کے قتل سے اس کے لیے منع کیا تھا کیونکہ یہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ کا دفاع کرتا تھا۔ یہ نہ تو خود آپ کو اذیت دیتا تھا اور نہ ہی آپ کو اس کی طرف سے کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "جو عباس بن عبد المطلب سے ملے تو انہیں قتل نہ کرے۔ انہیں مجبوراً لایا گیا ہے۔" ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "کیا ہم اپنے آباء، بھائیوں اور قبیلہ والوں کو تہ تیغ کر دیں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ بخدا! اگر میں انہیں ملا تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔" یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ابو حفص! کیا حضور اکرم ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اجازت دیں میں ابو حذیفہ کی گردن اڑا دوں۔ وہ منافق ہو گیا ہے۔" حضرت ابو حذیفہ کہا کرتے تھے: "میں اس بات سے امن میں نہ تھا جو میں نے اس روز کی تھی۔ میں اس سے خوفزدہ رہا سوائے اس کے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔" روز یمامہ کو ان کے سر پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس روز پہلی بار آپ نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے پکارا تھا۔"

مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ ابو البختری سے ملے۔ انہوں نے انہیں کہا: "حضور اکرم ﷺ نے ہمیں تمہارے قتل سے منع کیا ہے۔" ابو البختری کے ہمراہ اس کا دوست جنادہ بن ملیحہ بھی تھا۔ اس نے پوچھا: "میرے اس دوست کے بارے کیا حکم ہے؟" حضرت مجذر نے کہا: "نہیں! ہرگز نہیں! بخدا! ہم تیرے دوست کو نہیں چھوڑیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں صرف تجھے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔" ابو البختری نے کہا: "یوں نہیں ہو سکتا۔ میں اور وہ اکٹھے ہی مریں گے۔ تاکہ مکہ مکرمہ کی خواتین کی باتیں نہ بتاتی رہیں کہ میں نے زندگی کا لالچ کرتے ہوئے اپنے دوست کو چھوڑ دیا تھا۔ جب حضرت مجذر نے ابو البختری پر حملہ کیا اور اس نے قتال کا ہی مطالبہ کیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ   حتی یموت او یری سبیلہ

ترجمہ: "آزاد عورت کا بیٹا اپنے دوست کو سپرد نہیں کرے گا حتیٰ کہ مر جائے یا اسے اپنا رستہ نظر آ جائے۔"

یہ باہم لڑنے لگے۔ حضرت مجذر نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ میں اسے گرفتار کر دوں۔ مگر اس نے میرا مقابلہ ہی کرنا چاہا۔ میں نے اسے قتل کر دیا۔"

ابن عقبہ نے لکھا ہے "لوگ گمان کرتے ہیں کہ ابو الیسر نے ابو البختری کو قتل کیا تھا۔ کثیر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت مجذر نے اس کا کام تمام کیا تھا۔ لیکن بلاشک وشبہ حضرت ابو داؤد مازنی نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ اس کی تلوار چھین لی تھی۔ ان

کے بیٹوں میں سے کسی کے پاس اس کی تلوار بھی تھی۔حتیٰ کہ ابوالبختری کی اولاد نے اس سے اسے خرید لیا۔

فرعونِ امت ابوجہل کا قتل

امام احمد، شیخان وغیرہ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:"غزوۂ بدر کے روز میں صف میں کھڑا تھا۔میں نے دائیں بائیں دیکھا تو میں دو انصاری بچوں کے مابین تھا۔وہ نوخیز تھے میں نے تمنا کی کہ میں ان سے قوی افراد کے مابین ہوتا۔ان میں سے ایک نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:"چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟"میں نے کہا:"ہاں! بھتیجے! اس سے کیا کام ہے؟"اس نے کہا:"مجھے علم ہوا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہتا ہے مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے جدا نہ ہوگا حتیٰ کہ ہم میں سے جلدی مرنے والا مرجائے۔"پھر دوسرے نے مجھے سرگوشی کی اور اسی طرح کی بات کی۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔مجھے جلد ہی ابوجہل نظر آیا وہ لوگوں میں گھومتا ہوا یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

- ما تنقم الحرب العوان منی، بازل عامین حدیث سنی، لمثل ھذا والدتنی امی۔

ترجمہ: "یہ گھمسان کی جنگ مجھ سے کیا انتقام لے سکتی ہے۔میں جوان طاقت ور اونٹ ہوں۔جس کا شباب پورے جوبن پر ہو۔میری ماں نے مجھے ایسی ہی جنگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔"

میں نے ان نوخیز انصاریوں سے کہا:"کیا تم اس صاحب کو نہیں دیکھ رہے جس کے بارے پوچھ رہے تھے۔"وہ دونوں اپنی تلواروں سمیت جلدی سے اس کی طرف گئے۔اس پر وار کیے حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا۔پھر وہ بادگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوگئے۔آپ کو اس کے قتل کے بارے بتایا۔آپ نے پوچھا:"تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟"ان میں سے ہر ایک نے عرض کی:"میں نے"آپ نے پوچھا:"کیا تم نے اپنی تلوار صاف کرلیں ہیں؟"انہوں نے عرض کی:"نہیں۔"آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا:"تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔"آپ نے اس کے سامان کا فیصلہ معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفراء کے لیے کیا۔

امام احمد، امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے قوم سے سنا وہ کہہ رہی تھی کہ ابوجہل گھنے درخت"الحرجۃ"کی طرح ہے۔اس تک پہنچنا مشکل ہے۔جب میں نے یہ سنا تو میں نے اسے اپنا مقصد بنالیا۔میں نے اس کا قصد کیا۔جب میرے لیے ممکن ہوا میں اس پر حملہ آور ہوگیا۔میں نے اس پر ایک ایسی ضرب کاری ماری جس نے اسے نصف پنڈلی سے کاٹ کر رکھ دیا۔بخدا! مجھے تو یوں لگا کہ گویا کہ گٹھلیوں کو پیسنے والے

پتھروں کے نیچے سے کوئی گٹھلی اڑی ہو۔ جب اس پر ضرب لگے۔ اس کے بعد عکرمہ نے مجھے ضرب لگائی۔ یہ ضرب میرے شانے پر پڑی جس نے میرا بازو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس نے مجھے قتال کرنے سے روک دیا۔ میں نے اس روز بہت زیادہ قتال کیا تھا۔ میں اسے اپنے پیچھے پیچھے کھینچ رہا تھا۔ جب اس نے مجھے تکلیف دی۔ تو میں نے اپنا پاؤں اس پر رکھا۔ اس پر دباؤ ڈالا اور اسے علیحدہ کر دیا۔ اسے پھینک دیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "ابن وھب نے اپنی روایت میں لکھا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ اسے پہلے کی طرح جوڑ دیا۔" الشفاء میں ہے "غزوہ بدر کے روز ابو جہل نے حضرت معوذ کا ہاتھ کاٹ دیا۔ وہ بازو اٹھا کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ اسے جوڑا تو وہ فوراً جڑ گیا۔" ابن وھب نے یہ روایت نقل کی ہے۔ پھر ابو جہل کے پاس حضرت معوذ بن عفراء گزرے وہ لنگڑا پڑا تھا۔ اس کو تلوار کا وار کر کے نیچے گرا دیا۔ اس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت معوذ جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کے پاس سے گزرے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ مقتولوں پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ابو جہل کو تلاش کیا۔ آپ نے اسے نہ پایا۔ حتیٰ کہ اس کے اثرات آپ کے چہرۂ انور سے عیاں ہو گئے۔ آپ نے دعا مانگی: "مولا! مجھے اس امت کے فرعون سے عاجز نہ کرنا۔" آپ نے فرمایا: "ہمارے لیے کون خبر لے کر آئے گا کہ ابو جہل نے کیا کیا ہے؟ اگر تم مقتولوں میں سے اسے نہ پہچان سکو تو اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان دیکھ لینا۔ ایک دفعہ میں اور وہ عبداللہ بن جدعان کے دسترخوان پر اکٹھے ہو گئے۔ ہم بچے تھے۔ میں اس سے تھوڑا سا دبلا تھا۔ میں نے اسے دھکا دیا۔ وہ گھٹنے کے بل نیچے گر پڑا۔ اس کے ایک گھٹنے پر خراش سی آ گئی۔ اس کا اثر اس پر رہا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: "میں اس کے پاس آیا میں نے دیکھا کہ زندگی کی آخری رمق اس میں باقی تھی۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ وہ اپنی رانوں پر اپنی تلوار رکھے ہوا تھا۔ اسے زخم نہ لگا تھا۔ نہ ہی وہ اپنے کسی عضو کو حرکت دے سکتا تھا۔ وہ شانوں کے بل گرا تھا۔ زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب اسے حضرت ابن مسعود نے دیکھا تو اس کے ارد گرد چکر لگایا تا کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ انہوں نے تلوار کا وار کرنا چاہا پھر خدشہ دامن گیر ہوا کہ شاید تلوار کا وار کارگر ثابت نہ ہو۔ وہ اس کے پیچھے سے آئے۔ انہوں نے کہا: "میرے پاس پرانی تلوار تھی۔ اس کے پاس عمدہ تلوار تھی۔ میں اپنی تلوار سے اس کا سر جدا کرنے لگا۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ مجھے سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا کرتا تھا۔ تلوار پر اس کی گرفت کمزور

ہو چکی تھی۔ میں نے اس کی تلوار لی۔ اس نے اپنا سر اٹھایا۔ اس نے پوچھا: "فتح کس کو ہوئی؟" میں نے کہا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو۔" میں نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور کہا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تجھے رسواء کیا ہے اے اللہ کے دشمن!" دوسرے الفاظ یوں ہیں۔ "اے اللہ کے دشمن کیا رب تعالیٰ نے تجھے رسواء کر دیا ہے؟" اس نے کہا: "رب تعالیٰ نے مجھے کس چیز کے ساتھ رسواء کیا ہے؟ کیا انسان کے لیے یہ عار ہے کہ اس کی قوم اسے قتل کر دے۔ کیا مجھے انصار کے علاوہ کسی نے قتل کیا ہے؟" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اس کی گدی سے اس کا خود ہٹایا اس پر کاری ضرب لگائی۔ اور اس کا سر سامنے جا گرا۔ میں نے اس کا سامان چھینا۔" ابن عقبہ نے لکھا ہے "جب حضرت عبداللہ نے دیکھا تو انہیں ابو جہل پر کوئی ضرب کا نشان نظر نہ آیا۔ انہوں نے اس کی گردن پر ضرب کا نشان نظر آیا۔ اس کے ہاتھوں اور ہتھیلیوں پر کوڑوں کے نشانات تھے۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کی۔ آپ نے فرمایا: "وہ ملائکہ کی ضربوں کے نشانات تھے۔"

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: "میں نے اس کا سر جدا کیا۔ اور اسے لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے۔ آپ نے فرمایا: "رب تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔"

آپ نے تین بار مجھے قسم کھانے کے لیے کہا۔ میں نے اس کا سر آپ کے سامنے پھینک دیا۔ آپ نے کہا: "ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام اور اس کے اہل کو عزت عطا کی۔" آپ نے تین بار یوں کہا۔ پھر سجدہ ریز ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق دو رکعتیں ادا کیں۔

قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹانگ ابو جہل کی گردن پر رکھ دی۔ تا کہ ان کا خواب سچا ہو سکے۔ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: "میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" انہوں نے کہا: "بخدا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے حنظل کے پھل کو پکڑا ہے۔ اور تیرے کندھوں کے مابین اسے رکھ کر پاؤں سے روندھ دیا ہے۔ اگر میرا خواب سچا ہے تو میں تیری گردن روندھ ڈالوں گا۔ میں تجھے اس طرح ذبح کروں گا جس طرح بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔"

ابن عائذ نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہر امت کا فرعون ہوتا ہے۔ اس امت کا فرعون ابو جہل ہے۔ رب تعالیٰ نے اسے بری طرح قتل کیا۔ عفراء کے دونوں لخت جگروں اور ملائکہ نے اسے قتل کیا اور ابن مسعود نے اس کا کام تمام کر دیا۔"

ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ" میں لکھا ہے کہ امام شعبی نے فرمایا: "ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی: "میں بدر کے مقام سے گزرا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ جو زمین سے باہر نکلا۔ ایک شخص اسے گرز سے مار رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ زمین میں واپس چلا گیا۔ وہ پھر باہر نکلا تو اس کے ساتھ اسی طرح ہوا۔ اس کے ساتھ اس طرح کئی بار ہوا۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "وہ ابو جہل تھا۔ اسے روز حشر تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔"

الطبرانی اور ابن ابی الدنیا نے "کتاب القبور" میں اللالکائی نے "السنۃ" میں اور ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "اسی اثناء میں کہ میں بدر کے اطراف میں چل رہا تھا کہ ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے صدا دی "عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ۔" میں نہیں جانتا کہ اس نے میرا نام جان لیا تھا یا عرب کے دستور کے مطابق مجھے صدا دی تھی۔ اس گڑھے سے ایک اور شخص نکلا۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اس نے مجھے صدا دی۔ "عبداللہ! اسے پانی نہ پلانا۔ یہ کافر ہے۔" پھر اس نے اسے کوڑا مارا اور وہ اسی گڑھے میں چلا گیا۔ میں جلدی سے بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا اور آپ کو بتا دیا۔ آپ نے مجھے کہا "کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟" میں نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل تھا۔ روزِ حشر تک اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔"

ابو ذات الکرش کا قتل

امام بخاری نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوہ بدر کے روز میں عبیدہ بن سعید بن عاص سے نبرد آزما ہوا۔ وہ غرق آہن تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کی کنیت ابو ذات کرش تھی۔ اس نے کہا: "میں ابو ذات الکرش ہوں۔ میں نے نیزہ کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ میں نے اس کی آنکھ میں نیزہ مارا۔ وہ اسی جگہ مر گیا۔" حضرت ہشام بن عروہ نے کہا: "مجھے حضرت زبیر نے بتایا۔ انہوں نے کہا: "میں نے اس پر اپنی ٹانگ رکھی۔ پھر نیزہ نکالنے کے لیے زور لگایا۔ نیزہ نکل تو آیا لیکن وہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔"

حضرت عروہ نے کہا: "حضور اکرم ﷺ نے ان سے وہ نیزہ مانگ لیا۔ انہوں نے آپ کو پیش کر دیا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے واپس لے لیا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے طلب کیا تو انہوں نے انہیں پیش کر دیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نیزہ مانگا تو انہوں نے انہیں دے دیا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی نے ان سے وہ نیزہ مانگ لیا۔ جب وہ شہید ہو گئے تو یہ نیزہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک کے پاس رہا۔ پھر ان سے یہ نیزہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے لے لیا اور تا دم شہادت ان کے پاس رہا۔

شاخ کا تلوار بن جانا

ابن سعد نے حضرت زید بن اسلم سے اور امام بیہقی اور ابن اسحاق نے لکھا ہے" حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے روز تلوار سے جہاد کیا حتیٰ کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ فرمایا: "عکاشہ! اسی کے ساتھ قتال کرو۔" جب انہوں نے آپ کے دستِ اقدس سے تلوار لی اور اسے لہرایا تو وہ تلوار بن گئی۔ وہ ایک طویل، روشن اور تیز دھار والی تلوار تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔ اس تلوار کو "العون" کہا جاتا تھا۔ یہ تلوار ان کے پاس ہی رہی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ سارے غزوات میں شرکت کی حتیٰ کہ ردۃ کے ایام میں وہ شہید ہو گئے۔ انہیں طلحہ بن خویلد اسدی نے شہید کیا تھا۔

امام بیہقی نے حضرت داؤد بن حصین سے اور انہوں نے بنو عبد الاشہل کے بعض افراد سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن حریش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کے پاس اور کوئی اسلحہ نہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نخل ابن طاب کے باغ کی ایک شاخ تھی۔ آپ نے انہیں عطا فرما دی اور فرمایا: "اسی کے ساتھ جہاد کرو۔" وہ ایک چمکدار تلوار بن گئی وہ ان کے پاس ہی رہی حتیٰ کہ یومِ جسر کے روز وہ شہید ہو گئے۔

لعاب دہن اور دست اقدس کی تاثیر

امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے روز تلوار کی ضرب لگی۔ ان کے چہرے کا ایک حصہ ٹیڑھا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ اسے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا تو وہ بالکل درست ہو گیا۔

امام بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے روز ان کی آنکھ پر ضرب لگی۔ ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہہ نکلی۔ انہوں نے اسے نیچے پھینک دینے کا ارادہ کیا۔ صحابہ کرام نے آپ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: "نہیں!" آپ نے انہیں یاد فرمایا۔ اپنی ہتھیلی مبارک پر ان کی آنکھ رکھی پھر اسے اس کی جگہ پر فٹ کر دیا۔ پھر انہیں یاد تک نہ رہا کہ ان کی کس آنکھ کو تکلیف پہنچی تھی۔

رفاعۃ بن رافع سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "غزوۂ بدر کے روز مجھے تیر لگا۔ جس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ آپ نے اس میں لعاب دہن لگایا۔ اور میرے لیے دعا کی۔ اس کی ساری اذیت جاتی رہی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "مسلمان کفار کو قیدی بنانے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عریش میں تشریف فرما تھے۔ حضرت سعد

بن معاذ رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ ان کے ہمراہ انصار کا ایک گروہ تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر دے۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد کے چہرہ پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھے۔ اس کی وجہ وہ عمل تھا جو صحابہ کرام کر رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "سعد! شاید صحابہ کا یہ عمل تمہیں پسند نہیں آ رہا۔" انہوں نے عرض کی: "ہاں! یا رسول اللہ! یہ پہلا واقعہ ہے کہ مشرکین کو رب تعالیٰ نے رسوا کیا ہے۔ مجھے ان کا قتل کرنا قیدی بنانے سے پسندیدہ تر ہے۔"

مشرکین کو شکست

ابن سعد نے لکھا ہے "قریش شکست خوردہ ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ نکلے۔ حضور ﷺ تلوار سونت کر ان کے تعاقب میں تھے۔ آپ کی زبان اقدس پر یہ آیت طیبہ تھی:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ (القمر:۴۵)

ترجمہ: "عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔"

امام عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن راھویہ وغیرھم نے حضرات عکرمہ، ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے غزوہ بدر سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ پر یہ آیت طیبہ نازل کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کس لشکر کو شکست ہو گی؟" جب غزوہ بدر رونما ہوا۔ قریش کو شکست ہوئی۔ میں نے آپ کو دیکھا آپ ان کے تعاقب میں تھے آپ تلوار لہرا رہے تھے آپ اسی آیت طیبہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں اس کی تاویل سمجھ گیا۔ اس روز جمعۃ المبارک کا دن تھا سورج زوال سے نیچے جا چکا تھا۔

فریابی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ترمذی نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اہلِ بدر سے فارغ ہو گئے تو آپ سے عرض کی گئی: "یا رسول اللہ! آپ اب قافلہ کا بھی تعاقب کریں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔" حضرت عباس قیدی تھے۔ انہوں نے وہاں سے کہا: "یہ درست نہیں۔" آپ نے پوچھا: "کیوں؟" انہوں نے کہا: "کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔" آپ نے کہا: "تم نے سچ کہا ہے۔" اموی نے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقتولوں کے پاس تھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نفلق هاما

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ شعر یوں مکمل کیا:

... من الرجال اعزة علینا و ھم کانوا اعق و اظلما

ترجمہ: ''ہم ان لوگوں کی کھوپڑیاں چیر کر رکھ دیتے ہیں جو ہمیں عزیز ہوں حالانکہ وہ سب سے زیادہ نافرمان اور ظالم تھے۔''

امام بخاری نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے فرمایا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر مجھ سے ان قیدیوں کے بارے سوال کرتا تو میں اس کے لیے رہائی دے دیتا۔'' یعنی میں انہیں زندہ چھوڑ دیتا۔ فدیہ کے بغیر انہیں قتل نہ کرتا۔ یہ اس کی عزت و احترام تھا۔ اس کی سفارش کو قبول کرنا تھا۔ کیونکہ اس نے وہ ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

کفار قریش کی لاشیں

امام مسلم، امام نسائی، امام بخاری، ابن اسحاق، امام احمد اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز پہلے ہی صحابہ کرام کو مشرکین کی قتل گاہیں دکھا دیں تھیں۔ آپ نے اپنا دست اقدس زمین پر رکھا اور فرمایا: ''یہ فلاں کی قتل گاہ ہے یہ فلاں کی قتل گاہ ہے۔ ان شاء اللہ!'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ ان حدود سے تھوڑا سا بھی باہر نہ نکلے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے مقرر فرمائیں تھیں وہ انہی میں گر رہے تھے۔'' انہیں بدر کے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ وہ خبیث اور غلیظ ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کی تعداد بیس سے کچھ زائد تھی۔''

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''امیہ بن خلف کی لاش کو اس کنویں میں نہ پھینکا جا سکا۔ وہ اس کی زرہ میں ہی پھول گئی تھی۔ صحابہ کرام نے اسے حرکت دی تو وہ اسی جگہ بکھر گئی۔ انہوں نے اسے اس جگہ رکھا اور اس پر مٹی اور پتھر پھینک دیے۔''

حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قوم پر فتح عطا فرماتا تو آپ تین راتیں وہیں قیام فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے مقتولین کو تین روز تک اسی طرح چھوڑے

رکھا پھر ان کے پاس تشریف لائے۔ جب غزوہ بدر کو تین روز گزر گئے تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس پر کجاوہ کس دیا گیا۔ آپ آگے روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پیچھے تھے۔ ہم سمجھے کہ شاید آپ کسی ضروری کام کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ اس گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ رات کا وقت تھا۔ آپ مقتولین کے نام اور ان کے آباء کے نام لے کر پکارنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''اے فلاں بن فلان! اے فلان بن فلان! اے فلاں بن فلاں! اے ابوجہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! کیا یہ امر تمہیں خوش کرتا ہے کہ کاش تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ محترم ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔ کیا تم نے وہ وعدہ سچ پایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ میں نے تو وہ وعدہ سچ پایا ہے جو رب تعالیٰ نے میرے ساتھ کیا تھا۔ تم اپنے نبی کریم ﷺ کے کتنے برے رشتہ دار تھے۔ تم نے میری تکذیب کی۔ جبکہ لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے شہر مکہ سے نکالا۔ لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی لوگوں نے میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے بری جزا دے۔ تم نے مجھے خائن قرار دیا حالانکہ میں امین تھا تم نے میری تکذیب کی۔ حالانکہ میں سچا تھا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ تین روز بعد ان مردوں کو صدا دے رہے ہیں۔ آپ ایسے اجسام سے کیسے بات چیت کر رہے ہیں۔ جن میں ارواح نہیں ہیں۔ یہ مردار آپ کے فرمان کو کیسے سنیں گے اور کیا جواب دیں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اب بھی سن رہے ہیں لیکن وہ ہمیں جواب دینے کے قابل نہیں ہیں۔''

حضرت قتادہ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ آپ کا فرمان سماعت کرایا ان کو زجر و توبیخ کرنے، ان سے انتقام لینے اور حسرت و ندامت کا اظہار کرنے کے لیے یوں کیا۔''

عروہ نے فرمایا: ''حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم ﷺ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ آپ نے گویا کہ فرمایا تھا: ''اب انہیں پتہ چل گیا ہے کہ میں جو کچھ ان سے کہتا تھا وہ حق ہے حالانکہ وہ جہنم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ (النمل:۸۰)

ترجمہ: ''بیشک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو۔''

مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ (فاطر: ۲۲/ ۲۳)

ترجمہ: ''آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔''

امام احمد نے دو اسناد سے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میرا فرمان ان سے زیادہ سمجھنے والے تو نہیں۔" یا "تم میرا فرمان ان سے زیادہ سمجھنے والے تو نہیں۔"

بزار اور الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب ابوجہل کو گھسیٹ کر کنویں کے پاس لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کاش! ابوطالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ ہماری تلواریں بڑے بڑے سرداروں سے نبرد آزما ہوئیں تھیں۔

الطبرانی نے لکھا ہے کہ یہ اشارہ جناب ابوطالب کے ان اشعار کی طرف تھا۔

کذبتم و بیت اللہ نخلی محمداً	و لما نطاعن حوله و نناضِلِ
و نسلمهٗ حتی نُصرّعَ حولهٗ	و نذهل من ابنائنا والحلائل
و ینهض قومٌ فی الحدید الیکم	نهوض الرّوایا تحت ذاتِ الصلاصلِ
و حتّی یَرَی ذالضعن یرکب درعه	من الطعن فعل الانکب المتحامِلِ
و انّا لعمر اللہ ان جدَّ ما أَری	لَتلْتَبِسَن اَسْیافُنا بالاماثل

ترجمہ: "بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم پر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے غلبہ پالیا جائے گا۔ حالانکہ ان کی حفاظت کے لیے ہم نے ابھی تک نہ نیزہ بازی کی ہے نہ تیراندازی۔ تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم آپ کو تمہارے سپرد کر دیں گے۔ بلکہ ہم آپ کے اردگرد جانوں کے نذرانے پیش کریں گے اور اپنی اولاد اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔ حتیٰ کہ تم دیکھو گے کہ ایک کینہ باز انسان نیزے کا وار کھا کر بھی نہ رکے گا۔ وہ حاملہ اونٹنیوں کی طرح مشکل سے چل رہا ہوگا۔ تمہارے پاس غرق آہن قوم اس طرح آئے گی۔ جیسے پانی لانے والی اونٹنیاں برتن لے کر اوپر اٹھتی ہیں۔ رب تعالیٰ کی ابدیت کی قسم! اگر وہ واقعہ ظہور پذیر ہوگیا جو میرے حاشیہ گمان میں مخفی ہے تو پھر ہماری تلواریں کئی برگزیدہ لوگوں کو کاٹ ڈالیں گی۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

عرفت دیار زینب بالکثیب	کخطّ الوحی فی الورق القشیب
تدا ولها الرّیاح وَکل جونٍ	من الوسمیّ منحصِرٍ سَکوب
فامُسَی رسمُها خلقًا وَاَمُست	یبابًا بعد ساکنتها الحبیب
فدع عنك التذکّر کل یومٍ	و رُد حرارة الصدر الکئیب

و خبّر بالذی لا عیب فیه — بصدقٍ غیر اخبار الکذوب
بما صنع الملیك غداۃ بدرٍ — لنا فی المشرکین من النصیب
غداۃ کانّ جمعهم حراءُ — بدت ارکانه جنح الغروب
فلا قینا هم منّا بجمیعٍ — کاسدِ الغاب مردانٍ و شیبِ
امام محمد قد وَازدوهٗ — علی الاعداء فی نفح الحروب
بایدیهم سارِم مرهفاتٌ — و کل مجرّبٍ خاطِی الکُعُوبِ
بنو الاوس الغطارِف وازدتها — بنو النجّار فی الدّین القلیب
فغادرنا اباجهل مریعًا — و عتبةَ قد ترکنا بالجبوب
و شیبة قد ترکنا فی رجال — ذوی حسب اذا نسبو حسیب
ینادیهم رسول الله لمّا — قذفناهم کباکب فی القلیب
الم تجدوا کلامی کان حقًا — و امر الله یا خذ بالقلوب
فما نطقوا ولو نطقوا لقالوا — صدقت و کنت ذارایٍ مصیب

ترجمہ: "میں نے ٹیلے پر زینب کا گھر اس طرح پہچان لیا جس طرح پرانے کاغذ پر خط کی تحریر کو جان لیا جاتا ہے۔ ان گھروں پر ہوائیں چلتی ہیں اور بہار کے موسم کا سیاہ بادل موسلا دھار ابر کرم برساتا ہے۔ ان کے نشانات پرانے ہو گئے ہیں وہ اجڑ گئے ہیں حالانکہ پہلے وہاں محبوب کا بسیرا تھا۔ انہیں روزانہ یاد کرنا ترک کر دے اور غمناک سینے کی گرمی مٹا دے اور ان جھوٹی داستانوں کو ترک کر کے اس سچی بات کی خبر دے جس کے سنانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بتا کہ بدر کی صبح کو رب تعالیٰ نے ہمیں مشرکین پر کیسے فتح عطا کی۔ اس روز ان کا لشکر جرار کوہ حراء کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ مگر ان کی بنیادیں اور ارکان زوال کے وقت جھک گئے ہم نے ایسے مبارک گروہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جس کے بوڑھے اور بچے گویا کہ جنگل کے شیر تھے۔ وہ مبارک جماعت آپ کے سامنے تھی جس نے گھمسان کے رن میں آپ کی حفاظت کی۔ انہوں نے اپنی پتلی اور تیز دھار والی تلواریں تھام رکھیں تھیں اور موٹی موٹی گرہوں والے مجرب نیزے تھے۔ وہ بنو اوس کے شیر تھے۔ مضبوط دین میں ان کی مدد بنو نجار نے کی تھی۔ ہم نے ابوجہل کو پشت کے بل پٹخ دیا اور عتبہ کو بھی سخت زمین پر مقتول چھوڑ دیا۔ شیبہ کو ایسے لوگوں میں چھوڑا کہ

ان کے نسب جب بیان کیے جاتے تو وہ بڑے نسب والے ہوتے تھے۔ جب ہم نے انہیں گروہوں کی صورت میں گڑھے میں پھینکا تو حضور ﷺ انہیں صدا دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے میری بات کو سچ پالیا ہے رب تعالیٰ کا امر دلوں کو پکڑ لیتا ہے۔ وہ جواب تک نہ دے سکے اگر وہ جواب دیتے تو کہتے آپ نے سچ فرمایا تھا اور آپ کی رائے ہی صحیح تھی۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''جب حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو گڑھے میں پھینک دیا جائے تو عتبہ بن ربیعہ کو پکڑا گیا اور اسے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھ لیے۔ آپ نے فرمایا: ''ابوحذیفہ! شاید تمہارے دل میں تمہارے باپ کے بارے کچھ گمان گزرا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ''نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے نہ تو باپ کے بارے شک ہے نہ اس کے قتل کے بارے شک ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میرا باپ صائب رائے والا اور حلیم اور معزز انسان تھا۔ مجھے امید تھی کہ یہ امور اسے اسلام کی طرف لے جائیں گے۔ جب میں نے اس کا انجام دیکھا تو مجھے اس کا کفر یاد آ گیا۔ حالانکہ مجھے اس کے اسلام لانے کی امید تھی اس بات نے مجھے غمزدہ کر دیا۔'' حضور اکرم ﷺ نے انہیں دعائے خیر دی اور بھلائی کے کلمات کہے۔

اہل مدینہ کو بشارت

امام حاکم نے حضرت اسامۃ بن زید سے، امام بیہقی نے محمد بن عمر سے اور امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید نے فرمایا: ''غزوۂ بدر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کے لیے پیچھے رہے تھے۔ صحابہ کرام نے فرمایا: ''جب حضور اکرم ﷺ مقام الاثیل تک پہنچے تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بشارت دینے کے لیے آگے بھیج دیا۔ وہ اتوار کے روز آئے جبکہ سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ یہ دونوں عقیق کے مقام پر سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ حضرت عبداللہ اپنی سواری پر سے ہی یہ صدا لگانے لگے ''اے گروہ انصار! تمہیں حضور اکرم ﷺ کی سلامتی کی بشارت ہو۔ تمہیں مشرکین کے قتل اور قید ہونے کا مژدہ ہو۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ حجاج کے دونوں فرزند تہ تیغ ہوئے۔ ابوجہل، زمعہ، امیہ مقتول ہوئے۔ سہیل بن عمرو قیدی بنا۔ حضرت عاصم بن عدی فرماتے ہیں: ''میں اٹھ کر ان کی طرف گیا میں نے کہا: ''ابن رواحہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو کیا یہ حق ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں! کل حضور اکرم ﷺ قیدیوں کو پابند سلاسل بنا کر یہاں تشریف لے آئیں گے۔ پھر وہ محلہ عالیہ کی طرف انصار کے گھروں میں بشارت دینے کے لیے چلے گئے۔ وہ گھر گھر یہ مژدہ جانفزا سنا رہے تھے۔ بچے ان کے ساتھ ساتھ دوڑ

رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے "ابوجہل فاسق مارا گیا۔" حتیٰ کہ وہ بنوامیہ بن زید کے گھروں تک پہنچ گئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر آئے۔ حضرت اسامہ نے فرمایا: "وہ العضباء پر سوار تھے۔" وہ نشیبی علاقوں کے لوگوں کو بشارت دے رہے تھے۔ وہ عیدگاہ تک پہنچے۔ وہ اپنی اونٹنی پر ہی پکار اٹھے۔ "عتبہ اور شیبہ مارے گئے۔ حجاج کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ ابوجہل قتل ہوا۔ ابوالبختری، زمعہ، امیہ تہ تیغ ہوئے۔ سہیل بن عمرو بہت سے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوا۔ لوگ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے "حضرت زید بھاگ کر آئے ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں پر یہ گراں گزرا۔ وہ ڈرنے لگے۔ حضرت اسامہ نے کہا: "میں نے بلند آواز سنی میں باہر نکلا حضرت زید رضی اللہ عنہ العضباء پر سوار تھے۔ وہ بشارت لے کر آئے تھے۔ بخدا! میں نے ان کی تصدیق نہ کی حتیٰ کہ میں نے قیدی دیکھ لیے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس وقت آئے جب صحابہ کرام بقیع میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور پر مٹی ڈال رہے تھے۔ ایک منافق نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے کہا: "محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ تمہارے ساتھی اس طرح منتشر ہو چکے ہیں کہ اب وہ کبھی بھی ایک جگہ اکٹھے نہ ہوں گے۔ بزرگ صحابہ کرام شہید ہو چکے ہیں۔ محمد عربی ﷺ بھی شہید ہو چکے ہیں۔ یہ ان کی اونٹنی ہے ہم اسے جانتے ہیں۔ یہ زید ہیں جو نجانے رعب میں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے بھاگ آئے ہیں۔" حضرت ابولبابہ نے کہا: "رب تعالیٰ تیرا قول جھٹلائے۔" یہود نے کہا: "حضرت زید بھاگ کر آئے ہیں۔" حضرت اسامہ نے فرمایا: "میں نے اپنے والد گرامی سے خلوت میں ملاقات کی۔ میں نے عرض کی: "والد گرامی! کیا یہ سچی بات ہے جو آپ کر رہے ہیں؟" انہوں نے کہا: "ہاں! اللہ کی قسم وہ حق ہے سچ ہے۔ فرزند دلبند میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے۔" مجھے یہ سن کر تقویت نصیب ہوئی۔ میں اس منافق کے پاس آیا۔ میں نے کہا: "تم حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے غلط افواہیں پھیلا رہے ہو۔ میں تجھے بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کروں گا۔ تاکہ آپ تیری گردن اڑا دیں۔ اس نے کہا: "اے ابومحمد! میں نے یہ بات لوگوں سے سنی تھی وہ اس طرح کہہ رہے تھے۔" قیدی لائے گئے۔ حضرت شقران حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ان پر نگران مقرر تھے۔

صحابہ کرام کا مال فئے میں اختلاف

سعید بن منصور، امام احمد، ابن منذر، ابن حبان، حاکم اور امام بیہقی نے السنن میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "لوگ باہم نبرد آزما ہوئے۔ رب تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کیا۔ ایک گروہ نے دشمن کا تعاقب کیا۔ وہ دشمن کو قتل کر رہے تھے۔ اسے قیدی بنا رہے تھے۔ ایک گروہ مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو

گیا۔ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حلقہ زن ہو گیا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن پلٹ کر حملہ کر دے اور آپ کو نقصان پہنچا دے۔ رات کے وقت صحابہ کرام جمع ہوئے۔جنہوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا، انہوں نے کہا: ''ہم نے یہ مال جمع کیا ہے۔اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہے۔جنہوں نے دشمن کا تعاقب کیا تھا۔انہوں نے کہا: ''تم ہم سے زیادہ اس کے مستحق نہیں ہو۔ہم نے ہی دشمن کو تم سے دور کیا اور اسے شکست سے دو چار کیا تھا۔جو صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حلقہ زن تھے۔انہوں نے کہا: ''تم ہم سے زیادہ اس مال کے مستحق نہیں ہو۔ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حلقہ زن تھے تا کہ دشمن آپ پر حملہ نہ کر دے۔آپ کی وجہ سے ہم مصروف رہے۔''اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① (الانفال:۱)

ترجمہ: ''دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق آپ فرمائیے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں پس ڈرتے رہو۔اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر تم ایماندار ہو۔''

ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''غزوہ بدر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مشرک کو قتل کیا اس کے لیے یہ یہ ہے۔جس نے کسی مشرک کو اسیر کیا اس کے لیے یہ یہ ہے۔''

ابن عائذ کے الفاظ یہ ہیں: ''جس نے جس کو قتل کیا اس کا سامان اسے ملے گا۔جس نے جس کو قیدی بنایا اس کا سامان اسے ملے گا۔'' بزرگ صحابہ کرام جھنڈوں کے نیچے ثابت قدم رہے۔لیکن نوجوان صحابہ کرام مشرکین کو قتل کرنے اور ان کا سامان جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔بزرگوں نے جوانوں سے کہا: ''ہمیں اپنے ساتھ شریک کر لو۔ہم نے ہی تمہارا دفاع کیا ہے۔اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچتا تو تم ہماری پناہ میں ہی آتے۔''انہوں نے یہ مسئلہ بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ حضرت ابوالیسر دو قیدی لے کر آئے۔انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔'' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! اگر آپ نے انہیں یہ دے دیے تو دیگر صحابہ کرام کے لیے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ہمیں اس سے نہ تو آخرت سے کنارہ کشی نے محفوظ رکھا۔نہ دشمن سے بزدلی نے بچایا اور زندگی پر حرص نے ہمیں بچایا کہ ہم اس طرح کریں جس طرح ہمارے بھائیوں نے کیا ہم نے دیکھا کہ آپ کو تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ہم نے ناپسند کیا کہ آپ کو کچھ ہو نہ جائے۔ہم آپ کے تحفظ کے لیے اس جگہ کھڑے ہو گئے کہ دشمن آپ کے پیچھے سے نہ آ جائے۔

اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے مال لیا اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کیا۔ آپ نے مسلمانوں کے مابین برابر تقسیم کر دیا۔ یہ رب تعالیٰ سے ڈر، اس کی اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور باہم صلح اور رضامندی کی وجہ سے تھا۔

ابن ابی شیبہ، امام احمد، عبد بن حمید، ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''غزوۂ بدر کے روز میرا بھائی عمیر شہید ہو گیا۔ میں نے سعید بن عاص کو مارا تھا۔ میں نے اس کی تلوار حاصل کی تھی۔ اسے ذوالکتیفہ کہا جاتا تھا۔ میں نے وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر کر دی۔ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! مجھے آج رب تعالیٰ نے مشرکین کی وجہ سے شفا دی ہے۔ آپ مجھے یہ تلوار عطا فرما دیں۔ میرے بارے آپ جانتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ تلوار نہ میری ہے نہ تمہاری ہے۔ اسے رکھ دو۔'' میں نے اسے رکھ دیا۔ میں واپس آیا۔ میں نے دل میں کہا: ''شاید آپ یہ تلوار اس شخص کو دے دیں جو مجھ جیسی آزمائش سے نہ گزرا ہو۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ اور اسے مال غنیمت میں رکھ دو۔'' میں واپس آ گیا۔ مجھے جو دکھ تھا اسے صرف رب تعالیٰ ہی جانتا تھا میرا بھائی بھی شہید ہو گیا تھا۔ میرا سامان بھی چھن گیا تھا۔ جب میں وہ تلوار رکھنے لگا تو مجھے میرے ضمیر نے ملامت کی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: ''آپ وہ مجھے بخش دیں۔ آپ نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔ میں تھوڑا سا ہی آگے بڑھا تھا کہ سورۃ الانفال نازل ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ۔ اپنی تلوار لے لو۔''

النحاس نے اپنی تاریخ میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد اور ایک انصاری صحابی مال غنیمت کے لیے نکلے۔ انہوں نے ایک تلوار دیکھی۔ وہ دونوں اس پر لپکے۔ حضرت سعد نے فرمایا: ''وہ میری ہے۔'' انصاری نے کہا: ''وہ میری ہے۔ میں اسے کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔'' وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اپنی داستان عرض کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یا سعد! نہ یہ تمہارے لیے ہے نہ ہی انصاری کے لیے، نہ میرے لیے ہے۔'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال: ۴۱)

ترجمہ: ''اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو۔ تو اللہ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے السنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الانفال

سے مراد وہ مالِ غنیمت ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا اس میں سے کسی اور کو کچھ نہیں ملنا تھا۔ صحابہ کرام کو جو کچھ سرایا سے حاصل ہوتا تھا وہ اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ جو اس میں سوئی یا دھاگہ بھی لے لیتا تو یہ بد دیانتی ہوتی۔ صحابہ کرام آپ سے عرض کرتے کہ آپ اس میں سے انہیں عطا فرمائیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ یسئلونك عن الانفال... پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ واعلموا انما... پھر ایک خمس آپ کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتامیٰ، مساکین، ابن سبیل، مہاجرین اور راہِ خدا کے لیے ہوتا تھا۔ چار خمس لوگوں کے لیے ہوتے تھے۔ گھوڑے کے لیے دو حصے گھڑسوار کے لیے ایک حصہ پیادہ کے لیے ایک حصہ ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت پر حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا تھا۔

قیدیوں کے بارے صحابہ کرام کا اختلاف

امام احمد نے حضرت انس سے، امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرۃ سے، ابن ابی شیبہ، امام ترمذی، ابن المنذر اور الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب غزوۂ بدر رونما ہوا۔ قیدیوں کو لایا گیا تو ان میں حضرت عباس بھی تھے۔ ایک انصاری شخص نے انہیں قید کیا تھا۔ انصار نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ یہ بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا: ''میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے ساری رات سو نہیں سکا۔ انصار گمان کر رہے ہیں کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیا میں ان کے پاس جاؤں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' حضرت عمر انصار کے پاس گئے۔ انہیں کہا: ''عباس کو چھوڑ دو۔'' انہوں نے کہا: ''نہیں! واللہ! ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔'' حضرت عمر نے کہا: ''اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مرضی ہو تو؟'' انہوں نے کہا: ''اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر راضی ہیں تو آپ انہیں لے لیجیے۔'' حضرت عمر نے انہیں لیا۔ جب ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو کہا: ''عباس! اسلام قبول کر لو۔ بخدا! تمہارا اسلام قبول کرنا مجھے خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے اسلام قبول کرنے کے بڑے خواہاں ہیں۔'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے قیدیوں کے بارے مشاورت کی۔ آپ نے فرمایا: ''ان قیدیوں کے بارے تمہاری رائے کیا ہے؟ اب رب تعالیٰ نے تمہیں ان پر غلبہ عطا کیا ہے کل وہ تمہارے بھائی تھے۔''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ کے اہل اور قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح اور نصرت عطا کی ہے۔ یہ آپ کے چچازاد اور قبیلہ کے لوگ ہیں۔ آپ انہیں زندگی عطا کریں میری رائے

ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح ہمیں جو کچھ ملے گا وہ ہمارے کفار کے مقابلہ میں قوت ثابت ہوگا۔ شاید رب تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ وہ آپ کے لیے قوت اور طاقت بنیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "عمر بن خطاب! تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! انہوں نے آپ کی تکذیب کی ہے۔ آپ کو باہر نکالا ہے۔ آپ کے ساتھ جنگ کی ہے۔ میری رائے حضرت ابوبکر کی رائے کے برعکس ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں (ان کے رشتہ دار) کو میرے سپرد کریں۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں۔ وہ اس کی گردن اڑا دیں۔ فلاں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سپرد کریں وہ اس کا کام تمام کر دیں۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں ان کے لیے کوئی محبت نہیں ہے۔ یہ مشرکین ہیں۔ یہ ان کے سردار اور قائد ہیں ان کی گردنیں اڑا دیں۔ یہ اسلام کی ترقی میں رکاوٹ نہ بن سکیں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ایک ایسی وادی تلاش کرتا ہوں جو لکڑیوں سے لبریز ہو۔ میں ان قیدیوں کو اس میں پھینک کر وہاں آگ لگا دیتا ہوں۔" حضرت عباس یہ سن رہے تھے انہوں نے کہا: "تم نے کتنی قطع رحمی والی بات کی ہے۔"

آپ اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ بعض لوگوں نے کہا: "آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کریں گے۔" بعض لوگوں نے کہا: "آپ حضرت عمر فاروق کے مشورہ پر عمل پیرا ہوں گے۔" بعض نے کہا: "آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے مشورہ پر عمل کریں گے۔" پھر آپ باہر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے دلوں کو مکھن سے بھی زیادہ نرم فرمایا ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں کو پتھروں سے بھی زیادہ سخت بنایا ہے۔ ابوبکر! ملائکہ میں تمہاری مثال میکائیل ہیں۔ جو رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام میں سے تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی تھی:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم: ۳۸)

ترجمہ: "پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔"

ابوبکر! تمہاری مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرح ہے۔ انہوں نے عرض کی تھی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدۃ: ۱۱۸)

ترجمہ: "اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب

ہے (اور) بڑا دانا ہے۔"

عمر فاروق! ملائکہ میں تمہاری مثال حضرت جبرائیل ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے شدت، تنگی اور انتقام لے کر آتے ہیں۔ انبیاء کرام میں تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی تھی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (نوح: ۲۶)

ترجمہ: "اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔"

انبیائے کرام میں تمہاری مثال حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں انہوں نے یہ دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ (یونس: ۸۸)

ترجمہ: "اے ہمارے رب برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لائیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔"

اگر تم کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ تم شرف و عزت والے ہو۔ تم میں سے ایک کا موقف ہے کہ فدیہ لے لیا جائے۔ جبکہ دوسرے کا نظریہ ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائیں۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! سوائے سہیل بن بیضاء کے۔ میں نے اسے اسلام کا تذکرہ کرتے سنا ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: "میں نے خود کو اتنا خوفزدہ کبھی نہیں پایا تھا۔ مجھے خدشہ لگا کہ ابھی مجھ پر آسمان سے پتھر گر پڑیں گے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا:

"الا سھیل بن بیضاء"

دوسرے روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں۔ اگر مجھے رونا آئے تو میں بھی رو لوں ورنہ رونے والا منہ بنا لوں گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قریب تھا کہ ہمیں ابن خطاب کی رائے سے اختلاف کرنے کی وجہ سے عذابِ عظیم کا سامنا کرنا پڑتا۔ اگر عذاب آجاتا تو ابن خطاب کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔ میرے سامنے تمہارا عذاب پیش کیا گیا۔ وہ اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔" آپ نے اس درخت کی طرف اشارہ کیا جو آپ کے قریب تھا۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ (الانفال: ۶۷، ۶۸، ۶۹)

ترجمہ: ''نہیں مناسب نبی کے لیے کہ اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور دانا) ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے کہ (خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

آپ نے قیدیوں پر نگران حضرت شقران رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ ہر قیدی سے اتنا فدیہ لیا گیا کہ اگر وہ آزاد ہوتا تو جتنا اسے حصہ ملتا۔ ابن ابی شیبہ، ترمذی، نسائی، ابن سعد، ابن جریر، ابن حبان اور امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا عمل ناپسند فرمایا ہے جو انہوں نے قیدیوں سے فدیہ لینے کا موقف اختیار کیا ہے۔ اس نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ انہیں دو امور کے مابین اختیار دیں یا تو ان قیدیوں کی گردنیں اڑا دیں یا پھر ان سے فدیہ لے لیں۔ لیکن اس صورت میں ان کی اتنی تعداد ہی شہید ہوگی۔'' حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے یہ تذکرہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''وہ ہمارے قبیلہ والے اور بھائی ہیں آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس مال سے دشمن کے خلاف تقویت حاصل کریں۔ ان کی تعداد کے مطابق اگر ہمیں شہادت نصیب ہو جائے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے ''العرصہ'' کے مقام پر تین روز قیام کیا۔

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی

حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ فتح یاب اور غالب ہو کر تشریف لا رہے تھے۔ آپ کی چشمانِ مقدس کو ٹھنڈک نصیب ہوئی تھی۔ آپ کے ہمراہ مشرکین کے قیدی بھی تھے۔ ان میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔ وہ مال غنیمت بھی تھا جو اس جنگ میں حاصل ہوا تھا۔ جب آپ مضیق الصفر اء سے روانہ ہوئے آپ مضیق اور نازیہ کے مابین سیر مقام میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے وہاں مالِ غنیمت مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم فرمایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت خباب بن الارت کو اس پر نگران مقرر کیا۔ اس مالِ غنیمت میں ایک سو پچاس اونٹ تھے۔ ساز و سامان اور

چمڑے تھے۔کثیر تعداد میں کپڑے تھے۔جو مشرکین تجارت کے لیے لے کر آئے تھے۔وہ مسلمانوں کو بطور مالِ غنیمت ملے۔
اس مال میں دس گھوڑے شامل تھے۔بہت زیادہ اسلحہ ملا۔ان میں ابوجہل کا اونٹ بھی شامل تھا۔وہ حضور اکرم ﷺ کے
حصہ میں آیا۔وہ آپ کے پاس ہی رہا۔آپ اس پر جہاد فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ نے صلح حدیبیہ کے وقت اسے ذبح کر دیا۔
جب حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت کو برابر برابر تقسیم کر دو تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول
اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا اس شہ سوار کو جو لوگوں کی حفاظت کرتا تھا وہی حصہ دے رہے ہیں جو کمزور کو عطا فرما رہے ہیں۔" حضور
اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں تم پر روئے ان کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے۔" آپ کے منادی نے
صدا دی "جس نے کسی قتیل کو قتل کیا ہو یا کسی قیدی کو قیدی بنایا ہو۔اس کا مال اس کے لیے ہے۔جس نے کسی کو قتل کیا تھا۔اس
کا سامان اسے دیا گیا۔جو کچھ مشرکین کے لشکر سے ملا یا۔قتال کے بغیر حاصل ہوا اسے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا گیا۔اس مال
کے تین سو سترہ (۳۱۷) حصے بنائے گئے۔تین سو تیرہ صحابہ کرام تھے۔دو گھوڑوں کے چار حصے تھے آٹھ خوش نصیب ایسے تھے
جنہوں نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے حصے مقرر کیے۔ان کے لیے اجر و ثواب کی
بشارت دی ان میں سے تین کا تعلق مہاجرین سے تھا۔وہ حضرات عثمان بن عثمان، طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم تھے۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ رہ گئے تھے۔حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
کا اس روز وصال ہوا جب حضرت زید رضی اللہ عنہ فتح کی بشارت لے کر آئے تھے۔حضرت طلحہ اور حضرت سعید کو آپ نے کارواں
کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔انصار میں سے درج ذیل فرخندہ فال افراد تھے۔

1. حضرت ابولبابہ۔آپ نے انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔
2. حضرت عاصم بن عدی۔آپ نے انہیں قباء اور بلند مقامات پر نگران مقرر کیا تھا۔
3. حضرت حارث بن حاطب۔آپ نے انہیں بنو عمرو بن عوف میں کسی کام کے لیے مقرر کیا تھا۔
4. حضرت خوات بن جبیر۔روحاء کے مقام پر ان کو چوٹ آئی تھی۔
5. حارث بن صمہ روحاء کے مقام پر انہیں بھی چوٹ آئی تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن مالک ساعدی اور دو اور انصاری
صحابہ کرام کے لیے حصے نکالے تھے۔اور ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ کیا تھا۔حارث بن اسامہ، امام حاکم نے حضرت جعفر
بن محمد سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حصہ نکالا تھا اور ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ
فرمایا تھا۔آپ نے ان چودہ بلند اقبال افراد کے لیے بھی حصہ نکالا جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے۔آپ نے ان غلاموں کو بھی

کچھ عطا فرمایا جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے لیکن ان کے لیے مالِ غنیمت میں سے حصہ نہ نکالا۔

بزار، الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیس غلاموں نے شرکت کی۔ آپ کو اپنی تلوار ذوالفقار اسی غزوہ میں ملی۔ الصفراء کے مقام پر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ ان کی ٹانگ پر چوٹ لگی تھی۔ ھند بنت اثاثہ نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے لکھا ہے:

لقد ضمّن الصفراء مجدًا و سودًا	و حلماً اصیلا وافر اللُّب والعقل
عبیدة فابکیه لاضیاف غربة	و ارملة تهوی لا شعث کالجذل
و بکیه الایرام فی کل شنوة	اذا حمّر آفاق السماء من المحل
و بکیه للایتام والریح زفرف	و تشبیب قدرٍ طالما از بدت تغلی
فان تصبح النیران قدمات ضوء ها	فقد کان یذ کیهنّ بالحطب الجزل
لطارق لیل او لملستمس القری	و مستنبح اضحی لذیه علی رسل

ترجمہ: ”صفراء کے مقام پر عظمت، سرداری، محکم عقل اور دانائی کو دفن کر دیا گیا ہے۔ یعنی عبیدہ جو درخت کے تنے کی مانند تھا۔ اس پر سفر کے مہمانوں اور ان بیوگان کے لیے رو جو اپنی پریشانی کے وقت اس کے پاس آتی تھیں۔ اس پر ان لوگوں کی وجہ سے گریہ زاری کر جو موسم سرما میں اس وقت اس کے پاس آتے تھے۔ جب قحط سالی کی وجہ سے آسمان کے آفاق سرخ ہو جاتے تھے۔ ان یتیموں کے لیے رو جو اس کے ہاں اس وقت پناہ لیتے تھے جب سخت ہوا چلتی تھی۔ دیگوں کے نیچے آگ روشن کرنے والے اس شخص کے لیے رو جو دیگیں ابلتے ہوئے جھاگ چھوڑتی رہتی تھیں۔ اگر اس آگ کی روشنی بجھ جاتی وہ اس کو ایندھن کی موٹی لکڑیوں سے جلاتا تھا۔ وہ دیگیں رات کے کسی مہمان کے لیے یا رستہ بھٹکنے والے مسافر کے لیے پکائی جاتی تھیں جو کتے کی آواز سن کر آہستہ آہستہ اس کے پاس آتا تھا۔“

اس جگہ نضر بن حارث کو تہ تیغ کیا گیا۔ اس کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے الاثیل کے مقام پر تہ تیغ کیا تھا۔ اس کی بہن قتیلہ بنت حارث نے اس کا مرثیہ لکھا۔ صحیح مؤقف یہ ہے کہ وہ اس کی بیٹی تھی بہن نہ تھی۔“

اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ مرثیہ ابو عمر اور ابو الفتح نے منہج المدح میں نقل کیا ہے۔ لیکن حافظ نے اسے نقل نہیں کیا۔ انہوں نے الاصابۃ میں لکھا ہے۔ ”میں نے اس کے اسلام کی صراحت نہیں دیکھی۔ لیکن اگر اس نے فتح مکہ تک زندگی پائی ہے۔ تو اس کا شمار صحابیات رضی اللہ عنہن میں ہو گا۔ اس نے مرثیہ میں لکھا:

يا راكباً ان الاثيل مظِنة — من صبح خامسة و انت موفق
و بلغ بها ميتا بان تحية — ما ان تزال بها الركائب تحفق
مني اليك و عبرة مشفقوحة — جادت بواكفها و اخر تخلق
هل يسمعني النضر ان ناديته — ام كيف يسمع ميت لا ينطق
ا محمد يا خير فمن ء كريمة — في قومها والفحل فحل معرق
ما كان ضرك لو مننت و ربما — من الفتى وهو المغيظ المحنق
او كنت قابل فدية فلينفقن — باعز ما يغلو به ما ينفق
فالنضرُ اقربُ من وصلت قرابة — و احقهم ان كان عتق يعتق
ظلت سيوف بني ابيه تنوشه — لله ارخام هناك لشقق
صبرا يقاد الى المنية متعبا — رسف المقيد وهو عان موثق

ترجمہ: ''اے شہسوار! الاثیل کے مقام کے متعلق مجھے پانچویں روز کی صبح سے بدگمانی ہے تو بالکل ٹھیک وقت پر آتا ہے۔ وہاں مدفون ایک مردے کو یہ پیغام دے دو کہ اسے سلام ہو جب تک عمدہ اونٹنیاں وہاں سے تیزی سے آتی جاتی رہیں۔ اگر میں پکاروں تو کیا نضر میری بات کو سن لے گا یا وہ میت کیسے سن سکتی ہے جو بول نہیں سکتی۔ محمد عربی ﷺ! اپنی قوم کی شریف خاتون کی عمدہ ترین اولاد پاک! شریف تو وہی ہوتا ہے جو نسل کے اعتبار سے معزز ہو۔ اگر آپ نضر کو چھوڑ دیتے تو آپ کو کیا نقصان ہوتا۔ نوجوان اس حالت میں بہت کم احسان کرتا ہے جب وہ غصے سے لبریز کینہ ور ہو۔ یا آپ اس کا فدیہ لے لیتے اخراجات کتنے ہی دشوار ہوتے وہ ضرور پورے کیے جاتے کیونکہ نضر ان لوگوں میں سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھا۔ جنہیں آپ نے اسیر کیا اور اگر اسے آزاد کر دیا جاتا تو وہ آزادی کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ اس کے بھائیوں کی تلواریں اسے پارہ پارہ کرتی رہیں۔ خدایا! وہاں قرابتوں اور رشتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے رہے۔ اسے موت کی طرف اس کیفیت میں دھکیلا جا رہا ہے کہ اس کے پاؤں بندھے ہوئے ہیں وہ تھکا ہوا ہے۔ وہ بیڑیوں میں مشکل ہی سے قدم اٹھا رہا ہے۔ اسے پابندِ سلاسل کیا گیا ہے۔''

جب آپ نے یہ مرثیہ سماعت فرمایا تو آپ رونے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: ''اگر نضر کو قتل کرنے سے پہلے اس کے اشعار مجھ تک پہنچ جاتے تو میں اسے قتل نہ کرتا۔''

ابو عمر نے لکھا ہے: "یہ الفاظ عبداللہ بن ادریس کے ہیں۔" زبیر بن بکار کی روایت میں ہے "حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے رقت محسوس کی۔ حتیٰ کہ چشمانِ مقدس سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا: "اگر میں اس کے اشعار سن لیتا تو اس کے باپ کو قتل نہ کرتا۔" زبیر بن بکار نے لکھا ہے "بعض سیرت نگاروں نے ان اشعار کی صحت کے بارے گفتگو کی ہے۔ الجاحظ نے "کتاب البیان" میں لکھا ہے کہ اس کا نام لیلی تھا۔ حضور اکرم ﷺ محو طواف تھے۔ اس نے آپ کی چادر مبارک تھام لی اور مذکورہ اشعار سنائے۔

جب آپ عرق الظبیۃ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: "محمد عربی ﷺ! بچوں کا والی کون ہوگا؟" آپ نے فرمایا: "آگ" اس نے کہا: "کیا صرف مجھے قریش میں قید کرنے کے بعد قتل کیا جا رہا ہے؟" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس کا تعلق قریش سے نہیں ہے۔" حضرت عاصم بن ثابت انصاری نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلمہ نے اسے تہ تیغ کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے عقبہ کے بارے آپ کا یہ فرمان سچ کر دکھایا تھا۔ "اگر میں نے تجھے مکہ مکرمہ کے باہر پالیا تو پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔" الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے تین افراد کو قید کرنے کے بعد قتل کیا تھا۔

1. نضر بن حارث
2. طعمہ بن عدی
3. عقبہ بن ابی معیط

حضور اکرم ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ جب آپ روحاء پہنچے تو مسلمان بشارت دیتے ہوئے۔ آپ سے شرف ملاقات کرنے لگے۔ حضرت سلمہ بن سلامۃ نے کہا: "تم ہمیں کس چیز کی بشارت دے رہے ہو۔ بخدا! ہم نے تو گنجی عورتوں سے ملاقات کی ہے۔ وہ باندھے ہوئے اونٹوں کی طرح تھے۔ ہم نے انہیں ذبح کر دیا۔" یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: "بھتیجے! وہ سردار تھے اگر تم انہیں دیکھتے تو مرعوب ہو جاتے۔ اگر وہ تمہیں حکم دیتے تو تم ان کا حکم بجالاتے۔ اگر ان کے افعال کے ساتھ اپنے افعال کا موازنہ کرتے تو انہیں حقیر سمجھتے۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے بدترین قوم تھی۔"

محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے" آپ آگے روانہ ہوئے۔ آپ قیدیوں سے ایک روز قبل منصور و مؤید ہو کر مدینہ طیبہ داخل ہوئے۔ مدینہ طیبہ اور اس کے ارد گرد کے سارے دشمن آپ سے ڈرنے لگے۔ بہت سے اہلِ مدینہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی بھی ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہود نے کہا: "اب ہمیں یقین آگیا ہے کہ آپ وہی نبی

ہیں جن کے اوصاف ہم تورات میں پاتے ہیں۔"

آپ ثنیۃ الوداع سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔"الامتاع" میں ہے کہ آپ بدھ کے روز مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔اس روز رمضان المبارک کی بائیس تاریخ تھی۔عزت مآب خواتین اور بچیوں نے دف بجا کر آپ کا یوں استقبال کیا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ترجمہ: "ثنیہ کی گھاٹی سے ہم پر ماہ تمام طلوع ہوا۔جب تک رب تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے ہم پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔"

اللہ تعالیٰ امام علامہ ابن جابر پر رحم کرے۔انہوں نے کتنے عمدہ اشعار کہے ہیں:

بدا یوم بدر وھو کالبدر حوله کواکب فی افق المواکب تنجلی
و جبریل فی جند الملائك دونه فلم تغن اعداءُ العدو المخذل
رمی بالحصی فی اوجه القوم رمیة فشردھم مثل النعام المجفل
و جادلھم با المشرفی فسلموا فجادله بالنفس کل مجندل
عبیدۃ سل عنھم و حمزۃ واستمع حدیثھم فی ذلك الیوم من علی
ھم غیبوا بالسیف عتبة اذا غدا فذاق الولید الموت لیس له ولی
و شیبة لمّا شاب خوفا تبادرت الیه العوالی بالخضاب المعجل
و جار ابوجھل فحقق جھله غداۃ تردی بالردی عن تذلل
فاضحی قلیبا فی القلیب وقومه یؤمونه فیھا الی شر منھل
و جاء ھم خیر الانام موبخا ففتح من اسماعھم کل مقفل
و اخبر ما انتم باسمع منھم ولکنھم لا یھتدون لقول
سلا عنھم یوم السلا اذ تضاحکوا فعاد بکاء عاجلاھم یوجل
الم یعلموا علم الیقین بصدقه ولکنھم لا یرجعون لمعقل
فیا خیر خلق اللہ جاھد ملجئی و حبك ذخری فی اکساب و موئلی
علیك صلاۃ یشمل الآل و اصحابك الاخیار اھل التفضل

ترجمہ: "غزوہ بدر کے روز آپ اس طرح تھے گویا کہ آپ ماہِ تمام ہوں جس کے ارد گرد ستارے ہوں اور گھوڑوں اور پیادہ فوجوں کے دستے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہوں۔ حضرت جبرائیل امین ملائکہ کے لشکر کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شکست خوردہ فوج کی کثیر تعداد نے فائدہ نہ دیا۔ آپ نے مشت بھر خاک دشمن قوم کی طرف پھینک دی۔ اور تیز شتر مرغ کی طرح انہیں بکھیر دیا۔ مشرقی تلوار کے ساتھ ان کے ساتھ جہاد کیا۔ انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔ ہر شکست خوردہ شخص نے نفس کے ساتھ ان کے لیے سخاوت کی۔ اس روز کے بارے حضرت عبیدہ، حضرت حمزہ سے سوال کرو اور غور سے جواب سنو اس روز کی باتیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنو۔ جب عتبہ نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ولید نے بھی موت کا ذائقہ چکھا۔ اس کا مددگار کوئی نہ تھا۔ شیبہ جبکہ وہ خوف سے بوڑھا ہو گیا۔ نیزوں نے جلد لگنے والے خضاب کے ساتھ اس کی طرف جلدی کی۔ ابوجہل آیا اور اس کی جہالت متحقق ہوگئی۔ وہ صبح کے وقت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگیا۔ وہ گڑھے میں اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کی قوم اسے برے گھاٹ کی طرف لے گئی۔ خیر الانام ﷺ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے کانوں سے سارے تالے کھول دیے۔ آپ نے فرمایا: "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ بات کا جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔ ان سے اس روز کے بارے سوال کرو جب دشمن نے آپ پر اوجھڑی پھینکی تھی۔ جب وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ وہ جلدی جلدی روتے ہوئے واپس آگئے۔ کیا وہ آپ کی صداقت کے بارے علم یقین کے ساتھ نہیں جانتے تھے۔ مگر وہ دماغ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ اے مخلوق میں سے بہترین! آپ کا جاہ و منصب ہی میری پناہ گاہ ہے۔ آپ کی محبت ہی میرے حساب کے وقت اور لوٹتے وقت میری پناہ ہے۔ آپ پر ایسا سلام ہو جس کی خوشبو آپ کی آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل ہو جو افضال اور احسان والے ہیں۔"

قیدیوں کا مدینہ طیبہ پہنچنا

ابن اسحاق نے عبداللہ بن ابی بکر اور یحییٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب قیدیوں کو لایا گیا تو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرات عوف اور معوذ رضی اللہ عنہما کی تعزیت کے لیے ان عفراء کے ہاں تشریف لے گئیں تھیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: "بخدا! میں ان کے

ہاں ہی تھی کہ ہمارے ہاں قیدیوں کو لایا گیا۔ میں اپنے حجرہ میں آئی۔ اس میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ وہاں ابویزید سہیل بن عمرو بندھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ رسی کے ذریعے اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ بخدا! جب میں نے اسے دیکھا تو میں رہ نہ سکی۔ میں فوراً کہہ اٹھی" ابویزید! تم نے اپنے ہاتھ تھما دیئے۔ تم عزت کی موت مر کیوں نہ گئے۔

مگر بخدا! مجھے حضور اکرم ﷺ کی آواز مبارک نے ہوش دلایا۔ آپ نے فرمایا:" سودہ! کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے خلاف ابھار رہی ہو؟" میں نے عرض کی:" یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ مجھے خود پر ضبط نہ رہا۔ جب میں نے ابویزید کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھے گئے ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے لیے بخشش طلب کریں۔" آپ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔"

بلاذری نے حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے سہیل کو دیکھا تو عرض کی:" یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ لوگوں کو ثرید کھلاتا تھا۔" آپ نے فرمایا:" یہ ابویزید ہے جو لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا لیکن اس نے نورِ الٰہی کو بجھانے کی کوشش کی۔ رب تعالیٰ نے اس پر تسلط عطا فرما دیا۔" جب قیدی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا۔ آپ نے فرمایا:" قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔" ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی ابوعزیز بھی تھا۔ ابوعزیز کہتا تھا" میرے بھائی حضرت مصعب میرے پاس سے گزرے۔ ایک انصاری شخص مجھے قیدی بنا رہا تھا۔ انہوں نے کہا:" اس کے ہاتھ مضبوطی سے باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار عورت ہے۔ وہ تمہیں گراں فدیہ ادا کرے گی۔ میں نے کہا:" بھائی میرے بارے یہ وصیت کر رہے ہو؟" انہوں نے کہا:" میرا بھائی یہ انصاری ہے تم نہیں ہو۔" اس کی ماں نے پوچھا:" قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ کتنا ادا کیا گیا؟ اسے بتایا گیا" چار ہزار درہم" اس نے چار ہزار دراہم بھیجے اور ابوعزیز کا فدیہ ادا کیا۔ ابوعزیز نے کہا:" میں ایک انصاری قبیلہ میں تھا۔ جب مجھے بدر سے قیدی بنا کر لایا گیا۔ جب انصار صبح اور شام کا کھانا لے کر آتے تو وہ مجھے روٹی دیتے خود کھجوریں کھا لیتے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ اگر کسی صحابی کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا گر جاتا وہ اسے جھاڑ کر مجھے دے دیتا۔ مجھے حیاء آتی میں اسے واپس کر دیتا لیکن وہ پھر مجھے واپس کر دیتا۔

اہلِ مکہ کو شکست کی خبر اور ابولہب کی ہلاکت

قاسم بن ثابت نے دلائل میں، سلیمان بن عبدالعزیز بن ابی ثابت سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے:" قریش کے پیچھے رہ جانے والے افراد الابطح اور ذی طوی کی طرف نکل جاتے۔ جب سے قریش

اپنے قافلہ کے دفاع کے لیے نکلے تھے ان کا یہی وطیرہ تھا۔ وہ مختلف خبروں کی تجسس میں پھرتے رہتے تھے۔ جس روز مسلمانوں نے مشرکین کی سرکوبی کی اس روز انہوں نے مکہ مکرمہ کے بالائی علاقے سے سنا کوئی ہاتف یہ اشعار پڑھ رہا تھا اس کی آواز تو سنائی دے رہی تھی لیکن اس کا جسم نظر نہیں آ رہا تھا وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

آزار الحنفیون بدر وقیعة سینقض منها رکن کسرٰی و قیصرا

ابادت رجالا من لؤی و ابرزت خرائد یضر بن الترائب حسرّا

فیاویح من امسی عدوّ محمد لقد جار عن قصد الھدی و تحیّرا

ترجمہ: ''کیا ملت حنفیہ کے ماننے والوں نے بدر کے واقعہ کا مشاہدہ کیا عنقریب اس واقعہ کی وجہ سے قیصر و کسریٰ کے محلات لرز جائیں گے۔ اس واقعہ نے لوی خاندان کے بہت سے افراد کو ہلاک کر دیا اور بہت سی عورتیں اپنی ننگی چھاتیوں پر مار رہی تھیں۔ اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو محمد عربی ﷺ کا دشمن بنا اس نے ہدایت کی درمیانی شاہراہ کو ترک کر دیا اور گمراہ ہو گیا۔''

ان میں سے ایک شخص نے کہا: ''الحنیفیون کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: ''محمد عربی ﷺ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر ہیں۔'' انہوں نے حساب لگایا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ وہی رات تھی جس کی صبح کو مسلمانوں نے مشرکین کا کچومر نکالا تھا۔

سب سے پہلے الحیسمان بن ایاس خزاعی مکہ مکرمہ آیا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش نے پوچھا ''پیچھے کی کیا خبر ہے؟'' اس نے کہا: ''عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، نبیہ، منبہ پسران حجاج اور ابوالبختری سب مارے گئے۔'' جب وہ سرداران قریش کے نام گن رہا تھا تو صفوان نے کہا وہ حجر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ''اگر اس کا عقل ہوتا تو اس کا دل پھٹ جاتا اس کو میرے بارے پوچھو۔'' انہوں نے کہا: ''صفوان بن امیہ کا کیا بنا؟'' اس نے کہا: ''وہ تو حجر میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا! میں نے اس کے باپ اور بھائی کو دیکھا جب انہیں قتل کیا جا رہا تھا۔''

ابن اسحاق نے حضور اکرم ﷺ کے غلام حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں حضرت عباس کا غلام تھا۔ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے ڈرتے تھے۔ وہ اس کی مخالفت ناپسند کرتے تھے۔ وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ وہ کثیر مال والے تھے۔ ان کے اموال مختلف لوگوں کے پاس تھے۔ ابولہب بھی غزوہ بدر میں شریک ہونے کے لیے نہیں گیا تھا۔ جب غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرداروں کو رسواء کیا تو ہم نے اپنے دلوں میں قوت اور طاقت پائی۔ میں زمزم

کے پاس خیمہ میں تیر درست کر رہا تھا۔میرے پاس حضرت ام الفضل بھی تشریف فرما تھیں۔
ہم مسلمانوں کی فتح کی خبر سن کر بڑے مسرور تھے۔ابولہب آیا۔وہ شرارت کے ساتھ اپنی ٹانگیں گھسیٹ رہا تھا۔وہ اس خیمہ کی ایک طرف بیٹھ گیا۔اس کی کمر میری کمر کی طرف تھی۔وہ بیٹھا ہوا تھا۔لوگوں نے کہا: ''ابوسفیان بن حارث آگیا ہے۔'' ابولہب نے کہا: ''میرے بھتیجے! میرے پاس آؤ۔تمہارے پاس خبر ہوگی۔'' وہ وہاں بیٹھ گیا۔لوگ اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔ابولہب نے کہا: ''میرے بھتیجے! مجھے بتاؤ لوگوں کے ساتھ کیسا معاملہ پیش آیا۔اس نے کہا: ''بخدا! جب ہم مسلمانوں سے معرکہ آزما ہوئے تو ہم نے اپنے کندھے انہیں دے دیے وہ جیسے چاہتے ہمیں قتل کرتے جیسے چاہتے ہمیں اسیر بنا لیتے۔ بخدا! اس کے ساتھ ساتھ میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا۔ہم نے سفید آدمی دیکھے جو آسمان اور زمین کے مابین ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔بخدا! ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی۔حضرت رافع نے فرمایا: ''میں نے خیمہ کی طنابیں اٹھائیں۔میں نے کہا: ''بخدا! وہ ملائکہ تھے۔'' ابولہب نے ہاتھ اٹھایا اور مجھے زوردار طمانچہ رسید کیا۔میں اٹھ کر اس کی طرف گیا۔میں اس کے ساتھ الجھنے لگا۔اس نے مجھے اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔وہ مجھ پر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔میں ایک کمزور شخص تھا حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا خیمہ کی میخوں میں سے ایک کی طرف گئیں۔وہاں سے ایک میخ اکھیڑی اور اسے ابولہب کے سر پر زور سے مار دیا۔اس کا سر بری طرح زخمی ہوگیا۔انہوں نے کہا: ''تم اسے کمزور سمجھتے ہو کہ اس کا مالک یہاں موجود نہیں۔وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔بخدا! وہ سات دن بھی نہ جیا۔رب تعالیٰ نے اس کے جسم پر پھنسی نکال دی جس نے اسے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔''

ابن جریر نے لکھا ہے ''اہل عرب اس پھنسی کو منحوس سمجھتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ یہ بہت زیادہ متعدی ہوتی ہے۔جب ابولہب کے یہ پھنسی نکلی تو اس کے بیٹے بھی اسے چھوڑ گئے۔اس کی موت کے بعد تین روز تک اس کا جثہ ویسے ہی پڑا رہا۔کوئی اس کے قریب تک نہ جاتا تھا۔جب انہیں لوگوں کے طعنوں کا خدشہ دامن گیر ہوا تو کسی لکڑی کے ساتھ اس کا لاشہ گڑھے میں پھینک دیا۔پھر دور سے پتھر پھینک کر اسے چھپا دیا۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''انہوں نے اس کے لیے گڑھے نہیں کھودا تھا۔بلکہ اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا دیوار کے پیچھے سے اس پر پتھر پھینکے تھے۔حتیٰ کہ اسے چھپا دیا تھا۔حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ جب اس جگہ سے گزرتی تھیں تو اپنا چہرہ مبارک ڈھانپ لیتی تھیں۔''

اہل مکہ کی نوحہ خوانی

ابن اسحاق نے حضرت عباد بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ نے اپنے مقتولین پر نوحہ خوانی کی۔ابن عقبہ

اور الامتاع کے مصنف نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک ماہ تک نوحہ خوانی کی۔ عورتوں نے اپنے بال کاٹ دیے۔ مقتولین میں سے کسی ایک کی سواری یا گھوڑے کو لایا جاتا۔ اسے عورتوں کے سامنے کھڑا کیا جاتا۔ وہ اسے پردوں سے ڈھانپ لیتیں۔ اور اس کے اردگرد نوحہ خوانی کرتیں۔ اسے لے کر گلیوں کی طرف نکل جاتیں۔" پھر انہوں نے کہا: "یوں نہ کرو۔ اگر محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام تک یہ خبر پہنچ گئی تو وہ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ اپنے قیدیوں کے فدیے مؤخر کردو۔ تاکہ وہ تم سے زیادہ فدیے طلب نہ کریں۔ اسود بن مطلب کے تین بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے حارث بن زمعہ اپنے بیٹے پر رونا چاہتا تھا۔ وہ اس حالت پر تھا اس نے رات کے وقت رونے والی کو سنا۔ اس نے اپنے غلام سے کہا۔ اس کی نظر ختم ہو چکی تھی" ذرا دیکھو کون رو رہا ہے؟ کیا قریش اپنے مقتولوں پر رو رہے ہیں۔ شاید میں بھی اپنے فرزند ابوحکیمہ پر روسکوں۔ میرا پیٹ اندر سے جل گیا ہے۔" جب غلام اس کے پاس واپس آیا تو اس نے بتایا کہ ایک عورت اپنے اونٹ کے لیے رو رہی ہے جو گم ہو گیا ہے۔ اس وقت اسود نے یہ اشعار کہے:

تبکی ان یضل لها بعیرٌ — و یمنعها من النوم السهود

فلا تبکی علی بکرٍ و لکن — علی بدرٍ تقاصرت الجدود

علی بدرٍ سراة بنی هصیصٍ — و مخزوم و رهط ابی الولید

و بکی ان بکیت علی عقیل — و بکی حارثا اسد الاسود

و بکیهم ولا تسمی جمیعا — ولابی حکیمة من ندید

الا قد ساد بعدهم رجال — ولو لا یوم بدر لم یسودوا

ترجمہ: "کیا وہ اس بات پر رو رہی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور بے خوابی اسے سونے نہیں دیتی۔ اس اونٹ پر نہ رو بلکہ اس غزوہ بدر پر رو جب ہماری کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔ بدر کے سانحہ پر رو۔ بنو ھصیص اور بنو مخزوم کے عمدہ فرزندوں پر رو اور ابو ولید کے قبیلے پر گریہ کر۔ اگر تو رونا چاہتی ہے کہ عقیل کے قتل پر رو۔ حارث کے قتل پر آہ و فغاں کر جو شیروں کا شیر تھا۔ ان تمام پر رولے لیکن ان سب پر فخر نہ کر لیکن ابوحکیم کا کوئی ہم مثل نہیں ہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ ہمارے سردار بن گئے کہ اگر یہ واقعہ رونما نہ ہوتا تو وہ ہرگز سردار نہ بن سکتے۔"

زبیر بن بکار نے لکھا ہے "اس کی مراد ابوسفیان ہے۔ وہ احد کے وقت ان کا سردار تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس اسود کے لیے بددعا کی تھی کہ رب تعالیٰ اس کی بصارت چھین لے اسے اس کی اولاد پر رلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم

ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا۔ پہلے اس کی بصارت چھین لی۔ پھر غزوہ بدر میں اس کے بیٹے مارے گئے۔ اس طرح آپ کی یہ دعا مکمل طور پر قبول ہو گئی۔

نجاشی کی خوشی اور مسرت

امام احمد نے اہلِ صنعاء کے ایک شخص عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ایک دن نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بلا بھیجا وہ اس کے پاس آئے۔ وہ اپنے کمرہ میں تھا۔ اس نے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ مٹی پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت جعفر طیار فرماتے ہیں۔" جب ہم نے اسے اس حالت میں دیکھا تو ہم ڈر گئے جب اس نے ہمارے تاثرات دیکھے تو اس نے کہا: "میں تمہیں ایسی خبر بتانے لگا ہوں جو تمہیں خوش کر دے گی۔ تمہارے سرزمین کی طرف سے میرا ایک جاسوس آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کی نصرت کی ہے۔ آپ کے فلاں فلاں دشمن کو ہلاک کیا ہے۔ وہ ایک وادی میں نبرد آزما ہوئے ہیں جسے بدر کہا جاتا ہے۔ وہاں بہت سے اراک کے درخت ہیں گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ میں وہاں اپنے آقا کے اونٹ چراتا تھا" حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا: "شاہ والا! تمہیں کیا ہوا ہے تم مٹی پر بیٹھے ہو۔ تمہارے نیچے چٹائی بھی نہیں ہے۔ تم نے یہ بوسیدہ کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں۔" اس نے کہا: "ہم نے اس کلام میں پایا ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ پر نازل کیا ہے کہ رب تعالیٰ کا اس کے بندوں پر حق ہے کہ وہ اس کے سامنے تواضع کریں۔ جب وہ ان پر نعمت کرے۔ جب اس نے اپنے نبی کریم ﷺ پر یہ نعمت کی ہے تو میں نے اس تواضع کا اظہار کیا ہے۔

قیدیوں کا فدیہ

ابن سعد نے امام شعبی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "اہلِ مکہ لکھ لیتے تھے لیکن اہلِ مدینہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ جس کا فدیہ ادا نہ ہو سکا اس کو مدینہ طیبہ کے دس بچے دیے گئے۔ جو انہیں تعلیم دیتے تھے۔ جب وہ لکھنے میں ماہر ہو جاتے تو یہی ان کا فدیہ بن جاتا۔ حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح کتابت سیکھی۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک قیدی کا فدیہ چار سو دراہم مقرر کیا۔ حضرت عباس نے کہا: "ان کے پاس رقم نہیں ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "وہ مال کہاں ہے جسے تم نے اور ام فضل نے دفن کیا تھا۔ تم نے اس سے کہا تھا: "اگر میں اس سفر میں کام آ جاؤں تو یہ میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کے لیے ہے۔" انہوں نے کہا: "بخدا! میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس امر کے بارے یا میں یا ام فضل جانتی تھی۔"

امام بیہقی نے سدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس، حضرت عقیل اور نوفل کا فدیہ چار سو دینار تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تھا انہوں نے ایک سو اوقیہ سونا فدیہ ادا کیا۔ ابن سعد نے حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''جب غزوۂ بدر کے روز نوفل قید ہوئے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ''اپنا فدیہ وہ نیزے دے دو جو جدہ کے مقام پر ہیں۔'' انہوں نے کہا: ''بخدا! رب تعالیٰ کے بعد میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ جدہ میں میرے نیزے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔'' انہوں نے وہی نیزے بطور فدیہ دیئے وہ ایک ہزار نیزے تھے۔

امام بخاری، امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھتیجے حضرت عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔'' آپ نے فرمایا: ''بخدا! نہیں! تم اس کا ایک درہم بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ نے ایک شخص کا فدیہ چار سو لے کر دو ہزار درہم تک مقرر کیا۔ بعض ان قیدیوں پر آپ نے احسان بھی کیا جن کے پاس مال نہ تھا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''ان قیدیوں میں ابو وداعۃ بن ضبیرہ السہمی بھی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مکہ مکرمہ میں ایک دانا، مالدار تاجر لڑکا ہے۔ گویا کہ وہ اپنے باپ کا فدیہ ادا کرنے کے لیے آرہا ہے۔'' جب قریش نے کہا: ''اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے میں جلدی نہ کرو تا کہ محمد عربی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام تم سے زیادہ فدیہ طلب نہ کریں تو مطلب بن ابی وداعۃ نے کہا: ''ہاں! تم نے سچ کہا ہے جلدی نہ کرو۔'' یہ رات کے وقت چپکے سے نکلا اپنے باپ کا فدیہ چار ہزار دراہم ادا کیا۔ اسے لے کر چلا گیا۔ یہ پہلا قیدی تھا جس کا فدیہ ادا کیا گیا۔ پھر قریش اپنے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجنے لگے۔ جبیر بن مطعم قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے آیا اسی طرح مکرز بن حفص سہیل بن عمرو کا فدیہ ادا کرنے آیا۔ اسے حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔ انہوں نے کہا:

اسرت سعیلا فلم ابتغ	به غیرہ من جمیع الامم
و خندف تعلم ان الفتی	سهیلا فتاها اذا یظلم
ضربت بذی الشفر حتی انثنی	واکرهت نفسی علی ذی العلم

ترجمہ: ''میں نے سہیل کو پابند سلاسل کیا۔ میں ان کے بدلے ساری اقوام میں سے کسی قیدی کو نہیں چاہتا۔ بنو خندف جانتے ہیں کہ سہیل اپنے خاندان کا جوانمرد ہے جب ان پر ظلم کیا جائے۔ میں نے اسے تلوار ماری حتیٰ کہ وہ جھک گیا۔ میں نے اس نشانی والے شخص پر خود کو حملہ کرنے پر مجبور کیا۔''

سہیل بن عمرو کا نچلا ہونٹ کٹا ہوا تھا۔ جب مکرز نے صحابہ کرام سے بحث کی تو اسے ان کی رضا حاصل کرنے میں

کامیابی حاصل ہوگئی۔انہوں نے کہا:"اس کا فدیہ لاؤ۔"اس نے کہا:"اس کی جگہ مجھے رکھ لو۔اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ یہ اپنا فدیہ بھیج دے۔انہوں نے سہیل کا رستہ چھوڑ دیا۔مکرز کو محبوس کر دیا۔سہیل نے اس وقت تقریر کی تھی جبکہ ابوسفیان نے قریش کو کارواں کی حفاظت کے لیے بلایا تھا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی:"یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں سہیل کے سامنے کے دو دانت نکال دوں۔اس کی زبان ڈھیلی پڑ جائے اور یہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے۔"آپ نے فرمایا:"میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا ورنہ رب تعالیٰ میرا مثلہ کر دے گا اگرچہ میں نبی ہوں۔عنقریب یہ ایسے مقام پر کھڑا ہوگا تم اس کی مذمت نہیں کر سکو گے۔"

عمرو بن ابی سفیان بھی بدر کے قیدیوں میں سے ایک تھا۔اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قیدی بنایا تھا۔ ابوسفیان سے کہا گیا"اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کرو۔"اس نے کہا:"کیا میں خون اور مال کو جمع کر دوں۔انہوں نے حنظلہ کو قتل کر دیا۔میں عمرو کا فدیہ ادا کروں۔اسے ان کے پاس ہی رہنے دو۔وہ جتنا عرصہ چاہیں اسے اپنے پاس رکھیں۔"عمرو مدینہ طیبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محبوس ہی تھا کہ حضرت سعد بن نعمان اپنی جوان بیوی کے ہمراہ عمرہ کرنے کے لیے گئے۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف کے ساتھ تھا۔یہ عمر رسیدہ مسلمان تھے۔مقام نقیع میں ان کا ریوڑ تھا۔یہ وہاں سے عمرہ کی نیت سے نکلے جو کچھ ان کے ساتھ ہوا انہیں اس کا گمان تک نہ تھا۔انہیں گمان تک نہ تھا کہ انہیں مکہ مکرمہ میں محبوس کر دیا جائے گا۔وہ عمرہ کے لیے آئے یہ عہد تھا کہ قریش کسی حج یا عمرہ کرنے والے کے ساتھ تعرض نہیں کرتے مگر بھلائی کے ساتھ۔ابوسفیان نے ان پر ظلم کیا اور انہیں مکہ مکرمہ میں اپنے بیٹے عمرو کے بدلہ میں محبوس کر دیا۔پھر ابوسفیان نے کہا:

ارھط ابن اکال اجیبوا دعاءہٗ	تعاقدتم لا تسلموا السید الکھلا
فان بنی عمرو لئام اذلۃ	لئن لم یفکوا عن اسیدھم الکبلا

ترجمہ: "اے بنو اکال کی جماعت اس کی صدا کا جواب دو۔تم نے اس کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔لہٰذا اس بوڑھے سردار کو دشمن کے حوالے نہ کرو کیونکہ بنو عمرو کو ذلیل اور لئیم کہا جائے گا اگر انہوں نے اپنے قیدی کے پاؤں سے بیڑیاں نہ کھلوائیں۔"

اس کا جواب حضرت حسان بن ثابت نے یوں دیا:

لو کان سعدٌ یوم مکۃ مطلقاً	لا کثر فیکم قبل ان یوسد القتلا
بعضب حسام او بصفراء نبعۃ	تحن اذاما انبضت تحفز النبلا

ترجمہ: "اگر اس روز حضرت سعد مکہ مکرمہ میں آزاد ہوتے تو وہ قیدی بننے سے قبل تمہیں کثرت سے قتل کرتے۔

تیز تلوار کے ساتھ قتل کرتے ہی انبعہ کے زرد کمان کے ساتھ تیر پھینک کر قتل کرتے جسے جب کھینچا جاتا ہے تو وہ آواز نکال کر تیزی سے تیر پھینکتی ہے۔''

بنو عمرو بن عوف بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت سعد کی غمناک داستان سنائی۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! ہمیں عمرو عطا فرمادیں۔ تاکہ وہ اپنے ساتھی کو چھڑا سکیں۔ آپ نے کرم نوازی کی۔ عمرو کو ابوسفیان کے پاس بھیج دیا۔ اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔

ان قیدیوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد اور آپ کی نور نظر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بھی تھے۔ انہیں خراس بن صمہ نے گرفتار کیا تھا۔ جب قریش نے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص اور ان کے بھائی عمرو بن ربیع کے فدیہ کے لیے مال (ہار) بھیجا۔ جسے دیکھ کر آپ کے دل میں شدید رقت پیدا ہوگئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور اس کا مال واپس کر دو۔'' صحابہ کرام نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ضرور!'' انہوں نے ابو العاص کو آزاد کر دیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مال بھی واپس کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ حضرت زینب کو مدینہ طیبہ بھیج دے گا۔ یہ اس کی رہائی کی شرط تھی۔ اس کا اظہار نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا اور نہ ہی ابو العاص نے تاکہ سب جان لیتے کہ شرط کیا تھی۔ جب وہ روانہ ہوگیا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور دو انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ فرمایا: ''وادیٔ یاجج میں جاؤ۔ جب زینب تمہارے پاس سے گزرنے لگے تو اس کو میرے پاس لے آنا۔ وہ اس وقت روانہ ہوگئے۔ اس وقت غزوۂ بدر کو کم وبیش ایک ماہ گزر چکا تھا۔ جب ابو العاص مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا وہ اپنے والد گرامی کے پاس چلی جائیں۔ اس کا بقیہ تذکرہ ''الحوادث'' میں آئے گا۔

قیدیوں کی ایک جماعت جن میں حضرت عباس تھے انہوں نے کہا: ''ہم مسلمان تھے۔ ہمیں مجبوراً لایا گیا ہے۔ ہم سے فدیہ کیوں لیا جاتا ہے؟ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

(الانفال: ۷۰، ۷۱)

ترجمہ: ''اے نبی کریم آپ فرمائیے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا

تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کرلیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لیے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔"

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی، ابونعیم اور ابوشیخ نے مختلف طرق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں ستر مشرکین کو گرفتار کیا۔ ان میں عباس اور عقیل بھی تھے۔

آپ نے ان سے چالیس اوقیہ سونا بطور فدیہ لیا۔ سعید بن جبیر نے لکھا ہے کہ حضرت عباس سے ایک سو اوقیہ اور حضرت عقیل سے اسی اوقیہ سونا لیا۔ حضرت عباس نے عرض کی: "آپ نے تو مجھے بقیہ زندگی میں قریش کا محتاج کر دیا ہے۔" اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس وقت حضرت عباس نے عرض کی: "میری تمنا ہے کہ کاش اس وقت آپ مجھ سے اس سے دگنا فدیہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے چالیس غلام عطا کیے ان میں سے ہر ایک میرے لیے تجارت کرتا تھا۔ مجھے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے مغفرت کی بھی امید ہے۔

امام بخاری اور ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا۔ آپ نے فرمایا: "اسے مسجد نبوی میں پھیلا دو۔" بہت سا مال تھا جو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضرت عباس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے مال عنایت کریں۔ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "لے لیں۔" انہوں نے اپنا کپڑا بچھایا اور اسے بھرنے لگے پھر اسے اٹھا نہ سکے۔ انہوں نے عرض کی: "کسی شخص کو حکم دیں کہ وہ میری مدد کرے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے عرض کی: "آپ ہی میری مدد کریں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے کچھ مال باہر نکالا۔ پھر اٹھایا مگر اب بھی نہ اٹھا سکے۔ انہوں نے عرض کی: "کسی شخص سے کہیں کہ وہ میری مدد کرے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے کہا: "آپ ہی میری مدد کریں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے اس گٹھڑی سے اور مال باہر نکالا پھر اسے اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ پھر چلے گئے۔ وہ کہہ رہے تھے" رب تعالیٰ نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی نہ رہا۔

بہت سے قیدیوں پر آپ نے کرم بھی فرمایا۔ انہیں فدیہ کے بغیر آزاد کر دیا۔ ان میں سے ایک ابوعزۃ عمرو بن عبداللہ جمحی تھا۔ وہ غریب اور عیالدار تھا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی۔ اس نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس مال نہیں۔ میں محتاج اور عیالدار ہوں۔ مجھ پر احسان فرمائیں۔" آپ نے اس

سے عہد لیا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ آپ کی تعریف کرتے ہوئے اس نے یہ اشعار کہے:

من مبلغ عنی الرسول محمداً	بانّك حق والمليك حميد
و انت امرؤ تدعوا الی الحق والهدی	عليك من الله العظيم شهيد
و انت امرؤ بوئت مباء ة	لها درجات سهلة و صعود
فانك من قاربتهٗ لمحارب	شقی و من سالمتهٗ لسعيد
و لكن اذا ذكرت بدراً و اهله	تاوب مالی حسرةٌ و قعود

ترجمہ: ''کون ہے جو میری طرف سے حضور اکرم ﷺ کو پیغام دے کہ آپ نبی برحق ہیں اور آپ کا مالک ساری تعریفوں سے متصف ہے۔ آپ وہ ہستی ہیں جو حق اور ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور عظیم خدا اس امر پر گواہ ہے۔ آپ وہ ہستیٔ پاک ہیں جو ایسے بلند مقام پر فائز ہیں جس کی سیڑھیوں پر چڑھنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آپ کی شانِ والا کا عالم یہ ہے کہ آپ جن کے ساتھ جنگ کریں وہ بدنصیب ہے جس کے ساتھ صلح کر لیں وہ خوش نصیب ہے۔ لیکن جب مجھے بدر اور اہلِ بدر کی یاد دلائی جاتی ہے تو میری حسرت اور دوں ہمتی دوبارہ میری طرف لوٹ آتی ہے۔''

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بڑی کوشش کی یہ ابوعزہ اس وقت اسلام قبول کر لے لیکن اس نے کہا:
''نہیں! حتی کہ میں 'الخزرجیۃ' میں رات تک شمشیر زنی کر لوں۔''

ابو ربیع نے کہا: ''ان اشعار اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس کی بات چیت کے بارے مجھے کسی صحیح مخرج کا علم نہیں ہو سکا۔ الا یہ کہ اس کے ساتھ ابوعزۃ نے حضور اکرم ﷺ کو دھوکا دینے کا ارادہ کیا ہو۔ لیکن اس کا وبال اس کی جان پر پڑا۔ اس کی تفصیلات غزوہ حمراء الاسد میں آئیں گی۔

ان قیدیوں میں سے وھب بن عمیر بھی تھا اس کا باپ عمیر اس کا فدیہ لے کر آیا اس نے صفوان بن امیہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو شہید کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے حضور اکرم ﷺ کو بتا دیا۔ یہی اس کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ مزید تذکرہ معجزات میں آئے گا۔

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ نجاشی کے دربار میں

ابوعمر اور ابن دحیہ نے لکھا ہے ''جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو میدان بدر میں جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ تو انہوں نے کہا:

"ہمارا انتقام سرزمین حبشہ میں ہے۔ ہم اس کے پاس اپنے قاصد بھیجتے ہیں تاکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کو ہمارے سپرد کر دے ہم انہیں مقتولین بدر کے عوض قتل کر دیں گے۔" انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ نجاشی کے لیے بہت سے ہدیے اور تحائف بھی بھیجے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرے۔ جب عمرو اور عبداللہ نجاشی کے دربار میں پہنچے تو نجاشی نے انہیں خائب و خاسر واپس کر دیا۔"

ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ واقعہ بدر کے بعد قریش نے عمرو بن عاص کو نجاشی کے دربار میں بھیجا۔"

غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے مسلمانوں اور مشرکین کی تعداد

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کرتے تھے کہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد ان اصحاب طالوت کے برابر تھی۔ جنہوں نے ان کے ساتھ نہر عبور کی تھی۔ ان کے ہمراہ صرف اہلِ ایمان ہی تھے۔ ان کی تعداد ۳۱۰ اور کچھ تھی۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی، الطبرانی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام ابھی مدینہ طیبہ میں تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "کیا ہم باہر نہ نکلیں اور اس کاروان کے ساتھ نبرد آزما ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ وہ ہمیں بطور مال غنیمت عطا کر دے۔" ہم نے عرض کی "ضرور! ہم عازم سفر ہوئے۔ جب ہم نے ایک دن یا دو دن کا سفر طے کر لیا تھا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم شمار کریں۔ ہم نے شمار کیا تو ہماری تعداد ۳۱۳ تھی۔ ہم نے یہ تعداد آپ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: "حضرت طالوت کے ساتھیوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔"

ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابوعوانہ اور ابن حبان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ بدر کے روز حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد تین سو اور کچھ تھی۔ امام مسلم نے یہ تعداد ۳۱۹ لکھی ہے۔ آپ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

بزار نے حسن سند سے حضرت ابوموسیٰ الاشعری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ بدر میں صحابہ کرام کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت کے ساتھیوں کی اس وقت تھی جب وہ جالوت کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے تھے۔ یہ

تعداد ۳۱۷ تھی۔ مجمع الزوائد کے ایک نسخہ میں بھی یہی تعداد مرقوم ہے۔ الفتح میں یہ تعداد ۳۱۲ لکھی ہے۔

امام بخاری، ابن راھویہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں اور ابن عمر غزوۂ بدر کے دن چھوٹے تھے۔ غزوۂ بدر میں مہاجرین کی تعداد تقریباً ساٹھ اور انصار کی تعداد تقریباً دو سو چالیس تھی۔

حاکم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین کی تعداد تقریباً اسی تھی۔ الحافظ کہتے ہیں ''اس روایت میں خطاء ہے۔ کیونکہ شعبہ نے وہی تعداد بیان کی ہے جو امام بخاری نے رقم کی ہے۔ یعقوب بن سفیان نے لکھا ہے کہ عبیدہ سلمانی کی مرسل روایت میں ہے کہ انصار کی تعداد ۲۷۰ تھی لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ سعید بن منصور نے ابی الیمان عامر الھوزنی سے روایت کیا ہے۔ الطبرانی اور امام بیہقی نے ایک اور سند سے حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے نکلے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: خود کو شمار کرلو۔ انہوں نے شمار کیا تو ان کی تعداد ۳۱۴ تھی۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: ''گنو۔'' انہوں نے دوسری بار شمار کیا اس وقت ایک شخص اپنے جوان کمزور سے اونٹ پر آ گیا۔ صحابہ کرام کی تعداد ۳۱۵ پوری ہوگئی۔

ابوداؤد، امام بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے عازم سفر ہوئے۔ تو ان کی تعداد ۳۱۵ تھی۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں یہ تعداد ۳۱۳ ہے۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ شاید آپ کو اور اس صحابی کو شمار نہ کیا گیا ہو جو بعد میں آئے ہوں۔ جس تعداد میں ۳۱۷ کا ذکر ہے تو اسے اس وقت پر محمول کیا جائے گا۔ جب چھوٹے صحابہ کرام بھی ان میں شامل تھے۔ پھر انہیں قتال کی اجازت نہ ملی۔ جیسے حضرات براء، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم۔

امام احمد نے صحیح سند سے ان سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا ''کیا آپ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی؟'' انہوں نے عرض کی: ''میں غزوۂ بدر سے غیب کیسے ہوسکتا تھا؟ گویا کہ آپ نے بطور خادم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں شرکت کی تھی۔ جیسے کہ ثابت ہے کہ آپ نے دس سال تک یہ سعادت حاصل کی تھی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے یہ سعادت اس وقت سے ہی حاصل کرنا شروع کر دی تھی جب آپ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تھے۔ شاید وہ آپ کے ساتھ یا اپنے چچا اور والدہ کے شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عازم سفر ہوئے ہوں۔ صحیح میں حضرت ابن عقبہ سے روایت ہے کہ امام زہری نے فرمایا: ''غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے قریشی صحابہ کرام کی تعداد جن کے لیے مال غنیمت میں سے حصہ نکالا گیا تھا ۸۱ تھی۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس قول کو اور حضرت براء کے قول کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت براء کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ان صحابہ کرام کی تعداد جنہوں نے حسی طور پر شرکت کی تھی جبکہ امام زہری کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ جنہوں نے حسی اور حکمی

طور پر شرکت کی تھی۔ جن کے لیے حصہ نکالا گیا اور اجر و ثواب کا مژدہ سنایا گیا۔ یا پہلی تعداد سے مراد صرف آزاد صحابہ کرام ہیں اور دوسری تعداد سے مراد ان کے غلام اور پیروکار مراد ہیں۔ الحافظ نے لکھا ہے" جب تم اس طرح روایات میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ سب نے قتال میں حصہ نہیں لیا تھا صرف ۳۰۵ یا ۳۰۶ صحابہ کرام نے قتال میں حصہ لیا تھا۔

ابن جریر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ۳۰۶ ہے۔ ابن سعد نے بھی یہی وضاحت کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد ۳۰۶ تھی۔ گویا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شمار نہیں کیا۔ انہوں نے متفرق روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ مگر آپ نے مال غنیمت میں سے ان کے حصے نکالے تھے۔ وہ کسی ضرورت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تھے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے" مسلمانوں کے ہمراہ ستر جنات نے بھی اس غزوہ میں شرکت کی تھی مشرکین کی تعداد ایک ہزار یا نو سو پچاس تھی۔ ایک قول کے مطابق ان کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔

جن مسلمانوں کے سر پر شہادت کا تاج سجایا گیا

غزوہ بدر میں جو مسلمان شہید ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

1. حضرت عبیدہ بن حارث
2. حضرت عمیر بن ابی وقاص، ان کی عمر سولہ یا سترہ سال تھی۔
3. حضرت عمیر بن حمام، ان کا تعلق بنو سلمہ کے ساتھ تھا۔
4. حضرت سعد بن خیثمہ، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔
5. حضرت ذوالشمالین بن عبد عمرو خزاعی، ان کا تعلق بنو زھرہ کے ساتھ تھا۔
6. حضرت مبشر بن عبد المنذر، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔
7. حضرت عاقل بن بکیر
8. حضرت مہجع۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خادم۔
9. حضرت صفوان بن بیضاء الفھری
10. حضرت یزید بن حارث
11. حضرت رافع بن معلیٰ

- ۱۲ حضرت حارثہ بن سراقہ۔ یہ حضرت انس بن مالک کے پھوپھو کے فرزند تھے یہ منظر دیکھنے گئے تھے۔ یہ بچے تھے۔ انہیں تیر لگا جس کی وجہ سے انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔
- ۱۳ حضرت عوف
- ۱۴ حضرت معوذ پسران عفراء۔ ان کی عمر چودہ سال تھی۔

آٹھ صحابہ کرام کا تعلق انصار کے ساتھ تھا۔ چھ کا تعلق خزرج اور دو کا تعلق اوس کے ساتھ تھا۔

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''غزوہ بدر میں اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ رب تعالیٰ نے جنت میں ان کی ارواح سبز پرندوں کے اندر رکھیں۔ وہ جنت میں محو پرواز ہوتے تھے۔ وہ اسی طرح تھے کہ رب تعالیٰ نے انہیں اوپر سے دیکھا۔ اس نے فرمایا: ''اے میرے بندو! تم کیا چاہتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''مولا! اس سے بالا بھی کچھ ہے؟'' پھر رب تعالیٰ نے یہی سوال کیا۔ انہوں نے چوتھی بار عرض کی: ''مولا! ہماری ارواح کو اپنے اجسام میں لوٹا دے۔ ہم کو اسی طرح قتل کر دیا جائے جیسے ہم پہلے قتل ہوئے تھے۔''

مشرکین کے مقتولین اور قیدیوں کی تعداد

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جو تعداد ان کے لیے شمار کی گئی اس کے مطابق پچاس مشرکین تہ تیغ ہوئے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے'' مجھے ابوعبیدہ نے ابوعمرو سے روایت کیا ہے کہ مشرکین کے ستر افراد تہ تیغ ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے۔ رب تعالیٰ کی کتاب حکیم میں ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ (آل عمران:۱۶۵)

ترجمہ: ''کیا جب پہنچی تمہیں کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی۔''

یہ فرمان غزوۂ احد میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اس غزوہ میں ستر مشرکین قیدی بنے۔ ابوزید انصاری نے مجھے حضرت کعب بن مالک کا قصیدہ سنایا جو مقتولین بدر کے بارے ہے۔ اس میں یہ شعر بھی ہے:

فاقام بالعطن المطعن منهم   سبعون عتبه منهم والاسود

ترجمہ: ''اس اونٹ بیٹھنے کی جگہ میں ستر افراد کھڑے تھے جن میں عتبہ اور اسود بھی تھے۔''

البدایۃ میں ہے: ''مشہور قول یہی ہے کہ غزوۂ بدر میں قیدیوں کی تعداد ستر تھی اور مشرکین کے مقتولین کی تعداد بھی

اتنی ہی تھی۔"

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ نے تیر اندازوں کے دستہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا ان کی تعداد پچاس تھی۔ غزوۂ احد میں ہمارے ستر افراد شہید ہوئے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے غزوۂ بدر میں ایک سو چالیس مشرکین کو نقصان پہنچایا تھا۔ ستر مشرکین مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنے۔

الحافظ نے لکھا: "مقتولین کی تعداد کے بارے یہی قول سچا ہے۔ حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام نے اس پر حضرت براء کی موافقت کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت طیبہ کے بارے سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ اس میں مخاطبین اہل احد ہیں اور اس سے مراد وہ دوگنا افراد ہیں جن کو غزوۂ بدر میں نقصان ہوا تھا۔ جبکہ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ سیرت نگاروں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ غزوۂ بدر میں پچاس مشرکین قتل ہوئے۔ پھر بعض نے اس تعداد میں کمی بیشی کی ہے۔ ابن اسحاق نے ان کے نام ذکر کیے ہیں جو پچاس ہیں۔ امام واقدی نے تین یا چار کا اضافہ کیا ہے۔ اکثر اہلِ مغازی نے ان کی تعداد چالیس سے کچھ زائد بتائی ہے لیکن ان ناموں سے یہ تعیین لازم نہیں آتی کہ ان کا شمار مقتولین میں سے ہو۔

امام بیہقی نے امام زھری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "غزوۂ بدر میں مشرکین کے ستر سے زائد افراد مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔" امام بیہقی نے اس روایت کے بارے لکھا ہے "یہ مشرکین کے مقتولین اور قیدیوں کی تعداد کے صحیح ترین روایت ہے۔" حضرت براء کی روایت اس کی شاہد ہے۔" میں کہتا ہوں: "امام واقدی نے مبالغہ کیا ہے۔" انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت پر اجماع ہے۔ ابو عمر نے کہا ہے: "مشہور مقتولین میں یہ افراد شامل ہیں۔ حنظلہ بن ابی سفیان، اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ عبیدہ بن سعید اسے حضرت زبیر بن عوام نے قتل کیا۔ عاص بن سعید۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔

عتبہ، شیبہ، پسران ربیعہ، ولید بن عتبہ۔ انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے واصلین جہنم کیا۔ عقبہ بن ابی معیط۔ اسے قید بنانے کے بعد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تلوار سے مارا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے اسے قتل کیا۔ حارث بن عامر۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ طعیمہ بن عدی۔ اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جہنم پہنچایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسے قیدی بننے کے بعد قتل کیا گیا۔ پہلا قول مشہور ہے۔ زمعہ بن الاسود، اس کا بیٹا حارث بن زمعہ، اس کا بھائی عقیل بن اسود، ابوالبختری، عاص بن

ہشام، نوفل بن خویلد بن اسد اسے حضرت علی یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے قتل کیا۔ نضر بن حارث صفراء کے مقام پر اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔ عمیر بن عثمان۔ اسے حضرت علی نے تہ تیغ کیا۔ مسعود بن ابی امیۃ المخزومی۔ یہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا تھا۔ ابوقیس بن ولید۔ یہ حضرت خالد بن ولید کا بھائی تھا۔ اسے حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ ابوقیس بن الفاکہ۔ اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، سائب بن ابی سائب۔ اسے حضرت زبیر بن عوام نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ابن اسحاق نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں حالت کفر میں مرا تھا۔ حضرت زبیر بن بکار کا بھی یہی مؤقف ہے۔ لیکن ابن ہشام وغیرہ نے اختلاف کرتے ہوئے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ ابوعمر نے لکھا ہے: ''اس کی تالیف قلبی کی گئی تھی۔ اس نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا تھا۔''

الحافظ نے لکھا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ یہ سائب بن صیفی ہوں۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر بکریاں چراتے ہوں۔ سائب بن ابی سائب نہ ہو۔ امام احمد نے حضرت سائب بن صیفی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''مجھے فتح مکہ کے روز بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر کیا گیا۔ مجھے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زھیر لے کر آئے۔ وہ میری تعریف کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''مجھے ان کے بارے نہ بتاؤ۔ یہ زمانہ جاہلیت میں میرا ساتھی ہوتا تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''تم کتنے اچھے ساتھی تھے۔'' یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ وہ فتح مکہ کے زمانہ تک بحیات رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے: ''انہوں نے بہت زیادہ عمر پائی تھی۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''ایک گروہ جو غزوۂ بدر میں مقتول ہوا اس کے بارے قرآن حکیم کی یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ (النساء:۹۷)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روحوں) کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے۔ اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے، زمین میں فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔''

اس سے مراد حارث بن زمعۃ، ابوقیس بن الفاکہ، ابوقیس بن ولید، علی بن امیہ اور عاص بن منبہ ہیں۔ انہوں نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آ گئے تو

ان کے آباء اور قبائل نے انہیں محبوس کر دیا۔ انہوں نے انہیں فتنہ میں مبتلاء کر دیا تو یہ فتنے میں مبتلاء ہو گئے۔ پھر اپنی قوم کے ہمراہ بدر گئے اور سارے مارے گئے۔

اس روز بنو ہاشم میں سے حضرت عباس قیدی بنے۔ ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے عرض کی: "والد گرامی! ابو یسر نے آپ کو کیسے گرفتار کر لیا اگر آپ چاہتے تو اسے ہتھیلی سے پکڑ سکتے تھے۔" انہوں نے فرمایا: "نورِ نظر! یہ بات نہ کرو۔ جب وہ مجھے ملے تو وہ مجھے کوہِ خندمہ سے بھی بڑے نظر آئے۔" اسی طرح عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث گرفتار ہوئے۔

بنو المطلب بن عبد مناف میں سے سائب بن عبید اور نعمان بن عمرو قیدی بنے۔ بنو نوفل میں سے عدی بن خیار قیدی بنا۔ بنو عبد الدار میں سے ابو عزیز بن عمیر پابند سلاسل ہوا۔ بنو تیم بن مرہ میں سے مالکہ بن عبید اللہ قیدی بنا۔ یہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا بھائی تھا۔ بنو مخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے بارہ افراد گرفتار ہوئے۔ ان میں عمرو بن ابی سفیان، حارث بن ابی وجزۃ اور ابو العاص بن ربیع تھے۔ دیگر قریش میں سے سائب بن ابی سائب، حارث بن عمرو، خالد بن ہشام صیفی بن ابی رفاعۃ، مطب بن حنطب اور خالد بن اعلم گرفتار ہوئے۔ اس نے ہی یہ شعر کہا تھا:

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا   و لکن علی اقدامنا یقطر الدم

ترجمہ: "ہم ایسے نہیں کہ ہمارے زخم ہماری ایڑھیوں پر بہہ رہے ہوں۔ بلکہ ہمارے قدموں پر خون کے قطرات گرتے ہیں۔"

لیکن وہ اپنی اس بات میں سچا نہ تھا۔ سب سے پہلے اسی نے ہی راہِ فرار اختیار کی تھی۔ اسے پا لیا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ عثمان بن عبد شمس، امیہ بن ابی حذیفہ بھی گرفتار ہوئے۔ ابو قیس بن ولید۔ اس کا تذکرہ العیون میں ابو عمر کی اتباع کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ پھر ان دونوں سے اس کا شمار غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے مقتولین میں بھی کیا ہے۔ یہ لغزش ہے۔ اسی طرح عثمان بن عبد اللہ، ابو عطاء عبد اللہ بن سائب، ابو وداعہ بن ضبیرۃ السہمی گرفتار ہوئے۔ مؤخر الذکر کا سب سے پہلے فدیہ ادا کیا گیا۔ عبد اللہ بن ابی، اس کا بھائی عمرو، ابو عزہ الجمحی، سہیل بن عمرو عامری، عبد اللہ بن زمعۃ، عبد اللہ بن حمید گرفتار ہوئے۔ ابو عمر نے مشہور مقتولین اور قیدیوں کا ذکر اسی طرح کیا ہے۔

وہ قیدی جو مشرف باسلام ہوئے

جن حضرات کو یہ سعادت ملی ان میں عباس بن مطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابو العاص بن ربیع،

ابوعزیز بن عمیر، سائب بن ابی جیش، خالد بن ہشام، عبداللہ بن ابی سائب، مطلب بن حنطب، ابو وداعۃ سہمی، عبداللہ بن ابی، وھب بن عمیر، سہیل بن عمرو، عبداللہ بن زمعہ، قیس بن سائب، نسطاس، امیہ بن خلف کے غلام۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ ابوالفتح نے کیا ہے۔ ان میں سائب بن عبید ہیں۔ انہوں نے اپنا فدیہ ادا کر لینے کے بعد اسلام قبول کیا۔ القاضی ابوالطیب الطبری سے علماء نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ عدی بن خیار۔ ولید بن مغیرہ۔ اس کے بھائی ہشام اور خالد اسے لے کر چلے گئے اس کا فدیہ ادا نہ کیا گیا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اس میں اسے عتاب کیا۔ انہوں نے کہا: ''مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ میں نے قید سے گھبرا کر اسلام قبول کیا۔'' جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے ماموؤں نے اسے محبوس کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ قنوت میں اس کے لیے دعا مانگتے تھے۔ پھر انہیں نجات مل گئی اور عمرۃ القضیہ میں یہ حضور کے ساتھ جا ملے۔

تنبیہات

1. بدر ایک مشہور بستی ہے جو مدینہ طیبہ سے چار مراحل دور ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ بدر بن مخلد، دوسرے قول کے مطابق بدر بن حارث، تیسرے قول کے مطابق بدر بن کلدہ کی طرف منسوب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک کنوئیں بدر کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔ اس کے گول یا صاف ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔ اس میں چاند نظر آتا تھا۔ بنو غفار کے کئی بزرگوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''یہ ہمارا پانی ہے۔ یہ ہماری منازل ہیں کبھی بھی کوئی ایسا شخص اس کا مالک نہیں بنا جس کا نام بدر ہو۔ یہ اس کا اس طرح نام ہے جیسے دیگر شہروں کے نام ہوتے ہیں۔'' امام بغوی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔
2. یہ غزوہ ستر رمضان المبارک میں رونما ہوا۔ آپ شوال میں قیدیوں کے مسائل سے فارغ ہوئے۔
3. روایت گزر چکی ہے کہ آپ دو پہاڑوں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کے ناموں کے بارے پوچھا۔ آپ کو عرض کی گئی کہ ایک کا نام مسلح اور دوسرے کا نام مخرئ ہے۔'' آپ ان کی راہ سے ہٹ گئے ابوالقاسم الخثعمی نے لکھا ہے اس کا تعلق اس بدفالی سے نہیں جس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے بلکہ اس کا تعلق ناپسندیدہ نام کی ناپسندیدگی کے ساتھ ہے۔ آپ اپنے امراء کی طرف لکھتے تھے ''جب میری طرف ڈاک بھیجو تو ٹھنڈی کر کے بھیجو اور ایسے شخص کو بھیجو جس کا چہرہ بھی حسین ہو اور نام بھی حسین ہو۔'' اس روایت کو بزار سے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے اسی طرح عقیلی اور الطبرانی نے اسے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''جب تم میری طرف کسی شخص کو بھیجو تو ایسے شخص کو بھیجو جو حسین چہرہ اور عمدہ نام رکھتا ہو۔'' آپ نے دودھ دینے والی

اونٹنی کے بارے فرمایا "اس کا دودھ کون نکالے گا؟" ایک شخص اٹھا اس نے عرض کی: "میں" آپ نے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: "مرۃ" آپ نے کہا: "تم بیٹھ جاؤ۔" دوسرا شخص کھڑا ہوگیا۔ آپ نے اس سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: "جمرۃ" آپ نے فرمایا: "تم بھی بیٹھ جاؤ۔" ایک اور شخص اٹھا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے عرض کی: "یعیش" آپ نے فرمایا: "اسے دھولو۔" اس روایت کو ابن سعد اور ابن قانع نے نقل کیا ہے۔

ابن وھب کی روایت میں ہے: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے۔ عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں تو بدفالی سے منع کرتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں نے بدفالی نہیں لی۔ بلکہ میں نے عمدہ نام کو ترجیح دی ہے۔"

◆ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابوسفیان کی آمد کی آپ کو اطلاع ملی تو، آپ نے مشاورت کی تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے معروضات پیش کیں۔ پھر حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ ہمارا ارادہ فرمارہے ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود جائیں گے اگر آپ حکم دیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں تو ہم ضرور اس طرح کریں گے۔" آپ نے لوگوں کو جمع کیا۔ آپ روانہ ہوئے اور مقام بدر میں نزول اجلال فرمایا۔

"العیون" میں ہے کہ یہ عرض گذاشت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ ابن عقبہ، ابن اسحاق، ابن سعد، ابن عائذ وغیرہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ حضرت سعد روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ پھر آپ کو سانپ نے ڈس لیا اس وجہ سے وہ مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہے۔

الحافظ نے الفتح وغیرہ میں لکھا ہے "ان روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے دو بار مشاورت کی تھی۔" (۱) جبکہ آپ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت آپ کو ابوسفیان کے کارواں کی خبر پہنچی تھی یہ تفصیل امام مسلم کی روایت سے عیاں ہوتی ہے۔ (۲) دوسری بار اس وقت جب آپ روانہ ہو گئے۔ جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت سعد بن معاذ نے یہ مشاورت دی۔ الطبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ نے یہ مشاورت اس وقت دی تھی جب آپ نے صلح حدیبیہ کے وقت مشاورت طلب کی

تھی۔ قرین صواب یہی قول ہے۔

⑤ امام سہیلی نے لکھا ہے "یضحك الرب" کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی رضا کے ساتھ ساتھ بشارت اور عزت و کرامت کا اظہار ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ضحک غضب کا متضاد ہے۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ آقا ناراض ہو جاتا ہے وہ معاف تو کر دیتا ہے لیکن عتاب باقی رہتا ہے۔ جب وہ راضی ہو جائے تو یہ عفو سے زائد ہے۔ جب وہاں ضحک ہو تو یہ رضا کی انتہاء ہے کیونکہ بعض اوقات وہ راضی ہوتا ہے۔ لیکن دل کی رضا کا اظہار نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کی رضا اور اس کے اظہار کو ضحک سے تعبیر کرنا۔ مجازاً اور بلاغت کے لیے ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ سارے معانی شامل ہیں۔ آپ نے عرض کی: "مولا! تو طلحہ بن براء سے اس طرح ملاقات کر کہ وہ تجھے دیکھ کر مسکرائے اور تو اسے دیکھ کر مسکرائے۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ملاقات دو ایسے محبت کرنے والوں کے مابین ہو جو اپنے نفوس سے رضا اور محبت کا اظہار کر رہے ہوں۔ جب "ضحك الرب الی فلان" کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے یہ چند کلمات ہیں۔ جو رضائے الٰہی کے ساتھ ساتھ اس کی محبت، بشارت اور کرامت کے اظہار کو متضمن ہیں۔ جس سے زیادہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔ یہ ان جوامع کلمات میں سے ہیں جو آپ کو عطا کیے گئے تھے۔"

"المطالع" میں ہے۔ اس پر اور اس جیسی دیگر احادیث پر کیفیت اور تاویل کے بغیر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اسے اس کے قائل اور عالم کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔

⑥ امام خطابی نے لکھا ہے کہ یہ لازمی ہے کہ یہ تصور نہ کیا جائے کہ اس حال میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ اپنے رب پر بھروسہ تھا۔ بلکہ آپ کی صحابہ کرام پر شفقت اور ان کے قلوب کی تقویت نے آپ کو اس امر پر ابھارا تھا کیونکہ یہ آپ کی پہلی جنگ تھی۔ آپ نے توجہ، دعا اور آہ و زاری میں کمال کر دیا۔ تاکہ صحابہ کرام کے نفوس کو تسکین نصیب ہو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کا وسیلہ قبول ہو جاتا ہے۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ سے یوں فرمایا تو آپ رک گئے تو آپ کو علم ہو گیا۔

آپ کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں قوت اور طمانیت پائی تھی۔ اسی لیے آپ نے بعد میں فرمایا:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ۔ (القمر: ۴۵)

ترجمہ: "عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت۔"

قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام خوف پر تھے اور آپ کے ساتھی مقام رجاء پر تھے۔ یہ دونوں مقامات فضیلت میں برابر ہیں۔" ان کے شاگرد رشید امام سہیلی نے لکھا ہے "اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر مقام میں برابر ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رجاء اور خوف دو مقامات ایمان کے لیے ضروری ہیں۔ اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام رجاء پر فائز تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام خوف پر فائز تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ آپ کو خدشہ ہوا کہ شاید اس کے بعد اس کی زمین میں عبادت نہ کی جائے۔

قاسم بن ثابت نے دلائل میں لکھا ہے "جو کچھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا وہ آپ پر معاونت اور رقت کی وجہ سے کیا تھا جب انہوں نے آپ کی اتنی زیادہ آہ وزاری دیکھی کہ آپ کی چادر مبارک کندھوں سے نیچے گر پڑی۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ خود کو اس طرح کیوں تھکاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت بڑے رقیق القلب انسان تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ عشق کرتے تھے۔ اس شخص نے بڑی لغزش کی ہے۔ جس کے پاس علم نہیں ہے اور اس نے اس کو تصوف کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ شاید خطابی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

◆ ۵ "الروض الانف" میں ہے "آپ نے دعا میں اتنی شدت اور آہ وزاری اس لیے کی کیونکہ آپ نے دیکھا تھا کہ ملائکہ مصروف قتال ہو گئے تھے۔ حضرت جبرائیل امین کے گھوڑے کے پاؤں گرد آلود تھے۔ انصار اللہ بھی موت کے سمندر میں غوطہ زن ہو رہے تھے۔ جہاد کی دو اقسام ہیں (۱) تلوار کے ساتھ جہاد (۲) دعا کے ساتھ جہاد۔ امام کی سنت یہ ہے کہ وہ لشکر کے پیچھے ہو۔ ان کے ساتھ قتال نہ کرے۔ پھر گویا کہ سارے جہاد اور جدوجہد میں ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی نفس کو راحت وسکون نہیں پہنچا رہا ہوگا۔ انصار اللہ اور ملائکہ خوب کوشش کر رہے ہوں گے کوئی بھی فراغت کو ترجیح نہیں دے رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا گروہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نبرد آزما ہوگا۔

◆ ۶ رب تعالیٰ نے اس فرمان:

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ (الانفال: ۴۴)

اور رب تعالیٰ کے اس فرمان:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (آل عمران: ۱۳)

میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اصح قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ کافر گروہ مومن گروہ کو کافروں کی تعداد کے برابر دیکھ رہے تھے۔ یہ مقابلہ اور جنگ کے وقت تھا۔ رب تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں کمزوری اور رعب ڈال دیا تھا۔ انہوں نے پہلے انہیں قلیل دیکھا۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنی تائید کے ساتھ ان کی نصرت کی اور کافروں کی نگاہوں میں انہیں ان سے دوگنا کر دکھایا۔ حتیٰ کہ وہ کمزور ہو گئے۔ وہ مغلوب ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا:

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ (آل عمران: ۱۳)

ترجمہ: ''اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لیے۔''

ابن سعد، ابن راھویہ، ابن منیع اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''غزوۂ بدر میں مشرکین کو ہماری نگاہوں میں کم کر دیا گیا حتیٰ کہ میں نے اس شخص سے کہا جو میرے پہلو میں تھا: ''کیا تم انہیں ستر کے لگ بھگ دیکھ رہے ہو؟'' اس نے کہا: ''میں انہیں ایک سو کے لگ بھگ دیکھ رہا ہوں۔'' ہم نے ان میں سے ایک شخص کو گرفتار کیا اس سے پوچھا: ''تم کتنے ہو؟'' اس نے کہا: ''ایک ہزار۔''

۹ شیخ الاسلام ابوالحسن السبکی نے تحریر کیا ہے: ''مجھ سے اس حکمت کے بارے پوچھا گیا جو فرشتوں کے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قتال کرنے میں مخفی تھی۔ حالانکہ حضرت جبرائیل امین اس پر قادر تھے کہ کفار کو اپنے ایک پر سے اڑا کر رکھ دیں۔'' میں نے جواب دیا کہ یہ اس لیے رونما ہوا کہ یہ مبارک فعل تو حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کا ہو۔ ملائکہ نصرت کے لیے ہوں۔ یہ اسی عادت کے مطابق ہو جس طرح لشکروں کی مدد کی جاتی ہے۔ یہ ان سنن میں سے ایک ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے بندوں میں رائج فرمائیں ہیں۔ تمام امور کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

کشاف نے سورۃ یٰسین کی آیت طیبہ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ (یٰسین: ۲۸) کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ''اگر تم یہ اعتراض کرو کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ خندق میں آسمان سے ملائکہ کیوں اتارے گئے؟ اس نے فرمایا:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ (الاحزاب: ۹)

ترجمہ: ''پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکے تھے۔''

اس نے فرمایا:

بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ ۝ (الانفال:۹)

ترجمہ: "ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے درپے آنے والے ہیں۔"

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ۝ (آل عمران:۱۲۴)

ترجمہ: "تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔"

بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ۝ (آل عمران:۱۲۵)

ترجمہ: "پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔"

تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں' ایک فرشتے کے لیے یہ کافی تھا۔ حضرت جبرائیل کے پر سے قوم لوط کے شہروں کو برباد کر دیا گیا۔ ثمود کے شہروں اور قوم صالح کو ایک کڑک سے برباد کر دیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو بڑے بڑے انبیائے کرام پر فضیلت دی ہے۔ آپ کو اولوالعزم رسل پر فضیلت دی ہے۔ آپ کو کرامت کے ایسے اسباب فراہم کیے جو کسی اور کو نہ دیے گئے۔ اسی لیے آپ کے لیے آسمان سے لشکر اتارا۔ اسی لیے اپنے اس فرمان سے اشارہ کیا: "ما کنا منزلین" یعنی لشکروں کا نزول بڑے بڑے امور میں سے ہے۔ صرف آپ ہی اس کا اہل ہیں۔ ہم آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے یوں نہیں کرتے۔"

❿ مفسرین کا رب تعالیٰ کے اس فرمان میں اختلاف ہے:

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ۝ (آل عمران:۱۲۵،۱۲۴)

ترجمہ: "جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔ ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور (اگر) آ دھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔"

کیا یہ وعدہ یوم بدر یا یوم احد کے بارے میں ہے؟ ابن عباس، حسن، قتادہ، عامر شعبی، ربیع بن انس نے یہ نظریہ اختیار کیا ہے۔ امام بخاری کا بھی یہی مؤقف ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ۔ (آل عمران:۱۲۳)

کے متعلق ہے۔سیاق اس پر دلالت کر رہا ہے۔اس نے فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

پھر فرمایا:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ ۔ (آل عمران:۱۲۷)

ترجمہ: ''اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لیے اور تا کہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل۔''

جب انہوں نے مدد طلب کی تو رب تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی۔جب انہوں نے صبر اور تقویٰ کا اظہار کیا تو پانچ ہزار ملائکہ کے ساتھ ان کی مدد کی گئی۔یہ تدریج اور لگا تار امداد کا انداز بہت عمدہ تھا۔ان کے نفوس کے لیے اس میں تقویت کی تھی۔یہ اس سے زیادہ خوش کن تھی کہ یکبار امداد آتی یہ وحی کی طرح یکے بعد دیگرے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رب تعالیٰ کی اس آیت طیبہ اور اس فرمان کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ (الانفال:۹)

ترجمہ: ''یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد۔یقیناً میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ ہزار سے زیادہ کی نص تین ہزار کی تعداد کے منافی نہیں ہے۔کیونکہ رب تعالیٰ نے مردفین فرمایا ہے۔یعنی وہ لگا تار ہوں۔ایک ہزار کے پیچھے دوسرا ہزار ہو۔یہ سیاق اس سیاق کے مشابہ ہے جو سورۃ آل عمران میں ہے۔ظاہر بات یہی ہے کہ یہ یوم بدر کے بارے ہو کیونکہ معروف یہی ہے کہ ملائکہ نے اسی روز قتال کیا تھا۔تھوڑی سی تعداد نے لکھا ہے کہ یہ تین ہزار اور پھر پانچ ہزار ملائکہ کے نزول کا وعدہ غزوۂ احد کے بارے تھا۔یہ امداد ایک شرط کے ساتھ معلق تھی۔وہ تقویٰ اور صبر ہے۔لیکن انہوں نے صبر نہ کیا۔بلکہ بھاگ گئے۔جب شرط مفقود ہو گئی تو امداد بھی مفقود ہو گئی۔ایک فرشتے سے بھی ان کی مدد نہ کی گئی۔یہ غزوۂ احد کے بارے ہے۔اس آیت طیبہ سے اعراض برتتے ہوئے غزوۂ بدر کا تذکرہ اس میں شامل کر دیا گیا۔اس نے فرمایا:

اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (آل عمران:۱۲۱،۱۲۲)

ترجمہ: ''یاد کرو جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا۔ اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے مومنوں کو۔''

پھر فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

ترجمہ: ''بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔''

اس نے انہیں وہ نعمت یاد دلائی جب اس نے غزوۂ بدر میں صحابہ کرام کی مدد کی تھی۔ پھر غزوۂ احد کی طرف رخ کیا۔ فرمایا:

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: ''کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔''

پھر ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو وہ پانچ ہزار ملائکہ سے ان کی امداد کرے گا۔ بدر میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی تھی۔ یہ امداد مطلق تھی جبکہ غزوۂ احد کی امداد مشروط تھی۔ آل عمران میں داستان غزوۂ احد کی حکایت ہے جو تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ غزوۂ بدر کا تذکرہ تو ویسے ہی ہوا۔ وہ داستان تو سورۃ الانفال میں بیان کی گئی ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے: ''جمہور علماء کا موقف وہی ہے جسے ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ کرز بن محاربی مشرکین کی مدد کر رہا ہے۔ مسلمانوں پر یہ امر شاق گزرا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ۔ (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: ''کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار (ملائکہ کے ساتھ)۔''

کرز نے ہزیمت اٹھائی۔ اس نے نہ مشرکین کی اور نہ ہی مسلمانوں کی مدد کی۔'' انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ پہلا قول معتمد ہے۔

⑪ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: ''اور نہیں پھینکی آپ نے جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔''

کے بارے زاد المعاد میں ہے''ایک گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ آیت طیبہ کی مراد یہ ہے کہ حقیقت میں حضور اکرم ﷺ کے فعل اللہ تعالیٰ کے فعل سے منسوب کر دیا گیا۔ انہوں نے اسے جبر، افعال کی نسبت کے ابطال اور ان کی نسبت صرف رب تعالیٰ کی طرف کرنے پر اسے اصل بنایا ہے۔ لیکن یہ مؤقف غلط ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو پھر اسے دھتکارنا لازم ہے۔ پھر تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے: "ما صليت اذ صليت، ولا صمت اذ صمت، ولا فعلت كل ذالك اذ فعلت" لیکن رب تعالیٰ نے یوں کیا۔ اگر وہ اسے دھتکار دیں تو پھر یہ بندوں کے افعال، اطاعات اور گناہوں میں لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ فرق نہیں اگر انہوں نے اسے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ، آپ کے سارے افعال کے ساتھ یا صرف اس رمی کے ساتھ مختص کیا تو انہوں نے متضاد قول کیا۔ لہٰذا رب تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا مفہوم سمجھنے کی انہیں توفیق نہیں دی۔ یہ امر مشہور ہے کہ انسان کی طرف سے پھینکنا یوں نہیں ہو سکتا۔ اس پھینکنے کی ابتداء آپ سے ہوئی تھی اور اس کی انتہا رب تعالیٰ سے ہوئی تھی وہ اس کا پہنچانا تھا۔ اس کی مثال رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: ''تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں۔''

رب تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ رب تعالیٰ نے خود ہی یہ سنگریزے ان کی آنکھوں تک پہنچائے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے نہیں۔ لیکن آیت طیبہ سے یہ اشارہ دے دیا کہ اس نے ایسے اسباب قائم فرمائے ہیں جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہزیمت، قتل، نصرت اسی کی طرف اور اسی سے منسوب ہے وہ مددگاروں میں سے بہترین مددگار ہے۔

۱۲ سدی، عروہ، قتادہ، مجاہد، محمد بن کعب القرظی، محمد بن قیس، ابن زید وغیرہم نے لکھا ہے''یہ آیت طیبہ غزوۂ بدر کے بارے نازل ہوئی حضور اکرم ﷺ نے یہ عمل مبارک غزوۂ حنین میں بھی کیا تھا۔''

۱۳ حدیث پاک میں ہے کہ آپ نے غزوۂ بدر کے واقعہ کے ایک یا زیادہ دن پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں اس جگہ گرے گا۔ فلاں اس جگہ گرے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اسی روز فرمایا تھا۔ الہدایۃ میں ہے: ''اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ آپ نے ایک روز قبل یا زیادہ روز قبل یوں فرمایا ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ایک ساعت قبل یوں فرمایا تھا۔''

حضرات عمر فاروق، ابوطلحہ، ابن مسعود، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب مسلمانوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ مردوں سے کیسے مخاطب ہو رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔" تین پہلے صحابی تو اس واقعہ کے شاہد ہیں انہوں نے یہ فرمان حضور اکرم ﷺ سے سنا تھا جبکہ حضرت عبداللہ نے یہ فرمان اپنے والد گرامی یا حضور اکرم ﷺ سے سنا ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ اسی طرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو۔ لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔"

لیکن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار کیا ہے جب ان تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پہنچی تو انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اب مشرکین کو علم ہو گیا ہے کہ جو میں انہیں کہتا تھا وہ حق ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی دلیل پکڑی ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ (فاطر: ۲۲)

ترجمہ: "اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔"

اسی وجہ سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا رد کیا تھا۔ لیکن جمہور علماء کرام نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ دیگر صحابہ کرام نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جو ام المومنین نے آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔ ان کے جواب میں علماء نے فرمایا: "اس کا معنی ہے کہ آپ انہیں اس طرح سماع نہیں کرا سکتے جو انہیں نفع دے۔ آپ انہیں صرف اس وقت سنا سکتے ہیں جب رب تعالیٰ چاہے۔" اسماعیلی نے لکھا ہے "ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس فہم و ذکاء، کثرت روایت اور علم گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی وہ خوبی ہے جو کسی اور میں نہیں۔ لیکن ثقہ کے کلام کو صرف ایسی نص سے رد کیا جا سکتا ہے جو اس کے نسخ پر دلالت کرے۔ تا اس کو مخصص کر دے یا اسے محال کر دے۔ جو وہ انکار کر رہی ہیں اور دوسرے صحابہ کرام جو ثابت کر رہے ہیں انہیں جمع کرنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان "انك لا تسمع الموتی" حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے "وہ اب سن رہے ہیں" کیونکہ اسماع سے مراد مسمع سے آواز سامع کے کانوں تک پہنچانا ہے۔ رب تعالیٰ انہیں سناتا ہے۔ اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کی آواز پہنچائی تھی۔ یہ جواب کہ آپ نے فرمایا تھا: "وہ ضرور جانتے ہیں۔" اگر انہوں نے یہ سنا تھا تو یہ یسمعون والی روایت کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کی تائید کر رہی ہے امام بیہقی نے لکھا ہے: "علم سماع کے منافی

نہیں ہے آیت طیبہ کا جواب یہ ہے کہ آپ مردہ حالت میں انہیں نہیں سنا سکتے۔ بلکہ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کا فرمان سن لیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔

جو کچھ امام سہیلی نے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے: ''اس واقعہ میں جو امر خرق عادت چیز پر دلالت کرتا ہے وہ صحابہ کرام کی آپ سے یہ گزارش ہے'' کیا آپ ایسی قوم سے مخاطب ہو رہے ہیں جو مردار بن چکے ہیں۔'' آپ نے انہیں مذکورہ بالا جواب دیا۔ جب یہ جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے ہوں تو وہ اس حالت میں سننے والے بھی ہوں گے۔ یہ سماعت اکثر علماء کے نزدیک ان کے سر کے کانوں سے تھی یا دل کے کانوں سے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو اس آیت طیبہ سے استدلال کیا ہے۔

مَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴿۲۲﴾

یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی مانند ہے۔

اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِی الۡعُمۡیَ۔ (الزخرف: ۴۰)

ترجمہ: ''کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو۔''

یعنی رب تعالیٰ کی ذات ہے جو ہدایت دیتی ہے وہ توفیق دیتی ہے وہ نصیحت کو قلوب کے کانوں تک پہنچاتی ہے۔ آپ نہیں۔ اس نے کفار کو اموات اور بہرے مردوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت میں سناتا ہے۔ جب وہ چاہتا ہے۔ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور اس آیت کا اس موضوع کے ساتھ دو اعتبار سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱) یہ مشرکین کو ایمان کی طرف بلانے کے بارے میں ہے۔ (۲) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی ہے کہ انہیں سنائیں۔ رب تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ وہ جب چاہے صرف وہی سنا سکتا ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۵ عجیب و غریب بات وہ ہے جسے ابن اسحاق نے یونس بن بکیر کی سند سے نقل کیا ہے۔ وہ جید سند سے ہے۔ وہ روایت حضرت ابوطلحہ کی روایت کی مانند ہے۔ اس میں ہے: ''آپ انہیں زیادہ سنانے والے نہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔'' اس روایت کو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اگر یہ محفوظ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انکار سے رجوع کر لیا تھا۔ جب ان کے ہاں مذکورہ صحابہ کرام کی روایات ثابت ہو گئیں کیونکہ وہ اس غزوہ کے وقت موجود نہ تھیں۔

۱۶ الروض الانف میں ہے'' اگر کہا جائے کہ مشرکین کی لاشوں کو کنوئیں میں کیوں پھینکا گیا۔ فقہ کے اعتبار سے یہ کیسے

درست ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ غزوات میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ جب کسی انسان کی لاش کے پاس سے گزرتے جو اسے دفن کرنے کا حکم دے دیتے اس کے بارے سوال نہ کرتے کہ وہ مؤمن ہے یا کافر ہے۔ (دارقطنی نے اپنی سنن میں اسی طرح روایت کیا ہے) کنویں میں لاشوں کے پھینکنے کا تعلق اسی باب کے ساتھ ہے۔ لیکن آپ نے یہ ناپسند فرمایا کہ زیادہ لاشوں کی وجہ سے صحابہ کرام کسی مشقت میں پڑیں۔ کہ وہ انہیں دفن کرنے لگیں۔ کنویں کے پاس انہیں کھینچ کر لانا بہت آسان تھا۔ اس کنویں کو بنونار کے ایک شخص نے کھودا تھا اس کا نام بدر تھا۔ یہ ان کے لیے پہلے ہی بدشگونی تھی جیسے امام واقدی نے لکھا ہے۔

◆ علامہ ابن مرزوق نے شرح البردہ میں لکھا ہے "غزوہ بدر کی بقیہ علامات میں سے جو علامت ہے جسے میں نے کئی حاجیوں سے سنا ہے کہ وہ جب اس جگہ سے گزرتے ہیں تو ایسی آواز سنتے ہیں گویا کہ دقت کے بادشاہ کا طبل بج رہا ہو۔ وہ اسے اہلِ ایمان کے لیے نصرت سمجھتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ اس کا انکار کر دیا۔ بعض دفعہ اس کی تاویل کی۔ میں نے کہا کہ یہ جگہ سخت ہے جانوروں کے پاؤں کی بازگشت سنائی دیتی ہوگی۔ مجھے بتایا گیا کہ وہاں ریت نرم ہے۔ سخت نہیں ہے۔ اکثر وہاں اونٹ چلتے ہیں۔ ان کے پاؤں تو سخت زمین میں آواز نہیں نکالتے نرم زمین میں کیسے آواز نکالیں گے۔" پھر جب رب تعالیٰ نے مجھے اس جگہ جانے کی توفیق بخشی تو میں اپنی سواری سے اتر گیا۔ میں پیدل چلنے لگا۔ میرے ہاتھ میں سعدان کے درخت کی لمبی سی شاخ تھی جسے ام غیلان کہا جاتا تھا۔ میں یہ خبر بھول چکا تھا جو کبھی سنا کرتا تھا۔ میں دوپہر کے وقت چل رہا تھا۔ مجھے اچانک اعرابیوں کے ایک غلام نے متوجہ کیا اس نے کہا: "کیا اس طبل کی آواز سن رہے ہو؟" یہ سن کر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ مجھے وہ کچھ یاد آگیا جو مجھے بتایا گیا تھا۔ ہوا میں خوشبو تھی۔ میں طبل کی آواز سن رہا تھا۔ میں فرحت و ہیبت کی وجہ سے مدہوش تھا۔ بخدا! مجھے ذرا شک ہوا۔ اس نے کہا: "شاید ہوا اس چھڑی سے ٹکرا رہی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اور وہ آواز پیدا کر رہی ہے۔ میں اس عظیم نشانی کی تحقیق کا حریص تھا۔ میں نے ہاتھ سے وہ لکڑی پھینک دی۔ میں زمین پر بیٹھ گیا۔ میں کھڑا ہو گیا میں نے سارے انداز ے اپنائے۔ میں نے یوں طبل کی آواز سنی کہ مجھے کوئی شک نہ رہا کہ وہ طبل ہی کی آواز تھی۔ وہ کسی کنارے سے آ رہی تھی۔ ہم مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر تھے۔ پھر بدر میں فروکش ہوئے۔ میں وہ آواز یکے بعد دیگرے سارا دن سنتا رہا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ وہ آواز سارے نہیں سن سکتے۔"

امام جرجانی نے لکھا ہے "بدر میں نصرت کا طبل بجایا گیا وہ روزِ حشر تک بجایا جاتا رہے گا۔" سید نے یہ قول اپنی تاریخ الکبیر والصغیر میں نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔"

18- صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمان بن عوف سے مروی ہے کہ ابوجہل کو حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معاذ بن عمرو نے قتل کیا تھا۔ معازی میں ہیں یہ دونوں عفراء کے فرزند تھے ان کے نام معاذ اور معوذ تھے۔

الحافظ نے لکھا ہے "عفراء حضرت معاذ کی والدہ کا نام تھا ان کے والد کا نام حارث تھا۔ جبکہ حضرت معاذ بن عمرو کی والدہ کا نام عفراء نہیں تھا۔ تغلیباً ان پر اس کا اطلاق ہوتا تھا یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت معوذ کی والدہ کا نام بھی عفراء ہو۔ حضرت معوذ کے بھائی کا نام بھی معاذ تھا۔ راوی نے یہی سمجھا ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے میں یہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ شامل تھے۔

19- ابوجہل کے قاتل میں اختلاف ہے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان سے روائیت ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو اور حضرت معاذ بن عفراء نے ابوجہل کو قتل کیا تھا۔ اس میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود ابوجہل کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ قریب الموت تھا۔ اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ عفراء کے فرزند حضرت معاذ اور معوذ ہی تھے۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح نے ابوجہل کے ضرب کاری لگائی جس سے اس کا قدم کٹ گیا۔ پھر حضرت معاذ بن عفراء اس کے پاس سے گزرے اسے تلوار ماری حتیٰ کہ اس میں زندگی کی رمق باقی رہ گئی۔ پھر حضرت ابن مسعود اس کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس کا سر قلم کر دیا۔

20- اسلام میں سب سے پہلے رب تعالیٰ کے دشمن ابوجہل کا سر اٹھایا گیا۔ اسی طرح سفیان بن خالد العزی کا سر اٹھا کر آپ کی طرف لایا گیا۔ یہ سر حضرت عبداللہ بن انس لے کر آئے تھے۔ اسی طرح کعب بن اشرف کا سر بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اسی طرح ابوعزہ اور مرحب کا سر بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اسی طرح عصماء بنت مروان، رفاعہ بن قیس یا قیس بن رفاعہ کا سر اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سب سے پہلے مسلمان حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ کا سر اٹھایا گیا۔ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام زہری سے روایت کیا ہے کہ ان کا سر نہیں اٹھایا گیا۔

21- قتیلہ بنت نضر کے اشعار آپ نے سنے تو آپ نے فرمایا: "اگر اسے قتل کرنے سے قبل اس کے اشعار مجھ تک پہنچ جاتے تو میں اسے قتل نہ کرتا۔" ابوعمر نے لکھا ہے کہ یہ ندامت کے مفہوم میں نہیں ہے کیونکہ آپ صرف حق بات کرتے اور حق کام کرتے تھے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ان اشعار کے ذریعے میرے ہاں اس کی سفارش کرتی تو میں اس کی سفارش قبول کر لیتا۔

22- ابوالفتح نے لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس نے کسی کو قتل کیا اس کا سامان اسی کے لیے ہے۔" آپ

نے یہ غزوۂ حنین کے روز فرمایا تھا۔ اس میں کئی اعتبار سے اعتراض کی گنجائش ہے۔ (۱) امام مسلم نے حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے: ''میں نے کہا: 'اے خالد! کیا تمہیں علم نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: 'جو کسی کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کو ملے گا۔'' اس میں ہے کہ یہ غزوۂ موتہ کی بات ہے۔ یہ حنین سے قبل رونما ہوا تھا۔

- تفسیر بغوی میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے غزوۂ بدر کے روز سعید بن عاص کو قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ وہ عاص بن سعید بن عاص تھا۔ مقتولین بدر میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جسے سعید بن عاص کہا جائے۔ حضرت سعید بن عاص صحابی رسول تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ظاہری زندگی کے نو سال پائے وہ ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ اس کے باپ کو حضرت المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں واصل جہنم کیا تھا۔ یہ سعید بنو امیہ کے سرداروں میں سے تھے۔ یہ ان کے فصیح اور سخی لوگوں میں سے تھے۔ یہ ان کاتبین میں سے ایک تھے جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے مصاحف لکھے تھے۔ انہوں نے انہیں کوفہ کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے جرجان پر حملہ کیا۔ طبرستان پر حملہ کیا۔ یہ دونوں شہر فتح کیے اور فتنے کے ایام میں گھر کو لازم پکڑ لیا۔

- امام بخاری نے شہدائے بدر کی فضیلت میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یارسول اللہ! آپ مسلمانوں میں سے اہلِ بدر کو کیسے سمجھتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''سارے مسلمانوں سے افضل۔'' انہوں نے عرض کی: ''جن ملائکہ نے اس غزوہ میں شرکت کی ہے ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔''

امام احمد نے اس سند سے روایت کیا ہے جو صحیح مسلم کی شرط پر ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جن حضرات قدسیہ نے غزوۂ بدر یا صلح حدیبیہ میں شرکت کی۔ ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔''

امام احمد، اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل یا کوئی اور فرشتہ آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کی: ''آپ ان مسلمانوں کو کیسے سمجھتے ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔'' آپ نے فرمایا: ''ہم میں سے بہترین۔'' اس نے عرض کی: ''ان ملائکہ کی بھی یہی کیفیت ہے جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی۔''

- ابوالفرج ابن جوزی نے جامع المسانید میں لکھا ہے ''مسند احمد میں اسی طرح ہے ظاہر یہی ہے کہ یہ غلطی ہے جو بعض راویوں سے سرزد ہوئی ہے وہ رافع بن رافعہ کی روایت ہے رافع بن خدیج کی روایت نہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ

ابن خدیج نے یہ روایت حضور اکرم ﷺ سے سنی ہو۔

ابو داؤد، ابن ماجہ اور الطبرانی نے جید سند سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔''

امام احمد نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا: مجھے امید ہے کہ جن حضرات نے غزوۂ بدر یا صلح حدیبیہ میں شرکت کی ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔''

انہوں نے عرض کی: ''کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں؟''

وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم:۷۱)

ترجمہ: ''تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا میں نے آپ سے سنا آپ فرما رہے تھے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ (مریم:۷۲)

ترجمہ: ''پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔''

امام مسلم، امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حاطب کا غلام بارگاہِ رسالت مآب میں حضرت حاطب کا شکوہ لے کر حاضر ہوا۔ اس نے کہا: ''یا رسول اللہ! حاطب آگ میں جائے گا۔'' آپ نے فرمایا: ''تو نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ آگ میں نہیں جائے گا۔ اس نے غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔'' صحیح میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت حاطب کے خط کے بارے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اجازت دیں میں حاطب کا سر قلم کر دوں۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا وہ اہلِ بدر میں سے نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر نظرِ کرم فرمائی اور فرمایا: ''جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔'' یا ''تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی ہے۔''

الطبرانی نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے اگر کوئی بچہ پیدا ہو وہ اہلِ دین میں سے چالیس سال کی فہم و فراست رکھتا ہو۔ وہ ساری زندگی اطاعت الٰہیہ میں مصروف رہے۔ ساری زندگی گناہوں سے بچتا رہے۔ حتیٰ کہ وہ عمر رسیدہ ہو جائے۔ وہ علم کے بعد کچھ نہ جان سکے۔ وہ تمہاری اس رات کے اجر و ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔'' اس سند کے راوی ثقہ ہیں سوائے جعفر بن مقلاص کے وہ غیر معروف ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے روز زخم آیا۔ ان کی والدہ ماجدہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے حارثہ سے کتنا پیار تھا آپ جانتے ہیں۔ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی۔ حصولِ اجر کی امید رکھوں گی۔ اگر وہ کسی اور حالت پر ہو تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں''۔ آپ نے فرمایا: ''کیا جنت صرف ایک ہی ہے۔ بہت سی جنتیں ہیں۔ حارثہ جنت الفردوس میں ہے''۔ دوسری روایت میں ہے ''حضرت حارثہ منظر دیکھ رہے تھے''۔ اس روایت میں ہے ''تمہارا فرزند فردوس اعلیٰ میں ہے''۔ اس روایت میں اہلِ بدر کی فضیلت پر بہت بڑی تنبیہ ہے۔ یہ حارثہ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ اور معرکۂ قتال میں نہیں تھے۔ بلکہ دور سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں کسی کا تیر لگا۔ وہ حوض سے پانی پی رہے تھے انہوں نے جنت الفردوس میں مقام پالیا جو بلند ترین یا وسطی جنت ہے۔ اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا تھا۔ ''جب جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو''۔ اگر حارثہ کا یہ حال ہے تو اس شخص کی کیفیت کیا ہوگی جو اس دشمن کے مابین ہو جو تعداد اور تیاری میں اس سے تین گنا ہوں۔

اعملوا ما شئتم۔ (فصلت:۴۰) سے ایک مشکل پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ یہ اباحت کے لیے ہو۔ لیکن یہ شریعت مطہرۃ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ماضی کے بارے بتانا مقصود ہے کہ تمہارے سارے اعمال معاف کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ اگر وہ مستقبل میں کوئی فعل سرانجام دیں تو اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ اس لیے آپ نے فرمایا: ''میں عنقریب تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا''۔ لیکن اس کا تعاقب یوں کیا گیا ہے کہ اگر اس سے ماضی مراد ہوتا تو حضرت حاطب کے قصہ سے استدلال کرنا درست نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انکار کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا جو انہوں نے حضرت حاطب کے بارے کہا تھا۔ جبکہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے سات سال بعد پیش آیا تھا۔ اس کی مراد عنقریب آئے گی۔

اس کے تحقق پر مبالغہ کرتے ہوئے اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر کیا ایک قول یہ ہے کہ اس میں ''اعملوا'' شرف اور تکریم کے لیے ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو کچھ ان سے صادر ہو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ انہیں اس امر کے ساتھ اس لیے مختص کیا گیا کیونکہ انہیں ایسے عظیم حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کا تقاضا تھا کہ ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں۔ وہ اس امر کے اہل ہیں کہ ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں اگر ان سے گناہوں کا صدور ہو یعنی تم اس

واقعہ کے بعد جو بھی گناہ کرلو وہ بخش دیا جائے گا۔ایک قول یہ ہے کہ ان سے جو گناہ صادر ہوں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ ان سے گناہ کا صدور نہیں ہوگا لیکن اس مؤقف میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔کیونکہ حضرت قدامہ بن مظعون نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تاویل کرتے ہوئے شراب پی تھی۔انہوں نے ان پر حد جاری کی۔اسی وجہ سے انہوں نے ہجرت کی۔حضرت عمر فاروق نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان کے مصالحت کرنے کا حکم دے رہا تھا۔جبکہ حضرت قدامۃ بدری صحابی تھے۔اس قصہ سے جو امر سمجھا جاتا ہے وہ دوسرا احتمال ہے۔ابوعبدالرحمان سلمی تابعی کبیر نے یہی مفہوم سمجھا ہے۔انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ مذکورہ بشارت کا تعلق احکامِ آخرت کے ساتھ ہے۔احکامِ دنیا حدود وغیرہا کے ساتھ تعلق نہیں۔

انصار کا قول ''ہمیں اجازت دیں ہم اپنے بھانجے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔'' مراد یہ ہے کہ وہ آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننھال تھے۔حضرت عباس کی والدہ نتیلہ بنت جناب تھی۔وہ انصار میں سے نہ تھی۔انہوں نے عبدالمطلب کی والدہ مراد لی تھی۔کیونکہ وہ سلمی بنت عمرو تھیں ان کا تعلق بنو نجار سے تھا۔انہوں نے ''بھانجا'' اسی لیے کہا تھا تا کہ انہیں چھوڑنے کا احسان انہی پر ہو۔اگر وہ ''آپ کے چچا'' کہتے تو یہ آپ پر احسان ہوتا۔یہ ذہانت اور خطاب میں حسن ادب کا کمال ہے۔حضور اکرم ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔تا کہ دین میں طرف داری نہ ہو۔

جن حضرات قدسیہ نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ان میں سے مہاجرین کی تعداد ۹۴ تھی۔امام بخاری نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ قریش میں سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے لیے حضور اکرم ﷺ نے حصہ نکالا تھا ان کی تعداد ۸۱ تھی۔حضرت عروہ بن زبیر کہتے تھے ''حصے نکالتے وقت ان کی تعداد ایک سو تھی۔آزاد صحابہ کرام ۸۴ تھے۔ان کے پاس تین گھوڑے تھے۔آپ نے گھوڑوں کے لیے دو حصے نکالے تھے۔آپ نے ان صحابہ کرام کے لیے بھی حصے نکالے تھے اس اعتبار سے ان کی تعداد ایک سو ہوگئی۔

الحافظ نے لکھا ہے ''اس میں کوئی حرج نہیں۔میرے لیے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ یہ خمس کے اعتبار سے ہے۔آپ نے غنیمت میں خمس نکالا۔پھر بقیہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔بقیہ اسی حصے تھے۔جب اس کے ساتھ خمس ملایا گیا اس حساب سے ان کی تعداد ایک سو ہوگئی۔'' خزرج میں سے یہ تعداد ۹۵ تھی۔اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔وہ جنگ کے وقت زیادہ شدید اور صبر کرنے والے تھے۔کیونکہ ان کے گھر بالائی علاقے میں تھے۔آدمی جلدی آسکتا تھا۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے پیچھے صرف وہی آئے جس کی سواری موجود ہو۔'' مدینہ طیبہ کے بالائی علاقوں

کے مکینوں نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ جا کر سواریاں لے آئیں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ان کا عزم نہ تو دشمن سے نبرد آزما ہونا تھا۔ نہ ہی انہوں نے اس کے لیے تیاری کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے دشمن کو کسی وعدہ کے بغیر ہی ملا دیا تھا۔ ان کی مجموعی تعداد ۳۱۷ بیان کی گئی ہے۔ یہ تعداد اہل بدر کی تعداد سے زیادہ ہے۔ یہ اس اختلاف کی وجہ سے ہے جس کا تذکرہ بعض نے کیا ہے۔ اہلِ عقبہ میں ان کی مثال گزر چکی ہے۔ میں ان کے اسماء گرامی حروف تہجی کے اعتبار سے لکھوں گا۔ کیونکہ اس طرح انہیں تلاش کرنا آسان ہے۔ ہم "نبی کریم، رؤف رحیم حضرت محمد مصطفی ﷺ سے ابتداء کرتے ہیں۔"

حرف الف

ابی بن کعب بن قیس، ابوالمنذر، ابوالطفیل، سید القراء۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا "ابومنذر! تمہیں علم مبارک ہو۔" آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پاک سناؤں۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں سید المسلمین کہتے تھے۔ مسروق نے انہیں چھ نوجوانوں میں شمار کیا ہے۔ محمد بن عمر اسلمی نے کہا: "سب سے پہلے انہوں نے ہی حضور اکرم ﷺ کے لیے لکھا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے فلاں بن فلاں سے لکھا تھا۔ ان سے حضرات عمر فاروق، ابوایوب، عبادہ بن صامت، ابوموسیٰ الاشعری، ابن عباس، ابوہریرۃ اور انس بن مالک وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے مشکلات اور مصائب کے بارے پوچھتے تھے اور بعض مقدمات میں ان سے مشاورت لیتے تھے۔ حضرت ابی بن ثابت الانصاری۔ یہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ابن السکن، واقدی اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ ابوشیخ تھے۔ ابن اسحاق نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے: "ابی بن ثابت زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے۔ جو غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شامل ہوئے وہ ابوشیخ بن ابی بن ثابت تھے۔ ابن عقبہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔ ابی بن معاذ بن انس ان کے بارے امام واقدی نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ احنس بن حبیب، اربد بن جبیر، ارقم بن ابی ارقم، اسعد بن یزید۔ ابن اسحاق نے انہیں سعد بن زید لکھا ہے۔ اسید بن ثعلبۃ، اسید بن حضیر، ان کا تذکرہ ابن الکلبی نے کیا ہے لیکن اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اسیر بن عمرو، امیہ بن لوذان۔ بعض نے ان کا نام ثابت بن ہزال لکھا ہے۔ انس بن قتادہ انصاری۔ بعض نے ان کا نام انیس لکھا ہے۔ انس بن مالک۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے خادم تھے۔ لیکن یہ قتال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ انس بن ابی انس، انس بن معاذ، بعض نے ان کا نام انیس لکھا ہے۔ انسہ۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے خادم تھے۔ ان کی کنیت ابومسروح تھی۔ انیس بن قتادہ، انیف بن جشم، اوس بن ثابت۔ یہ حضرت حسان کے بھائی تھے، اوس بن

خولی انہیں اوس بن عبداللہ بھی لکھا گیا ہے۔اوس بن صامت، ایاس بن اوس، ایاس بن بکیر۔

حرف الباء

براء بن معرور، بُجیر بن ابی بُجَیر، بحاث بن ثعلبہ بلوی، ابن اسحاق نے ان کا نام مجّاب لکھا ہے۔بسبسہ۔دارقطنی اور ابن ماکولا نے انہیں بسبس لکھا ہے امام نووی لکھتے ہیں سارے نسخوں میں یہ بسبسہ ہے۔یہ ان عمرو الجُنی ہیں۔بشر بن براء۔ بشیر بن عبدالمنذر۔ابولبابہ ان کا نام رفاعۃ بھی بتایا جاتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے انہیں روحاء کے مقام سے واپس کر دیا تھا۔ مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ان کے لیے مال غنیمت میں سے حصہ نکالا تھا اور اجر و ثواب کی بشارت دی تھی۔بلال بن رباح، بلال بن حمامہ بھی کہا جاتا ہے۔حمامہ ان کی والدہ کا نام تھا۔

حرف التاء

تمیم بن عمرو، ابوعمر نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی گرفت کی گئی ہے۔تمیم بن یعار، تمیم یہ بنوغنم کے غلام تھے۔ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ حضرت سعد بن خیثمہ کے غلام تھے۔حضرت سعد کا تعلق بنوغنم سے تھا۔

حرف الثاء

ثابت بن اقرم، ثابت بن ثعلبہ، ثابت بن حارث، ثابت بن حسان، ثابت بن خالد، ثابن بن خنساء، ثابت بن ربیعہ، ثابت بن عامر۔ان کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے کیا ہے ابوعمر نے ان کی اتباع کی ہے۔لیکن اسے وہم کہا گیا ہے۔صحیح روایت کے مطابق وہ ثابت بن عمرو ہیں۔ثابت بن عبید، ثابت بن ھزال، ثابت مولی اخنس۔عبدان نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ثعلبہ بن حاطب۔علماء نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شامل کیا ہے۔ابن کلبی نے لکھا ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے۔علماء کی ایک جماعت نے اس کے قصہ میں کثیر مال کی تمنی اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا قصہ لکھا ہے۔الحافظ نے الاصابۃ میں ثعلبہ بن حاطب کے عنوان کے تحت یہ داستان لکھی ہے۔ابن اسحاق نے اس کا ذکر مسجد ضرار بنانے والوں میں کیا ہے۔الحافظ نے لکھا ہے: "میرے خیال میں یہ وہ ثعلبہ نہیں ہے جس کی داستان معروف ہے۔یہ بدری صحابی ہیں ابن کلبی نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ بدری صحابی غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔اس کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے جس روایت کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ مذکورہ آیت

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ (التوبہ:۷۵)

ترجمہ: "اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ کے ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو

ہم دل کھول کر خیرات دیں گے۔"

جس شخص کا تذکرہ ہے۔اسے ثعلبہ بن حاطب کہا جاتا تھا۔ یہ مجلس میں آیا۔صحابہ کرام کو گواہ بنایا کہ اگر رب تعالیٰ نے مجھے مال دیا تو میں ضرور صدقہ کروں گا...... حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شرکت والوں میں سے کوئی بھی آگ میں نہ جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"جو تم چاہو کرو۔میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" جسے یہ ثواب نصیب ہو رہا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نفاق ڈال دے۔اور اس کے بارے وہ آیات طیبات نازل کرے۔جو اس نے کیں۔ظاہر یہی ہے کہ وہ کوئی اور ثعلبہ ہے۔

ثعلبہ بن جذع ،ثعلبہ بن غنمہ ،ثعلبہ بن قیظی ،ثقف بن عمرو۔امام واقدی نے اسے ثقاف لکھا ہے۔ثمامہ بن عدی۔ الطبری نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔

حرف الجیم

جابر بن خالد ،جابر بن عبد اللہ بن رئاب۔جابر بن عبد اللہ بن حرام۔امام بخاری نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا:"میں غزوۂ بدر میں اپنے ساتھیوں کو پانی پلاتا تھا۔" امام واقدی نے ابو سفیان کی حضرت جابر سے اس روایت کا انکار کیا ہے۔امام مسلم نے حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا:"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انیس غزوات میں شرکت کی۔لیکن میں غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکا۔مجھے میرے والد گرامی نے روک کے رکھا۔جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی غزوہ میں بھی آپ سے پیچھے نہ رہا۔

جابر یا جبر بن عتیک۔جابر بن ابی صعصعۃ ،جاریہ بن حمیل یا جمیلہ بن نشبہ۔ان کا ذکر ابن کلبی نے کیا ہے۔جبار بن صخر۔ جبر بن انس ،انہیں الطبرانی نے نقل کیا ہے۔اصحاب مغازی نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شامل نہیں کیا۔انہوں نے جبیر بن ایاس کا ذکر کیا ہے۔جبلہ بن ثعلبہ ،عبید اللہ بن ابی رافع ،ابن الاثیر نے ان کا نام رخیلہ لکھا ہے۔جبیر بن ایاس ،جعفر بن ابی طالب۔انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت تو نہیں کی تھی۔لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ نکالا اور ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ کیا۔گویا کہ انہوں نے شرکت کی۔

حرف الحاء

حارث بن انس ،انیس انیس اور اوس بن رافع بھی لکھا گیا ہے۔حارث بن انس بن مالک ،حارث بن اوس بن رافع ،حارث بن اوس بن معاذ ،حارث بن حاطب بن عمرو۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روحاء کے مقام سے واپس کر دیا تھا۔

ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر وثواب کا وعدہ کیا۔ حارث بن حزمہ بن عدی۔ حارث بن حزمہ بن امیہ۔ حارث بن زیاد، حارث بن سراقہ۔ ان کا تذکرہ ابوالاسود نے کیا ہے۔

لیکن درست یہ ہے کہ یہ حارثہ بن سراقہ تھے۔ یہ بھی احتمال ہے یہ ان کا بھائی حارث ہو، حارث بن سلیم، حارث بن سواد، حارث بن صمد۔ روحاء کے مقام پر انہیں چوٹ آگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا۔ ان کے لیے مالِ غنیمت میں سے حصہ نکالا اور اجر وثواب کا وعدہ کیا، حارث بن ظالم، حارث بن عرفجہ، حارث بن قیس بن خلدہ، حارث بن قیس بن ھیشہ، حارث بن نعمان، حارث بن معاذ۔ یہ حضرت سعد کے بھائی تھے۔ حارثہ بن زید، ان کا ذکر مسیبی نے کیا ہے لیکن ابراہیم بن منذر نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے ان کا نام خارجہ لکھا ہے۔ حارثہ بن سراقہ، حارثہ بن نعمان، حاطب بن ابی بلتعہ، حاطب بن عمرو بن عبد شمس، حاطب بن عمرو بن عتیک، حباب بن قیظی، حباب بن منذر، جبیب بن اسلم، جبیب بن الاسود، جبیب بن خراش، جبیب بن سعد، یہ انصار کے غلام تھے۔ ابن عقبہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابوعمر نے ابن اسود لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جبیب بن اسلم ہے۔ یہ جشم بن جزرج کے غلام تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا یہ ایک ہے یا دو۔

حرام بن ملحان، جریث بن زید، حصین بن حارث، حمزہ بن عبدالمطلب، حمزہ بن الحمیرۃ۔

حرف الخاء

خارجہ بن زید، خالد بن بکیر، خالد بن زید، خالد بن عمرو، خالد بن قیس، خباب بن الارت، خباب مولی عتبہ بن غزوان، خبیب بن اساف، خبیب بن عدی، خداش بن قتادہ، خراش بن صمہ، خریم بن فاتک، خزیمہ بن اوس، خزیمہ بن ثابت، خلاد بن رافع، خلاد بن سوید، خلاد بن عمرو، خلاد بن قیس، خلید یا خلیدہ بن قیس، خلیفہ یا علیفہ بن عدی، خنیس بن حذافہ، خوات بن جبیر، خولی بن ابی خولی۔

حرف الذال

ذکوان بن عبد قیس، ذکوان بن عبید، ذوالشمالین بن عبد عمرو، بعض نے انہیں عمیر یا عمرو یا عبد عمرو لکھا ہے۔ کیا ان کے دو ہاتھ تھے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

حرف الراء

راشد بن معلّی، رافع بن جعدبۃ، رافع بن حارث، رافع بن زید، رافع بن سہل، رافع بن عنجدۃ، رافع بن مالک، رافع بن معلی، رافع بن یزید، ربعی بن ابی ربعی، ربعی بن عمر، ربیع بن ایاس، ربیعہ بن اکثم، رحیلہ بن ثعلبہ، رفاعۃ بن حارث، رفاعہ بن

رافع، رفاعہ بن عبد المنذر بن زنبر، رفاعہ بن عبدالمنذر، رفاعہ بن عمرو، رفاعہ بن عمرو الجہنی ۔ ابوعمر نے لکھا ہے کہ صحیح ودیعہ بن عمرو تھے ۔ ریاب بن حنیف ۔

حرف الزای

زاہر بن حرام، زبیر بن عوام، زیاد بن الاحرش ۔ ایک قول اس کے برعکس کا ہے ۔ ان کا نام نسر بن عمرو تھا ۔ زیاد بن السکن، زیاد بن کعب، زیاد بن لبید، زید بن اسلم، زید بن حارث، زید بن حارثہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام، زید بن خطاب؛ حضرت عمر فاروق کے بھائی ۔ زید بن سہل، ابوطلحہ انصاری، زید بن المزین، زید بن معلی، زید بن ودیعہ ۔

حرف السین

سلام بن عمیر، سالم بن عوف، سالم مولی ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سائب بن خلاد، سائب بن عثمان بن مظعون ۔ سائب بن عوام، سبرہ بن فاتک یہ خریم کے بھائی تھے ۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی ۔ سبیع قیس ابن عائشہ ۔ سراقہ بن عمرو، سراقہ بن کعب ۔ سعد بن ایاس، سعد بن خولہ، سعد بن خولی کلبی، سعد بن خیثمہ ۔ سعد بن ربیع ۔ سعد بن زید ایک قول کے مطابق سعید بن سہل اور دوسرے کے مطابق یہ سہل بن مالک ہیں ۔ سعد بن سعد بن مالک ۔ انہوں نے غزوۂ بدر کے لیے تیاری کی لیکن ان کا وصال ہوگیا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر کی بشارت دی ۔ سعد بن عبادہ ۔ اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی یا نہیں ۔ امام بخاری، ابن کلبی، امام واقدی اور مدائنی نے اثبات کیا ہے صحیح مسلم میں یہ وضاحت موجود ہے ۔ سعد بن عبید، سعد بن عثمان، سعد بن عمیر، سعد بن الفاکہ، سعد بن مالک بن احیب، سعد بن مالک بن خالد ۔ انہوں نے غزوۂ بدر کے لیے تیاری کی ۔ وہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے اور وصال کر گئے ۔ آپ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر وثواب کا مژدہ سنایا ۔ سعد بن معاذ بن نعمان، سعد بن نعمان، سعد یا سعید بن سہل بن مالک، سعد بن عتبہ بن غزوان، سعید بن زید ۔ یہ شام سے واپس آئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپس تشریف لا چکے تھے ۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کو شام کی طرف مختلف خبروں کے لیے بھیجا تھا ۔ ان کے واپس آجانے کے بعد جنگ ختم ہو چکی تھی ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا حصہ نکالا ۔ سعید بن قیس بن صخر، سفید بن بشیر، سلمہ بن اسلم بن حریس، سلمہ بن ثابت بن وقش، سلمہ بن سلامہ بن وقش، سلیط بن قیس، سلیم بن حارث، سلیم بن عقرب، سلیم بن قیس بن فہد، سلیم بن ملحان ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام سلیم ابوکبشہ، سماک بن خرشہ، سماک بن سعد، سنان بن صیفی ۔ ابن ابی حاتم نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شمار کیا ہے ۔ ابن اسحاق نے انہیں ابوسنان بن صیفی لکھا ہے ۔ سنان بن ابی سنان وھب بن محصن ۔ یہ

حضرت عکاشہ کے بھتیجے تھے۔سہل بن حنیف، سہل بن رافع، سہیل بن عتیق سہل بن قیس، سہل بن عدی، سہیل بن بیضاء، سہیل بن رافع، سہیل بن قیس، سوار بن رزین۔ابن اسحاق نے انہیں سواد بن زریق لکھا ہے۔سواد بن عزیہ، سوبیط بن حرملہ، سوید بن مخشی۔

حرف الشین

شجاع بن وھب، انہیں ابن ابی وھب بھی کہا جاتا ہے۔شریک بن انس، حضور اکرم ﷺ کے خادم شقران۔

حرف الصاد

صامت کے غلام حبیب بن خراش، عاص بن امیہ کے غلام صبیح، یہ کسی مرض کی وجہ سے واپس آگئے تھے۔صخر بن امیہ، صفوان بن عمرو، صفوان بن وھیب، صہیب بن سنان بن مالک، صیفی بن سواد۔

حرف الضاد

الضحاک بن حارثہ، ضحاک بن عبد عمرو، ضحاک بن قیس۔امام مسلم نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ابن عساکر کو ان کے بارے وہم ہوا ہے۔ضمرہ بن عمرو، ضمرہ بن کعب۔

حرف الطاء

طارق بن عبید، طفیل بن حارث، طفیل بن مالک، طلحہ بن عبید اللہ۔یہ عشرۃ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔حضور اکرم ﷺ نے انہیں شام بھیجا تھا۔تاکہ کارواں کی خبر لے کر آئیں۔یہ غزوۂ بدر کے بعد آئے۔حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر و ثواب کا وعدہ کیا۔طلحہ بن عمرو، طلیب بن عمیر یا عمرو۔

حرف الظاء

ظہیر بن رافع۔یہ حضرت رافع بن خدیج کے چچا تھے۔امام بخاری نے الصحیح میں لکھا ہے کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ان کے بھائی مظہر نے بھی شرکت کی تھی۔حافظ دمیاطی نے ان کا انکار کیا ہے۔لیکن جنہوں نے ان کا اثبات کیا ہے وہ زیادہ قوی ہیں۔اس میں زیادہ علم ہے۔

حرف العین

عاصم بن ثابت، عاصم بن عدی۔یہ غزوۂ بدر کے لیے گئے حضور اکرم ﷺ نے انہیں روحاء کے مقام سے واپس کر دیا۔آپ نے اہل عالیہ پر اپنا نائب مقرر کیا آپ نے ان کا حصہ نکالا اور اجر کا وعدہ کیا۔عاصم بن بکیر، عاقل بن قیس، عاقل بن

بکیر، عامر بن امیہ، عامر بن بکیر، عامر بن ثابت، عامر بن زہیر، عامر بن ربیعہ، عامر بن سعد، عامر بن سلمہ، عامر بن عبداللہ بن جراح۔ عامر بن عبداللہ، عامر بن عبد عمرو، عامر بن عکیر، مستغفری نے لکھا ہے کہ انہوں نے بدر میں شرکت کی تھی۔ معروف یہ ہے وہ عاصم بن عکیر تھے شاید یہ ان کے بھائی ہوں۔ عامر بن عوف، عامر بن فہیرۃ، حضرت ابوبکر صدیق کے غلام، عامر بن مخلد، عامر بن سکن۔ عائذ بن ماحص، عباد بن بشیر، عباد بن عبید، عباد بن قیس، عباد و بن خشخاش، عبادہ بن صامت، عبادۃ بن قیس، عبداللہ بن انیس جہنی، عبداللہ بن اوس، عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن جذ، عبداللہ بن جعفر طیار، حضور ﷺ نے ان کے لیے حصہ نکالا۔ اجر کا وعدہ کیا حالانکہ وہ حبشہ میں تھے۔ عبداللہ بن حذافہ، عبداللہ بن حمیر، عبداللہ بن حق، عبداللہ بن ابی خولی، عبداللہ بن ابی خیثمہ۔ عبداللہ بن ربیع۔ عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن زید، عبداللہ بن سراق، عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن سلمہ، عبداللہ بن سہل بن رافع۔ عبداللہ بن سہل بن زید، عبداللہ بن سہل بن عمرو۔ ہجرت حبشہ سے قبل انہوں نے اسلام قبول کیا۔ انہیں اذیتیں دی گئیں تو انہوں نے مرتد ہونے کا اظہار کیا۔ جب مشرکین غزوۂ بدر کی طرف نکلے تو یہ بھاگ کر مسلمانوں کی طرف چلے گئے اور غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ عبداللہ بن شریک، عبداللہ ابن طارق، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی۔ عبداللہ بن عبد مناف۔ عبداللہ بن عبس۔ عبداللہ تمیک بن قیس، عبداللہ بن عثمان، ابوبکر صدیق اکبر۔ عبداللہ بن عرفجہ۔ عبداللہ ابن عرحظہ۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام، عبداللہ بن عمیر۔ عبداللہ بن قیس بن خالد، عبداللہ بن قیس بن صخر، عبداللہ بن کعب بن عمرو۔ عبداللہ بن کعب بن زید۔ عبداللہ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ، عبداللہ ابن مزین، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن مظعون، عبداللہ بن نضلہ، عبداللہ بن نعمان۔ عبداللہ بن حیشہ، عبدالرحمان بن جبر، عبدالرحمان بن عبداللہ، عبدالرحمان بن عوف۔ عبد بن عامر، عبیدہ بن حسحاس بلوی عبس بن عامر، عبید بن اوس۔ عبید یا عتیک بن تیہان، عبید بن ثعلبہ، عبید بن زید، عبید بن ابی عبید، عبید بن السکن۔ عبیدہ بن حارث۔ عبیدہ بن ربیعہ۔ عتبان بن مالک، عتبہ بن ربیعہ، عتبہ بن عبداللہ، عتبہ بن غزوان، عتیک بن تیہان، عثمان بن حنیف۔ عثمان غنی بن عفان۔ یہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ و علیہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ رہ گئے تھے۔ آپ نے ان کے لیے حصہ نکالا اور اجر کا وعدہ کیا۔ عثمان بن عمرو، عثمان بن عمر، عثمان بن مظعون، عجلان بن نعمان، عدی بن خلیفہ، عدی بن ابی الزغباء۔ عصمہ بن حصین، عصمہ یا عصیمہ الاسدی بنو مازن کے حلیف، عصمہ یا عصیمہ بنو مالک کے حلیف، عطیہ بن نویرۃ۔ عقبہ بن حیس۔ عقبہ بن ربیعہ، عقبہ بن عامر، عقبہ بن عثمان، عقبہ بن عمرو۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ یہ بدر میں اترے۔ اس کی طرف منسوب ہوئے۔ امام بخاری نے یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے ان روایات سے دلیل پکڑی ہے جو صحیح میں ہیں جن میں سے بعض میں یہ تصریح ہے اور انہوں نے اس غزوہ مبارکہ میں شرکت کی تھی۔ ان میں سے ایک روایت عروۃ بن زبیر کی ہے۔ جو انہوں نے ابومسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت مغیرہ نے نماز عصر مؤخر کی۔ ان کے پاس عقبہ بن عامر آئے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں

شرکت کی تھی۔عبید بن سلام اور مسلم نے الکنی میں لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔متعدد روایات میں ہے کہ انہوں نے شرکت کی تھی۔قاعدہ یہ ہے کہ مثبت کو نافی سے مقدم کیا جائے گا۔عقبہ بن وھب بن ربیعہ،عقبہ بن وھب بن کلدہ،عکاشہ بن محصن،علی المرتضیٰ،عمار بن یاسر،عمارۃ بن حزم،عمارہ بن ابی حسن الانصاری۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے جسے ابن قانع اور ابن سکن نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ وہ بدری صحابی ہیں۔امام بغوی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔

عمارہ بن زیاد،عمر فاروق،عمرو بن انس،عمرو بن ایاس،عمرو بن ثعلبہ،عمرو بن جلاس،عمرو بن جموح،عمر یا عمیر بن حارث،عمرو بن خارجہ،عمرو بن ابی زھیر،عمرو بن سراقہ،عمرو بن ابی سرح،عمرو بن طلق،عمرو بن عبد عمرو،عمرو بن عقبہ،عمرو بن عمیر،عمرو بن عمرو،عمرو یا عمیر سہیل بن عمرو کے غلام،عمرو بن غنمہ،عمرو بن غزیہ،عمرو بن قیس،عمرو بن قیس بن خارجہ،عمرو بن قیس بن زید،عمرو بن مازن،عمرو بن معبد،عمرو بن معاذ،عمیر بن حارث،عمیر بن حرام،عمیر بن حمام،عمیر بن عامر بن مالک،عمیر بن عامر بن نابی،عمیر بن عبد عمرو،عمیر بن عوف،سہیل بن عمرو کے غلام،عمیر بن ابی وقاص،عنترہ بن عمرو سُلیم بن حدیدہ کے غلام،عوف بن اثاثہ،عوف بن حارث،عویم بن ساعدۃ،عویمر بن اشعر،عیاش بن ابی ربیعہ،عیاض بن زھیر۔

حرف الغین

غنام بن اوس۔

حرف الفاء

فاکہ بن بشر،فروہ بن عمرو۔

حرف القاف

قتادہ بن نعمان،قدامۃ بن مظعون،قطبہ بن عامر،قیس بن بکیر،قیس بن خالد،قیس بن ربیع،قیس بن سکن،قیس بن عبایہ،قیس بن عمرو،قیس بن ابی بن کعب،قیس بن محصن،قیس بن مخلد۔

حرف الکاف

کثیر بن عمرو سلمی،کعب بن جماز،کعب بن زید،کعب بن عامر،کعب بن عمرو،کناز بن حصین۔

حرف اللام

لبدۃ بن قیس بن نعمان۔

حرف المیم

مالک بن امیہ۔ مالک بن تیھان، مالک بن ثابت المزنی، مالک بن دخشم، مالک بن رافع۔ مالک بن ربیعہ، مالک بن رفاعہ، مالک بن عمرو بن ثابت، مالک بن عمرو بن سمیط، مالک بن عمیلہ، ابوعمر نے ابن عقبہ سے اسی طرح نقل کیا ہے الحافظ نے لکھا ہے کہ ان کا نام ان کے مغازی میں نہیں۔ نہ ہی ابن اسحاق، واقدی کے مغازی میں ہے۔ زبیر بن بکار نے انساب بنی عبدالدار میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کے اسلام کا تذکرہ نہیں کیا۔ چہ جائیکہ غزوۂ بدر میں اس کی شرکت کا تذکرہ ہو۔ مالک بن قدامہ، مالک بن مسعود، مالک بن غیلہ، مالک بن عبدالمنذر، مبشر بن عبدالمنذر، محرز بن عامر، محمد بن سلمہ، محمیہ بن جزء، مدلاج بن عمرو، مرارۃ بن ربیع الانصاری، مرثد بن ابی مرثد، مرۃ بن حباب، مسطح بن اثاثہ، مسعود بن اوس، مسعود بن ربیع، مسعود بن زید، مسعود بن سعد، مصعب بن عمیر، مضطجع بن اثاثہ، معاذ بن جبل، معاذ بن حارث، معاذ بن عمرو، معاذ بن ماعص۔ معبد بن عباد، معبد بن قیس، معبد بن وھب، معتب بن عبید، معتب بن عوف، معتب بن قشیر، معقل بن منذر، معمر بن حارث، معمر بن حبیب، معمر بن ابی سرح، معن بن عدی، معن بن یزید، معوذ بن حارث۔ معوذ بن عمرو، معیعیب ابن ابی فاطمۃ، مقداد ابن اسود، ملیل بن وبرۃ، منذر بن عمرو، منذر بن قدامہ، منذر بن محمد، مجمع حضرت عمر کے غلام۔

حرف النون

نضر بن حارث، نعمان بن اعرج، نعمان بن ثابت، نعمان بن خزیمہ، نعمان بن سنان، نعمان بن عبد عمرو، نعمان بن عصر، نعمان بن عمرو، نعمان بن قوقل، نعمان بن مالک، نعیمان بن عمرو بن رفاعۃ، نعیمان بن عمرو، نہیک بن تیھان، نوفل بن ثعلبہ، نوفل بن عبداللہ۔

حرف الھاء

ھانی بن نیاز، ھبیل بن وبرۃ، ھران بن عمرو، ھشام بن عتبہ، ھلال بن امیہ، ھلال بن ابی خولی، ھلال بن معلی، ھمام بن حارث۔

حرف الواو

واقد بن عبداللہ، ودقہ بن ایاس، ودیعہ بن عمرو، وھب ابن ابی سرح، وھب بن سعد، وھب بن کلدہ، وھب بن محصن ابن عبداللہ، وھب بن محصن ابوسنان اخو عکاشہ۔

حرف الیاء

یزید بن اخنس۔ یزید بن ثابت، یزید بن حارث، یزید بن حرام، یزید بن رقیش، یزید بن سکن، یزید بن عامر، یزید بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

کنیتیں

ابوالاعور۔ حارث بن ظالم، ابوایوب خالد بن زید، ابوبکر صدیق، عبداللہ بن ابی قحافہ، ابوالھارث بن قیس، ابوحبّہ عامر بن عبد عمرو۔ ابوحبہ ثابت بن نعمان۔ ابوحنہ ابن مالک بن عمرو، ابوحبیب ابن زید، ابوحذیفہ بن عتبہ، ابوالحسن الانصاری تیم بن عبد عمرو، ابوالحمراء مولی حارث بن رفاعۃ، ابوخارجہ عمرو بن قیس، ابوخالد بن حارث، ابوخزیمہ بن اوس، ابوداؤد عمرو یا عمیر بن عامر، ابودجانہ سماک بن خرشہ۔ ابوزعنہ عامر بن کعب بن عمرو، ابوسبرۃ بن ابی رھم، ابوالسبع بن عبدالقیس، ابوسفیان بن حارث، ابوسفیان بن وھب، ابوسلمہ بن عبدالاسد، عبداللہ بن ھلال، ابوسلیط انصار اسیر یا اسید یا اُنیس، ابوسنان بن صیفی، ابوشراک الفہری۔ عمرو بن ابی عمرو۔ ابوشیخ ابی۔ ابوصرمہ، ابوضیاح، ابوطلحہ زید بن سہل، ابوعبیدۃ عامر بن عبداللہ، ابوعقیل عبداللہ بن عبدالرحمان۔ ابوعمرو انصاری، ابوفضالہ انصاری، ابوقیس بن معلّی، ابوکبشہ، سلیم یا اوس یا سلمہ خادم رسول ﷺ ابولبابہ بن عبدالمنذر۔ ان کا نام بشیر تھا۔ انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا گیا۔ آپ نے انہیں مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا ان کا حصہ نکالا اور اجر کا وعدہ کیا۔ ابومحشی، ابومرثد کناز، ابومسعود البدری، عقبہ بن عامر، ابوملیل ابن الازعر بن زید، ابونملہ انصاری، ابوالھیثم بن تیھان مالک، ابویحییٰ عبداللہ بن کعب، ابوالیسر کعب بن عمرو۔

غزوۂ بدر کے بارے صحابہ کرام کے اشعار

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قصیدہ

الم ترا امرًا کان من عجب الدھر — و للحین اسبابٌ مبینۃ الامر

وما ذاک الا ان قومًا افادھم — فحانوا تواص بالعقوق و بالکفر

عشِيَّةَ راحوا نحو بدر بجمعهم — فكانوا رُهونًا للرَّكِيَّةِ من بدْرٍ

و كنا طلبنا العِيْرَ لم نَبْغِ غيرها — فثاروا الينا فالتقينا على قدَرٍ

فلما التقينا لم تكن مثنوية — لنا غير طعن بالمثُقّفة السمر

وَ ضربٍ ببيض يختلى الهام حَدّها — مُشَهّرة الالْوَانِ بَيِّنَةَ الاثر

و نحن تركنا عتبَة الغَيّ ثاوِيًا — و شيبَة فى قتلى تجَرْجَمُ فِيْ الجَفر

و عمرو ثوى فيمن ثوى من فما تهم — فشقت جيوب النالحات على عمرو

جيوب نساء من لوى بن غالب — كرام تفر عن الذوائب من فهر

اولئك قوم قتلوا فى ضلالتهم — و خلوا لواءً غير محتضر النصر

لواءَ ضلالٍ قاد ابليس اهله — فخاس بهم انّ الخبيث الى غدْرٍ

و قال لهم اذعاين الامر واضحا — برئت اليكم ما بى اليوم من صبر

فانى ارى ما لا ترون و انني — اخاف عقاب الله والله ذو قسر

فقدّمهم للحين حتى تورطوا — و كان بما لم يخبر القوم ذا خبر

فكانوا غداة البر الفا و جمعنا — ثلاث مئين كالمسدمة الزهر

وفينا جنود الله حين يمدنا — بهم فى مقام ثم مستوضح الذكر

فشد بهم جبريل تحت لواء نا — لدى مازقٍ فيه اياهم تجرى

ترجمہ: "کیا تم نے وہ معاملہ نہیں دیکھا جو زمانہ کے عجائب میں سے تھا موت کے بعض ایسے اسباب ہیں جن کا معاملہ عیاں ہوتا ہے۔ وہ واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک قوم کو کفر اور معصیت کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا وہ ہلاک ہو گئے۔ اس شام کے وقت جب وہ اپنا لشکر لے کر بدر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ وہ بدر کے کنوئیں میں ہمیشہ کے لیے رکھ دیئے گئے۔ ہم تو کارواں کی جستجو میں نکلے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی مدعا نہ تھا۔ وہ ہماری طرف روانہ ہوئے اور ایک مقدر پر ہم ایکدوسرے کے مقابلہ میں آگئے۔ جب ہم آمنے سامنے آگئے تو ہمارے لیے واپسی کی کوئی راہ نہ تھی۔ مگر گندم گو نیزوں کے ساتھ نیزہ زنی تھی۔ ان چمکدار تلواروں کے ساتھ وار کرنا تھا۔ جن کی دھاریاں کھوپڑیوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہیں جن کے رنگ اور جوہر عیاں ہوتے ہیں۔ ہم نے گمراہی کی دہلیز (عتبہ) کو زمین پر دے مارا شیبہ کو کنوئیں کے پاس بچھڑے ہوئے

مقتولین کے پاس چھوڑا۔ عمرو بھی ان لوگوں کے ہمراہ خاک میں مل گیا۔ جو ان کے ساتھی تھے اور خاک میں مل گئے تھے۔ لہٰذا اس پر نوحہ خوانی کرنے والی عورتوں کے گریبان چاک ہو گئے یعنی لوی بن غالب کی ان شریف عورتوں کے گریبان پھٹے تھے جو بنو فہر کی بلند مرتبت عورتوں سے بھی بلند مرتبت تھیں۔ یہ لوگ اپنی گمراہی میں مارے گئے تھے۔ وہ اپنے جھنڈے کو اس حال پر چھوڑ گئے تھے۔ تا دم مرگ اس کے پاس مدد نہ پہنچ سکی۔ گمراہی کا وہ جھنڈا جس کو اٹھانے والوں کی قیادت ابلیس نے کی شیطان نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا بلا شبہ وہ خبیث دھوکے کی طرف ہی لے جاتا ہے۔ جب اس نے فتح کا معاملہ واضح دیکھ لیا تو اس نے انہیں کہا میں تم سے بری ہوں۔ میں آج صبر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے۔ میں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں رب تعالیٰ قہر والا ہے۔ ابلیس مشرکین کو موت کے پاس لے کر آیا۔ حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے گرداب میں پھنس گئے۔ وہ خود تو علم رکھتا تھا۔ لیکن مشرک قوم اس سے آگاہ نہ تھی۔ جب مشرکین بدر کے کنویں پر پہنچے تو ان کی تعداد ایک ہزار تھے۔ جبکہ ہمارا لشکر تین سو افراد پر مشتمل تھا۔ مگر مسلمان سفید زاونٹوں کی طرح تھے۔ ہم میں رب تعالیٰ کے ایسے لشکر بھی تھے وہ جب بھی ان کے خلاف ہماری مدد کرتے تو ان کے ذکر کی وضاحت طلب کی جاتی۔ حضرت جبرائیل نے انہیں ہمارے پرچم کے نیچے ایسے تنگ مقام پر جکڑ دیا جہاں ان پر لگاتار موتیں آ رہی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اشعار

الم تر ان الله ابلی رسوله ... بلاء عزیز ذی اقتدار و ذی فضل

لما انزل الکفار دار مذلةٍ ... فلاقوا هوانًا من إسَارٍ و من قتل

فامسی رسول الله قد عز نصره ... و کان رسول الله ارسل بالعدل

فجاء بفرقان من الله منزل ... مبینةٌ آیاته لذوی العقل

فامن اقوامٌ بذالك وایقنوا ... فامسوا بحمدالله مجتمعی الشمل

وانکر اقوام فزاغت قلوبهم ... فزادهم ذوالعرش خبلاً علی خبلٍ

و امکن منهم یوم بدرٍ رسوله ... و قومًا غضاباً فعلهم احسنُ الفعل

بایدیھم بیض خفاف عصوبھا	و قو حاد ثوھا بالجلاء و با الصقل
فکم ترکو من ناشیٍ ذی حمیّۃ	صریعًا و من ذی نجدۃ منھم کھل
تبیت عیون النّائحاتِ علیھم	تجودُباسبالِ الرشاش و بالوبل
نوائح تنعی عتبۃ الغی وابنہ	و شیبۃ تنعاہ و تنعی اباجھل
و ذالرجل تنعی و ابن جدعان فیھم	مسلبۃ حری مبینۃ الثکل
تری منھم فی بئر بدر عصابۃ	ذوی نجدات فی الحروب و فی المحل
دعا الخیّ منھم من دعا فاجابہ	و الخیّ اسباب فرمقۃ الوصل
فاضحو الدی دار الجحیم بمعزل	عن الشغب والعدوانِ فی اشغل الشغل

ترجمہ: "کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کی یوں آزمائش کی جیسے کسی اقتدار والے اور عزت و فضل والے کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے رب تعالیٰ نے کفر کو ذلت کے گھر اتارا۔ وہاں انہوں نے قید و قتل کی ذلت سے ملاقات کی۔ حضور اکرم ﷺ کی نصرت کو غلبہ نصیب ہوا۔ آپ کو تو عدل کے ساتھ ہی مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی جنابِ والا سے ایسی کتاب لے کر آئے جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے جس کی آیات اہلِ عقل کے لیے واضح ہیں۔ بعض حضرات اس پر ایمان لے آئے اس پر یقین کر لیا۔ ان کی منتشر جمعیت یکجا ہو گئی۔ الحمد للہ! بعض لوگوں نے اس کتاب کا انکار کر دیا۔ ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے۔ رب تعالیٰ نے ان کے فساد پر فساد کا اضافہ کر دیا۔ روز بدر اس نے اپنے رسول محترم ﷺ اور اس غضبناک قوم کو قدرت دے دی۔ جن کا فعل بہترین فعل تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ہلکی پھلکی سفید تلواریں تھیں۔ انہوں نے انہیں صیقل کرنے اور چمکدار بنانے میں کافی وقت صرف کیا تھا۔ انہی کے ساتھ ہی انہوں نے ان پر وار کیے۔ انہوں نے ان کے ذریعے کتنے ہی حمیت والوں اور طاقتور عمر رسیدہ لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ ان پر نوحہ کناں عورتوں کی آنکھیں ساری رات ان پر چھم چھم اور موسلا دھار بارش کی سخاوت کرتی رہی ہیں۔ وہ نوحہ خوانی کے عالم میں وہ گمراہی کی دہلیز (عتبہ) اور اس کے بیٹے کی موت کی خبر دیتی ہیں نیز وہ ابو جہل اور شیبہ کی موت کے بارے بتاتی ہیں۔ وہ لنگڑے اور ایک پاؤں والے اسود کی موت کی خبر دیتی ہیں وہ ابن جدعان کی موت کی بھی خبر دیتی ہیں وہ عورتیں ماتمی لباس میں ملبوس ہیں ان کے پیٹوں میں گویا کہ آگ لگی ہوئی ہے۔ جدائی کا غم ان کے چہروں

سے واضح تھا۔ ان کی وہ جماعت بدر کے کنویں میں جا گری جو قحط کے سالوں اور جنگوں میں طاقتور ہوتی تھی۔ ان میں بہت سے لوگوں نے گمراہی نے دعوت دی انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ گمراہی کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں لیکن ان میں اتصال کی قوت کمزور ہوتی ہے۔ بالآخر وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے پاس چیخ اور ظلم سے علیحدہ زیادہ مصروف رکھنے والے شغل میں اپنے وقت پر پہنچ گئے۔"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار

عجبت لامر الله والله قادر ... علی ما اراد لیس الله قاهر

قضی یوم بدر ان نلاقی معشرًا ... بغوا و سبیل البغی بالناس جائر

و قد حشدوا و استغفروا من یلیهم ... من الناس حتی جمعهم متکاثر

و سارت الینا لا تحاول غیرنا ... بأجمعها کعب جمیعا و عامر

و فینا رسول الله والاوس له ... له معقل منهم عزیز و ناصر

و جمع بنی النجار تحت لوائه ... یمشون فی الماذی والنقع ثائر

فلما لقیناهم و کل مجاهد ... لاصحابه مستبل النفس صابر

شهدنا بان الله لارب غیره ... و ان رسول الله بالحق ظاهر

و قد عریت بیض خفاف کانها ... مقاییس یزهیها لعینیك شاهر

بهن ابدنا جمعهم فتبددوا ... و کان یلاقی الحین من هو فاجر

فکب ابوجهل صریعًا بوجهه ... و عتبة قد غادرنه وهو عائر

و شیبة والتمیمی غادرن فی الوغی ... وما منهما الا لذی العرش کافر

فامسوا و قود النار فی مستقرها ... و کل کفور فی جهنم صائر

تلظی علیهم وهی قد شب حمیها ... بزبر الحدید والحجارة ساجر

و کان رسول قد قال اقبلوا ... فولوا و قالوا: انما انت ساحر

لامر اراد الله ان یهلکوا به ... و لیس لامر حمه الله زاجر

ترجمہ: "میں نے رب تعالیٰ کے کام پر تعجب کیا۔ رب تعالیٰ اس امر پر قادر ہے جس کا وہ ارادہ فرمائے۔ رب

تعالیٰ کو مجبور کرنے والا کوئی نہیں۔اس نے غزوۂ بدر کے روز فیصلہ کر دیا کہ ہم ایسے گروہ سے معرکہ آزما ہوں جنہوں نے بغاوت کی اور سرکشی کا رستہ لوگوں کو ٹیڑھا لے جانے والا ہے۔حالانکہ انہوں نے لشکر جرار جمع کیا ان لوگوں سے مدد چاہی جو ان کے ارد گرد تھے حتیٰ کہ ان کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ سارے بنو عامر اور بنو کعب سارے ہمارے طرف چل کر آئے۔ان کا مقصود صرف ہم ہی تھے۔حضور اکرم ﷺ ہمارے مابین تشریف فرما ہیں۔آپ کے ارد گرد بنو اوس ہیں جو آپ کے لیے قلعہ ہیں ان میں سے بعض غلبہ پانے والے اور بعض مدد کرنے والے ہیں۔بنو نجار کا گروہ آپ کے مبارک پرچم کے نیچے ہے۔جو سفید اور نرم زرہوں میں چل رہے ہیں۔اس حال میں کہ گرد و غبار اڑ رہا ہے۔پھر ہم نے مشرکین کے ساتھ ملاقات کی۔اس حال میں کہ صحابہ کرام میں سے ہر ایک شخص مجاہد، ثابت قدم اور خود کو شہادت کے لیے پیش کرنے والا تھا۔ہم نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں اور حضور اکرم ﷺ اس کے ساتھ غلبہ پانے والے ہیں۔سفید اور تاباں تلواروں کو سونت لیا گیا۔گویا کہ وہ آگ کے ایسے شعلے تھے جنہیں تلوار سونتے تیری آنکھوں کے سامنے حرکت دے رہا ہو۔ہم نے ان تلواروں کے ساتھ ان کے لشکر جرار کو تباہ کیا وہ برباد ہو گئے جو فاجر تھا وہ موت سے ملاقات کر رہا تھا۔ بالآخر ابوجہل منہ کے بل نیچے گر پڑا۔عتبہ کو تلواروں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ پچھاڑا پڑا تھا۔شیبہ اور تیمی کو انہوں نے میدانِ جنگ میں چھوڑ دیا۔یہ سارے عرش کے مالک، رب اعلیٰ کے منکر تھے۔ وہ جہنم میں آگ کا ایندھن بن گئے۔ہر کافر جہنم میں جانے والا ہے۔یہ جہنم ان پر بھڑک رہی ہے حالانکہ آگ روشن کرنے والے نے اس کی حرارت کو لوہے اور پتھروں کے ساتھ عالم شباب میں کر دیا ہے۔آپ نے تو ان سے فرمایا تھا کہ میری جانب آؤ مگر انہوں نے اعراض کیا اور کہا: ''آپ جادوگر ہیں۔'' ان کی یہ ہلاکت اس امر کی وجہ سے ہوئی جس کا ارادہ رب تعالیٰ نے کر لیا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں جس امر کا فیصلہ رب تعالیٰ کر لیتا ہے اسے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔''

حضرت حسان بن ثابت کے اشعار

تبلت فؤادك فى المنام خريدة ۔۔۔ تسقى الضجيع ببارد بسام

كالمسك تخلطه بماء سحابة ۔۔۔ أو عاتق كدم الزبيح مدام

نفج الحقيبة بوصها متنضد | بلهاء غير و شكية الاقسام
بنيت على قطن أجم كأنه | فضلاً اذا قعدت مداك رخام
و تكاد تكسل أن تجئ فراشها | فى جسم خرعبة و حسن قوام
أما النهار فلا أفتر ذكرها | و اليل توزعنى بها احلامى
أقسمت أنساها و أترك ذكرها | حتى تغيّب فى الضريح عظام
يامن لعاذلة تلوم سفاهة | ولقد عصيت على الهوى لوّامى
بكرت على بسحرة بعد الكرى | و تقارب من حادث الأيام
زعمت بأن المرء يكرب عمره | عدم لمعتكر من الاصرام
ان كنت كاذبة الذى حدثتنى | فنجوت منجى الحارث بن هشام
ترك الأخبة ان يقاتل دونهم | و نجا برأس طمرّة و لجام
تذر العَنَاجيج الجياد بقفرةٍ | مرّ الدّموك لمحصدو رجام
ملأت به الفرجين فارمدّت به | و ثوى أحبتهٔ بشر مقام
و بنوأ بيه و رهطه فى معرك | نصر الاله به ذوى الاسلام
طحنتهم والله ينفذ أمره | حرب يشب سعيرها بفرام
لو لا اله و جريها لتركنهٔ | جزر السبّاع و دسنه بحوامى
من بين ماسور يشدو ثاقه | صفر اذا لاقى الا سنّة حامى
و مجدل لا يستجيب لدعوة | حتى تزول شوامخ الاعلام
بالعار والذّل المبين اذرأى | بيض السيوف تسوق كل همام
بيدى أغر اذا انتمى لم يخزهٖ | نسب القصا رسميدع مقدام
بيض اذا لاقت حديدا صممت | كالبرق تحت ظلال كل غمام

ترجمہ: ”اس دوشیزہ نے خواب میں تیرے دل کو بیمار کر دیا ہے جو اپنے متبسم اور ٹھنڈے رخسار کے ساتھ اپنے ہم بستر کو شفایاب کر دیتی ہے۔ وہ اس کستوری کی مانند ہے جسے تو بارش کے پانی کے ساتھ ملا لے یا وہ ذبح شدہ جانور کے لہو کی مانند سرخ مدام پرانی شراب کی طرح ہے۔ وہ ابھرے ہوئے بڑے

بڑے کولہوں والی ہے۔گویا کہ وہ تہ بہ تہ ہیں وہ بھولی بھالی ہے اور وہ قسموں کی طرح تیزی سے نہیں جاتی۔اس کی بنیاد گوشت پر قائم ہے۔جب وہ پر تکلف لباس سے الگ ہو کر بیٹھتی ہے تو وہ سنگ مرمر کی سل لگتی ہے۔نازک جسم اور فطرتی حسن میں اسے اپنے بستر تک آنا بارگراں لگتا ہے دن کے وقت میں اس کی یاد سے غفلت نہیں برتتا لیکن رات کو بھی اس کے خواب مجھے فریفتہ کیے رکھتے ہیں۔میں نے قسم اٹھالی ہے کہ اسے کبھی نہ بھولوں گا۔نہ ہی اس کی یاد ترک کروں گا حتیٰ کہ قبر میں میری ہڈیاں غائب ہو جائیں۔اس ملامت گر کو کون روکے گا جو حماقت کی وجہ سے مجھے ملامت کر رہی ہے۔حالانکہ محبت کے بارے میں نے اپنے ملامت کرنے والے کی بات کبھی نہیں مانی۔ایک رات غزوہ بدر کے قریب میری نیند کے بعد صبح سے کچھ دیر پہلے وہ عورت میرے پاس آئی۔اس کا گمان تھا اونٹوں کا اژدھام نہ ہونا۔انسانی زندگی کو غمزدہ کر دیتا ہے۔میں نے کہا کہ تو نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے اگر تو اس میں جھوٹی ہے تو پھر مجھ سے اس طرح بچ کر نکل جا جس طرح حارث بن ہشام بچ کر نکل گیا تھا۔اس نے اپنے دوستوں کو ترک کر دیا۔بجائے اس کے کہ وہ اس کے ہمراہ جنگ کرتا وہ طویل قد والے گھوڑے کے بال اور لگام تھامے ہوئے بھاگ نکلا۔اس چٹیل میدان میں عمدہ اور بہترین گھوڑے اس طرح چھوڑے جا رہے تھے جیسے پتھر کے ساتھ بندھی رسی کو تیز رفتار چرخی ترک کرتی جاتی ہے۔ان گھوڑوں نے درمیانی شگاف بھر لیے تھے۔اس سے ان میں جوش و ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔حالانکہ اس کے دوست برے مقام پر پڑے تھے۔اس کے بھائی اور قوم ایسی جنگ میں تھی۔جس میں رب تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح مند کیا تھا۔ایسی جنگ نے انہیں کچل ڈالا ایندھن سے جس کے شعلوں کو بلند کیا جا رہا تھا۔ رب تعالیٰ تو اپنا حکم نافذ کر کے رہتا ہے۔اگر رب تعالیٰ کا ارادہ اسے بچانے کا نہ ہوتا اور نہ ہی تیز رفتار گھوڑے ہوتے تو وہ گھوڑے حارث کو درندوں کا لقمہ بنا کر چھوڑتے اور اپنے سموں سے اسے روند دیتے۔وہ یا تو ایسا قیدی ہوتا جس کی مشکیں کوئی بہادر کستا جو نیزوں کے مقابلہ میں بھی حمایت کرنے والا ہوتا یا وہ زمین پر مردہ پڑا ہوتا کسی کی صدا کی آواز نہ دیتا حتیٰ کہ بلند و بالا پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے وہ واضح ذات اور خواری کے عالم میں دیکھتا کہ سفید تاباں تلواریں ہر بلند عزم سردار کو ہانکتی جا رہی ہیں۔ وہ تلواریں ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہیں کہ جن کا نسب بیان کیا جائے تو اسے کم ہمت لوگوں کے نسب کی ذلت نصیب نہ ہو جو کسی سردار اور دشمن کی پرواہ کیے بغیر پیش قدمی کرنے والا ہو۔وہ ایسی تاباں

تلواریں ہیں جو جب لوہے سے ٹکراتی ہیں تو اسے قطع کرتی جاتی ہیں وہ بادل کے سایہ میں بجلی کی طرح ہیں۔"

حارث بن ہشام کا جواب

القوم أعلم ما ترکت قتالهم — حتی حبوا مهری بأشقر مزبد
و عرفت انی ان اقاتل و احدا — أقتل ولا ینکل عدّوی مشهدی
فصددتّ عنهم والأجبّة فیهم — طمعا لهم بعقاب یوم مفسد

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کے ساتھ جنگ ختم نہ کی حتیٰ کہ انہوں نے میرے گھوڑے کو جھاگ والے سرخ خون سے رنگ دیا تھا میں سمجھ گیا کہ اگر میں اکیلا لڑتا رہا تو میں مر جاؤں گا اور میرا یہاں موجود ہونا دشمن کو مغلوب نہ کر سکے گا۔ دوست وہاں تھے لیکن میں نے ان سے منہ موڑ لیا تا کہ کسی اور جنگ کے روز ان سے بدلہ لیا جا سکے۔"

ھبیرہ بن ابی وھب مخزومی کے اشعار

لعمرك ما ولیت ظهری محمدًا — و أصحابه جبنا لاخیفة العدل
و لکننی قلبت أمری فلم أجد — لسیفي مساغا ان ضربت ولا نبلی
وقفت فلمّا خفت ضیعة موقفی — رجعت لعود کالهز برأبي الشبل

ترجمہ: "مجھے تمہاری زندگانی کی قسم! میں نے کسی بزدلی یا قتل کے خوف سے محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کی طرف سے پیٹھ نہیں پھیری لیکن میں نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کیا تو مجھے اپنی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے لیے سبب نظر نہ آیا جب مجھے اندیشہ ہوا کہ میرا کردار ضائع ہو جائے گا تو میں ابو شبل کی طرح واپس آ گیا۔"

حضرت حسان کے اشعار

قومی الذین هم آووا نبیّهم — و صدّ قوهٗ و اهل الارض کفّار
الا خصائص اقوام هم سلف — للصالحین مع الانصار انصار
مستبشرین بقسم الله قولهم — لمّا اتاهم کریم الاصل مختار
اهلا و سهلا ففی امن و فی سعة — نعم النبی و نعم القسم والجارُ

فانزلوہ بدارٍ لا یخاف بھا — من کان جارھم دارًا ھی الدار

و قاسموھم و ساروا الی بدر لحینھم — لو یعلمون یقین العلم ما ساروا

دلاھم بغرور ثم اسلمھم — ان الخبیث لن والاہ غدّار

و قال انی لکم جار فاوردھم — شر الموارد فیہ الخزی والعار

ثم التقینا فولّوا عن سراتھم — من منجدین و منھم فرقۃ غاروا

ترجمہ: ''میری قوم وہ ہے جس نے حضور اکرم ﷺ کو اس وقت پناہ دی اور آپ کی تصدیق کی جب آپ کے علاقے کے لوگ کافر تھے۔ سوائے مخصوص افراد کے یعنی مہاجرین کے جو پاکبازوں کے اسلاف ہیں اور انصار کے ہمراہ مددگار ہیں۔ وہ رب تعالیٰ کی تقسیم پر مسرور تھے۔ جب ان کے پاس کریم الاصل نبی مختار (ﷺ) تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی: ''مرحبا، اھلا وسھلا آپ امن اور وسعت میں رہیں۔ آپ کتنے اچھے نبی ہیں۔ ہمارے نصیب کتنے اچھے ہیں۔ آپ کتنے اچھے پڑوسی ہیں۔ انہوں نے آپ کو ایسا گھر پیش کیا جس میں کوئی خوف نہیں جن کا ہمسایہ اس طرح کا ہو وہی گھر، گھر کہلانے کا مستحق ہے۔ جب مہاجرین ہجرت فرما ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انصار نے انہیں اپنے اموال میں سے حصہ دار بنا لیا منکر کی قسمت میں آگ ہے ہم بھی بدر کی طرف روانہ ہوئے اور مشرکین بھی موت کے لیے ادھر ہی چلے اگر انہیں موت کے متعلق یقینی علم ہوتا تو ادھر نہ جاتے۔ ابلیس نے قریب سے انہیں یہ رستہ دکھایا پھر انہیں دشمن کے سپرد کر دیا خبیث جس کے ساتھ دوستی لگاتا ہے اسے دھوکہ دیتا ہے اس نے ان سے کہا: ''میں تمہارا ضامن ہوں۔ انہیں شریر ترین گھاٹوں پر لے آیا۔ جہاں ندامت اور ذلت تھی جب ہم ان کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے تو وہ اپنے سرداروں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بعض نے ٹیلوں پر اور بعض نے وادیوں میں پناہ لی۔''

عاتکہ بنت عبدالمطلب کے اشعار

الما تکن رویای حق و یأتکم — بتاویلھا فلّ من القومِ ھارب

رای فاتاکم بالیقین الذی رای — بعینہ ما تفری السیوف القواضب

فقلتم و لم اکذب کذبت و لما — یکذبنی بالصدق من ھو کاذب

وما فرّ الارهبة الموت هاربًا	حكيم و قد اعيت عليه المذاهب
اقرّ صياح القوم عزم قلوبهم	فهن هواءٌ والحلوم عوازب
اقامت سيوف الهند دون رؤوسكم	و خطية فيها الشبا والثعالب
كان حريق النار مع ظباتها	اذا ما تعاطتها الليوث المشاغب
الا بابي يوم اللقاء محمدا	اذا عضّ من عون الحروب الغوارب
مروا بالسيوف المرهفات نفوسكم	كفاحًا كما ترى السحاب الجنائب
فكم بردت اسيافهم من مليكةٍ	و زعزع و رد بعد ذلك صالب
فما بال فتلى فى القليب و مثلهم	لدى بن اخى اسرى له ما يضارب
اكانوا نساءً ام اتى لنفوسهم	من الله حين ساق والحين جالب
فكيف راى عند اللقاء محمّدًا	بنو عمّه والحرب فيها التجارب
الم يغشكم ضربًا يحارُ لوقعه ال	حيان و تبدوا بالنهار الكواكب
حلفت لئن عدتم ليصطلمنكم	بحارًا تردى حافتيها المقانب
كان ضياء الشمس لمع ظباتها	لها من شعاع النور قرن و حاجب

ترجمہ: ''کیا اب بھی میرا خواب سچ ثابت نہیں ہوا۔شکست خوردہ قوم کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر بھی اس کی تعبیر تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔اس نے دیکھا جو کچھ اس نے دیکھا اس کی یقینی تعبیر تمہارے پاس اس وقت آ گئی جب کاٹنے والی تلوار نے کاٹا۔تم نے کہا تھا تو جھوٹ بولتی ہے۔حالانکہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ہر جھوٹے نے سچ کے ساتھ میری تکذیب کی۔حکیم بن حزام موت کے خون سے بھاگتا ہوا دوڑ گیا۔رستوں نے اسے تھکا دیا تھا۔ان کے دلوں کے عزم نے قوم کی چیخ و پکار کو برقرار رکھا۔حالانکہ وہ دل ہوا ہو چکے تھے۔اور خواب پریشاں تو مخفی ہوتے ہیں۔ہند کی بنی ہوئی تلواریں تمہارے سروں پر آ کر ٹھہریں نیز ایسے نیزے بھی تھے جن میں ان کا پھل اور کنارہ بھی تھے۔گویا کہ آگ کا شعلہ ان تلواروں کی دھار تھی۔جب شیر دل لوگوں نے انہیں بلند کیا۔ارے! مجھے باپ کی قسم! حضور ﷺ سے معرکہ آزما ہونے کا دن عجیب تھا جب لشکر جرار میں سے بلند ہمت لوگوں نے کاٹا۔انہوں نے تیز رفتار تلواروں کے ساتھ تمہیں سامنے سے کاٹ کر رکھ دیا۔جیسے بڑے بڑے گھوڑے بادلوں میں گزر جاتے ہیں۔ان کی کتنی

ہی تلواریں کند ہو گئیں اور مضبوط گھوڑے سست رو ہو گئے۔ میرے محترم بھتیجے کے ہاں ان مقتولوں کی کیا پرواہ ہے جنہیں کنویں میں پھینک دیا گیا۔ اوران کی مثل اور بھی ہوں۔ انہوں نے ان کے لیے ہر مقابلہ کرنے والے کو اسیر بنا دیا کیا وہ مشرکین عورتیں تھیں تا کہ ان کے لیے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے موت آ گئی تھی۔ یہ موت انجام تک پہنچانے والی ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے نبرد آزما ہوتے وقت آپ کے چچازادوں نے کیسے دیکھا جنگ میں تو تجربات ہوتے ہیں کیا تمہیں ایسی ضرب نے نہیں آلیا تھا جس کے وقوع کے وقت بزدل پناہ لیتا ہے اور دن کے وقت ستارے ظاہر ہوتے ہیں۔ میں قسم اٹھاتی ہوں کہ اگر تم دوبارہ ادھر گئے تو وہ ایسے گھوڑوں کے ذریعے تمہاری جڑا کھیڑ پھینکیں گے جن کے دونوں کنارے لشکر کو برباد کر دیتے ہیں۔ گویا کہ سورج کی روشنی ان کی تلواروں کی دھار ہے ان کے لیے نور کی شعاع کرن اور پردہ ہے۔"

حضرت عاتکہ کے مزید اشعار

هلّا صبرتم بلبنی محمّدٍ	ببدر و من يغشی الوغی حق صابر
ولم ترجعوا من مرهفات كأنها	حريق بايدی المومنين بواتر
ولم تصبروا للبيض حتی اخذتم	قليلا بايدی المومنين المشاعر
ووليتم نفرًا وما البطل الذی	يقاتل من وقع السلاح بنافر
اتاكم بما جاء النبيون قبله	وما ابن اخی البر الصديق بشاعر
سيكفی الذی فيّعتم من نبيكم	و ينصره الحيان، عمرو، و عامر

ترجمہ: "کیا تم نے بدر کے مقام پر حضور اکرم ﷺ کے لیے صبر نہیں کیا۔ جو میدان جنگ میں چھاتا ہے وہ حق اور صابر ہوتا ہے تم ان لگاتار کاٹنے والی تلواروں سے کیوں واپس لوٹ آئے جو اہلِ ایمان کے ہاتھوں میں آگ کی مانند تھیں۔ تم نے ان سفید تلواروں پر صبر نہ کیا حتیٰ کہ اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے بعض جذبات پالیے۔ تم بھاگتے ہوئے پیٹھ پھیر گئے۔ بہادر وہ نہیں ہوتا جو اسلحہ کی ضرب سے بھاگنے والے کے ساتھ لڑائی کرے۔ حضور اکرم ﷺ وہی پیغامِ حق لے کر تمہارے پاس آئے جو آپ سے پہلے انبیاء کرام لے کر آئے تھے۔ میرا پاکباز اور سچا بھتیجا شاعر نہیں ہے۔ جو کچھ تم نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے کھو دیا وہ عنقریب کافی ہوگا۔ عنقریب عمرو اور عامر آپ کی نصرت کریں گے۔"

آٹھواں باب

غزوہ بنی سلیم یا قرقرۃ الکدر

ابن اسحاق، ابوعمر، ابن حزم وغیرہم نے لکھا ہے "آپ کو خبر ملی کہ اس جگہ بنوسلیم اور بنوغطفان کے افراد جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری یا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو بنایا۔ آپ کے علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا علم سفید تھا۔ آپ ان کی طرف رواں ہوئے۔ جب ان کے ایک چشمہ الکدر تک پہنچے تو میدان میں کسی کو نہ پایا۔ آپ نے کچھ صحابہ کرام کو وادی کے بلند حصے کی طرف بھیجا۔ آپ ان سے وادی کے دامن میں ملے۔ آپ نے وہاں چرواہے پائے۔ ان میں ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ آپ نے اس سے لوگوں کے بارے پوچھا تو اس نے کہا: "مجھے ان کے بارے کوئی علم نہیں میں پانچویں دن والے اونٹوں کو پانی پلانے آیا ہوں۔ آج چھٹے روز پانی پلانے والے اونٹوں کی باری ہے۔ لوگ اوپر چشموں پہ چلے گئے ہیں۔ ہم یہاں تنہا اونٹوں کو چروانے کے لیے قیام پذیر ہیں۔" آپ نے وہاں تین روز تک قیام فرمایا۔ آپ کو اونٹ بطور مالِ غنیمت ملے۔ آپ مدینہ طیبہ کی طرف واپس آنے لگے۔ صرار کے مقام پر مال غنیمت تقسیم کیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے تین میل دور ہے۔ اونٹوں کی تعداد پانچ سو تھی۔ آپ نے ان کا خمس نکالا۔ بقیہ چار سو مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ ہر مجاہد کو دو اونٹ ملے۔ یہ لشکر دو سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ یسار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے میں آیا آپ نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آزاد کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہم کے لیے پندرہ روز غائب رہے۔ آپ شوال اور ذوالقعدہ کے مہینے مدینہ طیبہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ اسی دوران قریش کے بڑے بڑے قیدیوں کے فدیے ادا کیے گئے۔

تنبیہ

"العیون" میں اس غزوہ میں اور غزوۂ قرقرۃ الکدر میں فرق کیا گیا ہے۔ وہاں غزوۂ احد سے قبل چھ غزوات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ المورد میں بھی اسی طرح ہے لیکن ابن اسحاق، ابوعمر، بیہقی ابن کثیر اور ابن القیم نے پانچ غزوات کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے بھی پانچ غزوات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کی ترتیب یہ ہے۔ غزوۂ بنوسلیم، غزوۂ سویق، غزوۂ ذی امر یہی غزوہ غطفان ہے۔ غزوۃ الفرع من بحران، غزوہ بنی قینقاع، ابن سعد کے نزدیک غزوہ بنی

قینقاع بروز ہفتہ بدر کے بعد نصف شوال کو رونما ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ غزوۂ سویق اتوار کے روز پانچ ذوالحجۃ کو رونما ہوا ہجرت کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوہ قرقرۃ نصف محرم کو پیش آیا تھا۔ ہجرت کو ۲۳ ماہ گزر چکے تھے۔ ابن اسحاق کے نزدیک یہ غزوہ شوال دو ہجری کو پیش آیا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوۂ غطفان ۱۲ ربیع الاول ہجرت کے پچیسویں ماہ کو رونما ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے اسے ذوامر کا نام دیا ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ بروز جمعرات ۱۸ ربیع الاول کو رونما ہوا جبکہ ہجرت کو پچیس ماہ گزر چکے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ماہ محرم ہجرت کے تیسرے سال رونما ہوا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوۂ بنو سلیم چھ جمادی الاولیٰ کو پیش آیا۔ ہجرت کو ستائیس ماہ گزر چکے تھے۔

❁❁❁❁

نواں باب

غزوۃ السویق

اس کا سبب یہ ہے کہ جب مشرکین شکست خوردہ اور غمناک مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے تو ابوسفیان نے خود پر تیل لگانا حرام قرار دیا۔ اس نے نذر مانی کہ وہ جنابت سے غسل نہیں کرے گا۔ حتیٰ کہ وہ حضور اکرم جانِ عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے بدر کا انتقام نہ لے لے۔ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے دو سو سواروں کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ وہ نجدیہ کے راستے روانہ ہوا۔ وہ صدر رقناہ میں فروکش ہوا۔ اس پہاڑ کو یتیب کہا جاتا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ سے ایک برید دور تھا۔ وہ رات کے وقت نکلا۔ بنونضیر کے پاس پہنچا وہ حی بن اخطب کے پاس گیا اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اسے خدشہ لاحق ہوا۔ ابوسفیان سلام بن مشکم کے پاس گیا یہ بنونضیر کا سردار تھا۔ ان کا خازن بھی تھا۔ اس نے اس سے اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دے دی۔ اسے کھلایا پلایا۔ لوگوں کی راز کی باتیں بتائیں۔ حضور اکرم ﷺ کے راز افشا کیے رات کے آخری پہر میں روانہ ہوا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اس نے قریش کے کچھ افراد بھیجے وہ عریض کی طرف گئے۔ بعض کھجوریں جلا دیں۔ وہاں ایک انصاری شخص کو پایا۔ اس کا حلیف بھی اس کے پاس تھا۔ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔ الامتاع میں ہے "یہ انصاری حضرت معبد بن عمرو تھے۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ اس کی قسم پوری ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابوسفیان نے یہ فعل اس وقت سرانجام دیا جس رات وہ سلام بن مشکم سے مل کر واپس آیا۔ پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگوں کو اس کے کرتوت کا علم ہو گیا۔ بروز اتوار پانچ ذوالحجۃ کو حضور اکرم ﷺ ان کے تعاقب میں نکلے۔ ہجرت کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔ مہاجرین و انصار میں سے دو سو شہ سوار آپ کے ہمراہ تھے۔ الاشارہ میں ہے کہ اسی مجاہدین ہمراہ تھے۔ ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ سوار اسی تھے اور عام لشکر دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت بشیر بن عبدالمنذر کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ حتیٰ کہ آپ قرقرۃ الکدر پہنچ گئے۔ ابوسفیان اور اس کا ٹڈی دل لشکر چھپتے چھپاتے بھاگتے جا رہے تھے۔ وہ ستو کے تھیلے پھینکتے جا رہے تھے۔ یہی ان کا عام زاد راہ تھا۔ مسلمان انہیں اٹھاتے جا رہے تھے۔ اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق پڑ گیا۔ ابوسفیان اور اس کا لشکر بھاگ گیا۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ اس مہم میں آپ کے پانچ روز صرف ہوئے۔ آپ مجاہدین کو لے کر واپس آ رہے تھے کہ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ ہم نبرد آزما ہوں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں!"

دسواں باب

غزوۂ غطفان

اس غزوہ کو ذوامر بھی کہا جاتا ہے۔اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ بنوثعلبہ اور بنومحارب کا لشکر ذوامر کے مقام پر جمع ہو رہا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی اطراف پر حملہ آور ہوں۔ان میں سے ایک شخص دعثور بن حارث انہیں جمع کر رہا تھا۔حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ ۴۵۰ مجاہدین آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ان کے پاس کئی گھوڑے تھے۔آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔انہیں رستہ میں ذوالقصہ کے مقام پر انہی میں سے ایک شخص ملا۔اس کا نام جبار تھا۔وہ بنوثعلبہ میں سے تھا۔مسلمانوں نے اس سے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''اس نے کہا:''میں نوکری کی تلاش میں یثرب جا رہا ہوں۔اسے حضور والا ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔اس نے ان کے بارے بتایا۔اس نے عرض کی:''وہ کبھی بھی آپ کے ساتھ جنگ آزما نہیں ہوں گے۔وہ آپ کے بارے سن کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں گے۔میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔اس نے فوراً قبول کر لی۔آپ نے اسے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔حضرت جبار آپ کو لے کر چلے اور فوراً دشمن تک پہنچا دیا۔جب دشمن قوم نے حضور اکرم ﷺ کی آمد کے بارے سنا تو فوراً پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔آپ ذوامر چشمہ پر تشریف لے گئے۔حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت زیادہ بارش برسی۔آپ کے اور صحابہ کرام کے کپڑے گیلے ہو گئے۔حضور اکرم ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔اپنے مبارک کپڑے خشک ہونے کے لیے پھیلا دیے۔ آپ آرام فرما ہو گئے۔مشرکین یہ منظر دیکھ رہے تھے۔مسلمان اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔مشرکین نے خود میں سے ایک بہادر شخص کو بھیجا جسے دعثور بن حارث کہا جاتا تھا۔یہ ان کا سردار اور ان میں سے بہادر ترین شخص تھا۔اس نے تلوار حمائل کی۔دعثور نے جلدی کی اور تلوار لیے آیا۔وہ تلوار سونت کر آپ کے سر اقدس پر کھڑا ہو گیا۔اس نے کہا:''جان عالم محمد عربی ﷺ آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''اللہ۔''حضرت جبرائیل امین نے اس کے سینے پر مارا۔تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔حضور اکرم ﷺ نے تلوار پکڑی اور فرمایا:''اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟''اس نے کہا:''کوئی بھی نہیں۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی ﷺ اس کے رسول ہیں۔بخدا!

اب میں کبھی بھی آپ کے خلاف لشکر کشی نہیں کروں گا۔" حضور اکرم ﷺ نے اسے تلوار عطا کی۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "تجھے کیا ہو گیا تھا؟" اس نے کہا: "میں نے ایک طویل شخص دیکھا۔ اس نے میرے سینے پر مارا۔ میں پشت کے بل گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فرشتہ تھا۔ میں نے گواہی دے دی کہ محمد مصطفی ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں میں ان کے خلاف کبھی بھی لشکر کشی نہیں کروں گا۔" وہ اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلانے لگا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ (المائدۃ:11)

ترجمہ: "ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔"

حضور اکرم مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔ ابو عمر نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سارا ماہ صفر نجد میں تشریف فرما رہے۔

تنبیہ

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ عنقریب غزوہ ذات الرقاع میں بھی اسی طرح کا واقعہ آئے گا جس طرح کا واقعہ دعثور کا تھا۔ شاید یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔ البدایۃ میں ہے "اگر یہ قصہ صحیح ہے تو پھر یہ اس واقعہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ کیونکہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ اپنے دین پر ہی رہا تھا لیکن اس نے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔"

❁❁❁❁

گیارھواں باب

غزوۃ الفروع

اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ بنوسلیم کا کثیر لشکر جمع ہو رہا ہے۔آپ تین سو مجاہدین کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت ابن مکتوم کو مقرر کیا۔آپ نے روانگی کا سبب بیان نہ کیا۔حتیٰ کہ جب آپ نجران سے ایک رات کی مسافت پر تھے۔تو آپ کو بنوسلیم کا ایک شخص ملا۔اس نے بتایا کہ وہ لوگ منتشر ہو چکے ہیں۔آپ نے اسے ایک شخص کے ساتھ محبوس کر دیا۔جب آپ نجران پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔آپ کچھ دن وہاں قیام پذیر رہے۔امام واقدی نے دس ایام کا قول کیا ہے۔ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے مہینے وہاں قیام پذیر رہے۔پھر واپس آ گئے۔جنگ کی نوبت نہ آئی آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

❁❁❁❁

بارھواں باب

غزوۂ بنی قینقاع

بنوقینقاع حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی قوم تھی۔ یہ غزوہ نصف شوال ہفتہ کے روز پیش آیا۔آپ کی ہجرت کو تقریباً بیس ماہ گزر چکے تھے۔ یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے۔ یہ سارے یہودیوں سے بہادر تھے۔ یہ سونے کا کام کرتے تھے۔ہجرت کے بعد کفار آپ کے ساتھ تین کیفیات میں تھے۔

1. ایک قسم کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ تو آپ کے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف آپ کے دشمن کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والے یہود کے تینوں گروہ بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع تھے۔
2. دوسری قسم نے آپ کے ساتھ عداوت کی۔آپ کے خلاف جنگ کی۔وہ قریش تھے۔
3. تیسری قسم نے آپ کو چھوڑ دیا۔وہ آپ کے انجام کے منتظر تھے۔ جیسے عرب کے دیگر قبائل۔ان میں سے بعض آپ کے غلبہ کو پسند کرتے تھے۔ جیسے خزاعہ۔بعض اس کے برعکس تھے جیسے بنوبکر۔بعض ظاہری طور آپ کے ساتھ لیکن بباطن دشمن کے ساتھ تھے۔وہ منافق تھے۔جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے سارے یہودیوں سے معاہدہ کیا آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ لکھا گیا۔ ہر قوم اپنے حلیف کے ساتھ مل گئی۔آپ نے اپنے اور ان کے مابین امان نامہ لکھا۔ان پر بہت سی شرائط عائد کیں۔ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ جب غزوۂ بدر رونما ہوا تو سب سے پہلے بنوقینقاع نے یہ عہد توڑا۔ سرکشی اور حسد کا اظہار کیا۔انہوں نے وہ عہد توڑ دیا جو ان کے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین تھا۔آپ نے انہیں بنوقینقاع کے بازار میں جمع کیا۔آپ نے فرمایا:

"اے گروہ یہود! اسلام لے آؤ۔بخدا! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول (مکرم) ہوں۔اے گروہ یہود! رب تعالیٰ سے ڈرو کہیں تم پر بھی ایسا عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا عذاب قریش پر اترا ہے۔اسلام قبول کرلو۔تم جانتے ہو میں نبی مرسل ہوں۔تم میرا تذکرہ اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔اللہ تعالیٰ نے تم

سے یہ عہد بھی لیا تھا۔"

یہودیوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں اپنی قوم کی مثل سمجھتے ہیں۔ آپ کو یہ امر دھوکہ میں نہ ڈال دے۔"

آپ ایسی قوم سے نبرد آزما ہوئے ہیں۔ جو فن حرب سے نا آشنا تھی۔ آپ نے ان پر فتح پا لی۔ بخدا! اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو آپ کو علم ہو جائے گا کہ ہم جنگی چالوں کے کتنے ماہر ہیں؟

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ (آل عمران: ۱۲، ۱۳)

ترجمہ: "فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ بے شک تمہارے لیے عبرت کا نشان تھا ان دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں۔"

اسی اثناء میں کہ وہ اسی حالت پر تھے۔ وہ عداوت کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے عہد توڑ دیا تھا کہ ایک عفت مآب مسلمان خاتون اپنا مال لے کر بنوقینقاع کے بازار میں گئی اس نے اپنا مال فروخت کیا پھر زیور کے لیے ایک سنارے کے پاس بیٹھ گئی۔ یہودیوں کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے چہرے سے نقاب الٹ دے۔ مگر اس نے اس طرح نہ کیا۔ سنارا پیچھے سے آیا اور اس کا کپڑا پیچھے سے کسی کانٹے کے ساتھ اوپر باندھ دیا۔ اس عفت مآب خاتون کو علم تک نہ تھا۔ جب وہ اٹھی تو اس کی شرم گاہ عریاں ہو گئی۔ یہ دیکھ کر یہود ہنسنے لگے۔ وہ بآواز بلند چلائی۔ ایک مسلمان شخص اس سنارے پر جھپٹا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہودی اس غیرت مند مسلمان پر چڑھ دوڑے اور اسے شہید کر دیا۔ انہوں نے وہ عہد توڑ دیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ مسلمانوں نے دیگر مسلمانوں سے یہودیوں کے خلاف مدد طلب کی۔ مسلمان سخت ناراض ہو گئے ان کے اور بنوقینقاع کے مابین جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ (الانفال: ۵۸)

ترجمہ: "اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو۔"

آپ نے فرمایا: "مجھے بنوقینقاع سے خدشہ ہے۔" اس کی وجہ سے آپ ان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے علمبردار

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا جھنڈا سفید تھا۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس روز پرچم نہ تھا۔ آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے ان کا شدید محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا۔ وہ آپ کے فیصلے پر راضی ہو گئے کہ ان کے اموال حضور اکرم ﷺ کے لیے ہوں گے۔ خواتین اور اولاد ان کے لیے ہوں گی۔ ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ حضرت منذر بن قدامہ کو ان پر نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ یہ بھی عبداللہ بن ابی کی طرح ان کے حلیف تھے۔ انہوں نے یہود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے سپرد کر دیا۔ ان کی دوستی سے برأت کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول محترم ﷺ اور اہلِ ایمان کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔ ان لوگوں کی دوستی سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان یہودیوں پر تسلط عطا کیا تو ابن ابی آپ کی خدمت میں آیا۔ عرض کی: ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! میرے موالی پر رحم کریں۔ ان پر احسان کریں۔ وہ خزرج کے حلیف تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا۔ اس نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے موالی پر احسان فرمائیں۔ آپ نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے پیچھے سے آپ کی زرہ کے دامن میں ہاتھ داخل کر لیا۔ اس زرہ کو ذات الفضول کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا'' تیرے لیے ہلاکت! مجھے چھوڑ دے۔'' حضور اکرم ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ غصے کے اثرات چہرۂ انور سے عیاں تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تیرے لیے ہلاکت! مجھے چھوڑ دے۔'' اس نے کہا: ''بخدا! میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ آپ میرے موالی پر احسان کریں۔ چار سو غیر زرہ پوش اور تین سو زرہ پوش مجھے ہر سرخ اور سیاہ سے بچاتے ہیں۔ کیا آپ ایک دن میں ان کی گردنیں اڑا دیں گے۔ میں وہ شخص ہوں جسے گردشِ دوراں کا خدشہ ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے ساتھ اس پر لعنت کرے۔'' آپ نے ان کے قتل سے روک دیا اور انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہو جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے تین روز کے بعد چلے جانا تھا۔ ان کی جلاوطنی پر حضرت عبادۃ بن صامت کو نگران مقرر کیا گیا۔ دوسرے قول کے مطابق محمد بن مسلمہ نگران تھے۔ یہ یہودی اذرعات چلے گئے۔ وہاں انہیں تھوڑی سی مدت ہی ٹھہرنا نصیب ہوا۔ آپ نے وہاں سے تین کمانیں لیں۔ ایک کمان کو الکتوم کہا جاتا تھا۔ یہ احد کے روز ٹوٹ گئی۔ دوسری کو روحاء کہا جاتا تھا۔ تیسری کو بیضاء کہا جاتا تھا۔ آپ نے دو زرہیں لیں۔ ایک کو صغدیہ اور دوسری کو فضہ کہا جاتا تھا۔ تین نیزے اور تین تلواریں لیں ان میں سے ایک سفید تلوار تھی دوسری تلوار کو بتار کہا جاتا تھا۔ تیسری کا کوئی نام نہ تھا۔ آپ نے ان کے گھر میں بہت سا اسلحہ دیکھا۔ سنار کے آلات دیکھے۔ آپ نے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ اور خمس لے لیا۔ اس کے چار حصے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیے۔ یہ غزوۂ

بدر کے بعد پہلا خمس تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے ان کے اموال پر قبضہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبادہ اور ابن ابی کے بارے یہ آیات طیبات نازل کیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۖ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ (المائدہ: ۵۱ تا ۵۶)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جس نے دوست بنایا تم میں سے وہ انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔ سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق) کا مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرف کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ وہ وقت دور نہیں کہ جب اللہ تمہیں فتح کامل دے دے۔ یا ظاہر کر دے کامیابی کی کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا۔ اپنے دلوں میں نادم اور کہیں گے ایمان والوں کو کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں۔ اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے۔ اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے سو لے آئے گا اللہ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے۔ اللہ ان سے۔ اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے۔ ایمان داروں کے لیے۔ بہت سخت ہوں گے۔ کافروں پر۔ جہاد کریں گے۔ اللہ کی راہ میں اور

نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے اور یہ اللہ کا فضل ہے نوازتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ وسعت بخشنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار صرف اللہ اور اس کا رسول ہے۔ ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔ جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔''

تنبیہات

1. امام بیہقی اور امام بخاری نے بنونضیر کا واقعہ غزوۂ احد کے بعد ذکر کیا ہے۔ البدایۃ میں ہے کہ اس کو بعد میں ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ جیسے کہ ابن اسحاق دیگر آئمہ نے ذکر کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنونضیر کے محاصرہ کے دوران شراب حرام ہوئی۔ صحیح میں ہے کہ غزوۂ احد میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبح شراب پی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت شراب حلال تھی۔ یہ اس کے بعد حرام ہوئی اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ بنونضیر کا واقعہ غزوۂ احد کے بعد رونما ہوا تھا۔

2. حاکم نے لکھا ہے کہ بنوقینقاع اور بنونضیر کی جلاوطنی ایک ہی زمانہ میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ مؤقف درست نہیں۔ کیونکہ بنونضیر کی جلاوطنی غزوہ بدر سے چھ ماہ بعد ہوئی تھی۔ یہ حضرت عروہ کا قول ہے۔ جیسے کہ امام بخاری نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ عبدالرزاق نے ان سے متصل روایت لکھی ہے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے طویل مدت بعد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ بئر معونہ کے واقعہ کے بعد چار ہجری میں رونما ہوا تھا۔ جبکہ بنوقینقاع کا واقعہ دو ہجری ماہ شوال میں رونما ہوا تھا۔

❁❁❁❁

تیرھواں باب

غزوۂ احد

اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں قریش کے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بقیہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ آگئے تھے۔ ابوسفیان ان کا قافلہ لے آیا تھا اسے دارالندوہ میں رکھ دیا تھا۔ وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اس کو نہ بلایا تھا نہ تقسیم کیا تھا۔ ان کے سرداروں نے چاہا کہ وہ اس سے ایک لشکر جرار تیار کریں۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، خویلطب بن عبدالعزیٰ، صفوان بن امیہ اور دیگر وہ افراد جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگِ بدر میں تہ تیغ ہو گئے تھے۔ وہ ابوسفیان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ''محمد عربی ﷺ نے تمہیں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ تمہارے بہترین سرداروں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ اس مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم ان کے ساتھ جنگ کریں۔ شاید ہم اس ہزیمت کا بدلہ ان سے لے سکیں۔ ابوسفیان نے کہا: ''میں سب سے پہلے اس صدا پر لبیک کہتا ہوں۔''

علامہ بلاذری نے لکھا ہے'' نہیں! بلکہ ابوسفیان خود چل کر ان افراد کے پاس گیا تھا اور ان سے بات چیت کی تھی اس کارواں میں ایک ہزار اونٹ تھے۔ پچاس ہزار دینار تھے۔ انہوں نے اہلِ کارواں کو ان کا اصل سرمایہ واپس کر دیا اور نفع رکھ لیا۔ وہ ایک دینار سے ایک دینار نفع حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے پچیس ہزار دینار حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مختص کیے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝۳۶

(الانفال: ۳۶)

ترجمہ: ''بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ اکٹھے ہوں گے دوزخ کی طرف۔''

قریش نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبعری ہبیرۃ بن ابی وھب، مسافع بن عبد مناف اور ابوعزہ عرب کے پاس گئے۔ ابوعزہ پر حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر میں احسان کیا تھا اور اسے فدیہ کے بغیر رہا کیا تھا۔ انہوں نے انہیں ترغیب دی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ عرب نے ان کی اس صدا پر لبیک کہا۔ لشکر جمع ہونے لگے ان کا قائد ابوسفیان تھا۔ انہوں نے قریش، حلیفوں اور احابیش سے تقریباً تین ہزار کا لشکر جرار تیار کیا جس میں سات سو زرہ پوش تھے۔ دو سو گھڑ سوار تھے۔

حضرت عباس نے حضور اکرم ﷺ کی طرف مکتوب گرامی لکھا۔ تاکہ حضور اکرم ﷺ کو ان حالات سے آگاہ کریں۔ یہ خط بنو غفار کے ایک شخص کے ہاتھوں بھیجا۔ جب قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ قباء میں تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ خط پڑھ کر سنایا۔ آپ نے ان سے کہا کہ اس خط کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔ آپ حضرت سعد بن ربیع کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں حضرت عباس کے خط کے بارے بتایا۔ فرمایا: ''بخدا! مجھے امید ہے کہ اچھا ہی ہوگا۔ اس خط کو مخفی رکھنا۔'' جب حضور ﷺ حضرت سعد کے ہاں سے تشریف لے گئے تو ان کی زوجہ ان کے پاس آئیں۔ انہوں نے کہا: ''حضور اکرم ﷺ نے ابھی ابھی تمہیں کیا بتایا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''تمہاری ماں تم پر روئے! تمہیں اس سے کیا سروکار!'' اس نے کہا: میں تمہاری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے حضرت سعد کو وہ ساری باتیں بتا دیں۔ انہوں نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر اپنی زوجہ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ سے ملاقات کی اور اس کی بات بتا دی۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے کہ یہ خبر پھیل جائے گی آپ سمجھیں گے کہ میں نے یہ خبر پھیلائی ہے حالانکہ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے مخفی رکھوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔''

کفار قریش کا مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہونا

وہ پانچ شوال کو مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ وہ اپنے ہمراہ خواتین بھی لے کر آئے تھے تاکہ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ ابوسفیان اپنی زوجہ ہند بنت عتبہ کو لے نکلا۔ اسی طرح سارے سرداران قریش اپنی اپنی بیویوں کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ ان کے ساتھ دف بھی تھے۔ وہ مقتولین بدر پر رو رہی تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام کو بلایا جسے وحشی کہا جاتا تھا وہ حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جبیر نے اسے کہا: ''لوگوں کے ساتھ نکلو اگر تم نے محمد عربی ﷺ کے چچا کو میرے چچا طعیمہ کے بدلے میں قتل کر دیا تو تو آزاد ہے۔'' ھند جب بھی وحشی کے پاس سے گزرتی وہ کہتی: ''ابو دسمہ! ہمیں بھی شفاء دو خود بھی شفاء حاصل کرو۔'' وحشی کی کنیت ابو دسمہ تھی۔

ابو عامر فاسق عبد عمرو بن صیفی پچاس منافقین کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف نکلا اس نے قریش کو حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارا۔ وہ ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کا گمان تھا کہ اس کی قوم اس کی مدد کرے گی۔ جب قریش الابواء کے مقام سے گزرے تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر انور اکھیڑنے کا ارادہ کیا پھر رب تعالیٰ نے انہیں یوں کرنے سے روک دیا۔

ابو الولید نے ہشام بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ جب قریش غزوۂ احد کے لیے عازم سفر ہوئے۔ وہ ابواء اترے۔ ھند بن عتبہ نے کہا: "محمد عربی ﷺ کی والدہ کی قبر ابواء میں ہے۔ کیا تم ان کی والدہ کی قبر انور اکھیڑ نہیں سکتے اگر تم میں سے کوئی گرفتار ہو گیا تو ہم ہر ہر عضو کے بدلے میں ایک ایک انسان کو آزاد کرا لیں گے۔ ابو سفیان نے اس بات کا تذکرہ قریش سے کیا اور کہا: "یہ عمدہ رائے ہے۔" قریش نے کہا: "یہ دروازہ نہ کھولو تا کہ بنو بکر ہمارے مردوں کے ساتھ اس طرح نہ کریں۔"

قریش کی روانگی کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ یہودی اور منافقین مختلف افواہیں پھیلانے لگے۔ عمرو بن سالم ایک گروہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ذی طویٰ کے مقام سے قریش سے جدا ہو چکے تھے۔ انہوں نے سارے حالات آپ کے گوش گزار کیے۔ پھر واپس چلے گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت انس اور حضرت مونس کو بھیجا۔ اس روز جمعرات کی رات تھی۔ شوال کے کئی دن گزر چکے تھے۔ وہ عقیق کے مقام پر قریش سے ملے پھر واپس آ کر حضور اکرم ﷺ کو ان کے حالات بتا دیے۔ انہوں نے عریض کی وادی میں اپنے اونٹ اور گھوڑے کھول رکھے تھے۔ وہ اس کا سارا سبزہ کھا گئے تھے۔ قریش بدھ کے روز مدینہ طیبہ کے سامنے وادیٔ قناۃ میں اترے۔ جمعرات اور جمعۃ کے روز ان کے اونٹ اس وادی کا سبزہ کھاتے رہے۔ انہوں نے سبزہ نہ چھوڑا۔ آپ نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے ان کا جائزہ لیا۔ پھر واپس آ گئے۔ انہوں نے ان کی تعداد اور سامان کا اندازہ لگایا۔ آپ نے فرمایا: "ان کے بارے ایک حرف تک کسی کو نہ بتانا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل اللھم بک اجول و بک اصول" اوس اور خزرج کے جوانوں نے ساری رات حضور اکرم ﷺ اور مسجد نبوی کا پہرہ دیتے ہوئے گزار دی انہوں نے صبح تک مدینہ طیبہ کی نگرانی کی۔

آپ کا خواب

ابن اسحاق، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، ابن ماجہ، امام بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ میرا گمان اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے وہ تو مدینۃ النبی یثرب ہے۔ میں نے خواب دیکھا کہ میری تلوار کی دھار

پر دندانے پڑ چکے ہیں۔ اس کا پھل ٹوٹ گیا ہے یا میری تلوار کی دھار ٹوٹ گئی ہے۔" اس سے مراد وہ نقصان ہے جو غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ہوا تھا۔ عروۃ نے کہا ہے "آپ نے جو کچھ تلوار کے دندانوں کے بارے دیکھا تھا اس سے مراد آپ کا چہرۂ انور کا زخمی ہونا تھا۔" ابن ہشام نے لکھا ہے کہ تلوار کے دندانوں سے مراد یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی شہید ہو گا۔" پھر میں نے اسے ہلایا تو وہ پہلے سے عمدہ ہو گئی۔" اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح آجانا اور مسلمانوں کا ایک بات پر اتفاق کر لینا ہے۔" میں نے خواب میں دیکھا ہے اللہ بہتر کرے گا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ اس سے مراد اس غزوہ میں اہلِ ایمان کا مقام شہادت پر فائز ہونا ہے۔ اس کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے بھلائی آگئی۔ اس صدق کا اجر آگیا جو غزوۂ بدر کے بعد ہمارے پاس آیا ہے۔

امام احمد، امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ بدر میں ذوالفقار تلوار مال غنیمت میں ملی۔ آپ نے احد کے روز اس کے بارے خواب دیکھا تھا۔ آپ نے ہتھیار زیب تن فرمانے سے قبل فرمایا تھا: "میں نے خود کو دیکھا ہے کہ میں محفوظ زرہ میں ہوں۔ میں نے اس کی تعبیر مدینہ طیبہ سے کی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میں مینڈھے کے پیچھے سوار ہوں۔ میں نے اس سے مراد لشکر کا سردار لیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے یہ تاویل کی ہے کہ تم سے کمزوری ظاہر ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔ گائے! اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔"

امام احمد، الطبرانی، حاکم، بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے یوں دیکھا جس طرح کہ ایک خواب دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ گویا کہ میں مینڈھے کے پیچھے بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کی دھار ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے اس کی تاویل یہ کی ہے ہم قوم کے بہادر شخص کو قتل کریں گے اور میرے اہل بیت میں سے ایک شخص شہید ہو گا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر اقدس پر شہادت کا تاج سجا۔ طلحہ بن ابی طلحہ قتل ہوا وہ مشرکین کا علمبر دار تھا۔

امام احمد، امام نسائی، دارمی اور ضیاء المقدسی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ گویا میں مضبوط زرہ میں ہوں۔ میں نے دیکھا کہ گویا گائے ذبح کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔"

طبرانی، بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب ابوسفیان اور اس کا لشکر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے۔ اس سے مراد کسی مصیبت کا سامنا کرنا ہے۔

میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے۔ یہ بھی مصیبت کی علامت ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے زرہ پہن رکھی ہے۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے وہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ان شاء اللہ!''

امام بیہقی نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ آپ کی تلوار کو دندانے لگنے سے مراد آپ کا چہرۂ انور کا زخمی ہو جانا ہے۔ ابن عقبہ، ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خواب جمعہ کے روز دیکھا تھا۔ وقتِ صبح آپ کے صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر ان کے لیے خواب بیان کیا۔ پھر فرمایا: ''اگر تم پسند کرو تو مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہو۔ ہم خواتین اور بچوں کو گھروں میں بھیج دیں گے۔ اگر وہ یوں ٹھہرے رہے تو انہیں مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر وہ شہر خوباں کے اندر آ گئے تو ہم گلی کوچوں میں ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ ہم ان سے خوب آگاہ ہیں۔ ہم انہیں بلند مکانوں اور اونچے ٹیلوں سے ماریں گے۔ مدینہ طیبہ کو چاروں اطراف سے عمارات نے گھیر رکھا تھا۔ یہ قلعہ کی مانند ہو گیا تھا۔ جو رائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی وہی رائے مہاجرین اور انصار میں سے اکابر صحابہ کرام کی تھی۔ ابن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں نوعمر جوان تھے۔ جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ شہادت اور دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔ رب تعالیٰ نے غزوۂ احد میں ان کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں لے کر دشمن کی طرف نکلیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے بزدلی دکھائی ہے۔'' ابن ابی نے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہیں۔ آپ باہر نہ نکلیں۔ بخدا! ہم جب بھی باہر نکل کر دشمن سے جنگ آزما ہوئے ہیں۔ ہمیں نقصان ہوا ہے۔ جب بھی دشمن ہمارے شہر میں داخل ہوا۔ اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ حضور والا! انہیں چھوڑ دیں۔ اگر وہ ٹھہرے رہے تو وہ برے حالات میں ٹھہریں گے۔ اگر وہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ تو مرد ان کے سامنے سے مقابلہ کریں گے۔ بچے اوپر سے انہیں پتھر ماریں گے۔ وہ اسی طرح خائب و خاسر لوٹ جائیں گے جس طرح آئے ہیں۔'' حضرات حمزہ، سعد بن عبادہ، نعمان بن مالک اور انصار کے ایک گروہ نے کہا: ''یارسول اللہ! ہمیں خدشہ ہے کہ دشمن سمجھے گا کہ ہم بزدلی کی وجہ سے ان کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلے۔ وہ ہم پر جرأت کرے گا۔ غزوۂ بدر میں آپ کے ہمراہ تین سو مجاہد تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح یاب کیا۔ آج ہماری تعداد کثیر ہے۔ ہم تو اس دن کی تمنا کرتے تھے۔ رب تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے۔ رب تعالیٰ انہیں چلا کر ہمارے صحن میں لے آیا ہے۔'' جب آپ نے ان کا یہ اصرار دیکھا تو آمادگی کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے اسلحہ بھی زیبِ تن کر رکھا تھا۔

ایاس بن اوس نے کہا: ''ہم بنو عبد الاشہل ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ ذبح ہونے والی گائے ہم ہی ہوں۔'' ایک اور صحابی نے عرض کی: ''یہ دو بھلائیوں میں ایک بھلائی ہوگی۔ یا فتح یا شہادت۔ بخدا! اہل عرب یہ طمع نہیں کرسکیں گے کہ ہمارے

گھروں میں گھس آئیں۔" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے۔ میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ میں مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر دشمن سے اپنی تلوار کے ساتھ جنگ نہ کرلوں۔" انہوں نے بروز جمعۃ المبارک اور بروز ہفتہ روزہ رکھا۔" حضرت نعمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں جنت سے محروم نہ کریں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں ضرور جنت میں داخل ہوں گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ذرا ٹھہرو!" انہوں نے عرض کی: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ! میں جنگ کے روز راہ فرار اختیار نہیں کروں گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم نے سچ کہا ہے۔" اس روز انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت مالک بن سنان، حضرت ایاس بن عتیک اور ایک گروہ نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر ابھارا۔ جب ان کا اصرار بڑھا تو آپ نے لوگوں کو نماز جمعۃ پڑھائی انہیں وعظ و نصیحت سے نوازا۔ کوشش اور جدوجہد کا حکم دیا۔ انہیں بتایا کہ نصرت انہی کے لیے ہیں جب تک انہوں نے صبر کا دامن پکڑے رکھا۔ صحابہ کرام دشمن کی طرف نکلنے پر خوش ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے اسے ناپسند بھی کیا۔ آپ نے لوگوں کو نماز عصر پڑھائی۔ صحابہ کرام جمع ہو چکے تھے۔ بالائی علاقوں کے لوگ بھی آ چکے تھے۔ انہوں نے اپنی خواتین کو گڑھیوں میں بھیج دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے آپ کو عمامہ باندھا۔ ہتھیار سجانے میں آپ کی مدد کی۔ لوگوں نے آپ کے حجرہ مقدسہ سے لے کر منبر شریف تک صفیں بنا رکھی تھیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر آئے۔ انہوں نے صحابہ کرام سے کہا: "تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبور کیا ہے اور وہ کچھ کہا ہے جو کہا ہے۔ آپ پر آسمانوں سے وحی آتی ہے۔ معاملہ کو آپ کی طرف ہی لوٹا دو۔ جو تمہیں دیں وہ کر گزرو۔ جس امر میں آپ کی رائے اور تمنا ہو اس کی اطاعت کرو۔" اسی اثناء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ کمر مبارک کے ارد گرد کمر بند باندھا ہوا تھا۔ تلوار حائل کی ہوئی تھی۔ عمامہ شریف باندھ رکھا تھا۔ لوگ اس امر پر نادم تھے جو آپ کو مجبوراً باہر نکال رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو مجبور کیا ہے۔ یہ ہمارے لیے روا نہ تھا۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو یہیں ٹھہر جائیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تمہیں اسی امر کی طرف بلایا تھا لیکن تم نے انکار کر دیا تھا۔ ایک نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہتھیار سجا کر انہیں اتار دے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے مابین فیصلہ کر دے۔ اس نے جو تمہیں حکم دیا ہے اسے دیکھو اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ رب تعالیٰ کے مبارک نام کے ساتھ عازم سفر ہو

جاؤ۔ جب تک تم نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ تمہاری نصرت ہی کی جائے گی۔" صحابہ کرام نے دیکھا کہ مالک بن عمرو یا محرز بن عامر کا وصال ہو چکا تھا۔ انہوں نے انہیں جنازہ گاہ میں رکھا۔ آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ نے تین نیزے منگوائے۔ تین جھنڈے باندھے اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کے سپرد کیا۔ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر کو دیا یا حضرت سعد بن عبادہ کو دیا۔ جبکہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احد کی طرف روانگی

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھوڑے "السکب" پر سوار ہوئے، کمان لٹکائی۔ ہاتھ میں نیزہ تھاما۔ مسلمانوں نے ہتھیار سجا رکھے تھے۔ ان میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ آپ کے آگے آگے بھاگتے جا رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے زرہ پہن رکھی تھی۔ صحابہ کرام آپ کے دائیں اور بائیں تھے۔ ثنیہ کی چوٹی پر جا کر آپ نے ایک لشکر دیکھا۔ جو ہتھیار سجائے شور و غل کرتا ہوا آرہا تھا۔ آپ نے پوچھا: "یہ کون ہیں؟" صحابہ کرام نے عرض کی: "یہ عبداللہ بن ابی کے یہودی حلیف ہیں۔" آپ نے فرمایا: "کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟" صحابہ کرام نے عرض کی: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "ہم اہلِ شرک سے اہلِ شرک کے خلاف مدد نہیں کریں گے۔" آپ آگے روانہ ہو گئے۔ آپ دو ٹیلوں "شیخین" کے پاس جا کر رک گئے۔ آپ پر آپ کا لشکر پیش کیا گیا۔ چھوٹے بچوں کو واپس کر دیا گیا۔ امام شافعی نے شیخ نجم الدین القمولی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سترہ بچوں کو واپس بھیج دیا۔ ان کی عمریں ۱۴،۱۴ سال تھیں۔ کیونکہ وہ بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ آپ کی خدمت میں پندرہ سالہ جوان پیش کیے گئے۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ درج ذیل حضرات تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت نعمان بن بشیر (ان کے بارے اختلاف ہے کیونکہ ان کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال ہوئی تھی) حضرت زید بن ارقم، حضرت براء بن عازب، حضرت رافع بن خدیج، حضرت اسید بن حضیر، حضرت عرابۃ بن اوس، حضرت ابوسعید خدری، حضرت اوس بن ثابت، حضرت سعد بن بحیر حضرت سعید بن حبتہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا یہ سخت قتال کر رہے تھے۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی۔ سر پر دست اقدس پھیرا۔ ان کی نسل اور اولاد میں برکت کی دعا کی۔ یہ چالیس افراد کے چاچا چالیس کے بھائی اور بیس افراد کے باپ تھے۔ امام قاضی ابو یوسف انہی کی اولاد میں سے تھے) حضرت سعد بن عقیب، حضرت زید بن جاریہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت سمرۃ

بن جندب رضی اللہ عنہ۔ پھر آپ نے حضرت رافع بن خدیج کو اجازت دے دی۔ جب آپ سے عرض کی گئی کہ وہ تیر اندازی کر لیتے ہیں۔ حضرت سمرہ بن جندب نے اپنے سوتیلے باپ مزی بن سنان سے کہا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رافع کو اجازت دے دی ہے۔ مجھے واپس کر دیا ہے حالانکہ میں انہیں پچھاڑ سکتا ہوں۔'' آپ کو یہ عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: ''ان کی کشتی کرالو۔'' حضرت سمرہ نے حضرت رافع کو پچھاڑ دیا۔ ان کو بھی اجازت مل گئی۔ ابن ابی ایک طرف فروکش ہوا۔ جب یہ معاملہ ختم ہو گیا تو سورج غروب ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آذانِ مغرب دی۔ آپ نے صحابہ کرام کو نمازِ مغرب پڑھائی۔ پھر انہوں نے نمازِ عشاء کے لیے اذان دی۔ آپ نے انہیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ شیخین کے پاس رات بسر کی۔ پچاس مجاہدین پر حضرت محمد بن مسلمہ کو نگران مقرر کیا۔ جو لشکر کے ارد گرد چکر لگاتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''آج ہماری حفاظت کون کرے گا۔''

حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اپنی زرہ پہنی ڈھال لی اور ساری رات آپ کی نگرانی کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت سحر تک سوئے رہے۔ آپ نے نمازِ صبح پڑھی۔ آپ نے فرمایا: ''رستہ بتلانے والے کہاں ہیں؟ کون ہے جو ہمیں ٹیلے کی اس طرف سے لے کر جائے کہ کفار ہمیں نہ دیکھ سکیں۔'' حضرت ابوخیثمہ حارثی اٹھے۔ (ابن سعد نے انہیں حثمہ لکھا ہے۔ ابوالفتح نے اس کی تصویب کی ہے۔ الحافظ نے الاصابۃ میں لکھا ہے کہ اس پر صرف ابوعمر کا یہ قول دلالت کر رہا ہے۔ ''صحابہ کرام میں ابوخیثمہ کے علاوہ اور کوئی صحابی نہیں ہے۔ وہ جعفی ساعی ہیں۔'' لیکن اس حصر میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے) انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ''میں'' وہ آپ کو بنو حارثہ کی چٹان اور ان کے اموال کے مابین لے کر چلے۔ حتیٰ کہ وہ مربع کے چشمہ میں سے چلے۔ وہ منافق اور بصارت کا اندھا تھا۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے چلنے کی آہٹ سنی تو وہ ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگا۔ اس نے کہا: ''اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو تو پھر میں آپ کو اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دوں گا۔'' دوسری روایت میں ہے کہ اس نے ہاتھوں میں مٹھی بھر مٹی لی۔ اس نے کہا: ''اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ آپ کے علاوہ کسی اور پر نہیں گرے گی۔ تو آپ کے چہرے پر پھینک دیتا۔'' صحابہ کرام اس کی طرف سے جلدی سے گئے تاکہ اسے تہ تیغ کریں۔ آپ نے فرمایا: ''اسے قتل نہ کرو یہ دل کا بھی اندھا ہے اور بصارت کا بھی۔''

حضرت سعد بن زید اشہلی جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے سے قبل اس کی طرف گئے۔ اسے کمان ماری اور زخمی کر دیا۔ بنو حارثہ ان سے ناراض ہو گئے۔ یہ اس کی قوم تھے۔ ان کی رائے بھی یہی تھی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے ان کا ارادہ کیا۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا تو وہ رک گئے۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے اپنی دم سے مکھیاں دور کیں۔ دم ان کی تلوار کے دستے کی میخ کو لگی۔ وہ تلوار کھل گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آپ عمدہ فال پسند کرتے تھے۔ ''اے تلوار والے! اپنی تلوار کو نیام میں کرلو۔ عنقریب آج تلواریں بے نیام ہوں گی۔ کثرت سے شمشیر زنی ہوگی۔''

ابن ابی کا اپنے افراد سمیت الگ ہو جانا

جب سپہ سالار اعظم شوط کے مقام پر پہنچے تو ابن ابی لوگوں کے ایک تہائی حصہ کو لے کر الگ ہو گیا۔ وہ شتر مرغ کی طرح بھاگا۔ اس نے کہا: ''انہوں نے ایسے بچوں کی رائے پر عمل کیا ہے جن کی رائے ہے ہی نہیں۔ میری بات نہیں مانی۔ اے لوگو! مجھے علم نہیں کہ ہم خود کو ان حالات میں موت کی وادی میں کیوں پھینکیں۔ منافقین اور متردد لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ حضرت عبداللہ بن حزام رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے۔ انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ تم اس وقت اپنی قوم کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا نہ کرو جبکہ دشمن کا سامنا ہو رہا ہے۔ اے قوم! آؤ! راہِ خدا میں قتال کرو یا دفاع کرو۔'' انہوں نے کہا: ''اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم تمہارا ساتھ نہ چھوڑتے۔ لیکن یہ جنگ ہرگز نہیں ہوگی۔ اگر تم بھی ہماری پیروی کرو تو ہمارے ساتھ لوٹ چلو۔'' جب منافقین نے ان کی نافرمانی کی اور انکار کر دیا تو انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے مستغنی کر دے گا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

(آل عمران: ۱۷۹)

ترجمہ: ''نہیں ہے اللہ کی (شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی وہی مراد ہیں:

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۱۶۷﴾ (آل عمران: ۱۶۷)

ترجمہ: ''اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے۔ اور کہا گیا ان سے آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) تو بولے کہ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب تھے۔ بنسبت ایمان کے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں ان کے دلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔''

حضرت عروہ اور موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ جب ابن ابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا تو بنو سلمہ اور

بنو حارثہ کے پاؤں کچھ دیر کے لیے ڈگمگائے کہ وہ نبرد آزما ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم فرما دیا۔ اس لیے اس نے فرمایا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ (آل عمران:۱۲۲)

ترجمہ: "جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا"

حضرت سعید بن منصور، عبد بن حمید، امام مسلم، امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ ان کے پاؤں نہیں ڈگمگائیں گے کیونکہ اس نے فرمایا تھا: "واللہ ولیہما"

ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جب ابن ابی واپس آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔

امام مسلم، امام بخاری نے حضرت زید بن ثابت سے اور ابن اسحاق نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کی طرف نکلے۔ آپ کے ساتھ منافق لوگ بھی نکلے۔ وہ واپس آ گئے۔ صحابہ کرام کے ان کے بارے دو گروہ بن گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔" دوسرے نے کہا: "ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ (النساء:۸۸)

ترجمہ: "سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو انہوں نے کیے۔"

ان کے اعمال کی وجہ سے رب تعالیٰ نے ان کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ طیبہ ہے یہ خبیث کو یوں نکال پھینکتا ہے۔ جس طرح آگ چاندی کی میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔"

امام زہری نے روایت کیا ہے کہ جب ابن ابی واپس آ گیا تو انصار نے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے حلیف یہودیوں سے مدد طلب کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔" جمہور علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مجاہدین کے ساتھ رہے۔ صرف آپ کا یا ابن ابو بردہ کا گھوڑا تھا۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ پہاڑ کی طرف احد کے دامن میں نزول اجلال فرمایا۔ کوہ احد کو اپنی کمر کے پیچھے رکھا۔ آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ انور کیا۔ کوہ عینین کو اپنے دائیں طرف رکھا۔ احد کے دامن میں مسلمانوں نے صفیں

باندھ لیں۔ ہفتہ کے روز نماز کا وقت ہو گیا۔ مسلمان مشرکین کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اقامت کہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز صبح پڑھائی۔

آپ کا خطبہ اور جنگ کی تیاری

محمد بن عمر اسلمی نے فرمایا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جس کی وصیت اس نے مجھے اپنی کتاب میں کی ہے۔ اس نے مجھے اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ حرام امور سے بچنے کی وصیت کی ہے۔ آج تم اجر و ثواب کی منزل پر ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا۔ پھر اس نے اپنے نفس کو صبر، یقین، جد و جہد اور نشاط کا عادی بنایا۔ دشمن سے مصروف پیکار ہونا بہت مشکل ہے کم لوگ ہی اس پر صبر کرتے ہیں۔ مگر جسے رب تعالیٰ اپنی ہدایت عطا کر دے۔ رب تعالیٰ کی معیت اسے حاصل ہوتی ہے۔ جو اس کی اطاعت بجالاتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ اعمال کا آغاز جہاد پر صبر کے ساتھ کرو۔ اس سے اس چیز کو تلاش کرو۔ جو رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے اسے لازم پکڑو۔ میں تمہاری ہدایت کا حریص ہوں۔ باہمی اختلاف، لڑائی اور پست ہمتی عاجزی اور کمزوری کی نشانیاں ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اس پر وہ نصرت اور فتح مندی عطا نہیں کرتا۔ اے لوگو! یہ چیز میرے سینہ میں تازہ ڈالی گئی ہے کہ جو شخص حرام امور سرانجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے مابین تفریق ڈال دیتا ہے۔ جو اس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے رب تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ جو میری جناب میں ایک دفعہ درود پاک عرض کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اور اس کے فرشتے دس بار اس پر درود بھیجتے ہیں۔ جو کسی مسلمان یا کافر پر احسان کرتا ہے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔ وہ اسے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعۃ المبارک فرض ہے مگر بچہ، عورت، مریض اور غلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جو اس سے مستغنی ہوتا ہے رب تعالیٰ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ وہ غنی اور حمید ہے۔ میں کسی ایسے عمل کو نہیں جانتا جو تمہیں رب تعالیٰ کے قریب کر دے مگر میں نے اس کا تمہیں حکم دے دیا ہے۔ میں کسی ایسے عمل کو نہیں جانتا جو تمہیں آگ کے قریب کر دے۔ مگر میں نے تمہیں اس سے منع کیا ہے۔

روح الامین حضرت جبرائیل نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی حاصل کر لے۔ اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اگر اس میں تاخیر ہو جائے تو اپنے رب سے ڈرو۔ تلاشِ رزق میں اچھے وسائل تلاش کرو۔ اس کا تاخیر سے آنا تمہیں اس امر پر نہ ابھارے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اسے تلاش کرو۔ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے تمہارے لیے حلال اور حرام کو بیان کر دیا ہے۔ لیکن ان کے مابین کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ مگر جسے رب تعالیٰ بچا لیتا ہے۔ جو مشتبہ اشیاء کو ترک کرتا ہے اس کی عزت اور دین محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو اس میں گرتا ہے وہ اس چرواہے کی طرح ہوتا ہے جو چراگاہ کے ساتھ چراتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ اس میں گر پڑے۔ ہر بادشاہ کی محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ اس کے حرام کردہ امور ہیں۔ مؤمنین میں سے ہر ایک مومن اس طرح ہے جس طرح جسم کا سر ہوتا ہے۔ جب سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو اذیت پہنچتی ہے۔ السلام علیکم!''

حضور اکرم ﷺ نے قتال کی تیاری کی۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک جنگ کی ابتداء نہ کرے حتیٰ کہ ہم اسے قتال کا حکم دیں۔ قریش نے اپنے اونٹ اور گھوڑے مسلمانوں کے کھیتوں میں چرنے کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ یہ کھیت ''الصمغہ'' کے مقام پر تھے۔ ایک انصاری شخص نے کہا: ''کیا تم بنو قیلہ کے کھیتوں میں جانور چراتے ہو؟'' جب جنگ کی تیاری ہو رہی تھی تو حضور نبی کریم ﷺ نے تیر انداز دستے پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر کیا۔ انہوں نے اس روز سفید کپڑوں کی علامت لگا رکھی تھی۔ یہ تیر اندازوں کا دستہ پچاس افراد پر مشتمل تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''ہم سے گھڑ سواروں کو دور کرو۔ وہ پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اگر ہمیں فتح ہو تو تم اپنی جگہ پر ٹھہرنا۔ دشمن تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ کر دے۔ اس جگہ کو لازم پکڑنا اس سے ہرگز نہ ہٹنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے انہیں شکست دے دی ہے۔ ہم ان کے لشکر میں داخل ہو گئے ہیں تم پھر بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں۔ تو پھر بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنا۔ حتیٰ کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیج دوں۔ اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے تو نہ ہماری مدد کرنا نہ ہمارا دفاع کرنا۔ ان پر تیر پھینکنا جہاں تیر گر رہے ہوں اس جگہ گھوڑے نہیں آتے۔ جب تک تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے ہم غالب رہیں گے۔ مولا! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔''

آپ نے لشکر کی ایک طرف حضرت زبیر بن عوام کو اور دوسری طرف حضرت منذر بن عمر غنوی کو مقرر کیا۔ آپ نے

پوچھا: "مشرکین کا علمبردار کون ہے؟" آپ سے عرض کی گئی: "طلحہ بن ابی طلحہ" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہم ان سے زیادہ وفاء کے حق دار ہیں۔" آپ نے علم اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔"

ابو یعلی نے ثقہ راویوں سے حضرت معاذ (بنو تیم کے ایک شخص) سے اور حارث اور بزار نے حسن سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ نے دو زر ہیں زیب تن فرما رکھی تھیں اس روز مسلمانوں کا شعار امت امت تھا۔

مشرکین کی جنگ کے لیے تیاری

مشرکین نے سبخہ کے مقام پر صف بندی کی۔ انہوں نے جنگ کی تیاری کی۔ ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان کے ہمراہ دو سو گھوڑے تھے جو آگے آگے تھے۔ گھڑ سوار دستے کے میمنہ پر انہوں نے خالد بن ولید کو میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو اور پیادہ فوج پر صفوان بن امیہ کو امیر مقرر کیا۔ دوسرے قول کے مطابق عمرو بن عاص کو مقرر کیا۔ تیر اندازوں پر عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ علم طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔ ابوسفیان نے علمبرداروں کو ابھارتے ہوئے کہا۔ ان کا تعلق بنو عبد الدار سے تھا۔" یا بنو عبد الدار! غزوہ بدر میں بھی ہمارا جھنڈا تمہارے ہاتھ میں تھا۔ ہمیں جو نقصان اٹھانا پڑا تم اس سے بخوبی آگاہ ہو۔ لوگوں کی فتح یا شکست کا دارو مدار جھنڈوں پر ہوتا ہے۔ اگر جھنڈے گر پڑیں تو انہیں شکست ہو جاتی ہے یا تو ہمارے جھنڈے کے لیے کافی ہو جاؤ یا ہمارے رستے سے ہٹ جاؤ۔ ہم تمہاری طرف سے اسے کافی ہو جائیں گے۔" انہوں نے پختہ عزم اور ارادہ سے کہا: "کیا ہم اپنا علم تمہیں دے دیں جب عنقریب جنگ ہو گی تو تجھے علم ہو جائے گا کہ ہم کیسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔"

ابوسفیان بھی یہی چاہتا تھا۔

جنگ کی ابتداء اور شدید لڑائی

سب سے پہلے ابو عامر عبد عمرو بن صیفی فاسق میدانِ جنگ میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے پچاس افراد تھے۔ دوسرا قول پندرہ افراد کا بھی ہے یہ لوگ اس کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے گئے تھے۔ کچھ افراد احابیش اور عبدان کے تھے۔ اس نے بآواز بلند کہا: "اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔" انہوں نے کہا: "فاسق! اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے۔" زمانہ جاہلیت میں اسے راہب کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھا۔ جب اس نے اوس کے مجاہدین کا یہ جواب سنا تو کہا: "میرے بعد میری قوم کو شر کا سامنا کرنا پڑا ہے" پھر اس نے شدید قتال کیا۔ پھر مجاہدین پر پتھر برسائے۔"

جب لشکر باہم نبرد آزما ہوئے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ہندان عورتوں کے ساتھ اٹھی جو اس کے ساتھ

تھیں۔وہ دف بجا کر یوں کہہ رہی تھیں:

ولیها بنی عبدالدار ویها حماة الادبار
ضربا بکل بتّار

ترجمہ: ''اے بنو عبدار! واہ! واہ! اے پشتوں کی حفاظت کرنے والو! واہ! ہر کاٹنے والی تلوار کے ساتھ دشمن کو مارتے چلو۔''

وہ یہ بھی کہہ رہی تھیں:

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق
الدر فی المخانق المسك فی الفارق
ان تقبلوا نعانق او تدبر و انفارق
فراق غیر وامق

ترجمہ: ''ہم طارق کی نوران نظر ہیں۔ہم نرم اور گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔موتی ہمارے گلوں میں ہیں۔ہماری مانگوں میں کستوری ہے۔اگر تم آگے بڑھ کر حملہ کرو گے تو ہم تمہیں سینوں سے لگا لیں گی۔اور اگر تم نے پیٹھ پھیر لی تو ہم تم سے جدائی اختیار کر لیں گے اور اس فراق پر ہمیں افسوس بھی نہ ہوگا۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اشعار سماعت فرمائے تو یہ دعا مانگی:

اللهم بك اجول و بك اصول و فيك اقاتل حسبی الله و نعم الوكيل۔

امام احمد، امام مسلم نے حضرت انس سے، الطبرانی نے عبادۃ بن نعمان سے، ابن راھویہ اور بزار نے حضرت زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تلوار نکالی۔صحابہ کرام اس کی طرف دیکھنے لگے۔ہر ہر صحابی نے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔وہ کہہ رہے تھے: ''مجھے عنایت فرمائیں'' آپ نے فرمایا: ''اس کا حق کون ادا کرے گا؟'' صحابہ کرام خاموش ہو گئے۔چند افراد آگے بڑھے مگر آپ نے انہیں تلوار عنایت نہ کی۔ابن عتبہ نے لکھا ہے: ''جب آپ نے تلوار نکالی تو حضرت عمر فاروق نے دامن طلب پھیلایا'' آپ نے انہیں عطا نہ کی پھر حضرت زبیر نے مانگی آپ نے انہیں بھی عطا نہ کی۔'' ابن راھویہ نے لکھا ہے کہ حضرت زبیر نے آپ سے تین دفعہ طلب کی مگر آپ نے انہیں عطا نہ کی۔

الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے اور تلوار کے لیے دامن طلب پھیلایا۔آپ نے ان سے فرمایا: ''تم بیٹھ جاؤ۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''اس کا حق کون ادا کرے گا؟'' حضرت ابودجانہ اٹھے۔انہوں نے عرض کی: ''یارسول

اللہ! اس کا کیا حق ہے؟" آپ نے فرمایا: "اسے دشمن پر اتنا مارا جائے کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں اس کا حق ادا کروں گا۔" آپ نے فرمایا: "شاید جبکہ میں تمہیں یہ تلوار عطا کر دوں تو تم آخری صفوں میں قتال کرو۔" آپ نے یہ تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی۔ حضرت ابودجانہ ایک بہادر شخص تھے۔ وہ جنگ کے وقت فخر سے چلتے تھے۔ ان کے پاس سرخ پٹی تھی۔ جو جنگ کے وقت ان کا نشان ہوتی تھی۔ وہ اسے اپنے سر پر باندھ لیتے تھے۔ جب وہ اسے باندھتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ آج وہ قتال کریں گے۔ جب انہوں نے آپ کے دست حق نما سے تلوار لی تو وہ پٹی نکالی۔ اس سے اپنا سر باندھا۔ انصار نے کہا: "حضرت ابودجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے۔" وہ یوں ہی کہتے تھے جب وہ اس پٹی کو باندھ لیتے تھے۔ پھر وہ دونوں صفوں کے مابین متکبرانہ چال چلنے لگے۔ آپ نے ان کی یہ چال دیکھی تو فرمایا: "رب تعالیٰ اس چال کو ناپسند کرتا ہے۔ سوائے ایسے مقام کے" حضرت زبیر نے فرمایا: "جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابودجانہ کو یہ تلوار عطا کر دی۔ تو میں نے اپنے نفس میں کچھ (تردد) پایا۔ کہ میں نے آپ سے تلوار مانگی تھی مگر آپ نے مجھے نہ دی اور ابودجانہ کو دے دی۔ میں نے کہا: "میں حضرت صفیہ، حضور اکرم ﷺ کی پھوپھو کا بیٹا ہوں۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی مگر آپ نے یہ تلوار ابودجانہ کو عطا کر دی۔ آپ نے مجھے چھوڑ دیا۔ بخدا! میں دیکھوں گا کہ ابودجانہ کیا کرتے ہیں؟ میں ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ وہ یوں کہتے ہوئے باہر نکلے:

انا الذی عاھدنی خلیلی	و نحن بالسفح لدی النخیل
الا اقوم الدھر فی الکیّول	اضرب بسیف اللہ والرسول

ترجمہ: "میں وہ شخص ہوں جس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے ساتھ اس وقت معاہدہ کیا تھا جب ہم کھجوروں کے پاس کھلے میدان میں تھے کہ میں تاعمر پچھلی صفوں میں شمشیر زنی نہیں کروں گا۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی تلوار کو چلاتا رہوں گا۔"

وہ جس چیز کے پاس سے گزرتے اسے کاٹ کر رکھ دیتے۔ انہوں نے اس تلوار کے ساتھ مشرکین کی کھوپڑیاں چیر دیں۔ جب وہ کند ہونے لگتی تو اسے پتھر سے تیز کر لیتے۔ پھر دشمن کو یوں کاٹنے لگتے گویا کہ وہ درانتی ہو۔ مشرکین میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جو ہمارے ہر زخمی کو جلدی سے قتل کر دیتا تھا حضرت ابودجانہ اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے۔ وہ باہم جنگ آزما ہوئے۔ شمشیر زنی ہونے لگی۔ پہلے مشرک نے حضرت ابودجانہ کے تلوار ماری انہوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا۔ اس کی تلوار کی ضرب سے ڈھال ٹوٹ گئی۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار ماری اور اسے واصل جہنم کر دیا۔"

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے کہا: "مشرکین میں سے ایک شخص مسلمانوں کی طرف نکلا۔ وہ

کہہ رہا تھا: "اس طرح اکٹھے ہو جاؤ جس طرح بکری کے ٹکڑے اکٹھے ہوتے ہیں۔" ایک مسلمان شخص کھڑے ہو کر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اسلحہ پہن رکھا تھا۔ میں چل کر اس کے پیچھے ہو گیا۔ میں کھڑے ہو کر ان کی تیاری کا جائزہ لینے لگا۔ میری نظر میں کافر کی تیاری اور قوت زیادہ تھی۔ میں ان کا منتظر رہا۔ حتیٰ کہ وہ باہم نبرد آزما ہو گئے۔ مسلمان نے کافر کے کندھے کی ہڈی پر ضرب کاری لگائی۔ جو اس کے کولہوں تک پہنچ گئی۔ اس نے اسے دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ مسلمان نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹایا اور پوچھا "کعب! کیا دیکھا؟ میں ابو دجانہ ہوں۔"

حضرت زبیر نے فرمایا: "میں نے انہیں دیکھا وہ ہند کے سر کی چوٹی پر تلوار سونتے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے تلوار پھیر لی۔ میں نے ان سے کہا: "تمہاری ہر کوشش میں نے دیکھی وہ مجھے پسند آئی لیکن تم نے اس عورت کو تہ تیغ نہیں کیا تھا۔" انہوں نے کہا: "اس نے آواز دی: "یا لصخر! اسے کسی نے جواب نہ دیا۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "میں نے ایک انسان دیکھا جو لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ جب اس پر تلوار سونتی تو اس نے "ہائے ہلاکت" پکارا۔ میں نے دیکھا تو وہ عورت تھی۔ میں نے ناپسند کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی تلوار سے اس عورت پر حملہ کروں جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔" میں نے کہا: "اللہ و رسولہ اعلم"

ابن اسحاق اور زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص نکلا اس نے دعوت مبارزت دی۔ لوگ اس سے رک گئے۔ اس نے تین بار یہ دعوت دی۔ وہ اپنے اونٹ پر تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ دوڑ کر اس کے پاس گئے۔ اس پر جھپٹے۔ اس کے ساتھ اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اس کے ساتھ جا ملے۔ وہ اونٹ پر بھی نبرد آزما ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا: "جو پہلے زمین پر گرے گا وہ قتل ہو جائے گا۔" مشرک پہلے زمین پر گر پڑا۔ حضرت زبیر اس پر گرے اور اسے ذبح کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے۔ میرا حواری زبیر ہے۔ اگر زبیر اس کی دعوت کا جواب نہ دیتے تو میں خود اس کے مقابلہ کے لیے جاتا۔"

لوگوں نے اس روز خوب قتال کیا۔ جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوئی۔ حضرت ابو دجانہ، طلحہ بن عبید اللہ، اسد اللہ و رسولہ حمزہ، علی المرتضیٰ، انس بن نضر، سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم نے اس روز خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی نصرت نازل کی۔ ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا۔ مسلمانوں نے مشرکین کی تلواروں کے ساتھ خوب خبر لی۔ انہیں لشکر سے دور لے گئے۔ ان کا قتل عام کیا گھڑ سوار دستے نے تین بار مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ہر بار انہیں سخت تیر اندازی کا سامنا کرنا پڑتا وہ واپس لوٹ جاتے۔ تیر انداز مسلمانوں کا پیچھے سے دفاع کر رہے تھے۔ وہ دشمن کے گھوڑوں پر تیر برساتے۔ جب بھی تیر کسی گھوڑے یا آدمی کو لگتا وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس روز اپنے

بھائی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بھائی! میری یہ زرہ لے لو۔'' انہوں نے کہا: ''میں بھی آپ کی طرح شہادت کا متمنی ہوں۔'' دونوں نے زرہ کو چھوڑ دیا۔

جب گھمسان کا رن پڑا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے جھنڈے کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ جھنڈا آگے لے کر آئیں وہ جھنڈا لے کر آئے اور کہا: ''میں ابوالقصم ہوں۔'' مشرکین کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نے دعوت مبارزت دی۔ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیو! تمہارا خیال ہے کہ تمہارے مقتول جنت میں اور ہمارے مقتول آگ میں جاتے ہیں۔ رات کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر تم اسے حق سمجھتے تو تم میں سے کوئی ایک میرے مقابلہ کے لیے آتا۔'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ دونوں صفوں کے مابین باہم نبرد آزما ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جلدی سے اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے پچھاڑ دیا لیکن اس کا سر نہ کاٹا۔ بعض صحابہ کرام نے ان سے پوچھا: ''آپ نے ان کا سر کیوں نہ کاٹا؟'' انہوں نے کہا: ''اس نے اپنی شرمگاہ میرے سامنے کر دی تھی۔ مجھے اس پر رحم آ گیا۔ میں جان گیا کہ رب تعالیٰ اس کا کام تمام کر دے گا۔''

مشرکین کے علمبردار کا قتل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی تصدیق تھا۔ آپ نے فرمایا: ''گویا کہ میں مینڈھے پر سوار ہوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ انہوں نے مشرکین پر شدت سے حملہ کیا وہ شمشیر زنی کرنے لگے وہ مشرکین کی صفوں میں گھس گئے۔ ابوعبیدہ اور زبیر بن بکار نے لکھا ہے کہ حجاج بن علاط اسی کے بارے کہتا ہے:

اللہ ای مذبّب عن خرمة	اعنی ابن فاطمة المعم المخولا
جادت یداك لهم بعاجِل طعنةٍ	ترکت طلیحة للجبین مُجدّلا
وَ شدَدْت شدَّة باَسلٍ فکشفتهم	بالجرّاذِ یهوون اخول اخولا
و عللت سیفك بالدّماء ولم تکن	لِتَردّة حرّان حتی ینهلا

ترجمہ: ''خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ عزت کا دفاع کرنے والا کون ہے۔ میری مراد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو حضرت فاطمۃ بنت اسد کے شیر دل فرزند اور شریف چچاؤں اور شریف ماموؤں والے ہیں۔ آپ کے دونوں ہاتھوں نے ایسی نیزہ بازی کے ساتھ سخاوت کی۔ جنہوں نے طلحہ کو پیشانی کے بل پچھاڑا ہوا پایا۔ آپ نے جرأت مند اور بہادر شخص کی طرح حملہ کیا۔ آپ نے کفار کو کوہ دامن کی طرف اس طرح بکھیر دیا کہ وہ گرتے ہی جا رہے تھے آپ نے بار بار اپنی تلوار کو سیراب کیا کوئی پیاسا انہیں واپس نہ لوٹا سکا حتیٰ کہ

وہ سیراب ہو گئی۔"

صحابہ کرام مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ وہ مشرکین کو قتل کرنے لگے حتیٰ کہ انہیں ان کے بوجھ سے دور ہٹا دیا۔ مشرکین کا جھنڈا ابوشیبہ عثمان بن ابی طلحہ نے اٹھایا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کے کندھے پر وار کیا۔ اس کا ہاتھ اور بازو کٹ گئی۔ تلوار اس کی کمر سے ہوتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کا پھیپھڑا باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔ علم کو ابوسعد بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے تیر مارا جو اس کے گلے پر لگا اور اس کی زبان باہر نکل آئی۔ وہ بھی واصل جہنم ہوا۔ یہ علم مسافع بن طلحہ نے اٹھا لیا۔ حضرت عاصم بن ثابت نے تیر مار کر اسے مار دیا۔ یہ جھنڈا حارث بن طلحہ نے اٹھا لیا۔ حضرت عاصم نے تیر مار کر اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان دونوں کا کام تیروں نے کیا تھا۔ اس کی ماں سلافہ اس کے پاس آئی۔ اس نے اپنا سر اس کی آغوش میں رکھا۔ اس نے پوچھا: "میرے بیٹے! تمہیں کس نے تیر مارا ہے؟" اس نے کہا: "جس شخص نے مجھے تیر مارا۔" میں نے اسے یوں کہتے سنا: "لو! میں ابن افلح ہوں۔" اس کی ماں نے نذر مانی کہ اگر اسے حضرت عاصم کا سر ملا تو وہ اس میں شراب پیے گی جو سر لے کر آئے گا اسے ایک سو اونٹ دے گی۔ اب مشرکین کا جھنڈا کلاب بن طلحہ نے اٹھا لیا۔ حضرت زبیر بن عوام نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے قول کے مطابق قزمان نے اسے واصل جہنم کیا۔ اب جھنڈا جلاس بن طلحہ نے اٹھا لیا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اب جھنڈا ارطاۃ بن شرجیل نے اٹھا لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے تہ تیغ کر دیا۔ اب جھنڈا شریح بن قارظ نے اٹھایا۔ معلوم نہیں کہ اسے کس نے تہ تیغ کیا تھا۔ اس کے بعد جھنڈا ابوزید بن عمیر نے اٹھایا۔ قزمان نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد جھنڈا قاسط بن شرجیل نے اٹھایا۔ قزمان نے اسے بھی واصل جہنم کر دیا۔ اب ان کے غلام حبشی نے جھنڈا اٹھا لیا۔ لوگوں نے کہا: "اب تیری وجہ سے ہمیں شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔" اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا اس نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا وہ بھی کٹ گیا۔ اس نے جھنڈا اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ اور کہا: "مولا! کیا میں نے اپنی قوم کی عزت رکھ لی ہے؟" مشرکین نے کہا: "ہاں! قزمان نے اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ سارے اقوال سے یہی قول درست ہے۔ مشرکین منتشر ہو گئے۔ عمرۃ بنت علقمہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔ اسے سیدھا کیا۔ مشرکین اس کی طرف لوٹ آئے۔ جب مشرکین کے اتنے علمبردار مارے گئے تو شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی خواتین ہائے ہلاکت پکار رہی تھیں۔ حضرت زبیر اور حضرت براء نے کہا: "ہم نے ہند کی خدمت گزاروں اور ساتھیوں کو دیکھا وہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں۔ مشرک قوم کو شکست ہو چکی تھی۔ مسلمان مشرکین کے لشکر میں داخل ہو گئے۔"

تیراندازوں کی لغزش

جب حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے مشرکین کی شکست ملاحظہ کی۔ انہوں نے کہا: "اے قوم! مال غنیمت! مالِ غنیمت! تم یہاں ویسے ہی کیوں کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا ہے۔ تمہارے بھائی غالب آ چکے ہیں۔ وہ مشرکین کے لشکر میں گھس گئے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ مالِ غنیمت جمع کرو۔" حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے دیگر ساتھیوں نے کہا: "کیا تمہیں علم نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: "ہمارے پیچھے سے ہمارا دفاع کرنا۔" دوسرے گروہ نے کہا: "حضور اکرم ﷺ کا یہ ارادہ نہیں تھا۔" سارے تیرانداز چلے گئے۔ حضرت عبداللہ کے ہمراہ صرف دس سے کم افراد رہ گئے۔ دوسرے مشرکین کے لشکر میں مالِ غنیمت سمیٹنے چلے گئے۔ جب وہ مسلمانوں کی طرف آئے۔ تو خالد بن ولید نے دیکھا۔ پہاڑی پر چند افراد ہی تھے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو موڑ لیا۔ عکرمہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔"

انہوں نے بقیہ تیراندازوں پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ ثابت قدم رہے۔ بھرپور جہاد کیا حتی کہ شہید ہو گئے۔ مشرکین نے ان کا لباس اتار لیا۔ ان کا بری طرح مثلہ کر دیا۔ ان کے پیٹ پر تیر برسائے۔ ان کا پیٹ چر گیا اور ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کا گھیراؤ کر لیا۔ مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اچانک گھڑ سواران پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ اپنا شعار یاللعزّی یا لھبل۔ باآواز بلند پکار رہے تھے۔ وہ مسلمانوں پر تلواریں برسانے لگے۔ پہلے مسلمان امن سے تھے۔ جو مال ہاتھ میں یا گود میں تھا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ جب مشرکین نے اپنے گھڑ سوار دستے کو غالب دیکھا تو وہ بھی لوٹ آئے۔ مسلمانوں پر شدید حملے کیے۔ انہیں بے دریغ قتل کرنے لگے۔ مسلمان ہر اعتبار سے منتشر ہو چکے تھے۔ مالِ غنیمت چھوڑ دیا تھا۔ اسیروں کو بھی چھوڑ دیا تھا۔ مسلمانوں کی صفیں بکھر چکی تھیں چکی الٹی چلنے لگی تھی۔ دن کے آغاز میں صبا چل رہی تھی اب دبور چلنے لگی۔ مسلمان ایک دوسرے کو روندتے ہوئے واپس پلٹنے لگے۔ ان کے تین حصے تھے۔ ایک تہائی زخمی تھے ایک تہائی شکست خوردہ اور ایک تہائی مقتول تھے۔ شیطان چلایا۔ اے اللہ کے بندو! ان کا پہلا گروہ لوٹ آیا ہے۔ یہ اور دوسرا گروہ باہم لڑنے لگے۔ انہوں نے اسے دشمن سمجھا تھا اس سے شیطان مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ دن کی ابتداء مسلمانوں کے حق اور مشرکین کے خلاف تھی۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللهُ ذُوْ

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ (آل عمران: ۱۵۲)

ترجمہ: ''اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جبکہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ اور یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے بعض دنیا کے طلبگار ہیں اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبگار ہیں۔ پھر تمہیں ان کے تعاقب سے پیچھے ہٹا دیا تا کہ تمہیں آزمائے۔ اور بے شک اس نے تم کو معاف فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر۔''

یہ گردش مشرکین کی گردش سے تیز تھی۔ جبل عینین کے پاس شیطان بآواز بلند چلایا۔ وہ حضرت جعال بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی شکل میں تھا ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔'' اس نے تین بار اسی طرح کہا۔ کسی کو شک نہ رہا کہ یہ سچ ہے۔ حضرت جعال نے حضرت ابو بردہ کے پہلو میں شدید قتال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے کہا: ''اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔ تو کیا تم اپنے اس دین کے لیے نہیں لڑو گے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کیا ہے۔ اور شہادت کی حالت میں رب تعالیٰ سے ملاقات کرو۔'' ایک گروہ نے کہا: ''کاش! کوئی شخص ہے جو ابن ابی کے پاس جائے اور ابوسفیان سے ہمارے لیے پناہ طلب کرے۔ اے قوم! محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو چکے ہیں اپنی قوم کی طرف لوٹ چلو۔ اس سے قبل کہ مشرکین تمہارے پاس آجائیں اور تمہیں تہ تیغ کر دیں۔ مسلمان باہم خلط ملط ہو گئے۔ وہ شعار کے بغیر ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے وہ ایک دوسرے کی گردن اڑانے لگے۔ یہ عجلت اور دہشت کی وجہ سے تھا۔ مسلمان ہر اعتبار سے منتشر ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بھاگ کر مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا انہیں ملیں۔ وہ ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں۔ وہ کہنے لگیں: ''یہ چرخے تم سوت کاتو۔ اپنی تلواریں مجھے دے دو۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے سامنے آئے تو صرف ایک مختصر سا گروہ باقی رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کا نہ تو جھنڈا قائم تھا نہ کوئی گروہ برقرار تھا۔ مشرکین کے گھوڑے وادی میں آتے جاتے مسلمانوں کو شہید کر رہے تھے۔ وہ باہم ملے ہوئے تھے جدا نہ تھے۔ ایک شخص بھی انہیں لوٹانے والا نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچے۔ بعض مسلمان پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے قبائے شہادت عطا کی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک شیطان کے چلانے کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا: ''یہ عقبہ کا شیطان ازب ہے۔''

حضور اکرم ﷺ کی ثابت قدمی

امام بیہقی نے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے غزوۂ احد کی داستان بیان کرتے ہوئے کہا: "بخدا! مشرکین نے بے دریغ قتل کر کے ہمیں نقصان پہنچایا۔ انہوں نے آپ سے وہ پایا جو پایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ بالشت بھر بھی نہ ہٹے۔ آپ دشمن کے سامنے تھے۔ ایک بار آپ کے صحابہ کا ایک گروہ آپ کی طرف آتا۔ دوسری بار آپ سے دور چلا جاتا۔ میں نے جب بھی آپ کو دیکھا آپ کھڑے ہی تھے۔ اپنی کمان سے تیر برسا رہے تھے۔ حتیٰ کہ مشرکین پیچھے ہٹ گئے۔ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے: "حضور اکرم ﷺ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے۔ آپ ایک قدم بھی آگے پیچھے نہ ہوئے۔ بلکہ دشمن کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ اپنی کمان سے تیر برساتے رہے حتیٰ کہ اس کا وتر ٹوٹ گیا۔ اس کا ایک ٹکڑا باقی رہ گیا تھا۔ وہ کمان کے کنارے پر تھا۔ حضرت عکاشہ بن محصن نے کمان لی۔ تا کہ اس کا چلہ درست کریں۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس کا چلہ نہیں پہنچتا۔" آپ نے فرمایا: "کھینچو پہنچ جائے گا۔" حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں چلہ کھینچتا رہا حتیٰ کہ وہ دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ میں نے اس کنارے کے ساتھ اس کی دو یا تین گرہیں لگا لیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی کمان پکڑی۔ آپ لگاتار تیر برساتے رہے۔ حضرت ابوطلحہ ڈھال بن کر آپ کو چھپائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ کمان ٹوٹ گئی وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ان کے تیر ختم ہو گئے۔ حضرت قتادہ بن نعمان نے آپ سے وہ کمان لے لی۔ وہ ان کے پاس ہی رہی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے پتھر برسانے شروع کیے۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔ آپ کے ہمراہ پندرہ صحابہ کرام ثابت قدم رہے۔ آٹھ کا تعلق مہاجرین سے تھا۔ حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح۔ سات انصاری صحابہ کرام ثابت قدم تھے۔ وہ درج ذیل تھے۔ حضرت خباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ۔ ایک قول کے مطابق سعد بن عبادہ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم۔ دوسرے قول کے مطابق آپ کے سامنے تیس صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔ ان کا یہی نعرہ تھا "میرا چہرہ آپ کے چہرۂ انور پر فدا۔ میری جان آپ کی جان پر فدا۔ آپ پر سلامتی! آپ ہمیشہ ہمیشہ سلامت رہیں۔"

الطبرانی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت ابن مسعود بھی ثابت قدم رہے تھے۔ جب لوگ آپ سے دور چلے گئے تو آپ پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ لوگ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے۔ آپ پیچھے سے انہیں بلا رہے

تھے۔"اے فلاں! میری طرف آؤ۔میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔لیکن آپ کی طرف کوئی نہیں آرہا تھا۔تیر ہر ہر طرف سے آپ کی طرف آرہے تھے۔لیکن رب تعالیٰ وہ تیر آپ کی طرف سے پھیر رہا تھا۔

محمد بن عمر اسلمی نے حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا میں نے مہاجرین میں سے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا:"میں نے غزوۂ احد میں شرکت کی۔میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے تیر آپ کی طرف آرہے تھے۔آپ درمیان میں کھڑے تھے۔سارے تیر پھر کر دوسری سمت جارہے تھے۔میں نے اس روز عبد اللہ بن شہاب زہری کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا:"محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک میری راہنمائی کرو۔اگر وہ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پہلو میں تھے۔آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔جب وہ آگے گزر گیا تو صفوان بن امیہ اس پر ناراض ہوا۔اس نے کہا:"بخدا! میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ مجھ سے محفوظ تھے۔بخدا! ہم چار افراد نکلے ہم نے باہم معاہدہ کیا اور آپ کو قتل کرنے پر عہد کیا مگر ہم آپ تک نہ جاسکے۔

ابن سعد نے لکھا ہے"شریک بن عبد اللہ کے دادا حضرت ابونمر نے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا:"میں غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف سے شریک تھا۔میں نے اس روز پانچ نشانے بنا رکھے تھے۔ان پر اپنے تیر برساتا رہا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا رہا۔صحابہ کرام آپ کے اردگرد حلقہ زن تھے۔تیر آپ کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔کچھ آپ کے سامنے ٹوٹ رہے تھے۔کچھ تیر آپ کے پیچھے گر رہے تھے۔پھر رب تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دی۔"

عبد الرزاق نے مرسل قوی سند کے ساتھ امام زہری سے روایت کیا ہے کہ اس روز آپ کے چہرے پر تلوار کی ستر ضربیں لگائی گئیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سب کے شر سے بچالیا۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ شاید انہوں نے حقیقت میں ستر ضربیں مراد لیں ہوں یا کثرت مراد ہو۔اس روز آٹھ فرخندہ فال افراد نے آپ کے دست اقدس پر موت کی بیعت کی۔ان میں سے تین مہاجرین میں سے تھے۔وہ حضرات علی، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم تھے۔سات کا تعلق انصار کے ساتھ تھا وہ یہ حضرات تھے۔ابودجانہ، حارث بن صمہ، خباب بن منذر، عاصم بن ثابت، سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہم۔ان میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔

ابو یعلی نے حسن سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:"روزِ احد جب لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور چلے گئے۔میں نے آپ کو مقتولین میں تلاش کیا۔لیکن آپ مجھے نظر نہ آئے۔میں نے کہا:"بخدا! آپ راہِ فرار تو اختیار نہیں کرسکتے۔آپ مقتولوں میں بھی نہیں۔شاید رب تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔وہ ہمارے اس فعل سے ہم سے ناراض ہوگیا ہو۔اب بھلائی اس میں ہے کہ میں قتال کرتا ہوں شہید ہو جاؤں۔میں نے تلوار کا نیام پھاڑ دیا۔مشرک قوم پر حملہ کر دیا۔انہوں

نے مجھے رستہ دے دیا۔ اچانک میں نے آپ کو دیکھا آپ مشرکین کے ساتھ جنگ آزما تھے۔
مشرکین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اکٹھے ہو گئے۔ وہ آپکو شہید کرنا چاہتے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے چار پتھر آپ کی طرف پھینکے۔ جس سے آپ کے دائیں طرف کے نچلے دانت ٹوٹ گئے۔ نچلا لب لعلیں زخمی ہو گیا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ دندان مبارک ٹوٹ گئے تھے۔ ان کا ایک حصہ جدا ہو گیا تھا یہ جڑ سے نہیں نکلے تھے۔

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت مقسم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ بن ابی وقاص کے لیے یہ بددعا کی: "مولا! اس پر ایک سال بھی نہ گزرنے پائے حتیٰ کہ وہ حالت کفر میں مر جائے۔" ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا وہ حالت کفر میں مر گیا تھا۔" حاکم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے جب عتبہ کا سنگدلانہ فعل دیکھا۔ جو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "عتبہ بن ابی وقاص نے" میں نے عرض کی: "وہ کہاں گیا ہے؟" آپ نے اس طرف اشارہ کیا جس طرف وہ گیا۔ میں اس کی طرف گیا۔ اسے پالیا تلوار سے وار کر کے اس کا سر جدا کر دیا اس کا سر اور گھوڑا بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ آپ نے وہ گھوڑا مجھے عطا فرمایا۔ میرے لیے دعائے خیر کی اور فرمایا: "اللہ تم سے راضی ہو گیا۔ اللہ تم سے راضی ہو گیا۔"

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حافظ محمد یوسف فریابی نے کہا ہے "مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کیے تھے ان کے ہاں جو بچہ بھی ہوتا تھا اس کے سامنے کے چار دانت نہیں اگتے تھے۔"

امام سہیلی لکھتے ہیں "عتبہ کی نسل سے جو بچہ بھی پیدا ہوتا وہ بالغ ہو جاتا تھا لیکن اس کے اگلے دانت ناپید ہوتے تھے اور اس کے منہ سے گندی بو آتی تھی۔ یہ امر اس کی نسل میں معروف تھا عبداللہ بن شہاب نے آپ کے چہرہ انور پر پتھر مارا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ زخم سے خون مبارک نکلنے لگا۔ حتیٰ کہ داڑھی مبارک خون سے تر ہو گئی۔ میری جان آپ پر فدا! عبداللہ بن قمئہ نے آپ کو مارا اور رخسار مبارک کو زخمی کر دیا۔ خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئیں۔ اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ آپ اس کے سامنے گڑھے میں گر پڑے۔ یہ گڑھے ابو عامر فاسق نے کھدوائے تھے تاکہ مسلمان اس میں گر پڑیں۔ انہیں علم تک نہ ہو" آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست اقدس تھاما۔ حضرت طلحہ نے بھی آپ کو اٹھایا حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ آپ کے گھٹنوں پر خراشیں آئیں۔ ابن قمئہ کی تلوار نے زخم نہیں لگایا تھا البتہ تلوار کے بوجھ کی وجہ سے چوٹ آئی تھی۔ ایک ماہ تک آپ کو کندھے پر اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ بعض روایات میں ایک ماہ سے زیادہ کا تذکرہ ہے۔ بہت سے مشرکین نے آپ پر پتھر پھینکے حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے۔

الطبرانی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابن قمئہ نے آپ کو تیر مارا تو اس نے کہا: "میں ابن قمئہ ہوں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسوا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنگلی مینڈھا مسلط کر دیا۔ وہ اسے لگاتار سینگ مارتا رہا حتیٰ کہ اس نے اسے پارہ پارہ کر دیا۔

ابونعیم نے نافع بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے آپ کا چہرہ انور زخمی کیا تھا اس کا نام عبداللہ بن قمئہ تھا۔ رب تعالیٰ نے اس پر جنگلی مینڈھا مسلط کر دیا۔ جس نے اسے سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔

ابوداؤد طیالسی اور ابن حبان نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوۂ بدر کا تذکرہ فرماتے تو فرماتے۔ "وہ سارا دن تو طلحہ کا تھا۔ پھر وہ یہ عشق افروز داستان سناتے" میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو بارگاہِ رسالت مآب میں اس روز حاضر تھے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو حضور اکرم ﷺ کے سامنے جہاد کر رہا تھا۔ وہ آپ کا تحفظ کر رہا تھا۔ میں نے کہا: "اللہ کرے! یہ طلحہ ہوں۔ مجھ سے جو رہ گیا تھا وہ رہ گیا تھا۔ میں نے کہا: "میری قوم کا یہ شخص مجھ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ میرے اور حضور اکرم ﷺ کے مابین ایک ایسا شخص تھا جسے میں نہیں جانتا تھا۔ میں حضور اکرم ﷺ سے اس سے زیادہ قریب تھا وہ اتنا تیز چل رہا تھا کہ میں اتنا تیز نہیں چل سکتا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ کے دندانِ مبارک شہید ہو چکے تھے۔ چہرۂ انور زخمی تھا۔ رخسار مبارک میں خود کی دو کڑیاں دھنسی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "تم اپنے ساتھی طلحہ کی مدد کرو۔ ان کا خون نکل رہا ہے۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ میں نے چہرۂ اقدس سے دو کڑیاں نکالنے کی کوشش کی۔ حضرت ابوعبیدہ نے مجھے قسم دی کہ میں یہ سعادت ازلی انہیں حاصل کرنے دوں۔" میں نے یہ سعادت ان کے لیے چھوڑ دی۔ انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے نکالیں اور حضور اکرم ﷺ کو تکلیف ہو۔ انہوں نے اپنا منہ ان کڑیوں پر رکھا۔ دو حلقوں میں سے ایک نکل آیا۔ حلقہ کے ساتھ ہی دو دانت بھی نکل آئے۔ میں آگے بڑھتا تاکہ میں بھی اسی طرح کروں۔ جس طرح انہوں نے کیا ہے انہوں نے مجھے کہا: "میں آپ کو اپنے حق کی قسم دیتا ہوں کہ یہ سعادت ابدی مجھے حاصل کرنے دو۔" انہوں نے وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا۔ حلقہ کے ساتھ دو دوسرے دانت بھی نکل آئے۔ اگرچہ ان کے چار دانت اس کوشش میں چلے گئے۔ لیکن حضرت ابوعبیدہ کا حسن دوبالا ہو گیا۔ ہم نے آپ کی خدمت کی پھر حضرت طلحہ کے پاس آئے وہ ان گڑھوں میں سے کسی ایک گڑھے میں تھے ان کے جسم پر نیزے، تیر اور تلوار کے ستر سے زائد زخم تھے۔ ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ ہم نے انہیں مرہم پٹی کی۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے "اس روز طلحہ کے سر پر زخم آیا۔ خون زیادہ نکلا حتیٰ کہ ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا تو انہیں ہوش آیا۔ انہوں نے سب سے پہلے پوچھا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟" انہوں نے کہا: "آپ خیریت سے ہیں۔ آپ نے ہی مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: "الحمد للہ! آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔"

محمد بن عمر نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ کے چہرۂ انور سے حلقے نکالے گئے تو خون اس طرح بہنے لگا جس طرح مشکیزے سے پانی نکلتا ہے۔ حضرت مالک بن سنان نے اس پر اپنا منہ رکھ دیا اور اسے چوسنا شروع کر دیا۔ اسے نگلنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "کیا تم نے میرا مبارک خون پی لیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!" آپ نے فرمایا: "جس کا خون میرے خون کو چھو گیا اسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔"

حضرت ابودجانہ نے بھی اپنی جان پر کھیل کر آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ ان کی کمر پر تیر لگتے رہے مگر وہ آپ پر جھکے رہے۔ حتیٰ کہ ان پر تیروں کی کثرت ہوگئی وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس روز حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت قتال کیا۔ ان کے منہ پر زخم آیا اور دو دانت نکل گئے۔ انہیں کم وبیش بیس زخم آئے۔ ان کی ٹانگ بھی زخمی ہوگئی۔ وہ اس کے ساتھ لنگڑا کر چلتے تھے۔ اس روز حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت قتال کیا تھا۔

حاکم نے حضرت عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتی ہیں "جب غزوۂ احد میں مسلمانوں سے یہ لغزش ہوگئی تو میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: "میں اپنے نفس کا دفاع کرتا ہوں۔ یا تو میں نجات پا جاؤں گا یا میں شہادت پا جاؤں گا۔ اچانک میں نے ایک سرخ چہرے والے انسان کو دیکھا۔ قریب تھا کہ مشرکین اس پر جھپٹ پڑتے۔ اس ذات نے ہاتھ میں سنگریزے لیے اور وہ مشرکین کی طرف پھینک دیے۔ میرے اور اس ذات والا کے مابین صرف حضرت مقداد تھے۔ میں نے چاہا کہ میں حضرت مقداد سے اس ہستی کے بارے پوچھوں۔ انہوں نے مجھے کہا: "اے سعد! یہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں یوں اٹھ کھڑا ہوا گویا کہ مجھے کوئی اذیت پہنچی ہی نہیں تھی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ میں تیر اندازی کرنے لگا۔ میں کہہ رہا تھا: "مولا! یہ تیرا تیر ہے۔ اس سے اپنے دشمن کو مار دے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے "مولا! سعد کی دعا قبول فرما۔ مولا! ان کی تیر اندازی کو درست فرما۔ اے سعد! میرے والدین کریمین تم پر فدا!" میں جو بھی تیر پھینکتا آپ یہ دعا مانگتے۔ "مولا! اس کی تیر اندازی کو درست فرما۔ اس کی دعا کو قبول فرما۔" جب میرے تیر کش سے تیر ختم ہو گئے تو آپ نے اپنے تیر میرے سامنے بکھیر دیے۔ آپ نے ایسا تیر پکڑایا جو پیکان اور پر کا درمیانی حصہ تھا۔ وہ دوسرے تیروں سے زیادہ سیدھا لگا۔" امام زہری

لکھتے ہیں "اس روز حضرت سعد نے ایک ہزار تیر برسائے تھے۔"

ابن عائذ نے حضرت یحییٰ بن حمزہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اس روز ایک تیر پھینکا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مجھے لوٹا دیا۔ میں اپنے تیر کو پہچانتا تھا۔ میں نے نو یا آٹھ بار وہی تیر چلایا۔ ہر بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ تیر واپس کر دیتے تھے۔ میں اس تیر کو اپنے ترکش میں رکھتا ہوں۔ اسے جدا نہیں کرتا۔"

امام بخاری اور حسن بن عرفہ نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے اپنا ترکش خالی کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "میرے والدین کریمین آپ پر فدا! آپ تیر اندازی کرو۔"

امام بخاری نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے نہیں سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے والدین جمع کیے ہوں۔ میں نے آپ کو سنا۔ آپ احد کے روز فرما رہے تھے "سعد! میرے والدین تم پر فدا! تیر پھینکو!" حضرت سعد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کریمین کو جمع فرمایا آپ نے فرمایا: "فداک ابی وامی" اس وقت آپ مصروفِ جنگ تھے۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے "مشرکین کے بعض افراد مسلمانوں پر تیر برسا رہے تھے۔ ان میں سے ایک حبان بن عرقہ اور دوسرا ابو اسامہ جشمی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد سے فرما رہے تھے "سعد! میرے والدین تم پر فدا! تیر پھینکو! حبان نے ایک تیر پھینکا۔ وہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے دامن پر لگا۔ وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ان کا پردہ اٹھ گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ امر بڑا گراں گزرا۔ آپ نے حضرت سعد کو ایک تیر پکڑایا جس کا پھل نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: "یہی اس پر پھینکو" وہ تیر سیدھا حبان کے گلے پر لگا وہ گر پڑا اور اس کی شرمگاہ نظر آنے لگی۔ یہ دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک نظر آئے۔ پھر فرمایا: "سعد نے ام ایمن کا بدلہ لے لیا ہے۔ مولا! اس کی دعا قبول فرما اور اس کی تیر اندازی درست فرما۔"

مالک بن زہیر اور حبان بن عرقہ نے بہت سے مسلمانوں کو تیروں سے شہید کیا تھا۔ حضرت سعد نے مالک کو ایک تیر مارا جو اس کی آنکھ پر لگا۔ وہ اس کی گدی سے باہر نکل گیا۔ وہ واصل جہنم ہو گیا۔ اس روز حضرت ام عمارہ نسیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی قتال کیا۔ جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلی گئیں۔ قتال میں حصہ لیا اور تلوار کے ذریعے دشمنوں کو آپ سے دور کرنے لگیں۔ یہ کمان سے تیر برساتی تھیں۔

جب ابن قمئہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کیا تو وہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما اس کے ساتھ جنگ آزما ہو گئے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اس پر کئی وار کیے لیکن اللہ کے دشمن نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اس نے ان پر تلوار کا وار کیا اور

انہیں بری طرح زخمی کر دیا۔ بعد میں ان کے اسی جگہ میں گڑھا پڑ گیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "نسیبہ بنت کعب کا مقام فلاں بن فلاں کے مقام سے عمدہ ہے۔" آپ نے فرمایا: "میں نے دائیں بائیں دیکھا مجھے ان کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے انہیں دیکھا۔ وہ میرے سامنے قتال کر رہی تھیں۔" آپ نے ان کے فرزند دلبند حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے فرمایا: "اے گھرانے والو! اللہ تعالیٰ تم میں برکتیں ڈالے۔ تمہاری والدہ ماجدہ کا مقام فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔ تمہاری والدہ کے شوہر غزیہ بن عمرو کا مقام فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔ اے گھرانے والو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔" حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: "اللہ تعالیٰ جنت میں آپ کی رفاقت عطا فرمائے۔" آپ نے دعا مانگی: "مولا! انہیں جنت میں میرا رفیق بنا دے۔" وہ فرماتی تھیں "اس کے بعد مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ مجھے دنیا میں کیا پہنچتا ہے۔"

علامہ بلاذری نے لکھا ہے "غزوۂ احد میں حضرت ام عمارہ نسیبہ ان کے شوہر اور بیٹوں نے شرکت کی۔ وہ مشکیزہ لے کر نکلیں تاکہ زخمیوں کو پانی پلائیں انہوں نے جہاد کیا۔ انہیں تیر اور تلوار کے بارہ زخم آئے۔ دن کے پہلے حصہ میں وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں جبکہ ہوا ان کے حق میں چل رہی تھیں۔ جب مشرکین نے پلٹ کر حملہ کیا تو یہ ان کے ساتھ قتال کرنے لگیں۔ انہوں نے جنگ یمامہ میں شرکت کی۔ ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ وہ مسیلمہ کو ڈھونڈ رہی تھیں تاکہ انہیں تہ تیغ کریں۔ انہوں نے کہا: "کوئی چیز میرے رستے میں رکاوٹ نہ بن سکی حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ اس خبیث کو قتل کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرا فرزند عبداللہ اپنی تلوار اس کے کپڑوں سے صاف کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا تم نے اسے تہ تیغ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں! میں شکریہ ادا کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئی۔"

ابن سعد نے موسیٰ بن ضمرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چادریں آئیں۔ ان میں سے ایک چادر خوبصورت اور کشادہ تھی۔ ایک شخص نے ان سے کہا: "کاش! آپ اسے صفیہ زوجہ عبداللہ بن عمر کے ہاں بھیج دیں۔ انہوں نے کہا: "اسے اس ہستی کے پاس بھیجو جو اس سے زیادہ اس کی مستحق ہے۔ وہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ میں نے صرف ام عمارہ کو دیکھا جو میرے سامنے قتال کر رہی تھیں۔"

آپ پہاڑ کی طرف آئے تاکہ لوگوں کا معاملہ دیکھ سکیں۔ تاکہ آپ کے صحابہ آپ کو پہچان جائیں وہ آپ کے پاس آ جائیں۔ مشرکین آپ کی طرف بڑھے تاکہ اس عمل کو سرانجام دیں جس کے اور ان کے مابین رب تعالیٰ کی ذات حائل تھی۔ مشرکین کی ایک جماعت نے آپ پر پتھر پھینکے حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے۔

امام نسائی اور امام بیہقی نے جید سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "لوگ

غزوۂ احد میں آپ سے دور چلے گئے۔ آپ کے ہمراہ انصار کے گیارہ افراد رہ گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ مشرکین آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے فرمایا: "کیا کوئی انہیں مجھ سے دور نہیں کرے گا؟" حضرت طلحہ نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں۔" آپ نے فرمایا: "طلحہ! تم اکیلے ہو؟" ایک انصاری صحابی نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ان کے ساتھ ہوں۔" انہوں نے مشرکین کے ساتھ قتال شروع کیا۔ حضور اکرم ﷺ اور بقیہ صحابہ کرام پہاڑ پر چڑھ گئے۔ انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "مشرکین کو کون مجھ سے دور کرے گا؟" حضرت طلحہ نے عرض کی: "میں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے پہلے کی طرح ارشاد فرمایا۔ ایک انصاری صحابی بولے" میں ان کے ساتھ جہاد کروں گا۔" انہوں نے قتال کیا آپ اور صحابہ کرام پہاڑی پر چڑھ گئے۔ وہ انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ مشرکین آپ کے قریب آ گئے۔ آپ نے پہلے کی طرح ارشاد فرمایا۔ حضرت طلحہ نے وہی جواب دیا۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! میں انہیں روکتا ہوں۔" انہوں نے مشرکین کو روکا۔ ایک انصاری صحابی نے ان کے ہمراہ قتال کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اسے اجازت مرحمت فرما دی۔ انہوں نے خوب قتال کیا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ صرف حضرت طلحہ رہ گئے۔ مشرکین آپ کے قریب تر آ گئے۔ آپ نے فرمایا: "طلحہ! انہیں مجھ سے کون دور کرے گا؟" حضرت طلحہ نے عرض کی: "میں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!" انہوں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ حتیٰ کہ ان کے پورے کٹ گئے۔ انہوں نے کہا: "حس" آپ نے فرمایا: اگر آپ بسم اللہ پڑھتے تو فرشتے تم کو اٹھا کر لے جاتے۔ لوگ تمہیں دیکھ رہے ہوتے۔ حتیٰ کہ وہ تمہیں آسمان کی فضا میں داخل کر دیتے۔"

امام احمد، امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین آپ کے قریب تر آ گئے آپ کے ہمراہ سات انصاری صحابہ اور ایک قریشی صحابی تھے۔ آپ نے فرمایا: "ان مشرکین کو ہم سے دور کون کرے گا؟ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ ایک انصاری صحابی آگے بڑھے وہ شہید ہو گئے۔ مشرکین آپ کے قریب تر آ گئے۔ آپ نے فرمایا: "جو انہیں مجھ سے دور کرے گا اس کے لیے جنت ہے یا وہ جنت میں میرا رفیق ہے۔" ایک انصاری شخص آئے۔ انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ سات انصاری صحابہ کرام اسی طرح شہید ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔"

امام بخاری نے قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "میں نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا۔ وہ شل تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا دفاع کیا تھا۔

دار قطنی نے الافراد میں، الطبرانی نے حضرت طلحہ سے، امام نسائی، الطبرانی، اور بیہقی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت طلحہ کے پوروں پر تیر لگا۔ انہوں نے کہا: "حس" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر تم بسم اللہ کہتے تو

ملائکہ تمہیں لے کر اڑ جاتے۔ لوگ تمہیں دیکھ رہے ہوتے حتیٰ کہ وہ تمہیں لے کر آسمان کی فضاؤں میں چلے جاتے۔ تم وہ محل دیکھ لیتے جو رب تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت میں بنایا ہے۔ حالانکہ تم دنیا میں ہوتے۔"

ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز مسلمان خواتین مسلمانوں کے پیچھے تھیں۔ وہ زخمی مشرکین کا کام تمام کر رہی تھیں۔ اگر میں قسم اٹھاؤں کہ اس دن ہم میں سے کوئی بھی دنیا کا ارادہ کیے ہوئے نہیں تھا تو میں اپنی قسم میں جھوٹا نہیں ہوں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ (آل عمران:۱۵۲)

ترجمہ: "بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض آخرت کے۔"

جب صحابہ کرام سے لغزش ہوگئی۔ انہوں نے آپ کے حکم کی مخالفت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نو صحابہ کرام کے ساتھ رہ گئے۔ سات کا تعلق انصار کے ساتھ تھا۔ دو قریشی صحابی تھے۔ اور آپ کی ذات والا دسویں تھی۔ جب مشرکین آپ کے قریب تر آگئے تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو ان مشرکین کو ہم سے دور لے جائے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے" جب مشرکین آپ کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: "کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان بیچے گا؟" حضرت زیاد بن سکن پانچ انصاری صحابہ کرام کو لے کر اٹھے۔ بعض نے ان کا نام عمارہ بن یزید بن سکن لکھا ہے۔ انہوں نے آپ کے سامنے قتال کیا حتیٰ کہ آپ کے سامنے شہید ہو گئے حتیٰ کہ آخر میں زیاد یا حضرت عمارہ باقی رہ گئے۔ انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ وہ زخموں سے چور ہو گئے۔ پھر مسلمانوں کا ایک گروہ آگیا۔ انہوں نے مشرکین کو آپ سے دور کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "انہیں میرے قریب کرو۔" انہوں نے انہیں قریب کیا۔ آپ نے اپنا مبارک پاؤں آگے بڑھایا۔ انہوں نے اپنا رخسار آپ کے پاؤں مبارک پر رکھ دیا۔ ان کے جسم پر چودہ زخم تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اس روز آپ کے سامنے خوب قتال کیا۔ ایک طرف حضرت ابو دجانہ اور ایک طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک گروہ کے سامنے اکیلے رہ گئے ان میں عکرمہ بھی تھے۔ وہ تلوار لے کر ان میں گھس گئے۔ شمشیر زنی کی اور ان سب کو بھگا دیا۔ پھر ان پر حملہ کیا۔ انہیں بھگا کر واپس چلے گئے۔ حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ مشرکین میں یوں گھس گئے جیسے بکریوں میں گھسا جاتا ہے۔ مشرکین نے انہیں گھیر لیا۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں پھر وہ ظاہر ہوئے تو تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ مشرکین ان سے دور چلے گئے تھے۔ اس روز حضرت ابو طلحہ نے بھی شدید قتال کیا تھا۔

شیخان، محمد بن عمر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب لوگ غزوۂ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور

چلے گئے تو آپ کے سامنے حضرت ابوطلحہ تھے۔ جو اپنی چھوٹی سی ڈھال سے دشمن کو دور کر رہے تھے۔ وہ ایک تیر انداز شخص تھے۔ انہوں نے اپنا ترکش آپ کے سامنے کھول دیا۔ اس سے تیر اندازی کرتے رہے۔ انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑ دیں۔ ایک شخص ان کے پاس سے چمڑے کا ترکش لے کر گزرا۔ آپ نے اسے فرمایا: "اسے ابوطلحہ کے لیے کھول دو۔" حضور اکرم ﷺ قوم کو دیکھنے کے لیے آگے بڑھ کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے عرض کی: "یا نبی اللہ! میرے والدین آپ پر فدا! آپ آگے نہ دیکھیں مشرکین کا تیر آپ کو لگ جائے گا۔ میری جان آپ پر فدا!

اونگھ آجانا

امام احمد، امام بخاری اور امام حاکم نے حضرت ابوطلحہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہیں احد کے روز اونگھ آگئی تھی۔ حتیٰ کہ اس اونگھ کی وجہ سے کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑی۔ یہ اونگھ رب تعالیٰ نے اپنی طرف سے بطور راحت ان پر طاری کی تھی۔ میں دیکھنے لگا۔ ان میں سے ہر ایک نیند کی وجہ سے اپنی ڈھال کے نیچے اونگھ رہا تھا۔" الطبرانی نے اوسط میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ احد کے روز ہم پر نیند طاری کر دی گئی۔"

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے غزوۂ احد کے روز اونگھ کے ساتھ صحابہ کرام کو امن بخشا۔ جو امن سے ہو وہی اونگھتا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قتال کے وقت اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت و امن ہوتی ہے جبکہ نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

محمد بن عمر اسلمی نے ابو یسر کعب بن عمرو انصاری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے اس روز خود کو ان چودہ افراد کے پاس پایا جو حضور اکرم ﷺ کے پہلو میں اونگھ رہے تھے۔ ہمیں راحت و سکون کے لیے اونگھ نے آلیا تھا ہم میں سے ہر ایک خراٹے لے رہا تھا۔ حتیٰ کہ ڈھالیں باہم ٹکرانے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بشر بن معرور کی تلوار ان کے ہاتھ سے گر پڑی تھی۔ انہیں احساس بھی نہ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے اٹھایا تو اس کی دھار کند ہو چکی تھی۔"

ابن راھویہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بخدا! مجھ پر اونگھ چھا رہی تھی۔ دوسری روایت میں ہے" میں نے اس روز خود کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس وقت دیکھا جب ہم پر خوف شدید تھا۔ ہم پر نیند بھیج دی گئی۔ ہم میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے پر تھی۔ بخدا! گویا کہ میں خواب میں معتب بن قشیر کا یہ بکواس سن رہا تھا "اگر اس معاملہ میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو ہم اس جگہ یوں قتل نہ ہوتے۔" میں نے اسے یاد کر لیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ

نازل ہوئی:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ: ”پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان، کہتے کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں. ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔“

ابن اسحاق نے لکھا ہے ”اس روز رب تعالیٰ نے اہلِ یقین پر بطور راحت اونگھ نازل کی۔ وہ بے فکر ہو کر سو رہے تھے۔ جبکہ منافقین اس روز بہت زیادہ خوف و ہراس میں تھے۔

ملائکہ کا آنا

ابو داؤد، طیالسی، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں اور بائیں دیکھا مجھے دو سفید پوش شخص نظر آئے۔ وہ آپ کی طرف سے شدید قتال کر رہے تھے۔ میں نے انہیں نہ پہلے دیکھا تھا۔ نہ بعد میں وہ جبرائیل و میکائیل تھے۔“

مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ملائکہ نے صرف غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اور آپ کے حکم پر صبر نہ کیا اس وقت فرشتوں نے قتال نہ کیا۔

محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ (آل عمران:۱۲۵)

ترجمہ: ”ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔“

لیکن انہوں نے صبر نہ کیا اور بھاگ گئے اس لیے ان کی مدد کی گئی۔ ان سے ہی روایت ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ایک فرشتے نے جھنڈا اٹھا لیا جو ان کا ہی ہم شکل تھا۔ اس روز فرشتے آئے تو تھے۔ لیکن انہوں نے قتال

نہیں کیا تھا۔

الطبرانی، ابن مندہ اور ابن عساکر نے محمود بن لبید کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت حارث بن صمہ نے فرمایا: جب حضور اکرم ﷺ گھاٹی میں تھے تو آپ نے مجھ سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے بارے سوال کیا۔ میں نے آپ سے عرض کی: "میں نے آپ کو پہاڑ کے دامن میں دیکھا تھا۔" آپ نے فرمایا: "فرشتے ان کے ساتھ جہاد کر رہے تھے۔"

حضرت حارث کہتے ہیں "میں حضرت عبد الرحمان کے پاس آیا تو ان کے سامنے سات مشرکین پچھاڑے پڑے تھے۔ میں نے کہا: "آپ فتح مند ہوں۔ کیا ان سب کو آپ نے مارا ہے؟" انہوں نے فرمایا: "اس کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ لیکن ان کو ان افراد نے قتل کیا ہے۔ جنہیں میں نے نہیں دیکھا۔" میں نے کہا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔"

ابن سعد نے حضرت عبد اللہ ابن فضل سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ نے علم اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت مصعب شہید ہو گئے۔ ایک فرشتے نے جھنڈا اٹھا لیا جو ان کا ہم شکل تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: "یا مصعب! آگے بڑھو۔" اس نے عرض کی: "یارسول اللہ! میں مصعب نہیں ہوں۔" آپ پہچان گئے کہ وہ فرشتہ ہے جس کے ساتھ آپ کی تائید کی گئی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت محمد بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "یا مصعب! آگے بڑھو۔ حضرت عبد الرحمان بن عوف نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا مصعب تو شہید نہیں ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "ہاں! ایک فرشتہ ان کے قائم مقام ہے۔ اس کا نام بھی مصعب ہے۔"

ابن عساکر نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "غزوۂ احد کے روز میں تیر اندازی کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے تیر واپس کر رہا تھا۔ وہ سفید چہرے والا خوبصورت انسان تھا۔ میں اسے نہیں جانتا تھا۔ مجھے بعد میں گمان گزرا کہ وہ فرشتہ تھا۔ ابن اسحاق، امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن عوف سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب غزوہ احد کے روز حضور اکرم ﷺ تنہا رہ گئے۔ حضرت سعد آپ کے سامنے تیر اندازی کر رہے تھے۔ ایک شخص انہیں تیر پکڑا رہا تھا۔ جب ان کا تیر چلتا وہ اسے واپس لے آتا۔ اس نے کہا: "ابواسحاق! تیر چلائیں۔" جب وہ فارغ ہوئے تو انہوں نے اس جوان کو دیکھا لیکن وہ انہیں نظر نہ آیا وہ نہ ہی اسے جانتے تھے۔

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان "ولقد صدقکم اللہ وعدہ۔" (آل عمران: ۱۵۲) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کا ان سے وعدہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے صبر کیا تقویٰ اختیار کیا تو وہ پانچ ہزار نشان زدہ ملائکہ سے

ان کی مدد کرے گا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ جب انہوں نے آپ کی نافرمانی کی۔ صفیں توڑیں تیراندازوں نے آپ کے عہد کی پاسداری نہ کی۔ انہوں نے دنیا کا ارادہ کیا تو ملائکہ کی امداد ان سے اٹھالی گئی۔ اس پہ فرمان اترا: "ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ" رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا انہیں فتح دکھادی جب انہوں نے نافرمانی کی تو انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔

بعض مسلمانوں کا واپس آجانا

ابن منذر نے کلیب بن شہاب سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: "وہ منبر پر سورۃ آلِ عمران کی تلاوت فرما رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "اس میں غزوۂ احد کا تذکرہ ہے۔ جب اس آیت طیبہ تک پہنچے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ (آل عمران:۱۵۵)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم میں سے اس روز جب مقابلے میں نکلے۔"

تو فرمایا: "جب غزوۂ احد کا دن تھا تو ہمیں شکست ہوگئی۔ میں بھاگ نکلا میں پہاڑ پر چڑھ گیا میں نے خود کو دیکھا کہ گویا کہ میں یوں بھاگ رہا تھا جیسے جنگلی مینڈھا بھاگتا ہے۔ میں نے یہودی کو سنا وہ کہہ رہا تھا" محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے" میں نے کہا: "میں نے جس کو بھی یوں کہتے ہوئے سنا اس کا سر قلم کر دوں گا۔" میں نے دیکھا مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگئی صحابہ کرام آپ کے پاس واپس آرہے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جو ہستی آپ کے پاس آئی وہ حضرت قیس بن محرث کی تھی۔ ان کے ہمراہ انصار کا ایک گروہ تھا۔ انہوں نے مشرکین کے ساتھ مقابلہ کیا گھمسان کا رن پڑا۔ ان میں سے ایک شخص نے بھی راہِ فرار اختیار نہ کی۔ حتیٰ کہ وہ شہید ہوگیا۔ حضرتِ قیس نے بہت زیادہ شمشیر زنی کی۔ حتیٰ کہ ایک گروہ کو تہ تیغ کیا۔ مشرکین نے نیزہ مار کر ہی انہیں شہید کیا۔ جب انہیں تلاش کیا گیا تو ان پر نیزے کے چودہ گہرے زخم تھے۔ جسم اطہر پر شمشیر کے دس زخم تھے۔

حضرت خباب بن منذر نے آواز دی۔ "اے آلِ سلمہ! یکجان ہو کر آپ کی طرف واپس آجاؤ۔" انہوں نے کہا: "اے رب تعالیٰ کے داعی! ہم حاضر ہیں۔" حضرت عباس بن عبادۃ، حضرت خارجہ بن زید، حضرت اوس بن ارقم اپنی اپنی آواز بلند کر رہے تھے۔ حضرت عباس نے کہا: "اے مسلمانوں کے گروہ! رب تعالیٰ اور اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹ آؤ۔ تمہیں یہ زخم اس لیے لگا ہے کیونکہ تم نے اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔ اس کی نصرت کا وعدہ اس وقت تک تھا جب تک تم صبر کرتے۔" انہوں نے اپنا خود اتارا۔ زرہ اتاری، حضرت خارجہ بن زید سے کہا: "کیا تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہے؟"

انہوں نے کہا: "نہیں! میں بھی شہادت کا متمنی ہوں جس کے آپ خواہاں ہیں۔" وہ سارے مشرک قوم سے نبرد آزما ہو گئے۔ حضرت عباس کہہ رہے تھے "اگر ہماری آنکھ جھپک رہی ہو اور حضور اکرم ﷺ کو اذیت پہنچی تو رب تعالیٰ کے ہاں ہمارا عذر قبول نہ ہوگا۔" حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "رب کے دربار میں نہ ہمارا عذر مقبول ہوگا نہ ہی دلیل۔" سفیان بن عبد شمس نے حضرت عباس کو شہید کر دیا۔ حضرت خارجہ پر نیزوں کی بارش ہوگئی۔ ان کو دس سے زائد نیزے لگے۔ صفوان بن امیہ نے انہیں جام شہادت پلایا۔ حضرت اوس بن ارقم بھی قبائے شہادت زیب تن کر گئے۔ حضرت مالک بن دخشم حضرت خارجہ بن زید کے پاس سے گزرے۔ ان کی آنتیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ان کے جسم پر تیرہ زخم تھے ہر زخم کاری تھا۔ انہوں نے ان سے کہا: "کیا تمہیں علم ہے کہ محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں؟" حضرت خارجہ نے فرمایا: "اگر حضور اکرم ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو رب تعالیٰ تو زندہ ہے اسے موت نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ نے تو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اپنے دین کے لیے جنگ کرو۔" وہ حضرت سعد بن ربیع کے پاس سے گزرے۔ ان کے بارہ زخم لگے تھے ہر زخم جان لیوا تھا۔ انہوں نے ان سے کہا: "کیا تمہیں علم ہے کہ محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں؟" حضرت سعد نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اپنے دین کے تحفظ کے لیے لڑو۔ رب تعالیٰ تو زندہ ہے۔ اسے موت نہیں۔"

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ صحابی جس نے آپ کو سب سے پہلے پہچانا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کی چشمان مقدس کو دیکھا وہ خود کے نیچے تاباں تھیں۔ میں نے بآواز بلند کہا: "اے مسلمانوں کے گروہ! تمہیں بشارت! یہ حضور اکرم ﷺ ہیں۔" آپ نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ آپ نے حضرت کعب کا سامانِ حرب منگوایا۔ وہ زرد یا کچھ زرد تھا۔ اسے پہنا اپنا سامانِ جنگ اتارا اسے حضرت کعب نے پہن لیا۔ حضرت کعب مصروفِ جنگ ہو گئے انہیں سترہ زخم آئے۔ کیونکہ انہوں نے شدید قتال کیا تھا۔

الطبرانی نے ثقہ افراد سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا: "احد کے روز ہم گھاٹی کی طرف گئے میں نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کو پہچانا تھا۔ میں نے کہا: "یہ رسول کریم ﷺ ہیں۔ آپ نے دستِ اقدس سے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر آپ نے میرا اور میں نے آپ کا سامان پہنا۔ میں نے اتنی شمشیر زنی کی حتیٰ کہ مجھے بیس زخم آئے۔ جو مجھے مارتا وہ مجھے حضور اکرم ﷺ سمجھ کر مارتا تھا۔ جب مسلمانوں نے آپ کو پہچان لیا تو وہ آپ کی طرف آنے لگے۔ جب انہوں نے آپ کو صحیح و سالم دیکھا تو گویا کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں تھی۔ وہ بہت زیادہ مسرور ہوئے۔ جب مسلمانوں نے آپ کو پہچانا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ ان کے ساتھ اٹھ کر گھاٹی کی طرف جانے لگے۔ آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، حارث بن صمہ اور مسلمانوں کا ایک گروہ رضی اللہ عنہم تھے۔

ابی بن خلف کا قتل

امام بیہقی نے حضرت سعید بن مسیب، ابونعیم نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابی بن خلف نے غزوۂ بدر میں قیدی بننے کا فدیہ ادا کیا تو اس نے کہا: ''بخدا! میرے پاس ''العوذ'' ہے جسے میں ہر روز ایک فرق مکئی کھلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر محمد عربی ﷺ کو شہید کروں گا۔ جب آپ تک اس کی یہ بکواس پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ میں اسے قتل کروں گا'' ایک قول یہ ہے کہ اس نے یہ بات ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ سے کی تھی۔ جب غزوۂ احد رونما ہوا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ ابی بن خلف میرے پیچھے سے مجھ پر حملہ آور ہو گا۔ جب تم اسے دیکھو تو مجھے بتا دینا۔ حضور اکرم ﷺ جنگ کے وقت پیچھے نہیں دیکھتے تھے۔ جب آپ گھاٹی میں تشریف فرما ہو گئے تو ابی بن خلف ادھر آ گیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ وہ گھوڑے کو رقص کراتا آ رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی اسے دیکھ لیا وہ کہہ رہا تھا'' محمد مصطفی ﷺ کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے میں نہیں بچ سکوں گا۔'' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آ گئے وہ آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ اس نے حضرت مصعب کو شہید کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ابی آپ کی طرف آ رہا ہے۔ اگر آپ پسند کریں۔ تو ہم میں سے ایک شخص اس کا کام تمام کر دے۔'' دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اس کے سامنے آ گئے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔ اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' جب وہ آپ کے قریب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''یا کذاب! بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔'' حضور اکرم ﷺ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لیا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت زبیر بن عوام سے نیزہ لیا۔ آپ نے جھرجھری لی۔ صحابہ کرام آپ سے یوں پرے ہو گئے۔ جیسے اونٹ کی کمر سے مکھیاں دور ہو جاتی ہیں۔ آپ جب کوشش فرماتے تھے تو آپ کی جدوجہد تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آپ ابی کے سامنے آئے۔ اس کی گردن پر نیزہ مارا۔ یا خود اور زرہ کے مابین نظر آنے والی جگہ پر نیزہ مارا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے کئی بار نیچے لڑھکا۔ وہ بیل کی طرح ڈکارنے لگا۔ اس کی گردن پر معمولی سی خراش آئی۔ اس کا خون رک گیا۔ یا اس کی پسلیوں میں سے پسلی ٹوٹ گئی۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا۔ اس نے کہا: ''بخدا! مجھے محمد عربی ﷺ نے قتل کر دیا ہے۔'' قوم نے کہا: ''تیرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ بخدا! تجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ معمولی خراش ہی ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کی آنکھ پر بھی اتنا زخم ہوتا تو اس کو بھی کچھ نہ ہوتا۔'' اس نے کہا: ''مجھے لات وعزیٰ کی قسم! جو چوٹ مجھے لگی ہے اگر اہل ذوالمجاز یا ربیعہ اور مضر کے قبائل کو لگتی تو وہ سارے مرجاتے۔ انہوں نے مجھے مکہ مکرمہ میں کہا تھا'' میں تجھے قتل کر دوں گا۔ بخدا! اگر وہ مجھ پر لعاب دہن پھینک دیتے تو میں مر جاتا۔'' جب مشرکین واپس آ رہے تھے تو یہ سرف کے مقام پر واصل جہنم ہو گیا۔ اس روز

آپ ﷺ نے فرمایا: "اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا غصہ سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ جسے رب تعالیٰ کا رسول مکرم ﷺ قتل کرے۔ اہل دوزخ کے لیے ہلاکت ہو۔"

محمد بن عمر اسلمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ابی بن خلف بطن رابغ میں مرا۔ رات چھا جانے کے بعد میں وہاں جا رہا تھا۔ اچانک میں نے بھڑکتی ہوئی آگ دیکھی۔ جسے دیکھ کر میں ڈر گیا۔ ایک شخص باہر نکلا وہ زنجیریں کھینچ رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا" پیاس! پیاس!" ایک شخص نے کہا: "اسے پانی نہ پلانا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا قتل کیا ہوا ہے۔" حضرت حسان بن ثابت نے اس کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

لقد ورث الضلالة عن ابیه ابی یوم بارزه الرسول
اتیت الیه تحمل رم عظم و توعده و انت به جهول
و قد قتلت بنو النجّار منکم امیّة اذ یغوّث یا عقیل
و تب ابنا ربیعة اذا اطاعا ابا جهل، لامهما الهبول
و افلت حارث لمّا شغلنا باسر القوم اسرته قلیل

ترجمہ: "ابی نے جس روز حضور اکرم ﷺ کو دعوت مبارزت دی اس روز وہ اپنے باپ سے گمراہی کا وارث بن گیا تو ایک بوسیدہ ہڈی اٹھا کر آپ کی خدمت میں آ گیا تو آپ کو دھمکیاں دینے لگا۔ حالانکہ وہ آپ سے بالکل نا آشنا تھا۔ بنو نجار نے تم میں سے امیہ کو اس حال میں تہ تیغ کیا تھا کہ وہ پکار رہا تھا۔ اے عقیل! ربیعہ کے دونوں فرزند اس وقت ہلاکت کے گڑھے میں گرے جب انہوں نے ابوجہل کی فرمانبرداری کی۔ ان کی ماں ان دونوں سے محروم ہوگئی۔ جب ہم قیدیوں کو پابند سلاسل کر رہے تھے تو اس وقت حارث بھی چھپ گیا تھا۔ اس وقت ان کا خاندان تکلیف اٹھا چکا تھا۔"

یہ اشعار حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ہیں:

الامن مبلغ عنی أبیّا لقد القیت فی حق السعیر
تمنی بالضلالَةِ من بعید و تقسِمُ ان قدرت مع النذورِ
تمنیك الامانی من بعید و قول الکفر یرجع فی غرور
فقد لاقتك طعنة ذی حفاظ کریم البیت لیس بزی فجورِ
له فضل علی الاحیاء طُرّا اذا نابت مُلمّات الامور

ترجمہ: "اے کون ہے جو ابی کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دے کہ تجھے جہنم کی گہرائیوں میں پھینک دیا گیا ہے تو طویل مدت سے گمراہی کی آرزو کرتا رہا۔ حالانکہ یہ کفر پر اقوال کا نتیجہ مکر و فریب ہی ہوتا ہے۔ تو مدتِ مدید سے امنگیں کرتا رہا اور قسمیں اٹھاتا رہا کہ تو اپنی نذر کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ تجھے ایک انتہائی باغیرت شخص کا نیزہ لگا جو شریف خاندان کا فرد تھا وہ فسق و فجور سے کوسوں دور تھا۔ جب بڑے بڑے حادثات یکے بعد دیگرے آتے رہے تو انہیں اس وقت دیگر قبائل پر فضیلت حاصل ہو گئی۔"

عثمان بن عبداللہ کا قتل

محمد بن عمر نے لکھا ہے "عثمان بن عبداللہ اپنے ابلق گھوڑے پر آیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آیا۔ وہ گھاٹی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ "اگر آپ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا۔" حضور اکرم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کا گھوڑا پھسلا اور ایک گڑھے میں جا گرا۔ گھوڑا اسے چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے گھوڑا پکڑ لیا۔ حضرت حارث بن صمہ اس کی طرف گئے۔ دونوں میں باہم شمشیر زنی ہوتی رہی۔ حضرت حارث نے اس کی ٹانگ پر تلوار ماری وہاں سے زرہ اٹھی ہوئی تھی۔ وہ بیٹھ گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے اس کی زرہ لے لی۔ خود بھی لے لیا۔ حضرت حارث کے علاوہ کسی اور کے بارے نہیں سنا گیا کہ اسے اس کے مقتول کا سامان ملا ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اسے ہلاک کیا۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے بطن نخلہ میں قیدی بنایا تھا۔ اس نے فدیہ دیا۔ مکہ مکرمہ واپس آ گیا۔ حتیٰ کہ میدانِ احد میں واصل جہنم ہوا۔ عبید بن حاجز دوڑتا ہوا آیا گویا کہ وہ درندہ تھا۔ حضرت حارث بن صمہ نے اس کے کندھے پر مارا۔ اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے جانے لگے۔ حضرت ابو دجانہ جھپٹ کر اس کی طرف گئے۔ کچھ دیر اس کے ساتھ نیزہ بازی کی پھر تلوار سے اسے ذبح کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آ کر مل گئے۔

حضور اکرم ﷺ کے زخموں کی مرہم پٹی

جب آپ گھاٹی کے راستہ کے پاس پہنچے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مہراس کے پانی سے اپنی ڈھال کو بھرا۔ اسے لے کر بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ تاکہ آپ ﷺ اس سے نوش فرمائیں آپ نے اس میں بو سی پائی آپ نے اسے پینا مناسب نہ سمجھا اس سے آپ کے چہرۂ انور سے خون دھویا گیا۔ آپ کے سر اقدس پر انڈیلا گیا۔ آپ فرما رہے تھے۔ "اس قوم پر رب تعالیٰ کا غصہ شدید ہے جس نے اپنے نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور سے خون بہایا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ عزت مآب

خواتین کے پاس پانی کی تلاش میں نکلے لیکن کسی کے پاس پانی نہ پایا۔ حضور اکرم ﷺ کو بہت زیادہ پیاس لگی ہوئی تھی۔ حضرت محمد مسلمہ قناۃ کی طرف گئے اور میٹھے پانی کا مشکیزہ بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر کیا۔ آپ نے اسے نوش جاں فرمایا اور انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

امام بخاری، امام مسلم، امام بیہقی اور الطبرانی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد میں آپ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا۔ آپ کے دندانِ مبارک ٹوٹ گئے۔ خود آپ کے سر اقدس پر ٹوٹ گیا۔ مشرکین واپس چلے گئے۔ مسلمان خواتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف آئیں۔ ان میں حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جب وہ حضور اکرم ﷺ سے ملیں تو وہ آپ کے گلے لپٹ گئیں۔ وہ آپ کے زخم دھونے لگیں۔ حضرت علی المرتضیٰ ڈھال سے پانی انڈیل رہے تھے۔ خون زیادہ بہنے لگا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اسے آگ میں جلا کر راکھ بنایا وہ راکھ لی اور اسے زخموں پر رکھ دیا وہ زخموں سے چمٹ گئی خون مبارک رک گیا۔

ابو سلیمان جوز جانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو امامۃ سہل بن حنیف نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ احد کے روز بوسیدہ ہڈی سے علاج کیا تھا۔" بدایہ میں ہے یہ حدیث غریب ہے۔

چٹان پر چڑھنے کا ارادہ

ابن اسحاق، امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ گئے تاکہ چٹان کی طرف چڑھیں۔ آپ نے اس روز دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ آپ اوپر نہ چڑھ سکے۔ آپ کے نیچے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بیٹھے۔ آپ اٹھے اور چٹان پر چڑھ گئے۔ آپ نے فرمایا: "حضرت طلحہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ حسن سلوک کر کے اپنے اوپر جنت کو لازم قرار دے دیا۔"

رب تعالیٰ سے نصرت کی دعا

ابن اسحاق، ابن جریج، ابن منذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ اسی اثناء میں حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ گھاٹی میں جلوہ افروز تھے۔ مشرکین کا ایک گروہ اوپر چڑھنے لگا۔ خالد بن ولید کے ساتھ مشرکین کا ایک گروہ تھا۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! ہمارے پاس قوت نہیں مگر تیرے ساتھ۔ مولا! اس شہر میں ان کے علاوہ اور کوئی تیری عبادت نہیں کرے گا۔ مولا! انہیں ہلاک نہ کر مولا اب انہیں اوپر آنے کی ہمت نہ دے۔" مسلمانوں کے ایک گروہ نے مشرکین پر تیر اندازی شروع کی۔ ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے مشرکین کے گھوڑوں پر تیر اندازی کی

اور انہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمان اس پہاڑ پر چڑھ گئے۔
امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے روز یہ دعا مانگی تھی "مولا! کیا تو چاہتا ہے کہ اس زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے۔"
اموی نے مغازی میں لکھا ہے "مشرکین پہاڑ پر چڑھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد سے فرمایا: "انہیں واپس لوٹاؤ۔" انہوں نے عرض کی: "میں اکیلے انہیں کیسے واپس کروں؟" انہوں نے تین بار یوں کہا: "حضرت سعد نے اپنے ترکش سے تیر لیا۔ ایک شخص کو تیر مارا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہوں نے فرمایا: "پھر میں نے وہ تیر نکالا جسے میں جانتا تھا۔ میں نے اسے پھینکا ایک اور مشرک کو واصل جہنم کیا۔ پھر ایک اور تیر نکالا۔ اسے میں جانتا تھا اسے مارا ایک اور مشرک کو موت کے گھاٹ اتار دیا وہ اس جگہ سے نیچے اتر آئے۔" ابن جریج نے لکھا ہے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

ترجمہ: "اور نہ ہمت ہارو اور نہ غمزدہ ہو اور تم ہی سربلند ہو گئے اگر تم سچے مومن ہو۔"

اس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زخموں کی وجہ سے نماز ظہر بیٹھ کر ادا کی۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔

حضرت حسیل کی شہادت

یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی تھے۔ جب مسلمان احد کی طرف چلے گئے تو حضرت حسیل اور حضرت ثابت بن وقش رضی اللہ عنہما کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ گڑھیوں میں بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "ہم کس امر کے منتظر ہیں۔ بخدا! اب عمر میں سے کچھ باقی نہیں بچا۔ ہم آج یا کل لقمہ اجل بن جائیں گے۔ کیا ہم اپنی تلواریں نہ پکڑیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا کر مل جائیں شاید رب تعالیٰ ہمیں مرتبہ شہادت پر فائز فرما دے۔" انہوں نے اپنی تلواریں لیں۔ پھر باہر نکل آئے۔ لوگوں میں مشرکین کی طرف سے داخل ہوئے۔ مسلمان انہیں نہ جان سکے۔ حضرت ثابت کو مشرکین نے شہید کر دیا۔ حضرت حسیل پر مسلمانوں کی تلواریں ٹکرائیں۔ انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ انہیں علم تک نہ ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہیں عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شہید کیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے والد گرامی! صحابہ کرام نے فرمایا: "ہم انہیں پہچان نہیں سکے وہ سچ کہہ رہے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے وہ ارحم الراحمین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دیت ادا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیت مسلمانوں پر معاف

کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ حضرت عروۃ نے لکھا ہے کہ حذیفہ میں یہ بھلائی باقی رہی حتیٰ کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے ملاقات کر لی۔

مخیریق نصری اسرائیلی کی شہادت

محمد بن عمر اسلمی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا تعلق بنو قینقاع میں سے بنو ثعلبہ کے ساتھ تھا۔ وہ یہودی علماء میں سے ایک تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو آپ کے اوصاف سے جانتے تھے۔ مگر اپنے دین کی محبت غالب تھی۔ جب ہفتہ کا روز آیا۔ انہوں نے کہا: ''اے گروہ یہود! بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ محمد عربی ﷺ کی نصرت کرنا تم پر لازم ہے۔'' یہودیوں نے کہا: ''آج ہفتہ ہے۔'' انہوں نے کہا: ''اب تمہارے لیے ہفتہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔'' پھر انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ''اگر میں آج شہید ہو جاؤں تو میرے اموال محمد عربی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا۔ وہ ان میں جیسے چاہیں تصرف کریں۔'' پھر انہوں نے اپنا اسلحہ لیا۔ باہر نکل آئے۔ جب لوگ جنگ کرنے لگے تو انہوں نے بھی جہاد کیا اور قبائے شہادت پہن لی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے: ''مخیریق یہودیوں میں سے بہترین ہیں۔'' زبیر بن بکار نے حضرت ابن شہاب سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مخیریق یہودیوں میں سے سلیمان اہلِ ایران میں سے اور بلال اہلِ حبشہ میں سے سبقت لے گئے ہیں۔'' حضور اکرم ﷺ نے حضرت مخیریق کے اموال پر قبضہ کر لیا۔ وہ سات باغ تھے ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

حضرت الاصیرم عمرو بن ثابت بن وقش کی شہادت

ابن اسحاق، ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصیرم اسلام کا انکار کرتے تھے۔ حاکم نے لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک جن آتا وہ جن انہیں اسلام سے روکتا تھا۔ ایک دن اصیرم آئے حضور اکرم اور صحابہ کرام اس روز میدانِ احد میں تھے۔ انہوں نے پوچھا: ''سعد بن معاذ کہاں ہیں؟'' انہیں بتایا گیا ''میدانِ احد میں'' انہوں نے پوچھا: ''ان کے بھتیجے کہاں ہیں؟'' انہیں بتایا گیا ''احد میں'' اسلام کی حقانیت ان پر آشکارا ہو گئی۔ انہوں نے اپنی تلوار اور نیزہ لیا سامان حرب لیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگوں میں گھس گئے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا تو انہیں کہا: ''عمرو! ہم سے دور ہو جاؤ۔'' انہوں نے کہا: ''میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔'' انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ زخموں سے چور ہو گئے۔ بنو عبدالاشہل میدان جنگ میں اپنے شہداء کو تلاش کر رہے تھے کہ انہیں حضرت اصیرم ملے۔ انہوں نے ان سے پوچھا: ''تمہیں یہاں کون سا جذبہ لے کر آیا ہے کیا اپنی قوم کی محبت یا اسلام کی رغبت؟'' انہوں نے کہا: ''اسلام میں رغبت۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول محترم ﷺ پر ایمان لایا۔ میں نے اسلام قبول کیا۔ اپنی تلوار لی اور آپ کی خدمت میں جہاد کے لیے حاضر ہوگیا۔ مجھے وہ زخم لگے جو تم دیکھ رہے ہو۔ اگر میں مرجاؤں تو میرے اموال محمد عربی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا وہ جیسے چاہیں تصرف فرمائیں۔"

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ ان کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنے بھائی سے پوچھا: "ان سے پوچھو:" کیا اپنی قوم کی حمیت کی وجہ سے یا رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے ناراض ہو کر آئے ہو؟" انہوں نے کہا: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ محترم ﷺ کے لیے ناراض ہو کر آیا ہوں۔" پھر وہ ان کے ہاتھوں میں وصال کر گئے۔ انہوں نے ان کا تذکرہ بارگاہِ رسالت مآب میں کیا تو آپ نے فرمایا: "وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "مجھے اس شخص کے بارے بتاؤ جو جنت میں داخل ہوگیا لیکن اس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔" لوگ نہ بتا سکتے وہ پوچھتے وہ کون سا خوش نصیب ہے۔" حضرت ابو ہریرہ بتاتے: "وہ حضرت اصیرم ہیں۔" الاصابۃ میں ہے: "ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ وہ صحابہ کرام جنہوں نے پہلے انہیں کہا تھا: "ہم سے دور ہو جاؤ۔" وہ ان کی قوم کے علاوہ دیگر اہلِ ایمان تھے۔ نیز یہ کہ جب انہوں نے انہیں میدانِ جنگ میں پایا وہ انہیں اٹھا کر ان کے اہل خانہ کے پاس لے گئے۔

حضرت حنظلہ، غسیل ملائکہ

ابن اسحاق نے محمود بن لبید سے، ابن مسعود نے حضرت عروۃ سے اور ابو نعیم نے حضرت یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر وہ اپنے والد گرامی اور وہ اپنے پدرِ بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب مشرکین پیچھے ہٹ گئے۔ تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے گھوڑے کو مارا۔ وہ زمین پر گر پڑا وہ چیخنے لگا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اسے ذبح کرنا چاہتے تھے۔ الاسود بن شداد نے انہیں جالیا اس نے حضرت حنظلہ پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ یہ ایک گہرا زخم تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ دوبارہ اس کی طرف گئے۔ اسود نے دوبارہ حملہ کیا اور یہ جام شہادت نوش کر گئے۔ جب بارگاہِ رسالت مآب میں ان کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں نے ملائکہ کو دیکھا جو زمین اور آسمان کے مابین انہیں غسل دے رہے تھے۔ وہ بارش کے پانی کے ساتھ چاندی کے برتنوں میں انہیں غسل دے رہے تھے۔ حضرت ابو اسید الساعدی فرماتے ہیں: "ہم حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے ان کے سر سے پانی کے قطرات گر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ان کی اہلیہ محترمہ سے ان کی کیفیت کے بارے پوچھو۔" ان کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا: "جب انہوں نے منادی کی صدا سنی تو یہ حالت جنابت میں تھے۔ یہ اسی حالت میں

جہاد کے لیے نکل آئے۔" آپ نے فرمایا: "اسی لیے ملائکہ نے انہیں غسل دیا ہے۔"

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ ان کی زوجہ حضرت جمیلہ بنت ابی بن عبداللہ تھیں حضرت حنظلہ نے ان کے ساتھ اس رات کو وظیفۂ زوجیت ادا کیا تھا جس کی صبح کو غزوہ احد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے بارے آپ سے اجازت طلب کی تھی۔ آپ نے انہیں اذن دے دیا تھا۔ وقتِ صبح جب یہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہونے لگے۔ تو حضرت جمیلہ ان کے ساتھ لپٹ گئیں۔ وہ واپس آئے۔ ان سے وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ حضرت جمیلہ نے اپنی قوم کے چار افراد کو گواہ بنالیا تا کہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو۔ جب ان سے پوچھا گیا" آپ نے گواہ کیوں بنایا ہے؟" انہوں نے کہا: "میں نے دیکھا کہ گویا کہ آسمان پھٹ گیا ہے۔ حضرت حنظلہ اندر چلے گئے ہیں۔ پھر وہ بند ہو گیا ہے۔" میں نے کہا: "یہ شہادت کی علامت ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے حاملہ ہوئیں۔

حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہما کی شہادت

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں بہت شدید لنگڑا پن تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شرکت کرتے تھے۔ ان کے اسماء گرامی حضرات خلاد، معوذ، معاذ اور ابوایمن رضی اللہ عنہم تھے۔ جب غزوۂ احد کا دن آیا تو انہوں نے اپنے والد گرامی کو روکنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور کیا ہے۔" وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: "میرے بیٹے مجھے جہاد کے لیے جانے سے روک رہے ہیں۔ وہ اس لنگڑے پن کی وجہ سے مجھے معذور قرار دے رہے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پن سے جنت کو روندھ ڈالوں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "رب تعالیٰ نے تمہیں معذور کیا ہے تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔" آپ نے ان کے فرزندوں سے کہا: "تم انہیں نہ روکو۔ شاید رب تعالیٰ انہیں رتبہ شہادت عطا فرمادے۔" جب حضرت عمرو باہر نکلے تو وہ قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگنے لگے۔" مولا! مجھے اہل خانہ کے پاس خائب و خاسر نہ لوٹانا۔" انہوں نے قبائے شہادت زیب تن کی۔

امام احمد نے حضرت قتادہ بن حارث سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا کیا خیال ہے اگر میں راہ خدا میں جہاد کروں۔ شہید ہو جاؤں تو کیا میں اس صحیح ٹانگ کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔" ان کی ٹانگ میں لنگڑا پن تھا۔ آپ نے فرمایا: "ہاں! غزوۂ احد میں وہ، ان کے بھتیجے اور ان کے غلام نے جام شہادت نوش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: "عمرو! گویا کہ میں تمہاری طرف دیکھ رہا ہوں۔ تم اس صحیح ٹانگ کے ساتھ جنت میں چل رہے ہو۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے حکم دیا انہیں ایک

قبر میں دفن کیا گیا۔ان کے فرزند حضرت خلاد نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔حضرت ہند بنت عمرو نے انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیا۔وہ انہیں مدینہ طیبہ لے جانا چاہتی تھیں۔یہ رستہ میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملیں۔وہ خواتین کے ساتھ حالات معلوم کرنے نکلیں تھیں۔ابھی پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔انہوں نے ان سے پوچھا: ''کیا خبر ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں۔آپ صحیح وسالم ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔کچھ اہلِ ایمان شہید ہوئے ہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ (الاحزاب:۲۵)

ترجمہ: ''اور نا کام لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں پیچ وتاب کھا رہے تھے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اللہ بڑا طاقتور ہے۔''

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ میرا بھائی، بیٹا حضرت خلاد اور خاوند حضرت عمرو ہیں۔'' انہوں نے پوچھا: ''تم انہیں لے کر کہاں جا رہی ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''مدینہ طیبہ میں۔میں انہیں وہاں دفن کروں گی۔'' پھر وہ اپنے اونٹ کو جھڑکنے لگیں۔اونٹ بیٹھ گیا۔ام المؤمنین نے پوچھا: ''اسے کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''کبھی تو یہ دو اونٹوں کا بوجھ بھی اٹھا لیتا ہے۔میرا خیال ہے اس کا کوئی اور سبب ہے۔'' انہوں نے اسے جھڑکا۔وہ اٹھا پھر بیٹھ گیا۔انہوں نے اس کا رخ احد کی طرف کیا تو وہ جلدی جلدی چلنے لگا۔

وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں اور ساری صورتِ حال عرض کی۔آپ نے فرمایا: ''یہ اونٹ مامور ہے۔کیا حضرت عمرو نے کچھ کہا تھا؟'' انہوں نے کہا: ''انہوں نے احد کی طرف آتے وقت کہا تھا: ''مولا! مجھے اپنے اہل خانہ کی طرف خائب وخاسر نہ لوٹا۔مجھے شہادت عطا فرما۔'' آپ نے فرمایا: ''اسی لیے اونٹ نہیں چل رہا۔اے گروہ انصار! تم میں ایسے پاک طینت افراد بھی ہیں۔اگر وہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھائیں تو رب تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دے۔حضرت عمرو بھی ان میں سے ایک ہیں۔اے ہند! میں نے انہیں دیکھا ہے۔وہ اپنے لنگڑے پن سے جنت کو روند رہے تھے۔تمہارے بھائی پر فرشتے سایہ فگن رہے۔وہ ان کی شہادت سے لے کر ابھی تک ان پر سایہ کناں تھے۔وہ اسی انتظار میں تھے کہ انہیں کہاں دفن کیا جاتا ہے۔'' پھر حضور اکرم ٹھہرے رہے۔ان کی قبر بنوائی پھر فرمایا: ''اے ہند! یہ جنت میں اکٹھے رہیں گے۔'' انہوں نے عرض کی:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔"

حضرت جابر نے فرمایا: "میرے والد صاحب مسلمانوں میں سے سب سے پہلے شہید ہوئے۔ انہیں سفیان بن عبد شمس نے شہید کیا۔" محمد بن عمر اسلمی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے خواب میں حضرت مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ یہ غزوہ احد سے پہلے کا خواب ہے۔ انہوں نے مجھے کہا: "کچھ دنوں بعد تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔" میں نے پوچھا: "تم کہاں ہو؟" انہوں نے کہا: "جنت میں۔ میں اس میں جیسے چاہتا ہوں سیر کرتا ہوں۔" میں نے کہا: "کیا تم بدر میں شہید نہیں ہو گئے تھے؟" انہوں نے فرمایا: "ہاں! پھر مجھے حیاتِ نو نصیب ہوئی۔" انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب میں اس خواب کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: "ابو جابر یہ شہادت ہے۔"

قزمان کا قتل

یہ بہت بہادر تھا۔ یہ اجنبی تھا اس کا تعلق کس کے ساتھ تھا معلوم نہیں۔ جب اس کا تذکرہ کیا جاتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: "یہ اہلِ نار میں سے ہے۔" غزوہ احد میں پیچھے رہ گیا۔ بنو ظفر کی خواتین نے اسے عار دلائی۔ یہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ صفیں درست فرما رہے تھے۔ یہ صفِ اول میں پہنچ گیا۔ سب سے پہلے اسی نے ہی تیر پھینکا تھا۔ وہ اس طرح نیزے مارتا تھا گویا کہ وہ تیر ہوں۔ وہ اونٹ کی طرح جوشیلا تھا۔ پھر اس نے تلوار کے ساتھ بہادری کے جوہر دکھائے۔ حتیٰ کہ اس نے سات یا نو مشرکین کو جہنم واصل کیا۔ اسے زخم آیا وہ گر پڑا۔ حضرت قتادہ بن نعمان نے اسے صدا دی۔ "اے ابو الغیداق! تمہیں شہادت مبارک ہو!" مسلمان کہنے لگے: "ارے تم نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ تمہیں بشارت ہو۔" اس نے کہا: "مجھے کس چیز کی بشارت ہو؟ میں تو اپنی قوم کے شرف کی وجہ سے لڑ رہا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں کبھی نہ لڑتا۔" پھر اس نے اپنی تلوار پر دباؤ ڈالا یا اپنے ترکش سے ایک تیر لیا اور خودکشی کر لی۔ بارگاہِ رسالت پناہ میں اس کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: "وہ دوزخی ہے۔ اللہ تعالیٰ فاجر شخص کے ذریعے اس دین کی نصرت کرے گا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شہادت

الطیالسی، ابن ابی شیبہ، ابن سعد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ انہی کی وجہ سے ان کا نام انس رکھا گیا تھا وہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ ان پر یہ امر گراں گزرا۔ انہوں نے کہا: "یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا۔ لیکن میں اس میں شرکت نہ کر سکا اگر مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کی توفیق رب تعالیٰ نے مجھے مرحمت فرما دی تو رب تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا

ہوں۔" جب غزوۂ احد رونما ہوا۔ مسلمان تیر اندازوں نے لغزش کی تو انہوں نے کہا: "مولا! ان تیر اندازوں نے جو کیا ہے میں تیری جناب میں اس کی معذرت کرتا ہوں۔ جو کچھ مشرکین نے کیا ہے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔" وہ مہاجرین اور انصار کے پاس سے گزرے۔ وہ ہتھیار پھینکے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا: "تم کیوں بیٹھے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔" انہوں نے کہا: "آپ کے بعد زندگی لے کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور اس امر پر جان لڑا دو جس پر آپ نے جان دے دی ہے۔" پھر انہوں نے مشرک قوم کی طرف رخ کیا۔ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ ملے۔ انہوں نے کہا: "میں تمہارے ساتھ ہوں۔" حضرت سعد نے کہا: "حضرت انس نے قوم مشرکین کا رخ کیا جو کچھ انہوں نے کیا۔ مجھ میں وہ کچھ کرنے کی استطاعت نہ تھی۔ حضرت انس نے کہا: "اے سعد بن معاذ! واہ! جنت کی خوشبو! رب نضر کی قسم! مجھے احد سے پرے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔" پھر آگے بڑھے اور جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تیر، نیزے اور تلوار کے اسی سے زائد زخم پائے گئے۔" حضرت انس فرماتے ہیں: "ہم نے انہیں پایا کہ ان کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ ان کی بہن نے انہیں تل یا پورے سے پہچان لیا۔ ہم گمان کرتے تھے کہ یہ آیت طیبہ انہی جیسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابن ابی عاصم نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے صحابہ کرام سے آگے تھے۔ آپ کے اور دشمن کے مابین حضرت حمزہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ دشمن کے ساتھ قتال کر رہے تھے۔ وحشی نے انہیں تاڑ کر نیزہ پھینکا اور شہید کر دیا۔ آپ نے ۳۱ مشرکین کو واصل جہنم کیا آپ کو اسد اللہ کہا جاتا تھا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قتال کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ارطاۃ بن شرحبیل کو تہ تیغ کیا۔ یہ علمبرداروں میں سے ایک تھا۔ انہوں نے اسی طرح عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کیا تھا۔ وہ علمبردار تھا وہ کہہ رہا تھا۔

ان علی اھل اللواء حقا   ان یخضبوا الصعدۃ و تندقا

ترجمہ: "جھنڈا اٹھانے والوں کا حق یہ ہے کہ وہ نیزے کو خون سے رنگ دیں یا اسے نیچے گرا دیں۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابن اسحاق، طیالسی، بخاری وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ وحشی نے کہا: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں طعیمہ بن عدی کو واصل جہنم کیا تھا۔ جب قریش احد کی طرف نکلے تو مجھے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا: "اگر تو نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کو میرے چچا طعیمہ کے عوض قتل کر دیا تو تو آزاد ہے۔" جب لوگ احد کی طرف نکلے تو میں ان کے ساتھ عازم سفر

ہوا۔ میں ایک حبشی شخص تھا۔ میں حبشیوں کی طرح چھوٹا نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ میرا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جب لوگ باہم نبرد آزما ہوئے تو میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا۔ میں ان کی جستجو کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ وہ مست اونٹ کی طرح لوگوں کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ وہ لوگوں کو تلوار کے ذریعے جہنم واصل کر رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ جو سامنے آتا وہ اپنی تلوار سے اسے چیر کر رکھ دیتے تھے۔" دوسرے الفاظ میں ہے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہمیں شکست سے دو چار کیے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" لوگوں نے بتایا: "یہ حمزہ ہیں۔" میں نے کہا: "میرا نشانہ یہی ہیں۔ میں اپنے مقصد کے لیے تیاری کرنے لگا۔ میں درخت یا پتھر کی آڑ میں چھپنے لگا تا کہ وہ میرے قریب آجائیں جب سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی ان کے قریب گیا تو انہوں نے کہا: "اے لڑکیوں کے ختنے کرنے والی کے بیٹے! کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ پھر اس پر حملہ کیا تو وہ گزشتہ کل کی طرح ہو گیا۔ وہ اس پر جھکے تا کہ اس کی زرہ اتار لیں۔ میں پتھر کی آڑ میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ میرے قریب آئے۔" عمیر ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضرت حمزہ پھسلے۔ پیٹ سے زرہ اوپر اٹھ گئی۔ حبشی نے اسے دیکھ لیا اور نیزہ پھینک دیا۔" وحشی نے لکھا ہے" میں درخت کی آڑ میں تھا۔ میرے پاس میرا نیزہ تھا۔ جب آپ نشانے پر آ گئے۔ جب مجھے تسلی ہو گئی میں نے نشانہ باندھا اور ان کی طرف پھینک دیا۔ وہ ناف کے نیچے ان کے اندر گھس گیا۔ ٹانگوں کے درمیان سے باہر نکل گیا۔ وہ میری طرف آنے لگے مگر وہ اس طرح نہ کر سکے۔ وہ نیچے گر پڑے۔ میں نے انہیں وہیں چھوڑا جب ان کی روح پرواز کر گئی تو میں ان کے پاس آیا۔ اپنا نیزہ نکالا۔ اپنے خیمہ کے پاس آیا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ اب میرا مدعا اور کوئی نہ تھا۔ میں نے آزادی کے حصول کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو مجھے آزاد کر دیا گیا۔ میں مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔ میں طائف بھاگ گیا۔ میں وہیں ٹھہرا رہا۔ جب اہل طائف کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو مجھ پر راہیں تنگ ہو گئیں۔ میں نے سوچا کہ میں شام یا یمن یا کسی دوسرے ملک میں چلا جاتا ہوں۔ میں اس سوچ و بچار میں تھا۔ مجھے ایک شخص نے کہا: "تیرے لیے ہلاکت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو قتل نہیں کرتے جو آپ کے دین حق میں داخل ہو جائے۔" اس کی بات سن کر میں عازم سفر ہوا اور مدینہ طیبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب وحشی مدینہ طیبہ آیا تو صحابہ کرام نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ وحشی ہے۔" آپ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔ ایک شخص کا اسلام مجھے ایک ہزار افراد کو تہ تیغ کرنے سے بہتر ہے۔" وحشی نے کہا: "آپ کو اس وقت علم ہوا جب میں آپ کے سر اقدس پر کھڑا حق کی شہادت دے رہا تھا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: "وحشی ہو؟" میں نے عرض کی: "ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔" آپ نے فرمایا: "نیچے بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے

میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے شہید کیا تھا؟ جب میں پورا واقعہ سنا چکا تو فرمایا: "تیرا بھلا ہو! مجھ سے اپنا چہرہ پھیر لو۔ میں تمہیں نہ دیکھوں۔"

امام الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ اور امام رازی نے وحشی سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: "جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے تین بار میرے چہرے پر تھوکا۔" پھر فرمایا: "مجھے اپنا چہرہ نہ دکھانا۔" الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ وحشی سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: "میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔" آپ نے فرمایا: "وحشی!" میں نے عرض کی: "ہاں!" فرمایا: "تم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا؟" میں نے عرض کی: "ہاں!" آپ نے فرمایا: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے دست اقدس سے انہیں عزت بخشی ہے اور ان کے ہاتھ سے مجھے مبارک نہیں دی۔" قریش نے پوچھا: "کیا آپ اس سے پیار کرتے ہیں حالانکہ اس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا؟" میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔" آپ نے تین بار زمین پر لعاب دہن پھینکا۔ تین بار میرے سینے پر مارا۔ فرمایا: "وحشی! اٹھو راہِ خدا میں اس طرح جہاد کیا کرو جس طرح راہ خدا سے روکنے کے لیے قتال کرتے تھے۔"

میں کہتا ہوں "آپ کا زمین پر لعاب دہن پھینکنا اس کے چہرے پر پھینکنے سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ آپ بڑے ہی باحیاء اور اخلاق عالیہ سے مزین تھے۔" وحشی نے کہا: "میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چہرہ پھیر کر بیٹھا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ جب مسلمان مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا۔ میں نے وہی نیزہ لیا جس کے ساتھ حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ جب لوگ باہم جنگ آزما ہوئے تو میں نے مسیلمہ کو دیکھا وہ ہاتھ میں تلوار لیے کھڑا تھا۔ میں اسے جانتا نہ تھا۔ میں اسے نیزہ مارنے کے لیے تیاری کرنے لگا۔ ایک اور انصاری شخص بھی اسی مقصد کی تیاری کرنے لگا۔ ہم دونوں اسی کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا نیزہ لہرایا۔ جب نشانہ باندھ لیا تو اسے اس کو مار دیا۔ وہ نشانے پر لگا۔ انصاری بھی اس کی طرف دوڑا۔ تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اس کا کام تمام کیا۔ اگر میں نے اسے قتل کیا ہے تو اگر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہترین انسان کو شہید کیا تھا تو پھر سب سے زیادہ شریر انسان کو بھی میں نے ہی واصل جہنم کیا تھا۔"

محمد بن عمر اسلمی نے کتاب الردۃ میں لکھا ہے "یہ مبہم انصاری حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی تھے۔ اسحاق ابن راھویہ، اور امام حاکم نے یقین کے ساتھ انہی کا نام لکھا ہے ایک قول میں حضرت عدی بن سہل کا ذکر ہے۔ سیف فی الردۃ میں انہی کا ذکر یقین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایک قول میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے ایک قول میں حضرت زید بن

خطاب کا تذکرہ ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے "پہلا قول مشہور ہے شاید حضرت عبداللہ بن زید کی ضرب اسے لگی ہو اور دیگر دو صحابیوں نے اس پر حملہ کیا ہو۔ وثیمہ نے کتاب الردۃ میں عجیب بات یہ لکھی ہے کہ شن بن عبداللہ نے مسیلمہ کا کام تمام کیا تھا۔ جبکہ ابوعمر نے لکھا ہے کہ جلاس بن بشیر نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ میں نے التجرید میں ان کا تذکرہ نہیں پایا نہ العجالہ از برھان نووی میں ان کا تذکرہ ہے۔ نہ الاصابۃ از الحافظ میں ان کا ذکر ہے۔

امام بخاری اور ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ جنگ یمامہ میں شریک تھے۔ انہوں نے کہا: "میں نے کسی کو یوں صدا لگاتے سنا "ہائے امیر! سیاہ فام غلام نے اسے قتل کر دیا ہے۔"

محمد بن عمر اور صاحب الامتاع نے لکھا ہے "جب وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ان کا پیٹ چاک کیا ان کا کلیجہ نکالا۔ اسے ہند بن عتبہ کے پاس لے آیا۔ کہا: "یہ حمزہ کا کلیجہ ہے۔ اس نے اسے نگلنا چاہا مگر یوں نہ کر سکی۔ پھر اسے پھینک دیا۔ اس نے اپنے کپڑے اور زیورات وحشی کو دے دیے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر دس دینار دینے کا وعدہ کیا۔" وہ وحشی کے ساتھ گئی۔ اس نے حضرت حمزہ کی لاش مبارک دیکھی۔ ان کا کلیجہ نکالا۔ ناک کاٹی، کان کاٹے اس کے کنگن، بازو بند اور پازیب بنائے حتیٰ کہ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ آئی۔

حلیس بن زبان، احابیش کا سردار ابوسفیان کے پاس سے گزرا۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے منہ مبارک کے کنارے پر نیزہ مار رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اے قوم کے نافرمان! مزہ چکھو!" حلیس نے کہا: "بنو کنانہ! یہ قریش کا سردار ہے جو اپنے چچازاد کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔" ابوسفیان نے کہا: "تیرے لیے ہلاکت! یہ فعل چھپاؤ یہ لغزش ہے۔" ہند ایک بلند چٹان پر چڑھی۔ اس نے باآواز بلند کہا:

نحن جزیناکم بیوم بدر — والحرب بعد الحرب ذات سعر
ما کان عن عتبۃ لی من صبر — و لا اخی و عمہ و بکری
شفیت نفسی و قضیت نذری — شفیت وحشی غلیل صدری
فشکر وحشی علی عمری — حتی ترمّ اعظمی فی قبری

ترجمہ: "(اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں غزوہ بدر کا بدلہ دے دیا ہے جنگ کے بعد جنگ آگ کے شعلوں کی طرح روشن ہوتی ہے۔ مجھے عتبہ، اپنے بھائی، اس کے چچا اور اپنے فرزند پر صبر نہ آتا تھا۔ میں نے خود کو شفاء دی اپنی نذر پوری کر لی۔ وحشی! تو نے میرے سینے کی پیاس بجھا دی۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں ساری زندگی وحشی کا شکر ادا کروں حتیٰ کہ میری ہڈیاں قبر میں پرانی ہو جائیں۔"

ہند بنت اثاثہ نے اسے یوں جواب دیا:

خزیت فی بدر و بعد بدرٍ	یا بنت وقاعٍ عظیم الکفر
صبحكِ الله غداة الفجر	مِ الهاشميّين الطّوال الزهر
بكل قطاعٍ حسامٍ يفری	حمزة ليثی و علی صقرِی
اذ رام شيب و ابوب غدری	فخضبا منه ضواحی النحر

ترجمہ: ''تو بدر میں ذلیل ہوئی اور بدر کے بعد بھی اے گھٹیا اور عظیم کافر کی بیٹی! رب تعالیٰ صبح سویرے طویل قامت والے خوش اخلاق ہاشمیوں کو تیرے پاس لے آیا میرے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور میرے عقاب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہر کاٹنے والی تلوار کے ذریعے تمہارے سر جدا کر دیے۔ جب شیبہ اور تیرے باپ نے میرے ساتھ مکر کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کے سینے کی اطراف کو خون آلود کر دیا۔''

حضرت عبداللہ بن جحش کی شہادت

محمد بن عمر اسلمی نے اپنے شیوخ اور ابن وہب نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضرت عبداللہ نے ان سے کہا: ''آؤ کسی کونے میں کھڑے ہو کر رب تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔'' حضرت سعد نے یہ دعا مانگی: ''مولا! جب کل میں دشمن سے ملوں تو میری ملاقات کسی بہادر شخص سے کرا دینا۔ جو بہت جری ہو۔ اس کا غصہ شدید ہو۔ میں تیرے رستہ میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ وہ میرے ساتھ قتال کرے۔ پھر مجھے اس پر غلبہ عطا فرما حتیٰ کہ میں اسے قتل کر کے اس کا سامان چھین لوں۔''

حضرت عبداللہ نے ان کی اس دعا پر آمین کہی۔ پھر خود یہ دعا مانگی: ''مولا! میری ملاقات ایسے شخص سے کرا دے جو بہت بہادر ہو۔ بہت غصے والا ہو۔ میں تیرے رستہ میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ وہ میرے ساتھ قتال کرے۔ وہ مجھے قتل کر دے۔ وہ میرا ناک اور کان کاٹ دے۔ جب میں تجھ سے ملاقات کروں تو تو مجھ سے پوچھے ''میرے بندے! تیرے ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟'' میں کہوں: ''تیرے اور تیرے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رستہ میں۔'' اللہ تعالیٰ کہے: ''تو نے سچ کہا ہے'' حضرت سعد فرماتے تھے: ''حضرت عبداللہ بن جحش کی دعا میری دعا سے بہت عمدہ تھی۔ میں نے آخری حصہ میں دیکھا کہ ان کی ناک اور کان دھاگہ میں پروئے گئے تھے۔''

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ''انہوں نے اپنا مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چھوڑا۔ آپ نے اس کے بیٹے کے لیے خیبر

میں مال خریدا۔ انہیں اور ان کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔"

حضرت ابوسعد خیثمہ بن ابی خیثمہ کی شہادت

محمد بن عمر نے لکھا ہے" حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے روز عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! غزوۂ بدر کے روز مجھ سے خطاء ہوئی تھی۔ بخدا! میں اس کا بڑا حریص تھا۔ میں نے سفر پر روانہ ہونے کے لیے اپنے بیٹے سے قرعہ اندازی کی۔ اس کا قرعہ نکل آیا۔ وہ شہادت کے رتبہ پر فائز ہوا۔ میں نے آج رات اسے خواب میں دیکھا وہ بہت عمدہ شکل میں تھا۔ وہ جنت کے پھلوں اور نہروں میں گھوم رہا تھا۔ اس نے مجھے کہا ہے" ہمارے ساتھ آملو۔ ہم مل کر جنت میں رہیں گے۔ میں نے اسے سچا پایا ہے۔ جو میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔" یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں جنت میں اس کی رفاقت کا مشتاق ہو گیا ہوں۔ آپ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ مجھے شہادت سے بہرہ ور کرے۔ جنت میں اس کی رفاقت اختیار کرائے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ میدانِ احد میں وہ جامِ شہادت نوش کر گئے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت

ابن سعد نے محمد بن شرحبیل العبدری سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے علم اسلام اٹھایا۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ سے اسلام کا جھنڈا اٹھالیا۔ وہ یہ آیت طیبہ پڑھ رہے تھے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: "اور نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول گزر چکے آپ سے پہلے کئی رسول۔"

پھر ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ وہ جھنڈے پر جھکے اور اسے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لیا۔ وہ یہی آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔ پھر وہ شہید ہو گئے۔ جھنڈا نیچے گر پڑا۔ محمد بن شرحبیل نے کہا: "یہ آیت طیبہ بعد میں نازل ہوئی۔"

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما لوگوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ الصحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔ وہ بار بار پانی لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔"

امام بخاری نے حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں ایک عمدہ چادر بچ گئی۔ ایک شخص نے عرض کی: "یہ چادر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہزادی کو دے دیں۔ جو آپ کے عقد میں ہے۔" اس کی مراد حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما تھی۔" حضرت عمر فاروق نے فرمایا: "حضرت ام

سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں۔حضرت ام سلیط انصار کی خواتین میں سے تھیں۔جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا:''وہ غزوہ احد میں ہمیں مشکیزہ سے پانی پلا رہی تھیں۔'' یہ ام سلیط رضی اللہ عنہا حضرت ابوسعید خدری کی والدہ ماجدہ تھیں۔

مشرک خواتین کا مثلہ کرنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے''ہند بنت عتبہ اور اس کے ہمراہ دیگر مشرک خواتین شہداء صحابہ کرام کے پاس کھڑی ہو گئیں۔وہ ان کے ناک اور کان کاٹنے لگیں۔حتیٰ کہ ہند نے ان کی ناکوں اور کانوں کے ہار اور پازیبیں بنا لیں۔

مشرکین کا مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا

ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے روایت کیا ہے''جب فریقین ایک دوسرے کو قتل کرنے سے رک گئے اور ابوسفیان نے واپس جانے کا ارادہ کیا وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔پہاڑ کے دامن میں آیا۔بآواز بلند چلایا۔'' کیا اس قوم میں محمد عربی ﷺ موجود ہیں''اس نے تین بار یوں کہا۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''اسے جواب نہ دو۔''اس نے پوچھا:'' کیا اس قوم میں ابوبکر صدیق ہیں؟''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''اسے جواب نہ دو۔''اس نے کہا:'' کیا اس قوم میں عمر بن خطاب موجود ہیں؟''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''اسے جواب نہ دو۔''اس نے ان تینوں کے بارے اس لیے پوچھا تھا کیونکہ وہ اور اس کی قوم جانتی تھی کہ اسلام کا انحصار انہی پر ہے۔''ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔اس نے کہا:''یہ سارے قتل ہو گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ہمیں جواب دیتے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا۔امام احمد،امام الطبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی:''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!کیا میں اسے جواب نہ دوں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!''الفتح میں ہے:''گویا کہ آپ نے پہلی بار انہیں جواب دینے سے منع کیا۔تیسری بار حضرت عمر فاروق کو جواب دینے کا اذن دے دیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''اے اللہ کے دشمن!تو نے جھوٹ بولا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بچا لیا ہے جو تجھے رسوا کر دیں گے۔''ابوسفیان نے کہا:''ھبل بلند ہو،اپنے دین کو غالب کر دے۔'' آپ نے فرمایا:''عمر!اسے جواب دو۔''انہوں نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ سب سے بلند اور اعلیٰ ہے۔''ابوسفیان نے کہا:''ھبل بلند ہو۔اپنا دین غالب کر دے۔ آج کا دن بدر کے دن کا مقابلہ ہے۔یہ ایام ڈول کی مانند ہیں۔جو پھرتے رہتے ہیں۔''

فیوم علینا و یوم لنا   و یوم نساء و یوم نسرُّ

ترجمہ: ''ایک دن ہمارے خلاف ہوتا ہے ایک دن ہمارے حق میں ہوتا ہے ایک روز ہم کو تکلیف پہنچتی ہے

اور ایک دن ہم خوش ہوتے ہیں۔"

حنظلہ کے بدلے حنظلہ! فلاں کے عوض فلاں! حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اسے کہو: "ہمارے مقتول جنت میں جبکہ تمہارے مقتول آگ میں ہیں۔" ابوسفیان: "یہ باتیں تو تم ہی کر رہے ہو۔ پھر تو ہم خائب و خاسر رہے۔ ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے کہو: "ہمارا مولا اللہ تعالیٰ ہے تمہارا مولا کوئی نہیں ہے۔" ابوسفیان نے کہا: "قرعہ یہی نکلا تھا کہ یہ کام کر گزر۔" "عمر ادھر آئیں" حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جاؤ، دیکھو کیا کہتا ہے؟" وہ اس کے قریب آئے۔ ابوسفیان نے کہا: "عمر! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں؟" انہوں نے کہا: "بخدا! نہیں! آپ تو اب بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔" اس نے کہا: "تم ابن قمئہ سے سچے اور پاکباز ہو۔ ابن قمئہ نے کہا تھا: "میں نے محمد عربی ﷺ کو شہید کر دیا ہے۔" ابوسفیان نے بآواز بلند کہا: "تم اپنے مقتولوں میں دیکھو گے کہ بعض کا مثلہ کیا گیا ہے۔ بخدا! نہ میں اس پر راضی تھا۔ نہ میں نے حکم دیا نہ میں نے منع کیا۔ آئندہ سال اسی روز بدر الصفراء کے مقام پر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے کہو۔ یہ ہمارے اور تمہارے مابین وعدہ ہے۔"

ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا۔ مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ مشرکین کہیں مدینہ طیبہ پر حملہ نہ کر دیں۔ وہ خواتین اور بچوں کو نقصان نہ دیں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے" آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کو یا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ دیکھیں۔" آپ نے فرمایا: "دیکھو۔ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور گھوڑوں کو ہانکیں تو یہ روانگی ہوگی اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ہانکیں تو وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے لگیں گے۔ بخدا! اگر وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کے لیے گئے میں ان کے ساتھ چلوں گا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا۔ حضرت علی یا حضرت سعد ان کے پیچھے مقام عقیق تک گئے۔ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے۔ گھوڑوں کو ہانکا۔ انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے بارے مشورہ کیا تھا لیکن صفوان بن امیہ نے کہا تھا: "یوں نہ کرو۔ تمہیں علم نہیں کہ تم پر کیا چھا جائے۔" وہ واپس آئے اور حضور اکرم ﷺ کو بتایا: "ابوسفیان مکہ مکرمہ آیا۔ وہ گھر جانے سے قبل ھبل کے پاس گیا اور کہا: "تو نے انعام کیا تو نے میری مدد کی۔ تو نے مجھے محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے شفاء دی۔" پھر اس نے حلق کرایا۔

شہداء کی تلاش

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب مشرکین چلے گئے۔ مسلمان اپنے شہداء کو

تلاش کرنے لگے۔ ہر ہر شہید کا مثلہ کیا گیا تھا۔ سوائے حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کے۔ کیونکہ ان کا باپ مشرکین کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اس کے لیے اسے چھوڑ دیا۔" ابن اسحاق اور محمد بن عامر نے لکھا ہے "جب مشرکین چلے گئے تو مسلمان اپنے شہداء کی تلاش میں نکلے۔" امام حاکم اور امام بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے لیے حضرت سعد بن ربیع کی خبر کون لے کر آئے گا۔ کیا وہ زندہ ہیں یا شہید کر دیے گئے ہیں میں نے دیکھا تھا کہ بارہ نیزے ان کی طرف رخ کیے ہوئے تھے۔" حضرت محمد بن مسلمہ یا حضرت ابی بن کعب اٹھے۔ انہوں نے تین بار آواز دی۔ مگر جواب نہ دیا۔ انہوں نے کہا: "مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے حالات دریافت کروں۔" انہوں نے کمزور سی آواز میں کہا۔" حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "غزوہ احد کے روز آپ نے مجھے حضرت سعد بن ربیع کی تلاش میں بھیجا۔" آپ نے فرمایا: "اگر تم انہیں دیکھ تو لو میری طرف سے سلام کہنا۔ ان سے پوچھنا: "تمہارا کیا حال ہے؟" حضرت زید نے فرمایا: "میں ان کے پاس پہنچا۔ ان کی زندگی کی آخری رمق باقی تھی۔ ان پر تیر، نیزہ اور تلوار کے ستر زخم تھے۔ میں نے انہیں کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں دیکھوں کہ تم زندہ ہو یا شہید ہو چکے ہو۔" انہوں نے کہا: "میں موت کے قریب تر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری طرف سے سلام دینا۔ عرض کرنا کہ سعد بن ربیع عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر دے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو۔" آپ سے عرض کرو: "میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔" اپنی قوم کو میری طرف سے سلام بھیجنا۔ اسے کہنا کہ سعد بن ربیع تمہیں کہتا ہے کہ اگر تم میں اتنی ہمت ہو کہ آنکھ جھپک سکو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی تو تمہارا کوئی عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔" پھر ان کا وصال ہو گیا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سارا واقعہ سنایا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مجھے ابو بکر زبیری نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ ان کے سینے پر ننھی سی بچی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے پیار کر رہے تھے۔ اس شخص نے پوچھا: "یہ بچی کون ہے؟" انہوں نے اسے بتایا: "یہ اس آدمی کی لخت جگر ہے جو مجھ سے بہتر تھا۔ یعنی حضرت سعد بن ربیع۔ وہ عقبہ کے روز نقیبوں میں سے تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی اور غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ آپ فرمانے لگے: "میرے چچا کے ساتھ کیا ہوا؟" آپ بار بار یہی کہہ رہے تھے۔ حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے۔ انہیں کچھ خبر نہ ملی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے انہیں وادی کے دامن میں دیکھا۔ وہ شہید ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا۔ آپ چلتے ہوئے وہاں پہنچے ان پر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا۔ ان کا کلیجہ نکال دیا

گیا تھا۔ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ ان کے کان اور ناک کاٹ دیے گئے تھے۔ یہ کرب ناک منظر دیکھ کر آپ کے قلب انور کو بہت اذیت ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ حضرت کعب بن مالک کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان کی طرف دیکھنا بھی نہ چاہا۔ آپ نے فرمایا: ''میں اجر و ثواب کے حصول کے لیے آپ پر صبر کرتا ہوں۔''

بزار نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جب آپ تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی آپ رونے لگے۔ جب انہیں دیکھا تو آپ کو ہچکی لگ گئی۔''

امام حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ قتال سے واپس لوئے تو آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا۔ ایک شخص نے کہا: ''میں نے انہیں ان چٹانوں کے پاس دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: ''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیر ہوں۔ مولا! میں تیری جنابِ والا میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ جو کفار لے کر آئے ہیں اور اس کا عذر پیش کرتا ہوں جو تیر اندازوں سے لغزش ہوئی ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف تشریف لے گئے۔ جب ان کا جسم اطہر دیکھا تو رونے لگے۔ جب دیکھا کہ ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے تو ہچکی بندھ گئی۔ پھر فرمایا: ''کیا انہیں کفن نہ دے دیا جائے؟'' ایک انصاری صحابی اٹھے۔ انہوں نے اپنا کپڑا ان کی طرف پھینکا۔ دوسرے انصاری صحابی اٹھے۔ انہوں نے اپنا کپڑا ان کی طرف پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: ''جابر! یہ کپڑا تمہارے والد گرامی کے لیے ہے اور یہ کپڑا میرے چچا جان کے لیے ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہو۔ بخدا! تم اسی طرح تھے جس طرح میں تمہیں سمجھتا تھا۔ آپ بہت زیادہ بھلائیاں کرنے والے، صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر مجھے حضرت صفیہ کے حزن وغم یا اپنی خواتین کے غم واندوہ یا آپ سے بعد والے کے غم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی طرح چھوڑ دیتا۔ حتیٰ کہ آپ روز حشر درندوں کے پیٹوں اور جانوروں کی بوٹوں سے اٹھتے۔'' پھر فرمایا: ''مجھے بشارت دو۔ مجھے حضرت جبرائیل نے بتایا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر لکھا ہے کہ حمزہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر ہیں۔ اگر کبھی مجھے قریش پر تسلط نصیب ہوا تو میں ان کے بدلہ میں ستر افراد کا مثلہ کروں گا۔'' جب صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم واندوہ ملاحظہ کیا۔ تو انہوں نے کہا: ''اگر کبھی ہمیں ان مشرکین پر فتح نصیب ہوئی تو ہم ان کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ اہلِ عرب میں سے اس طرح کسی کا مثلہ نہیں کیا ہوگا۔''

حضرت جبرائیل امین یہ آیت طیبہ لے کر نازل ہو گئے۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ (النحل: ۱۲۶)

ترجمہ: ''اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو۔ لیکن اتنی جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔''

حضور اکرم ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنے ارادہ سے صبر کا مظاہرہ کیا۔

امام ترمذی، عبداللہ بن امام محمد نے زوائد المسند میں، امام نسائی، ابن منذر اور ابن خزیمہ نے اپنی فرائد کتاب میں لکھا ہے۔ ابن حبان اور ضیا المقدسی نے اپنی اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: "غزوۂ احد میں ۶۴ صحابہ کرام شہید ہوئے۔ مہاجرین میں سے چھ صحابہ کرام کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا گیا۔ ان میں سے ایک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا مثلہ بھی کیا گیا تھا۔ انصار نے کہا: "اگر کسی دن ہمیں ان مشرکین پر فتح نصیب ہوئی تو ہم ان سے زیادہ ان کا مثلہ کریں گے۔" فتح مکہ کے موقع پر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہم صبر کریں گے۔ بدلہ نہیں لیں گے۔ وہ قوم سے رک گئے سوائے چار کے۔"

ابن اسحاق، ابن جریر نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ سورۃ النحل ساری کی ساری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن اس کی آخری تین آیات غزوۂ احد کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ اس غزوہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور ان کا مثلہ کیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر ہم ان پر غالب آگئے تو ہم ان کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ اس طرح کا مثلہ اہل عرب میں سے کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا آئیں تاکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھیں۔ وہ ان کے سگے بھائی تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ناپسند فرمایا کہ وہ انہیں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا: "وہ خاتون! وہ خاتون! حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری امی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ان سے ملاقات کرو اور انہیں واپس لے جاؤ تاکہ وہ اپنے بھائی کی یہ حالت نہ دیکھ سکیں۔" وہ دوڑتے ہوئے گئے اور حضرت صفیہ کو جالیا۔ وہ ابھی تک شہداء تک نہیں پہنچی تھیں۔ انہیں واپس جانے کے لیے کہا: "انہوں نے ان کے سینے پر مکا مارا۔ وہ ایک توانا خاتون محترمہ تھیں۔ انہوں نے کہا: "مجھ سے دور ہو جاؤ۔ میں تم سے راضی نہیں ہوں گی۔" انہوں نے گذارش کی۔ "امی جان! حضور اکرم ﷺ آپ کو واپس جانے کا حکم دے رہے ہیں۔" انہوں نے فرمایا: "کیوں؟ مجھے یہ خبر مل چکی ہے کہ میرے برادر محترم کا مثلہ کیا گیا ہے۔ یہ رب کی رضا کے لیے ہے۔ میں صبر کروں گی۔ اور اجر و ثواب کی امید رکھوں گی۔ ان شاء اللہ!"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارے حالات عرض کیے۔ آپ نے فرمایا: "ان کا رستہ چھوڑ دو۔" وہ آئیں۔ حضرت حمزہ کا آخری دیدار کیا۔ ان کے لیے دعائے خیر کی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور ان کی بخشش کی دعا کی۔

الطبرانی اور بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حضرت صفیہ کی عقل ہی سلب نہ ہو جائے۔ آپ نے اپنا دستِ شفاء بخش ان کے سینے پر رکھا۔ انہوں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور رونے لگیں۔

امام احمد، ابو یعلی، بزار نے حضرت زبیر سے اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دو کپڑے لے کر آئیں۔ انہوں نے کہا: ''میں یہ دونوں کپڑے اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے لے کر آئی ہوں۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ انہیں ان میں کفن دو۔'' ہم دو کپڑے لے کر آئے تاکہ انہیں ان میں لپیٹیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے پہلو میں ایک اور انصاری صحابی شہید ہوئے تھے۔ ان کے لیے کفن نہ تھا۔ ہم نے کہا: ''ایک کپڑا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے جبکہ دوسرا کپڑا اس انصاری صحابی کے لیے ہے۔ ایک کپڑا دوسرے سے بڑا تھا۔ ہم نے ان کے مابین قرعہ اندازی کی۔ پھر اس کے مطابق انہیں کفن دیا۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ قریش سے انتقام لیں۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کے مثلہ کی وجہ سے بہت غمزدہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں۔ پہلے وہ کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ابو قتادہ! قریش اہلِ امانت ہیں۔ جس بدنصیب نے ان کے ساتھ بغاوت کی رب تعالیٰ نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ اگر تمہاری عمر طویل ہوئی تو تم دیکھو گے کہ تم ان کے اعمال کے سامنے اپنے اعمال کو حقیر سمجھو گے۔ اپنے افعال کے سامنے ان کے افعال کو حقیر سمجھو گے اگر قریش اترانے نہ لگیں تو میں انہیں بتاتا کہ رب تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے۔'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے رب تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی غصہ آیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلوک کیا۔'' آپ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا ہے وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بری قوم تھی۔''

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ حالت جنابت میں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ملائکہ نے انہیں غسل دیا۔'' ابن سعد نے حضرت حسن سے مرسل روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے ملائکہ دیکھے وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے تھے۔'' ابن ابی شیبہ اور الطبرانی نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابو اسید الساعدی نے کہا: ''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ اگر چادر کو سر کی طرف کھینچا جاتا تو ان کے پاؤں عریاں ہو جاتے اور اگر ان کی ٹانگوں کی طرف کھینچا جاتا تو سر ننگا ہو جاتا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے ان کے سر کی طرف کھینچو۔'' ان کے پاؤں پر حرمل یا اذخر ڈال دو۔''

شہداء کو دفن کرنے کا حکم

امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شہداء کے جسم سے زرہیاں وغیرہ اتار لی جائیں اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔''

ابوداؤد نے حضرت ہشام بن عامر انصاری سے روایت کیا ہے کہ احد کے روز انصار بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں تکلیف پہنچی ہے۔ کاری ضرب لگی ہے۔ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''قبریں کھودو۔ انہیں گہرا اور وسیع کھودو ایک قبر میں دو دو یا تین تین شہداء رکھو۔'' انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آگے کسے رکھیں؟'' آپ نے فرمایا: ''جسے زیادہ قرآن پاک آتا ہو۔''

ابن ابی شیبہ اور امام الطبرانی نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز آپ شہداء کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''میں ان پر گواہ ہوں۔ انہیں ان کے خون سمیت کفن دو۔ جو بھی رب تعالیٰ کے رستہ میں زخمی ہوا وہ خون ریزہ حالت میں روز حشر آئے گا۔ خون کا رنگ خون کی طرح کا اور خوشبو مشک اذفر جیسی ہوگی۔ جسے زیادہ قرآن مجید آتا ہو اسے آگے رکھو۔ اسے لحد میں رکھو۔''

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کپڑے میں دو شہیدوں کو کفن دیتے تھے۔ پھر آپ پوچھتے ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد تھا؟'' جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسے لحد میں رکھ دیا جاتا۔ آپ نے فرمایا: ''میں ان پر گواہ ہوں۔'' آپ نے انہیں ان کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ نہ انہیں غسل دیا۔'' حضرت جابر نے فرمایا'' میرے والد گرامی اور چچا جان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔''

ابن اسحاق نے بنوسلیم کے بزرگوں سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز فرمایا: ''حضرات عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو کو دیکھو۔ وہ دنیا میں دوست تھے۔ انہیں ایک قبر میں دفن کرو۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بعض لوگ اپنے شہداء کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے۔ انہیں وہیں دفن کر دیا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: ''انہیں لوٹا دو۔ اور اسی جگہ دفن کرو جہاں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔'' محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے کہ صرف ایک شخص کو لوٹایا گیا۔ دفن کرنے سے قبل آپ کا منادی وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ حضرت شماس بن عثمان مخزومی رضی اللہ عنہ تھے۔

امام احمد اور چار کتب کے مصنفوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ احد کے شہداء کو اٹھا کر مدینہ طیبہ لے جایا گیا تھا۔ آپ کے منادی نے اعلان کیا: ''شہداء کو اسی جگہ لوٹا دو جہاں شہید ہوئے تھے۔''

امام احمد نے ان سے ہی روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "میرے والد گرامی غزوہ احد میں شہید ہو گئے میری بہنوں نے مجھے اپنا اونٹ دے کر بھیجا۔ انہوں نے کہا: "اپنے والد گرامی کو اس پر اٹھا لاؤ۔ اور انہیں بنوسلمہ کے قبرستان میں دفن کر دو۔" میں اور میرے ساتھی آئے۔ یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک پہنچی۔ آپ احد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: "مجھے اس ذات بابرکات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میرے صحابہ کرام کو احد میں ہی دفن کیا جائے گا۔"

ابوداؤد اور امام نسائی نے ان سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے نکلے۔ مجھے میرے والد گرامی نے فرمایا: "تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اہل مدینہ کے منظر دیکھنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ حتی کہ تم دیکھ لو کہ ہمارا انجام کیا ہوتا ہے؟" "اگر میں نے اپنے بعد بیٹیاں نہ چھوڑی ہوتیں تو مجھے یہ پسند تھا کہ تم میرے سامنے شہید کیے جاؤ۔" اسی اثناء میں کہ میں مدینہ طیبہ میں منتظر تھا کہ میری پھوپھو میرے والد گرامی اور ماموں کو اونٹ پر سوار کر کے لائیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئیں۔ ایک شخص اعلان کرتے ہوئے آیا۔ "حضور اکرم ﷺ تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم اپنے شہداء کو واپس لے چلو اور انہیں اسی جگہ دفن کرو جہاں شہید ہوئے تھے۔"

امام حاکم، امام بیہقی نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ رستہ میں شہید پڑے تھے۔ آپ ان پر رکے۔ ان کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر یہ آیت طیبہ پڑھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ (الاحزاب: ۲۳)

پھر فرمایا: "میں نے تمہیں مکہ مکرمہ میں دیکھا کوئی شخص لباس یا بالوں کے اعتبار سے تم سے حسین نہیں ہوتا تھا۔"

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزہ دار تھے۔ انہوں نے کہا: "حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ وہ ان سے بہترین تھے جنہیں ان کی چادر میں کفن دیا گیا۔ اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ٹانگیں ننگی ہو جاتیں اور ٹانگیں ڈھانپی جاتیں تو سر ننگا ہو جاتا۔ پانچوں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے رحمت الٰہیہ کے حصول کے لیے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہو گیا۔ ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا وہ چلے گئے اجر میں سے کچھ نہ کھایا۔ ان میں سے ایک حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی۔ جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تھے تو ان کی ٹانگیں ننگی ہو جاتی تھیں جب ٹانگیں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: "ان کا سر ڈھانپ دو۔ ٹانگوں پر اذخر رکھ دو۔" ہم میں سے بعض کا پھل پک چکا ہے اور وہ اپنا پھل چن رہا ہے۔"

دعائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

امام احمد اور امام نسائی نے کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں، امام حاکم نے اسے صحیحین کی شروط پر، امام ذہبی نے اور محمد بن عمر الاسلمی نے حضرت رفاعۃ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کو دفن کرنے سے فارغ ہوئے۔ آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپ کے ارد گرد مسلمان روانہ ہوئے۔ ان کی اکثریت زخمیوں کی تھی۔ بنوسلمہ اور بنوعبدالاشہل کے زخمی کثیر تھے۔ آپ کے ہمراہ چودہ عفت مآب خواتین بھی تھیں۔ جب وہ احد کے دامن میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: "صفیں باندھ لوتا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کروں۔" آپ کے پیچھے مردوں نے ان کے پیچھے عزت مآب خواتین نے صفیں بنالیں۔ آپ نے یوں عرض کی:

"مولا! ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ مولا! جسے تو تنگ کر دے اسے کشادہ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو کشادہ کر دے اسے تنگ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ جسے تو ہدایت سے نوازے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو روک دے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو بخش دے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو قرب عطا کر دے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ مولا! ہم پر اپنی برکات، رحمت، فضل اور رزق کشادہ فرمادے۔ پروردگار! ہم تجھ سے ان دائمی نعمتوں کا سوال کرتے ہیں۔ جو پھرتی نہیں۔ زائل نہیں ہوتیں۔ مولا! ہم فقر کے روز تجھ سے نعمتوں کا سوال کرتے ہیں۔ ہم تجھ سے خوف کے دن سے امن اور فاقہ کے دن سے غنیٰ طلب کرتے ہیں۔ مولا! ہم تجھ سے اس چیز کے شر سے پناہ مانگتے ہیں جو تو نے ہمیں عطا کی ہے۔ اس چیز کے شر سے بھی جسے تو نے ہم سے روک لیا ہے۔ مولا! ایمان کو ہمارے ہاں پسندیدہ بنادے۔ اسے ہمارے دلوں میں مزین کر دے۔ کفر، نافرمانی اور فسوق کو ہمارے ہاں ناپسندیدہ بنادے۔ ہم کو ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنادے۔ مولا! ہمیں حالت اسلام میں موت دے۔ حالت اسلام میں زندہ رکھ۔ ہمیں صالحین کے ساتھ ملادے۔ ہم نہ تو غم زدہ ہوں نہ ہی فتنہ میں مبتلا ہوں۔ مولا! ان کفار کو ہلاک کر جو تیرے رسل کو جھٹلاتے ہیں۔ تیرے رستہ سے روکتے ہیں۔ ان پر اپنا غضب اور عذاب نازل کر۔ پروردگار! ان کفار کے ساتھ قتال کر جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ اے ہمارے سچے خدا! یہ دعائیں قبول فرما۔"

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مسلمان آپ کے ارد گرد تھے۔ آپ مدینہ طیبہ کی طرف جانے لگے۔ آپ کو راستہ میں حضرت حمنہ بنت جحش ملیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: "حمنہ!

اجر و ثواب کے لیے صبر کرو۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! کس کے سر پر شہادت کا تاج سجا؟" آپ نے فرمایا: "تمہارے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر اقدس پر۔" انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کے لیے بخشش کی دعا کی۔ شہادت کی مبارکباد عرض کی۔ آپ نے انہیں فرمایا: "اجر و ثواب کے لیے صبر کرو۔" انہوں نے عرض کی: "قبائے شہادت کسے نصیب ہوئی؟ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کو۔" انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کی اور شہادت کی مبارکباد دی۔ آپ نے انہیں فرمایا: "اجر و ثواب کے حصول کے لیے صبر کرو۔" انہوں نے عرض کی: "اب کس کو جامِ شہادت نصیب ہوا؟" آپ نے فرمایا: "تمہارے شوہر نامدار حضرت مصعب بن عمیر کو۔" وہ پکارنے لگیں "ہائے غم!" آپ نے فرمایا: "عورت کے دل میں اس کے خاوند کا خاص مقام ہوتا ہے۔" آپ نے دیکھا تھا کہ حضرت حمنہ اپنے بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر پر ثابت قدم رہیں اور اپنے شوہر کی شہادت کی خبر پر رونے لگیں۔" آپ نے ان سے فرمایا: "تم نے یہ آہ و فغاں کیوں کی؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! مجھے ان کے بیٹوں کی یتیمی یاد آ گئی تھی۔ آپ درگزر فرمائیں۔" آپ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ ابن ماجہ نے ابراہیم بن احمد بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حمنہ بنت جحش کو بتایا گیا کہ تمہارا بھائی شہید ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔" لوگوں نے بتایا: "تمہارا خاوند بھی شہید ہو چکا ہے۔" انہوں نے کہا: "ہائے غم!" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خاوند کو عورت کے دل میں ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے جو کسی اور چیز کو حاصل نہیں ہوتا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے روانہ ہوئے۔ آپ بنو عبدالاشہل کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے شہداء پر رو رہے تھے۔ آپ کی چشمان مقدس سے آنسو گرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "لیکن حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں! خواتین باہر نکلیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلامت دیکھا۔ حضرت ام عامر الاشہلیہ نے کہا: "آپ کی زیارت کر کے ہر مصیبت ہیچ نظر آنے لگی ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو دینار کی ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ ان کے باپ، خاوند اور بھائی کے سروں پر شہادت کا تاج سجا تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی تو اس نے کہا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟" صحابہ کرام نے فرمایا: "ام فلاں! آپ اسی طرح ہیں جس طرح تم پسند کرتی ہو۔ الحمد للہ! اس نے کہا: "ذرا مجھے آپ کا دیدار تو کراؤ۔" جب اس نے آپ کی زیارت کر لی تو کہا: "آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔"

الطبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "غزوۂ احد کے روز اہلِ مدینہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔" مدینہ طیبہ کے اطراف میں آہ و بکاء شدید ہو گئی۔ انصار کی ایک خاتون نکلی۔ اسے راستہ میں بتایا گیا کہ تمہارا باپ، بیٹا، خاوند اور بھائی شہید ہو چکے ہیں۔" یہ علم نہیں کہ اسے پہلے کس کی شہادت کی

خبر دی گئی۔ اس نے کہا: ''حضور والا ﷺ کا کیا حال ہے؟'' اسے بتایا گیا'' وہ تمہارے آگے ہیں۔'' اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ اس نے آپ کے مبارک کپڑوں کا کونہ پکڑا اور عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! آپ کے بعد مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کون شہید ہوا ہے؟''

ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کی عفت مآب خواتین کو کچھ خبر نہ ملی وہ تو باہر نکلیں تا کہ کچھ معلوم کرسکیں۔ انہوں نے اونٹ پر دو شہیدوں کو دیکھا۔ ایک انصاری خاتون نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''فلاں اور فلاں'' انہوں نے اس کے خاوند اور بھائی یا خاوند اور بیٹے کا نام لیا۔ اس نے پوچھا: ''حضور اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟'' صحابہ کرام نے بتایا: ''آپ خیریت سے ہیں۔'' اس نے کہا: ''مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے شہداء بناتا ہے۔'' اس کے قول پر یہ آیت طیبہ اتری:

وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ط (آل عمران: ۱۴۰)

حضرت ام سعد کبشہ بنت رافع حضور اکرم ﷺ کی طرف دوڑتی ہوئی آئیں۔ آپ اپنے گھوڑے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کے گھوڑے کی لگام کو تھاما ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم والدہ ماجدہ!'' آپ نے فرمایا: ''انہیں خوش آمدید!'' وہ قریب ہوئیں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئیں۔ عرض کی: ''جب میں نے آپ کو صحیح وسالم دیکھا ہے تو اذیت ختم ہوگئی ہے۔'' آپ نے ان کے لخت جگر حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی۔ آپ نے فرمایا: ''ام سعد! خود بھی خوش ہو جاؤ اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی بشارت دو کہ تمہارے شہداء جنت میں ایک دوسرے کی رفاقت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے اہلِ خانہ کے بارے ان کی شفاعت قبول کرلی گئی ہے۔'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم راضی ہیں۔ اس کے بعد ان پر کون روئے گا؟'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بعد والوں کے لیے دعا کریں۔'' آپ نے عرض کی: ''مولا! ان کے دلوں کے غم کو ختم فرما۔ مصیبت پر اجر عطا فرما اور پیچھے رہ جانے والوں میں اچھا جانشین بنا۔'' پھر فرمایا: ''ابو عمرو! گھوڑے کی لگام چھوڑ دو۔'' انہوں نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ابو عمرو! تمہارے اہلِ خانہ کا زخم ظاہر ہے۔ ان میں سے ہر زخمی روزِ حشر اس طرح آئے گا کہ اس کا زخم جتنا بڑا بھی ہوگا۔ اس کا رنگ خون کے رنگ کی طرح اور خوشبو مشک اذفر کی خوشبو کی طرح ہوگی۔ جو زخمی ہو۔ وہ گھر میں ٹھہر جائے۔ اپنے زخم کا علاج کرے میرے ساتھ میرے کاشانہ اقدس میں نہ آئے۔ یہ لازمی حکم ہے۔'' حضرت سعد نے ان میں اعلان کیا'' آپ کی طرف سے خصوصی حکم ہے کہ بنو عبد الاشہل کا کوئی زخمی آپ کے پیچھے نہ آئے۔'' ہر زخمی شخص پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے آگ جلاتے اور زخموں کا علاج کرتے رات گزار دی۔ حضرت سعد حضور اکرم ﷺ

کے ساتھ آئے۔آپ کاشانہ اقدس پہنچے آپ کو اٹھا کر اتارا گیا۔آپ نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ٹیک لگائی اور اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔کاشانہ اقدس میں پہنچ کر آپ نے اپنی مبارک شمشیر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائی اور فرمایا: ''اس کا خون دھو دو۔بخدا! آج اس نے سچ کر دکھایا ہے۔'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار انہیں عطا کی اور فرمایا: ''اسے بھی دھو دو۔بخدا! اس نے بھی آج سچ کر دکھایا ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم نے بہادری کے جوہر دکھائے ہیں تو تمہارے ساتھ حضرت سہیل بن حنیف اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہما نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے ہیں۔''

امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے روز اپنی تلوار لے کر آئے وہ ٹیڑھی ہو چکی تھی۔انہوں نے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے کہا: ''اس تلوار کو اچھی طرح صاف کرو۔آج مجھے اس نے شفا دی ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم نے آج اپنی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں تو پھر حضرات سہیل بن حنیف ،حضرت ابو دجانہ اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم نے بھی خوب کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔''

ابن ہشام نے لکھا ہے'' مجھے بعض اہل علم نے بتایا ہے کہ ابونجیح نے کہا کہ احد کے روز ایک اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا: ''لا سیف الا ذوالفقار۔ ولا فتی الا علی۔''

ذوالفقار سے مراد وہ تلوار ہے۔جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار تھی۔آپ کو وہ تلوار غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے ملی۔ اس کے بارے آپ نے غزوۂ احد میں خواب دیکھا تھا۔

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب کے لیے اذان دی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حالت میں باہر تشریف لائے۔آپ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔آپ نے صحابہ کرام کو نماز مغرب پڑھائی۔ پھر اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔حضرت سعد بن معاذ اپنی خواتین اور اپنی قوم کی خواتین کے پاس گئے۔انہیں لے کر آئے۔ساری عفت مآب خواتین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں جمع ہو گئیں۔وہ مغرب اور عشاء کے مابین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر روتی رہیں۔لوگ مسجد نبوی میں آگ روشن کر رہے تھے اور اس کے ذریعے زخموں کی سنکائی کرتے رہے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان عشاء دی۔جب سرخ شفق غائب ہو گیا۔آپ باہر تشریف نہ لائے۔حتیٰ کہ رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔پھر آپ کو صدا دی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! نماز! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے۔ باہر تشریف لائے۔آپ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔جب آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔تو آپ نے رونے کی آواز سنی۔آپ نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' آپ کو عرض کی گئی: ''یہ انصار کی خواتین ہیں جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی اولاد سے

راضی ہو۔" پھر ان خواتین کو حکم دیا کہ وہ گھر چلی جائیں۔"

ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ آپ ان خواتین کے پاس تشریف لائے۔ وہ مسجد نبوی کے دروازہ پر تھیں۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے واپس لوٹ چلو۔ تم نے ہمدردی کا اظہار کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انصار پر رحم کرے میں جانتا ہوں کہ ہمدردی کرنا ان کا قدیمی شیوہ ہے۔" خواتین اپنے مردوں کے ساتھ واپس آگئیں۔

ابو یعلی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے واپس تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ انصار کی خواتین اپنے اپنے خاوندوں پر رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والا کوئی نہیں۔" یہ بات ان خواتین تک پہنچ گئی۔ وہ آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں آپ رات کے وقت جاگے۔ انہیں سنا وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "ان کی خیر! وہ رات سے ابھی تک رو رہی ہیں انہیں حکم دو کہ وہ گھر چلی جائیں آج کے بعد کسی پر نہ روئیں۔"

آپ نے نماز عشاء پڑھائی۔ پھر اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام نے آپ کے کاشانہ اقدس سے لے کر آپ کے مصلی تک صفیں بنا لیں تھیں۔ آپ اکیلے چلتے ہوئے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔ اوس اور خزرج کے جوان ساری رات مسجد نبوی کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے کہ کہیں قریش دوبارہ حملہ نہ کر دیں۔

منافقین اور یہود کی مسرت

جب مسلمانوں کو اس غزوہ میں نقصان ہوا تو عبداللہ بن ابی، منافقین اور یہود اس پر خوشیاں منانے لگے۔ وہ مسلمانوں کو برا بھلا کہنے لگے۔ وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ ابن ابی نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے کہا۔ وہ زخمی تھے اور ساری رات آگ سے اپنے زخم سینکتے رہے تھے۔ "تمہارا مسلمانوں کے ساتھ اس طرح نکلنا عمدہ رائے نہیں تھا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری رائے کی مخالفت کی ہے اور بچوں کی رائے کی موافقت کی ہے۔ میں تو اس انجام سے پہلے ہی باخبر تھا۔" اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ بہتر ہے۔" یہود بھی بری باتیں کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے: "محمد عربی تو اقتدار کے طالب ہیں کسی نبی کو تو کبھی یوں شکست نہیں ہوئی۔ ان کے جسم پر چوٹیں آئیں۔ ان کے صحابہ کرام زخمی ہوئے۔" منافقین آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو رسوا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ انہیں انتشار کا شکار کرنے لگے۔ وہ کہتے: "تم سے جو قتل ہوئے ہیں اگر ہمارے پاس ہوتے تو اس طرح قتل نہ ہوتے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے سارے بکواسات سنے۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ تاکہ ان

منافقین اور یہود کو تہ تیغ کرنے کی اجازت لیں۔ آپ نے فرمایا: "عمر اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کو عزت عطا کرے گا۔ یہود کے ساتھ معاہدہ ہے۔ میں انہیں قتل نہیں کروں گا۔" انہوں نے عرض کی: "یہ منافقین ہیں۔ ان کے بارے کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا: "کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتے "لا الہ الا اللہ و انی رسول اللہ" انہوں نے عرض کی: "ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تلوار سے بچنے کے لیے یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اب ان کا معاملہ عیاں ہو چکا ہے۔ اس مصیبت کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا کینہ عیاں کر دیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "مجھے ایسے شخص کے قتل سے منع کیا گیا ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہو۔ ابن خطاب! قریش دوبارہ ہمیں اس طرح کا نقصان نہیں دے سکیں گے۔"

ابن شہاب زھری سے روایت ہے "جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔ ابن ابی جمعۃ المبارک کے دن کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی قوم میں معزز تھا۔ جب جمعۃ المبارک کے روز آپ خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوتے۔ ابن ابی اٹھتا اور لوگوں سے کہتا: "اے لوگو! یہ رسولِ مکرم ﷺ تمہارے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی وجہ سے اعزاز بخشا ہے۔ تمہیں عزت دی ہے۔ ان کی مدد کرو۔ ان کی تعظیم بجالاؤ۔ ان کی باتیں سنو اور ان کی اطاعت کرو۔" پھر وہ بیٹھ جاتا جب اس نے غزوۂ احد میں اس کردار کا اظہار کیا جو کیا۔ لوگوں کو لے کر واپس آ گیا۔ وہ حسبِ معمول یہی باتیں کرنے لگا۔ تو مسلمانوں نے اس کے کپڑوں کے گوشے پکڑ لیے۔ انہوں نے کہا: "اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جا۔ تو اس کا اہل نہیں ہے۔ تو نے وہ کام کیا جو کیا۔" وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نکلا۔ وہ کہہ رہا تھا: "گویا کہ میں نے بیہودہ بات کر دی ہے۔ میں تو ان کے معاملہ کو مضبوط کرنے کے لیے اٹھا تھا۔ ان کے صحابہ کرام مجھے کھینچنے لگے اور مجھ سے نرمی تک نہ برتی۔ گویا کہ میں نے قبیح کلام کیا ہے۔ میں تو ان کے معاملہ کو مضبوط کرنے کے لیے اٹھا۔" اس شخص نے کہا: "تیرے لیے ہلاکت! واپس چلا جا۔ حضور ﷺ تیرے لیے بخشش کی دعا کریں۔" اس نے کہا: "میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔"

غزوۂ احد کے بارے قرآن پاک کا نزول

ابن اسحاق نے لکھا ہے "سورت آلِ عمران کی ساٹھ آیات غزوہ احد کے بارے نازل ہوئیں۔ ان میں وہی تذکرہ ہے جو اس روز ہوا تھا۔

ابویعلی، ابن منذر، ابن ابی حاتم حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے کہا: "ماموں! مجھے غزوۂ احد کے بارے بتائیں۔" انہوں نے فرمایا: "سورت آلِ عمران کی ۱۲۰

آیات کے بعد پڑھ لو تم ہماری عشق انگیز داستان پالو گے۔"

غزوۂ احد کے بارے مسلمان شعراء کا کلام

حضرت حسان رضی اللہ عنہ ھبیرہ بن وھب کا جواب دیتے ہوئے کہا:

سقتم كنانه جهلا من سفاهتكم ۔۔۔ الى الرسول مجند الله مخذيعا

اوردتموها حياض الموت ضاحية ۔۔۔ فالنار موعدها والقتل لاقيها

جمعتموهم أحابيشا بلا حسب ۔۔۔ ائمة الكفر غرتكم طواغيها

الا عتبرتم بخيل الله اذ قتلت ۔۔۔ اهل القليب و من القينة فيها

كم من اسير فككناه بلا ثمن ۔۔۔ و جز ناصية كنا مواليها

ترجمہ: "تم اپنی حماقت کی وجہ سے بنو کنانہ کو حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لے آئے۔ رب تعالیٰ کا لشکر انہیں ذلیل و رسواء کردے گا۔ تم نے صبح ہی انہیں موت کے حوضوں پر اتار دیا۔ آگ ان کی وعدہ کی جگہ بنی اور قتل ان کے ساتھ ملاقات کرنے والا تھا۔ تم نے مختلف لشکروں کو جمع کیا جو حسب کے بغیر تھے وہ کفر کے آئمہ تھے ان کے سرکش لوگوں نے تمہارے ساتھ مکر کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے گھڑسوار دستے سے عبرت کیوں نہ حاصل کی۔ جب انہوں نے کنویں والوں کو تہ تیغ کیا تھا اور انہوں نے انہیں اس کنویں میں پھینک دیا تھا۔ ہم نے کتنے ہی قیدیوں کو قیمت کے بغیر اور اس کی پیشانی کے بال کاٹے بغیر رہا کر دیا تھا ہم ان کے احسان مند تھے۔"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

الاهل اتى غسّان عنا ودونهم ۔۔۔ من الارض خرق سيره متنعلع

صحارٍ و اعلام كان قتامها ۔۔۔ من البعد نقع هامد متقطع

تظل به البزل العراميس زحا ۔۔۔ و يخلو به غيث السنين فيمرع

به جيف الحسرى يلوح صليبها ۔۔۔ كما لاحَ كتان التجار الموضع

به العين والارآم يمشين خلفة ۔۔۔ و بيض نعام قيضه يتقلع

مجادلنا عن ديننا كل فخمة ۔۔۔ مدربة فيها القوانس تلمع

و کل صموت فی الصوان کانها ... اذا لبست نهی من الماء مترع

و لکن ببدر سائلو من لقیتمو ... من الناس والانباء بالغیب تنفع

و انا بأرض الخوف لو کان اهلها ... سوانا لقد اجلوا بلیل واقشعوا

اذا جاء نا راکب کان قوله ... اعدوا لما یزجی ابن حرب و یجمع

فمهما یصم الناس مما یکیدنا ... فنحن له من سائر الناس اوسع

فلو غیرنا کانت جمیعا تکیده ال ... بریة قد اعطوا یدا و تورعوا

نجالد لا تبقی علینا قبیلة ... من الناس الا ان یهابو و یفظعوا

و لما ابتنوا بالعرض قال سراتنا ... علام اذا لم تمنع العرض من نزرع؟

و فینا رسول الله نتبع امره ... اذا قال فینا القول لا نتطلع

تدلی علیه الروح من عند ربه ... ینزل من جو السماء و یرفع

نشاوره فیما نرید و قصدنا ... اذا ما اشتهی انا نطیع و نسمع

و قال رسول الله لما بدالنا ... ذروا عنکم هول المنیات و اطمعوا

و کونوا کمن یشری الحیاة تقربًا ... الی ملك یحیا لدیه و یرجع

و لکن خذوا اسیافکم و توکلوا ... علی الله ان الامر لله اجمع

فسرنا الیهم جهرة فی رحالهم ... ضحیا علینا البیض لا نتخشع

بملمومة فیها السنور والقنا ... اذا ضربوا اقدامها لا تورع

فجئنا الی موجٍ من البحر و سطه ... اجابیش منهم حاسرٌ و مقنعُ

ترجمہ: "ارے ہمارے اور بنو غسان کے مابین اتنا بڑا جنگل ہے جہاں تیز ہوا چلتی ہے اور اس کا سفر گمراہ کر دینے والا ہے۔ ان کے اور ہمارے مابین ایسے عظیم صحراء اور پہاڑ حائل ہیں جن کی رنگت سیاہی مائل ہے۔ وہ دوری کی وجہ سے جما ہوا ساکن گرد و غبار معلوم ہوتا ہے۔ وہاں طاقتور اونٹ بھی نڈھال ہو کر گر پڑتے ہیں۔ وہاں بارش بھی سیراب کرنے سے ٹل جاتی ہے۔ وہاں حسرت کے مارے لوگوں کی بدبودار لاشوں کی چربی اس طرح چمکتی ہے جیسے تاجروں کا نقش و نگار والا کپڑا چمکتا ہے۔ اس جگہ نیل گائے اور ہرن قطار اندر قطار چلتے ہیں شتر مرغ کے انڈوں کے ٹکڑے بکھر جاتے ہیں۔ ہمارے دین

کے محافظین ایسے عظیم لشکر پر مشتمل ہیں جن کے سفید خودوں کی چوٹیاں تاباں ہوتی ہیں۔ ہر مجاہد کے لیے ایک ایسی زرہ ہے جو تنگ اور مضبوط بنی ہوئی ہے جب وہ پہنی جاتی ہے تو گویا کہ پانی سے بھرا ہوا تالاب نظر آتا ہے۔ لیکن تم ان سے ذرا سوال تو کرو کہ مقام بدر پر تمہیں کیسے لوگوں سے پالا پڑا تھا۔ جبکہ غیب کی خبریں نفع دے رہی تھیں۔ ہم خوف کی ایسی سرزمین میں تھے اگر وہاں ہمارے علاوہ دیگر لوگ ہوتے تو رات بھر میں ہی وہ جلاوطن ہو جاتے اور رسوا ہو کر بھاگ جاتے۔ جب ہمارا کوئی شہسوار آتا تو وہ یہی کہتا کہ اس کی تیاری کرلو جو لشکر ابوسفیان جمع کر رہا ہے اور اسے سامان فراہم کر رہا ہے۔ جب بھی ابوسفیان خفیہ تدبیروں کے ذریعے ہمت بڑھاتا تو ہم اس کے مقابلہ کے لیے لوگوں سے بڑھ کر تیاری کرتے۔ جب ساری مخلوق تدبیر کے ساتھ شکست دینے کے لیے جمع ہوگئی۔ اگر ہمارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو وہ ہار جاتا اور پارہ پارہ ہو جاتا۔ جب ہم معرکہ آزما ہوتے ہیں تو قبیلہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا جو دہشت زدہ ہو کر بوکھلا نہ جائے۔ جب مشرکین مقام عرض پر خیمہ زن ہوئے۔ تو ہمارے سرداروں نے کہا کہ اگر ہم اپنی عزت ناموس کی حفاظت نہیں کریں گے تو کیسے پنپ سکیں گے۔ ہمارے مابین حضور اکرم ﷺ جلوہ افروز ہیں ہم آپ کی اتباع کرتے ہیں۔ جب وہ ہمیں کوئی فرمان دیتے ہیں تو ہم جلال کی وجہ سے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے آپ پر آپ کے رب کی طرف سے روح القدس آتے ہیں جنہیں آسمان کی طرف سے اتارا جاتا ہے پھر اوپر بلا لیا جاتا ہے ہم اپنے ارادوں کے بارے آپ سے مشاورت کرتے ہیں پھر ہمارا مدعا آپ کی منشاء ہوتا ہے۔ ہم آپ کی اطاعت کرتے ہیں اور فرمان غور سے سنتے ہیں۔ جب دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو آپ نے فرمایا: "موتوں کا خون خود سے دور کردو اور ان کی تمنا کرو۔ اس آدمی کی مانند ہو جاؤ جو اپنی زندگی بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بیچ دیتا ہے۔ جس کی جناب میں انسان کو زندہ کیا جاتا ہے اور لوٹا دیا جاتا ہے۔ اپنی تلواریں پکڑلو۔ رب تعالیٰ پر توکل کرو بلاشبہ سارے امور رب تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔ ہم نے دن کے وقت خود پہن کر ان کے کجاؤوں کا رخ کیا۔ ہم جرأت کے ساتھ ان کی طرف چل دیے ہمیں کسی سے ڈر نہ تھا۔ ہم مجاہدین کے ایسے لشکر کے ساتھ چلے جو ہتھیار بند تھا۔ جب وہ چلتا تھا تو وہ قدموں کو روکتا نہ تھا۔ بالآخر ہم کفار کے ایسے لشکر میں گئے جو سمندر کی طرح تھا اس میں مختلف قبائل کے لوگ تھے کچھ زرہ پہنے ہوئے اور کچھ زرہ کے بغیر تھے۔"

ثلاثۃُ آلاف و نحن نصیۃ ثلاث مئین ان کثرنا و اربع

نعاورهم تجری المنيات بيننا نشارعهم حوض المنايا و نشرع

ترجمہ: "مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جبکہ ہم اپنی قوم کے چیدہ چیدہ تین سو افراد تھے۔ اگر ہم زیادہ بھی تھے تو چار سو تھے۔ ہم ان پر اس طرح حملہ آور ہو رہے تھے کہ موتیں ہمارے مابین بھاگنے لگیں۔ ہم انہیں موتوں کے حوضوں سے پانی پلا رہے تھے اور خود بھی پی رہے تھے۔"

تهادی فسسی النبع فينا و فيهم وما هو الا اليثربیُّ المقطع

ترجمہ: "درخت نبع سے بنائی گئی کمانیں ہمارے اندر اور ان کے اندر چل رہی تھیں۔ وہ یثرب کی بنی ہوئی تھیں جو ٹوٹ چکی تھی۔"

و منجوفةٌ حرميّة صاعدية يذر عليها السم ساعة تصنع

ترجمہ: "حرم کے لوگ صاعد کے بنے ہوئے تیر چلا رہے تھے انہیں بناتے وقت ان پر زہر چھڑکا گیا تھا۔"

تصوب بابدان الرجال و تارة تمر باعراض البصار تقعقع

ترجمہ: "وہ تیر لوگوں کے جسم پر لگ رہے تھے اور کبھی پہاڑوں کے دامنوں کے ساتھ لگ کر آواز پیدا کر رہے تھے۔"

و خيل تراها بالفضاء كانّها جرادُ صبًا فی قرّة يتريع

ترجمہ: "وہاں گھوڑے بھی تھے جو وسیع میدان میں یوں دکھائی دے رہے تھے گویا کہ وہ موسم سرما کی مشرقی ہوا میں ٹڈیاں آ جا رہی ہوں۔"

فلما تلاقينا و دارت بنا الرحی و ليس لامر حمّه الله مدفع

ترجمہ: "جب ہم ان کے ساتھ نبرد آزما ہوئے تو جنگ کی چکی ہم پر خوب چلنے لگی۔ جس بات کا ارادہ رب تعالیٰ کر لے اسے دور کوئی نہیں کر سکتا۔"

ضربناهم حتی تركنا سراتهم كانهم بالقاع خشبت مصرّعُ

ترجمہ: "ہم نے انہیں تلواریں ماریں حتیٰ کہ ہم نے ان کے سرداروں کو یوں چھوڑ دیا گویا کہ وہ نشیبی علاقے میں گرائی گئی کڑیاں ہوں۔"

لدن غدوة حتی استفقنا عشيّة كان ذكانا حرُّ نار تلفّع

ترجمہ: "وقت صبح سے لے کر تا دم شام ہمیں افاقہ ہوا ہماری جنگ کی آگ بھڑکتی ہوئی آگ کی حرارت کی

مانند تھی۔"

وراحوا سراعًا موجفین کانھم　　　　جھامٌ ھراقت ماءہ الریح مقلع

ترجمہ: "کفاریوں دوڑنے لگے گویا کہ وہ اکھڑے ہوئے بادل ہوں جس کے پانی کو ہوا نے نکال لیا ہو۔ اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکا ہو۔"

و رحنا و اخرانا بطاء کاننا　　　　اسودٌ علی لحم ببیشۃ ظلع

ترجمہ: "ہم شام کے وقت واپس آئے۔ آخری صفوں کے لوگ بڑے سکون سے چل رہے تھے گویا کہ ایسے شیر ہوں جو اپنی کچھار میں ٹہل ٹہل کر گوشت کھا رہے ہوں۔"

فنلنا و نال القوم منّا و ربّما　　　　فعلنا و لکن مالدی اللہ اوسع

ترجمہ: "ہم نے بھی کچھ پایا دشمن قوم نے ہم سے کچھ پایا ہم نے کارنامے سرانجام دیے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں جو طے شدہ ہے وہ اس سے وسیع تر ہے۔"

و دارت رحانا و استدارت رحاھم　　　　و قد جعلوا کل من الشرّ یشبع

ترجمہ: "ہماری چکی بھی چلی اور ان کی چکی بھی خوب چلی۔ حالانکہ ہم میں سے ہر ایک نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔"

و نحن اناس لا نری القتل سبۃ　　　　علی کل من یحمی الذّمار و یمنع

ترجمہ: "ہم لوگ اس شخص کے قتل کو باعثِ ندامت نہیں سمجھتے جو اپنے حقوق کی حفاظت اور دفاع کرے۔"

جلادٌ علی ریب الحوادث لا نری　　　　علی ھالکٍ عینا لنا الدھر تدمع

ترجمہ: "ہم زمانے کے حوادثات پر اس قدر سخت ہیں کہ ہم ایک بھی ایسی آنکھ نہیں دیکھتے جو ہلاک ہونے والے شخص پر آنسو بہائے۔"

بنو الحرب لا نعیا بشیءٍ نقولہ　　　　ولا نحن مما جرت الحرب نجزع

ترجمہ: "ہم جنگ کے ماہر ہیں جو ہم بات کر لیتے ہیں اسے پورا کرنے سے نہیں تھکتے نہ ہی ان مصیبتوں پر روتے ہیں جنہیں جنگ لے کر آتی ہے۔"

و کنا شھابا یتقی الناس شرّہ　　　　و یفرج عنہ من یلیہ و یسفع

ترجمہ: "ہم آگ کا ایسا شعلہ ہیں جس کی حرارت سے لوگ بچتے ہیں۔ جو اس کے قریب جاتا ہے وہ اتنی دیر میں جل جاتا ہے کہ وہ اس سے دور ہو۔"

فخرت علی ابن الزبعری و قد سری　　　　لکم طلب من اخر اللیل متبع

ترجمہ: "اے زبعری کے بیٹے! تونے مجھ پر فخر کیا حالانکہ ہم نے آخری شب تک تمہاری ایسی جستجو کی جس نے ہمیں تھکا دیا تھا۔"

فسل عنك فی علیا معدٍّ وغیرها　　　　من الناس من اخزی مقامًا واشنع

ترجمہ: "تم معد کی رفعتوں اور دیگر مقامات پر جا کر لوگوں سے پوچھو تو سہی کہ مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ذلیل و رسوا کون ہوا؟"

و من هو لم تترك له الحرب مفخرا　　　　و من خده یوم الکریهة اضرع

ترجمہ: "وہ کون ہے جس کے لیے جنگ نے ایسی چیز نہ چھوڑی جو قابل فخر ہو وہ کون ہے جنگ کے روز جس کے رخساروں کو خوب پیٹا گیا۔"

شددنا بحول الله والنصر شدة　　　　علیکم و اطراف الاسنة شرع

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت سے ہم نے تم پر اس قدرت شدت سے حملہ کیا کہ نیزوں کی دھاروں کا میلان تمہاری طرف ہو گیا۔"

نکرّ القنا فیکم کان فروعها　　　　غزالی مزاد ماءُ ها یتهزع

ترجمہ: "ہم تم پر نیزوں کے ساتھ یوں بار بار حملہ آور ہو رہے تھے گویا کہ وہ وسیع زخم مشکیزوں کے منہ تھے جن سے پانی بہہ رہا ہو۔"

عمدنا الی اهل اللواء و من یطر　　　　بذکر اللواء فهو فی الحمد اسرع

ترجمہ: "ہم نے جھنڈے والوں اور ان لوگوں کا قصد کیا جو جھنڈے کا ذکر کر کے اترا رہے تھے۔ وہ جھنڈا ان سے زیادہ ہماری تعریفیں کرنے لگا۔"

فخانو و قد اعطوا یدا و تخاذلوا　　　　ابی الله الا امره وهو اصنع

ترجمہ: "انہوں نے خیانت کی رسوا اور ذلیل ہو کر جھنڈا ہمارے حوالے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا وہ سب سے زیادہ امور مکمل کرنے والا ہے۔"

انہوں نے فرمایا:

ابلغ قریشا و خیر القول اصدقه　　　　والصدق عند ذوی الالباب مقبول

ترجمہ: "قریش کو بتادو کہ بات وہی بہترین ہوتی ہے جو زیادہ سچی ہوتی ہے۔ اہلِ دانش کے نزدیک سچ ہی کو قبول کیا جاتا ہے۔"

ان قد قتلنا بقتلانا سراتکم   اهل اللواء ففيما يكثر القيل

ترجمہ: "ہم نے اپنے مقتولوں کے عوض تمہارے سردار علمبرداروں کو قتل کیا لہٰذا کس بات کا تذکرہ زیادہ ہوتا ہے۔"

و يوم بدرٍ لقينا كم لنا مددٌ   فيه مع النصر ميكالٌ و جبريل

ترجمہ: "غزوہ بدر کے روز ہم تمہارے ساتھ اس حال میں نبرد آزما ہوئے کہ ہمیں ایسی نصرت مل رہی تھی جس میں حضرات میکائیل اور جبرائیل شامل تھے۔"

ان تقتلونا فدين الحق فطرتنا   والقتل فى الحق عند الله تفضيل

ترجمہ: "اگر تم ہمیں شہید کر دو گے تو پھر دین حق ہماری فطرت میں شامل ہے حق کے رستہ میں شہید ہونا رب تعالیٰ کے ہاں بڑی فضیلت رکھتا ہے۔"

و ان تروا امرنا فى رايكم سفها   فراى من خالف الاسلام تضليل

ترجمہ: "اگر اپنی رائے کے مقابلہ میں ہماری رائے کو حماقت سمجھتے ہو تو سمجھ لو کہ اسلام کے دشمن کی رائے سراپا گمراہی ہوتی ہے۔"

فلا تمنّوا لقاح الحرب و اقتعدوا   ان اخا الحرب اصدى اللون مشغول

ترجمہ: "جنگ کے ساتھ ملاقات کرنے کی آرزو نہ کرو۔ بلکہ بیٹھ جاؤ کیونکہ جنگ کرنے والے شخص کا رنگ سرخی اور سیاہی کے مابین ہوتا ہے۔ وہ مشغول ہوتا ہے۔"

ان لكم عندنا ضربًا يُراحُ بكم   عرج الضبّاع له خذمٌ رعابيل

ترجمہ: "ہمارے پاس تمہارے لیے شمشیروں کی ایسی ضرب کاری ہے جس کی وجہ سے لنگڑے بجو بھی مسرت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ انہیں گوشت کے ٹکڑے نصیب ہوتے ہیں۔"

انا بنو الحرب نمريها و ننتجها   و عندنا لذى الاضغان تنكيل

ترجمہ: "بلاشبہ ہم ماہرین جنگ ہیں۔ ہم اس کا دودھ نکالتے ہیں۔ اس سے بچے پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ان لوگوں کے لیے سخت ناک سزا ہے جو کینہ رکھتے ہیں۔"

ان ینج ابن حرب بعد ما بلغت منه التراقی و امر الله مفعول

ترجمہ: ''اگر ابوسفیان نجات پا جائے جبکہ جنگ سینے کی ہڈیوں تک پہنچ چکی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔''

فقد افادت له حلما و موعظة لمن یکون له لب و معقول

ترجمہ: ''یہ جنگ حلم و بردباری کا فائدہ دے گی۔ صاحبان دانش اور اہلِ عقل کے لیے اس میں درسِ عبرت اور پند ہے۔''

ولو هبطتم ببطن السیل کاضحکم ضرب بشاکلة البطحاء ترعیل

ترجمہ: ''اگر تم بطن سیل میں فروکش ہوتے تو تمہیں بطحاء کے کونے میں سخت تلوار زنی کا سامنا کرنا پڑتا۔''

تلقاکم عصب حول النبی لهم مما یعدون للهیجا سرابیل

ترجمہ: ''آپ کے ارد گرد تمہیں ایسی جماعتیں ملتیں جنہوں نے ایسی زرہیں پہن رکھی ہوتیں۔ جن کو جنگ کے لیے تیار کیا ہوتا۔''

من جذم غسان مسترخ حمائلهم لاجنباءٌ و لامیل معازیل

ترجمہ: ''ان گروہوں کا تعلق قبیلہ غسان سے ہے۔ ان کی تلواریں طویل ہیں وہ بزدل نہیں نہ ہی ایسے نہتے ہیں جن کے پاس ڈھالیں ہوں نیزے نہ ہوں۔''

یمشون نحو عمایات القتال کما تمشی المصاعبة الاذم المراسیل

ترجمہ: ''یہ گروہ جنگ کی ظلمتوں میں یوں چلتے ہیں جیسے گندم گوں اونٹ قطار اندر قطار ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں۔''

او مثل مشی اسود الطل الثقها یوم رذاذٍ من الجوزاء مشمول

ترجمہ: ''یا ہلکی پھلکی بارش کے نیچے ایسے شیروں کی چال ہو جن کو شمال کی ہوا نے جوزا ستارے سے ہونے والی بارش نے تر کر دیا ہو۔''

فی کل سابغة کالنهی محکمة قیامها فلج کا السیف بهلول

ترجمہ: ''یہ مبارک گروہ انتہائی مضبوط زرہ میں ملبوس ہیں۔ وہ اس تالاب کی طرح ہیں جو تلوار کی طرح تاباں دریا فلج کے قریب ہو۔''

تردّ حدّ قران السنبل خامسۃ ویرجع السیف منہا وھو مفلول

ترجمہ: "یہ زرہیں موٹی ہیں جو تیروں کی دھاروں کو واپس کر دیتی ہیں ان کے پاس تلواریں آتی ہیں تو ان پر دندانے پڑ چکے ہوتے ہیں۔"

ولو قذفتم بسلع عن ظھور کم وللحاۃ و دفع الموت تاجیل

ترجمہ: "اگر تم انہیں اپنی کمروں سے اٹھا کر سلع کے پہاڑ پر پھینک آتے۔ حالانکہ موت و حیات کے مقابلہ کے لیے ایک مدت متعین ہے۔"

ما زال فی القوم وتر منکم ابدًا تعفو السلام علیہ وھو مطلولٌ

ترجمہ: "تو ہماری قوم کا وہ شخص بھی جن سے تم انتقام لینا چاہتے پتھروں سے محفوظ ہوتا اور خون رواں ہوئے بغیر ہی محفوظ رہتا۔"

عبد و حر کریم موبق قنصا شطر المدینۃ ماسور و مقتول

ترجمہ: "مدینہ طیبہ کا جو دشمن بھی رخ کرے گا اسے یا تو قید کر لیا جائے گا یا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا خواہ غلام ہو یا معزز آزاد ہو۔"

کنّا نوٴمّل اخراکم فاعجلکم منا فوارس لا عزل ولا میل

ترجمہ: "ہم تمہاری آخری صفوں کو امید دلاتے تھے۔ ہمارے وہ شہ سوار جو ڈھال اور ہتھیاروں سے لیس تھے تمہیں پکڑ لیتے تھے۔"

اذا جنی فیہم الجانی فقد علموا حقًّا بانّ الّذی قد جرَّ محمول

ترجمہ: "ان سواروں میں سے جو بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے علم یقینی ہوتا ہے کہ مجرم کو ضرور سزا ملے گی۔"

ما نجن لا نجن من اثم مجاھرۃ ولا ملومٌ ولا فی العزم محزولٌ

ترجمہ: "ہم نہ تو سر عام گناہ کرتے ہیں نہ ہمیں ملامت کی جاتی ہے اور نہ ہی ہم سے یوں تاوان لیا جاتا ہے کہ ہمیں چھوڑ دیا گیا ہو۔"

حضرت حسان بن ثابت نے ابن زبعری کا جواب دیتے ہوئے کہا:

ذھبت بابن الزبعری و قعۃ کان منا الوقل فیھا لو عدل

ترجمہ: "اے زبعری کے بیٹے وہ جنگ گزر چکی ہے اگر اس کی سمت بدلتی تو نصرت اور فتح کا جھنڈا ہمارے

نصیب میں ہوتا۔"

و لقد نلتم و نلنا منکم   و کذالك الحرب احیانا دول

ترجمہ: "لیکن تم نے ہم سے اور ہم نے تم سے اپنا حصہ لے لیا ہے اور جنگ اسی طرح ڈول کی مانند بدل بدل کر آتی ہے۔"

نضع الاسیاف فی اکتافکم   حیث نهوی عللًا بعد نهل

ترجمہ: "ہم تمہارے شانوں کو یوں کاٹ رہے تھے کہ ہم ایک دفعہ خون سے پیاس بجھانے کے بعد دوبارہ سیراب ہو رہے تھے۔"

نخرج الاصبح من استاهکم   کسلاح النیب یا کلن العصل

ترجمہ: "ہم تمہاری پیٹھوں سے ایسا سیاہی مائل مواد نکال رہے تھے جو ایسے بوڑھی اونٹنیوں کی مینگنیوں کی طرح تھا جو عصل بوٹی کھاتی ہیں۔"

اذ تولّون علی اعقابکم   هرّبًا فی الشعب اشباه الرسَل

ترجمہ: "اس وقت تم چرنے کی غرض سے منتشر بکریوں کی طرح رو گرداں ہو کر گھاٹی کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔"

اذ شددنا شدة صادقة   فاجأناکم الی سفح الجبل

ترجمہ: "ہم نے ایک شدید اور سخت حملہ کیا تھا اور تمہیں پہاڑ کی طرف پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔"

بخناطیل کامذاق الملا   من یلاقوہ من الناس یهل

ترجمہ: "یہ حملہ کشادہ سرزمین میں منتشر مختلف درختوں کی مانند مختلف گروہوں کے ساتھ تھا وہ جن کے ساتھ معرکہ آزما ہوتے وہ لرز جاتے تھے۔"

ضاق عنا الشعب اذ نفرعه   و ملانا الفرط منه والرجل

ترجمہ: "یہ گھاٹی اس وقت ہم پر تنگ ہو گئی تھی جب ہم اسے طے کر رہے تھے۔ ہم نے اس کے نشیب و فراز کو بھر دیا تھا۔"

برجال لستم امثالهم   ایدوا جبریل نصرًا فنزل

ترجمہ: "ہم ایسے مردوں کے ہمراہ تھے جن کی مثل تم نہیں ہو سکتے حضرت جبرائیل کے ساتھ ان کی تائید کی گئی تھی وہ ان میں اترے تھے۔"

و علونا یوم بدر بالتقی طاعة الله و تصدیق الرسل

ترجمہ: ''غزوۂ بدر میں ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسولوں کی تصدیق کر کے تقویٰ کی وجہ سے تم پر غالب آگئے تھے۔''

و قتلنا کل راسٍ منهم و قتلنا کل جحجاحٍ رفل

ترجمہ: ''ہم نے ان کے ہر رئیس کو قتل کر ڈالا اور اس سردار کو بھی قتل کر ڈالا جو لمبا تہبند باندھے ہوا تھا۔''

و ترکنا فی قریش عورة یوم بدرٍ و احادیث المثل

ترجمہ: ''ہم نے اس روز قریش کے اندر شرمندگی اور ایسی باتیں چھوڑیں جو ضرب المثل بن گئی تھیں۔''

و رسول الله حقا شاهدٌ یوم بدرٍ والتنابیل الهبل

ترجمہ: ''حضور سپہ سالار اعظم ﷺ اس جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ گراں اور کمینے لوگ۔''

فی قریش من جموعٍ جمّعوا مثل ما یجمع فی الخصب العَمَل

ترجمہ: ''قریش کے مابین ایسے لوگوں میں تھے۔ جیسے شاداب چراگاہ میں اونٹوں کو جمع کیا جاتا ہے۔''

نحن لا امثالکم ولداستها نحضُر الناس اذا الباسُ نزل

ترجمہ: ''ہم تمہاری طرح ایسی اولاد نہیں جو پیٹھوں سے پیدا ہو۔ ہم تو جنگ میں اس وقت بھی موجود رہتے ہیں جب جنگ کی سختیاں گھیر لیتی ہیں۔''

حضرت حمزہ اور دیگر شہداء احد کا مرثیہ لکھتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

یامیُّ قومی فاندُبی بسحیرة شجو النوائح

ترجمہ: ''اے میری والدہ! اٹھو اور سحیرہ کے مقام پر نوحہ کرنے والی عورتوں کے ہمراہ غم اور کرب کے ساتھ نوحہ کرو۔''

کالحاملات الوقر بالثقل الملحاتِ الدوالح

ترجمہ: ''ان خواتین کی طرح نوحہ کرو جو گرانی اور بوجھ کو استقلال کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔''

المعولات الخامشات وجوه حرّاتٍ صحائح

ترجمہ: ''وہ عفت مآب خواتین اپنے آزاد اور شریف چہروں کو نوچ کر بلند آواز سے نوحہ کناں ہیں۔''

و کان سیل دموعها الانصاب تخضب بالذبائح

ترجمہ: ''ان کے آنسوؤں کا سیلاب انصاب کے پتھروں کی طرح ہے جسے ذبح شدہ جانوروں کے لہو سے رنگا

جاتا ہے۔"

ينقضن اشعارًا لهن هناك بادية المسايح

ترجمہ: "وہ عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے ہیں اور ان کے بال نظر آ رہے ہیں۔"

و كانّها اذناب فيل بالضحى شمس روامح

ترجمہ: "ان کے اجالے میں وہ زلفیں ان گھوڑوں کی دموں کی طرح ہیں جو چاروں پاؤں سے بدک رہے ہوں۔"

من بين مشذور و مجزورٍ يذعذع بالبوارح

ترجمہ: "بعض زلفیں بٹی ہوئیں ہیں۔ بعض کٹی ہوئیں ہیں وہ ہوا کے شدید جھونکوں میں بکھر رہی ہیں۔"

يبكين شجو مسلبات كدّحتهنّ الكوادِح

ترجمہ: "وہ ماتمی لباس میں ملبوس ہیں وہ غم سے گریہ بار ہیں زمانہ کے حوادثات نے انہیں غمزدہ کر دیا ہے۔"

و لقد اصاب قلوبها مجلٌ له جلبٌ قوارح

ترجمہ: "ان کے دلوں پر ایسے زخم کاری ہیں جن کے چھلکے بہت اذیت ناک ہیں۔"

اذ اقصد الحدثان من كنا نرجّي اذ نشايح

ترجمہ: "یہ زخم کاری اس وقت آئے جب حوادثات ان لوگوں پر آئے جن سے ہم خوف کے وقت امید رکھتے تھے۔"

اصحاب احدٍ غالهم دهر الم له بوارح

ترجمہ: "یعنی اصحاب احد دہر نے انہیں اس وقت ہلاک کیا (وہ شہید ہوئے) جب وہ اپنے سخت پنجوں کے ساتھ ان پر اترے۔"

من كان فارسنا و حامينا اذا بعث المسالح

ترجمہ: "ان میں ایسا پاکباز شخص بھی تھا جو ایسے نازک وقت میں ہمارا محافظ تھا جب ہراول دستوں کو مہمات پر بھیجا جاتا تھا۔"

يا حمزلا والله لا انساك ما صر اللقائح

ترجمہ: "(اے شیر خدا) حمزہ رضی اللہ عنہ! میں تم کو اس وقت تک فراموش نہیں کر سکتا جب تک دودھ دینے والی اونٹنیوں کے تھنوں کو باندھا جاتا رہے گا۔"

لمناح ايتام و اضياف و ارملة تلامح

ترجمہ: "یتامیٰ، مہمانوں اور نیچی نگاہوں سے دیکھنے والی بیوہ خواتین کی جگہ بنے۔"

و لما ینوب الدھر فی حرب لحرب وھی لاقح

ترجمہ: "یہ اونٹنیاں اس مصیبت کے لیے ہیں جو زمانہ جنگ میں جنگ کے لیے لاتا ہے جب کہ جنگ کے شرارے اڑ رہے ہوں۔"

یا فارسا یا مدرھًا یا حمزَ قد کنت المصامح

ترجمہ: "اے شہ سوار! اے اپنی زبان اور ہاتھ سے قوم کا دفاع کرنے والے اے حضرت حمزہ! آپ ہی تو دفاع کرنے والے تھے۔"

عنا شدیداتِ الامور اذا ینوب لھن فادح

ترجمہ: "جب سخت سے سخت مصیبت میں جو بارگراں ڈالنے والی مصیبت ہوتی۔"

ذکرتنی اسد الرسول و ذاب مدرھنا المناضح

ترجمہ: "تو نے تو مجھے اسد رسول اللہ ﷺ یاد تازہ کر دی جو ہر وقت دفاع کرنے والے تھے۔"

عنا و کان یعدُّ اذ عد الشریفون الحجاجح

ترجمہ: "ہمارا اور ان کا اس وقت شمار کیا جاتا جب شریف اور معزز سرداروں کو یاد کیا جاتا۔"

یعلو القماقم جھرۃً سبط الیدین اغرَّ واضح

ترجمہ: "حضرت حمزہ واضح طور پر بڑے بڑے سرداروں پر غالب آجاتے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سخاوت کرنے والے کشادہ جبین اور روشن چہرے والے تھے۔"

لا طائشٌ رعشٌ ولا ذو علّۃ بالحمل آنح

ترجمہ: "وہ نہ اوچھے تھے نہ سرعت پسند تھے نہ یہ ایسی مرض میں مبتلا تھے کہ بوجھ اٹھاتے وقت سینے سے اونٹ کی آواز کی طرح کی آواز نکلنے لگتی ہو۔"

بحر فلیس یغب جارًا منه سیب او منادح

ترجمہ: "وہ تو سخاوت کا ایسا بحر بے کراں تھے کہ ان کی ان بخششوں میں ناغہ نہیں ہوتا تھا جو آپ کی جانب سے آپ کے پڑوسیوں کو ملتی تھیں۔"

او دی الشباب اولو الحفائظِ والثقیلون المراجح

ترجمہ: ''غیرت و حمیت اور غضب کی جوانی والے شہید ہو گئے بھاری بھر کم اور دوسروں سے بڑھ کر حلیم شہید ہو گئے۔''

المطعمون اذا المشاتی ما یصتّعقھن ناصح

ترجمہ: ''ایسے وقت میں لوگوں کو کھلانے والے شہید ہو گئے جب بھوکا آدمی دن میں ایک ہی دفعہ بکریوں کا دودھ نکالے۔''

لحم الجلاد و فوقہ من شحمہ شرائح

ترجمہ: ''وہ قوی اونٹوں کا گوشت کھلاتے تھے۔ ان گوشت کے اوپر کوہان کی چربی کے لیے لمبے ٹکڑے واضح نظر آتے تھے۔''

لیدا فعوا عن جارھم ما رام ذوالضغن المکاشح

ترجمہ: ''تاکہ وہ اپنے پڑوسیوں کا دفاع کر سکیں جن کا ارادہ ایسے لوگ کرتے ہیں جو ٹیڑھی نگاہ سے کرتے ہیں وہ کینہ پرور ہوتے ہیں۔''

لھفي لشبّان رزئناھم کانھم المصابح

ترجمہ: ''ہمیں ان جوانوں پر افسوس ہے جو ہم سے جدا ہوئے وہ ہمارے لیے چراغوں کی طرح تھے۔''

شم بطارقۃ خضارمۃ مسامح

ترجمہ: ''وہ باعزت تھے، سردار تھے، سخی تھے، رئیس بھی تھے اور فیاض بھی تھے۔''

المشترون الحمد بالاموال ان الحمد رابح

ترجمہ: ''وہ اپنے اموال عنایت کر کے تعریف خریدتے تھے بلاشبہ تعریف کا سودا بڑا فائدہ مند ہے۔''

والجامزون بلجبھم یومًا اذا ما صاح صائح

ترجمہ: ''جب کوئی پکارنے والا مدد کو پکارتا تو وہ اس روز گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر میدانِ جنگ میں جانے والے تھے۔''

من کان یرمی بالنواقر من زمان غیر صالح

ترجمہ: ''غیر موزوں زمانہ کی طرف سے جس کو حوادث کے تیر مارے گئے۔''

ما ان تزال رکابہ یرسمن فی غبر صحاصح

ترجمہ: ''ان کے اونٹ لگاتار تیزی کے ساتھ ایسے میدان میں چلتے رہے جو غبار آلود تھا۔''

راحت تباری وھو فی رکب صدورھم رواشح

ترجمہ: "وہ شخص ایسے اونٹوں کے درمیان ہوتا جن کے مقابلے اس حال میں ہوتے کہ ان سے سینہ رواں دواں ہوتا۔"

حتی تودب له المعالی لیس من فوز السفائح

ترجمہ: "حتیٰ کہ آپ کے حصے میں ایسی رفعتیں تھیں جن کا نسب جوئے کے منحوس تیروں کی کامیابی نہیں ہوتی تھی۔"

یا حمز قد او حدتنی شذبه الکواضح

ترجمہ: "اے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ نے مجھے اس لکڑی کی طرح تنہا چھوڑ دیا ہے جسے کاٹنے والوں نے اسے شاخ سے الگ کر دیا ہو۔"

اشکو الیك و فوقك التراب المکوّرُ والصفائح

ترجمہ: "میں آپ کی بارگاہ میں شکوہ کناں ہوں حالانکہ آپ کے اوپر تہ درتہ مٹی اور بڑے بڑے پتھر پڑے ہیں۔"

من جندل نلقیه فوقك اذا جاد الضرح ضارح

ترجمہ: "وہ پتھر جنہیں ہم نے آپ پر اس وقت رکھا تھا جب کھودنے والے نے عمدہ قبر کھودی تھی۔"

فی واسع یحشونه بالترب سوّته المماسح

ترجمہ: "آپ اس قبر انور میں جلوہ نما ہو گئے جس کے اوپر لوگ مٹی ڈال رہے تھے اور اسے کسیوں سے برابر کر دیا گیا تھا۔"

فعزاونا انّا نقول و قولنا برح بوارِحُ

ترجمہ: "ہماری تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں حالانکہ ہمارا یہ قول دلوں کو اذیت دینے والا ہے۔"

من کان امسی وھو عمّا اوقع الحدثان جانح

ترجمہ: "کہ جو شخص ایسے واقعات سے اعراض کر کے چلا گیا تھا جو حادثات نے رونما کیے تھے۔"

فلیاتنا فلتبك عیناه لھلکانا النوافح

ترجمہ: "وہ خود ہمارے پاس آ جائے۔ اس کی آنکھیں ہمارے ایسے شہداء پر روئیں جو ہمارا دفاع کرنے والے تھے۔"

القائلین الفاعلین ذوی السماحة والممادِح

ترجمہ: "وہ ایسے تھے کہ جو کہتے تھے اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ وہ سخاوت کے دھنی تھے ہر قسم کی عمدہ صفات کے مالک تھے۔"

من لا یزال ندی یدیه له طوالع الدهر مائح

ترجمہ: "ان کے ہاتھوں کی فیاضی مدت مدید تک محتاجوں کے دامن بھرتی رہی ہوگی۔"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار لکھے:

سائل قریشا غداة السفح من احد ماذا لقینا وما لاقوا من الهرب

ترجمہ: "ذرا قریش سے پوچھو کہ دامن احد میں ہم نے کس چیز کا سامنا کیا اور بھاگنے کی وجہ سے انہیں کس چیز کا سامنا کرنا پڑا۔"

کنا الاسود و کانوا النمر اذ زحفوا ما ان نراقب من ال ولا نسبٍ

ترجمہ: "ہم اس وقت شیروں کی طرح اور قریش چیتوں کی طرح تھے جب قریش ہماری طرف آئے ہوئے عہد اور نسب کی پاسداری نہیں کر رہے تھے۔"

فکم ترکنا بها من سیدٍ بطل حامی الذمار کریم الجد والحسب

ترجمہ: "ہم نے وہاں کتنے ہی بہادر سرداروں کو تہ تیغ کیا جو حقوق کے محافظ اور کریم آباء اور عمدہ حسب والے تھے۔"

فینا الرسول شهاب ثم یتبعهٗ نورٌ مضئٌ له فضل علی الشهب

ترجمہ: "ہم میں ایسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جو شہاب کی مانند تاباں ہیں۔ اس شہاب کے پیچھے اس کو منور کرنے والا نور ہوتا تھا اس شہاب کو دوسرے شہابوں پر فضیلت حاصل تھی۔"

الحق منطقه والعدل سیرته فمن یُجِبْهُ الیه ینج من تببٍ

ترجمہ: "حق آپ کی گفتگو ہے۔ عدل آپ کی سیرت ہے۔ جو بھی آپ کی دعوت کو قبول کرے گا وہ خسارے اور ہلاکت سے نجات پائے گا۔"

نجدُ المقدم ماضی الهم معتزم حین القلوب ملی رجفٍ من الرعب

ترجمہ: "آپ اس وقت بھی پیش قدمی کے راہ نما، عزم مصمم والے اور باہمت ہوتے ہیں۔ جب لوگوں کے دل خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں۔"

نمضی و یذمرنا عن غیر معصیةٍ کانه البدر لم یطبع علی الکذب

ترجمہ: "آپ خود بھی آگے تشریف لے جاتے ہیں اور ہمیں بھی گناہ سے دور کر کے پیش قدمی پر ابھارتے ہیں آپ ماہِ تمام ہیں جھوٹ آپ کی فطرت میں شامل نہیں۔"

بدالنا فاتّبعناہ نصدّقہٗ و کذبوہ فکنّا اسعد العرب

ترجمہ: "آپ ہمارے سامنے جلوہ افروز ہوئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کر کے آپ کی اتباع کر لی جبکہ کفار نے آپ کی تکذیب کی ہم عرب میں سے سب سے زیادہ سعادت مند بن گئے۔"

جالوا و جلنا فما فاووا وما رجعوا و نحن نثفنهم لم نأل فی الطلب

ترجمہ: "وہ بھی پلٹے۔ہم بھی واپس ہوئے مگر انہیں نہ لوٹنا تھا نہ وہ لوٹے ہم انہیں آگے لے جا رہے تھے ہم نے ان کے تعاقب میں کوتاہی نہ کی۔"

لسنا سواءً وشتی بین امرھما حزب الالہ و اھل الشرك والنّصبِ

ترجمہ: "رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والا گروہ اور مشرک اور بت پرست برابر نہیں ہیں ان کے مابین بہت دوری ہے۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا:

بکت عینی و حق لھا بکاھا وما یغنی البکاءُ ولا العویل

ترجمہ: "میری آنکھ گریہ بار ہوئی یہ اس بات کی مستحق بھی ہے کہ یہ رو لے لیکن رونا اور ہائے ہلاکت پکارنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔"

علی اسد الا لہ غداۃ قالوا احمزۃ ذاکم الرجل القتیلُ

ترجمہ: "یہ آنکھ صبح اس شیر خدا پر گریہ بار ہوئی۔جب لوگوں نے پوچھا: "کیا وہ شہید حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔"

اصیب المسلمون بہ جمیعا ھناك و قد اصیب بہ الرسول

ترجمہ: "ان کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی ان کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اذیت ہوئی۔"

بابی یعلی بك الارکان ھدّت و انت الماجد البرّ الوصول

ترجمہ: "اے ابو یعلیٰ (حمزہ)! آپ کے سارے اعضاء کاٹ دیے گئے۔حالانکہ آپ ایک بزرگ، پاکباز اور صلہ رحمی کرنے والے شخص تھے۔"

علیك سلام ربك فی جنان مخلطھا نعیمٌ لا یزول

ترجمہ: "جنت میں آپ پر آپ کے رب کی طرف سے سلام ہو جس کے ساتھ ایسی نعمتیں متصل ہوں جنہیں زوال نہیں۔"

الا یا ہاشم الاخیار صبرًا فکلّ فعالکم حسنٌ جمیل

ترجمہ: "اے بہترین قبیلہ بنو ہاشم! تم صبر کرو۔ تمہارے سارے افعال حسین و جمیل ہیں۔"

رسول اللہ مصطبرٌ کریمٌ بامر اللہ ینطق اذ یقول

ترجمہ: "حضور اکرم ﷺ بھی صابر اور کریم ہیں۔ جب آپ فرماتے ہیں تو آپ رب تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہی بولتے ہیں۔"

الامن مبلغٌ عنّی لویًّا فبعد الیوم دائلة تدول

ترجمہ: "میری طرف سے قبیلہ بنو لوی کو کون پیغام دے گا کہ اس جنگ کے بعد ایک اور جنگ ہو گی۔"

و قبل الیوم ما عرفوا و ذاقوا وقائعنا بھا یشفی الغلیل

ترجمہ: "اس سے پہلے کی جنگ میں بھی کفار نے ہمیں خوب جان لیا تھا اور موت کا ذائقہ چکھا تھا اس جنگ میں ہمارے کارنامے پیاسے کو سیراب کرتے ہیں۔"

نسیتم ضربنا بقلیب بدرٍ غداۃ اتاکم الموت العجیل

ترجمہ: "کیا تم بدر کے کنوئیں کے پاس ہماری تلوار زنی فراموش کر چکے ہو جس روز بڑی سرعت کے ساتھ موت تمہارے پاس آ رہی تھی۔"

غداۃ ثوی ابوجھل صریعاً علیه الطیر حائمةٌ تجول

ترجمہ: "جس روز ابو جہل پچھاڑا ہوا نیچے گرپڑا تھا۔ اور اس پر پرندے چکر لگاتے ہوئے آ رہے تھے۔"

و عتبة و ابنهٗ خرّا جمیعًا و شیبة عضه السیف الصقیل

ترجمہ: "عتبہ اور اس کا فرزند نیچے گر پڑے اور شیبہ کو صقیل زدہ تلوار نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔"

و مترکنا امیة مجلعبا و فی حیزومه لدن نبیل

ترجمہ: "ہم نے امیہ کو بھی زمین پر لٹا دیا تھا جبکہ اس کے سینے کے نچلے حصہ میں ایک بڑا نیزہ گھونپا گیا تھا۔"

و ھام بنی ربیعة سائلوھا ففی اسیافنا منھا فلول

ترجمہ: "تم بنو ربیعہ کی کھوپڑیوں سے پوچھو ان کی وجہ سے ہماری تلواروں میں دندانے پڑے ہوئے تھے۔"

الا یاھند لا تبدی شماتًا — بحمزۃ ان عزکم ذلیل

ترجمہ: "اے ہند! خوب گریہ کرلے اور گریہ سے نہ اکتا تو ہی بڑے بڑے آنسو بہانے والی اور عزیز کو گم کرنے والی ہے۔"

الا یا ھند فابکی لات تملّی — فانت الوالہ العبری الھبول

ترجمہ: "اے ہند! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسرت کا اظہار نہ کر کیونکہ تمہاری عزت خاک میں مل چکی ہے۔"

حضرت حسان نے ان کا مرثیہ لکھتے ہوئے لکھا:

اتعرف الدار عفا رسمھا — بعدك صوب المسبل الھاطل

ترجمہ: "کیا تو اس گھر کی پہچان رکھتا ہے۔ تیرے بعد موسلا دھار بارش نے جس کے نشانات تک مٹا دیے تھے۔"

بین السرادیح فادمانۃ — فمدفع الروحاء فی حائل

ترجمہ: "وہ گھر ادمانہ اور حائل کے درمیان اس جگہ واقع تھا جہاں پانی جمع ہوتا ہے۔"

ساء لتھا عن ذاك فاستعجمت — لم تدر مامر جوعۃ السائل

ترجمہ: "جب میں نے اس گھر سے اس کی بربادی کا سوال کیا تو وہ گونگا بن گیا اس کو علم نہ تھا وہ سائل کا کیا جواب دے۔"

دع عنك دارًا قد عفارسمھا — و ابك علی حمزۃ ذی النّائل

ترجمہ: "ارے! تو اس گھر کا تذکرہ ترک کر جس کے نشانات تک مٹ گئے ہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ کر جو عنایات بخشنے والے تھے۔"

المالیء الشیزی اذا اعصفت — غبراءُ فی ذی الشبم الماحل

ترجمہ: "وہ اس وقت بھی محتاجوں کی زنبیل بھرنے والے تھے جب ٹھنڈے پانی والے سخت سرما کے موسم میں ہوائیں تیز اور سخت ہوجاتی ہیں۔"

والتارك القرن لدی لبدۃ — یعثر فی ذی الخرص الذابل

ترجمہ: "وہ اپنے مدمقابل کو تہ درتہ غبار میں چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ غبار پتلے نوک دار نیزوں کے مابین اڑتا ہے۔"

و اللابس الخیل اذا اجحمت — کاللیثِ فی غابتہِ الباسل

ترجمہ: "وہ گھڑسوار کو اس وقت اس شیر کی طرح خوفزدہ کر دیتا تھا جو اپنی خوفناک کچھار میں ہو جب سوار پیچھے ہٹتا تھا۔"

ابیض فی الذروَۃِ من ھاشمٍ — لم یمردون الحق بالباطل

ترجمہ: ''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کے وہ بلند منصب انسان تھے جو حق کو ترک کر کے باطل کے لیے کبھی نہ لڑے تھے۔''

مال شهيداً بين اسيافكم شلّت يدا و حشِيٍّ من قاتلٍ

ترجمہ: ''تمہاری تلواروں کے سامنے وہ شہید ہو کر گر پڑے۔ ان کے قاتل کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں وہ قاتل وحشی تھا۔''

اى امْرِيٍ غادَرَ فى الَّةٍ مطرورَةٍ مارنةِ العامِلِ

ترجمہ: ''اس نے کیسے عمدہ شخص کو اپنے باریک تیز نوک والے نیزے کا نشانہ بنایا۔''

اظلمت الارْض لفقدانِهِ واسوَدَّ نورُ القمَرِ الناصِلِ

ترجمہ: ''حضرت حمزہ کے چلے جانے سے ساری زمین تاریک ہوگئی۔ اور طلوع ہونے والے چاند کے نور پر سیاہی چھا گئی۔''

صلّى عليه الله فى جَنّةٍ عاليةٍ مكرَمةِ الدّاخِلِ

ترجمہ: ''رب تعالیٰ ان پر بلند و بالا جنت میں رحمتیں نازل کرے جہاں داخل ہونے والے کو عزت و احترام سے نوازا جاتا ہے۔''

كنّا نرى حمزة حرْزًا لَنَا من كل امْرٍ نابنا نازل

ترجمہ: ''ہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہر اس مصیبت میں اپنی پناہ گاہ سمجھتے تھے۔ جو ہم پر نازل ہوتی تھی۔''

و كان فى الاسلامِ ذاتدرا يكفيك فقدُ القاعد الخاذل

ترجمہ: ''وہ اسلام میں بہت بڑے دفاع کرنے والے تھے۔ ان کا دفاع پیچھے چھوڑنے والے اور متروک کرنے والے کی کمی کو پورا کر دیتا۔''

لا تفرحى يا هند و استحلبى دمعًا و اذرى عبرَة الثاكل

ترجمہ: ''اے ہند! تو خوشی کے شادیانے نہ بجا بلکہ خوب آنسو گرا اور اس عورت کی طرح خوب رو جس کا اکلوتا بچہ مفقود ہو گیا ہو۔''

و ابكى على عتبة اذا قطّه بالسيف تحت الرّهج الجائِلِ

ترجمہ: ''اس عتبہ پر رو جس کو حضرت حمزہ نے اس وقت دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا تھا جب کہ غبار اڑ رہا تھا۔''

اذخرَّ فى مشيخة منكم من كل عاتٍ قلبه جاهلٍ

ترجمہ: "جب عتبہ ان لوگوں کے مابین گرا جن میں سے ہر شخص جاہل اور باغی دل والا تھا۔"

ارادھم حمزۃ فی اُسرۃٍ　　　　یمشون تحت الحلقِ الفاضل

ترجمہ: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر ہلاکت و بربادی کو مسلط کر دیا ہم لمبی اور طویل زرہوں میں چل رہے تھے۔"

غداۃ جبریل وزیرلہ　　　　نعم وزیر الفارس الحامل

ترجمہ: "یہ اس روز ہوا جب حضرت حمزہ کے مددگار حضرت جبرائیل امین تھے۔ اس شہ سوار اور حملہ آور ہستی کے وزیر کتنے اچھے تھے۔"

حضرت کعب بن مالک ان کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھتے ہیں:

طرقت ھمومك فالرقاد مسھّد　　　　و جزعت ان سلب الشباب الاغیدُ

ودعت فوادكَ یلھوٰی ضمریّۃ　　　　فھواكِ غوری و صحبك منجد

فدع التمادی فی الغوایۃ سادرا　　　　قد كنت فی طلبِ الفوایۃ تفند

ترجمہ: "رات کے وقت تمہارے غموں نے دستک دی۔ نیند اڑ گئی تم نے شور مچایا کہ اس جوانی کو چھین لیا گیا جو نعمتوں میں پلی تھی۔ تیرے دل کو ضمریہ نے محبت کی دعوت دی۔ تیری محبت پستی میں لے جانے والی ہے۔ جبکہ تمہارا ہوش میں آجانا تجھے رفعتوں تک لے جانے والا ہے۔ اے ضلالت کی وادی میں بھٹکنے والے! یہ غفلت چھوڑ دے۔ تو گمراہی کی جستجو میں بے وقوف اور احمق بنایا جا تا رہا ہے۔"

و لقد اتی لك ان تناھی طائعًا　　　　او تستفیق اذا نھاك المرشد

ترجمہ: "اب تیرا وقت آگیا ہے کہ تو اطاعت کرتے ہوئے رک جائے تاکہ تو اس وقت ہوش میں آجائے جب تجھے مرشد برحق روکیں۔"

و لقد ھدّت لفقد حمزۃ ھدۃ　　　　ظلت نبات الجوف منھا ترعد

ترجمہ: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کی وجہ سے تو اس قدر عمر رسیدہ ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دل، جگر اور انتڑیاں لرزنے لگیں ہیں۔"

ولو انہ فجعت حراءُ بمثلہ　　　　لرایت راسی صخرھا یتبدد

ترجمہ: "اگر کوہِ حرا کو اس طرح کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تو تو دیکھتا کہ اس کے مضبوط پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو رہے ہوتے۔"

قوم تمکن فی ذؤابة ھاشم حیث النبوۃ والندی والسودد

ترجمہ: ''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایسے جرأت مند انسان تھے جو بنو ہاشم کے عظیم مرتبت انسانوں میں سے تھے اسی جگہ نبوت، سخاوت اور سرداری کی صفات ہیں۔''

والعاقر الکوم الجلاد اذا غدت ریحٌ یکاد الماءُ فیھا یجمد

ترجمہ: ''جب ایسی سرد ہوائیں چلتی تھیں جن سے پانی منجمد ہو جاتا تھا تو وہ بڑی کوہان والے اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کی ضیافت کرتے تھے۔''

والتارك القرن الکمی مجدلا یوم الکریھة والقنا یتقصد

ترجمہ: ''وہ جنگ کے دوران بڑے بڑے دشمنوں کو زمین پر پچھاڑ دیتے تھے۔ جبکہ نیزے باہم ٹکرا کر ٹوٹ رہے ہوتے تھے۔''

و تراہ یرفل فی الحدید کانه ذو لبدۃٍ شثنُ ابراثن اربد

ترجمہ: ''تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ غرق آہن ہو کر یوں چلتے گویا کہ وہ ایسے بھوکے شیر ہیں جس کی گردن پر بال ہوں اور اس کے پنجے مضبوط ہوں۔''

عمّ النبیّ محمدٍ و صفیه ورد الحمام فطاب ذاك المورد

ترجمہ: ''وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور راز داں تھے۔ وہ شہید ہو گئے۔ یہ شہادت ان کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی۔''

و اتی المنیّةَ معلما فی اسرۃٍ نصروا النبی و منھم المستشھد

ترجمہ: ''وہ نشان زدہ ہو کر ایسے گروہ کے پاس آئے جس نے آپ کی نصرت کی تھی۔ ان میں سے بعض شہادت کی تمنا کرتے تھے۔''

ولقد اخال بذاك ھندًا بشرت تمیت داخل غصة لا تبرد

ترجمہ: ''میرا خیال ہے کہ ہند کو یہ مژدہ سنا دیا جائے کہ وہ اپنا اندرونی غصہ ٹھنڈا کر دے جو سرد ہونے کا نام نہیں لیتے۔''

مما صبحنا بالعقنقل قومھا یومًا تغیب فیه عنھا الا سعد

ترجمہ: ''ہم نے اس وقت ریت کے ٹیلے پر ان پر حملہ کر دیا تھا جس وقت ان سے اسعد غائب ہو گیا تھا۔''

حتّی رایت لدی النبی سراتھم قسمین لقتل من نشاء و نطرد

ترجمہ: "میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس سرداروں کی دو قسمیں تھیں جنہیں ہم چاہتے ہم قتل کر دیتے اور جسے چاہتے قیدی بنا لیتے۔"

و ببئر بدر اذ یرد وجوههم　　جبریل تحت لوائنا و محمد

ترجمہ: "بدر کا کنواں جبکہ ہمارے پرچم کے نیچے حضرت جبرائیل اور حضور اکرم ﷺ مشرکین کے چہرے پھیر رہے تھے۔"

فاقام بالعطن المعطن منهم　　سبعون عتبة منهم والاسود

ترجمہ: "مشرکین کے ستر افراد اس جگہ موت کے گھاٹ اترے جو اونٹوں کے بٹھانے کے لیے بنائی گئی تھی ان مقتولوں میں عتبہ اور اسود بھی شامل تھے۔"

و ابن المغيرة قد ضربنا ضربة　　فوق الوريد لها رشاش مزبدٌ

ترجمہ: مغیرہ کے بیٹے کی شہ رگ کے اوپر ہم نے ایسی ضرب کاری لگائی جس سے جھاگ والا خون نکل رہا تھا۔

و امية الجمحی قوم ميله　　عضب بايدی المومنين مهندٌ

ترجمہ: "امیۃ الجمحی کو بھی ان ہندی تلواروں نے کاٹ دیا جن کو اہل ایمان نے اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔"

فاتاك فلّ المشركين كانهم　　والخيل تثفنهم نعام شرد

ترجمہ: "تمہارے پاس مشرکین پہنچے تو وہ شکست خوردہ تھے۔ گویا کہ وہ بھاگے ہوئے شتر مرغ تھے ہمارے گھوڑے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔"

شتان من هو فی جهنم ثاويًا　　ابداً و من هو فی الجنان مخلّد

ترجمہ: "جو شخص جہنم کا ابدی ایندھن ہو اور جو جنتوں میں ابدی مزے لوٹ رہا ہو ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتی ہیں:

أسائلةٌ اصحاب احدٍ مخافة　　بنات ابی من اعجم و خبير

ترجمہ: "کیا میری بہنیں ڈر کی بنا پر احد کے ساتھیوں کے بارے ہر شخص سے پوچھ رہی ہیں۔ خواہ وہ ان سے آگاہ ہو یا بے خبر ہو۔"

فقال خبير ان حمزة قد ثوی　　وزير رسول الله خير وزير

ترجمہ: آگاہ شخص نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے بہترین وزیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں۔"

دعاہ الہ الخلق ذوالعرش دعوۃً الی جنۃٍ یحیابھا و سرور

ترجمہ: "عرش بریں کے مالک نے انہیں جنت کی طرف یوں دعوت دی ہے کہ وہ وہاں مزے اور سرور سے رہیں گے۔"

فذالك ما كنا نرجي و نرتجي لحمزة يوم الحشر خير مصير

ترجمہ: "اس شہادت کی ہم خود بھی تمنا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کا شوق دلاتے تھے۔ روزِ قیامت حضرت حمزہ کو عمدہ مقام ملے گا۔"

فو اللہ لا انساك ما ھبت الصبا بكاءً و حزنا محضری و مسيری

ترجمہ: "اللہ کی قسم! حمزہ! میں آپ کو اس وقت تک نہ بھولوں گی جب تک صبا چلتی رہے گی۔ میں اپنے سفر اور حضر میں غمزدہ رہوں گی اور روتی رہوں گی۔"

علی اسد اللہ الذی كان مدرھًا يذور عن الاسلامِ كلِّ كفور

ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ کے اس شیر پر روتی رہوں گی جو دفاع کرنے والا تھا اور اسلام سے ہر کافر کو دور کرنے والا تھا۔"

فياليت شلوی عند ذاك و اعظمی لدی اضبع تعتادنی و نسور

ترجمہ: "کاش! میرا باقی جسم اور ہڈیاں ان بجوؤں اور گدھوں کے پاس چلے جاتے جو بار بار میرا گوشت کھاتے رہتے۔"

اقول و قد اعلی النعی عشيرتی جزی اللہ خیرًا من اخ و نصير

ترجمہ: "میں کہتی ہوں حالانکہ میرا خاندان آہ و بکا کی وجہ سے آوازیں بلند کر رہا تھا کہ رب تعالیٰ میرے بھائی اور مددگار کو عمدہ جزائے خیر دے۔"

تنبیہات

1. غزوۂ احد میں کئی معجزات رونما ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

(ا) حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا لوٹایا جانا ابو یعلی اور ابو نعیم نے حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی آنکھ کو غزوۂ احد کے روز زخم آیا۔ آنکھ ان کے رخسار پر

بہہ پڑی صحابہ کرام نے اسے کاٹ دینے کا ارادہ کیا۔ آپ سے عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اپنے دست شفاء بخش سے آنکھ کا ڈھیلا آنکھ کے اندر رکھ دیا۔ انہیں معلوم تک نہ ہوتا تھا کہ کس آنکھ کو چوٹ آئی تھی۔ اس کی کئی اسنادیں۔ جن کا تذکرہ معجزات میں آئے گا۔

③ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شخص کے بارے بتانا جو شدید قتال کرے گا لیکن وہ اہل نار میں سے ہوگا اس شخص نے خودکشی کر لی تھی۔

④ شاخ کا تلوار بن جانا۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ آپ نے انہیں کھجور کی شاخ عطا کی۔ جو حضرت عبداللہ کے ہاتھوں میں جا کر تلوار بن گئی۔ حضرت زبیر بن بکار نے الموفقیات میں لکھا ہے کہ یہ تلوار ان کے ہاتھ میں رہی۔ اسے عرجون کہا جاتا ہے۔ یہ نسل درنسل منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ اسے دوسو دیناروں میں فروخت کر دیا گیا۔

⑤ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قسم کا پورا ہونا۔

⑥ آپ کا یہ بتانا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ساتھ ملائکہ نے قتال کیا۔

⑦ حضرت ابوذر کی آنکھ کا لوٹا دینا۔ ابویعلی نے عبدالرحمان بن حارث بن عبیدہ سے اور وہ اپنے دادا جان سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر چوٹ لگی۔ آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی حسین ہوگئی لیکن صحیح روایت ہے کہ حضرت ابوذر نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔

⑧ رب تعالیٰ نے آپ کو اس گروہ سے بچا لیا جنہوں نے آپ پر تیراندازی کی۔ عبداللہ بن شہاب کو آپ سے پھیر دیا جبکہ وہ آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔

⑨ آپ نے یہ بھی بتادیا تھا کہ حارث بن سوید نے مجذر بن زیاد کو قتل کیا تھا۔ ابن سعد نے امام واقدی سے روایت کیا ہے کہ سوید بن صامت نے مجذر کے باپ زیاد کو زمانہ جاہلیت میں قتل کیا تھا۔ مجذر سوید پر غالب آ گیا۔ اس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ اسلام سے قبل کا واقعہ ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حارث بن سوید نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح مجذر نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ دونوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حارث منافق تھا۔ حارث مجذر کی ٹوہ میں لگا رہا تا کہ اسے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر دے۔ مگر وہ اس پر قادر نہ ہوسکا۔ جب غزوۂ احد رونما ہوا اور مسلمانوں کے لیے یہ آزمائش آئی تو حارث مجذر کے پیچھے سے آیا اور اس کی گردن اڑا دی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمراء الاسد سے واپس آئے تو حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں آئے آپ سے عرض کی: ''حارث نے مجذر کو دھوکہ سے قتل کر دیا ہے۔'' انہوں نے آپ سے عرض کی کہ

آپ اسے تہ تیغ کر دیں۔ حضور اکرم ﷺ اس روز سوار ہو کر قباء گئے۔ یہ ایک گرم دن تھا۔ آپ مسجد قباء میں تشریف لے گئے۔ اس میں نماز پڑھی۔ جب انصار نے آپ کے بارے سنا تو سلام عرض کرنے کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اس لمحہ میں آپ کا آنا عجیب سمجھا۔ حتیٰ کہ حارث بھی آ گیا۔ اس نے زعفرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو آپ نے حضرت عویم بن ساعدۃ کو بلایا۔ فرمایا: ''حارث کو مسجد کے دروازے پر لے جاؤ مجذر بن زیاد کے قصاص میں اس کی گردن اڑا دو۔ اس نے اسے دھوکہ سے قتل کیا ہے۔'' حارث نے کہا: ''بخدا! میں نے اسے قتل کیا ہے لیکن یہ اسلام سے رجوع یا اسلام میں شک کی وجہ سے نہیں تھا۔ لیکن یہ شیطان کی طرف سے حمیت تھی۔ یہ ایسا امر تھا جو میرے نفس کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ میں اپنے عمل سے رب تعالیٰ اور اس رسول محترم ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں اس کی دیت نکالتا ہوں اور دو ماہ کے لگاتار روزے رکھتا ہوں۔ میں غلام آزاد کرتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''عویم! اسے لے جاؤ۔ اس کی گردن اڑا دو۔'' انہوں نے اسے لے جا کر اس کی گردن اڑا دی۔ حضرت حسان نے یہ اشعار کہے:

یا حار فی سنة فی نوم اوّلکم	امر کنت و یحك مغترًّا بجبریل
امر کنت بابن ذیاد حین تقتله	بغرة فی فضاء الارض مجهول

ترجمہ: ''اے حارث! کیا تم اپنی نیند کی ابتدائی اونگھ میں ہو۔ یا تم حضرت جبرائیل کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے تھے۔ یا تم ابن زیاد سے اس وقت آگاہ نہ تھے۔ جب اسے زمین کی فضاء میں دھوکہ سے قتل کیا گیا۔''

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی گردن اڑا دی تھی یا کسی انصاری صحابی نے یہ کام کیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے یہ واقعہ اس کے بھائی جلاس کے ساتھ پیش آیا تھا لیکن مشہور یہی ہے کہ وہ حارث تھا۔

۹۔ آپ نے حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک رضی اللہ عنہ کے بارے کہا: ''تم میں سے جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ ان کی طرف دیکھ لے۔'' انہیں شہادت نصیب ہوئی۔

۱۰۔ عتبہ بن ابی وقاص کے بارے آپ کی بددعا قبول ہوئی۔

۱۱۔ عتبہ کی اولاد کے منہ کی کیفیت۔

۱۲۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ثابت قدمی کے لیے آپ کی دعا۔

۱۳۔ ہند حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نہ چبا سکی۔ ابن سعد نے عوف بن محمد سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہے ''مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ ہند غزوۂ احد کے روز آئی۔ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر قدرت حاصل ہوئی

تو وہ آپ کا کلیجہ نگلے گی۔لوگ حضرت حمزہ کا کلیجہ لے کر آئے۔وہ اسے چبانے لگے تا کہ نگل لے مگر وہ نگل نہ سکی۔ اس نے اسے پھینک دیا۔حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر کے کسی حصہ کو چھوئے۔''

⑭ ایک شخص نے کہا:''مولا! اگر محمد عربی ﷺ حق پر ہیں تو اسے دھنسا دے۔''وہ زمین میں دھنسا دیا گیا۔امام بزار نے اس روایت کو حسن سند کے ساتھ حضرت بریدۃ سے روایت کیا ہے۔

⑮ آپ کی کمان کا چلہ چھوٹا ہو گیا جب اسے کھینچا گیا تو وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کی کئی گرہیں بھی لگا ئی گئیں۔

⑯ آپ نے یہ دعا مانگی تھی کہ ابوعزۃ الجمحی آپ سے بچنے نہ پائے۔امام بیہقی نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا:''ابوعزہ ان افراد میں سے تھا جنہیں غزوۂ بدر کے روز فدیہ کے بغیر رہا کر دیا گیا تھا۔حضور اکرم ﷺ نے اسے اس کی بچیوں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔اس سے یہ عہد لیا تھا وہ آپ کے خلاف نہیں لڑے گا۔ اس نے عہد شکنی کی اور غزوۂ احد میں آپ کے خلاف لڑا۔آپ نے دعا مانگی کہ وہ بچنے نہ پائے۔مشرکین کا کوئی شخص اس کے علاوہ قیدی نہ بنا۔اس نے کہا:''محمد عربی ﷺ مجھ پر احسان کریں۔مجھے میری بچیوں کے لیے چھوڑ دیں۔میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں دوبارہ آپ کے ساتھ قتال نہیں کروں گا۔'' آپ نے فرمایا:''تو مکہ مکرمہ میں یہ باتیں نہ کرتا پھرے کہ میں نے محمد عربی ﷺ کو دوبارہ دھوکہ دیا ہے۔'' آپ نے حکم دیا اس کی گردن اڑا دی گئی۔''

⑰ حضرت انس بن نضر اور حضرت سعد بن ربیع کا جنت کی خوشبو سونگھ لینا۔

⑱ ملائکہ کا حضرت حمزہ اور حضرت حنظلہ کو غسل دینا۔

⑲ آپ کے لعاب دہن سے حضرت کلثوم بن حصین کا زخم ٹھیک ہو جانا۔ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوۂ احد کے روز ابورھم الغفاری نے حضرت کلثوم بن حصین کے تیر مارا جو اس کے حلق پر لگا۔حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔آپ نے وہاں لعاب دہن لگا تو وہ شفاء یاب ہو گئے۔انہیں منحور کہا جاتا ہے۔

⑳ حضرت عبداللہ بن عمرو کے سر پر ملائکہ کا سایہ کرنا۔

㉑ آپ کا یہ بتا دینا کہ اس کے بعد مشرکین اس طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ابن سعد نے محمد بن عمر سے اور وہ اپنے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''اب مشرکین ہمیں اس طرح کا نقصان نہیں دے سکیں گے حتیٰ کہ ہم حجر اسود کو چوم لیں گے۔''

❷ غزوۂ احد جمہور علماء کے نزدیک ماہ شوال تین ہجری کو پیش آیا تھا۔ابن اسحاق اور امام الطبرانی نے ثقہ راویوں

سے روایت کیا ہے کہ آپ جمعۃ المبارک کے روز عازمِ سفر ہوئے۔ احد کی گھاٹی میں صبح کی۔ ہفتہ کے روز مشرکین کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ اس وقت نصف شوال گزر چکا تھا۔ "الفتح" میں ہے: شوال کی گیارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ ایک قول نو، ایک آٹھ اور ایک سات راتوں کا بھی ہے۔ امام مالک نے لکھا ہے کہ ابتدائی حصہ میں یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ جس نے کہا ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری کو ہوا تھا اس نے شاذ قول کیا۔

❸ اُحد۔ یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ یہ سرخ پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹیاں نہیں ہیں۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے مابین ایک فرسخ سے بھی کم مسافت ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے شمال میں ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک سے، ابن ابی شیبہ اور الطبرانی نے جید سند سے حضرت سدید بن عامر الانصاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب کوہِ احد آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا: "یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں" آپ نے کئی بار یہ فرمایا۔

الطبرانی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "احد جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔" عمر بن شبہ نے انہی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔ اگر وہاں سے گزرو تو اس کے درختوں میں سے کھاؤ خواہ اس کی خاردار جھاڑیوں میں سے ہی۔"

عبدالرزاق نے ابولیلی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کوہِ احد جنت کے دہانوں میں سے ایک دہانے پر ہے۔" امام سہیلی نے لکھا ہے۔

"کوہ احد کی علیحدگی اور دیگر پہاڑوں کے انقطاع کی وجہ سے اسی کو اُحد کہا جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ اس کے مکینوں سے توحید کی نصرت ملی۔ جو اسم احدیت سے مشتق ہو اس سے عمدہ کوئی نام نہیں۔ رب تعالیٰ نے اس سے بطور مقدمہ اس پہاڑ کا نام احد رکھا۔ تاکہ اس کا اسم اس کے معنی کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔ اس کے مکینوں یعنی انصار نے توحید کی اور اس ذاتِ والا کی مدد کی جسے توحید کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ حیاتِ ظاہری میں اور بعد از وصال یہی قیام پذیر ہوئے۔ آپ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ آپ وتر" طاق" استعمال کرتے تھے کیونکہ اس سے احدیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ اس پہاڑ کا نام آپ کے اغراض اور اسماء میں مقاصد کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ آپ نے بہت سے ناموں کو تبدیل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ احدیت سے مشتق ہے۔ اس کے حروف کی حرکات مرفوع ہیں۔ اس سے اَحد کے دین کی رفعت و بلندی کا شعور ملتا ہے۔ اسم اور مسمّٰی کے اعتبار سے اس کی محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگئی۔ سارے پہاڑوں کو چھوڑ کر آپ نے اسے مختص فرمایا کہ وہ

جنت میں آپ کے ساتھ ہو۔"

❹ الروض الانف میں ہے: "خواب میں گائے سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جو سینہ سپر ہو کر باہر نکلے تھے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کا خواب دیکھا۔ اس کی تاویل یہ تھی کہ بہت سے مسلمان ان کے اردگرد قتل ہوئے تھے۔" الفتح میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ مصر کے بادشاہ نے خواب میں گائے دیکھی۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے اس کی تاویل قحط سالی سے کی۔ ابو الاسود نے مغازی میں لکھا ہے: "میں نے گائے کی تعبیر پیٹ چاک سے کی ہے۔" اس سے مراد وہ آزمائش ہے جس سے مسلمانوں نے سامنا کرنا تھا۔ یہ تفسیر کی وجوہ میں سے ایک وجہ ہے کہ اسم کو مناسب معنی سے مشتق کیا جائے۔ شاید یہ تاویل کی وجوہ میں سے کسی وجہ سے ہو یہ پڑھنے کی غلطی ہے۔ لفظ بَقَر لفظ نَقَر کی طرح پڑھنا خطاء ہے۔

امام احمد، امام نسائی اور ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں "رأیت نفراً منحرًا" اس روایت میں ہے کہ زرہ سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ نفر سے مراد جدائی ہے۔ یہ بھی اسی احتمال کی تائید کرتا ہے۔

❺ جب گھوڑے نے اپنی دم سے مکھیاں اڑائیں وہ دم تلوار کے کیل کو لگی وہ بے نیام ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ فال لیتے تھے۔ آپ بدفالی کو ناپسند کرتے تھے۔ ابو القاسم النخعی نے لکھا ہے: "عیافہ (بدشگونی) کا تعلق ناپسندیدہ افعال کے ساتھ ہے۔ جبکہ فال عمدہ امور میں ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ ناپسندیدہ امور میں بھی ہوتی ہے جبکہ طیرۃ مکروہ اور پسندیدہ دونوں امور میں ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ آپ نے طِیَرہ سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا: "اس کی عمدہ قسم فال ہے۔" یہ اس امر پر دلالت ہے کہ اس کی کئی اقسام ہیں فال ان میں سے بہترین ہے۔ الفاظ سے یہی آشکارا ہوتا ہے کہ یہ بھلائی اور شر دونوں میں ہے۔ کیونکہ یہ طیر سے مشتق ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ "جری له طائر بخیر، جری له بشر" قرآن پاک میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ (الاسراء: ۱۳)

ترجمہ: "اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں کہ آج تلواریں بے نیام ہوں گی۔" اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فال پکڑنا مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا علم قطعی نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو۔"

❻ آپ اس منافق کی زمین سے گزرے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی عوام کی کسی

ملکیت سے گزرے۔ جبکہ وہ اس کے رستہ میں ہو۔ خواہ مالک راضی نہ بھی ہو۔

۷ آپ نے غزوۂ احد میں دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اسی طرح غزوۂ حنین میں بھی آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اس میں احتیاط اور حزم کی طرف اشارہ ہے یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

۸ حضرت عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کی فی سبیل اللہ موت کی تمنا کرنا اس تمنا سے نہیں جس سے منع کیا گیا ہے۔

۹ اگر کوئی حالت جنابت میں شہید ہو تو اس کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ کیا اسے غسل دیا جائے گا جیسے حضرت حمزہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما کو غسل دیا گیا۔

۱۰ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "انا الذی عاهدنی خلیلی" اسی طرح حضرت ابوہریرۃ فرماتے تھے: "حدثنی خلیلی" ان اقوال کا رد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے نہیں ہوتا۔ "اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر صدیق کو بناتا۔" کیونکہ حضرات ابو دجانہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی مراد حبیب تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ الفاظ کسی صحابی کے لیے استعمال نہیں کیے نہ ہی کسی کو اس کے ساتھ مختص کیا ہے۔ نہ ہی کسی صحابی کو یوں کہنے سے منع فرمایا ہے۔ عشق و محبت کے جو طوفان ان کے دلوں میں مخفی تھے وہ اس کا یا اس سے بھی زیادہ کا تقاضا کرتے تھے۔ بشرطیکہ اس میں غلو اور مکروہ قول نہ ہو۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میرا رتبہ اس قدر بلند نہ کیا کرو جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ بلند کر دیا ہے۔ میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔"

۱۱ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کسی کے بارے نہیں سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد کے علاوہ کسی اور کے لیے فداك ابی و امی کہا ہو۔ آپ نے غزوہ احد کے روز انہیں اس طرح کہا تھا۔ الروض الانف میں ہے" پہلی روایت اصح ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سنا نہیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان کے لیے بھی اپنے والدین کریمین کو جمع کیا تھا۔ جیسے کہ زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں تذکرہ کیا ہے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے" اس روایت سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ کلام اس کے لیے روا ہے جس کے والدین مؤمن نہ ہوں جب وہ مؤمن ہوں تو پھر یہ روا نہیں۔ کیونکہ یہ ان کے لیے نافرمانی ہے۔ میں نے ابن عربی کو اس مسئلہ کے بارے یونہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔ امام نووی نے اپنی کتاب حلیۃ الابرار میں لکھا ہے: "صحیح اور پسندیدہ موقف کے مطابق ایک شخص کا کسی دوسرے کو "فداك ابی و امی یا جعلنی اللہ فداك" کہنا مکروہ نہیں ہے۔ ان کے جواز میں صحیحین وغیرہما میں بہت سی مشہور روایات ہیں۔ خواہ والدین مسلمان ہوں یا کافر۔ بعض علماء نے اس

وقت مکروہ سمجھا ہے جب والدین مسلمان ہوں۔

النحاس نے لکھا ہے "امام مالک نے جعلی اللہ فداك کو مکروہ سمجھا ہے بعض نے اسے جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے لکھا ہے۔ جمہور علماء نے اس کے جواز کا قول کیا ہے خواہ جوجس پر فدا ہو رہا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ امام نووی نے لکھا ہے" ان گنت احادیث میں اس کے جواز کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ میں نے شرح صحیح مسلم میں کیا ہے۔ تفدیہ سے مراد تعظیم اور اجلال ہے کیونکہ انسان اس پر فدا ہوتا ہے جس کی وہ تعظیم بجا لاتا ہے۔ اس سے مراد اس کا نفس ہوتا ہے یا وہ چیز جو اسے عزیز اور پیاری ہو۔

۱۲ حضرت ابو سعید خدری نے آپ کا خون مبارک پینے کی سعادت حاصل کی تھی اس کا تذکرہ خصائص میں آئے گا۔

۱۳ اس آیت طیبہ کے نزول میں اختلاف ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ (آل عمران: ۱۲۸)

ترجمہ: "نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل۔"

ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ چہرۂ انور پر خون بہنے لگا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ آپ مشرکین کے لیے بد دعا کریں۔ آپ نے فرمایا:" وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے خون بہائے۔ حالانکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہو۔ وہ اسے شیطان کی طرف بلاتے ہوں۔ وہ انہیں ہدایت کی طرف بلاتا ہو۔ وہ اسے گمراہی کی طرف دعوت دیتے ہوں۔ وہ انہیں جنت کی طرف بلاتا ہو وہ انہیں آگ کی طرف بلاتے ہوں۔" آپ نے ان کے لیے بد دعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی آپ ان کے لیے بد دعا کرنے سے رک گئے۔

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے روز یہ دعا کی:" مولا! ابو سفیان پر لعنت کر۔ حارث بن ہشام پر لعنت کر۔ سہیل بن عمرو پر لعنت کر۔ صفوان بن امیہ پر لعنت کر۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ ان سب کی توبہ قبول کر لی گئی۔

امام مسلم، امام بخاری اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لیے دعا یا بد دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد اس کے لیے قنوت پڑھتے۔ آپ یہ دعا مانگتے۔" مولا! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما۔ سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔ مولا! مضر پر اپنی

گرفت مضبوط فرما۔ ان پر اس طرح کا قحط طاری فرما جس طرح کا قحط حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں آیا تھا۔'' آپ باآواز بلند یہ کلمات کہتے تھے۔ آپ بعض اوقات نمازِ فجر میں کہتے: ''مولا! فلاں قبیلہ پر لعنت فرما۔'' حتیٰ کہ مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے: ''آپ یہ بدعا کرتے: ''مولا! بنولحیان پر لعنت فرما، رعل، ذکوان اور عصیہ پر لعنت فرما۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔'' پھر جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو آپ نے یہ کلمات کہنے چھوڑ دیے۔

ابن اسحاق اور نحاس نے الناسخ میں لکھا ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ قریش کا ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ''آپ ہمیں تو گالی گلوچ سے منع کرتے ہیں۔'' پھر اس نے اپنی پیٹھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی اور کپڑا اٹھا دیا۔ آپ نے اس کے لیے لعنت کی بددعا کی۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام عمدہ کیا۔

الحافظ نے لکھا ہے'' حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث نزول آیۃ میں برابر ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں امور کے بارے نازل ہوئی ہو۔ یہ دونوں امور ایک ہی واقعہ میں ہوں۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی حدیث اگر محفوظ ہو تو ممکن ہے کہ یہ اس واقعہ کے بارے نازل ہوئی ہو۔ جو واقعہ احد کے بعد رونما ہوا ہو۔ کیونکہ ذکوان اور رعل کا واقعہ احد کے بعد رونما ہوا تھا۔ صحیح مؤقف یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی۔ جن کے لیے آپ نے غزوۂ احد کی وجہ سے بددعا کی تھی۔ آیت طیبہ کا ابتدائی حصہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ۔ (آل عمران: ۱۲۷)

ترجمہ: ''تاکہ کاٹ دے ایک حصہ کافروں سے یا ذلیل کر دے ان کو۔''

۱۴ آپ نے اپنے زخموں کا علاج کیا اس میں دوا کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض دنیوی عوارض۔ مثلاً زخم، بیماری اور درد لاحق ہوتے ہیں تاکہ ان کا اجر وثواب زیادہ ہو ان کے درجات میں اضافہ ہو۔ اور ان کے پیروکار بھی ناپسندیدہ امور پر صبر کریں۔ عاقبت تو متقین کے لیے ہی ہے۔

۱۵ علماء نے لکھا ہے کہ جنگ کے وقت اونگھ آجانا امن کی وجہ سے ہے۔ جبکہ نماز میں اونگھ ابلیس کی طرف سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ دنیا سے فراغت ہوتی ہے۔ جبکہ نماز میں اونگھ اللہ تعالیٰ سے ازحد دوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر اس اونگھ میں کئی فوائد تھے۔ کیونکہ بیداری کی وجہ سے کمزوری اور تھکاوٹ ہو جاتی ہے نیند سے قوت اور نشاط آتی ہے۔ کیونکہ مشرکین مسلمانوں کو قتل کرنے پر بڑے حریص تھے۔

اس معرکہ میں نیند کے باوجود ان کی سلامتی اللہ تعالیٰ کے تحفظ کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کے ذریعے ان کے دلوں سے خوف جاتا رہا۔ انہیں امن و راحت نصیب ہوئی۔ اگر وہ اپنے ان بھائیوں کو قتل ہوتے دیکھتے جن کے سروں پر رب تعالیٰ نے شہادت کا تاج سجانا تھا تو ان کا خوف شدید ہو جاتا۔

⑫ آپ نے مثلہ سے منع کیا ہے حالانکہ آپ نے العرنیین کا مثلہ کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں اور ٹانگوں کو کاٹ دیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں تھیں انہیں چٹان پر پھینک دیا تھا۔ اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں:

① آپ نے ان سے قصاص لیتے ہوئے یوں کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے چرواہوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے تھے۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں تھیں۔ عنقریب یہ تفصیل آئے گی۔

② یہ مثلہ کی حرمت سے قبل تھا۔

⑬ امام بخاری کے راویوں میں ابوالوقت اور الاصیلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے روز فرمایا "یہ حضرت جبرائیل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔ ان پر سامان جنگ موجود ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے" یہ دو اعتبار سے وہم ہے:

① اس حدیث پاک کا متن اور سند غزوۂ بدر میں گزر چکی ہے۔ اس لیے اس جگہ نہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہ اسماعیلی نے اور نہ ہی ابونعیم نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

① اس متن کے بارے یہی موقف ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بارے ہے غزوۂ احد کے بارے میں نہیں۔

⑭ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کہا: "حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ وہ مجھ سے بہتر تھے۔" شاید انہوں نے یہ از روئے عاجزی کہا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عشرہ مبشرہ کو ان پر فضیلت دینے کی ممانعت ہو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں شہید نہ ہوئے ہوں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی مثال مروی ہے جیسے کہ پہلے حضرت سعید بن ربیع کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔

⑮ حضرت انس بن نضر نے فرمایا: "مجھے احد سے پرے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔" یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقت میں اسی طرح ہو کہ انہوں نے جنت کی عمدہ خوشبو سونگھ لی ہو۔ جو معمول کی خوشبو سے زائد ہو۔ وہ جان گئے ہوں کہ وہ خوشبو جنت کی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنے یقین کے اعتبار سے اس کا اطلاق کیا ہو۔ گویا کہ ان سے غائب ان کے ہاں محسوس کی طرح ہو گیا۔ معنی یہ ہے کہ وہ جگہ جس میں انہوں نے قتال کیا تھا وہ اپنے صاحب کو جنت کی طرف لے جاتی ہو۔"

◈ ابن اسحاق نے اس شخص سے جنہیں وہ قابل تہمت نہیں سمجھتے۔روایت کیا ہے عن مقسم ،عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔انہوں نے فرمایا: ''حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے فرمایا تو انہیں چادر میں لپیٹ دیا گیا۔آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔آپ نے سات تکبیریں کہیں۔پھر دیگر شہداء کو لایا گیا انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رکھا گیا۔ آپ نے ان پر اور دیگر شہداء پر ۷۲ دفع نماز جنازہ پڑھی۔

امام سہیلی لکھتے ہیں: ''یہ حدیث ضعیف ہے۔یہ حسن بن عمارۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ابن اسحاق نے اسے ہی مبہم رکھا ہے۔اگر اس کے علاوہ کوئی اور راوی ہوتو وہ مجہول ہے۔آپ سے روایت نہیں کہ آپ نے کسی بھی غزوہ میں کسی شہید کی نماز جنازہ ادا کی ہو۔صرف یہی روایت مذکور ہے جو غزوہ احد کے بارے ہے۔اس طرح آپ کے بعد کے آئمہ میں سے کسی نے بھی شہید کی نماز جنازہ ادا نہیں کی۔''

امام احمد نے عطاء بن سائب کی سند سے،امام شعبی نے حضرت ابن مسعود کی سند سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔البدایۃ میں ہے عطاء بن سائب کی سند سے یہ ضعیف ہے جو روایت صحاح ستہ میں ہے اس نے اس کا رد کر دیا ہے۔مگر امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو شہیدوں کو جمع فرماتے۔پھر پوچھتے''ان میں سے زیادہ قرآن مجید کسے یاد ہے؟ جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے آگے لحد میں رکھتے۔آپ فرماتے: ''میں روزِ حشر ان کا گواہ ہوں گا۔'' آپ نے انہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔آپ نے نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھی نہ ہی انہیں غسل دیا۔'' یہ روایت اس روایت کے مخالف نہیں جسے امام بخاری،امام مسلم،ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ سال بعد شہدائے احد کے لیے اس طرح دعا کی جس طرح آپ میت کے لیے دعا کرتے تھے۔گویا کہ آپ زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔''اس روایت میں الصلاۃ سے مراد دعا ہے۔ صلاتہ علی المیت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آپ میت کے لیے نیت اور تکبیر کے بغیر ہی دعا مانگتے تھے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: ''یہ روایات اس طرح عیاں ہیں گویا کہ وہ متواتر ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی شہید کی کبھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔یہ روایت کہ آپ نے شہدائے احد اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اور ستر تکبیریں کہیں یہ درست نہیں۔جو شخص ان صحیح روایات کے مقابلہ میں اس روایت کو لے کر آتا ہے اسے حیاء کرنا چاہیے۔جہاں تک عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو حدیث پاک میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ اس وقت غزوۂ احد کو آٹھ سال گزر چکے تھے۔مخالف یہ کہتا ہے: ''جب مدت طویل ہو جائے تو قبر پر نماز جنازہ نہیں ہوتی۔آپ

نے ان کے لیے دعا کی ان کے لیے استغفار کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو وصال کے قریب ہو جانے کا علم ہو گیا تھا۔ گویا کہ آپ انہیں الوداع کہہ رہے تھے۔ اس ثابت حکم کے نسخ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۲۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کتنے صحابہ کرام ثابت قدم رہے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام بخاری اور ابو نعیم نے معتمر بن سلیمان تیمی سے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ''میں نے ابو عثمان نہدی کو کہتے ہوئے سنا کہ اس روز حضرت سعد اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ سلیمان نے کہا ہے: ''میں نے ابو عثمان سے پوچھا: ''یہ تمہیں کیسے علم ہوا؟'' انہوں نے کہا: ''ان کی گفتگو سے یعنی حضرات سعد اور طلحہ نے ابو عثمان کو اس طرح بتایا تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے:

''وہ روایت اس کے مخالف ہے۔ جس میں ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہے تھے۔ لیکن ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت مقداد اس آزمائش کے بعد حاضر ہوئے ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کسی مقام پر یہ دونوں حضرات آپ کے ہمراہ رہ گئے ہوں۔ امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد میں آپ کے ہمراہ سات انصاری اور دو قریشی صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔ ان دو قریشیوں سے مراد حضرت طلحہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما ہیں۔ مذکور حصہ سے مراد مہاجرین کا اختصاص ہے۔ گویا کہ انہوں نے کہا: اس روز مہاجرین میں سے صرف یہی حضرات آپ کے ہمراہ رہے تھے۔ میں نے جو تاویل کی ہے اسے اس پر محمول کرنے کا تعین ہو گیا۔ یہ احوال کے اختلاف سے ہے۔ وہ قتال میں منتشر ہو گئے تھے۔ جب ان میں شکست کے آثار پیدا ہوئے جن میں ہوئے اور ابلیس چلایا: ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں'' ہر کوئی اپنے آپ میں مصروف ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت سعد کی روایت میں ہے۔ پھر جلد ہی یہ شیطانی قول غلط ثابت ہو گیا آہستہ آہستہ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ پھر آپ نے انہیں قتال کی دعوت دی تو وہ اس میں مصروف ہو گئے۔

ابن اسحاق نے حضرت زبیر سے حسن سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''غزوۂ احد میں تیر اندازوں نے مالِ غنیمت کا ارادہ کیا۔ ہمارے پیچھے سے ہم پر حملہ ہو گیا۔ ایک چلانے والا چلایا۔ ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں''۔ ہم الٹے پلٹے۔'' ابن عائذ نے مطلب بن عبداللہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد میں صحابہ کرام آپ سے جدا ہوئے۔ حتیٰ کہ صرف انصار کے بارہ افراد آپ کے ہمراہ رہ گئے۔

امام النسائی اور امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز صحابہ کرام آپ سے جدا ہو گئے۔ صرف گیارہ انصاری صحابہ کرام اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم رہ گئے۔ اس روایت کی سند جید

ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے۔لیکن اس میں چار کا اضافہ ہے۔شاید وہ بعد میں آئے تھے۔ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ ۱۴ صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔سات مہاجرین میں سے۔ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔اس روایت کو اور ابو عثمان کی روایت کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بعد میں آئے تھے۔یہ مذکورہ انصاری شہید ہو گئے تھے۔جیسے کہ امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

آپ کے ہمراہ حضرت سعد اور حضرت طلحہ ہی رہ گئے۔پھر دیگر صحابہ کرام بھی آپ کے پاس آ گئے۔جہاں تک حضرت مقداد کا تعلق ہے تو احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ لگاتار قتال میں مصروف رہے ہوں۔

امام واقدی نے تحریر کیا ہے کہ ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام ثابت قدم رہے تھے۔اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان تمام صحابہ کرام میں سے تھے جو آپ کے پاس ثابت قدم رہے۔پہلے آپ کے پاس قلیل صحابہ کرام تھے پھر آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھتی رہی۔"

الحافظ نے ایک اور جگہ لکھا ہے "جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور شیطان نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں"۔ اس کے بعد صحابہ کرام تین گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ایک گروہ بھاگتے بھاگتے مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا۔وہ اس وقت آئے جب قتال ختم ہو چکا تھا۔ان کی تعداد قلیل تھی انہی کے بارے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۙ (آل عمران:۱۵۵)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دو لشکر۔"

ایک گروہ ششدر اور حیران تھا۔جب اس نے یہ بات سنی۔ان میں سے کسی ایک کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنا دفاع کرے۔تاکہ وہ اپنی بصیرت کے مطابق قتال میں مصروف رہے حتیٰ کہ شہید ہو جائے۔اکثر صحابہ کرام کی یہی حالت تھی۔ایک گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم تھا۔جب دوسرے گروہ کو علم ہوا کہ آپ زندہ ہیں تو وہ بھی آہستہ آہستہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔اس طرح ان مختلف روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔جن میں یہ تعداد مختلف ہے۔

۲۲ الہدیٰ میں ہے کہ اس غزوہ میں مسلمان گھڑ سواروں کی تعداد پچاس تھی۔لیکن یہ مؤقف درست نہیں۔یہ تعداد تو تیر اندازوں کی تھی۔موسیٰ بن عقبہ نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کے ہمراہ کوئی گھوڑا نہیں تھا۔

امام واقدی نے لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کے ہمراہ دو گھوڑے تھے:

① ایک گھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس۔

② دوسرا گھوڑا حضرت ابو بردہ کے پاس۔

◆ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن شہاب کی روایت میں ہے کہ اس روز مشرکین کی تعداد تین ہزار اور ابن ابی کے جدا ہونے کے بعد مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی تھی۔ امام بیہقی نے ابن شہاب سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد چار سو تھی۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ ابن شہاب کی پہلی روایت حضرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے مشابہت رکھتی ہے اور اہل مغازی کے ہاں زیادہ مشہور ہے۔

◆ علماء کرام نے لکھا ہے کہ جن حالات کا مسلمانوں کو غزوۂ احد میں سامنا کرنا پڑا ان میں کئی حکمتیں اور فوائد ہیں:

① مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ معصیت کا انجام برا ہوتا ہے۔ انہیں نہی کے ارتکاب کی نحوست سے آگاہ کیا گیا۔ جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حالانکہ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس جگہ سے جدا نہ ہوں''

② رسل عظام کو آزمایا جاتا ہے۔ بالآخر فتح انہیں نصیب ہوتی ہے۔ جیسے کہ ہرقل کی اس گفتگو سے عیاں ہوتا ہے جو اس نے ابو سفیان سے کی تھی۔ اس نے اس سے پوچھا تھا ''کیا تم نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے'' ابو سفیان: ''ہاں!'' ہرقل: ''ان کے اور تمہارے مابین جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟'' ابو سفیان: ''یہ ڈول کی طرح کبھی ہمارے خلاف کبھی ان کے خلاف'' ہرقل: ''رسل عظام کی کیفیت اسی طرح ہوتی ہے۔ انہیں آزمایا جاتا ہے۔ پھر کامرانی انہی کے قدم چومتی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر ہمیشہ ان ہی کی مدد کی جاتی تو اہل ایمان میں وہ لوگ بھی داخل ہو جاتے جو ان میں سے نہ ہوں کھوٹے اور کھرے کی پہچان نہ ہو سکتی۔ جب میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو شاندار فتح عطا کی ان کی شہرت پھیلی تو ظاہری طور پر اسلام میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے اور اندر سے مسلمان نہیں تھے۔ اگر انہیں ہمیشہ ہی شکست ہوتی تو پھر بعثت کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ ان دونوں امور کو جمع کیا جائے تاکہ سچے اور جھوٹے کی پہچان ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقین کی جماعت جو ایمان کا دعویٰ کرتی تھی مسلمانوں سے مخفی تھی اس واقعہ کے بعد انہوں نے فعل اور قول کے اعتبار سے نفاق کا اظہار کر دیا۔ ہر چیز واضح ہو گئی۔ مسلمانوں نے جان لیا کہ دشمن ان کے اپنے گھروں میں بھی ہے۔ انہوں نے اس کے لیے تیاری کی اور اس سے تحفظ کیا۔

③ بعض مقامات پر نصرت میں تاخیر نفس کے غرور کو توڑتی ہے اس کی حیثیت کو کم کر کے دکھاتی ہے۔ جب مسلمانوں کو آزمایا گیا تو انہوں نے صبر کا اظہار کیا اور منافقین نے جزع و فزع کیا۔

④ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دار کرامت میں بلند مقامات متعین کر رکھے ہوتے ہیں۔ جن پر وہ اپنے

اعمال سے فائز نہیں ہو سکتے۔ ان کو آزمائش اور امتحان میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ مقامات رفیعہ پر فائز ہو سکیں۔

⑤ شہادت اولیاء کے بلند ترین مقامات میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اس بلند رتبہ پر فائز کر دیا۔

⑥ جب رب تعالیٰ نے اپنے دشمن کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے لیے ایسے اسباب مہیا فرما دیے جن کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہو گئے۔ یعنی ان کا کفر، سرکشی اور اس کے اولیاء کو اذیت دینا۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے گناہوں کو مٹا دیا اور کفار کو ہلاک کر دیا۔

⑦ جب انبیائے کرام علیہم السلام کو زخم، آلام اور بیماریوں کی وجہ سے آزمایا جاتا ہے۔ اس میں ان کے اجر کو عظیم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ان کے پیروکاروں کو ترغیب دلانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ مصائب میں صبر کریں۔ بالآخر فتح مندی متقین کی ہوتی ہے۔

۲۵ شہدائے احد کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''جب غزوۂ احد میں میرے والد گرامی کے سر پر شہادت کا تاج سجا۔ انہیں چادر میں لپیٹ کر لایا گیا۔ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا۔ میں بار باران کے چہرے سے کپڑا اٹھاتا تھا اور روتا تھا۔ صحابہ کرام مجھے منع کرنے لگے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے منع نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمہ بنت عمرۃ بھی رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہ رو۔ ملائکہ اپنے پروں سے ان پر سایہ فگن تھے حتیٰ کہ اب وہ چلے گئے ہیں۔'' (بخاری)

ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا میں تمہیں اس خوشخبری کے بارے نہ بتاؤں جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے تمہارے والد گرامی کے ساتھ ملاقات کی ہے'' میں نے عرض کی: ''ضرور!'' آپ نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کی مگر پس پردہ۔ رب تعالیٰ نے تمہارے والد گرامی کو زندہ کیا اور انہیں سامنے بٹھا کر ان کے ساتھ کلام فرمایا۔'' اس نے فرمایا: ''اے میرے بندے! مجھ سے سوال کرو میں تمہیں عطا کروں گا۔'' انہوں نے عرض کی: ''مولا! مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیرے راستہ میں جہاد کروں۔'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ بات تو میرے ہاں طے ہے کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔'' انہوں نے عرض کی: ''مولا! جو میرے پیچھے ہیں انہیں پیغام پہنچا دے۔'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ (آل عمران:۱۶۹)

ترجمہ: "اور ہر گز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں۔"

امام ترمذی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کیا میں تمہیں بشارت نہ دوں؟" انہوں نے عرض کی: "ضرور!" آپ نے فرمایا: "مجھے علم ہوا ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے والد گرامی کو زندہ کیا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا: "مجھ سے سوال کرو میں تمہیں عطا کروں گا؟" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے تیری یوں عبادت نہیں کی جس طرح تیری عبادت کرنے کا حق تھا۔ میری تمنا ہے کہ تو مجھے دنیا میں لوٹا دے۔ میں ایک بار پھر تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قتل ہو جاؤں۔" اس نے فرمایا: "میرے ہاں یہ طے ہے کہ یوں نہیں ہوسکتا۔"

ابن منذر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔ انہوں نے کہا: "کاش! کوئی ایسی ذات ہو جو اس حسن سلوک کے بارے ہمارے بھائیوں کو بتادے جو رب تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا: "میں تمہارے بھائیوں کی طرف سے تمہارا قاصد ہوں۔" اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے بھائی غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو رب تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں میں رہتے ہیں جو عرش کے اسی سایہ میں معلق ہے جب انہوں نے اپنا عمدہ کھانا اور اچھا ٹھکانہ دیکھا تو انہوں نے کہا: "کاش! ہمارے بھائی جان لیتے کہ رب تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ ہمارے بھائیوں تک کون یہ پیغام پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد کو ترک نہ کریں۔ جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "میں تمہاری طرف سے انہیں یہ پیغام دوں گا۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ (مسلم، ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے بھائی غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو رب تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں میں رہتے ہیں جو عرش الٰہی کے سایہ میں معلق ہیں۔ جب انہوں نے اپنا عمدہ کھانا اور اچھا ٹھکانہ دیکھا تو انہوں نے کہا: "کاش! ہمارے بھائی جان لیتے کہ رب تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ ہمارے بھائیوں تک کون یہ پیغام پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد کو ترک نہ کریں۔

جنگ سے راہِ فرار اختیار نہ کریں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "میں تمہاری طرف سے انہیں یہ پیغام دوں گا۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ (مسلم، ابوداؤد)

ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، امام احمد، امام مسلم، ابن منذر نے حضرت مسروق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: "ہم نے ان کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا: "ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔" عبدالرزاق کے الفاظ یہ ہیں: "رب تعالیٰ کے ہاں شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی طرح ہیں جن کے لیے سونے کی قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ وہ ارواح جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آجاتی ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی طرف نظر کرم فرمائی۔ فرمایا: "کیا تمہیں کچھ چاہیے؟" اس نے تین بار اسی طرح کیا۔ جب انہوں نے سمجھا کہ ان سے یہ سوال ضرور ہوگا۔ انہوں نے عرض کی: "مولا! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری ارواح کو ہمارے اجسام میں دوبارہ لوٹا دے تاکہ ہم ایک بار پھر تیرے لیے جہاد کریں۔" جب اس نے دیکھا کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں انہیں چھوڑ دیا گیا۔" عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا: "کیا تمہیں کوئی ضرورت ہے؟" انہوں نے عرض کی: "ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارا اسلام دینا۔ آپ کو پیغام دے دینا کہ ہم راضی ہو گئے ہیں۔ آپ بھی ہم سے راضی ہو جائیں۔"

ابن السری، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں جو جنت کے باغات میں محو سیر رہتی ہیں۔ پھر وہ ان قندیلوں میں چلی جاتی ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں۔"

عبدالرزاق، سعید بن منصور نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "شہداء کی ارواح پرندوں کے پیٹوں میں ہیں جو جنت کے پھل کھاتے ہیں۔" ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ بل احیاء سے مراد یہ ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکلوں میں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔ عمر بن شبہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء کی قبور کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ جب آپ پہاڑ کی نشیبی جگہ میں جلوہ افروز ہوتے تو یوں فرماتے: "السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

امام بیہقی نے مختلف اسناد سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن سعد اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہر کھدوائی تو ہم شہدائے احد کی

زیارت کے لیے گئے۔ ہم نے انہیں باہر نکالا تو وہ اسی طرح تر و تازہ تھے ان کے اطراف مڑ جاتے تھے۔" محمد بن عمر کے شیوخ نے کہا ہے: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا ہاتھ مبارک ان کے زخم پر تھا۔ ان کا ہاتھ ان کے زخم سے ہٹایا گیا۔ وہاں سے خون نکل آیا۔ جب ہاتھ اسی جگہ رکھا گیا تو خون رک گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا گویا کہ وہ اپنی قبر انور میں سوئے ہوئے تھے۔ جس چادر میں انہیں کفن دیا گیا تھا وہ بالکل اسی طرح تھی۔ ان کی ٹانگوں پر گھاس بالکل اپنی اصلی حالت پر تھی۔" حالانکہ غزوۂ احد کو چھیالیس سال گزر چکے تھے۔ ان میں سے کسی شہید کی ٹانگ کو کدال لگی۔ شیوخ نے کہا: "وہ حمزہ تھے۔" وہاں سے خون نکل آیا۔ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا: "اس کے بعد کسی منکر کو انکار نہیں کرنا چاہیے جب لوگ مٹی کھودتے تھے جب بھی کدال مارتے نیچے سے مشک اذفر کی خوشبو آتی تھی۔"

حارث بن ابی اسامۃ نے حضرت سعد بن وقاص اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اصحاب احد کو یاد فرماتے تو فرماتے: "بخدا! میری تمنا ہے کہ احد کے دامن میں میرے صحابہ کے ساتھ ہونے والا دھوکہ میرے ساتھ بھی کیا جاتا۔" حاکم نے حضرت عبد اللہ بن ابی فروۃ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کی۔ آپ نے یوں عرض کی: "مولا! میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شہداء ہیں جس نے ان کی زیارت کی۔ انہیں سلام کیا یہ تا روز حشر انہیں جواب دیں گے۔"

امام بیہقی نے حضرت ہاشم بن محمد العمری سے روایت کیا ہے یہ حضرت عمر بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "میرے والد صاحب مجھے مدینہ طیبہ میں شہدائے احد کی زیارت کے لیے لے گئے۔ جب آپ ان کی قبور مبارکہ تک پہنچے تو با آواز بلند یوں کہا: "السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" انہیں یوں جواب دیا گیا: "وعلیک السلام یا عبد اللہ!" میرے والد گرامی میری طرف متوجہ ہوئے۔ مجھ سے پوچھا: "کیا تم نے جواب دیا ہے؟" میں نے کہا: "نہیں! انہوں نے مجھے اپنے دائیں طرف کیا۔ وہ جب بھی سلام عرض کرتے انہیں تین بار جواب دیا جاتا۔" وہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔"

ابن مندہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "میں جنگل میں اپنا مال لینے گیا۔ مجھے وہیں رات ہو گئی۔ میں حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے پاس گیا۔ میں نے اتنی حسین آواز سے قبر انور سے قرأت سنی کہ میں نے اتنی خوبصورت آواز نہیں سنی تھی۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: "وہ حضرت عبد اللہ ہی تھے۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض کیا۔ انہیں زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھا۔ پھر انہیں جنت کے وسط میں معلق کر دیا۔ رات کے وقت ان کی ارواح کو ان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

وہ ساری رات اس طرح رہتے ہیں۔جب فجر طلوع ہوتی ہے ان کی ارواح کو ان کے مقام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے صحیح سند سے حضرت عطاف بن خالد سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: "مجھے میری خالہ نے بیان کیا ہے ہے کہ انہوں نے شہدائے احد کی قبور مبارکہ کی زیارت کی۔انہوں نے فرمایا: "میرے ہمراہ صرف دو غلام تھے جو سواری کی حفاظت کر رہے تھے۔میں نے شہداء کو سلام کیا میں نے سنا انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔انہوں نے کہا: "بخدا! ہم تمہیں اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ہم آپس میں ایک دوسرے کو جانتے ہیں یہ سن کر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا میں نے غلام سے کہا: "خچر میرے قریب کرو۔" میں اس پر سوار ہو گئی۔

ابن ابی شیبہ، امام احمد، ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "باب جنت کے دروازے پر نہر" بارق" پر سبز گنبد میں شہداء کی ارواح ہیں۔صبح و شام انہیں جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔" شہداء احد کی فضیلت میں احادیث اور آثار کثیر ہیں۔جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس میں کفایت ہے۔

◆ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔" الحافظ ابو القاسم الخثعمی سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا: "ایک قوم نے اس روایت کا انکار کیا ہے۔" انہوں نے کہا ہے: "ایک جسم میں دو ارواح نہیں ہو سکتیں۔یہ محال ہے۔" انہوں نے کہا ہے کہ یہ حقائق سے لاعلمی کی وجہ سے ہے۔کلام کا معنی واضح ہے شہید کی روح دنیا میں اس کے جسم میں تھی۔اسے دوسرے جسم میں منتقل کر دیا گیا گویا کہ وہ پرندے کی شکل میں ہے۔اس جسم میں وہ روح اس طرح ہو گی جس طرح وہ پہلے جسم میں تھی۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے روز حشر اس طرح لوٹا دے گا جیسے اس کی تخلیق کی گئی تھی۔یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جسے یوں روایت کیا گیا ہے" سبز پرندوں کی شکلوں میں، یا شہداء سبز پرندوں کی طرح ہیں۔" ساری روایات متفق المعنی ہیں۔جو بات از روئے عقل محال ہے وہ یہ ہے ایک جوہر میں دو زندگیوں کا ہونا اور جوہر کا اتصال ان دونوں کے ساتھ ہو۔لیکن ایک جسم میں دو ارواح ہونا محال نہیں ہے۔جب تک ہم اجسام کے تداخل کا قول نہ کریں۔جنین (بچہ) اپنی والدہ کے پیٹ میں ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک کی روح جدا جدا ہوتی ہے۔حالانکہ وہ ایک جسم میں کیسے ہوتی ہیں؟" آپ نے فرمایا: "سبز پرندوں کے پیٹوں میں یا پرندوں کی اشکال میں۔یہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہو۔" میں نے انسان کی شکل میں فرشتہ دیکھا۔اسی طرح آپ کا وہ فرمان بھی ہے جسے امام احمد، امام نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کی روح ایک پرندہ ہوتی ہے۔جو جنت کے درخت کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔" بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ شہید کے ساتھ مخصوص

ہے۔بعض نے کہا ہے:''شہید جنت میں ہوتا ہے جو چاہتا ہے کھاتا ہے۔پھر وہ ان قندیلوں میں چلا جاتا ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوتی ہیں۔لیکن غیر شہید مومن کی روح ایک ایسا پرندہ ہوتی ہے جو جنت کے درخت کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔وہاں اس کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔بعض نے لفظ یعلق اور بعض نے یعلَق روایت کیا ہے مؤخر الذکر کا معنی ہے بقدر کفایت یعنی وہ شہید کے حصے سے کم پاتا ہے۔''عَلقہ'' کو بطور ضرب الامثال ذکر کیا ہے کیونکہ جو خوراک میں سے بقدر کفایت پاتا ہے وہ اس شخص سے کم پاتا ہے جو جی بھر کر کھاتا ہے۔اس ضرب المثل سے یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے اگر یعلق سے مراد اس کا بذاتِ خود کھانا ہو تو یہ شہید کے ساتھ مختص ہوگا۔اور ضمہ کے ساتھ روایت شہداء کے لیے اور فتح کے ساتھ روایت دیگر مسلمانوں کے لیے ہے۔اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ آپ ﷺ کی مراد کیا تھی؟ یہ پرندے رات کے وقت ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں۔وہ دن کے وقت سیر کرتی ہیں۔اس سے شب و روز کا علم بھی ہوتا ہے۔جنت میں دخول کے بعد وہ ان قنادیل کی طرف نہیں آتے۔واللہ اعلم۔یہ برزخ کی زندگی ہے۔حدیث پاک۔ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔''مجاہد نے کہا ہے:''شہداء جنت کا پھل کھاتے ہیں۔''اس میں نہیں رہتے۔''ابو عمر نے اس قول کا انکار کیا ہے۔اسے رد کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ منکر نہیں ہے۔الشیخ نے سنن ابی داؤد کی شرح میں لکھا ہے۔

''جب ہم حدیث پاک کی تشریح یوں کریں کہ روح پرندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔زیادہ امکان یہ ہے کہ اس سے مراد صرف پرواز پر قدرت ہے۔یہ مشابہت خلقت میں نہیں۔کیونکہ انسانی شکل تمام اشکال سے افضل ہے۔'' میں کہتا ہوں کہ ابن برجان نے الارشاد میں یہی تذکرہ کیا ہے امام سہیلی کا وہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے جو غزوۂ موتہ کے بارے ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔یعنی جو کچھ میں نے اس سے پہلی تنبیہ میں ذکر کیا ہے۔''

ابن کثیر نے لکھا ہے''شہداء کی کئی اقسام ہیں۔ان میں سے بعض کی ارواح جنت میں سیر کرتی ہیں۔بعض کی ارواح باب جنت کے پاس نہر بارق کے پاس ہوتی ہیں۔احتمال ہے کہ ان کی سیر کی انتہاء یہاں تک ہی ہے وہ وہاں جمع ہوتے ہیں صبح و شام انہیں رزق ملتا ہے۔

امام بیضاوی نے شرح المصابیح میں لکھا ہے''آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے جب شہداء کی ارواح ان کے اجسام سے جدا ہوئیں تو رب تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے اجسام بنا دیے جو اس ہیئت پر ہوتے ہیں وہ ان کے اجسام کے قائم مقام ہوتے ہیں۔وہ ان سے لذات حسیہ تک پہنچتے ہیں۔رب تعالیٰ کا ان کی طرف دیکھنا اور ان سے

یکے بعد دیگرے سوال کرنا اس کی ان کے ساتھ لطف و مہربانی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے انعام و اکرام کی علامت ہے۔ آپ نے فرمایا: "اطّلاعۃ" تاکہ یہ واضح ہو سکے یہ اس طرح نہیں جس طرح ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ اسے "اِلیٰ" سے متعدی کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ اسے "علیٰ" کے ساتھ متعدی کیا جاتا کیونکہ اس میں انتہاء کے معانی پائے جاتے ہیں۔ آپ کے فرمان "جب انہوں نے دیکھا کہ انہیں چھوڑا نہیں جائے گا" کیونکہ ان کے سارے مطلوب اور مقاصد پورے کر دیے جائیں گے سوائے اس کے کہ وہ دنیا میں دوبارہ جائیں اور شہید ہوں کیونکہ یہی شہادت ان کے شرف اور کرامت کا سبب ہے۔ بعض علماء نے یہ تاویل کی ہے کہ "فی جوف طیر خضر" کیونکہ "فی" "علیٰ" کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ ان کی ارواح سبز پیٹوں پر ہیں جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ (طٰہٰ:71)

ترجمہ: "اور سولی چڑھاؤں گا کھجور کے تنوں پر۔"

ای علی جذوع النخل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پرندے کو "جوف" کہا گیا ہو۔ کیونکہ یہ اس کو محیط ہوتا ہے۔ اس پر مشتمل ہے۔ یہ عبدالحق کا قول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "یہ بہت عمدہ قول ہے" دیگر علماء نے لکھا ہے "اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ وہ حقیقت میں پیٹوں کے اندر ہوں۔" رب تعالیٰ نے انہیں وسعت دے دی ہو وہ سب سے وسیع ہو گئے ہوں۔"

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اس حکم میں عقل و قیاس کو کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ جب رب تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ جب بندۂ مومن کی یا شہید کی روح نکلے وہ اسے قندیلوں یا پرندے کے پیٹ میں رکھ دے جہاں چاہے رکھ دے تو اس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ ارواحِ اجسام ہیں۔ یہ محال نہیں کہ انسان کا کوئی جزو پرندہ بن جائے یا اسے عرش کے نیچے قنادیل میں پرندوں کے پیٹوں میں رکھا جائے۔ اس حدیث پاک اور اس طرح کی دیگر احادیث طیبہ کو بعض لوگوں نے تناسخ پر محمول کیا ہے۔ ارواح کا منتقل ہونا عمدہ صورتوں میں انہیں نعمتوں سے سرفراز کرنا اور قبیح صورتوں میں انہیں عذاب دینا یہ ثواب اور عذاب ہے۔" لیکن یہ قول باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ شریعت مطہرہ میں جو حشر نشر، جنت اور آگ کا تذکرہ ہے اسے باطل کر دیتا ہے۔ اسی لیے ایک اور روایت میں ہے: "روز حشر اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔"

شہداء کی تعداد۔ امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مشرکین نے غزوۂ احد کے روز ہمارے ستر افراد شہید کیے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام

نے غزوہ بدر میں ۷۰ مشرکین کو قتل اور قید کیا تھا۔

سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز ستر صحابہ کرام کے سروں پر تاج شہادت سجا۔ چار مہاجرین میں سے تھے۔ حضرات حمزہ، حضرت مصعب، عبداللہ بن جحش، شماس بن عثمان رضی اللہ عنہم۔ جبکہ بقیہ انصار میں سے تھے۔ ابن حبان نے، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں ۶۴ انصار اور ۶ مہاجرین نے قبائے شہادت زیب تن کی۔

الحافظ نے لکھا ہے: "پانچویں حضرت سعد تھے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام تھے۔ چھٹے ثقف بن عمرو اسلمی تھے یہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

امام بخاری نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم عرب کے کسی قبیلے کو نہیں جانتے جس کے شہید انصار کے شہیدوں سے زیادہ ہوں۔" ہمیں حضرت انس نے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد میں ان ستر افراد بنو معونہ میں ستر افراد اور جنگ تمامہ میں ستر افراد شہید ہوئے۔" امام الطبری نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد میں ۷۵ یا ۷۱ انصاری صحابہ کرام شہید ہوئے۔

امام شافعی نے روایت کیا ہے کہ ان کی تعداد ۷۲ تھی۔ "العیون" میں ان شہداء کے اسماء گرامی مذکور ہیں ان کی تعداد ۹۶ ہے۔ ان میں سے مہاجرین کی تعداد ۱۱ ہے۔ انصار کی تعداد ۸۵ ہے۔ اوس میں سے ۳۸ تھے۔ خزرج میں سے یہ تعداد ۴۷ تھی۔ العیون میں ابن عمرو نے دمیاطی سے روایت کیا ہے کہ یہ تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے صرف انصار شہداء کی تعداد ۹۰ لکھی ہے۔ ابن سعد نے یہی قول یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ لیکن طبقات کی شرحوں میں یہ تعداد زیادہ بیان کی گئی ہے۔

❁❁❁❁

چودھواں باب

غزوۂ حمراء الاسد

اس غزوہ کے سبب میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے نکلے تھے۔ تاکہ اسے یہ خبر پہنچے کہ آپ اس کے تعاقب میں نکل چکے ہیں اور وہ گمان کریں کہ آپ کے پاس ابھی طاقت وقوت موجود ہے اور جو نقصان آپ کو پہنچا ہے اس نے آپ کو دشمن سے کمزور نہیں کیا۔"

موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے "اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ ابوسفیان اور اس کے اکثر ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ واپس جائیں اور بقیہ صحابہ کرام کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو ترغیب دی کہ وہ دشمن کے تعاقب میں نکلیں۔

وہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جسے امام فریابی، امام نسائی اور امام الطبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین میدانِ احد سے واپس آئے تو انہوں نے کہا: "نہ تو تم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کیا ہے نہ دوشیزاؤں کو گرفتار کیا ہے تم نے کتنا برا کام کیا ہے؟ واپس چلو۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن لیا۔ آپ نے مسلمانوں کو جہاد کی صدا دی۔ انہوں نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد سے واپس آئے تو صحابہ کرام نے آپ کے کاشانۂ اقدس کا پہرہ دیتے ہوئے رات بسر کر دی تاکہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر دے۔ جب فجر طلوع ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ وہ بیٹھ کر آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔ عبداللہ بن عمرو مزنی آپ سے ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ باہر تشریف لائے تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی کہ وہ ابھی ابھی اپنے اہلِ خانہ کے پاس سے آئے ہیں۔ جب وہ ملل پہنچے تو قریش وہیں فروکش تھے۔ انہوں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: "تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم قوم کی شدت اور طاقت تک پہنچ چکے تھے۔ پھر تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ تم نے ان کا کام تمام نہ کیا۔ ان کی بنیادی شخصیات تو ابھی باقی ہیں۔ واپس چلو بقیہ افراد کو جڑ سے اکھیڑ پھینکو۔" صفوان بن امیہ اس رائے سے اختلاف کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''اے میری قوم! یوں نہ کرو۔ وہ قوم اب جنگ لڑ چکی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اب باقی رہ جانے والے مسلمان بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے اب تمہیں غلبہ مل چکا ہے تم واپس لوٹ چلو۔ میں اس سے امن میں نہیں ہوں کہ اگر تم نے پلٹ کر حملہ کیا تو تمہیں شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

آپ نے فرمایا: ''صفوان نے انہیں صحیح رستہ دکھایا ہے حالانکہ وہ خود ہدایت یافتہ نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ان کے لیے پتھروں پر نشانات لگائے جا چکے تھے۔ اگر وہ واپس لوٹ کر آتے تو وہ گزرے ہوئے کل کی طرح ہو جاتے۔''

آپ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اس مزنی کی بات بتائی۔ انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! دشمن کا تعاقب فرمائیں۔ وہ صحابہ کرام کی اولاد پر حملہ آور نہ ہو جائے۔'' جب آپ نماز صبح سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام کو جہاد کی دعوت دی۔ آپ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں۔ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم دشمن کا تعاقب کرو۔ ہمارے ساتھ وہی نکلے جس نے کل غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔'' حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو نو زخم لگے تھے۔ وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے یہ ندا سنی تو انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنتے ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔'' انہوں نے زخموں کے علاج کی طرف توجہ نہ دی۔ بنو سلمہ میں سے چالیس زخمی مجاہدین عازم سفر ہوئے۔ حضرت طفیل بن نعمان کو تیرہ زخم لگے تھے۔ حضرت خراش بن صمہ کو دس زخم لگے تھے۔ مسلمان اپنے اسلحہ کی طرف لپکے۔ انہوں نے اپنے زخموں کے علاج کی طرف توجہ نہ دی۔

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ ابن ابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''کیا میں آپ کے ساتھ جا سکتا ہوں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''

ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے لکھا ہے'' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے منادی نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے جس نے کل غزوۂ احد میں شرکت کی تھی۔ میں اس میں شرکت کرنے کا بڑا حریص تھا۔ لیکن میرے والد گرامی مجھے پیچھے سات بہنوں کے لیے چھوڑ گئے تھے (دوسری روایت میں نو بہنوں کا تذکرہ ہے) انہوں نے کہا: ''نورِ نظر! مجھے اور تمہیں اس عورتوں کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ ہو۔ مجھے ان کے بارے خدشہ ہے۔ یہ کمزور عورتیں ہیں۔ تمہاری حیثیت اتنی بھی نہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرنے پر تم کو ترجیح دوں۔ اپنی بہنوں کے پاس ٹھہرو۔'' انہیں شہادت نصیب ہوگئی۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں اس کے ساتھ روانہ ہو سکوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس غزوہ میں صرف ان صحابہ کرام نے شرکت کی تھی جنہوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی تھی۔ سوائے میرے۔ جن صحابہ کرام نے غزوۂ احد میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی۔ مگر آپ نے اجازت نہ دی۔" آپ نے اپنا جھنڈا منگوایا۔ وہ ابھی تک بندھا ہوا تھا۔ اسے کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ نے علم اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ دوسرے قول کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ عازم سفر ہو گئے۔ آپ زخمی تھے۔ چہرۂ انور پر خود کے حلقوں کے زخم تھے۔ دندان مبارک بھی زخمی تھے۔ نچلا لب لعلیں بھی زخمی تھا۔ دائیں شانے مبارک پر بھی زخم تھا۔ اس جگہ ابن قمیہ لعنہ اللہ تعالیٰ نے تلوار ماری تھی۔ آپ کے مبارک گھٹنوں پر بھی خراشیں آئیں تھیں۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں دو رکعتیں نماز ادا کی۔ صحابہ کرام جمع ہو چکے تھے۔ بلند محلے کے صحابہ کرام بھی پہنچ گئے کیونکہ ان تک بھی خبر پہنچ چکی تھی۔ آپ نے اپنے گھوڑے السکب کو منگوایا۔ اس غزوہ میں صرف آپ کے پاس ہی گھوڑا تھا۔ رستہ میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ آپ سے ملے۔ انہوں نے اعلان سن لیا تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب روانہ ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ اور خود پہن رکھا تھا۔ صرف چشمان مقدس نظر آ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "طلحہ! تمہارا اسلحہ کہاں ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! قریب ہی ہے۔" وہ گئے اپنا اسلحہ لے آئے۔ ان کے سینے پر نو زخم تھے۔ انہوں نے کہا: "میرے زخموں کی اہمیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں سے زیادہ نہیں ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ کی طرف توجہ کی اور فرمایا: "تمہاری رائے کے مطابق قریش اب کس جگہ ہوں گے؟" انہوں نے عرض کی: "السیالہ کے مقام پر۔" آپ نے فرمایا: "میرا بھی یہی گمان ہے۔ طلحہ! اب وہ ہمیں اس طرح کا نقصان نہیں دے سکیں گے حتیٰ کہ رب تعالیٰ ہمیں مکہ فتح کرا دے گا۔"

ثابت بن ثعلبہ رستہ بتانے کے لیے تھے۔ وہ آپ حمراء الاسد لے گئے۔ آپ میں سے سلیط اور نعمان پسران سفیان بن طلق کو بطور پیش رو آگے بھیجا۔ بنو عویر میں سے ایک شخص کو ان کے ساتھ بھیجا۔ تیسرے شخص کا نام نہیں بتایا گیا۔ ان میں سے دو حمراء الاسد کے مقام پر قریش کو جا ملے۔ قریش شور و غل کر رہے تھے۔ وہ واپس جانے کے بارے مشورہ کر رہے تھے۔ صفوان بن امیہ انہیں روک رہا تھا۔ انہوں نے ان دونوں افراد کو دیکھ لیا۔ انہیں قتل کیا اور آگے چلے گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حمراء الاسد میں نزولِ اجلال فرمایا۔ ان دونوں مقتولوں کو ایک قبر میں دفن کیا۔ یہ دونوں ساتھی تھے۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے لکھا ہے: "حضرت عبد اللہ بن سہل اور حضرت رافع بن سہل غزوۂ احد سے واپس آئے۔ انہیں بہت سے زخم آئے تھے۔ حضرت عبد اللہ زخموں سے نڈھال تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عازم سفر ہونے کے بارے سنا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "بخدا! اگر ہم اس غزوہ

میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شرکت نہ کر سکے تو یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ بخدا! ہمارے پاس سواری بھی نہیں جس پر ہم سوار ہوں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کریں؟" حضرت عبداللہ نے کہا: "آؤ چلتے ہیں" حضرت رافع نے کہا: "بخدا! میں تو چل بھی نہیں سکتا۔" ان کے بھائی نے کہا: "ہم آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کا قصد کرتے ہیں۔" وہ آہستہ آہستہ عازم سفر ہوئے۔ حضرت رافع کو کمزوری محسوس ہوئی۔ کبھی حضرت عبداللہ حضرت رافع کو اٹھا لیتے کبھی وہ پیدل چلنے لگتے۔ کمزوری کی وجہ سے وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عشاء کے وقت وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ صحابہ کرام اس وقت آگ جلا رہے تھے۔ انہیں بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کر دیا گیا۔ اس روز نگرانی کی ڈیوٹی حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے پوچھا: "تم دیر سے کیوں آئے ہو؟" انہوں نے اپنے زخموں کے بارے عرض کی۔ آپ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ آپ نے فرمایا: "اگر تمہیں طویل زندگی نصیب ہوئی تو تم دیکھو گے کہ تمہیں گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کی سواریاں نصیب ہوں گی لیکن وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہو گا۔"

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت انس اور حضرت مونس پسران فضالہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کوئی مانع نہیں کہ یہ حضرت رافع اور حضرت عبداللہ، حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "اس روز ہمارا عام زاد کھجوریں تھیں۔ حضرت سعد بن عبادہ تیس اونٹ کھجوریں لائے۔ حتیٰ کہ وہ حمراء الاسد کے مقام پر آ کر ہمیں مل گئے۔ وہ اونٹ بھی لے کر آئے تھے۔ وہ ایک دن دو اور ایک دن تین اونٹ ذبح کرتے تھے۔ دن کے وقت حضور اکرم ﷺ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیتے۔ رات کے وقت انہیں آگ لگا دینے کا حکم دیتے۔ ہر ہر شخص آگ جلاتا پانچ سو جگہوں پر آگ جلائی گئی۔ حتیٰ کہ وہ دور سے نظر آنے لگی۔ مسلمانوں کے لشکر اور اس آگ کا ذکر دور تک پھیل گیا۔ اس کی وجہ سے بھی دشمن ذلیل و رسواء ہوا۔ آپ نے تین روز سوموار، منگل اور بدھ تک وہیں قیام فرمایا۔ معبد بن ابی معبد خزاعی آپ سے ملا۔ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ابن جوزی نے التلقیح میں اس کے اسلام کا قول یقین کے ساتھ کیا ہے۔ بنو خزاعہ کے اہلِ ایمان اور مشرک تہامہ میں آپ کے ساتھ اخلاص کا اظہار کرتے تھے ان کے ساتھ آپ کا وعدہ تھا کہ وہ آپ سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔ جو کچھ وہاں رونما ہو گا۔ اس نے عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو جو زخم لگا ہے یہ ہم پر گراں گزرا ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رفعت عطا فرماتا۔ مصیبت کسی اور کو پہنچتی۔"

معبد روانہ ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت حمراء الاسد میں ہی تشریف فرما تھے۔ وہ روحاء کے مقام پر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے جا ملا۔ انہوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ وہ واپس جا کر مسلمانوں کا کام تمام کر دیں۔ انہوں نے کہا: "ہم

نے ان کے بہترین صحابہ کرام کو تو قتل کیا۔ ان کے قائدین اور معززین کو تہ تیغ تو کیا۔ لیکن انہوں نے انہیں جڑ سے نہیں اکھیڑ پھینکا ہم واپس جاتے ہیں اور سب کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتے ہیں۔" جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو کہا: "یہ معبد ہے اس کے پاس خبر ہوگی۔ معبد! پیچھے کے حالات کیسے ہیں؟" اس نے کہا: "میں نے محمد عربی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو اس حالت پر چھوڑا ہے کہ وہ اتنا لشکر جرار لے کر تمہارے تعاقب میں نکل آئے ہیں کہ میں نے آج تک اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا۔ وہ غصے میں آ کر تمہیں بھسم کر دیں گے۔ اوس اور خزرج کے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ آ ملے ہیں انہوں نے عہد کیا ہے کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔ حتیٰ کہ تمہیں ملیں اور تم سے بدلہ لے لیں۔ وہ اپنی قوم کی وجہ سے سخت غصے میں ہیں۔ اپنے اس فعل پر سخت نادم ہیں۔ میں نے اتنا شدید غصہ کبھی نہیں دیکھا۔" ابوسفیان: "تیرے لیے ہلاکت! تو کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے کہا: "لگتا ہے کہ تو عازم سفر نہیں ہوگا حتیٰ کہ تو گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لے۔" ابوسفیان نے کہا: "بخدا! ہم نے تو اتفاق کر لیا تھا کہ ہم ان کے بقیہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں گے۔" معبد: "میں تجھے اس فعل سے روکتا ہوں جو ہیبت ناک منظر میں نے دیکھا ہے اس کے بارے میں چند اشعار کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔" ابوسفیان: "وہ کون سے اشعار ہیں؟" معبد: میں نے یہ اشعار کہے ہیں:

کادت تھد من الاصوات راحلتی اذ سالت الارض بالجرد الابابیل

ترجمہ: "جب فوج درفوج کم بالوں والے گھوڑوں کا سیلاب آ گیا تو قریب تھا کہ شور وغل کی وجہ سے میری سواری نیچے گر پڑتی۔"

تردی باسد کرام لا تنابلة عند اللقاء ولا میل معازیل

ترجمہ: "وہ ایسے کریم شیروں کو اٹھائے جا رہے تھے۔ وہ جنگ کے وقت نہ تو سست اور کمزور دل ہوں گے۔ اور نہ ہی ہتھیاروں کے بغیر ہوں گے۔"

فظلت عدوا اظن الارض مائلة لما سموا برئیس غیر مخذول

ترجمہ: "میں تیز بھاگنے لگا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے زمین جھک رہی ہو اس وقت وہ گھوڑے ایسے سردار کے ساتھ بلند ہوئے جسے چھوڑا نہیں گیا تھا۔"

فقلت ویل ابن حرب من لقائکم اذا تغطمطت البطحاء بالخیل

ترجمہ: "میں نے کہا تمہارے ساتھ جنگ ابوسفیان کے لیے ہلاکت ہے۔ جب بطحاء کی وادی گھوڑوں کی وجہ سے لرز اٹھے گی۔"

انی نذیر لاهل البسل ضاحیة لکل ذی اربة منهم و معقول

ترجمہ: "بلاشبہ میں سرزمین مکہ کے باشندوں میں سے ہر اس شخص کو ڈرانے والا ہوں جو صاحب عقل و دانش ہو۔"

من جیش احمد لا وحش تنابلة ولیس یوصف ما انذرت بالقیل

ترجمہ: "میں انہیں حضور اکرم ﷺ کے اس لشکر سے ڈرا رہا ہوں جو سست اور چھوٹے قد کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ الفاظ بیان سے باہر ہیں جن سے میں نے انہیں ڈرایا۔"

اس کے ساتھ ساتھ صفوان کی گفتگو نے بھی اسے واپس لوٹ جانے پر مجبور کیا۔ ان کے جگر پھٹنے لگے۔ وہ تعاقب کے خوف سے آگے نکل بھاگ نکلے۔ ابوسفیان کے پاس سے عبدالقیس کا ایک کاروان گزرا۔ اس نے پوچھا: "کہاں جا رہے ہو؟" ابوسفیان: "کیا تم ہماری طرف سے محمد عربی ﷺ کو پیغام دو گے۔ میں تمہیں عکاظ کے میلہ میں کشمش سے بھرے ہوئے اونٹ دوں گا۔" انہوں نے کہا: "ہاں!" ابوسفیان: "جب تم محمد عربی ﷺ سے ملو تو انہیں کہنا: "ہم نے اتفاق کر لیا ہے کہ ہم ان کی طرف اور ان کے صحابہ کی طرف آئیں تاکہ ان کے بقیہ لوگوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں ہم ان کے تعاقب میں ہیں۔" ابوسفیان آگے چلا گیا۔ یہ کاروان آپ سے حمراء الاسد کے مقام پر ملا۔ اور ابوسفیان کی باتیں آپ کو بتائیں۔ آپ نے فرمایا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۝ (آل عمران: ۱۷۳)

ترجمہ: "کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی سے قبل آپ نے معاویہ بن مغیرہ کو پکڑ لیا۔ اس نے حضرت عثمان غنی کی پناہ لی تھی۔ انہوں نے اس کے لیے آپ سے پناہ مانگی تو آپ نے انہیں پناہ دے دی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر تین روز کے بعد یہ ادھر پایا گیا تو اسے تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ تین دن گزر گئے وہ وہیں چھپا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہیں فرمایا: "تم اسے فلاں مقام پر پاؤ گے۔ اسے تہ تیغ کر دینا۔" انہوں نے اسے پایا اور واصل جہنم کر دیا۔

آپ نے ابوعزہ الجمحی کو پایا۔ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر میں اسے گرفتار کیا تھا۔ پھر اس پر احسان کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے کہا: "یارسول اللہ! مجھے معاف کر دیں۔" آپ نے فرمایا: "تو مکہ مکرمہ میں اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یوں نہ کہتے رہو: "میں نے محمد عربی ﷺ کو دو بار دھوکہ دیا ہے" ابوزبیر اس کی گردن اڑا دو۔" انہوں نے اسکا سر تن سے جدا کر دیا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے "مجھے حضرت سعید بن مسیب سے روایت پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ایک مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا۔"

حضور اکرم ﷺ سوموار، منگل اور بدھ کے روز وہاں قیام پذیر رہے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ پانچ روز

مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ‌ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ‌ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ‌ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾ (آل عمران: ۱۷۲ تا ۱۷۵)

ترجمہ: ”جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر۔ اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں (گہرا) زخم ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔“

تنبیہات

1. حمراء الاسد الف ممدودۃ کے ساتھ ہے۔ حمراء، اسد کی طرف مضاف ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور ہے۔ جب ذوالحلیفہ جائیں تو یہ بائیں طرف آتا ہے۔
2. آپ اتوار کے روز اس مہم کے لیے روانہ ہوئے۔ شوال کے ۱۶ دن گزر چکے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔ شوال کے آٹھ روز گزر چکے تھے۔ غزوۂ احد کی تاریخ میں ان کا اختلاف ہے۔
3. سابقہ آیات طیبات کے نزول میں اختلاف ہے۔ حضرات مجاہد اور ایک گروہ کا موقف ہے کہ یہ آیاتِ طیبات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ غزوہ بدر الموعد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ ان کا نزول

اس وقت ہوا جب آپ حمراء الاسد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ امام بخاری کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ ابن مردویہ، خطیب نے حضرت ابن عباس سے اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

٤ سعید بن منصور، حمیری، امام مسلم امام بخاری، ابن ماجہ، حاکم اور امام بیہقی نے حضرت عروہ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عروہ سے فرمایا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو غزوۂ احد میں نقصان اٹھانا پڑا۔ مشرکین چلے گئے۔ آپ کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: "ان کے تعاقب میں کون جائے گا۔" ستر صحابہ کرام نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عمار، طلحہ، سعد، عبد الرحمان، ابو حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

البدایۃ میں ہے کہ یہ سیاق عجیب ہے۔ اہلِ مغازی لکھتے ہیں: "حمراء الاسد کے ساتھ آپ کے ساتھ وہ سارے صحابہ کرام نکلے جنہوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی تھی۔ ان کی تعداد سات سو تھی ان میں ستر شہید ہو گئے تھے۔ بقیہ سارے صحابہ کرام عازم سفر ہوئے۔" میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ام المومنین اور اہلِ مغازی نے لکھا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ام المومنین کے فرمان کا معنی ہے کہ مذکورہ ستر نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ پھر بقیہ صحابہ کرام بھی آپ سے مل گئے۔ حافظ نے الفتح میں اس پر کوئی تنبیہ بیان نہیں کی۔

❁❁❁❁

پندرھواں باب

غزوہ بنی نضیر

اس غزوہ کے سبب میں اختلاف ہے۔عبدالرزاق،عبد بن حمید،ابو داؤد اور امام بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قریش مکہ نے ابن ابی اور اوس اور خزرج کے دیگر بت پرستوں کو لکھا۔اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔تم نے ہمارے ساتھی کو پناہ دی ہے مدینہ طیبہ میں تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہے ہم قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ یا تو ان کے ساتھ قتال کرو یا انہیں اپنے شہر سے نکال دو۔یا پھر ہم عرب کو اکٹھا کر کے تم پر حملہ آور ہو جائیں گے۔تمہارے جنگ جوؤں کے ساتھ جنگ کریں گے۔تمہاری عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر دیں گے۔'' جب ابن ابی اور دیگر بت پرستوں کو یہ خط ملا تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف پیغام بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ انہیں ملے۔آپ نے فرمایا: ''قریش نے تمہیں سخت دھمکی آمیز خط لکھا ہے۔یہ خط تمہیں کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے کہ خود کو مکر وفریب میں مبتلا کر دو اور تم اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں سے لڑنے لگو۔'' جب انہوں نے آپ کا یہ فرمان سنا تو وہ جدا جدا ہو گئے اور انہوں نے حق جان لیا۔قریش کے کفار تک یہ خبر پہنچ گئی۔انہوں نے غزوہ بدر کے بعد یہود کی طرف یہ خط لکھا۔

''تمہارے پاس اسلحہ کے انبار ہیں۔تم قلعوں کے مالک ہو۔یا تو تم ہمارے ساتھی کے ساتھ قتال کرو یا ہم تمہیں یوں یوں کر دیں گے۔کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکے گی کہ ہم تمہاری خواتین کو لونڈیاں بنائیں۔''

جب یہ خط یہود تک پہنچا تو بنو نضیر نے آپ کے ساتھ دھوکہ کرنے پر اتفاق کر لیا۔انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ تیس صحابہ کرام کے ساتھ ان کے پاس تشریف لائیں۔ہمارے تیس علماء بھی آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔وہ آپ کا کلام سنیں گے اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔'' دوسرے روز آپ اپنے تیس صحابہ کرام کے ہمراہ ان کے پاس جلوہ افروز ہو گئے۔تیس یہودی بھی آپ کی خدمت میں حاضر

ہو گئے۔جب وہ کھلے میدان میں نکلے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "تم ان پر کیسے حملہ آور ہو گے حالانکہ آپ کے ہمراہ تیس صحابہ کرام ہیں جو آپ پر جان وارنے کے لیے تیار ہیں۔"

انہوں نے آپ کی طرف یہ پیغام بھیجا: "ہم ساٹھ افراد باہم کیسے افہام و تفہیم کریں گے۔آپ تین صحابہ کرام کو لے آئیں اور ہم میں سے بھی تین علماء نکل آتے ہیں۔وہ آپ کی بات چیت سنیں گے۔" آپ تین صحابہ کرام کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ تین یہودی علماء بھی نکلے۔ان یہودیوں کے پاس خنجر تھے۔وہ حضور اکرم ﷺ پر حملہ کرنے چاہتے تھے۔بنونضیر کی ایک خیر خواہ عورت تھی۔اس نے اپنے بھائی کی طرف پیغام بھیجا۔وہ ایک انصاری مسلمان شخص تھا۔اس عورت نے اپنے بھائی کو پیغام بھیجا اور بنونضیر کے مکر کے بارے بتایا۔اس کا بھائی جلدی جلدی آیا۔اس نے حضور اکرم ﷺ کو پالیا۔ان کے حملہ آور ہونے سے قبل آپ کو آگاہ کر دیا۔حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

ابن اسحاق، ابن عمر، ابن سعد، ابن عائد اور جلیل القدر اہلِ مغازی نے لکھا ہے "حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بئرِ معونہ سے واپس تشریف لائے جب قناۃ پہنچے تو بنو عامر بن صعصعۃ میں سے دو افراد کو ملے۔حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔یہ دونوں افراد ان کے ساتھ ہی رہے جب وہ سو گئے تو انہوں نے ان پر حملہ کیا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔پھر عازم سفر ہو کر جلد ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارا واقعہ سنا دیا۔آپ نے فرمایا: "تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ان کا ہمارے ساتھ معاہدہ اور امان تھی۔" انہوں نے عرض کی: "مجھے اس معاہدہ کا علم نہ تھا۔میں انہیں مشرک سمجھتا تھا۔ ان کی قوم نے ہمارے ساتھ دغا کیا تھا۔" حضرت عمرو ان کا سامان اور کپڑے لے آئے تھے۔حضور اکرم ﷺ نے انہیں ان کا سامان اور کپڑے واپس کرنے کا حکم دیا۔آپ نے یہ چیزیں ان کی دیت کے ساتھ بھیج دیں۔بنونضیر اور بنو عامر کے مابین معاہدہ تھا۔آپ ہفتہ کے روز تشریف لے گئے۔مسجد قباء میں نماز ادا فرمائی۔مہاجرین اور انصار میں سے بعض صحابہ کرام آپ کے ہمراہ تھے۔جبکہ آپ بنونضیر کے ہاں پہنچے تو آپ کے ہمراہ دس سے بھی کم صحابہ کرام تھے۔آپ نے انہیں پایا وہ اپنی اپنی محافل میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپ بیٹھ گئے تاکہ ان کے ساتھ بات چیت کریں کہ وہ ان دو کلابیوں کی دیت ادا کرنے میں آپ کی مدد کریں۔جنہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔انہوں نے کہا: "ابوالقاسم! ہم وہی کریں گے جو آپ پسند کریں گے۔آپ ہمارے پاس تشریف لائے ہیں۔آپ بیٹھیں۔کھانا تناول فرمائیں۔آپ چلے جائیں ہم مشاورت کر کے اس امر میں آپ کی معاونت کریں گے۔جس کے لیے آپ تشریف لائے ہیں۔" حضور اکرم ﷺ ان کے گھروں میں سے ایک گھر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔یہودیوں نے باہم مشاورت کی۔حیی بن اخطب نے کہا: "اے گروہ یہود! محمد عربی ﷺ تمہارے پاس چند صحابہ کرام کے ساتھ آئے ہیں۔ان کی تعداد دس بھی نہیں۔آپ کے ہمراہ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی،

زبیر، طلحہ، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اس گھر کے اوپر سے آپ پر چکی کا پاٹ گرا دو جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں۔ آپ کو قتل کر دو۔ اس سے سنہری موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اگر آپ قتل ہو گئے تو صحابہ کرام منتشر ہو جائیں گے۔ قریش اپنے حرم میں چلے جائیں گے۔ اوس اور خزرج یہاں رہ جائیں گے۔ جو کچھ تم مدتوں سے کرنا چاہتے تھے اب اس کا وقت ہے۔" عمرو بن حجاش نے کہا: "میں اس گھر کی چھت پر چڑھتا ہوں اور آپ پر پتھر پھینک دیتا ہوں۔"

سلام بن مشکم نے کہا: "اے میری قوم! اس بار میری اطاعت کرو پھر ساری زندگی مخالفت کرتے رہنا۔ بخدا! اگر تم نے اس طرح کیا تو پھر آپ کو علم ہو جائے گا کہ ہم نے آپ کے ساتھ دغا کیا ہے۔ یہ اس معاہدہ کو توڑنا ہے جو ان کے اور ہمارے مابین ہے۔ یوں نہ کرو۔" عمرو بن حجاش نے ایک پتھر لیا تاکہ اوپر سے آپ پر پھینک کر آپ کو شہید کر دے۔ اس اثناء میں حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے انہوں نے یہود کے ارادے سے آپ کو آگاہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے اٹھے۔ گویا کہ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں۔ مدینہ طیبہ کی طرف رخ انور کیا صحابہ کرام بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔

عبد بن حمید نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ابھی یہود اسی حالت پر تھے کہ ایک یہودی مدینہ طیبہ سے آیا۔ جب اس نے اپنے ساتھیوں کو باہم مشاورت کرتے سنا تو اس نے کہا: "تم کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم چاہتے ہیں کہ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں اور آپ کے صحابہ کرام کو گرفتار کر لیں۔" اس نے پوچھا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو قریب ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔" ان کے ساتھی نے انہیں کہا: "میں نے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ مدینہ طیبہ داخل ہو رہے تھے۔" وہ ششدر رہ گئے۔ جب کافی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لائے اور نہ ہی آپ کے بارے کچھ خبر ملی تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اب ہمیں یہاں ٹھہرنے کا فائدہ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔" وہ آپ کی جستجو کے لیے نکلے حیی بن اخطب نے کہا: "ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جلدی کی ہے۔ ہم آپ کی ضرورت پوری کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی ضیافت کرنا چاہتے تھے۔" یہودی اپنے اس عمل پر شرمندہ تھے۔ کنانہ بن صویراء نے انہیں کہا" کیا تم جانتے ہو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں اٹھ کر چلے گئے۔" یہودی: "نہیں بخدا! ہم نہیں جانتے۔ کیا تو جانتا ہے؟" اس نے کہا: "تورات کی قسم! میں جانتا ہوں۔ ہم نے ان کے ساتھ جو دغا کرنے کی ساز باز کی تھی اس کی انہیں خبر ہو گئی ہے خود کو دھوکہ نہ دو۔ بخدا! وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ وہ صرف اس لیے اٹھ کر گئے ہیں کہ انہیں ہمارے ارادوں کی خبر مل گئی ہے وہ آخری نبی ہیں تم طمع کرتے تھے کہ وہ نبی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو۔ رب تعالیٰ جہاں چاہتا ہے رسالت رکھتا ہے۔ ہم نے تورات میں جو دروس پڑھے ہیں جو تبدیل نہیں ہوئے ان میں ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔

یثرب کی طرف ہجرت کریں گے۔" ان کے اوصافِ حمیدہ وہی ہیں جو ہماری کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم یہاں سے کوچ کر رہے ہو۔ تمہارے بچے چلا رہے ہیں۔ تم اپنے گھر اور اموال چھوڑے جا رہے ہو۔ دو باتوں میں میری اتباع کرلو۔ تیسری میں کوئی بھلائی نہیں۔" یہودیوں نے پوچھا: "وہ دو کون سی ہیں؟" اس نے کہا: "تم اسلام قبول کرلو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارے اموال اور بچے امن میں ہو جائیں گے۔ تم ان کے معزز صحابہ کرام بن جاؤ گے۔ تمہارے اموال تمہارے پاس ہی رہیں گے۔" انہوں نے کہا: "ہم تورات اور حضرت موسیٰ کے عہد کو نہیں چھوڑ سکتے۔" اس نے کہا: "وہ تمہاری طرف یہ پیغام بھیج رہے ہیں: "میرے شہر سے نکل جاؤ۔ تم انہیں ہاں کہہ دو۔ تمہارے مال اور خون حلال نہ ہوں گے۔ تمہارے اموال تمہارے پاس ہی رہیں گے۔ اگر چاہو تو انہیں بیچ دینا۔ اگر چاہو تو انہیں اپنے پاس رکھ لینا۔" انہوں نے کہا: "یہ عمدہ مشورہ ہے۔" سلام بن شکم نے کہا: "جو کچھ تم نے کہا ہے میں تو پہلے ہی اسے ناپسند کرتا تھا۔ وہ ہماری طرف یہ پیغام بھیجنے لگے ہیں کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ اے حیی! ان کی بات کا انکار نہ کرنا۔ عازمِ سفر ہو جانا۔ ان کے شہروں سے نکل جانا۔" حیی نے کہا: "میں اسی طرح کروں گا۔"

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کے صحابہ کرام بھی آپ کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ انہیں مدینہ طیبہ سے باہر ایک شخص ملا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: "کیا تو نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! میں نے "ابحر" کے مقام پر آپ کو دیکھا ہے آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے۔" جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ وہیں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا تھا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اٹھ کر چلے آئے ہمیں علم نہ ہوا۔" آپ نے فرمایا: "یہودی میرے ساتھ دھوکا کرنا چاہتے تھے۔ رب تعالیٰ نے مجھے بتا دیا۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

(المائدہ:۱۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی۔ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔"

حضرت محمد بن مسلمہ کا یہود کے پاس جانا اور ان کا آپ کی رسالت کا اعتراف کرنا

جب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''بنونضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ۔ انہیں کہو: ''مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم میرے شہر سے نکل جاؤ۔'' وہ یہودیوں کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے لیکن میں اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ میں تمہارے سامنے اس امر کا تذکرہ کروں گا جس کو تم اپنی محافل میں سرعام یاد کرتے ہو۔'' یہودی: ''وہ کیا امر ہے؟'' حضرت محمد بن مسلمہ: ''میں تمہیں اس تورات کا واسطہ دیتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر نازل کیا۔ کیا تم جانتے ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل میں تمہارے پاس آیا تھا۔ تم نے اپنے سامنے تورات کھول رکھی تھی۔ تم نے مجھے اس محفل میں کہا تھا'' اے ابن مسلمہ! اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں کھانا پیش کریں تو ہم تمہیں کھانا پیش کرتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں یہودی بنائیں تو ہم تم کو یہودی بنا دیتے ہیں۔'' میں نے کہا تھا: ''مجھے کھانا کھلاؤ۔ مجھے یہودی نہ بناؤ۔ بخدا! میں کبھی بھی یہودی نہیں بنوں گا تم نے مجھے ایک ٹرے میں کھانا دیا۔ تم نے مجھے کہا تھا: ''تم صرف یہ دین اس لیے قبول نہیں کرتے کہ یہ یہودیوں کا مذہب ہے گویا تم نے اس حنفیت کا عزم کرلیا ہے جس کے بارے تم نے سن رکھا ہے۔ ابوعامر راہب تو وہ نہیں ہے۔ اب تمہارے پاس وہ ہستی پاک آگئی ہے جو مسکرانے والی ہے۔ جو جنگ کرنے والی ہے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہے۔ وہ یمن کی طرف سے آئیں گے۔ وہ اونٹ پر سواری کریں گے چادر پہنیں گے وہ روٹی کا ٹکڑا توڑیں گے۔ ان کی تلوار ان کے کندھے پر ہوگی۔ وہ حکمت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ گویا کہ تمہاری باہم رشتہ داری یہی ہے۔ بخدا! وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری اس بستی میں جلوہ افروز ہو چکے ہیں۔ آپ جہاد کر رہے ہیں اور دشمنانِ خدا کو تہ تیغ کر رہے ہیں۔'' یہودیوں نے کہا: ''ہاں! ہم یوں کہتے تھے لیکن یہ وہ نبی نہیں ہیں۔'' حضرت محمد بن مسلمۃ نے کہا: ''میں اپنے پیغام سے فارغ ہو چکا ہوں۔ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے۔ آپ تم سے فرما رہے ہیں: ''تم نے وہ معاہدہ توڑ دیا ہے جسے میں نے تمہارے لیے قائم کیا تھا۔ کیونکہ تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔'' حضرت محمد بن مسلمہ نے یہودیوں کو سارا واقعہ سنایا جو انہوں نے ارادہ کیا تھا۔ عمرو بن جحاش کیسے چھت پر چڑھا تاکہ آپ پر پتھر گرا دے۔'' یہ سن کر انہیں سانپ سونگھ گیا۔ وہ ایک حرف تک نہ بول سکے۔ آپ نے فرمایا ہے: ''تم میرے شہر سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد جو ادھر آگیا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔'' انہوں نے کہا: ''ابن مسلمہ! ہمارا خیال تھا کہ یہ پیغام اوس میں سے کسی شخص کے علاوہ کوئی اور لے کر آتا۔'' حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا: ''اب دل تبدیل ہو چکے ہیں۔''

ان ایام میں یہودی تیاری کرتے رہے۔انہوں نے اپنی سواریاں ذی جدر کے مقام پر بھیج رکھی تھی۔وہاں چرا کرتی تھیں۔انہوں نے بنو اشجع سے کرائے پر اونٹ لیے اور بھرپور انداز میں روانگی کی تیاری کر لی۔

عبداللہ بن ابی کا یہودیوں کو پیغام

یہودی اپنی تیاری میں مصروف تھے کہ ان کے پاس ابن ابی کا پیغام آیا۔سوید اور داعس یہ پیغام لے کر آئے کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے''اپنے گھروں سے نہ نکلو۔اپنے اموال نہ چھوڑو۔اپنے قلعوں میں ٹھہرے رہو۔میرے پاس اپنی قوم اور دیگر اہلِ عرب کے دو ہزار جوان موجود ہیں۔وہ تمہارے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہو جائیں گے۔ان کا آخری شخص مر جائے گا لیکن مسلمانوں کو تم تک نہ پہنچنے دے گا۔بنو قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔تمہیں رسوا نہیں کریں گے۔بنو غطفان میں سے تمہارے حلیف بھی تمہاری مدد کریں گے۔''ابن ابی نے کعب بن اسد القرظی کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرے۔اس نے کہا:''ہم میں سے ایک شخص بھی یہ معاہدہ توڑنے پر راضی نہیں۔''

ابن ابی بنو قریظہ سے مایوس ہو گیا۔وہ حضور اکرم ﷺ اور یہود کے درمیان معاملات کو شدید کرنا چاہتا تھا۔وہ لگا تار حیی کی طرف پیغام بھیجتا رہا۔حیی نے کہا:''میں محمد عربی ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیج رہا ہوں کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے۔ہم اپنے اموال نہیں چھوڑیں گے۔وہ جو چاہیں کریں۔''حیی ابن ابی کی باتوں میں آ گیا۔سلام بن شکم نے حیی سے کہا:''حیی! تیرے نفس نے تجھے دھوکہ دے رکھا ہے۔اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تیری رائے کو احمق سمجھا جائے گا تو میں اپنے اطاعت گزار یہودیوں کے ساتھ تجھے چھوڑ دیتا۔حیی! اس طرح نہ کر۔بخدا! تو بھی جانتا ہے اور تیرے ساتھ ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ان کے اوصاف ہمارے ہاں موجود ہیں۔اگر ہم آپ کی اتباع نہ کریں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان سے حسد کرتے ہیں۔کیونکہ نبوت بنو ہارون سے نکل چکی ہے۔آؤ ہم ان کے عطا کردہ امن کو قبول کر لیں۔ہم ان کے شہروں سے نکل جائیں تو یہ بھی جانتا ہے کہ تو نے ان کے ساتھ دھوکہ کرنے میں میری مخالفت کی ہے۔جب پھل پک جائیں گے تو ہم آئیں گے۔یا ہم میں سے ایک اپنے پھل کے پاس آئے گا۔اسے فروخت کر دے گا۔یا اس کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا۔پھر ہمارے پاس آ جائے گا تو پھر گویا کہ ہم اپنے شہروں سے نکلے ہی نہیں کیونکہ ہمارے اموال ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ہماری قوم پر ہمارا شرف ہمارے اموال اور افعال کی وجہ سے ہے۔جب اموال چلے جائیں گے تو پھر ہم ذلت اور کنگالی میں دوسرے یہودی کی طرح ہو جائیں گے اگر محمد عربی ﷺ ہماری طرف آئے اور اگر انہوں نے ایک دن بھی ہمارے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا پھر وہ اس پیغام کو قبول نہیں کریں گے جو انہوں نے ابھی بھیجا ہے۔وہ اس کو قبول

نہیں کریں گے۔ وہ اس کا انکار کر دیں گے۔"

حیی بن اخطب نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس وقت ہمارا محاصرہ کریں گے جب انہیں موقع ملے گا ورنہ وہ واپس چلے جائیں گے۔ ابن ابی نے بھی میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ جیسے کہ تو نے دیکھا ہے۔"

سلام نے کہا: "ابن ابی کے قول کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ تو تجھے ہلاکت کے گڑھے میں پھینکنا چاہتا ہے تاکہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اور تجھے چھوڑ دے گا۔ اس نے کعب سے مدد مانگی تھی مگر کعب نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ بنو قریظہ کا ایک شخص بھی اس عہد کو توڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ابن ابی نے اپنے حلیف بنو قینقاع کے ساتھ بھی اسی طرح کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے بھی جنگ کرنے کی کوشش کی عہد کو پس پشت ڈالا خود کو اپنے قلعوں میں محصور کر دیا۔ وہ ابن ابی کی مدد کا انتظار کرتے رہے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر جرار سمیت ان کی طرف گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ ان کا حکم ماننے پر مجبور ہو گئے۔ ابن ابی نے تو اپنے حلیفوں کی مدد نہیں کی تھی ہم نے تو اپنی تلواروں کے ساتھ اوس کے ہمراہ اس کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی ہے اب تو جنگوں کا وہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا چکے ہیں اور یہ جنگ کی آگ ختم ہو چکی ہے۔ ابن ابی نہ یہودی ہے نہ مسلمان ہے۔ نہ ہی اپنی قوم کے دین پر ہے ہم اس کی بات کیسے قبول کر لیں۔"

حیی نے کہا: "میرا نفس تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت ہی کرتا رہے گا ان کے ساتھ قتال ہی کرتا رہے گا۔" سلام نے کہا: "پھر تو ہم اپنی سرزمین سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ ہمارے اموال اور شرف ختم ہو جائے گا۔ ہمارے بچے قیدی بن جائیں گے وہ ہمارے ساتھ جنگ کریں گے۔" مگر حیی نے انکار کر دیا سوائے اس کے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرے گا۔ساموک بن ابی الحقیق ان کے ہاں عقل و دانش میں کم سمجھا جاتا تھا۔ اسے جنون تھا اس نے کہا: "اے حیی! تو ایک منحوس شخص ہے تو بنو نضیر کو تباہ کر دے گا۔" حیی غصے میں آ گیا۔ اس نے کہا: "بنو نضیر کے سارے افراد نے میرے ساتھ گفتگو کی ہے حتیٰ کہ اس پاگل نے بھی" ساموک کے بھائیوں نے اسے مارا۔ انہوں نے حیی سے کہا: "ہم تیرے تابع ہیں ہم تیری مخالفت نہیں کریں گے۔"

حیی نے اپنے بھائی جدی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے کہا: "ہم اپنے شہروں سے نہیں نکلیں گے۔ اپنے اموال کو نہیں چھوڑیں گے۔ آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔" اس نے اسے حکم دیا کہ وہ ابن ابی کے پاس جائے اور اسے بتائے کہ حیی نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیج دیا ہے نیز اسے کہے کہ وہ اپنی مدد جلدی بھیجے۔

جدی روانہ ہوا پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ

بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے آپ کو حیی کا پیغام دیا۔حضور اکرم ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔آپ کے نعرہ کے جواب میں مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔آپ نے فرمایا: "اب یہود سے جنگ ہوگی۔"

جدی وہاں سے روانہ ہوا۔ابن ابی کے پاس آیا۔وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے پاس اس کے چند حلیف بیٹھے ہوئے تھے۔حضور اکرم ﷺ کا منادی اعلان کر رہا تھا۔وہ مسلمانوں کو بنونضیر کی طرف جانے کا حکم دے رہا تھا۔حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ اپنے باپ ابن ابی کے پاس آئے وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔اس کے پاس جدی بھی تھا۔انہوں نے اپنی زرہ پہنی تلوار لی اور بھاگتے ہوئے نکل آئے۔

جدی نے کہا: "جب میں نے ابن ابی کو دیکھا جو اپنے گھر کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے نور نظر کے ہتھیار سجائے میں اس سے اور اس کی مدد سے مایوس ہو گیا۔میں حیی کی طرف بھاگتا ہوا آیا۔اس نے پوچھا: "کیا خبر لائے ہو؟" اس نے کہا: "شر۔جب میں نے محمد عربی ﷺ کو تیرا پیغام دیا۔انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔انہوں نے کہا: "اب یہودیوں سے جنگ ہوگی۔" میں ابن ابی کے پاس آیا سارے حالات بتائے۔اس وقت محمد عربی ﷺ کا منادی بنونضیر کی طرف جانے کا اعلان کر رہا تھا۔" حیی نے کہا: "ابن ابی نے تجھے کیا پیغام دیا ہے؟" جدی: "مجھے تو اس کے پاس خیر نظر نہیں آئی۔اس نے کہا: "میں بنو غطفان میں سے اپنے حلفاء کو پیغام بھیجنے لگا ہوں وہ تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہو جائیں گے۔"

حضور اکرم ﷺ کی بنونضیر کی طرف روانگی

سرورِ عالم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنونضیر کی طرف تشریف لے گئے۔مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔آپ نے اپنے ہمراہ غرب لکڑی کا قبہ لیا اس پر چادریں لٹکائی گئیں تھیں آپ نے اسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔آپ نے بنونضیر کے کھلے میدان میں نمازِ عصر ادا کی۔جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو دیکھا تو اپنے قلعوں کی دیواروں پر کھڑے ہو گئے۔ان کے پاس تیر اور پتھر تھے۔بنو قریظہ نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔انہوں نے نہ تو ہتھیاروں اور نہ ہی آدمیوں کے ساتھ ان کی مدد کی تھی نہ ہی ان کے قریب گئے تھے۔بنونضیر اس روز پتھر اور تیر برساتے رہے۔حضور اکرم ﷺ کے صحابہ آپ کے پاس آ گئے۔آپ نے نمازِ عشاء ادا کی۔اپنے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کاشانۂ اقدس میں آ گئے۔آپ نے زرہ پہن رکھی تھی۔آپ گھوڑے پر سوار تھے۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر مقرر کیا۔دوسری روایت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔مسلمانوں نے تا دمِ صبح ان کا محاصرہ کیے رکھا۔وہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذانِ صبح دی۔حضور ﷺ صحابہ کرام کو لے کر بنونضیر کے میدان میں چلے گئے۔

وہاں صحابہ کرام کو نمازِ صبح پڑھائی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس چھوٹی سی مسجد کے پاس آپ کا خیمہ لگا دیا جو بنو خطمہ کے میدان میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خیمہ میں تشریف لے گئے۔

ایک یہودی تھا جس کا نام عزوک تھا۔ وہ بڑا تیر انداز تھا وہ تیر پھینک رہا تھا۔ اس کے تیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے تک پہنچ رہے تھے۔ آپ نے حکم دیا تو خیمہ مبارکہ کو مسجد الفضیخ کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ وہ تیر کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ رات ہو گئی۔ نہ ابن ابی بنو نضیر کے قریب آیا نہ ہی اس کا کوئی حلیف آیا۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ بنو نضیر اس کی نصرت سے مایوس ہو چکے تھے۔ سلام بن مشکم اور کنانہ بن صوریاء حیی سے کہنے لگے: ''ابن ابی کی وہ نصرت کہاں ہے؟ جو تو گمان کرتا تھا۔'' حیی نے کہا: ''اب میں کیا کروں۔ یہ ہلاکت ہے جو ہمارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔''

حضور اکرم، سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ ایک رات عشاء کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ صحابہ کرام نے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نظر نہیں آ رہے۔'' آپ نے فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔ وہ تمہارے ہی کسی کام گئے ہیں۔'' تھوڑی مدت بعد ہی وہ عزوک کا سر لے کر حاضر ہو گئے۔ وہ کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں سے دھوکہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک بہادر اور ماہر تیر انداز تھا۔ حضرت علی نے اس پر حملہ کیا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ حضرت ابو دجانہ، حضرت سہل بن حنیف اور دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا تھا۔ انہوں نے ان یہودیوں کو پالیا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے انہیں قتل کیا اور ان کے سر کسی کنویں میں پھینک دیے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے کھجوریں بھیجتے تھے۔

کھجوریں کاٹنے کا حکم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کی کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ابولیلی مازنی اور حضرت عبداللہ بن سلام کو کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ابولیلی عجوہ کھجوریں کاٹ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام لون کھجوریں کاٹ رہے تھے۔ حضرت ابولیلی نے کہا: ''عجوہ کاٹنے سے انہیں زیادہ اذیت ہوگی۔'' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: ''مجھے علم ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ یہ کھجوریں آپ کو بطور غنیمت عطا فرمائے گا۔ عجوہ ان کی بہترین کھجور ہے۔'' جب عجوہ کھجوریں کاٹی گئیں تو یہودی عورتوں نے اپنے گریبان چاک کر دیے۔ رخسار پیٹ ڈالے۔ ہائے ہلاکت پکارا۔ سلام بن مشکم کہنے لگا: ''حیی! العذق کھجور عجوہ سے بہترین ہے۔ جب اسے لگایا جائے تو تیس سال تک یہ پھل نہیں دیتی۔ اسے بھی کاٹا جا رہا ہے۔'' حیی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا: ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ تو فساد سے منع کرتے ہیں۔ پھر یہ کھجوریں کیوں کاٹ

رہے ہیں؟'' بعض مسلمانوں نے ان کے اس قول کی وجہ سے دلوں میں کچھ تردد محسوس کیا۔انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ فساد ہی نہ ہو۔انہوں نے کہا:''ان کو نہ کاٹو۔بعض نے کہا:''بلکہ!ہم انہیں کاٹیں گے تاکہ انہیں آتش غیظ میں جلائیں۔''

حیی نے حضور اکرم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا۔''ہم آپ کو وہ کچھ پیش کرتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں۔آپ کے شہر سے بھی نکل جاتے ہیں۔''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''نہیں!آج مجھے یہ شرط قبول نہیں۔بلکہ تم یہاں سے نکلو تمہیں ایک اونٹ کا سامان لے جانے کی اجازت ہے سوائے اسلحہ کے۔''سلام بن مشکم نے کہا:''حیی!تیرے لیے ہلاکت!یہ قبول کر لے۔ایسا نہ ہو کہ تجھے اس سے بھی زیادہ شر قبول کرنا پڑے۔''حیی نے کہا:''اس سے زیادہ شر کیا ہو سکتا ہے۔''سلام نے کہا:''اولاد کو قیدی بنالیا جائے۔جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے۔اموال لے لیے جائیں۔صرف اموال دینا ہمارے لیے آسان ہے۔''ایک یا دو دن تک حیی تردد کا شکار رہا جب یامین بن عمیر اور ابوسعد بن وھب نے یہ دیکھا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:''بخدا!تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ہم کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ہم اسلام لے آئیں ہم اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں۔''وہ رات کے اندھیرے میں اترے۔دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے اپنے اموال اور خون محفوظ کر لیے۔پھر یہودیوں نے یہ شرط مان لی کہ وہ ایک اونٹ کا سامان لے جا سکتے ہیں۔سوائے اسلحہ کے۔حضرت یامین نے بنو قیس میں سے ایک شخص کو دس دینار دیے یا پانچ وسق کھجوریں دیں تاکہ وہ عمرو بن حجاش کو دھوکہ سے قتل کر دے۔اس کے قتل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ بہت مسرور ہوئے۔

محمد بن عمر،ابن سعد،بلاذری،ابومعشر اور ابن حبان نے لکھا ہے کہ آپ نے پندرہ روز بنونضیر کا محاصرہ کیا۔ابن اسحاق اور ابوعمرو نے یہ مدت سات راتیں لکھی ہیں۔سلیمان تیمی نے تقریباً بیس راتیں لکھی ہیں۔ابن الکلاع نے تیئیس راتیں لکھی ہیں۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مدت پچیس روز منقول ہے۔حتیٰ کہ آپ نے انہیں جلاوطن کر دیا۔جلاوطنی کی نگرانی حضرت محمد بن مسلمہ کو سونپی گئی۔یہودیوں نے کہا:''ہمارے لوگوں پر مقررہ مدت تک قرضے ہیں۔''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:''جلدی لے لو اور کچھ کم کر دو۔''ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیس دینار لینے تھے۔اس نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ ان سے صرف راس المال اسی دینار لے گا۔بقیہ ان سے باطل کر دیے۔محاصرہ کے ایام میں ان کے جو گھر ان کے قریب تر تھے وہ انہیں گرا رہے تھے۔مسلمان ان کے وہ گھر گرا رہے تھے جو ان کے قریب تھے۔حتیٰ کہ صلح واقع ہو گئی۔

بنونضیر کی جلاوطنی

جب یہودی جلاوطن ہوئے تو انہوں نے اپنی خواتین اور اولاد کو اونٹوں پر سوار کیا۔ اتنا سامان لدا جو ایک اونٹ اٹھا سکتا تھا۔ ایک شخص اپنے گھر کی دہلیزیں بھی اکھیڑ رہا تھا۔ انہوں نے بہت زیادہ اوچھے پن کا اظہار کیا۔ وہ بحارث بن خزرج کے علاقے سے نکلے پھر جلبیہ پر چلے پھر جر پر روانہ ہوئے۔ پھر عید گاہ سے گزرے۔ پھر مدینہ طیبہ کے بازار سے نکلے۔ ان کی عورتیں ھودجوں پر سوار تھیں۔ انہوں نے دیباج اور ریشم کے لباس پہن رکھے تھے۔ انہوں نے سبز اور سرخ مخمل کی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ سونے اور چاندی کے زیورات پہن رکھے تھے۔ ان پر زعفرانی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ابو رافع نے اونٹ کی جلد بلند کی۔ اور کہا: "یہ چیزیں تو ہم نے زندگی کے نشیب و فراز کے لیے جمع کر رکھی تھیں۔ جو نخلستان ہم چھوڑے جا رہے ہیں ان سے بہتر نخلستان خیبر میں ہمارے منتظر ہیں۔"

وہ اس طرح گزرے کہ ان کے ہمراہ دف اور مزامیر تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے لونڈی گا رہی تھیں۔ لوگوں نے انہیں دیکھنے کے لیے صفیں بنالیں۔ وہ قطار در قطار گزرنے لگے۔ چھ سو اونٹوں پر ان کا سامان لدا ہوا تھا۔ ان کے چلے جانے کی وجہ سے منافقین بہت غمزدہ تھے۔ ان میں سے اکثریت خیبر چلی گئی۔ ان میں حیی، سلام، کنانہ بن سویراء اور ان کے اہلِ خانہ بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک گروہ شام چلا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اموال اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ اس مال کا خمس نہیں نکالیں گے۔ جو آپ کو ملا ہے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں! میں اسے ایسی چیز بنادوں گا جسے رب تعالیٰ نے مومنین کو چھوڑ کر صرف میرے ساتھ مختص کیا ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔ (الحشر: ۷)

ترجمہ: "جو مال پلٹا دیا ہے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے۔"

بنونضیر کا مال حضور اکرم ﷺ کے لیے مختص تھا۔ آپ نے اسے اپنے حوادث کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ اس میں سے اپنے اہل بیت کے لیے خرچ کرتے تھے۔ یہ آپ کے لیے مختص تھا۔ جسے چاہتے نواز دیتے جس سے چاہتے روک لیتے۔ کھجوروں کے نیچے آپ کاشت کاری فرماتے تھے۔ اپنے اہلِ خانہ کے لیے ایک سال کا خرچہ جو اور کھجوریں رکھ لیتے تھے۔ یہ خرچہ آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنو عبد المطلب کے لیے رکھتے تھے۔ بقیہ مال سے گھوڑے اور اسلحہ خرید لیتے تھے۔

جب حضور اکرم ﷺ بنو عمرو بن عوف سے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو مہاجرین بھی آپ کے ساتھ ہی تشریف لے

آئے۔ انصار ان کے لیے مقابلہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے مابین قرعہ اندازی ہونے لگی۔ جس کے نام قرعہ نکل آتا وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ مہاجرین انصار کے گھروں اور اموال میں تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غزوہ میں اموال ملے تو آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا: "میرے لیے اپنی قوم کو بلاؤ۔" حضرت ثابت نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم صرف خزرج کو۔" آپ نے فرمایا: "سارے انصار کو۔" انہوں نے اوس اور خزرج کو بلایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ گفتگو کی۔ پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر انصار کے ان احسانات کا تذکرہ کیا جو انہوں نے مہاجرین کے ساتھ کیے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور انہیں اپنے آپ پر ترجیح دی۔ پھر فرمایا: "اگر تم پسند کرو تو میں بنونضیر سے حاصل ہونے والا مال فئے تم میں اور مہاجرین میں برابر تقسیم کر دیتا ہوں۔ مہاجرین حسب سابق تمہارے گھروں اور اموال میں رہیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو یہ اموال میں مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ وہ تمہارے گھروں میں سے چلے جائیں گے۔" حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ یہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیں۔ وہ پہلے کی طرح ہمارے گھروں میں ہی رونق افروز رہیں۔" انصار نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارا سر تسلیم خم ہے اور ہم راضی ہیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی: "مولا! انصار اور انصار کی اولاد پر رحم فرما۔"

آپ نے مال فئے تقسیم فرمایا۔ یہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرمائے۔ انصار میں سے کسی کو کچھ نہ دیا۔ صرف دو صحابہ کرام حضرات سہل بن حنیف اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہما کو حصہ دیا۔ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ابوالحقیق کی تلوار عطا کی۔ اس کی تلوار ان کے ہاں معروف تھی۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: "تمہارے بھائیوں مہاجرین کے پاس اموال نہیں ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو میں یہ اموال تمہارے اور مہاجرین کے مابین برابر برابر تقسیم کر دیتا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو اپنے اموال تم اپنے پاس رکھو اور میں یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہو۔ انصار نے عرض کی: "آپ یہ اموال بھی ان میں تقسیم کر دیں اور ہمارے اموال میں سے جو چاہیں ان میں تقسیم کر دیں۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ (الحشر: ۹)

ترجمہ: "اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔"

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے بخدا! ہماری اور تمہاری مثال اسی طرح ہے جس طرح غنوی نے کہا ہے:

جزی اللہ عنا جعفرًا حین ازلقت بنا نعلنا الواطئین فزلّت

ابوان یملّونا و لو امنا تلاقی الذی یلقون مناظلّت

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جعفر کو جزائے خیر دے جبکہ چلنے والوں میں ہمارے پاؤں پھسل رہے تھے اور لرز رہے تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ہم سے اکتائیں اگر ان حالات کا ہماری ماں کو سامنا کرنا پڑتا جن کا سامنا انہیں کرنا پڑا تو وہ ہم سے اکتا جاتیں۔''

عمرو بن سعدی یہودی کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے مکالمہ

محمد بن عمر نے ابراہیم بن جعفر سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ''جب بنونضیر مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہو گئے۔ تو عمرو بن سعدی آیا۔ اس نے ان کے گھروں کا چکر لگایا۔ کھنڈرات دیکھے غور و فکر کیا۔ پھر وہ بنوقریظہ کے پاس گیا وہ اپنے کنیسہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے ان کا بگل بجایا۔ یہودی جمع ہو گئے۔ زبیر بن باطا القرظی نے کہا: ''ابوسعید! تم آج تک کہاں رہے؟ میں نے تمہیں نہیں دیکھا'' وہ کنیسہ سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یہودیت کے مطابق عبادت کرتا تھا۔ اس نے کہا: ''آج میں نے عبرت افروز امور دیکھے ہیں۔ میں نے اپنے بھائیوں کے گھروں کو خالی دیکھا ہے۔ حالانکہ وہاں عزت، مضبوطی، شرف اور عقل و دانش تھی۔ انہوں نے اپنے اموال ترک کر دیے تھے۔ دیگر لوگ ان کے مالک بن چکے تھے۔ وہ ذلت کے ساتھ جلاوطن ہوئے۔ بخدا! یہ امور کسی قوم پر مسلط نہ کیے گئے۔ اس سے قبل ابن اشرف کے ساتھ بھی عبرت انگیز سلوک ہوا۔ حالانکہ وہ اپنے گھروں میں امن کے ساتھ تھا۔ اس طرح ابن سفینہ کے ساتھ ہوا۔ وہ یہود کا سردار تھا۔ ان میں معزز اور مضبوط تھا۔ بنوقینقاع کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا۔ انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ یہود میں سے سب سے زیادہ کوشش کرنے والے تھے۔ ان کے پاس سامان اسلحہ اور شرف کی فراوانی تھی۔ انہوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ کسی انسان نے سر تک نہ نکالا حتیٰ کہ انہوں نے انہیں قیدی بنا لیا۔ ان کے بارے گفتگو کی گئی تو انہوں نے انہیں اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اے میری قوم! تم نے وہ کچھ دیکھ لیا جو دیکھا۔ تم میری اتباع کرلو۔ آؤ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر لیتے ہیں۔ بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ ہمارے علماء نے ان کے بارے خوشخبریاں دیں تھیں۔ ان کے آخری علماء ابوعمیر ابن الھیبان اور ابن جواس تھے۔ وہ سارے یہودیوں سے زیادہ عالم تھے۔ وہ بیت المقدس سے ہمارے پاس آتے۔ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ انہوں نے ہمیں آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ ہم ان کی طرف سے آپ کو سلام دیں۔ پھر وہ اپنے دین پر مر گئے۔ وہ ہماری اس

سنگلاخ چٹانوں میں مدفون ہوئے۔" یہ سن کر ساری قوم پر سکتہ طاری ہوگیا کوئی بھی کلام نہ کرسکا۔ اس نے اپنا کلام دہرایا۔ انہیں جنگ، قید اور جلاوطنی سے ڈرایا۔

زبیر بن باطا نے کہا: "تورات کی قسم! میں نے تورات میں ان کے اوصاف پڑھے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس مثانی میں ان کا تذکرہ نہیں جو اس نے ہمیں بیان کیں ہیں۔" کعب بن اسد نے کہا: "اے ابوعبدالرحمان! تم ان کی اتباع کیوں نہیں کر لیتے؟" اس نے کہا: "سب سے بڑی رکاوٹ تم ہو۔ اے کعب!" کعب: "کیوں۔ تورات کی قسم میں کبھی تمہارے اور ان کے مابین حائل تو نہیں ہوا۔" زبیر نے کہا: "تم ہمارے معاہدے کرتے ہو۔ اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو ہم ان کی اتباع کریں گے اگر تم انکار کرو گے تو ہم بھی انکار کر دیں گے۔"

عمرو بن سعدی نے کعب کی طرف توجہ کی اور کہا: "وہ تورات جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر طور سینا کے دن نازل ہوئی۔ وہ دنیا میں عزت و شرف کا باعث ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں۔ وہ اور ان کی امت ان کے ساتھ ہی جنت میں جائے گی۔" کعب نے کہا: "ہم اپنے معاہدہ پر برقرار ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے عہد کو نہیں توڑیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حیی کیا کرتا ہے۔ اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ نکال دیا گیا ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ اسے قرار نصیب ہو حتیٰ کہ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہو جائے۔ اگر وہ ان پر فتح یاب ہوگیا تو ہمارا ارادہ بھی یہی ہے۔ ہم اپنے دین پر ٹھہرے رہیں گے۔ اگر وہ حیی پر فتح یاب ہو گئے تو پھر زندگی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ ہم ان کی پناہ سے رخ پھیر لیں گے۔" عمرو بن سعدی نے کہا: "ہم امر کو مؤخر کیوں کر رہے ہیں حالانکہ وہ توجہ فرمائیں۔" کعب نے کہا: "اس کے اوپر کیا ہے۔ میں جب بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ارادہ کروں گا وہ مجھے ضرور جواب دیں گے۔" عمرو: "تورات کی قسم! انہیں ہم پر مدد حاصل ہے۔ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل کر ہماری طرف آئیں گے اور ہم اپنے ہی قلعوں میں پوشیدہ ہو جائیں گے جنہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے تو پھر ہم اپنے قلعوں سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ ہم ان کا حکم مان لیں گے۔ وہ ہماری گردنیں اڑا دیں گے۔" کعب: "ان کے بارے میرے پاس وہی کچھ تھا جو میں نے کہہ دیا ہے۔ میرا نفس نہیں چاہتا کہ وہ اسرائیلی کے قول کے تابع ہو۔ جو میرے لیے نہ نبوت کا فضل اور نہ کارناموں کی قدر جانتا ہو۔" عمرو: "بخدا! مجھے حیاتی کی قسم! وہ یہ سب کچھ جانتا ہے۔"

وہ اسی حالت پر تھے کہ انہیں علم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے صحن میں اتر چکے ہیں۔ اس نے کہا: "یہی بات میں تجھ سے کہتا تھا۔" کیونکہ انہوں نے وہ عہد توڑ دیا تھا۔ جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ غزوۂ خندق میں آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ عنقریب یہ تفصیل آرہی ہے۔ سورۃ الحشر کا اکثر حصہ ان کے بارے ہی نازل ہوا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: "سورۃ الحشر" انہوں

نے کہا: "اسے سورۃ النضیر بھی کہہ سکتے ہو۔" اللہ رب العزت نے فرمایا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٢﴾ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٧﴾ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ (الحشر)

ترجمہ: "اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل پائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے

قلعے بچالیں گے اللہ کے قہر سے۔ پس آیاان پر اللہ کا (قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیاان کے دلوں میں رعب۔ چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے دیدہ بینار کھنے والو۔ اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے۔ جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے ہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تا کہ اللہ رسوا کرے فاسقوں کو اور جو مال پلٹا دیئے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان کے گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے اس کے رسول کا ہے۔ اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ تا کہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے۔ تمہارے دولت مندوں کے درمیان اور رسول کریم جو تمہیں عطا فرمادیں۔ وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی راستباز لوگ ہیں (اور ان کا بھی اس مال میں حق ہے) جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) مہاجرین کی آمد سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگر چہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہلِ ایمان کے لیے اے

ہمارے رب بے شک تو رؤف و رحیم ہے۔"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بنو نضیر کی جلاوطنی اور ابن اشرف کے قتل کے بارے اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

لقد خزیتُ بغدرتها الحبُورُ   كذاك الدهر ذو صرف يُدور

ترجمہ: "یہود کے علماء اپنے دھوکہ کی وجہ سے رسواء ہو گئے۔ زمانہ اسی طرح گردش کرتا ہے وہ پھر پھر کر آتا ہے۔"

و ذٰلك انهم كفروا برب   عزيز امره امرٌ كبير

ترجمہ: "اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غالب رب تعالیٰ کا انکار کیا جس کا حکم ہر امر سے بڑا ہے۔"

و قد اوتوا معًا فهما و علما   و جاء هم من الله نذير

ترجمہ: "حالانکہ انہیں علم اور فہم اکٹھے عطا کیے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک نذیر (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی آیا۔"

نذيرٌ صادق ادّى كتابا   و آيات مبينة تنير

ترجمہ: "وہ ایک سچے نذیر ہیں انہوں نے ایک کتاب اور واضح ضوفشاں معجزات عطا کیے۔"

فقالوا ما اتيت بامر صدق   و انت بمنكرٍ منّا جدير

ترجمہ: "مگر ان یہودیوں نے کہا: 'تم سچا امر لے کر نہیں آئے۔ تم ہماری جانب سے برے سلوک کے مستحق ہو۔"

فقال بلى: لقد اديت حقّا   يصدّقنى به الفهم الخبير

ترجمہ: "آپ نے فرمایا: 'ضرور! میں نے تو حق تبلیغ ادا کر دیا ہے اس کے ساتھ سمجھدار اور آگاہ شخص میری تصدیق کرتا رہے گا۔"

فمن يتبعْه يعهد لكل رشدٍ   و من يكفر به يجز الكفور

ترجمہ: "جو شخص اس کی اتباع کرے گا ہر ہدایت کی طرف اس کی راہ نمائی ہوگی جو انکار کرے گا اسے انکار کی سزا ملے گی۔"

فلما اشربوا غدرًا و كفرًا   و جدّ بهم عن الحقِ النفورُ

ترجمہ: "جب وہ کفر اور دغا کی وجہ سے سیراب ہو گئے اور نفرت نے حق سے ان کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا۔"

ارى الله النبىّ براى صدقٍ   و كان الله يحكم لا يجور

ترجمہ: "تو رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سچی رائے دکھائی۔ رب تعالیٰ حق فیصلہ کرتا ہے وہ ظلم

نہیں کرتا۔"

فایّدَہٗ و سلطہ علیھم　　و کان نصیرہ نعم النصیر

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے آپ کو تائید بخشی ان یہودیوں پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا۔ وہ آپ کا مددگار ہے وہ کتنا عمدہ مددگار ہے۔"

فغودرَ منھم کعبٌ صریعًا　　فزلّت بعد مصرعہٖ النضیر

ترجمہ: "یہودیوں میں سے کعب کو پچھاڑا ہوا چھوڑا گیا۔ اس کے قتل کے بعد یہودی ذلیل و رسوا ہو گئے۔"

علی الکفّین ثمّ و قد علتہ　　بایدینا مشھرۃ ذکور

ترجمہ: "نیام سے نکلی ہوئی عمدہ تلواریں ہمارے ہاتھوں میں آئیں اور پھر ہماری وجہ سے کعب پر چھا گئیں۔"

بامر محمد اذ دسّ لیلًا　　الی کعب اخا کعب یسیر

ترجمہ: "یہ سب کچھ آپ کے حکم سے ہوا۔ جب رات کے وقت آپ نے کعب کے بھائی کو کہا کہ وہ کعب کے پاس جائے۔"

فما کرہ فانزلہ بمکرٍ　　و محمودٌ اخو ثقۃ جسورٌ

ترجمہ: "اس نے مکر کیا۔ خفیہ تدبیر سے اسے نیچے اتار دیا۔ قابل بھروسہ اور طاقت ور محمود بھی اس کے ساتھ تھا۔"

فتلک بنو النضیر بدارِ سوءٍ　　اباَرھم بما اجترموا المبیر

ترجمہ: "یہ بنو نضیر تھے جو برائی کے گھر میں تھے ہلاک کرنے والے نے انہیں جرم کی سزا میں برباد کر دیا۔"

غداۃ اتاھم فی الزجف رھوًا　　رسول اللہ وھو بھم بصیر

ترجمہ: "اس روز حضور ﷺ ان کے ہاں جلوہ افروز ہوئے آپ انہیں پوری طرح دیکھ رہے تھے۔"

و غسّان الحماۃ موٗا زروہ　　علی الاعداء وھو لھم وزیر

ترجمہ: "بنو غسان آپ کے مددگار اور معاون تھے۔ وہ آپ کے دشمن کے خلاف آپ کی مدد کر رہے تھے۔"

و قال السلم و یحکم فصدُّوا　　و خالف امرھم کذبٌ وزور

ترجمہ: "آپ نے ان سے فرمایا: "تمہارے لیے ہلاکت تم صلح کر لو مگر رک گئے جھوٹ اور مکر و فریب ان کا ساتھی بن گیا۔"

فذاقوا غبّ امرھم و بالًا　　لکل ثلاثۃ منھم بعیر

ترجمہ: ''انہوں نے اپنے امر کی سزا کا مزہ چکھ لیا۔ ان کے تین افراد کے لیے ایک اونٹ تھا۔''

و اجلوا عامدین لقینقاع   و غودر منهم نخلٌ ودورُ

ترجمہ: ''وہ جلاوطن ہو گئے وہ بنو قینقاع کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنی کھجوریں اور گھر پیچھے چھوڑ گئے تھے۔''

تنبیہات

❶ النضیر۔ یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ جو عرب میں فروکش ہوا تھا۔ ان کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ ملتا تھا۔ یہ قبیلہ اس سے قبل کبھی جلاوطن نہیں ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے اس کے مقدر میں یہ جلاوطنی لکھ دی تھی۔

❷ الھدی میں ہے ''امام زہری کا گمان ہے کہ غزوہ بنو نضیر غزوۂ بدر سے چھ ماہ بعد رونما ہوا تھا۔ یہ ان کا وہم ہے۔ امام زہری نے اسے حضرت عروۃ سے روایت کیا ہے۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ امام ذھبی اور امام بیہقی نے اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے لیکن امام زہری نے لکھا ہے ''امام زہری کے ایک راوی نے اسی طرح کیا ہے۔ یہ عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ لیکن ام المومنین کا ذکر محفوظ نہیں ہے۔ اس کے بارے ابن کثیر کا کلام گزر چکا ہے۔

❸ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کی کھجوریں جلائیں اور کاٹیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (الحشر:۵)

ترجمہ: ''جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا۔''

ان ہی سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کی کھجوریں جلائیں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

و ھان علی سراۃ بنی لؤی   حریق بالبویرۃ مستطیر

ترجمہ: ''بنو لوی کے خاندان پر وہ آگ آسان ہو گئی جو ہلاکت کے ساتھ شعلہ بار تھی۔''

ابو سفیان بن حارث نے اپنے اسلام لانے سے قبل انہیں یہ جواب دیا:

ادام الله ذالك من صنيع   و حرّق فی جوانبها السعير

ستعلم اينا منها بنزه   و تعلم ای ارضينا تضير

ترجمہ: ''رب تعالیٰ اس کارنامے کو ہمیشہ برقرار رکھے اور اس کے اردگرد آگ شعلہ فشاں ہو تم عنقریب جان لو

گے کہ کون اس سے دور ہے اور تم جان لو گے کہ ہماری دو زمینوں میں سے کس پر تم ظلم کرتے ہو؟''

الحافظ نے لکھا ہے ''ان اشعار کی نسبت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف اور ابوسفیان بن حارث کا جواب مشہور ہے۔ جیسے کہ یہ صحیح میں ہے۔ ابوالفتح نے ابوعمرو الشیبانی سے لکھا ہے ''جس نے پہلا شعر لکھا تھا وہ ابوسفیان بن حارث تھے۔ انہوں نے ھان کی جگہ عز لکھا اور جس نے جواب دیا وہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ تھے۔ امام بخاری کی روایات سے یہی شبہ ہوتا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے ''میرے نزدیک صحیح اسی طرح ہے جیسے صحیح البخاری میں موجود ہے کیونکہ قریشی ہر اس شخص کی مدد کرتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا وہ اسے نصرت اور تعاون سمجھتے تھے جب اس غزوہ میں بنونضیر کو رسوائی اٹھانا پڑی تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے تا کہ قریش کو زجر و توبیخ ہو سکے کہ ان کے ساتھی کیسے رسواء ہوئے وہ لوی ہی تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار غزوۂ بنوقریظہ کے بارے کہے تھے۔ انہوں نے بنونضیر کا ذکر ویسے ہی کر دیا تھا۔ غزوۂ بنوقریظہ میں یہ سارے اشعار آرہے ہیں۔

ابوسفیان نے جواب میں کہا تھا "تعلم ای ارضینا نضیر" جو امر ترجیح دیتا ہے وہ وہی ہے جو صحیح میں ہے کیونکہ بنونضیر کی زمین انصار کی زمین کے ساتھ ہی تھی۔ جب وہ خراب ہوئی تو اس کے اثرات قرب کی زمین پر بھی پڑے۔ لیکن قریش کی زمین کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہ ان سے بہت زیادہ دور تھی۔ انہیں ان کی خرابی کی پرواہ نہ تھی۔ گویا کہ ابوسفیان کہہ رہا ہے" بنونضیر کی زمین کا خراب ہونا اور اس کا جل جانا پڑوسی کی زمین کو خراب کر دیتا ہے۔ تمہاری زمین ہی اس کے پڑوس میں ہے اسی کو نقصان ہوا ہے ہماری زمین کو نہیں۔'' اس کو اس کے برعکس پر تکلف کے ساتھ ہی محمول کیا جا سکتا ہے۔ جس نے اس مؤقف کا انکار کیا ہے اس نے اسے عجیب سمجھا ہے کہ ابوسفیان کفار کی زمین کے لیے بھی اسی طرح کے جل جانے کی دعا مانگ رہا ہو۔ "ادام الله ذالك من ضيع" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کفر کا اسم انہیں جامع تو تھا۔ لیکن دینی عداوت ان کے مابین قائم تھی۔ کیونکہ اہل کتاب اور بت پرستوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح یہ مصرعہ "و حرّق فی نواحيها السعير" اس سے مراد مدینہ طیبہ کا گرد و نواح ہے۔ یہ بھی مسلمانوں کے لیے بد دعا ہے۔

❁❁❁❁

سولہواں باب

غزوہ بدر الموعد

اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب جب غزوہ احد سے واپس آنے لگا تو اس نے بآواز بلند کہا: "آئندہ سال ہماری اور تمہاری ملاقات بدر الصفراء کے مقام پر ہوگی۔ ہم وہاں جنگ کریں گے۔" حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فرمایا اسے کہو: "ہاں! ان شاء اللہ۔" اسی پر لوگ جدا ہو گئے۔ قریش واپس آ گئے۔ انہوں نے اپنے لوگوں کو اس وعدہ کے بارے بتا دیا تھا۔ بدر الصفراء ایک میدان تھا۔ جہاں اہلِ عرب جمع ہوتے تھے۔ یہاں ایک میلہ لگتا تھا۔ جب ذوالقعدہ کی آٹھ راتیں گزر جاتی تھیں تو یہ میلہ لگتا تھا۔ جب آٹھ راتیں اور گذر جاتیں تو لوگ اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جاتے تھے۔

جوں جوں وعدہ کا وقت قریب آ رہا تھا ابوسفیان حضور اکرم ﷺ کی طرف روانہ ہونا زیادہ ناپسندیدہ تر سمجھتا جا رہا تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ اس مقررہ وقت میں آپ سے ملاقات نہ ہی ہو۔ وہ ظاہر یہی کر رہا تھا کہ وہ ایک لشکر جرار لے کر آپ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ اہلِ مدینہ تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ عرب کے گوشے گوشے میں یہ خبر پھیلا دی گئی تاکہ مسلمانوں کو خوفزدہ کیا جا سکے۔

نعیم بن مسعود الاشجعی مکہ مکرمہ آیا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ابوسفیان اور قریش مکہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ ابوسفیان نے اسے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جانے کو ناپسند کر رہا ہے۔ اس نے قحط سالی کا عذر پیش کیا۔ اس نے نعیم بن مسعود کے لیے بیس اونٹنیاں مقرر کیں۔ انہیں سہیل بن عمرو کے پاس رکھا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو اتنا پست ہمت کر دے کہ وہ اس جنگ کے لیے عازم سفر نہ ہوں۔ اس نے اسے اونٹ پر سوار کیا۔ وہ مدینہ طیبہ آیا۔ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے ابوسفیان کے لشکر کی کثرت کی ڈھینگیں ماریں۔ وہ سارے مسلمانوں کے پاس جاتا رہا۔ مسلمانوں نے نیت کر لی کہ وہ اس جنگ کے لیے عازم سفر نہیں ہوں گے۔ یہ سن کر منافقین اور یہودی خوشیاں منانے لگے۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی ﷺ اس لشکر جرار سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔" یہ خبریں آپ تک بھی پہنچ گئیں۔ آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید آپ کے ساتھ کوئی عازم سفر نہ ہو۔ حضرت سیدنا

ابو بکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی یہ افواہیں سن لیں تھیں۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا۔ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر سچی عزتوں کا تاج سجائے گا۔ ہم نے قوم کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ ہم اس کی خلاف ورزی پسند نہیں کرتے۔ وہ اسے بزدلی شمار کریں گے۔ آپ وعدہ کے مطابق تشریف لے چلیں۔ بخدا! اس میں بھلائی ہے۔" یہ جذبات سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا: "مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے۔ میں ضرور نکلوں گا خواہ میرے ساتھ ایک فرد بھی عازم سفر نہ ہو۔" اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصرت فرمائی۔ وہ سارے شیطانی وساوس کافور ہو گئے جنہوں نے انہیں مرعوب کر رکھا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی روانگی

ابن اسحاق کے مطابق آپ نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ آپ نے نیابت فرائض حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپے۔ آپ پندرہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ ان میں کئی گھوڑے بھی تھے۔ ایک گھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، ایک گھوڑا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے۔ ایک گھوڑا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے تھا۔ درج ذیل صحابہ کرام اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت ابو قتادہ۔ حضرت سعید بن زید، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت خباب بن منذر، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔

آپ نے اسلام کا علَم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ مسلمان اپنے ہمراہ سامانِ تجارت بھی لے گئے تھے انہوں نے بہت زیادہ نفع پایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے ایک دینار کے عوض ایک دینار نفع حاصل کیا۔"

ذوالقعدہ کا چاند طلوع ہوا تو مسلمان میدانِ بدر میں پہنچ چکے تھے۔ صبح میلا لگ گیا۔ مسلمان آٹھ روز تک وہیں ٹھہرے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں جلوہ افروز ہو کر ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔" مخشی بن عمرو ضمری آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ غزوہ ودان میں آپ نے اس کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میلے میں شریک لوگوں میں سے سب سے زیادہ تھے۔ اس نے عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے آنے کا مقصد صرف میلے میں شرکت کرنا ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر تو پسند کرتا ہے تو ہم اس معاہدہ کو کالعدم قرار دیتے ہیں جو ہمارے اور تیرے مابین تھا۔" مخشی نے کہا: "ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے ہاتھ آپ سے روکے رکھیں گے اور اس معاہدہ پر برقرار ہیں۔"

ابوسفیان نے قریش سے کہا: "ہم نے نعیم بن مسعود کو بھیج دیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو عازم سفر ہونے سے پست ہمت کر

دے گا۔ وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن ہم ایک یا دو راتوں کے لیے نکلیں گے۔ پھر ہم واپس آجائیں گے اگر محمد عربی ﷺ عازمِ سفر نہ ہوئے اور انہیں یہ خبر مل گئی کہ ہم عازمِ سفر ہوئے تھے تو یہ ان پر ہماری فتح ہو گی۔ اگر وہ عازمِ سفر ہو گئے تو ہم بہانہ کریں گے کہ اس سال قحط سالی کا دور دورہ ہے۔ ہم کسی شادابی کے سال عازمِ سفر ہوں گے۔" قریش نے کہا: "یہ اچھا مشورہ ہے۔" قریش عازمِ سفر ہوئے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ ان میں پچاس گھڑ سوار تھے۔ وہ الظہران کے ایک گوشے مجنہ تک پہنچے پھر ابوسفیان نے کہا: "واپس لوٹ چلو۔ ہم کسی شادابی کے سال نکلیں گے۔ جس میں جڑی بوٹیاں عام ہوں۔ جس میں اپنے جانور چرائیں اور دودھ پئیں۔ یہ قحط سالی کا دور ہے میں واپس ہونے لگا ہوں تم بھی واپس لوٹ چلو۔" اہلِ مکہ نے اس لشکر کا نام "جیش السویق" رکھا۔ وہ کہتے: "وہ تو ستو پینے کے لیے نکلے تھے۔"

معبد بن ابی معبد خزاعی میلا ختم ہونے کے بعد جلدی سے عازمِ سفر ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچے مسلمانوں کی کثیر تعداد کے بارے بتایا کہ ان کی تعداد ان سارے لوگوں سے زیادہ تھی جو اس میلا میں شریک تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کا وہ فرمان بھی سنایا جو آپ نے ضمری کو کہا تھا۔ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا: "بخدا! میں نے تجھے غزوۂ احد میں منع کیا تھا کہ تو مسلمانوں کے ساتھ وعدہ نہ کر۔ اب وہ ہم پر جرأت کر کے میدانِ بدر میں آگئے ہیں۔ ہم نے وعدہ خلافی کی ہے۔ ہمیں ناتوانی نے روک رکھا۔" قریش مکر و فریب میں لگ گئے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے سرمایہ جمع کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے اردگرد اہلِ عرب کو جنگ کی صدا دی۔ اموال جمع کیے انہوں نے اہلِ مکہ سے ٹیکس لیا۔ ہر ایک شخص ان کے پاس مال لے کر آیا۔ کسی سے ایک اوقیہ سے کم مال قبول نہ کیا۔ تاکہ جنگ خندق ہو سکے۔
حضور اکرم ﷺ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اس غزوہ کے بارے اشعار

وعدنا ابا سفیان بدرًا فلم نجد لمیعادہ صدقا وما کان وافیا

ترجمہ: "ہم نے ابوسفیان کے ساتھ مقامِ بدر پر معرکہ آزما ہونے کا وعدہ کیا لیکن ہم نے پایا کہ وہ اپنے وعدہ کا سچا نہ تھا نہ ہی وہ وعدہ ایفاء کرنے والا تھا۔"

فاقسم لو وافیتنا لقیتنا لابت ذمیما و افتقدت الموالیا

ترجمہ: "میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو ہمارے مقابلہ میں آتا اور ہمارے ساتھ جنگ کرتا تو تو اس حالت میں لوٹتا کہ تیری مذمت کی جاتی اور تو اپنے رشتہ داروں کو گم پاتا۔"

ترکنا به اوصال عتبة و ابنه　　و عمرًا باجهل ترکناه ثاویًا

ترجمہ: ''ہم نے ہی عتبہ اور اس کے بیٹے کے جوڑ جدا کیے تھے اور ابو جہل عمرو کو بھی زیر زمین کر دیا تھا۔''

عصیتم رسول الله اف لدینکم　　و امرکم السیء الذی کان غاویا

ترجمہ: ''تم نے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کی تمہارے دین کی وجہ سے تم پر افسوس! تمہارے اس برے فعل پر افسوس ہے جو گمراہ کن تھا۔''

فانی و ان عنفتمونی لقائلٌ　　فدًی لرسول الله اهلی ومالیا

ترجمہ: ''میں ضرور یہ بات کروں گا خواہ تم مجھے کتنا ہی برا کہو کہ میرے اہل و عیال اور مال سب کچھ حضور والا ﷺ پر قربان ہو جائیں۔''

اطعناه لم نعدله فینا بغیره　　شهابًا لنا فی ظلمة اللیل هادیا

ترجمہ: ''ہم نے آپ کی اطاعت کر لی ہے اور ہم کسی کو آپ کی مثال شمار نہیں کرتے آپ ظلمت بھری رات میں ایسا شہاب ہیں جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار

دعوا فلجاتِ الشام قد حال دونها　　جلادٌ کافواهِ المخاضِ الاوارِكِ

ترجمہ: ''تم اب شام کی وادیوں کو خیر آباد کہہ دو ان کے مابین ایسی تلواریں حائل ہو چکی ہیں جو اراک کے درخت کھانے والی حاملہ اونٹنیوں کی طرح ہیں۔''

بایدی رجالٍ هاجروا نحور بهم　　و انصاره حقا و ایدی الملائِكِ

ترجمہ: ''وہ تلواریں ایسے مبارک لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے ہجرت کی جو اس کے سچے انصار ہیں اور وہ تلواریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔''

اذا سلکت للغور من بطن عالج　　فقولا لها لیس الطریق هنالِك

ترجمہ: ''اے شخص! جب ریت والی زمین کے نچلے علاقے سے تو گزرے تو قریش کو بتا دینا کہ اب یہاں کوئی رستہ نہیں ہے۔''

اقمنا علی الرسِّ النزوعِ ثمانیا　　بارعن جرار عریض المبارك

ترجمہ: ''ہم نے آٹھ روز تک بدر کے اس کنوئیں پر قیام کیا جس سے ہاتھوں کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے ایسے مبارک لشکر جرار کے ساتھ جس نے وسیع جگہ گھیری ہوئی تھی۔''

بكل كميت جوزة نصف خلقه　　و قبّ طوالٍ شرفاتِ الحوارِكِ

ترجمہ: ''ہمارے ہمراہ ایسے کمیت گھوڑے تھے جن کے پیٹ ہی ان کے جسم کا نصف تھے وہ پتلی کمر والے طویل قامت اور بلند کندھوں والے تھے۔''

ترى العرفج العامِيَّ تذرى اصوله　　مناسم اخفافِ المطيِّ الرّواتك

ترجمہ: ''تم یہاں دیکھو گے کہ اس جگہ ایک سال کی اگی ہوئی عرفج گھاس ہے جس کی جڑوں کو تیز رفتار اونٹوں کے پاؤں نے اڑا دیا ہے۔''

فان نلق فى تطوافنا و التماسنا　　فرات ابن حيان يكن رهن هالك

ترجمہ: ''اگر ہمیں تلاش اور جستجو میں فرات بن حیان مل گیا تو وہ ہلاک ہونے والے کے پاس بطور رہن رکھ دیا جائے گا۔''

و ان تلق قيس ابن امرىِ القيس بعده　　يزد فى سوادٍ لونه لون حالكِ

ترجمہ: ''اور گر اس کے بعد قیس بن امرئ القیس مل گیا تو اس کی سیاہ رنگت میں مزید سیاہی کا اضافہ کر دیا جائے گا۔''

فابلغ اباسفيان عنّى رسالة　　فانك من غرّ الرجال الصّعالكِ

ترجمہ: ''تو میری طرف سے ابوسفیان کو پیغام دے دے کہ تو مفلس اور دھوکہ باز لوگوں میں سے ایک ہے۔''

تنبیہ

البدایۃ میں ہے: ''امام واقدی نے لکھا ہے کہ ذوالقعدہ کی پہلی رات حضور اکرم ﷺ اس غزوہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ یعنی چار ہجری کو۔ لیکن ابن اسحاق کا قول صحیح ہے کہ آپ اس سال ماہِ شعبان میں عازم سفر ہوئے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے بھی ماہ شعبان لکھا ہے لیکن انہوں نے تین ہجری کا قول کیا ہے۔ یہ وہم ہے۔ غزوہ احد میں انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ جبکہ غزوہ احد تین ہجری ماہ شوال میں ہوا تھا۔

❁❁❁❁

سترھواں باب

غزوہ دومۃ الجندل

اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ آپ شام کے قریب تشریف لے جائیں۔ آپ سے عرض کی گئی: "یہ علاقہ شام کے سرحدی علاقوں کے قریب ہے۔ اگر آپ اس کے قریب جائیں گے تو اس سے قیصر خوفزدہ ہو جائے گا۔" آپ سے عرض کی گئی کہ وہاں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے جو مسافروں پر ستم ڈھاتے ہیں وہ مدینہ طیبہ پر بھی حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو جہاد کی دعوت دی۔ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ایک ہزار صحابہ کرام کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ دن کے وقت آپ آرام فرماتے اور رات کے وقت سفر فرماتے تھے۔ بنو غدرہ کا ایک شخص رستہ بتانے کے لیے آپ کے ہمراہ تھا۔ اس کا نام مذکور تھا۔ وہ ایک ماہر رستہ بتانے والا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ لے کر نکلا وہ ان کے عام رستہ سے ہٹ کر گزرا۔ جب آپ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اس نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کے پاس ان کے جانور چر رہے ہیں۔ آپ ذرا یہیں ٹھہریں میں آگے جا کر جائزہ لیتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "ٹھیک ہے۔"

وہ شخص اکیلے ہی نکلا اس نے اونٹوں اور بکریوں کے آثار دیکھ لیے۔ وہ اپنی پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ شخص واپس آیا۔ آپ کو بتایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر قبضہ کر لیا۔ کچھ چرواہے بھاگ گئے۔ دومۃ الجندل کے لوگ منتشر ہو گئے۔ آپ ان کے میدان میں تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ آپ کچھ دن وہاں قیام فرما رہے۔ مختلف گروہ ارد گرد بھیجے ہر گروہ اونٹ لے کر آتا۔ لیکن جنگ کی نوبت کسی کے ساتھ نہ آئی۔ صرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو پکڑا۔ اسے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے پوچھا۔ اس نے کہا: "جب انہوں نے آپ کے بارے سنا ہے تو وہ بھاگ گئے ہیں۔" آپ کئی روز اس شخص پر اسلام پیش کرتے رہے بالآخر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ رستہ میں آپ نے عیینہ بن حصن سے معاہدہ کیا کہ وہ اپنے جانور تغلمین سے لے کر امراض تک چروا لیا کرے۔ اس کے شہر قحط سالی کا شکار تھے۔

اٹھارواں باب

غزوہ بنی مصطلق

اسے غزوۃ المریسیع کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حارث بن ابی ضرار بنو مصطلق کا سردار تھا۔اس نے اپنی قوم اور اہلِ عرب کو آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار کیا۔انہوں نے ارادہ کر لیا کہ آپ کی طرف نکلیں۔وہ الفرع کے ایک کونے میں جمع ہو رہے تھے۔ان کی یہ بات آپ تک پہنچ گئی۔آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب کو بھیجا تا کہ حالات معلوم کر کے آئیں۔انہوں نے آپ سے اجازت طلب کر لی کہ وہ آپ کے خلاف واقع کچھ کہہ لیں۔آپ نے اجازت دے دی۔وہ عازم سفر ہوئے اور ان کے چشمہ پر انہیں جا ملے۔انہوں نے مغرور لوگوں کی ایک قوم دیکھی جنہوں نے حارث کی صدا پر لبیک کہا تھا۔اس نے لشکر جرار جمع کر رکھا تھا۔انہوں نے پوچھا:''کون ہو؟''حضرت بریدہ:''میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں۔میں نے سنا ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہو۔میں اپنی قوم اور اطاعت گزاروں کو لے کر آؤں گا۔ہم یکجان ہو کر انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکیں گے۔''

حارث:''ہمارا مقصد یہی ہے۔جلدی سے آجاؤ۔''حضرت بریدہ:''میں جاتا ہوں اور اپنی قوم کا عظیم لشکر لے کر تمہارے پاس آجاتا ہوں۔''یہ سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں آئے اور سارے حالات عرض کیے۔آپ نے صحابہ کرام کو جہاد کی دعوت دی۔دشمن کے بارے میں بتایا۔انہوں نے نکلنے میں جلدی کی۔

مریسیع کی طرف آپ کی روانگی

آپ نے نیابت کے فرائض حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپے۔محمد بن عمر اور ابن سعید نے یہی لکھا ہے۔ابن ہشام نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے اسی طرح حضرت نمیلہ بن عبداللہ اللیثی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔مسلمانوں کے پاس تیس گھوڑے تھے۔مہاجرین کے پاس دس گھوڑے تھے۔دو گھوڑے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے:(۱) لزاز (۲) الظرب۔

آپ کے ساتھ بہت سے منافقین بھی عازم سفر ہوئے۔وہ اس سے قبل کسی غزوہ کے لیے نہیں نکلے تھے۔وہ جہاد کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ مالِ غنیمت کے لیے نکلے تھے۔نیز مسافت بھی قریب تھی۔آپ عازم سفر ہوئے۔آپ خلائق کے

ساتھ ساتھ چلے۔آپ اسی جگہ فروکش ہو گئے۔بنو عبدالقیس میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس نے آپ کو سلام عرض کیا۔آپ نے اس سے پوچھا: ''تیرے اہلِ خانہ کہاں ہیں؟'' اس نے کہا: ''الروحاء کے مقام پر۔'' آپ نے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' اس نے عرض کی: ''میں آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہو رہا تھا تاکہ آپ پر ایمان لے آؤں۔میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ پیغامِ حق لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔میں آپ کے ہمراہ ہو کر دشمن سے جہاد کروں گا۔'' آپ نے فرمایا: ''ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔'' اس نے عرض کی: ''کون سا عمل افضل ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اول وقت میں نماز ادا کرنا۔''

آپ کو دشمن کا ایک جاسوس ملا۔آپ نے اس سے ان کے بارے پوچھا لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔آپ نے اس پر اسلام پیش کیا مگر اس نے انکار کر دیا۔آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اس کی گردن اڑا دی۔آپ مریسیع پہنچے۔آپ کی روانگی کی خبر دشمن تک پہنچ چکی تھی۔انہیں یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ آپ نے ان کے جاسوس کو تہ تیغ کر دیا ہے۔اہلِ عرب حارث کو چھوڑ کر چلے گئے۔آپ کے لیے چمڑے کا خیمہ لگا دیا گیا۔امہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔حارث بھی جنگ کے لیے تیار ہو گیا آپ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی۔مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔دوسرا قول ہے کہ حضرت عمار بن یاسر کو عطا کیا۔انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کریں: ''اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو اور اس کے ذریعے اپنے نفوس اور اموال محفوظ کر لو۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا مگر مشرکین نے انکار کر دیا۔کچھ دیر تیر اندازی ہوتی رہی۔پہلے مشرکین میں سے ایک شخص نے تیر پھینکا۔مسلمان بھی کچھ دیر تیر اندازی کرتے رہے۔پھر آپ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یکبار حملہ آور ہو جائیں۔انہوں نے یکجان ہو کر حملہ کیا۔مشرکین میں سے ایک شخص بھی نہ بچا دس مقتول ہوئے بقیہ قیدی بنے آپ نے ان کے مرد، خواتین، اولاد اور جانور قیدی بنا لیے۔

صحیحین میں ہے: ''آپ نے ان پر حملہ کیا۔وہ غافل تھے۔مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔اس کا نام ہشام بن صبابہ تھا۔انہیں ایک انصاری صحابی نے شہید کر دیا۔وہ حضرت عبادہ بن صامت کے قبیلہ میں سے تھے۔اس نے انہیں مشرکین میں سے شمار کیا اور خطاءً قتل کر دیا۔آپ نے اس کی دیت دینے کا حکم دیا۔ان کے بھائی مقیس بن صبابہ نے دیت پر قبضہ کر لیا۔پھر اس نے قاتل کے بھائی پر حملہ کر دیا اور اسے مار ڈالا۔پھر مرتد ہو کر قریش سے جا ملا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔فتح مکہ کے روز اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔

حضرت ابو قتادہ نے کہا: ''اس روز مشرکین کا جھنڈا صفوان ذوالشقرہ نے اٹھا رکھا تھا۔جونہی مجھے موقع ملا تو میں

نے اس پر حملہ کر دیا۔ ہمیں فتح ہو گئی۔" اس روز مسلمانوں کا شعار "یا منصور امت"

محمد بن عمر نے حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم مریسیع پر تھے۔ میں نے والد کو سنا وہ کہہ رہا تھا "اتنا بڑا لشکر آ گیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی سکت ہم میں نہیں"۔ میں اتنے زیادہ مجاہدین اور گھوڑے دیکھ رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ جب میں نے اسلام قبول کیا اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حبالہ عقد میں لیا تو میں مسلمانوں کو دیکھنے لگی وہ مجھے پہلے کی طرح کثیر نظر نہیں آرہے تھے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے رعب تھا۔ جو اس نے مشرکین کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔"

ان میں سے ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا وہ کہتا تھا "ہم نے سفید مرد دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہم نے نہ انہیں پہلے اور نہ ہی بعد میں دیکھا تھا۔"

مالِ غنیمت کی تقسیم

آپ نے حکم دیا قیدیوں کے کندھے باندھ دیے گئے۔ آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب کو ان کا نگران مقرر کیا۔ ان کے پاس جو مال و متاع اور اسلحہ تھا اسے جمع کر لیا گیا۔ جانوروں کو ہانک کر لایا گیا۔ آپ نے ان پر اپنے غلام حضرت شقران کو نگران مقرر کیا۔ ایک کونے میں بچے جمع کیے خمس اور مسلمانوں کے حصوں پر حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا۔ آپ نے سارے مال غنیمت میں سے خمس نکالا۔ حضرت محمیہ بن جزء اس کے نگران تھے۔ خمس ان کے پاس ہی جمع ہوتا تھا۔ صدقات علیحدہ ہوتے تھے۔ اہل فئے صدقہ سے علیحدہ ہوتے تھے۔ اہلِ صدقہ مال فئے سے جداگانہ ہوتے تھے۔ آپ صدقہ کے مال میں سے یتیم، مسکین اور کمزوروں کی مدد کرتے تھے۔ جب یتیم بالغ ہو جاتا تو وہ مال فئے کی طرف منتقل ہو جاتا اسے صدقہ سے نکال دیا جاتا اس پر جہاد واجب ہو جاتا اگر وہ جہاد کو ناپسند کرتا اور اس کا انکار کرتا تو اس کو صدقہ میں سے کچھ بھی نہ دیا جاتا تھا۔ اسے کہا جاتا کہ وہ اپنے لیے خود کمائی کرے۔ آپ کسی سائل کو نہیں روکتے تھے۔ آپ کی خدمت میں دو افراد آئے انہوں نے آپ سے خمس میں سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا: "اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے کچھ دے دیتا ہوں۔ اس میں کسی امیر یا مضبوط کمائی کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔ قیدیوں کو تقسیم کر دیا گیا مال اور بھیڑ بکریوں کو بھی تقسیم کر دیا گیا۔ ایک اونٹ کا عوض دس بکریوں کو مقرر کیا گیا۔ بوسیدہ سامان فروخت کر دیا گیا۔ گھوڑے کے لیے دو حصے اور گھڑ سواروں کے لیے ایک حصہ نکالا گیا۔ پیادہ کے لیے بھی ایک حصہ نکالا گیا۔ اونٹوں کی تعداد دو ہزار تھی۔ بکریوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ قیدیوں کی تعداد دو سو تھی۔ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ

میں آئیں۔انہوں نے ان کے ساتھ نو اوقیہ سونے سے مکاتبت کر لی۔

حضرت جویریہ ﷺ آپ کے حبالہ عقد میں

ابن اسحاق، امام احمد، ابو داؤد اور محمد بن عمر ابوعمر نے لکھا ہے کہ ان کا نام نامی برۃ تھا۔آپ نے ان کا نام جویریہ رکھا۔ابن اسحاق، امام احمد، ابو داؤد اور محمد بن عمر نے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: ''حضرت جویریہ ایک باجمال اور زیبا خاتون تھیں۔جو بھی انہیں دیکھ لیتا ان کے جمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔حضور اکرم ﷺ میرے پاس جلوہ افروز تھے۔ہم ایک چشمہ پر فروکش تھے۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔وہ آپ سے کتابت کے بارے عرض کرنے آئیں تھیں۔میں نے انہیں دیکھا تو مجھے ان کا آپ کی بارگاہ میں آنا ناگوار گزرا۔میں سمجھ گئی کہ آپ ان سے نکاح فرمالیں گے۔انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ایک مسلمان خاتون ہوں۔میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔میں قوم کے سرداری نورِنظر جویریہ بنت حارث ہوں۔ہمیں جن حالات کا سامنا کرنا پڑا آپ بخوبی جانتے ہیں۔میں ثابت بن قیس اور ان کے چچازاد کے حصہ میں آئی۔انہوں نے اپنے چچازاد کو مدینہ طیبہ کی کھجوریں دے کر مجھے اس سے لے لیا لیکن مجھ سے اتنی زیادہ رقم سے مکاتبت کر لی جسے میں ادا نہیں کر سکتی۔میں آپ کی خدمت میں آئی ہوں۔آپ اس رقم کی ادائیگی میں میری معاونت کریں۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر اس سے بہتر ہو جائے تو؟'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کیا؟'' آپ نے فرمایا: ''میں تمہاری طرف سے مکاتبت کی رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! ضرور! کرم فرمائیں۔میں نے اس طرح کر دیا ہے۔'' آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ان سے مانگ لیں۔'' انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ کی ہوگئیں۔میرے والدین آپ پر فدا! آپ نے ان کا زرکتابت ادا کیا۔انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔صحابہ کرام کو یہ خبر مل گئی۔بنو مصطلق کے قیدی تقسیم ہو چکے تھے۔ان کی عورتوں سے وطی کی جا چکی تھی۔مسلمانوں نے کہا: ''حضور اکرم ﷺ کے سسرال!'' انہوں نے اپنے اپنے قیدی آزاد کر دیے۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ''جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت جویریہ سے نکاح فرمالیا تو ایک سو گھرانوں کو آزادی کا پروانہ ملا۔میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اتنی برکت لے کر آئی جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے لے کر آئیں۔''

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے خواب کا تذکرہ

حضرت ہشام بن عروہ نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حضور

اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے تین روز قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند یثرب سے چلا ہے اور میری آغوش میں آ گرا ہے۔ میں نے ناپسند کیا کہ کسی کو اپنا خواب بیان کروں جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ جب ہمیں قیدی بنالیا گیا تو مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید لگی۔ جب آپ نے مجھے آزاد کیا اور مجھ سے نکاح فرمالیا تو بخدا! میں نے آپ سے اپنی قوم کے بارے بات نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں سے اسے آزاد کر دیا۔ مجھے میری ایک پھوپھوزاد بہن نے بتایا تو میں نے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کی۔

بقیہ قیدیوں کا فدیہ

امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، امام نسائی اور محمد بن عمر نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''ہم حضور اکرم ﷺ کی رفاقت میں غزوہ بنی مصطلق کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ہمیں قیدی ملے۔ ہم عورتوں کی شدید خواہش کر رہے تھے۔ ہم پر یہ امر گراں گزر رہا تھا۔ ہمیں فدیے بھی پسند تھے۔ ہم نے کہا: ''ہم عزل کر لیں حالانکہ حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس رونق افروز ہیں۔ ہم نے آپ سے عزل کے بارے پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''تم پر کیا حرج ہے تم کیوں عزل نہ کرو۔ جس روح نے روز حشر تک آنا ہے اس نے آ کر ہی رہنا ہے۔''

محمد بن عمر نے لکھا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بنو مصطلق کا وفد ہمارے پاس آ گیا۔ انہوں نے اپنی اولاد اور خواتین کے فدیے ادا کیے۔ وہ انہیں اپنے شہر لے گئے۔ بعض افراد نے اختیار کیا کہ ان کا حصہ ان کے پاس ہی رہے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا الا یہ کہ وہ واپس ہی جائیں گے۔ عورت اور اولاد کا فدیہ چھ حصے کے ساتھ ادا کیا گیا۔ میں ایک لونڈی لے کر نکلا۔ میں اسے بازار میں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ ایک یہودی نے مجھے کہا: ''ابوسعید! تم اسے فروخت کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔'' میں نے کہا: ''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میں تو اس سے عزل کرتا رہا تھا۔'' اس نے کہا: ''یہ تو چھوٹا زندہ درگور کر دینا ہے۔'' میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور یہ بتایا۔ آپ نے فرمایا: ''یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔ یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔''

ابن ابی کا نفاق

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی تک مریسیع کے چشمہ پر ہی تھے۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اس کنویں میں پانی کم تھا۔ بمشکل نصف ڈول نکالا جا سکتا تھا۔ حضرت سنان بن وبر جہنی کنویں کے پاس آئے۔ وہاں مہاجرین اور انصار کافی تعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنا ڈول نیچے لٹکایا۔ حضرت جہجاہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا ڈول نیچے لٹکایا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجیر تھے۔

حضرت سنان اور حضرت جہجاہ کے ڈول باہم ٹکرا گئے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ جہجاہ نے سنان کو مارا اور ان کے چہرے سے خون بہنے لگا۔ سنان نے پکارا: ''اے انصار! جہجاہ نے پکارا'' اے مہاجرین! دو فریقوں کے لوگ اسلحہ سونتے ہوئے آگئے۔ قریب تھا کہ فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا: ''یہ جاہلیت کی صدا کیوں لگائی جارہی ہے؟ آپ کو آگاہ کیا گیا آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔ یہ ممنوع صدا ہے۔ ایک شخص اپنے بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر وہ ظالم ہو تو اسے روک دے۔ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی نصرت کرے۔''

مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بات کی۔ انصار کی ایک جماعت نے حضرت سنان سے بات کی۔ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ ابن ابی اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں مالک، سوید، داس، اوس، معتب، زید اور عبداللہ تھے۔ ان لوگوں میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ قریب البلوغ تھے یا بالغ ہو چکے تھے۔ ابن ابی کو جہجاہ کی صدا ''یاللقریش'' پہنچی۔ اسے شدید غصہ آیا۔ اس نے کہا: ''بخدا! میں نے آج جیسا دن آج تک نہیں دیکھا۔ بخدا! مجھے تو یہ امر سخت ناپسند تھا۔ لیکن میری قوم نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ انہوں نے اس طرح کر دیا۔ انہوں نے ہم پر غلبہ پالیا۔ ہمارے شہروں میں ان کی کثرت ہوگئی۔ انہوں نے ہماری نعمتوں کا انکار کیا۔ یہ قریش کے افراد اسی طرح ہیں جس طرح کسی نے کہا تھا: ''اپنے کتے کو موٹا کرو تاکہ تمہیں کھا جائے۔'' میرا تو گمان تھا کہ میں اس طرح کی پکار کی صدا آنے سے قبل مر گیا ہوتا۔ جیسی صدا جہجاہ نے دی تھی۔ میں یہاں موجود ہوں۔ مجھ سے تو یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوسکتا۔ بخدا! اگر ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اس میں سے زیادہ عزت والا زیادہ ذلیل کو باہر نکال دے گا۔'' پھر اس نے حاضرین کی طرف توجہ کی اور کہا: ''یہ تم نے خود ہی اپنی جانوں پر کیا ہے۔ تم نے انہیں اپنے گھر ٹھہرایا وہ وہیں فروکش ہو گئے۔ تم نے اپنے اموال میں سے ان کے حصے نکالے حتیٰ کہ وہ غنی ہو گئے۔ بخدا! اب بھی تم اپنے ہاتھ روک لو تو وہ تمہارا شہر چھوڑ کر کسی اور شہر چلے جائیں گے۔ پھر تم نے اپنے اس فعل پر اکتفاء نہ کیا بلکہ خود کو موت کا نشانہ بنایا۔ ان پر جانیں وار دیں۔ اولادیں نثار کیں تم قلیل ہو گئے وہ کثیر ہو گئے۔''

حضرت زید بن ارقم نے سارا بکواس سنا اور اسے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کر دیا۔ آپ کے پاس کچھ مہاجرین اور انصار حاضر تھے۔ جب حضرت زید نے یہ عرض کی تو آپ نے اسے ناپسند کیا۔ چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اے زید! اے بچے! شاید تم اس پر ناراض ہو۔'' انہوں نے عرض کی: ''نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے اس سے یہ بکواسات خود سنے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''شاید تمہیں سننے میں غلطی لگی ہو۔'' انہوں نے عرض کی: ''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!'' ابن ابی کے یہ بکواسات سارے لشکر میں پھیل گئے۔ صحابہ کرام کی زبانوں پر اسی کی باتیں تھیں۔ انصار کا قبیلہ حضرت زید

کو زجر و توبیخ کرنے لگا۔ انہوں نے کہا: ''تم نے اپنی قوم کے سردار کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں ہیں جو اس نے نہیں کیں۔ تم نے ظلم کیا۔ قطع رحمی کی۔'' حضرت زید نے کہا: ''بخدا! جو کچھ اس نے کہا میں نے اسے سنا۔ بخدا! بنوخزرج میں ایک شخص بھی نہیں جو مجھے ابن ابی سے پیارا ہو۔ اگر میں یہ بکو اس اپنے باپ سے بھی سن لیتا پھر بھی اسے بارگاہِ رسالت مآب میں ضرور پیش کرتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ پر وحی کا نزول ہوگا جو میری تصدیق کر دے گا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! عباد بن بشیر (یا محمد بن مسلمہ) کو حکم دیں وہ اس منافق کا سر کاٹ کر پیش کر دیں۔ آپ نے اس تجویز کو ناپسند فرمایا۔ فرمایا: ''لوگ باتیں بنائیں گے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔'' انصار میں سے بعض صحابہ کرام اٹھے۔ انہوں نے آپ کا فرمان اور حضرت زید کی باتیں رد کرنا سن لیا تھا۔ وہ ابن ابی کے پاس آئے اور ساری صورت حال بتائی۔ اوس بن خولی نے کہا: ''اے ابو الحباب! اگر تم نے یہ باتیں کیں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ آپ تمہارے لیے استغفار کریں گے۔ اس کے بارے انکار نہ کرو ورنہ آپ پر وحی نازل ہوگی جو تمہاری تکذیب کر دے گی۔ اگر یہ باتیں نہیں کیں پھر بھی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جاؤ۔ معذرت پیش کر دو اور قسم اٹھا دو کہ تم نے یہ باتیں نہیں کیں۔'' اس نے رب تعالیٰ کی قسم اٹھا دی کہ اس نے یہ باتیں نہیں کیں۔ پھر وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''ابن ابی! اگر تم نے یہ باتیں نہیں کیں ہیں تو توبہ کر لو۔'' وہ قسمیں اٹھانے لگا کہ اس نے وہ باتیں نہیں کیں جو زید نے کہیں ہیں نہ ہی میں نے اس کے ساتھ بات کی ہے۔ انصار میں سے حاضرین نے کہا: شاید اس بچے کو اس کی باتوں کا وہم ہوا ہو۔ اس نے جو کچھ کہا ہو اسے یاد نہ رہا ہو۔'' انہوں نے ابن ابی پر شفقت اور اس کا دفاع کرتے ہوئے کہی۔ وہ اپنی قوم میں معزز تھا۔ ان کا گمان یہی تھا کہ وہ سچا تھا۔ بعض اس کے بارے سوئے ظن بھی رکھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن ابی کا یہ معاملہ ہوا تو میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ سیاہ فام غلام آپ کی کمر پر مالش کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ کی کمر انور کو درد ہو رہا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''رات کو اونٹنی نے مجھے گرا دیا تھا۔'' میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اجازت دیں میں ابن ابی کی گردن اڑا دوں۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے؟'' میں نے عرض کی: ''ہاں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟'' میں نے عرض کی: ''ہاں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر یثرب میں اس کے لیے ناک کانپیں گے۔ اگر میں نے تمہیں اسے تہ تیغ کرنے کا حکم دیا اور تم نے اس کا کام

تمام کر دیا۔" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیں وہ اس کا سر کاٹ کر لائیں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں! اس طرح لوگ باتیں کریں گے کہ میں اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہوں۔" میں نے عرض کی: "آپ لوگوں میں روانگی کا اعلان فرما دیں۔" آپ نے فرمایا: "بالکل!" آپ نے روانگی کا اعلان کر دیا۔ لشکر کو اس وقت علم ہوا جب آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ شدید گرمی تھی۔ آپ اتنی گرمی میں عازم سفر نہیں ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ موسم ٹھنڈا ہو جاتا جب ابن ابی کی باتیں آپ تک پہنچیں تو آپ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

سب سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ یا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی۔ انہوں نے یوں سلام عرض کیا: "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته!" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یوں جواب مرحمت فرمایا: "و علیك السلام و رحمة الله و بركاته" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اس گھڑی میں عازم سفر ہو رہے ہیں کہ پہلے کبھی اس وقت عازم سفر نہیں ہوئے۔" آپ نے فرمایا: "کیا تم تک وہ باتیں نہیں پہنچیں جو تمہارے ساتھی نے کہی ہیں۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کون سا ساتھی؟" آپ نے فرمایا: "ابن ابی۔ اس کا گمان ہے کہ اگر وہ مدینہ طیبہ لوٹ گیا تو وہ وہاں سے زیادہ معزز زیادہ ذلیل کو نکال دے گا۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اگر چاہیں تو اسے نکال دیں۔ بخدا! وہ ذلیل ہے۔ سچی عزتوں کے مالک آپ ہیں۔ عزت تو اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کے لیے اور اہلِ ایمان کے لیے ہے۔" پھر انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کے ساتھ نرم برتاؤ کریں۔ جب رب تعالیٰ آپ کو لے کر آیا تو قوم اس کے لیے تاج بنوا رہی تھی۔ یوشع یہودی کے پاس صرف ایک موتی ٹانکنے کے لیے رہ گیا تھا۔ اس نے اس کی قیمت بڑھا دی۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ انہیں اس کی ضرورت ہے۔ پھر رب تعالیٰ آپ کو لے آیا وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی سلطنت چھین لی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات پہنچ گئی۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیں۔ بخدا! آپ کی یہ محفل برخاست ہونے سے قبل میں اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ بخدا! بنو خزرج جانتے ہیں کہ ان میں ایک شخص بھی نہیں جو اپنے والد کے ساتھ مجھ سے زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا ہو۔ اتنی مدت ہو گئی ہے کہ وہ میرے ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر آپ نے میرے علاوہ کسی اور کو اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا وہ اسے تہ تیغ کر دے گا۔ مجھے میرا نفس نہیں چھوڑے گا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں۔ میں اسے قتل کر کے آگ میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپ کی جانب سے درگزر افضل اور آپ کا احسان عظیم ہے۔" آپ

نے فرمایا: ''عبداللہ! میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ نہ ہی میں نے یہ حکم دیا ہے۔ جب تک وہ ہمارے سامنے ہے ہم اس کے ساتھ احسان کرتے رہیں گے۔'' حضرت عبداللہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مدینہ طیبہ کی بستی کے لوگوں نے میرے والد پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ اسے تاج پہنا کر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ آپ کو لے آیا رب تعالیٰ نے اسے پست کر دیا۔ آپ کی وجہ سے ہمیں رفعت دی۔ اس کے ہمراہ ایک قوم ہے جو اس کے پاس آتی جاتی ہے اسے وہ امور یاد دلاتی ہے جن پر رب تعالیٰ غالب آچکا ہے۔''

اس روز رات تک آپ لوگوں کو لے کر چلتے رہے۔ ساری رات محوسفر رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر تیز دھوپ نکلنے تک آپ عازمِ سفر رہے۔ پھر لوگوں کو فروکش ہونے کا حکم دیا۔ جونہی انہوں نے زمین کو چھوا سارے لوگ وہیں سو گئے۔ اپنے کجاوہ میں سے کوئی یا تو نماز کے لیے یا قضائے حاجت کے لیے اترا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی سواری کو تیز چلاتے رہے۔ اس کے پیٹ پر مارتے رہے تا کہ لوگ وہ باتیں بھول جائیں جو کل ہوئیں تھیں۔ آپ لوگوں کو لے کر عازمِ سفر ہوئے۔ راہِ حجاز پر چلے حتیٰ کہ آپ فویق النقیع کے چشمہ پر اترے۔

ایک منافق کی موت کی خبر، اونٹنی کی گمشدگی

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ اس سفر سے واپس تشریف لائے۔ جب آپ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو شدید آندھی چلی قریب تھا کہ وہ قافلہ کو زیر زمین دفن کر دیتی۔ آپ نے فرمایا: 'ایک منافق کی موت کی وجہ سے یہ آندھی چلی ہے۔' جب ہم مدینہ پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ایک بڑے منافق کو موت نے آدبوچا تھا۔''

محمد بن عمر نے لکھا ہے' جب لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہوئے تو انہیں شدید آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ لوگ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا: 'یہ آندھی کسی واقعہ کی وجہ سے چلی ہے جو رونما ہوا ہے۔ مدینہ طیبہ میں اولاد اور بچے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ اور عیینہ بن حصن کے مابین معاہدہ تھا۔ اس کے اختتام کی مدت آپہنچی تھی۔'' آپ نے فرمایا: ''تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مدینہ طیبہ کے ہر گلی کوچے پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی حفاظت کر رہا ہے۔ دشمن اس میں داخل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ تم پہنچ جاؤ۔ لیکن آج بہت بڑا منافق مرا ہے۔ اس لیے یہ تیز آندھی چلی ہے۔'' اس کی موت منافقین کے لیے بہت غیظ و غضب کا سبب تھی۔ اس روز زید بن رفاعۃ بن تابوت مرا تھا۔ وہ منافقین کی پناہ گاہ تھا۔

محمد بن عمر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''اس روز آندھی بہت شدید تھی۔ حتیٰ کہ سورج زائل

ہوگیا۔ دن کے آخری پہر میں آندھی رک گئی۔ اہلِ مدینہ طیبہ بیان کرتے تھے کہ انہیں بھی ایسی ہی شدید آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن دفن ہوگیا۔ پھر وہ تھم گئی۔"

محمد بن عمر نے لکھا ہے: "اس روز حضرت عبادۃ بن صامت نے ابن ابی سے کہا: "ابوالحباب! تیرا جانی دوست مر گیا ہے۔" اس نے پوچھا: "کون سا جانی دوست؟" انہوں نے کہا: "جس کی موت اسلام اور اہلِ اسلام کی فتح ہے۔" اس نے پوچھا: "کون؟" انہوں نے کہا: "زید بن رفاعۃ بن تابوت۔" ابن ابی نے کہا: "ہائے ہلاکت! ہاں! بخدا! ہاں!" حضرت عبادۃ نے کہا: "بخدا تو نے بڑے گناہ کا دامن پکڑ لیا ہے۔" اس نے پوچھا: "ابوالولید! تمہیں اس کی موت کے بارے کس نے بتایا؟" انہوں نے فرمایا: "میں نے کہا: "حضور اکرم ﷺ نے آپ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اس لمحہ مرا ہے۔" وہ مبہوت ہوگیا۔ غمزدہ اور پریشان ہو کر واپس چلا گیا۔

ابن اسحاق، امام بیہقی اور ابونعیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، ابن اسحاق نے محمد بن عمر سے اور ان سب نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی قصواء گم ہوگئی۔ مسلمان اسے ہر سمت تلاش کرنے لگے۔ زید بن لصیت انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ یہ منافق تھا۔ اس جماعت میں حضرات عباد بن بشر، سلمہ بن سلامۃ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ اس منافق نے کہا: "یہ لوگ کیوں بھاگتے پھر رہے ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی تلاش کر رہے ہیں جو گم ہوگئی ہے۔" اس نے کہا: "کیا اللہ تعالیٰ انہیں بتا نہیں دیتا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔" انہوں نے منافق کی یہ بات عجیب سمجھی۔ انہوں نے کہا: "اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! رب تعالیٰ تجھے برباد کرے تو منافق ہے۔" پھر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا: "اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ اس کے بارے حضور اکرم ﷺ کی رائے کیا ہے تو میں یہ نیزہ اس کے خصیوں میں سے نکال دیتا۔ دشمن خدا! تیرے دل میں یہ نفاق تھا تو پھر تو ہمارے ساتھ عازم سفر کیوں ہوا؟" اس نے کہا: "میں دنیاوی سامان کے حصول کے لیے عازم سفر ہوا ہوں۔ بخدا! حضور اکرم ﷺ تو ہمیں اس سے بڑے بڑے امور کے بارے بتاتے ہیں آپ ہمیں آسمانی امور کے بارے بتاتے ہیں۔" وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے کہا: "بخدا! ہم ایک رستے پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ ہم ایک درخت کا سایہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ تیرے دل میں یہ مرض ہے تو پھر ایک لمحہ بھر بھی تیری رفاقت اختیار نہ کرتے۔" وہ خوف کے مارے بھاگ نکلا کہ صحابہ کرام اس کا کچومر ہی نہ نکال دیں۔ انہون نے اس کا سامان باہر نکال پھینکا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ صحابہ کرام سے چھپ کر آپ کی خدمت میں پناہ حاصل کرنے آ گیا۔ آپ پر آسمان سے اس کے بارے وحی کا نزول ہو چکا تھا آپ نے فرمایا جبکہ وہ منافق سن رہا تھا: "منافقین میں سے ایک شخص اس مصیبت پر خوشیاں منا رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی ہے۔" وہ کہتا

ہے: ''اللہ تعالیٰ انہیں کیوں نہیں بتا دیتا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔ مجھے حیاتی کی قسم! آپ ہمیں اونٹنی کے اس معاملہ سے بھی بڑے بڑے معاملات کی خبر دیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا اس نے مجھے اس اونٹنی کے بارے بتا دیا ہے وہ سامنے اس گھاٹی میں ہے اس کی زمام درخت کے ساتھ اٹی ہوئی ہے۔ تم اس کی جانب جاؤ۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف گئے۔ اسے اسی طرح پایا جس طرح آپ نے انہیں بتایا تھا۔ جب منافق نے علوم و معارف کے یہ سمندر دیکھے تو مبہوت ہو گیا۔ جلدی سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ اس کا کجاوہ باہر پھینک دیا گیا تھا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا۔ جب یہ قریب پہنچا تو انہوں نے کہا: ''ہمارے قریب نہ آنا'' اس نے کہا: ''میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ قریب ہوا اس نے کہا: ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ کیا تم میں سے کوئی حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ اور آپ کو میری بات بتائی ہے۔'' انہوں نے کہا: ''نہیں! بخدا! ہم تو اپنی اس محفل سے اٹھے بھی نہیں۔'' اس نے کہا: ''میں نے آپ کے پاس سنا۔ آپ وہی بات کر رہے تھے جو میں نے کی تھی۔'' اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان انہیں سنا دیا۔ نیز یہ کہ آپ کی اونٹنی مل گئی ہے۔ اس نے کہا: ''مجھے آپ کے بارے شک تھا۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ گویا کہ میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے۔'' صحابہ کرام نے عرض کی: ''تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ آپ تیرے لیے بخشش طلب کریں۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس کے لیے بخشش کی دعا کی۔ اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔ ابن عمر نے لکھا ہے ''وہ تادم مرگ بزدل ہی رہا۔'' غزوۂ تبوک میں بھی اسی طرح کا واقعہ رونما ہوا تھا۔

جب آپ وادیٔ عقیق پہنچے تو حضرت عبداللہ بن ابن ابی آگے بڑھے وہ لوگوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ جب ان کا باپ گزرا تو انہوں نے اس کے اونٹ کو بٹھا لیا۔ اس کی سواری کا بازو روندھ ڈالا۔ باپ نے پوچھا: ''نادان کیا کر رہے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''بخدا! تم اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذن مرحمت فرمادیں۔ تاکہ تو جان لے کہ تم میں سے معزز کون ہے اور ذلیل کون ہے؟ کیا تو یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' جو مسلمان بھی اس کے پاس سے گزرتے حضرت عبداللہ ان کی معاونت کرتے۔ بعض مسلمان انہیں منع کر رہے تھے۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے ''کیا تم اپنے باپ سے یہ سلوک کر رہے ہو؟ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کے بارے پوچھا تو آپ سے عرض کی گئی'' یہ حضرت عبداللہ ہیں جو اپنے باپ کو مدینہ طیبہ داخل ہونے سے روک رہے ہیں حتیٰ کہ آپ اسے اجازت دے دیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے باپ کی سواری کو روکے ہوئے تھے۔ ابن ابی ان سے کہہ رہا تھا۔ ''میں بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔ میں عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''اس کا رستہ چھوڑ دو۔''

انہوں نے اس کا رستہ چھوڑ دیا۔

جب واپسی پر آپ ﷺ مقام نقیع سے گزرے تو وہاں بہت سی وسعتیں اور گھاس دیکھا۔ بہت سے کنویں ملاحظہ فرمائے۔ آپ نے اس کے پانی کے بارے پوچھا تو آپ سے عرض کی گئی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب ہم اس کی تعریف کرتے ہیں تو پانی کم ہو جاتا ہے۔ کنوؤں کا پانی نیچے چلا جاتا ہے۔'' حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب بن بلتعہ کو حکم دیا کہ وہ کنواں کھودیں اور نقیع کو محفوظ علاقہ قرار دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ کو اس پر نگران مقرر کیا۔ انہوں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں اس کی کتنی حفاظت کروں۔ آپ نے فرمایا: ''جب طلوع فجر ہو جائے تو ایک بلند آواز شخص کھڑا کروں اسے اس مقمل پہاڑ پر کھڑا کرو۔ جہاں تک اس کی آواز جائے وہاں تک کا علاقہ مسلمانوں کے اونٹوں اور گھوڑوں کے لیے مختص کر دو جن پر وہ جہاد کیا کریں گے۔'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مسلمانوں کے چرنے والے جانوروں کے بارے کیا رائے ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ اس میں داخل نہ ہوں۔'' میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کمزور مرد یا کمزور عورت کے بارے کیا خیال ہے جس کے پاس قلیل تعداد میں بھیڑ بکریاں ہوں وہ انہیں منتقل کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔'' آپ نے فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔ انہیں چرنے دو۔''

گھوڑوں اور اونٹوں کے مابین مقابلہ

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑوں اور اونٹوں کے مابین مقابلہ کرایا آپ کی اونٹنی قصواء اونٹوں سے آگے نکل گئی۔ آپ کا گھوڑا گھوڑوں سے آگے نکل گیا۔ آپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک کو لزاز جبکہ دوسرے کو الظرب کہا جاتا تھا۔ اس روز الظرب نے مقابلہ میں شرکت کی۔ اس پر حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ آپ کی اونٹنی پر حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سوار تھے۔''

صحابہ کرام کو رات کے وقت گھر جانے کی ممانعت

محمد بن عمر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''غزوہ مریسیع میں میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ ہم روانہ ہوئے۔ جب رات کے وسط میں وادی عقیق تک پہنچے تو لوگ رات بسر کرنے لگے۔ ہم نے عرض کی: ''حضور اکرم ﷺ کہاں ہیں؟'' ہمیں بتایا گیا کہ آپ لوگوں سے آگے تشریف لے گئے ہیں آپ آرام فرما ہو چکے ہیں۔'' مجھے حضرت عبد اللہ نے کہا: ''جابر! کیا ہم آگے نہ چلے جائیں اور اپنے اہل خانہ کے پاس جائیں۔'' میں نے کہا: ''ابو محمد! میں لوگوں کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں کسی کو نہیں دیکھ رہا جو آگے بڑھ رہا ہو۔'' حضرت عبد اللہ نے کہا: ''بخدا! ہمیں حضور سرور

کائنات ﷺ نے آگے جانے سے روکا تو نہیں۔" حضرت جابر نے کہا: "میں روانہ نہیں ہوں گا۔" انہوں نے مجھے الوداع کہا اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ میں انہیں رستہ میں دیکھتا رہا۔ اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ بنو حارث بن خزرج میں ان کے اہلِ خانہ رہتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھر کے وسط میں چراغ رکھا ہوا تھا اور ان کی زوجہ محترمہ کے پاس ایک لمبا انسان تھا۔ انہوں نے اسے مرد گمان کیا۔ ششدر رہ گئے۔ اس پیش قدمی پر نادم ہوئے۔ وہ کہنے لگے: "بھولے بھالے انسان کے ساتھ شیطان! تلوار بلند کی اور گھر میں گھس آئے۔ تلوار کو بے نیام کر رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کو مار دینا چاہتے تھے۔ پھر غور کیا۔ اپنی زوجہ کو ٹانگ ماری وہ بیدار ہو گئی وہ چیختی وہ گہری نیند میں تھی۔ انہوں نے کہا: "میں عبداللہ ہوں۔ یہ کون ہے؟" اس پاکباز خاتون نے کہا: "یہ مجھے کنگھی کرنے والی کی لڑکی ہے۔ ہم نے تمہارے آنے کی خبر سن لی تھی۔ اس نے میرے ہاں رات بسر کی۔" حضرت عبداللہ نے رات بسر کی صبح حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے کی غرض سے نکلے۔ ابوعتبہ کے کنوئیں کے پاس آپ سے ملاقات کی۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہما کے مابین چل رہے تھے۔ آپ نے حضرت بشیر کی طرف توجہ فرمائی۔ اور فرمایا" ابونعمان! انہوں نے عرض کی: "لبیک" آپ نے فرمایا: "عبداللہ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ وہ رات کے وقت اپنے اہلِ خانہ کے پاس گئے اور انہیں ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا۔" جب حضرت عبداللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "عبداللہ! کیا ہوا؟" انہوں نے اپنی حکایت عرض کی۔ آپ نے فرمایا: "سفر سے آتے وقت رات کو اپنے اہلِ خانہ کے پاس نہ جایا کرو۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ پہلی بار تھی کہ آپ نے ہمیں اس امر سے منع کیا۔" آپ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو گئے۔ آپ ایک فاتح اور غالب کی حیثیت سے تشریف لائے۔ اس مہم میں دو دن کم ایک ماہ صرف ہوا۔

حضرت حارث بن ابی ضرار کا اسلام

ابن عائذ نے لکھا ہے کہ محمد بن شعیب نے عبداللہ بن زیاد سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بنو مصطلق میں حضور اکرم ﷺ کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مال غنیمت میں ملیں۔ ان کا باپ ان کا فدیہ ادا کرنے کے لیے آیا۔ جب وہ وادیٔ عقیق میں پہنچا تو اس نے وہ اونٹ دیکھے جو اس نے اپنی بچی کے فدیے میں دینے تھے۔ ان میں دو اونٹ بہت پسند آئے۔ اس نے انہیں ایک گھاٹی میں چھپا دیا پھر دیگر اونٹ لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ عرض کی: "محمد مصطفی ﷺ! آپ نے میری نور نظر کو گرفتار کر لیا ہے یہ اس کا فدیہ ہے" آپ نے فرمایا: "وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تو نے فلاں گھاٹی میں چھپائے تھے۔" حارث نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں نے وہ اونٹ چھپا رکھے تھے صرف رب تعالیٰ نے ہی

آپ کو ان سے آگاہ کیا ہے۔" انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

ابن ابی کے بارے قرآن پاک کا نزول

محمد بن عمر نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے اس روز حضرت عبادۃ بن صامت کو سنا وہ ابن ابی سے کہہ رہے تھے۔ یہ اس کے بارے قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے" بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جاؤ۔ آپ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں۔" میں نے اسے دیکھا کہ وہ اعراض کرتے ہوئے اپنا سر مروڑ رہا تھا۔ حضرت عبادہ نے فرمایا: "بخدا! تمہاری اس ٹیڑھی گردن کے بارے قرآن پاک نازل ہوگا جس کے ساتھ نماز ادا کی جائے گی۔" اسی روز حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازمِ سفر تھے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، اپنی سواری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے ساتھ ساتھ چلا رہے تھے تاکہ آپ کی رضا حاصل ہو جائے۔ آپ اپنی سواری کو "حَل حَل" فرما کر تیز چلا رہے تھے۔ وہ تیزی سے چل رہی تھی۔ آپ پر نزول وحی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا: "میں نے آپ کی زیارت کی۔ آپ کو شدت آلیتی تھی اور جبین اطہر سے پسینے کے قطرات گرنے لگتے تھے۔ اونٹنی کے قدم اتنے بوجھل ہو جاتے تھے کہ مشکل سے انہیں اٹھا سکتی تھی۔ میں جان گیا کہ آپ پر نزولِ وحی ہو رہا ہے مجھے امید تھی کہ میری تصدیق کے بارے قرآن پاک نازل ہوگا۔ جب آپ سے یہ سلسلہ منقطع ہوا آپ نے میرے کان پکڑے میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا میں اوپر اٹھ گیا۔ آپ نے کان اوپر کیا اور فرمایا: "اے بچے! تمہارے کانوں نے تمہارے ساتھ وفا کی ہے۔ رب تعالیٰ نے تمہارا قول سچ کر دکھایا ہے۔" اس وقت سورۃ المنافقین نازل ہوئی۔

اس کے بعد جب بھی ابن ابی کوئی واقعہ رونما کرتا تو اس کی قوم اس کی گرفت کر لیتی اسے پکڑتی اور اسے سرزنش کرتی۔ جب اس کی قوم کا یہ رویہ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "عمر! اگر میں اسے اس روز قتل کر دیتا جس دن تم نے مجھے کہا تھا کہ اسے قتل کر دیں تو لوگ مختلف باتیں کرتے اگر آج میں انہیں اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ ضرور اسے تہ تیغ کر دیں گے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "بخدا! میں جانتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر میرے امر سے بہت زیادہ بابرکت ہے۔"

تنبیہات

1. یہ غزوہ کب رونما ہوا اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ شعبان چھ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ خلیفہ بن خیاط اور امام الطبری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت قتادہ نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ شعبان پانچ

ہجری کو منعقد ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عقبہ سے روایت ہے کہ یہ چار ہجری کو ظہور پذیر ہوا تھا۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ قلم کی لغزش ہے۔ انہوں نے پانچ ہجری لکھنا چاہا لیکن چھ ہجری لکھ دیا۔ موسیٰ بن عقبہ، حاکم اور ابو نیشاپوری اور امام بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے حضرت ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ ''پھر حضور اکرم ﷺ نے پانچ ہجری کو بنو مصطلق اور بنو لحیان سے قتال کیا۔ اس مؤقف کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام بخاری نے الجہاد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بنو مصطلق میں آپ کے ساتھ شرکت کی۔

امام حاکم نے ''الاکلیل'' میں لکھا ہے ''حضرت عروہ وغیرہ کا یہ قول یہ غزوہ پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا ابن اسحاق کے قول کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔'' الحافظ نے لکھا ہے ''اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو واقعہ افک کے بارے ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادۃ نے اصحاب افک کے بارے تنازع کیا۔ ان حوادث میں ان کا ذکر ہے۔ اگر یہ غزوہ شعبان چھ ہجری کو پیش آتا اس میں واقعہ افک ہوا تھا۔ تو پھر صحیح میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر لغزش ہے کیونکہ بنو قریظہ کے ساتھ غزوہ کے بعد ان کا وصال ہو گیا تھا۔ یہ غزوہ صحیح روایت کے مطابق پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ چار ہجری کا قول اس امر کو زیادہ روکتا ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ بنی مصطلق پانچ ہجری ماہِ شعبان میں رونما ہوا تھا۔ یہ غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا کیونکہ غزوۂ خندق پانچ ہجری ماہِ شوال میں ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ غزوہ مصطلق غزوہ خندق کے بعد ہوا۔ اس میں حضرت سعد بھی موجود ہوں گے حالانکہ غزوۂ خندق میں انہیں تیر لگا اور بنو قریظہ کے بارے فیصلہ کرنے کے بعد وہ اس کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

اس سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے کہ واقعہ افک پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ حدیث پاک میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام کے نزول کے بعد ہوا تھا۔ حجاب کے احکام ایک جماعت کے نزدیک چار ہجری کو نازل ہوئے تھے۔ غزوۂ بنی مصطلق اس کے بعد رونما ہوا ہوگا۔ لہٰذا اس سے بھی یہی ترجیح سامنے آتی ہے کہ یہ پانچ ہجری کو رونما ہوا تھا۔ جہاں تک امام واقدی کے اس قول کا تعلق ہے کہ حجاب کے احکام پانچ ہجری ماہ ذوالقعدہ میں اترے تھے یہ مردود ہے۔ خلیفہ، ابو عبیدہ اور کئی علماء نے لکھا ہے کہ حجاب کے احکام تین ہجری کو نازل ہوئے تھے۔ ان احکام کے نزول کے بارے تین اقوال سامنے آئے۔ مناسب ترین یہ ہے کہ چار ہجری کو یہ احکام نازل ہوئے۔

◆ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عون سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت نافع کی طرف

خط لکھا کہ جہاد سے قبل کون سی دعا مانگی جاتی ہے۔ انہوں نے میری طرف یہ خط لکھا" یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے بنو مصطلق پر حملہ کیا۔ وہ غافل تھے۔ ان کے مویشی چشموں پر تھے۔ آپ نے ان کے جنگجوؤں کو تہ تیغ کیا۔ اولاد کو قیدی بنایا۔ مجھ سے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر نے کی ہے۔ وہ اس لشکر میں موجود تھے۔"

جلیل القدر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس غزوہ میں فریقین کے مابین قتال ہوا تھا۔ ایک گروہ نے ذکر کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں توحید کی طرف بلائیں۔ الفتح میں ہے "ممکن ہے کہ جنگ کی ابتداء میں وہ ثابت قدم رہے ہوں جب ان میں زیادہ مقتول ہوئے ہوں تو انہیں شکست ہوگئی ہو۔ جب آپ ان پر اچانک حملہ آور ہوئے ہوں تو وہ ثابت قدم رہے ہوں۔ صفیں باندھ کر لڑے ہوں۔ دونوں گروہوں کے مابین قتال ہوا ہو پھر مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوگیا ہو۔

ابن سعد نے حضرت نافع کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے پھر لکھا ہے:" پہلا قول زیادہ ثابت ہے العیون میں اس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ یہ حکم مردود ہے کہ جو کچھ سیر میں ہے وہ صحیح کی روایات سے زیادہ ثابت ہے۔ جبکہ روایات کو جمع کرنا بھی ممکن ہو۔

◆ ۳ ابوالقاسم الخثعمی نے لکھا ہے کہ "یا لفلان" کہنا جاہلیت کا دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ انہیں ایک گروہ بنایا ہے۔ ایک شخص کی پکار یہ ہونی چاہیے "یا للمسلمین"۔ جس شخص نے اسلام میں جاہلیت کی طرح پکار الفقہاء نے اس کے بارے تین اقوال ذکر کیے ہیں:

① جس نے اسے اسلحہ کے ساتھ جواب دیا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے نابغہ جعدی کو پچاس کوڑے مارے تھے۔ جب اس نے "یالعار" کی صدا سنی اور اس کی مدد کے لیے دوڑتا ہوا گیا۔

② اس میں دس سے کم کوڑے مارے جائیں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو حد کے علاوہ دس سے زائد کوڑے مارے جائیں۔

③ اس میں امام وقت اپنا اجتہاد کرے گا۔ وہ جیسے مناسب سمجھے گا کرے گا جس سے شر کا دروازہ بند ہو سکے گا۔ قید کر کے یا مار کر۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دو افراد کو سزا نہیں دی تھی جنہوں نے یہ جاہلیت کی صدا دی تھی۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ آپ نے فرمایا تھا: "دعوها فانها منتنه" آپ نے نہی کو مؤکد فرمایا تھا۔ جس نے اس نہی کے بعد اس عمل کا ارتکاب کیا۔ آپ نے بدبو کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا۔ اب جو اس عمل کا ارتکاب کرے گا اسے تادیب سکھائی جائے گی حتیٰ کہ وہ اس کی بدبو سونگھ لے۔ جیسے کہ حضرت ابوموسیٰ نے جعدی

کے ساتھ کیا تھا۔ بد بو کا معنی ہی برا انجام اور اس پر سزا دینا ہے۔

④ حضرت عبداللہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ آپ انہیں اجازت دیں کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر دیں۔ کیونکہ اس نے بکواس کیا تھا۔ اس میں آپ کی نبوت کی واضح نشانی اور روشن دلیل ہے۔ اہلِ عرب حمیت اور تعصب کے اعتبار سے سب سے شدید قوم ہے۔ ان کا ایمان اور نور یقین اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ ایک شخص اپنے باپ اور اولاد کو بھی قتل کر سکتا تھا تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جائے رسول اللہ ﷺ کا قرب مل جائے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ نسب کے اعتبار سے ان سے بہت دور تھے۔ آپ کی قوم اور چچازاد لوگوں نے اسلام تاخیر سے قبول کیا جبکہ دور کے لوگوں نے جلد اسلام قبول کر لیا۔ اس میں ایک عظیم حکمت کارفرما ہے۔ اگر آپ کے قریبی رشتہ دار جلد ایمان لے آتے تو کہا جاتا" یہ قوم اپنے میں سے ہی ایک شخص پر فخر کرنا چاہتی ہے وہ اس کے ساتھ تعصب کرتے۔ جب دور کے لوگوں نے ایمان لانے میں جلدی کی اور آپ کی محبت میں آ کر اپنوں اور بیگانوں کو تہ تیغ کیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سچی بصیرت کی وجہ سے تھا۔ یقین ان کے قلوب میں گھر کر چکا تھا۔ رب تعالیٰ کے خوف نے ان کی جاہلیت کی عادات کو ختم کر دیا تھا۔ ان کو زائل وہی ذات کر سکتی ہے جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

⑤ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ آپ نے ان کا حسن و جمال دیکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے مملوکہ لونڈی تھیں۔ اگر وہ آزاد ہوتیں تو آپ ان کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھتے۔ کیونکہ لونڈیوں کو دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔ شاید اس لیے روا تھا کہ آپ نے ان کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا یا یہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے کی بات ہو۔

✿✿✿✿

انیسواں باب

غزوۂ خندق

غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ غزوہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو آزمایا۔ اپنے متقین دوستوں کے دلوں میں ایمان محکم فرمایا۔ اہلِ نفاق کا نفاق ظاہر کیا۔ انہیں ذلیل و رسوا کیا۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنی نصرت نازل کی۔ اپنے بندۂ خاص کی اعانت کی۔ تنہا گروہوں کو شکست سے دوچار کیا۔ اپنے لشکر کو غالب کیا۔ کفار کو ان کے غیظ سمیت واپس لوٹا دیا۔ اہلِ ایمان کو ان کے مکر کے شر سے بچا لیا۔ انہیں روک دیا کہ اس کے بعد وہ اہلِ ایمان پر حملہ آور ہوں۔ بلکہ انہیں مغلوب کر دیا۔ اپنے گروہ کو غالب کر دیا۔

اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضور سرورِ دو جہاں ﷺ نے بنونضیر کو جلاوطن کیا تو وہ خیبر کی طرف نکلے۔ وہاں کثیر یہودی آباد تھے۔ جو قوی اور مضبوط تھے۔ مگر وہ شرف اور حسب کے اعتبار سے بنونضیر کی طرح نہ تھے۔ حیی بن اخطب، کنانہ بن ابی الحقیق، ہوزہ بن قیس اور ابو عامر فاسق ایک گروپ کے ساتھ عازمِ سفر ہوئے۔

یہ سارے مکہ مکرمہ پہنچے قریش اور ان کے پیروکاروں کو دعوت دی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ انہوں نے مختلف گروہوں کو جمع کیا۔ انہوں نے قریش سے کہا: "ہم تمہارے ساتھ ہیں حتیٰ کہ ہم محمد عربی ﷺ کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں۔ ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ان کی عداوت اور دشمنی پر تمہارے ساتھ معاہدے کریں۔" یہ سن کر قریش خوش ہو گئے۔ انہوں نے اس بغض اور کینہ کا اظہار کیا جو غزوۂ بدر کی وجہ سے ان میں پیدا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے کہا: "خوش آمدید! مرحبا! سارے لوگوں میں سے ہمیں وہ افراد پسند ہیں جو محمد عربی ﷺ کی عداوت پر ہماری اعانت کریں۔" قبیلۂ قریش سے پچاس افراد نکلے انہوں نے عہد کیا۔ معاہدے کیے اور اپنے سینے خانہ کعبہ کے ساتھ لگا دیے۔ وہ اس کے پردوں میں داخل ہو گئے کہ وہ ایک دوسرے کو رسوا نہیں کریں گے محمد عربی ﷺ سے عداوت پر یکجان ہوں گے۔ جب تک ان میں ایک شخص بھی باقی رہے گا۔"

ابوسفیان نے کہا: "اے گروہِ یہود! تم اہلِ علم اور اہلِ کتاب ہو۔ ہمیں اس امر کے بارے بتاؤ جس میں ہمارا اور محمد

عربی ﷺ کا اختلاف ہے کہ ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا دین۔ ہم بیت اللہ کو آباد کرنے والے ہیں۔ ہم جانور ذبح کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں بت پوجتے ہیں۔" یہود نے کہا: "بخدا! تم حق کے ان سے زیادہ قریب ہو۔ تم اس گھر کی تعظیم بجا لاتے ہو۔ پانی پلانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہو۔ جانور ذبح کرتے ہو۔ ان معبودان کی پوجا کرتے ہو جن کی پوجا تمہارے آباء کرتے تھے۔ تم ان سے زیادہ حق کے قریب ہو۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾ (سورۃ النساء: ۵۰ تا ۵۴)

ترجمہ: "کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ اب اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔ یہی ہیں وہ (بدنصیب) جن پر لعنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا اس کا کوئی مددگار کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر۔ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے۔ (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت۔"

قریش یہ سن کر خوش ہو گئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور اس کے لیے تیاری کرنے لگے۔ ایک وقت متعین کرلیا۔ پھر یہودی بنو غطفان کے پاس گئے انہیں بھی حضور داعیٔ اعظم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی طرف دعوت دی۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے "انہوں نے ایک سال کے لیے خیبر کی کھجوریں انہیں دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ ان کی نصرت کریں۔ انہیں بتایا کہ اس مہم میں قریش بھی ان کے ساتھ ہیں۔" بنو غطفان نے بھی حامی بھر لی۔ یہودی بنو سلیم کے پاس گئے انہوں نے بھی ان کے ہمراہ نکلنے کا وعدہ کیا۔

قریش اور دیگر قبائل کی روانگی

قریش نے خوب تیاری کی۔ اہل عرب کو اپنی نصرت پر ابھارا۔ احابیش اور ان کے پیروکاروں نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ وہ چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ دارالندوہ میں جھنڈا باندھا۔ عثمان بن طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ اس کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے۔ پندرہ سو اونٹ بھی ساتھ تھے۔ مرالظہران کے مقام پر بنوسلیم بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔ ان کی قیادت سفیان بن عبد شمس کر رہا تھا۔ یہ ابوالاعور السلمی کا باپ تھا جو جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ کے ساتھ تھا۔ بنو اسد بن خزیمہ بھی عازم سفر ہوئے۔ ان کی زمام قیادت طلحہ بن خویلد الاسدی کے پاس تھی۔ بنو فزارہ بھی روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی ان کی قیادت عیینہ بن حصن کر رہا تھا۔ بنو اشجع بھی نکلے۔ ان کی تعداد چار سو تھی۔ ان کی قیادت مسعود بن رخیلہ کر رہا تھا۔ بنو مرہ بھی روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد چار سو تھی حارث بن عوف مزی ان کی قیادت کر رہا تھا۔ قریش، بنوسلیم، بنو اسد اور بنو غطفان میں سے جنہوں نے غزوہ خندق میں شرکت کی ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ پورے لشکر کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا۔

جب قریش اپنی تیاری میں مصروف تھے بنوخزاعہ کا ایک گروہ جلدی سے روانہ ہوا۔ وہ چار راتوں میں مدینہ طیبہ پہنچا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارے حالات بتائے۔ آپ نے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی۔ دشمن کے بارے بتایا اور اس ضمن میں مشاورت کی کہ کیا مدینہ طیبہ میں رہ کر یا باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔" حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کا مشورہ دیا۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب ہم سرزمین فارس میں ہوتے تھے جب ہمیں کسی لشکر کا اندیشہ ہوتا تھا تو ہم خندق بنا لیتے تھے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے تعجب کا اظہار کیا۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں رہ کر جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوشش کرنے کا حکم دیا۔ نصرت کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ وہ صبر کریں تقویٰ شعار بنیں۔ انہیں اطاعت کرنے کا حکم دیا عرب میں خندق کھودنے کا طریقہ رائج نہ تھا۔

بزار نے حضرت مالک بن وھب الخزاعی سے روایت کیا ہے کہ غزوہ خندق میں آپ نے سلیط اور سفیان بن عوف کو بطور جاسوس بھیجا۔ جب وہ بیداء کے مقام پر پہنچے تو ابوسفیان کے گھڑسوار دستے نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ انہیں بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ انہیں ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ دو ساتھی شہید تھے۔

آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کی خاصی تعداد آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ جگہ کی تلاش میں تھے۔ جہاں فروکش ہوں۔ سب سے خوب صورت جگہ یہ تھی کہ آپ نے سلع پہاڑ کو کمر اقدس کے پیچھے رکھا۔ المذاد سے لے کر

ذباب اور راتج تک خندق کھودنے کا حکم دیا۔آپ نے اس روز خندق کھودی۔لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی۔دشمن کے قریب آجانے کے بارے بتایا۔سلع کے دامن میں مسلمانوں کو جمع کیا۔مسلمان جلدی جلدی کام کرنے لگے۔وہ دشمن سے آنے سے قبل یہ کام ختم کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے بنو قریظہ سے کھدائی کے بہت سے ہتھیار مثلاً کدالیں، کسیاں اور کلہاڑے ادھار لیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر جانب سے خندق کھودنے کی ذمہ داری ایک ایک گروہ کو سونپی۔مہاجرین نے راتج کے کونے سے لے کر ذباب تک خندق کھودنا تھی۔جبکہ انصار نے ذباب سے لے کر جبل ابی عبیدۃ تک خندق کھودنا تھی۔

الطبرانی نے عمدہ سند سے حضرت عمرو بن عوف المزنی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجم الشیخین سے لے کر بنو حارثہ کی طرف خط کھینچا۔حتیٰ کہ آپ المذاد تک پہنچے دس دس صحابہ کرام کو چالیس چالیس گز خندق کھودنے کا حکم دیا۔

مہاجرین اور انصار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے مقابلہ کرنے لگے۔وہ ایک قوی شخص تھے۔مہاجرین نے کہا: "سلمان ہم میں سے ہیں۔" انصار نے کہا: "سلمان ہم میں سے ہیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سلمان اہل بیت میں سے ہیں۔" حضرت سلمان تن تنہا دس افراد کا کام کر رہے تھے۔قیس بن ابی صعصعۃ نے ان کی مدد کی۔ان کی انہیں نظر لگ گئی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انہیں حکم دو کہ وہ وضوء کریں۔حضرت سلمان اس پانی کے ساتھ وضو کریں ان کے پیچھے برتن اوندھا کر دیں۔جب انہوں نے اس طرح کیا تو گویا کہ وہ ابھی ابھی اس سے آزاد ہوئے ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس خندق کھودی۔کمر انور پر مٹی اٹھائی۔حتیٰ کہ آپ کی کمر انور اور پیٹ مبارک کی سلوٹوں پر مٹی جم گئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا: "مجھے روز خندق بھولا تو نہیں آپ صحابہ کرام کو اینٹیں پکڑا رہے تھے۔آپ کے بالوں پر مٹی تھی۔" (امام احمد)

محمد بن عمر نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔آپ اپنی کمر انور پر مٹی اٹھا کر لا رہے تھے۔حتیٰ کہ میرے اور آپ کے مابین مٹی حائل ہوگئی۔گویا کہ میں اب بھی آپ کے بطن اقدس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں۔" جو مسلمان اپنے حصے کی خندق کھود لیتا وہ دوسرے کی مدد کے لیے آجاتا۔حتیٰ کہ خندق مکمل ہوگئی۔خندق کی کھدائی کے وقت ایک مسلمان بھی پیچھے نہ رہا۔حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اپنے کپڑوں میں مٹی اٹھا کر لا رہے تھے کیونکہ ان کے پاس ٹوکریاں نہیں تھیں۔وہ کام کرتے وقت اور آتے جاتے وقت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو رہے تھے۔

خندق کی کھدائی کے وقت پڑھے جانے والے اشعار

ابن اسحاق اور ابن عمر نے لکھا ہے کہ غزوہ خندق میں مسلمان اس صحابی رسول ﷺ کے بارے رجز پڑھ رہے تھے جن کا نام جعیل بن سراقہ تھا۔ وہ ایک صالح اور پاکباز شخص تھے۔ وہ خندق میں کام کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے عمرو رکھ دیا۔ مسلمان یہ شعر پڑھنے لگے:

سمّاہ من بعد جعیل عمرا و کان للبائس یوما ظھرا

ترجمہ: "آپ ﷺ نے جعیل کے بعد اس کا نام عمرو رکھ دیا اور وہ اس دن محنت کرنے والوں کے لیے قوت کی علامت بن گیا۔"

حضور اکرم ﷺ یہ شعر نہیں پڑھ رہے تھے۔ البتہ جب صحابہ کرام "عمراً" کہتے تو آپ بھی عمراً فرماتے جب وہ ظھراً کہتے تو آپ بھی ظھراً فرماتے۔

امام مسلم اور امام بخاری وغیرہما نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم خندق کھود رہے تھے۔ ہم اپنے کندھوں پر مٹی منتقل کر رہے تھے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے ٹھنڈی صبح میں مہاجرین خندق کھود رہے تھے۔ ان کے پاس غلام نہ تھے جو یہ کام سرانجام دیتے۔ جب آپ نے ان کی مشقت اور بھوک ملاحظہ کی تو آپ نے یوں عرض کی:

اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ فاغفر للانصار والمھاجرۃ

ترجمہ: "ہم وہ خوش قسمت افراد ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لیے جب تک زندگی ہے حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس پر جہاد کی بیعت کی ہے۔"

حضرت انس فرماتے ہیں "ہتھیلی بھر جو آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ انہیں صحابہ کرام کے سامنے دائرہ کی شکل میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ کرام کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ یہ جو حلق میں اٹک اٹک جا رہے تھے ان کی بو عجیب تھی۔

امام بخاری، امام مسلم اور ابو یعلی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے خندق کے روز حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ مٹی منتقل کر رہے تھے۔ مٹی نے آپ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپا دیا تھا۔ آپ کے بال مبارک کثیر تھے۔ میں نے آپ کو سنا آپ حضرت ابن رواحہ کے یہ کلمات پڑھ رہے تھے:

واللہ لولا ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

ترجمہ: ''بخدا اگر اس کی ذات نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی نہ ہم صدقہ دیتے نہ نماز ادا کرتے۔''

فانزلن سكينة علينا و ثبّتِ الاقدام ان لاقينا

ترجمہ: ''مولا! ہم پر سکینہ نازل فرما۔ اگر ہم معرکہ آزما ہوں تو ہمارے قدموں کو ثابت فرما۔''

والمشركون قد بغو علينا اذا ارادوا فتنة ابينا

ترجمہ: ''مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا۔''

آبینا ابینا پر آپ اپنی آواز مبارک بلند فرما دیتے۔ امام بیہقی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ابن ابی اسامہ نے حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق میں ضرب لگائی اور فرمایا:

بسم الاله وبه هدينا ولو عبدنا غيره شقينا

يا حبذا ربًّا و حبّ دينا

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے مبارک نام سے شروع۔ اسی کے ساتھ ہم کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اگر ہم اس کے علاوہ کسی اور کی پوجا کریں تو ہم بدبخت ہیں وہ کتنا عمدہ رب ہے اسلام کتنا عمدہ دین ہے۔''

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام میں بہت محنت کی۔ کبھی کدال سے کھودتے۔ کبھی بیلچے سے مٹی نکالتے اور کبھی ٹوکری میں مٹی اٹھاتے۔ ایک دن آپ بہت زیادہ تھک گئے۔ آپ بیٹھ گئے۔ بائیں طرف سے ٹیک پتھر کے ساتھ لگالی۔ آپ سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کے سر اقدس کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں کو دور ہٹانے لگے۔ تاکہ وہ آپ کے پاس سے گزر کر آپ کو بیدار نہ کر دیں۔ آپ اچانک بیدار ہو گئے اور فرمایا: ''تم نے مجھے جگا کیوں نہیں دیا'' آپ نے اپنا ہاتھ سنبھالا اور زمین پر مارنے لگے۔ آپ یہ کلمات فرما رہے تھے:

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر للانصار و المهاجرةِ

ترجمہ: ''مولا حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے انصار اور مہاجرین کو معاف کر دے۔''

اللهم الْعَنْ عضلاً و القارَة فهم كلّفونى انقل الحجارَة

ترجمہ: ''مولا! عضل اور قارہ کے قبیلوں پر لعنت فرما انہوں نے مجھے پتھر اٹھانے کی تکلیف دی ہے۔''

مسلمانوں نے سخت محنت کے بعد خندق کھودی۔ محمد بن عمر اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ خندق چھ دنوں میں کھودی۔ امہات المومنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن باری باری آپ

کے پاس آتی رہیں۔ کچھ دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں رہیں پھر کچھ دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں رہیں۔ پھر کچھ دن حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں رہیں۔ ان تین ازواج مطہرات کے مابین ایام خندق میں آپ نے باری مقرر کر رکھی تھی دیگر ازواج مطہرات بنو حارثہ کے قلعہ میں تھیں دوسرے قول کے مطابق بنو زریق یا فارع کے قلعہ میں تھیں۔

خندق کی کھدائی کے وقت معجزات

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، ابن سعد، ابن جریر، ابن ابی حاتم ابونعیم، حارث، الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرات جابر بن عبداللہ، براء بن عازب، عمرو بن عوف، انس ابن عمر، ابن عباس، ابن شہاب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ خندق کی کھدائی کے وقت مسلمانوں کو ایک سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ شدید سخت، عظیم سفید اور گول چٹان تھی جس میں کدالیں کام نہ کر رہی تھیں۔ ان کے لوہے ٹوٹ جاتے تھے۔ یہ چٹان حضرت سلمان یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی۔ انہوں نے اس کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترکی خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: "میں آتا ہوں۔" آپ اٹھے پیٹ اقدس پر بھوک کی وجہ سے ایک پتھر باندھا ہوا تھا۔ تین روز سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ آپ نے پانی کا برتن منگوایا اس میں لعاب دہن ملایا۔ رب تعالیٰ نے جو چاہا دعا مانگی۔ پھر وہ پانی اس چٹان پر پھینک دیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: "ہمیں اس ذاتِ والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ چٹان ریت کے ٹیلے کی طرح ہو گئی جو نہ کلہاڑے کو نہ ہی بیلچے کو لوٹاتی تھی۔ آپ نے حضرت سلمان سے کدال لی۔ فرمایا: "بسم اللہ" ضرب لگائی اس کا تہائی حصہ کٹ کر الگ ہو گیا۔ بجلی چمکی یمن کی طرف سے نور نکلا جس سے مدینہ طیبہ کی دو سنگلاخ چٹانیں چمک اٹھیں جیسے تاریک رات میں چراغ ضوفشاں ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی اور فرمایا: "مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں ہیں۔ میں ابھی اسی جگہ سے صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔ گویا کہ وہ کتوں کے جبڑے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بار ضرب لگائی تو دوسرا ثلث الگ ہو گیا۔ اس سے بھی بجلی چمکی روم کی طرف سے نور نکلا۔ مدینہ طیبہ کے دو سنگلاخ پہاڑ روشن ہو گئے۔ آپ نے تکبیر کہی اور فرمایا: "مجھے شام کی چابیاں عطا کر دیں گئیں ہیں بخدا! میں اس کے سرخ محلات ابھی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی۔ بقیہ چٹان بھی کٹ گئی۔ ایران کی طرف سے بھی بجلی چمکی۔ مدینہ طیبہ کے دو سنگلاخ پہاڑ روشن ہو گئے۔ آپ نے تکبیر کہی۔ آپ نے فرمایا: "مجھے ایران کی چابیاں دے دیں گئیں ہیں۔ میں حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر اپنی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے حضرت جبرائیل امین نے بتایا ہے کہ میری امت ان پر غلبہ پائے گی۔ نصرتِ الٰہی پر

خوش ہو جاؤ۔" یہ بشارت سن کر مسلمان خوش ہو گئے انہوں نے کہا" ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ وہ سچا وعدہ کرنے والا ہے۔ اس نے محاصرہ کے بعد ہمارے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ آپ حضرت سلمان کے لیے اوصاف بیان فرمانے لگے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! آپ نے سچ فرمایا، اس کے اوصاف یہی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "سلمان! یہ فتوحات ہیں جنہیں رب تعالیٰ میرے بعد فتح فرمائے گا۔ تم شام کو فتح کرو گے۔ ہرقل اپنی مملکت کے دور دراز کے علاقہ میں بھاگ جائے گا۔ تم شام پر غلبہ پالو گے۔ تمہارے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرے گا۔ یہ مشرق ضرور فتح ہوگا۔ کسریٰ قتل ہوگا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ رہے گا۔"

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں یہ سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ شہر فتح ہوئے "جو تمہارے سامنے آئے اسے فتح کرتے جاؤ۔ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے دست تصرف میں ابوہریرہ کی جان ہے تم نے انہیں مدینہ طیبہ سے فتح نہیں کیا، نہ ہی تم انہیں روز حشر تک فتح کر سکتے تھے بلکہ اس سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو اس کی چابیاں عطا کر دیں تھیں۔" منافقین نے کہا: "محمد عربی ﷺ تمہیں خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے مدینہ طیبہ سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھے کہ انہیں تمہارے لیے فتح کر دیا جائے گا۔ حالانکہ تم خندق کھود رہے ہو اور قضائے حاجت کے لیے باہر بھی نہیں نکل سکتے۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (الاحزاب: ۱۲)

ترجمہ: "اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے۔"

خندق کی کھدائی کے دوران مزید معجزات

امام بخاری، امام مسلم، محمد بن عمر، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ خندق کے روز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے بھوک کی وجہ سے اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھ رکھا تھا۔ تین دن گزر چکے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ نہ کھایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے حضور اکرم ﷺ سے گھر آنے کی اجازت طلب کی آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ میں گھر گیا۔ اپنی

زوجہ سے کہا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کو سخت بھوک کے عالم میں دیکھا ہے یہ دیکھ کر مجھے یارائے صبر نہ رہا۔ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس خاتون نے کہا: "میرے پاس ایک صاع جو اور بکری کا بچہ ہے۔" وہ ایک برتن نکال لائیں جس میں ایک صاع جو تھے میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ انہوں نے جو پیسے ہم نے گوشت ایک ہنڈیا میں ڈالا۔ جب آٹا خمیر ہو گیا اور ہنڈیا پکنے کے قریب ہو گئی رات ہو چکی تھی۔ حضور اکرم ﷺ واپس آنے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ ہم دن کے وقت کام کرتے تھے۔ رات کے وقت اپنے اہلِ خانہ کے پاس لوٹ آتے تھے۔ مجھے میری زوجہ نے کہا: "مجھے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے سامنے شرمندہ نہ کرنا" میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے۔ آپ تشریف لے چلیں آپ کے ہمراہ ایک یا دو صحابی بھی تشریف لے آئیں۔" آپ نے اپنی مبارک انگلیاں میری انگلیوں میں پھنسائیں اور فرمایا: "کھانا کتنا ہے؟ میں نے دوبارہ عرض کی آپ نے فرمایا: "وہ کثیر اور پاکیزہ ہے۔ میرے آنے تک نہ اپنی ہنڈیا نیچے اتارنا اور نہ ہی آٹے کی روٹیاں بنانا۔" حضور والا ﷺ نے بآواز بلند پکارا: "اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ تم جلدی جلدی چلو۔" حضور اکرم ﷺ خود آگے آگے چلنے لگے۔ مجھے اتنی شرم آئی جسے صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میں نے کہا: "مخلوق آ گئی ہے بخدا! ایک بکری کے بچے اور ایک صاع جو پر۔ یہ شرمندگی ہی ہے۔" میں اپنی زوجہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا: "تعجب! حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین وانصار سارے صحابہ کرام بھی آ گئے ہیں۔" انہوں نے کہا: "تمہیں اس طرح اس طرح۔" کیا آپ نے تم سے پوچھا تھا؟ میں نے کہا: "ہاں! دوسری روایت میں ہے کہ ان کی زوجہ نے کہا" کیا تم نے صحابہ کرام کو دعوت دی یا رسول معظم ﷺ نے۔" میں نے کہا: "آپ نے ہی دعوت دی ہے۔" انہوں نے کہا: "چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو بتا دیا ہے کہ ہمارے پاس کیا ہے؟ میری زوجہ محترمہ اندر چلی گئیں۔ حضور اکرم ﷺ اندر تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: "دس دس کے گروہ بنا کر آؤ۔ بھیڑ نہ بنانا۔" زوجہ محترمہ نے آٹا سامنے کیا۔ آپ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اس میں برکت کی دعا کی پھر آپ ہماری ہنڈیا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ آپ نے فرمایا: "روٹیاں پکاؤ، ہنڈیا کو ڈھانپ دو۔ اس سے سالن نکالتے رہو۔ تنور سے روٹیاں نکالتے رہو۔ روٹیوں کو ڈھانپ دو۔" ہم نے اسی طرح کیا۔ ہم نے ہنڈیا ڈھانپ دی۔ اس سے سالن نکالتے رہے۔ ہم نے اسے کھولا تو دیکھا کہ اس میں ذرہ بھر بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ تنور سے روٹیاں نکالنے لگے۔ ہم نے انہیں ڈھانپ دیا۔ ان میں بھی ذرہ بھر کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ آپ روٹیاں توڑنے لگے۔ اس پر گوشت رکھنے لگے۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے قریب کرنے لگے۔ آپ ان سے فرماتے: "کھاؤ" جب ایک گروہ سیر ہو جاتا وہ اٹھ کر چلا جاتا آپ دوسرے صحابہ کرام کو بلا لیتے حتیٰ کہ ایک ہزار

صحابہ کرام نے کھانا کھایا۔ جب وہ واپس چلے گئے تو ہماری ہنڈیا اسی طرح ابل رہی تھی۔ ہمارے آٹے سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''کھاؤ اور بطور ہدیہ بھیجو۔ لوگوں کو بہت شدید بھوک لگی ہے۔'' ہم وہ سارا دن کھاتے رہے اور لوگوں کو ہدیہ کے طور پر بھیجتے رہے۔ جب آپ تشریف لے گئے تو یہ ساری برکت بھی ساتھ ہی چلی گئی۔''

ابن اسحاق، ابونعیم بشیر بن سعد کی نور نظر اور نعمان بن بشیر نے بہن سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''میری امی جان نے پیالہ بھر کھجوریں میرے کپڑے کی ایک طرف رکھیں اور مجھے میرے والد گرامی اور ماموں جان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ وہ خندق کھود رہے تھے۔ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدا دی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ آپ نے وہ کھجوریں مجھ سے لے لیں۔ انہوں نے آپ کی مبارک ہتھیلی کو نہ بھرا، آپ نے کپڑا بچھایا اس پر کھجوریں پھیلا دیں۔ کھجوریں اطراف میں گرنے لگیں۔ پھر اپنے قریب ایک صحابی سے فرمایا یوں آواز دو: ''اے اہل خندق کھانے کی طرف آؤ۔'' سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں جمع ہو گئے۔ انہوں نے کھایا وہ کھجوریں بڑھتی رہیں حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیر ہو کر جاتے رہے۔ کھجوریں کپڑے کے اطراف سے گرتی رہیں۔''

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن ابی بردہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''حضرت ام عامر الاشہبیہ نے ایک پیالہ بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا جس میں حلوہ تھا۔ آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس سے جی بھر کر کھایا۔ پھر وہ پیالہ باہر لے آئے۔ آپ کے منادی نے کھانے کا اعلان کیا۔ اہل خندق نے اس میں سے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے وہ پیالہ جوں کا توں تھا۔

ابو یعلی، ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن ابی رافع سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: خندق کے روز میں نے ایک برتن میں آپ کو بکری کا گوشت پیش کیا۔ آپ نے مجھے فرمایا: ''ابو رافع! مجھے اس کا بازو دو۔'' میں نے بازو نکال کر پیش کر دیا۔ آپ نے پھر فرمایا: ''مجھے اس کا بازو دو۔'' میں نے بازو نکال کر پیش کر دیا۔ آپ نے پھر فرمایا: ''مجھے اس کا بازو نکال کر دو۔'' میں نے بازو پیش کیا ساتھ ہی عرض کر دی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا بکری کے دو بازو نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تم خاموش رہتے تو میں جتنی بار بازو مانگتا جاتا تم دیتے جاتے۔''

آپ کی دستِ حق نما کی برکت

الطبرانی، امام بغوی نے حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''جب میرا بھائی علی بن حکم گھوڑا دوڑا رہا تھا تو خندق کی دیوار نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا۔ ہم اسے اس کے گھوڑے پر بارگاہ رسالت مآب میں لائے۔

پ نے فرمایا: "بسم اللہ" آپ نے اس کی پنڈلی کو دستِ اقدس لگایا تو وہ شفاء یاب ہوگیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے بھی نہ اترا۔

منافقین کا رویہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "منافقین حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ کام کرنے سے کنارہ کش رہے۔ وہ کام کرنے سے چھپے رہے۔ کچھ آپ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے اہل خانہ کے پاس کھسک جاتے تھے لیکن جب کسی مسلمان کو ضروری کام پیش آتا وہ اس کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کرتا ضرورت پوری کرنے کی اجازت مانگتا آپ اسے اذن رحمت فرما دیتے۔ وہ اپنا ضروری کام کر کے واپس آجاتا وہ بھلائی میں رغبت رکھتا اور حصول ثواب کے لیے کام کرتا۔ اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل کیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ (النور: ۶۲، ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: "بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے تو چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کے لیے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی

کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے سن لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے اس کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

آپ کی خدمت میں بچے پیش کیے گئے

محمد بن عمر نے حضرت ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ خندق کھود رہے تھے۔ آپ کی خدمت میں بچے پیش کیے گئے۔ آپ نے جسے چاہا اجازت دے دی جسے چاہا واپس بھیج دیا۔ وہ بچے جو ابھی نابالغ تھے وہ آپ کے ساتھ کام کر رہے تھے مگر آپ نے انہیں اجازت نہ دی۔ جب معاملہ شدت اختیار کر گیا تو آپ نے نابالغ بچوں کو ان کے اہل خانہ کے پاس گڑھیوں میں بھیج دیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم کو اجازت مل گئی۔ ان کی عمریں پندرہ پندرہ برس تھیں۔

مشرکین کا مدینہ طیبہ پہنچ جانا، آپ کی جنگی تیاری

جب آپ خندق کے عمل سے فارغ ہوئے مدینہ طیبہ پر اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ کوہ سلع کے سامنے نزول اجلال فرمایا اسے اپنے پیچھے رکھا۔ خندق اپنے سامنے رکھی۔ اسی جگہ لشکر اسلامی کا پڑاؤ تھا۔ جبل الاحزاب کے دامن میں مسجد اعلیٰ کے پاس آپ کا خیمہ نصیب کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ جس نے یہ کہا ہے کہ ان کی تعداد سات سو تھی اسے وہم ہوا ہے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے پاس تھا خواتین اور بچوں کو گڑھیوں میں بھیج دیا گیا۔ مدینہ طیبہ پر ہر کونے کی طرف دیواریں چن دی گئیں یہ قلعہ کی طرح ہو گیا۔

ابن سعد نے مہلب بن ابی صفرۃ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ خندق کی شب آپ نے فرمایا: "میں نے آج رات قوم کو دیکھا ہے۔ تمہارا شعار حٰم لا ینصرون ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ گڑھیوں میں خواتین اور بچوں کے پاس تھے۔ ابن اسحاق نے حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر سے، ابویعلی اور بزار نے عمدہ سند سے حضرت زبیر بن عوام سے اور امام الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہ بن زبیر سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ اپنی ازواج مطہرات اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو قلعہ فارع میں ٹھہرایا۔ ان کے ہمراہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو رکھا۔ حضور اکرم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے۔

تقریباً دس یہودی آئے وہ اوٹ میں چھپ کر قلعہ پر تیر برسانے لگے۔ان میں سے ایک قلعہ کے قریب آگیا۔اس وقت بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا تھا جو مسلمانوں اور ان کے مابین تھا۔ ہمارے اور ان کے مابین کوئی نہ تھا جو ہمارا دفاع کرتا۔حضور والا ﷺ دشمن کے سامنے تھے۔ایک آنے والا ہمارے پاس آیا۔میں نے حضرت حسان سے کہا: ''حسان! اس کی طرف جاؤ اور اس کو قتل کر دو۔'' انہوں نے کہا: ''عبد المطلب کی نور نظر! آپ جانتی ہیں کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں اگر مجھ میں یہ خوبی ہوتی تو میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ چلا جاتا۔'' جب انہوں نے یہ کہا۔میں نے ان کے پاس ایسی چیز نہ دیکھی۔میں نے کمر بند باندھا میں نے تلوار لی اسے اپنے بازو کے ساتھ باندھا اس یہودی کی طرف گئی اور اسے قتل کر دیا۔دوسری روایت میں ہے میں نے بڑی سی لکڑی اٹھائی۔قلعے سے نیچے اتری اور لکڑی سے ضرب ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا میں فارغ ہو کر قلعے کی طرف آئی میں نے کہا: ''حسان! نیچے جاؤ اور اس کا لباس اتار لاؤ۔مجھے صرف اس امر نے لباس اتارنے سے روکا کہ وہ مرد ہے۔'' انہوں نے کہا: ''عبد المطلب کی نور نظر! مجھے اس کے لباس کی ضرورت نہیں۔'' میں نے کہا: ''اس کا سر کاٹ لو اور اسے یہودیوں کی طرف پھینک دو۔'' انہوں نے کہا: ''مجھ میں یہ سکت بھی نہیں۔'' انہوں نے اس کا سر پکڑا اور اسے یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔یہودیوں نے کہا: ''ہمارا خیال تھا کہ محمد عربی ﷺ نے یہاں کوئی محافظ نہیں چھوڑا۔'' وہ بھاگ نکلے۔ابو یعلی نے یہ اضافہ کیا ہے: ''جب حضور اکرم ﷺ کو اس عظیم واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے اسی طرح حصہ نکالا جیسے مردوں کے حصے نکالے۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے۔وہ قلعہ کے اندر تشریف فرما تھیں۔انہوں نے چھوٹی زرہ پہن رکھی تھی۔جس سے ان کے بازو باہر نکلے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا وہ یہ شعر پڑھ کر اسے لہرا رہے تھے:

لبث قليلا يشهد الهيجا حمل　　　لا بأس بالموت اذا حان الاجل

ترجمہ: ''تو ذرا ٹھہر تا کہ تو حمل بن سعدانہ کو دیکھ لے موت کی پرواہ نہیں جب اجل قریب آجائے۔''

ان کی والدہ ماجدہ بھی خواتین کے ساتھ اسی قلعہ میں تشریف فرما تھیں انہوں نے کہا: ''نور نظر! جلد جاؤ۔بخدا! تمہیں دیر ہو گئی ہے۔حضرت ام المومنین نے انہیں کہا: ''بخدا! میری خواہش ہے کہ کاش حضرت سعد کی زرہ کھلی ہوتی۔مجھے خدشہ ہے کہ انہیں کہیں تیر نہ لگ جائے۔'' حضرت سعد کی والدہ ماجدہ نے کہا: ''رب تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔'' رب تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس غزوہ میں حضرت سعد کے سر اقدس پر شہادت کا تاج سجایا۔

مشرکین کے لشکر کا آجانا

قریش آئے۔ وہ مجتمع الاسیال پر خیمہ زن ہوئے۔ بنوکنانہ اور اہل تہامہ بھی وہیں ٹھہرے۔ بنوغطفان اور اہل نجد میں سے ان کے پیروکار احد کی طرف ذنب نقمی میں ٹھہرے قریش نے اپنی سواریاں چرنے کے لیے وادی عقیق میں چھوڑیں مگر ان کے گھوڑوں کے لیے وہاں کچھ نہ تھا۔ سوائے اس مکئی کے جو وہ بطور چارہ ان کے لیے لے کر آئے تھے۔ غطفان نے جنگل میں جھاؤ کے درخت چرنے کے لیے اونٹوں کو چھوڑ دیا۔ اس سے ایک ماہ قبل لوگ اپنی فصلیں کاٹ چکے تھے انہوں نے اپنے جانور کھیتوں اور بھوسے میں داخل کر دیے قریب تھا کہ ان کے گھوڑے ہلاک ہو جاتے۔

جب اہل ایمان نے یہ لشکر دیکھا تو انہوں نے کیا کہا؟

ابن جریر، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ الطیالسی. عبد الرزاق اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں سے فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرۃ: ۲۱۴)

ترجمہ: ''کیا تم خیال کر رہے ہو کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر حالات جو گزرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں پہنچی انہیں سختی اور مصیبت اور وہ لرزا ٹھے۔ یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد، سن لو اللہ کی مدد قریب ہے۔''

جب غزوہ خندق میں ان کی آزمائش ہوئی جب خندق میں گروہوں کے ساتھ مقابلہ ہوا تو انہوں نے کہا:

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ؗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

(الاحزاب: ۲۲)

ترجمہ: ''یہ وہ لشکر ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اضافہ کر دیا۔''

بنوقریظہ کی عہد شکنی

جب مشرکین کا لشکر آ گیا تو حیی بن اخطب، اللہ تعالیٰ کا دشمن نکلا وہ کعب بن اسد کے پاس آیا۔ بنوقریظہ کا معاہدہ

کرنے والا یہی شخص تھا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ جب کعب نے حیی کی آمد کے بارے سنا تو اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ حیی نے اجازت مانگی مگر کعب نے انکار کر دیا۔ حیی نے اسے آواز دی: "کعب! تیرے لیے ہلاکت! دروازہ کھول۔" اس نے کہا: "حیی! تیرے لیے بربادی! تو ایک منحوس شخص ہے۔ میں نے محمد عربی ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے میں اس معاہدے کو نہیں توڑوں گا۔ میں نے ان کی طرف سے صدق اور وفا ہی دیکھی ہے۔" حیی نے کہا: "تیرے لیے ہلاکت! دروازہ کھول۔ میں تیرے ساتھ بات چیت کرنے آیا ہوں۔" کعب: بخدا! میں دروازہ ہرگز نہیں کھولوں گا۔ حیی: بخدا! تو نے دروازہ اس لیے بند کیا ہے تاکہ میں تمہارا گوشت یا کھجور کا دلیہ نہ کھا لوں۔" وہ یہ طعنہ برداشت نہ کر سکا اس نے دروازہ کھول دیا۔

حیی: کعب! میں تیرے لیے زمانے بھر کی عزت اور بے کراں سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں قریش کے سرداروں اور قائدین کے ساتھ آگیا ہوں۔ وہ مجتمع الاسیال پر خیمہ زن ہیں۔ میں بنو غطفان کے قائدین اور راہنماؤں کو لے آیا ہوں وہ احد کی طرف ذنب نقمی پر خیمہ زن ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں جائیں گے حتیٰ کہ محمد عربی ﷺ کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں۔" کعب: تیرے لیے ہلاکت! تو میرے لیے زمانہ بھر کی رسوائی اور ایسا بادل لے کر آیا ہے جس کا پانی نکل چکا ہے وہ صرف گرجتا اور چمکتا ہے لیکن اس میں کچھ نہیں ہے۔" حیی: "تیرے لیے ہلاکت! مجھے میری حالت پر چھوڑ دے۔ میں نے محمد عربی ﷺ کی طرف سے صرف صدق اور وفا ہی دیکھی ہے۔"

حیی اسے مکر و فریب دیتا رہا حتیٰ کہ کعب لالچ میں آگیا۔ اس نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو حضور اکرم ﷺ اور اس کے مابین تھا۔ حیی نے اسے کہا: "اگر قریش اور غطفان محمد عربی ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر ہی چلے گئے تو پھر میں بھی تیرے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا تاکہ مجھے بھی وہی مصیبت پہنچے جو تجھے پہنچے۔"

عمرو بن سعدی نے انہیں سمجھایا۔ برے انجام سے ڈرایا۔ حضور اکرم ﷺ کا عہد اور میثاق یاد دلایا۔ اس نے انہیں کہا: "اگر آپ کی نصرت نہیں کرتے تو آپ کو اور آپ کے دشمن کو چھوڑ دو۔" مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ بنو قریظہ میں سے بنو سعنہ، اسد، اسید اور ثعلبہ نکلے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

کعب نے حیی سے کہا کہ وہ قریش اور غطفان سے کچھ افراد بطور رہن اپنے پاس رکھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچ گئی کہ بنو قریظہ نے عہد ختم کر دیا ہے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو بتایا آپ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن رواحہ، خوات بن جبیر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ فرمایا: "جاؤ دیکھو کیا جو خبر ہمیں ان کی طرف سے پہنچی ہے وہ سچی ہے۔ اگر سچی ہوئی تو مجھے اشارہ کر دینا تاکہ لوگوں کی قوت و طاقت میں کمی نہ آئے اور اگر وہ اپنے عہد پر برقرار ہوں تو لوگوں

کے سامنے بلند آواز سے بتا دینا۔"

وہ روانہ ہوئے۔ بنو قریظہ کے پاس پہنچے انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا۔ انہوں نے انہیں اللہ تعالیٰ اور وہ عہد یاد کرایا جو ان کے مابین تھا انہیں کہا کہ وہ اس عہد کی طرف دوبارہ لوٹ چلیں اس سے قبل کہ معاملہ زیادہ الجھے۔ وہ حیی کی بات نہ مانیں۔" کعب نے کہا: "ہم اس عہد کی طرف دوبارہ کبھی نہیں جائیں گے میں نے اس عہد کو اس طرح کاٹ دیا ہے جس طرح میں نے جوتے کا تسمہ کاٹ دیا ہے۔" اس نے کہا: "کون سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے اور ان کے مابین کوئی عہد نہیں ہے۔ سعد بن عبادہ یا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے انہیں برا بھلا کہا۔ انہوں نے انہیں برا بھلا کہا۔ ان کی طبیعت میں تیزی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: "گالی گلوچ چھوڑیں اب اس کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ حضرت اسید نے کعب سے کہا: "اللہ کے دشمن! اپنے سردار کو گالی دیتا ہے۔ اے یہودیت کے بیٹے! تو ان کا مدمقابل کیسے ہوسکتا ہے۔ ان شاء اللہ! قریش شکست کھا کر واپس بھاگ جائیں گے وہ تجھے تیرے گھر کے صحن میں چھوڑ جائیں گے۔ ہم تیری طرف آئیں گے۔ تجھے اس بل سے نکال کر اپنا حکم ماننے پر مجبور کریں گے۔" صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لوٹ گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کی: "عضل اور قارہ کی طرح انہوں نے بھی دھوکا کیا ہے۔" بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ پھر بیٹھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں کے گروہ! اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر خوش ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ میں بیت اللہ العتیق کا طواف ضرور کروں گا۔ اس کی چابی ضرور پکڑوں گا۔ کسریٰ اور قیصر ضرور ہلاک ہوں گے۔ تم راہِ خدا میں اموال ضرور خرچ کرو گے۔" آپ نے مسلمانوں کا اضطراب اور بے چینی دیکھ کر یوں فرمایا:

ابن عقبہ نے لکھا ہے: "جب بنو قریظہ کے عہد شکنی کی خبر آئی تو آپ نے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے یہ خبر مسلمانوں تک بھی پہنچ گئی کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے خوف شدید ہو گیا۔ آزمائش بڑھ گئی۔ خواتین اور بچوں کے بارے طرح طرح کے اندیشے گردش کرنے لگے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ۔ (الاحزاب: ۱۰)

ترجمہ: "جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان دشمن کے سامنے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے تھے۔ وہ خندق کی نگرانی کر رہے تھے۔ بعض منافقین کا نفاق پھوٹنے لگا۔ معتب بن قشیر نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ تو وعدہ کرتے ہیں کہ ہم

قیصر و کسریٰ کے خزانے لیں گے۔ان کے اموال راہِ خدا میں خرچ کیے جائیں گے لیکن آج حالت یہ ہے کہ ہم میں سے ایک پر سکوں ہو کر قضائے حاجت بھی نہیں کر سکتا۔"

مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (الاحزاب:۱۲)

ترجمہ: "نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے۔"

اس کے کچھ ساتھیوں نے کہا:

يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ (الاحزاب:۱۳)

ترجمہ: "اے یثرب والو تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں ہے جان عزیز ہے تو لوٹ چلو۔"

بنو قریظہ نے ارادہ کیا کہ وہ رات کے وقت مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیں گے۔ یہ خبر مسلمانوں تک پہنچ گئی۔ مصیبت زیادہ ہوگئی۔ امتحان میں اضافہ ہوگیا۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں یوں کرنے سے روک دیا۔ جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت سلمہ بن اسلم الاشہلی کو دو سو اور حضرت زید بن حارثہ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا وہ مدینہ طیبہ کی نگرانی کرتے رہے۔ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ وقتِ صبح سب امن سے تھے۔

بنو حارثہ میں سے ایک گروہ نے اتفاق کیا۔ اوس بن قیظی کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے کہا: "یا رسول اللہ! ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ انصار کے گھر ہمارے گھروں کی طرح نہیں ہیں۔ ہمارے اور بنو غطفان کے مابین کوئی نہیں جو انہیں ہم سے دور کر دے۔ ہمیں اجازت دیں ہم اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں۔ ہم اپنی اولاد اور خواتین کی حفاظت کریں۔" حضور اکرم ﷺ نے انہیں اذن دے دیا۔ وہ خوش ہو گئے اور واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔

محمد بن عمر نے لکھا ہے: "حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! انہیں اذن مرحمت نہ فرمائیں بخدا! ہمیں جب بھی کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ اسی طرح کرتے ہیں۔" انہوں نے بنو حارثہ کی طرف توجہ کی اور کہا: بنو حارثہ! ہمارے ساتھ تمہارا وطیرہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے جب بھی ہمیں اور تمہیں کسی شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تم اسی طرح کرتے ہو۔" حضور اکرم ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔

صحابہ کرام بار بار آپ ﷺ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ انہیں شدید سردی اور بھوک کا سامنا تھا۔ ان کی راتیں دن بن گئیں تھیں۔

محمد بن عمر نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ بار بار خندق کے شگاف کی طرف جاتے تھے۔ اس کی نگرانی فرما رہے تھے۔ جب آپ کو سردی لگتی آپ میرے پاس تشریف لاتے۔ میں اپنی گود میں آپ کو

گرم کرتی جب قدرے آرام آجاتا تو آپ اس شگاف کی طرف تشریف لے جاتے۔آپ فرماتے: "مجھے خدشہ ہے کہ دشمن اس شگاف سے اندر نہ آجائے۔اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ میری آغوش میں تھے۔آپ نے فرمایا:" کاش! کوئی صالح شخص آج رات اس شگاف کی حفاظت کرے۔" آپ نے اسلحہ کی آواز سنی۔آپ نے پوچھا:"کون ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی:" یا رسول اللہ ﷺ سعد بن وقاص" آپ نے فرمایا:"تم اس شگاف کی حفاظت کرو۔" آپ آرام فرما ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔" ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرات عباد بن بشر اور حضرت زبیر بن عوام آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔

محمد بن عمر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا:"خندق کے ایام میں میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھی۔ہم سخت سردی میں تھے۔میں آپ کی زیارت میں محو تھی۔آپ اٹھے اور خیمہ میں نماز ادا کی جتنی رب تعالیٰ نے چاہی پھر باہر تشریف لائے۔لمحہ بھر کے لیے معائنہ کیا پھر فرمایا:"یہ مشرکین کے گھوڑے ہیں جو خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" پھر صدا دی:" عباد بن بشیر! انہوں نے لبیک کہا۔فرمایا: کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟ انہوں نے عرض کی:" ہاں! یا رسول اللہ! میرے ساتھ کچھ صحابی ہیں ہم آپ کے خیمہ کے ارد گرد نگرانی کر رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا:" اپنے ساتھیوں کو لے جاؤ خندق کے ارد گرد چکر لگاؤ کہ دشمن کے گھوڑے وہیں چکر لگا رہے ہیں وہ تم پر اچانک حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ "مولا! ان کا شر ہم سے دور لے جا۔ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ان پر غالب آجا تیرے علاوہ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔" حضرت عباد اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے۔وہاں ابوسفیان تھا وہ گھڑسوار دستے کے ساتھ خندق کی تنگ جگہ کی تلاش میں تھا۔ مسلمانوں نے اسے دیکھ لیا اس پر پتھر اور تیر برسائے انہیں بھگا دیا۔وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔حضرت عباد نے کہا: "میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔میں نے آپ کو بتایا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:" اللہ تعالیٰ حضرت عباد بن بشر پر رحم کرے۔وہ ہمیشہ آپ کے خیمہ کی نگرانی کرتے رہے۔" وقت صبح مشرکین نے خندق دیکھی۔انہوں نے کہا:" یہ چال اہل عرب کی جنگی چال نہیں۔وہ اس طرح کی جنگی چالیں نہیں چلتے۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا:" ان کے ہمراہ ایک فارسی شخص ہے اسی نے ہی ان کو یہ تجویز دی ہے۔انہوں نے پوچھا:" وہاں کون ہے؟ انہوں نے مسلمانوں کو بلایا۔وہ ایک دوسرے پر پتھر اور تیر برساتے رہے۔فریقین کے مابین خندق حائل تھی۔

مشرکین نے اپنی اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ایک دن سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندق کا چکر لگاتا۔ ایک دن خالد بن ولید اور ایک دن عکرمہ اور ایک ضرار بن خطاب یہ فریضہ سرانجام دیتے۔وہ اپنے گھوڑوں کو گھماتے کبھی انہیں اکٹھا کرتے کبھی منتشر کرتے۔وہ صحابہ کرام کے ساتھ جنگ آزما ہونے کے لیے آگے بڑھتے۔اپنے تیر اندازوں کو سامنے رکھتے۔

حضور اکرم ﷺ کا بنو غطفان کے ساتھ مصالحت کا ارادہ

جب حضور اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو قریظہ نے عہد شکنی کی ہے تو آپ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کے پاس پیغام بھیجا یہ غطفان کے قائد تھے۔ وہ اپنی قوم کے دس افراد کے ہمراہ آئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا ایک ثلث دے دوں تو کیا تم اپنے لشکر سمیت واپس چلے جاؤ گے؟ تم اعرابیوں کی امداد سے ہاتھ کھینچ لو گے۔" انہوں نے کہا: مدینہ طیبہ کی نصف کھجوروں پر یہ معاہدہ ہو سکتا ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے ثلث سے زائد دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے کاغذ اور دوات لانے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ چیزیں پیش کر دیں۔ آپ صلح نامہ لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ آپ کے سر اقدس پر کھڑے تھے۔ وہ غرق آہن تھے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ گفتگو کس موضوع پر ہے۔ جب وہ آئے تو عیینہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا۔ جب انہیں اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے کہا: "اے بندر کی آنکھ والے! اپنی ٹانگیں سمیٹ لو۔ تو حضور اکرم ﷺ کے سامنے یوں ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہے۔ بخدا! اگر حضور اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما نہ ہوتے میں یہ نیزہ تیرے خصیوں میں سے نکال دیتا۔" پھر انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! اگر یہ آسمانی امر ہے تو کر گزریے۔ اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو پھر ہم انہیں صرف تلوار دیں گے۔ انہوں نے اس امر کا طمع کیسے کر لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو یاد فرمایا۔ ان سے مشاورت کی۔ آپ ان کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ دیگر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ان سے آہستہ آہستہ کلام فرما رہے تھے۔ اور حالات بتا رہے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "حضور ﷺ نے اس زمرے میں ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ اگر یہ آسمانی امر ہے تو یہ کر گزریے۔ اگر یہ ایسا امر ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے تو آپ کی تمنا ہے تو آپ عمل پیرا ہو جائیں ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ اگر صرف رائے ہے تو پھر ہمارے پاس ان کے لیے صرف تلوار ہے۔" حضرت سعد بن معاذ نے وہ کاغذ لے لیا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ سارا عرب تمہارے خلاف متحد ہو چکا ہے وہ ہر جانب سے تم پر چڑھ دوڑے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان کی طاقت کو کم کر دوں۔" حضرت سعد بن معاذ نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ اور ہم شرک کرتے تھے۔ بت پوجتے تھے۔ ہم رب تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ اس وقت بھی طمع نہیں کر سکتے کہ ان کھجوروں میں سے ایک کھجور بھی کھائیں سوائے ضیافت یا فروختگی کے۔ اب تو رب تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے اس کے

ساتھ ہمیں ہدایت دی ہے آپ کے ساتھ اور اس کے ساتھ ہمیں معزز کیا ہے ہم اپنے اموال انہیں دے دیں ہمیں اس کی ضرورت نہیں بخدا! ہم انہیں صرف تلوار دیں گے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ ان کے اور ہمارے مابین فیصلہ کر دے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جانو اور وہ" حضرت سعد نے کاغذ لیا اور جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اسے مٹا دیا۔ پھر کہا: "وہ ہمارے خلاف کوشش کر کے دیکھ لیں۔"

امام بزار، امام الطبرانی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حارث آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا: "محمد عربی ﷺ ہمیں مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا نصف دیں ورنہ میں گھڑسواروں اور پیادہ دستوں کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔" آپ نے فرمایا: "میں سعود حضرات سعد بن معاذ، سعد بن عبادۃ، سعد بن ربیع، سعد بن خیثمہ اور سعد بن مسعود سے مشورہ کر لوں۔" آپ نے ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کی: "بخدا! انہیں ہم نے زمانہ جاہلیت میں بھی اپنے نفوس کو گھٹیا بات کا خوگر نہیں بنایا اب تو رب تعالیٰ اسلام کو لے آیا ہے۔" آپ حارث کے پاس تشریف لے گئے اور اسے بتایا۔ اس نے کہا: "محمد عربی ﷺ! آپ نے مجھ سے دھوکہ کیا ہے۔" نعوذ باللہ منہ

شیرِ خدا اور عمرو بن عبدود

امام بیہقی نے ابن اسحاق سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید سالار اعظم ﷺ دشمن کے سامنے تھے۔ وہ آپ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ محاصرہ کو تقریباً بیس سے زائد دن گزر چکے تھے۔ خندق حائل تھی اس لیے فریقین میں جنگ آزمائی نہ ہو سکی۔ صرف پتھر اور تیر برساتے رہے پھر مشرکین کے قائدین اور سرداروں نے اتفاق کیا کہ صبح سارے اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ وقتِ صبح ابو سفیان، عکرمہ، ضرار بن خطاب، خالد بن ولید، عمرو بن عاص، نوفل بن معاویہ، نوفل بن عبد اللہ، عمرو بن عبدود، عیینہ بن حصن، حارث بن عوف، مسعود بن رخیل اور بنو اسد کے رؤساء نکلے۔ پیادہ فوج کو اپنے پیچھے رکھا وہ خندق کے چکر لگانے لگے۔ وہ تنگ جگہ کی تلاش میں تھے وہ اپنے گھڑ سوار دستے سے حضور اکرم ﷺ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خندق کی تنگ جگہ ڈھونڈ لی۔ مسلمانوں کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ گھوڑوں کو مارنے لگے انہیں خندق عبور کرنے پر مجبور کرنے لگے حتیٰ کہ عکرمہ، نوفل بن عبد اللہ، ضرار، ہبیرہ اور عمرو بن عبدود نے خندق عبور کر لی۔ دیگر مشرکین خندق کے پار ہی کھڑے تھے وہ اسے عبور نہ کر سکے۔ ابو سفیان سے کہا گیا: "تو نے اسے عبور کیوں نہیں کیا؟ اس نے کہا: تم نے عبور کر لی ہے اگر تمہیں ہماری ضرورت محسوس ہوئی تو ہم اسے عبور کر لیں گے۔" جن لوگوں کے گھوڑوں نے خندق عبور کی تھی ان کے گھوڑے خندق اور کوہ سلع کے مابین گھومنے لگے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ

نکلا۔ انہیں اس شگاف کا علم ہوا جہاں سے گھوڑوں نے خندق عبور کی تھی۔ گھوڑے تیزی سے ان کی طرف آنے لگے۔ عمرو بن عبد ود نے غزوہ بدر میں قتال کیا تھا لیکن زخموں نے اسے چور کر دیا تھا۔ اسے زخمی حالت میں میدان بدر سے اٹھایا گیا تھا۔ وہ غزوہ احد میں شرکت نہ کر سکا تھا اس نے خود پر تیل لگانا حرام قرار دیا حتیٰ کہ وہ محمد عربی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے انتقام لے لے۔ وہ اس وقت عمر رسیدہ تھا ابن سعد نے اس کی عمر نوے سال لکھی ہے۔ یہ مشرکین کے بہادر اور شجاع افراد میں سے تھا۔ یہ غزوہ خندق میں اپنے سر پر علامت لگا کر نکلا تا کہ اس کے بارے علم ہو سکے۔ جب وہ اور اس کا گھوڑا ٹھہر گئے تو اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ حضور اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ اپنی تلوار عنایت کی عمامہ باندھا عرض کی: ''مولا! ان کی اس کے خلاف مدد فرما۔'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

لا تعجلنّ فقد اتاك — مجيب صوتك غير عاجز

ترجمہ: ''تو جلد بازی نہ کر تیرے پاس وہ شخص آچکا ہے جو تیری پکار کا جواب دے گا جو عاجز نہیں ہے۔''

ذونيّة و بصيرة — و الصدق من خير الغرائز

ترجمہ: ''جو عمدہ نیت اور سچی بصیرت والا ہے سچ پر کامیاب ہونے والے کو نجات دینے والا ہے۔''

اِنی لا رجو ان اقيم — عليك نائحة الجنائز

ترجمہ: ''میں ارادہ کرتا ہوں کہ تجھ پر اس عورت کو کھڑا کروں جو میتوں پر نوحہ خوانی کرتی ہے۔''

من ضرّبةٍ نجلاء — يبقى ذكرها عند الهزاهز

ترجمہ: ''ایسے کوہ شگاف ضرب کے ساتھ جس کا تذکرہ ایسے فتنوں کے وقت بھی باقی رہے گا جو دل کو ہلا دیں گے۔''

پھر اسے کہا: ''عمرو! تو جاہلیت میں کہا کرتا تھا کہ جس نے تجھے تین امور کی طرف دعوت دی تو ان میں سے ایک قبول کرے گا۔'' عمرو: ہاں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: میں تجھے اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تو یہ گواہی دے لا اِلٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ۔ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کر لے۔ عمرو: میرے بھتیجے! یہ دعوت مجھ سے دور ہی رہنے دو۔'' حضرت علی المرتضیٰ: دوسری بات یہ ہے کہ تو اپنے شہروں کی طرف لوٹ جا۔ اگر محمد عربی ﷺ سچے ہوئے تو آپ پر اسلام لا کر سعادت مند بن جانا اگر وہ جھوٹے ہوئے تو تمہارا ارادہ بھی یہی ہے۔'' عمرو: قریش کی عورتیں باتیں نہ بناتی رہیں میں نے نذر مانی تھی جو مانی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ مجھ پر تیل لگانا حرام ہے۔ تیسری بات؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: مقابلہ۔ یہ سن کر عمرو ہنسا۔ میں پسند کرتا تھا کہ اہل عرب میں سے کوئی شخص میری اس خصوصیت کا قصد کرے۔ تم کون ہو؟ حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: میں علی بن ابی طالب ہوں۔" عمرو: بھتیجے! اپنے چچاؤں میں اس کو بھیجو جو عمر میں تم سے زیادہ ہو۔ میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: لیکن بخدا! میں تیرا خون بہانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو غصے میں آ گیا۔ وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اس کی کونچیں کاٹ دیں تلوار لہرائی گویا کہ وہ آگ کا انگارہ تھی۔ غصہ کی حالت میں حضرت علی المرتضیٰ کی طرف لپکا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال پر وار روکا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے۔ گرد و غبار اُڑا عمرو نے وار کیا۔ آپ نے ڈھال سے وار روکا۔ آپ نے تلوار کا وار کیا جو اس کا سر چیرتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے: "حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کبھی بھی زخمی نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس کے کندھے کی ہڈی پر وار کیا وہ نیچے گر پڑا۔ گرد و غبار اٹھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی ہنسلی کی ہڈی پر وار کیا۔ جو اس کے پیٹ سے نکل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر سماعت کی۔ آپ نے جان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ وہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے واپس آ گئے:

نصَر الحِجارَۃ من سفاھۃِ رایہٖ　　　و نصَرتُ رب محمدٍ بصوابی

ترجمہ: "بن عبدود نے اپنی حماقت کی وجہ سے بتوں کی نصرت کی اور میں نے صحیح رائے کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب تعالیٰ کی نصرت کی۔"

فصدرّت حین ترکتہٗ مَتجدّلا　　　کالجذع بین دکادکٍ و روابی

ترجمہ: "جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ اس طرح پڑا تھا گویا کہ وہ نرم ریت کے ڈھیروں اور ٹیلوں پر درخت کا منڈھ ہو۔"

و عففْتُ عن اثوابہ و لواننی　　　کنت المقطّر بَزّنی اثوابی

ترجمہ: "میں نے اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہ لگایا اور اگر میں شہید ہو جاتا تو وہ میرے کپڑے بھی اتار کر لے جاتا۔"

لا تحسبن اللہ حاذل دینہٖ　　　و نبیّہٖ یا معشر الاحزاب

ترجمہ: "اے گروہو! تم یہ ہرگز گمان بھی نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین حق اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کا چہرۂ منور دمک رہا تھا۔ اہل عرب میں سے کسی کی زرہ عمرو بن عبدود کی زرہ سے عمدہ نہ تھی۔ مگر آپ نے اس کی زرہ نہ چھینی کیونکہ اس نے آگے شرم گاہ کر دی تھی۔ انہیں حیا آئی۔ مشرکین کے گھوڑے شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے وہ خندق عبور کر گئے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس روز

عکرمہ نے جاتے وقت اپنا نیزہ پھینک دیا تھا اس کے بارے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے ہیں:

فرّ و القی لنا رمحہ   لعلك عکرم لم تفعل

ترجمہ: ''عکرمہ نے ہماری طرف نیزہ پھینکا اور فرار ہو گیا۔ عکرمہ! شاید تو نے یوں ایسا نہ کیا ہو۔''

و ولّیت تعدّو کعدو الظلیم   ما ان تجورُ عن المعدِل

ترجمہ: ''وہ روگرداں ہو کر شتر مرغ کی طرح بھاگا حالانکہ تو رخ موڑنے کا نام تک نہ لیتا تھا۔''

و لم تلق ظھرب مستأنسیا   کان قفاك قفا فرعُلِ

ترجمہ: ''تو نے اپنی وحشت دور کرنے کے لیے اپنی پیٹھ زمین پر نہ رکھی گویا کہ تیری گدی بجو کے بچے کی گدی تھی۔''

مشرکین شکست خوردہ ہو کر واپس آ گئے۔ حضرات زبیر بن عوام اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان کے تعاقب میں نکلے۔ کچھ دیر انہوں نے مقابلہ کیا۔ حضرت زبیر نے نوفل پر وار کیا اسے دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا حتیٰ کہ گھوڑے کی زین کاٹتے ہوئے اس کے کندھوں کے مابین سے کاٹ دیا۔ ان سے کہا گیا: ''آپ کی تلوار جیسی تلوار ہم نے نہیں دیکھی۔'' انہوں نے کہا: ''یہ تلوار کا کمال نہیں بازو کا کمال ہے۔''

انہوں نے ہبیرہ پر بھی حملہ کیا گھوڑے کا تسمہ کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ زرہ گر پڑی جس کے ساتھ گھوڑا باندھا گیا تھا۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا۔ جب وہ ابوسفیان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا ''آج کے روز ہماری قسمت میں کچھ بھی نہیں واپس لوٹ چلو۔'' الحاکم نے لکھا ہے: ''میں نے الاصم سے سنا انہوں نے العطاردی سے سنا انہوں نے حافظ یحییٰ بن آدم کو کہتے ہوئے سنا: ''میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمرو کو قتل کرنے کو صرف رب تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں:

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ۔ (البقرۃ: ۲۵۱)

ترجمہ: ''پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔''

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ عمرو کی لاش کو دس ہزار دراہم کے عوض انہیں دے دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تمہارے لیے ہی ہے۔ ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔''

امام احمد، امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ غزوۂ خندق میں مسلمانوں نے ایک مشرک کو تہ تیغ کیا۔ انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ اس کی لاش بھیج دیں ہم آپ کو اس کے عوض بارہ ہزار دراہم دیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی لاش اور اس کی قیمت میں کوئی بھلائی نہیں۔ اسے انہیں دے دو۔ یہ

خبیث لاش اور خبیث دیت ہے۔" آپ نے اس میں سے کچھ بھی قبول نہ کیا۔

ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ آلِ مغیرہ کے ایک شخص نے کہا: "میں محمد عربی ﷺ کو ضرور قتل کروں گا۔" اس نے اپنا گھوڑا خندق میں داخل کر دیا۔ وہ نیچے گر پڑا اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ مشرکین نے کہا: "محمد عربی ﷺ! اس کی لاش ہمیں دے دیں ہم اسے دفن کر دیں۔ ہم آپ کو اس کی دیت دے دیتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے لے جاؤ یہ خبیث دیت والا ہے۔"

ابن عقبہ نے لکھا ہے: "جب نوفل واصل جہنم ہوا تو مشرکین نے اس کی لاش کے لیے افراد بھیجے انہوں نے آپ کو اس کی دیت کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا: "اس کی دیت خبیث ہے۔ رب تعالیٰ اس پر اور اس کی دیت پر لعنت کرے۔ ہمیں اس کی دیت کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہیں منع نہیں کرتے کہ تم اسے دفن کرو۔"

ابوجعفر نے لکھا ہے جب نوفل خندق میں گر پڑا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پتھر مارے وہ کہنے لگا: "اے اہل عرب! اس سے عمدہ طریقہ سے قتل کرو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نیچے اترے اسے تہ تیغ کیا۔ مشرکین نے اس کی لاش مانگی تو آپ نے اس کی لاش دے دی۔

ابن سعد نے لکھا ہے: "اس کے بعد قتال نہ ہوا حتیٰ کہ مشرکین واپس چلے گئے۔ البتہ وہ رات کو شبخون مارنے کے لیے چکر لگاتے تھے۔

مشرکین کا اتفاق کہ خندق کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا جائے

"جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عمرو تہ تیغ ہوا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر لوٹ گئے تو مشرکین نے اتفاق کیا کہ وہ مل کر حملہ کریں۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ ساری رات اپنے ساتھیوں کو تیار کرتے ہوئے گزار دی۔ پھر طلوعِ شمس سے قبل ہی خندق کے پاس آ گئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو جہاد کے لیے تیار کیا۔ انہیں قتال پر جمع کیا۔ نصرت کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ ثابت قدمی دکھائیں۔ مشرکین نے مسلمانوں کو قلعہ کی مانند گھیر رکھا تھا۔ ان کا ہر سمت سے گھیراؤ کر رکھا تھا ایک لشکر جرار کا رخ اس خیمہ کی طرف تھا جس میں جان کائنات ﷺ جلوہ افروز تھے۔ اس لشکر میں خالد جیسی ہستی بھی تھی۔ اس دن کو رات تک جنگ ہوتی رہی۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہ ہو سکے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی ادا نہ کر سکے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! ہم نے نمازیں بھی نہیں پڑھیں۔" آپ نے فرمایا: "بخدا! میں نے بھی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ہم سے دور لے جائے۔ صحابہ کرام ٹولیوں کی شکل

میں واپس آ گئے۔ ہر گروہ اپنی اقامت گاہ میں آ گیا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو مجاہدین کے ہمراہ خندق کے کنارے پر ٹھہر گئے مشرکین کے گھڑسواروں نے پلٹ کر حملہ کیا۔ ان میں خالد بن ولید جیسی ذات بھی تھی۔ وہ شب خون مارنا چاہتے تھے کچھ دیر جنگ ہوتی رہی۔ وحشی نے حضرت طفیل بن نعمان کو تاک کر اپنے نیزے کا نشانہ بنایا اور انہیں شہید کر دیا۔ اس وحشی نے حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا تھا۔ بعض نے ان کا نام طفیل بن مالک بن نعمان بتایا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر کا نشانہ بن گئے

ابن سعد نے حضرت عاصم بن عمرو بن سعد سے روایت کیا ہے کہ حبان بن قیس نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر کا نشانہ بنایا۔ اس نے ان کے بازو کی شاہ رگ کاٹ دی۔ جب اس نے تیر مارا تو اس نے کہا: ''لو! میں ابن العرقہ ہوں۔'' حضرت سعد یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیرا چہرہ آتش جہنم میں عرق آلود کرے۔'' حضرت سعد نے یہ دعا مانگی: ''مولا! اگر تو نے قریش کے ساتھ کوئی جنگ باقی رکھی ہے تو مجھے اس کے لیے زندگی عطا فرما۔ مجھے کوئی قوم قریش سے بڑھ کر پسندیدہ نہیں کہ میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ انہوں نے تیرے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دی۔ مکہ مکرمہ جیسے وطن سے انہیں نکالا ان کی تکذیب کی۔ مولا! اگر ان کے اور ہمارے مابین یہ جنگی سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو پھر اسے میری شہادت کا سبب بنا دے۔ مجھے اس وقت تک نہ مارنا حتیٰ کہ میری آنکھوں کو بنو قریظہ سے ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔'' دوسرے قول کے مطابق انہیں ابو اسامہ جشمی کا تیر لگا تھا۔ ایک روایت میں خفاجہ بن عاصم کا تذکرہ بھی ہے۔

مسلمانوں کے دو جاسوس نکلے۔ مسلمانوں کو ان کا علم نہ ہو سکا۔ وہ انہیں دشمن گمان کرتے تھے۔ مسلمانوں اور ان کے مابین جنگ و جدل ہوتا رہا۔ پھر انہوں نے مسلمانوں کے "حم لا ینصرون" کے شعار سے پکارا وہ ایک دوسرے سے رک گئے۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کہا: ''تمہارے یہ زخم فی سبیل اللہ ہیں تم میں سے جو قتل ہوئے ہیں وہ شہید ہیں۔'' اس کے بعد جب بھی مسلمان ایک دوسرے کے قریب جاتے وہ شعار سے ایک دوسرے کو پکار لیتے۔

بعض صحابہ کرام اجازت لے کر اپنے اہل خانہ کے پاس جاتے رہے۔ آپ انہیں فرماتے: ''مجھے تمہارے بارے بنو قریظہ کا خطرہ ہے۔'' جب وہ اصرار کرتے تو آپ فرماتے: ''تم میں سے جو جائے وہ اپنا اسلحہ ساتھ لے کر جائے۔'' ایک نوجوان تھا اس کی ابھی ابھی شادی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا اسلحہ لیا اور چلا گیا۔ اس کی دلہن دونوں دروازوں کے مابین کھڑی تھی اس نے اس کے لیے نیزہ تیار کیا تاکہ اسے مارے۔ اس خاتون نے کہا: ''ذرا رکو۔ ذرا دیکھو تمہارے گھر میں کیا ہے؟ اس نے دیکھا کہ اسے اپنے بستر پر سانپ نظر آیا۔ اس نے اس میں نیزہ گاڑھ دیا۔ پھر نیزہ گھر کے صحن میں گاڑھ دیا سانپ

اس کی نوک پر لرزتا رہا۔ وہ نوجوان بھی مر کر گر پڑا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کون مرا تھا۔ نوجوان یا سانپ؟ بارگاہ رسالت مآب میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: "مدینہ طیبہ میں ایسے جنات بھی ہیں جو اسلام لا چکے ہیں اگر تم ان میں سے کچھ دیکھو تو انہیں تین روز کی مہلت دو۔ اگر اس کے بعد بھی تمہیں وہ نظر آئے تو اسے قتل کر دو۔ وہ شیطان ہیں۔"

نمازوں کی قضاء

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کے روز فرمایا: "اللہ تعالیٰ مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسے کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ سے روکا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔"

امام بخاری، امام ترمذی، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یوم خندق میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے جبکہ غروب ہو چکا تھا۔ وہ کفار کو برا بھلا کہنے لگے پھر عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نماز نہ پڑھ سکا حتیٰ کہ قریب تھا کہ سورج غروب ہو جاتا۔" آپ نے فرمایا: "بخدا! میں نے بھی ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔" ہم بطحان میں آپ کی معیت میں اترے۔ آپ نے نماز کے لیے وضو کیا ہم نے بھی وضو کیا۔ آپ نے غروب آفتاب کے بعد نماز عصر اور پھر نماز مغرب پڑھی۔

امام احمد، امام نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام بزار نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: "مشرکین نے ہمیں روکے رکھا۔" حضرت جابر اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا: "مشرکین کی وجہ سے آپ نماز ظہر، نماز عصر، نماز مغرب اور نماز عشاء نہ پڑھ سکے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی۔ آپ نے نماز ظہر اسی طرح ادا کی جس طرح اس کے وقت میں پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے اقامت کہی۔ آپ نے نماز عصر پڑھی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی آپ نے نماز مغرب پڑھی پھر انہوں نے اقامت کہی آپ نے نماز عشاء پڑھی۔ پھر فرمایا: "روئے زمین پر اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی قوم نہیں جو اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہو۔" حضرت ابوسعید نے فرمایا: "اس وقت صلوٰۃ الخوف کے بارے یہ آیت طیبہ نازل نہیں ہوئی تھی:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ (البقرۃ:۲۳۹)

ترجمہ: "پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے۔)"

ابن سعد نے حضرت ابو جمعۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خندق کے وقت آپ نے مغرب کی نماز پڑھی جب فارغ ہوئے تو فرمایا: "کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ میں نے نماز عصر پڑھی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے نہیں پڑھی۔ موذن نے اذان دی، اقامت کہی۔ آپ نے نماز عصر پڑھی پھر نماز مغرب کا ارادہ کیا۔

مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملا

محمد بن عمر نے لکھا ہے: ''مجھے محمد بن عمر بن رفاعۃ بن ثعلبہ بن ابی مالک نے اپنے والد گرامی سے اور وہ ان کے جد امجد سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے حیی سے کہا: ''ہمارا چارہ ختم ہوگیا ہے کیا تیرے پاس چارہ ہے۔'' حیی: ہاں! اس نے کعب بن اسد سے گفتگو کی۔ اس نے کہا: ''ہمارا مال تیرا مال ہے جیسے چاہو استعمال کرو۔ قوم کو حکم دو کہ وہ اونٹ لے آئے اور جتنا چاہے لاد کر لے جائے۔'' حیی نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے اونٹ بھیج دو جو چارہ اٹھالائیں۔ مشرکین نے بیس اونٹ بھیجے جو جو، کھجوریں اور چارہ لے کر مشرکین کی طرف نکلے۔ جب وہ صنفۃ تک پہنچے وہ عقیق کے رستہ جانا چاہتے تھے۔ وہ بنو عمرو بن عوف کے پاس سے گزرے۔ وہ دوپہر کے وقت اپنے اپنے گھر جارہے تھے۔ وہ دس افراد تھے۔ ان میں حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر، حضرت عویم بن ساعدہ اور حضرت معن بن عدی بھی شامل تھے۔ وہ اپنے اس آدمی کی لاش کو لے کر نکلے جو ان کے قلعے میں مرا تھا تاکہ اسے دفن کریں۔ انہیں ان اونٹوں کا علم ہوگیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ قریشیوں نے بھی کچھ دیر کے لیے مقابلہ کیا ان میں ضرار بن خطاب بھی تھا۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ کچھ زخمی ہوئے بعض کو زخمی کیا جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو انہوں نے وہ اونٹ ان کے سپرد کر دیے۔ مسلمان انہیں بنو عمرو کے پاس لے آئے۔ اپنی میت کو دفن کیا۔ پھر ان اونٹوں کو حضور والا ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اہل خندق اسی میں سے کھاتے رہے۔ اس سے انہیں وسعت نصیب ہوئی۔ انہوں نے وہ خوراک کھائی حتیٰ کہ اسے ختم کر دیا۔ پھر ان ایام میں ان اونٹوں کو بھی ذبح کر دیا۔ پھر ان میں سے کچھ باقی رہے حتیٰ کہ مسلمان مدینہ طیبہ آگئے۔ جب ضرار واپس آیا اس نے اس واقعہ کے بارے مشرکین کو بتایا تو ابوسفیان نے کہا: ''حیی منحوس ہے اس نے ہمارا راستہ روک دیا ہے اب ہم واپسی پر اپنا سامان کس پر لاد کر لے جائیں گے۔''

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کردار

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام خوف اور شدت میں تھے جیسے کہ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ دشمن کہیں ان پر غلبہ نہ پالے دشمن اوپر سے اور نیچے سے آگیا تھا۔

امام احمد اور ابن سعد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سوموار، منگل اور بدھ کے روز نماز ظہر اور نماز عصر کے مابین مسجد احزاب میں تشریف لاتے رہے۔ اپنی ردائے پاک رکھ دیتے دستِ اقدس بلند فرماتے اور مشرکین کے لیے بددعا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بشارت کے اثرات آپ کے روئے زیبا پر دیکھ لیے تھے۔

امام بخاری، ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن ابی بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "حضور اکرم ﷺ نے گروہوں کے لیے بد دعا کی۔" ابونعیم کی روایت میں ہے: "آپ نے انتظار فرمایا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ لوگوں میں کھڑے ہوئے۔ ارشاد فرمایا: "اے لوگو! دشمن کے ساتھ ملاقات کرنے کی تمنا نہ کیا کرو۔ رب تعالیٰ سے عافیت کا سوال کیا کرو اگر دشمن سے معرکہ آزما ہو جاؤ تو صبر کا دامن پکڑو۔ جان لو کہ جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے۔" پھر آپ نے یہ دعا مانگی: "مولا! اے کتاب حکیم نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! گروہوں کو شکست دے مولا! انہیں ہزیمت سے دو چار کر اور ہماری ان کے خلاف مدد فرما۔"

ابن سعد نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کا دس سے زائد دن تک محاصرہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ہر ہر شخص نے اذیت محسوس کی۔ حضور معظم ﷺ نے یہ دعا مانگی: "مولا! میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ مولا! کیا تو چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے۔"

امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ہم نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! کیا کوئی ورد ہے جسے ہم کریں دل حلقوم تک پہنچ آئے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! یہ ورد کرو اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا۔ مولا! ہماری پردہ والی جگہوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوفوں کو امن سے تبدیل فرما۔" رب تعالیٰ نے ان کا خوف ختم کر دیا۔

محمد بن عمر نے عبداللہ بن عاصم اشجعی سے اور ابونعیم نے عروہ اور ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے دوست تھے۔ جب گروہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے نکلے تو وہ بھی اپنی قوم کے ہمراہ نکلے وہ ان کے دین پر تھے۔ گروہ وہیں ٹھہرے رہے جتنی مدت ٹھہرے رہے۔ حتیٰ کہ گوشہ قحط سالی کا شکار ہو گئے جانور ہلاک ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ انہوں نے اپنا اسلام اپنی قوم سے مخفی رکھا۔ باہر نکلے اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے انہیں دیکھا تو آپ بیٹھ گئے۔ پوچھا: "نعیم! کس لیے آئے ہو؟ عرض کی: میں آپ کی تصدیق کرنے آیا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔" انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ کو بتایا کہ قریش اکٹھے ہو کر آپ پر حملہ آور ہونے لگے ہیں۔ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف پیغام بھیج دیا ہے کہ ان کا قیام طویل ہو گیا ہے ان کا اردگرد قحط زدہ ہو گیا ہے۔ ہم اس لیے آئے ہیں تاکہ محمد عربی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کریں اور ان سے جان چھڑا لیں۔" بنو قریظہ نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا ہے: "تمہاری رائے بڑی عمدہ ہے جب تم چاہو لیکن تم کچھ افراد بطور رہن ہمارے پاس بھیج دو۔ پھر تم خود کو روکے

رکھو۔" حضور اکرم ﷺ نے حضرت نعیم سے فرمایا: انہوں نے مجھے پیغام بھیجا ہے وہ مجھے صلح کی دعوت دے رہے ہیں۔ میں بنو نضیر کو ان کے گھروں اور اموال کی طرف لوٹا دوں۔" حضرت نعیم نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے جو چاہیں حکم فرمادیں۔ بخدا! آپ مجھے جو حکم بھی کریں گے میں اسے کر گزروں گا۔ میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں ہے۔ نہ کسی اور کو اس کا علم ہے۔" آپ نے فرمایا: "تم صرف ایک شخص ہو جتنی تم میں استطاعت ہے تم ان لوگوں کو ہم سے دور لے جاؤ۔ جنگ ایک چال ہی ہوتی ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! میں ضرور کر گزروں گا۔ آپ مجھے خلاف واقع بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: جو چاہو کہو تمہیں اجازت ہے۔"

حضرت نعیم فرماتے ہیں: "میں بنو قریظہ کے پاس گیا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے خوش آمدید کہا۔ میری عزت وتکریم کی مجھے کھانا اور مشروب پیش کیے۔ میں نے انہیں کہا: "میں کھانے پینے کے لیے نہیں آیا۔ میں تمہارے پاس ایک اہم معاہدہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے تمہارے بارے خدشہ ہے تاکہ تمہیں کچھ صحیح مشورہ دے سکوں۔ تم اس محبت سے آگاہ ہو جو میں تم سے کرتا ہوں۔ میرے اور تمہارے مابین جو خاص تعلقات ہیں تم ان سے بھی آگاہ ہو۔" انہوں نے کہا: "ہم تمہیں جانتے ہیں تم پر کوئی تہمت نہیں ہے۔ تم ہمارے نزدیک سچے اور پاکباز ہو جیسے کہ ہم پسند کرتے ہیں۔" حضرت نعیم: پھر میری بات مخفی رکھنا۔" بنو قریظہ: ہم پوشیدہ رکھیں گے۔ حضرت نعیم اس شخص (حضور اکرم ﷺ) کا معاملہ ایک آزمائش ہے تم جانتے ہو کہ اس نے بنو قینقاع اور بنو نضیر کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ان کے اموال پر قبضہ کر کے انہیں جلا وطن کر دیا۔ ابن ابی حقیق ہمارے پاس گیا۔ ہم اس کے ساتھ اکٹھے ہوئے تاکہ تمہاری نصرت کریں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ معاملہ طوالت اختیار کر گیا ہے جیسے کہ تم بھی دیکھ رہے ہو۔ بخدا! تم قریش اور غطفان اس شخص کے ہاں ایک مقام پر نہیں ہو۔ قریش اور غطفان کارواں کی شکل میں آئے۔ فروکش ہو گئے۔ جیسے کہ تم نے دیکھا اگر انہیں فرصت ملی تو وہ اس سے فائدہ اٹھالیں گے اگر جنگ میں انہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اپنے شہروں کی طرف بھاگ نکلیں گے لیکن تم اس چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ یہ شہر تمہارا شہر ہے اس میں تمہارے اموال، بیٹے اور خواتین ہیں محمد عربی ﷺ کا پلڑا ان پر بھاری ہے۔ کل رات گئے تھے وہ ان کے ساتھ مصروف پیکار رہے۔ ان کا سردار عمرو بن عبدو تہ تیغ ہوا۔ بقیہ زخمی حالت میں بھاگ نکلے وہ تمہیں مستغنی نہیں کر سکتے۔ تم قریش اور غطفان کے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہ کرو حتیٰ کہ ان میں کچھ معزز افراد اپنے پاس بطور رہن نہ رکھ لو۔ ان سے پختہ عہد لو کہ وہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے حتیٰ کہ وہ محمد عربی ﷺ کے ساتھ مقابلہ کر لیں۔"

بنو قریظہ: تم نے عمدہ رائے دی ہے خلوص کا اظہار کیا ہے۔" انہوں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے لیے دعا کی اور کہا: "ہم اسی طرح کریں گے۔" حضرت نعیم: تم یہ سارا معاملہ مخفی رکھنا۔ بنو قریظہ: ضرور! ہم اسی طرح کریں گے۔

پھر حضرت نعیم ابوسفیان کے پاس آئے۔ وہ قریش کے افراد کے مابین بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا: ''میں تیرے لیے خلوص کا اظہار کرنے آیا ہوں۔ میری بات مخفی رکھنا۔ ابوسفیان: ضرور! حضرت ابونعیم: کیا تجھے پتہ ہے کہ بنو قریظہ اس معاہدہ کو توڑ کر نادم ہیں جو ان کے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین تھا۔ وہ واپس لوٹنا اور صلح کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ان کی طرف پیغام دیا ہے۔ میں ان کے پاس ہی تھا۔ انہوں نے انہیں کہا: ''ہم قریش اور بنو غطفان میں سے ستر افراد آپ کو پیش کریں گے۔ آپ ان کی گردنیں اڑا دینا۔ لیکن بنو نضیر کو ان کے گھروں اور اموال میں واپس لے آئیں۔ ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں گے حتیٰ کہ ہم قریش کو واپس لوٹا دیں گے۔ اگر بنو قریظہ تمہارے پاس پیغام بھیجیں اور بطور رہن کچھ افراد مانگیں تو انہیں کچھ بھی نہ دینا۔ اپنے سرداروں کی ان سے حفاظت کرنا۔ لیکن یہ باتیں مخفی رکھنا۔ ان کا حرف تک بھی کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا انہوں نے کہا: ہم کسی سے ذکر تک نہ کریں گے۔

پھر وہ بنو غطفان کے پاس آئے۔ انہوں نے انہیں کہا: ''تم جانتے ہو کہ میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں میری باتیں مخفی رکھنا۔ جان لو کہ بنو قریظہ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا ہے...... پھر انہوں نے ان سے اسی طرح کہا جس طرح ابوسفیان سے کہا تھا...... کہا: محتاط رہنا۔ تم بنو قریظہ کو ایک شخص بھی نہ دینا۔ انہوں نے ان کی تصدیق کر دی۔

یہودیوں نے عزال بن سموال قریش کی طرف بھیجا۔ اس نے یہ پیغام دیا: ''تمہارا قیام طوالت اختیار کر گیا ہے تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ درست بھی نہیں۔ اگر تم ایک دن مقرر کر لو اس میں ہم مل کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کریں۔ ایک طرف تم حملہ کر لو۔ دوسری طرف سے بنو غطفان دھاوا بول دیں۔ ہم تیری طرف سے نکلیں گے ہم سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچ نہیں نکلیں گے۔ لیکن ہم تمہارے ساتھ اس وقت تک نہیں نکلیں گے حتیٰ کہ تم اپنے معزز افراد ہمارے پاس بطور رہن رکھو۔ تاکہ وہ ہمارے پاس رہیں۔ ہمیں خطرہ ہے اگر جنگ نے تمہیں اذیت دی یا تمہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا تو تم اپنے شہروں کی طرف بھاگ جاؤ گے۔ ہمیں اپنے گھر کے صحن میں چھوڑ جاؤ گے۔ ہم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ ان کے ساتھ عداوت کا اظہار کر دیا ہے۔ جب یہود کا قاصد ابوسفیان کے پاس آیا تو ابوسفیان نے اسے کچھ بھی نہ دیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس نے کہا: نعیم نے یہی بتایا تھا۔

حضرت نعیم بنو قریظہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: اے بنو قریظہ! میں اس وقت ابوسفیان کے پاس تھا جب تمہارا قاصد اس کے پاس گیا اس سے بطور رہن کچھ افراد مانگے لیکن اس نے کچھ نہ دیا جب قاصد چلا آیا تو اس نے کہا: ''اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ مانگیں گے میں انہیں وہ بھی نہیں دوں گا۔ میں اپنے عمدہ ساتھیوں کو ان کے پاس بطور رہن رکھوں تاکہ وہ انہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیں اور ان سب کو تہ تیغ کر دیں۔ تم اپنی رائے پر پختہ رہنا۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے

ساتھ ہو کر اس وقت تک نہ لڑنا حتیٰ کہ تم رہن اپنے پاس رکھ لو۔ تم محمد عربی ﷺ سے تو نہیں لڑ رہے۔ ابو سفیان چلا جائے تو تم اپنے سابقہ معاہدہ پر آجانا۔ بنو قریظہ: یا نعیم! ہمیں یہی امید ہے کعب بن اسد نے کہا: "بخدا! میں تو محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی وجہ سے میری مجبوری بن گئی۔ حیی ایک منحوس شخص ہے۔ زبیر بن باطا نے کہا: اگر قریش اور غطفان چلے گئے تو پھر وہ صرف ہم سے تلوار ہی قبول کریں گے۔ ہم محمد عربی ﷺ کی طرف نکلیں گے۔ قریش سے رہن طلب نہ کرو۔ وہ ہمیں رہن کبھی بھی نہیں دیں گے۔ وہ کس طرح ہمیں رہن دیں گے۔ ان کی تعداد ہماری تعداد سے کثیر ہے۔ ان کے پاس گھوڑے ہیں ہمارے پاس گھوڑے نہیں ہیں۔ وہ بھاگنے پر قادر ہے ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے۔ بنو غطفان نے محمد عربی ﷺ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ انہیں مدینہ طیبہ کی کچھ کھجوریں دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا ہے سوائے تلوار کے۔ وہ کچھ لیے بغیر واپس جائیں گے۔ زبیر وغیرہ نے قریش کی مدد کو رہن کے ساتھ ہی مشروط کیا۔

ہفتہ کی شب کو ابوسفیان اور غطفان کے روساء نے عکرمہ اور قریش اور غطفان کے کچھ لوگوں کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کہا: "ہمارا یہاں مزید قیام کرنا ممکن نہیں۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں تم جنگ کی تیاری کرو تا کہ محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کریں اور اپنے اور ان کے مابین جو کچھ ہے۔ اسے ختم کر دیں۔ بنو قریظہ نے یہ پیغام دیا آج تو ہفتہ ہے اس دن ہم کچھ کام نہیں کرتے۔ ہماری ایک قوم نے اس روز حادثہ رونما کیا تھا تم خوب جانتے ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم محمد عربی ﷺ کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے حتیٰ کہ تم اپنے کچھ افراد ہمارے ہاں بطور رہن رکھو۔ جو ہمارے اعتماد کے طور پر ہمارے ہاں رہیں حتیٰ کہ ہم محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر جنگ نے تمہارا نقصان کر دیا قتال تم پر شدت اختیار کر گیا تو ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کی طرف بھاگ جاؤ گے۔ وہ شخص تو ہمارے شہر میں ہے۔ اس کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہم میں نہیں۔

جب مشرکین کے قاصد بنو قریظہ کا یہ پیغام لے کر آئے تو قریش اور غطفان نے کہا: نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف یہ پیغام بھیجا بخدا! ہم اپنے افراد میں تمہیں ایک فرد بھی نہیں دیں گے اگر قتال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو باہر نکلو اور جنگ کرو اس وقت بنو قریظہ نے کہا: جو کچھ نعیم نے کہا تھا وہ سچ ہے۔ یہ قوم صرف جنگ کرنا چاہتی ہے۔ اگر انہیں موقع ملا تو اس سے فائدہ اٹھائیں گے ورنہ اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ تم اپنے درمیان سے اور اس شخص کے درمیان سے ہٹ جاؤ جو تمہارے شہر میں ہے۔"

قریش اور غطفان کے قاصد بار بار بنو قریظہ کے پاس جاتے رہے وہ بار بار اپنا موقف دہراتے رہے۔ یہ ان کی مدد سے مایوس ہو گئے۔

رب تعالیٰ نے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کے ذریعے ان کے مابین تفریق ڈال دی۔

مشرکین کی شکست، رب تعالیٰ کا ان پر ٹھنڈی ہوا، اور ملائکہ بھیجنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے شدید ٹھنڈی رات میں سخت آندھی بھیج دی۔ اس نے ان مشرکین کی ہنڈیاں الٹ دیں۔ ان کے برتن پھینک دیے۔

ابن سعد نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''غزوۂ خندق میں حضرت جبرائیل آئے۔ ان کے ساتھ ہوا تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو دیکھا تو فرمایا: خوش ہو جاؤ۔'' آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا رب تعالیٰ نے مشرکین پر ہوا بھیجی۔ اس نے خیمے اکھیڑ دیے۔ ہنڈیاں الٹی کر دیں۔ آدمی دفن کر دیے۔ رسیاں ٹوٹ گئیں وہ روانہ ہو گئے وہ ایک دوسرے کو مڑ کر دیکھ بھی نہیں رہے تھے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ (الاحزاب:9)

ترجمہ: ''جب آ گئے تھے تم پر لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔''

ابن ابی حاتم، ابونعیم اور بزار نے صحیح اسناد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ خندق کی رات کو شمالی ہوا جنوبی ہوا کے پاس گئی۔ اس نے اسے کہا: ذرا چل! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرما۔ جنوبی ہوا نے کہا: آزاد رات کو نہیں چلتا۔ رب تعالیٰ نے اس پر غضب نازل کیا اسے بانجھ بنا دیا اس نے صبا بھیجی اس نے مشرکین کی آگ بجھا دی۔ رسیاں کاٹ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: میری نصرت صبا کے ذریعے کی گئی ہے۔ عاد کو دبور کے ذریعہ ہلاک کیا گیا ہے۔ امام احمد، شیخان اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میری نصرت صبا کے ذریعے کی گئی ہے عاد کو دبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔''

امام بیہقی نے حضرت مجاہد سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے نقل کیا ہے یعنی صبا ہوا۔ جو گروہوں پر روز خندق بھیجی گئی تھی اس نے ان کی ہنڈیاں الٹی کر دیں۔ خیموں کی رسیاں اکھیڑ دیں حتیٰ کہ وہ کوچ کرنے پر مجبور ہو گئے اور جنود سے مراد فرشتے ہیں انہوں نے اس روز قتال نہیں کیا تھا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے ہوا اور رعب کو بھیج دیا جب وہ خیمہ لگاتے اللہ تعالیٰ اس کی رسیاں کاٹ دیتا۔ جب وہ جانور باندھتے رب تعالیٰ اس کی رسی کاٹ دیتا۔ جب بھی آتش جنگ جلاتے رب تعالیٰ اسے بجھا دیتا۔ حتیٰ کہ ہمیں بتایا گیا کہ ہر ہر قبیلے کے سردار نے کہا: اے بنو فلاں! میرے پاس آؤ جب وہ اس کے

پاس جمع ہوئے تو اس نے کہا: نجات! نجات! تمہیں آلیا گیا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان پر رعب مسلط کر دیا تھا۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں: پھر رب تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی، یہ زرد آندھی تھی۔ اس نے مشرکین کی آنکھیں بھر دیں۔ انہیں بزدلی و رکمزوری نے آلیا۔ مشرکین کو شکست ہوگئی وہ اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ آئے۔ ہوا ان پر چلتی رہی ملائکہ نے انہیں ڈھانپ رکھا۔ ان کی آنکھوں کو بے نور کیے رکھا۔ وہ واپس لوٹ گئے۔ ارشاد فرمایا:

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾ (الاحزاب: ۲۵)

ترجمہ: ''اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں تھے۔ انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچالیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔''

ابوالخطاب ابن دحیہ نے لکھا ہے ان ملائکہ نے ان کے دلوں میں بزدلی اور رعب ڈال دیا۔ اہل ایمان کے دلوں میں قوت اور امید ڈال دی۔ کہا جاتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتے بھیجے جو دشمن کے گھوڑوں اور اونٹوں کو ڈانٹتے تھے انہوں نے بھاگ کر شکست کھا کر تین دن کی مسافت ایک دن میں طے کرلی۔

بھاگنے کا منظر

امام حاکم، ابن مردویہ، ابونعیم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ نے اپنے ساتھیوں سے غزوات رسول ﷺ کا تذکرہ کیا ان کے ساتھیوں نے کہا: ''بخدا! اگر ہم کو آپ کی زیارت کی سعادت عظمیٰ مل جاتی تو ہم یوں یوں کرتے۔'' ایک شخص نے کہا: ''اگر میں حضور والا ﷺ کو پالیتا تو میں آپ کے ساتھ جہاد کرتا اور بہادری کے جوہر دکھاتا۔'' حضرت حذیفہ نے کہا: یہ تمنا نہ کرو۔ ہم نے غزوہ خندق میں خود کو دیکھا ہم صفیں باندھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے اوپر ابو سفیان اور اس کا لشکر تھا۔ ہمارے نیچے بنوقریظہ تھے جن سے ہمیں اپنی اولاد کے بارے خطرات تھے۔ اس سے تاریک تر اور شدید تر رات ہم پر کبھی نہیں آئے گی۔ ہوا میں بجلیاں کڑکتی تھیں اتنی ظلمت کہ ہم میں سے کوئی اپنی انگلی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ منافقین آپ سے اجازت مانگنے لگے انہوں نے کہا:

اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ (الاحزاب: ۱۳)

ترجمہ: ''ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔''

منافقین میں سے جو آپ سے اجازت مانگتا آپ اسے اجازت دے دیتے وہ چپکے سے کھسک جاتے۔ ہماری

تعداد تین سو تھی حضور اکرم ﷺ نے ہمیں ایک ایک کر کے دیکھا فرمایا: "کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مشرکین کی خبر لے کر آئے وہ روزِ حشر میرے ساتھ ہوگا۔" دوسری روایت میں ہے: "روزِ حشر رب تعالیٰ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رفیق بنائے گا۔ لیکن ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے دوسری اور تیسری بار اس طرح فرمایا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ حذیفہ کو بھیج دیں۔" میں نے کہا: "بخدا! کوئی اور۔" حضور اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے میرے پاس نہ تو دشمن سے بچنے کے لیے ڈھال تھی نہ سردی سے بچنے کی چادر تھی۔ میں نے اپنی زوجہ کی چادر لی ہوئی تھی جو میرے گھٹنوں سے متجاوز نہ تھی۔ آپ میرے پاس تشریف لائے۔ میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا: "کون ہو؟" میں نے عرض کی حذیفہ! آپ نے فرمایا: حذیفہ! حضرت حذیفہ نے فرمایا: "میں عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے زمین کی طرف گیا مجھے اٹھنا پسند نہ تھا۔"

آپ نے فرمایا: اٹھو! میں اٹھا۔ آپ نے فرمایا: اس قوم میں واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ مجھے اس کی خبر لا کر دو۔ میں نے عرض کی: "مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ بہت زیادہ سردی ہے۔ میں صرف اس لیے اٹھ رہا ہوں کہ مجھے آپ سے حیاء آرہی ہے۔" آپ نے فرمایا: تمہیں نہ سردی لگے گی نہ گرمی۔ حتیٰ کہ تم میرے پاس آجاؤ۔ میں سب سے زیادہ گھبراتا تھا اور سب سے زیادہ سردی مجھے لگتی تھی۔ بخدا! مجھے یہ خوف نہ تھا کہ میں قتل ہو جاؤں گا لیکن مجھے قیدی بننے کا خوف تھا۔ آپ نے فرمایا: تم قیدی نہیں بنو گے۔" میں باہر نکلا آپ نے یہ دعا مانگی: مولا اس کے سامنے سے اس کے پیچھے سے اس کے دائیں سے اس کے بائیں سے اس کے اوپر اور اس کے نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔" حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: "میرے اندر جو گھبراہٹ اور سردی تھی وہیں ختم ہوگئی۔ مجھے کچھ بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔ گویا کہ میں حمام میں چل رہا تھا۔ جب میں جانے لگا تو آپ نے فرمایا: حذیفہ! اس قوم میں کوئی حادثہ رونما نہ کرنا حتیٰ کہ تم میرے پاس آجاؤ۔"

دوسری روایت میں ہے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔" آپ نے فرمایا: "اس قوم میں داخل ہو جاؤ۔" پہلے قریش کے پاس جانا۔ انہیں کہنا۔ "اے قوم قریش! لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ جب کل آئے تو لوگ کہیں قریش کہاں ہیں؟ لوگوں کے قائد کہاں ہیں؟ لوگوں کے رؤساء کہاں ہیں؟ وہ تمہیں آگے کریں گے۔ تم جنگ کرو گے تم میں قتل عام ہوگا۔ پھر بنو کنانہ کے پاس جانا کہنا: اے بنو کنانہ! لوگوں کا ارادہ ہے کہ کل وہ کہیں بنو کنانہ کہاں ہیں ماہر تیرانداز کہاں ہیں؟" وہ تمہیں آگے کریں گے تم جنگ کرو گے قتل عام تم میں ہوگا۔" پھر بنو قیس کے پاس جانا۔ انہیں کہنا: "اے گروہ قیس! لوگوں کا ارادہ ہے کہ کل وہ کہیں بنو قیس کہاں ہیں۔ گھوڑوں میں مشغول رہنے والے کہاں ہیں؟ شہ سوار کہاں ہیں؟ وہ تمہیں آگے کریں گے تم قتال کرو گے تمہارا قتل عام ہوگا۔"

حضرت حذیفہ نے کہا: "میں باہر نکلا۔ روانہ ہوا۔ لشکر کے پڑاؤ تک پہنچا۔ میں نے دیکھا ان کے لیے آگ کی روشنی

نہ تھی۔میں نے ایک شخص کو دیکھا جو سیاہی مائل اور موٹا تھا۔اس کے ہاتھ میں آگ تھی اس کے ارد گرد لوگ تھے۔ گرد وا سے چھوڑ کر جا چکے تھے۔وہ کہہ رہا تھا: 'کوچ، کوچ'' میں ابوسفیان کو نہیں جانتا تھا۔میں نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اس کا پر سفید تھا اسے اپنی کمان میں رکھا تا کہ اسے دے ماروں۔پھر مجھے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا۔اس قوم میں کوئی واقعہ رونما نہ کرنا حتی کہ میرے پاس آجاؤ۔میں رک گیا تیر واپس ڈال لیا۔جب میں ان میں بیٹھ گیا تو ابوسفیان کو کچھ محسوس ہوا کہ ان میں کوئی اجنبی آ گیا ہے۔اس نے کہا: تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ لے۔میں نے اپنا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ پر مارا جو میرے دائیں طرف تھا۔اس کا ہاتھ پکڑا پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا: معاویہ بن سفیان۔میں نے بائیں طرف ہاتھ مارا پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں عمرو بن عاص ہوں۔میں نے یہ عمل اس خدشہ کے پیش نظر کیا تھا کہ کوئی مجھ سے نہ پوچھے۔ میں نے ان سے پہلے پوچھ لیا۔پھر میں کچھ دیر ان میں ٹھہرا رہا۔میں بنو کنانہ اور بنو قیس کے پاس آیا۔میں نے اسی طرح کہا جس طرح مجھے آپ نے حکم دیا تھا۔میں پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔بنو عامر مجھے سب سے زیادہ قریبی تھے۔عامر بن علقمہ نے صدا دی: ''بنو عامر آندھی مجھے مار رہی ہے میں سواری پر ہوں انہیں شدید آندھی نے آلیا ہے۔اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی جب اس کے ساتھیوں نے دیکھا تو وہ چلانے لگے: کوچ! کوچ! ٹھہرنے کا فائدہ نہیں۔'' آندھی مشرکین کے لشکر کے پڑاؤ میں محدود تھی۔ایک ہاتھ بھی آگے پیچھے نہ تھی۔بخدا! میں پتھروں کی آواز یں سن رہا تھا جو ان کے کجاؤوں میں گر رہے تھے۔ہوا انہیں پھینک رہی تھی۔وقتِ صبح انہوں نے صدا دی: قریش کہاں ہیں لوگوں کے رئیس کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: اسی وجہ سے ہم رات سے مصیبت میں گرفتار رہے۔کنانہ کہاں ہیں؟ قیس کہاں ہیں۔گھوڑوں کے سوار کہاں ہیں؟ جب ابوسفیان نے یہ دیکھا تو اس نے کہا: سوار ہو جاؤ۔وہ سوار ہو گئے۔آندھی ان کے سامان پر بھی غلبہ پا رہی تھی۔میں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنے بندھے ہوئے اونٹ پر سوار ہو گیا۔وہ اسے اٹھانے لگا۔وہ اٹھ نہیں سکتا تھا اس نے بعد میں اسے کھولا۔میں حضور ﷺ کی طرف روانہ ہو گیا۔جب نصف راستہ طے کر لیا تو مجھے تقریباً بیس شہ سوار ملے جنہوں نے عمامے باندھ رکھے تھے۔انہوں نے کہا: اپنے صاحب (ﷺ) کو بتانا کہ رب تعالیٰ لشکر اور آندھی کے ساتھ ان کے دشمن کو کافی ہو گیا ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ چادر مبارک اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔جب میں واپس آیا تو مجھے سردی نے آلیا۔میں کانپنے لگا۔آپ نے مجھے اپنے دستِ اقدس سے اشارہ کیا۔آپ نماز ادا کر رہے تھے۔میں آپ کے قریب ہو گیا۔آپ نے اپنی بقیہ چادر مجھ پر ڈال دی۔ جب آپ کو کسی اہم کام کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ نماز پڑھنے لگتے میں نے مشرک قوم کے بارے بتایا کہ میں نے انہیں چھوڑا تو وہ کوچ کر رہے تھے۔پھر میں تا دمِ صبح سوتا رہا۔وقتِ صبح آپ نے فرمایا: ''اے بہت زیادہ سونے والے اٹھو۔''

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن عاص اور خالد بن ولید دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تا کہ آپ

ان کا تعاقب نہ کریں۔

حضور ﷺ کی واپسی

امام احمد، امام بخاری نے حضرت سلیمان بن صرد سے، بزار نے ثقہ راویوں سے اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اور امام بیہقی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے جب گروہ چلے گئے تو آپ نے فرمایا: ''اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے۔ ہم ان کی طرف جائیں گے۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''اس کے بعد قریش کو آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی حتیٰ کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔'' امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ ورد فرماتے تھے:

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ اَعَزَّ جُنْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ. ھَزَمَ الاحزابَ وحدہٗ فلا شیئَ بَعدہٗ۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں: ''آپ نے صبح خندق پر کی مشرکین کے لشکر میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا تھا۔ سب بھاگ گئے تھے۔ اپنے شہروں کی طرف منتشر ہو چکے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو گھروں میں جانے کی اجازت دے دی۔ وہ جلدی جلدی اور خوشی خوشی سے روانہ ہوئے۔ آپ نے ناپسند فرمایا کہ بنو قریظہ کو علم ہو کہ مسلمانوں میں واپس جانے کی کتنی محبت ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو واپس آنے کے لیے کہا۔ ان کے پیچھے منادی بھیجا مگر ان میں سے ایک شخص بھی واپس نہ آیا۔

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابن عمر سے اور محمد بن عمر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو واپس آجانے کا حکم دیا۔ ہم ان کے پیچھے یہ صدائیں دے رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ واپس لوٹ آؤ لیکن ان میں سے ایک شخص بھی واپس نہ آیا۔ بھوک اور ٹھنڈک کی وجہ سے ان کا یوں جلدی جانا حضور اکرم ﷺ ناپسند فرما رہے تھے۔ آپ نے ناپسند فرمایا کہ کہیں قریش کے جاسوس نہ ہوں۔'' حضرت جابر نے فرمایا: میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ سے ملاقات بنو حرام میں کی۔ میں نے آپ کو بتایا تو آپ مسکرانے لگے۔

مدینہ طیبہ کے گوشوں میں منافقین حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے باتیں بنا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''وہ تو ابھی تک ہلاک ہو چکے ہوں گے۔'' انہیں گروہوں کے چلے جانے کا علم نہ تھا۔ گروہوں کا یوں آجانا انہیں خوش کر رہا تھا وہ اعرابیوں کے ہاں چلے گئے تھے تاکہ انہیں قتال نہ کرنا پڑے۔

اس غزوہ میں آٹھ مسلمانوں کے سروں پر شہادت کا تاج سجا۔ حضرت سعد بن معاذ، حضرت انس بن اوس، حضرت عبد اللہ بن سہل، حضرت طفیل بن نعمان، حضرت ثعلبہ بن عنمہ، حضرت کعب بن فرید، یہ بئر معونہ کے واقعہ میں زخمی ہو گئے

تھے۔ پھر تندرست ہو گئے اور غزوۂ خندق میں شہید ہو گئے۔
حافظ دمیاطی نے الانساب میں ان حضرات کا اضافہ کیا ہے: ''قیس بن زید، عبد اللہ بن ابی خالد ابو سنان بن صیفی۔
الحافظ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ خندق میں جام شہادت نوش کیا۔
مشرکین میں سے تین افراد واصل جہنم ہوئے۔ عمرو بن عبدو، نوفل بن عبد اللہ، عثمان بن منبہ اسے غزوہ خندق میں تیر لگا اور مکہ مکرمہ میں مر گیا۔

ابوسفیان کا خط

محمد بن عمر نے حضرت ابو وجزۃ العدی سے روایت کیا ہے: ''جب قریش طویل قیام سے اکتا گئے اردگرد کو قحط سالی نے ڈھانپ لیا۔ خندق سے تنگ دل ہوئے ابوسفیان نے طمع کیا تھا کہ وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرے گا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک خط لکھا جس میں لکھا:
''مولا! تیرے نام کے ساتھ! لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ کی طرف لشکر جرار لے کر آیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اس وقت تک نہ لوٹوں گا حتیٰ کہ تمہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکوں لیکن تم نے ہم سے ملاقات کرنے کو ناپسند کیا۔ خندق کھود کر اپنا تحفظ کر لیا۔ ورنہ احد کی یاد تازہ ہو جاتی۔''
اس نے یہ خط ابو اسامۃ جشمی کے ہاتھ بھیجا۔ حضرت ابی بن کعب نے آپ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ نے ابوسفیان کو یہ خط لکھوایا ''امابعد! مجھے تیرا خط ملا۔ بڑی مدت سے شیطان نے تجھے رب تعالیٰ کے بارے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جو تو نے یہ ذکر کیا ہے کہ تو لشکر لے کر ہمارے پاس آ رہا تھا تمہارا ارادہ تو یہ تھا کہ تو اس وقت تک واپس نہ جائے گا حتیٰ کہ ہمیں جڑ سے اکھیڑ پھینکے یہ ایک ایسا امر ہے جس کے اور تمہارے مابین رب تعالیٰ کی ذات حائل ہے۔ بالآخر وہ ہمیں کامیابی عطا کرے گا۔ ایک دن ضرور آئے گا جس روز میں لات وعزیٰ اور اساف، نائلہ اور ہبل کو ریزہ ریزہ کر دوں گا اے بنو غالب کے احمق! اس روز میں تجھے یہ سب کچھ یاد کراؤں گا۔''

غزوہ خندق کے بارے قرآن پاک کا نزول

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ
قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا
يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ
مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ
اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ
الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ
كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ
اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ
بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ
وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ
شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

(الاحزاب: ۹ تا ۲۵)

ترجمہ: "اے ایمان والو یاد کرو اللہ تعالیٰ کا احسان جو اس نے تم پر کیا جب (حملہ آور) ہو کر آ گئے تھے تم پر (کفار کے لشکر) پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جس کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت آنکھیں پتھرا گئی اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے، اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے۔ اس میں مگر بہت کم حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ فرما دیجئے اے (بگھوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور اگر (تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکے مگر تھوڑی مدت فرمایئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب کا ارادہ کرے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست نہ کوئی مددگار اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں۔ (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے اور برائے نام پرلے درجہ کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں اور پھر جب خوف اور دہشت چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے تو وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت تکلیف دیتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے اور بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول

ہیں (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے اللہ نے ضائع کر دیے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے دوبارہ پلٹ کر آ جائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے اور تمہاری خبریں لانے والوں سے پوچھتے اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ جنگ نہ کرتے مگر برائے نام۔ بے شک حضور کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے اس لیے جو اللہ سے ملاقات اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔"

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار

و سائلةٍ تسائل ما لقینا   و لو شهدت راتنا صابرینا

ترجمہ: "کئی خواتین نے ہم سے سوال کیا کہ ہم کس چیز سے نبرد آزما ہوئے۔ اگر وہ وہاں موجود ہوتیں تو وہ ہمیں پاتیں کہ ہم صبر کرنے والے تھے۔"

صبرْنا لا نری الله عدلا   علی مانابنا... متوکلینا

ترجمہ: "ہم کسی کو اللہ تعالیٰ کے مدمقابل نہیں پاتے۔ جو تکلیف ہمیں پہنچی ہم نے اس پر توکل کرتے ہوئے صبر کیا۔"

و کان لنا النبیّ وزیر صدق   به البریّة البَریَّةَ اجمعینا

ترجمہ: "حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے صداقت کے وزیر تھے آپ ہی کے وسیلہ سے ہم ساری مخلوق پر تسلط حاصل کریں گے۔"

نقاتل معشرًا ظلموا و عقوا   و کانوا بالعَدَاوَةِ مرْصدِینا

ترجمہ: "ہم اس گروہ کے ساتھ مصروف پیکار رہیں گے جنہوں نے ظلم کیا اور نافرمانی کی وہ عداوت کی وجہ سے ہماری گھات میں تھے۔"

نعاجلهم اذا نهضوا الینا   بضرب یعجل المتسَرِّعینا

ترجمہ: "ہم اس وقت بڑی تیز شمشیر زنی کے ساتھ ان پر گویا سبقت لے جاتے جب وہ ہماری طرف آتے۔ تلواریں جلد بازوں پر تیزی سے چل رہی ہوتیں۔"

ترانا فی فضافض سابغاتٍ   کغدران المَلَا مسْتَسر بلینا

ترجمہ: "تم دیکھ رہے ہو کہ ہم ایسی زرہوں میں ملبوس ہیں جو کھلے میدانوں میں تالابوں کی طرح ہیں۔"

و فی ایماننا بیض خفاف بها نشفی مراح الشاغبینا

ترجمہ: "ہمارے دائیں ہاتھوں میں ایسے تاباں اور ہلکی تلواریں ہیں جن کے ذریعے ہم ان کے فتنہ انگیز اور شور والے اوچھے پن کو ختم کر رہے ہیں۔"

بباب الخندقین کان اسدًا شوا بکھنّ یحمین العَرِینا

ترجمہ: "خندق کے دروازوں پر ایسے شیر متعین ہیں جو اپنی کچھاروں کے محافظ ہوں گویا کہ"

فوارسنا اذا بکروا و راحوا علی الاعداء شوسًا معلمینا

ترجمہ: "وہ ہمارے سوار تھے جنہوں نے نشان لگا رکھے تھے اور ترش ٹیڑھی نگاہوں کے ساتھ صبح و شام دشمن کے ساتھ مصروف جنگ ہیں۔"

و یعلم اهل مکة حین ساروا و احزابٌ اتوا متخِرٍ بینا

ترجمہ: "تاکہ اہل مکہ اور دیگر وہ گروہ جان لیں جو گروپ کی شکل میں ہمارے پاس آئے تھے۔"

لنصر احمد و الله حتّی نکون عباد صدقٍ مخلصینا

ترجمہ: "نیز یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی مدد کریں حتیٰ کہ ہم رب تعالیٰ کے سچے اور مخلص بندے بن جائیں۔"

بانّ الله لیس له شریك و ان الله مولی المومینا

ترجمہ: "تاکہ مشرکین جان لیں کہ رب تعالیٰ کا یقیناً کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے۔"

فامّا تقتلوا سعدًا سفاهًا فان الله خیر القادرینا

ترجمہ: "اگر تم نے پاگل پن کی وجہ سے حضرت سعد کو شہید بھی کر دیا تو رب تعالیٰ تو سب قادرین سے بہترین قدرت رکھنے والا ہے۔"

سیدُ خله جِنانًا طیّباتٍ تکون مقامة لصالحینا

ترجمہ: "رب تعالیٰ ان کو پاکیزہ باغات میں داخل کرے گا وہ صالحین کا ٹھکانہ ہوں گے۔"

کما قد ردّکم فلّا شریدًا بغیظکم خزایا خائبینا

ترجمہ: "جس طرح کہ اس ذاتِ پاک نے تمہیں شکست خوردہ، دھتکارے ہوئے ذلیل و رسواء اور گھاٹے میں واپس کر دیا۔"

خزایا لَم تنالوا ثم خیرًا و کدتم ان تکونوا دامرینا

ترجمہ: ''تم اس طرح ذلیل ہو گئے تھے کہ تم وہاں کسی بھلائی کو نہ پاسکے قریب تھا کہ تم ہلاکت کے گڑھے میں پڑتے۔''

بریحٍ عاصفٍ هبّت علیکم و کنتم تحتها متکمهینا

ترجمہ: ''تم اس شدید آندھی کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے جو تم پر چلی تھی اور اس کے نیچے تم اندھے ہو گئے تھے۔''

حضرت حسان بن ثابت عبداللہ بن زبعری کو جواب دیتے ہیں:

هل رسم دارسة المقامِ یباب متکلمٌ لمحاورٍ بجواب

ترجمہ: ''ایسے شہر کے نشانات جہاں قیام کرنے کی علامات مٹ چکی ہیں ایسے شخص کے ساتھ ہم کلام ہونا چاہتے ہیں جو انہیں فوراً جواب دے۔''

قفر عفارهم السحاب رسومه و هبوب کل مطلة مرباب

ترجمہ: ''اس چٹیل میدان کے نشانات کو مسلسل اور لگا تار بارشوں نے اور لگا تار بوندا باندی نے مٹا کر رکھ دیا ہے۔''

و لقد رایت لها الحلول یزینهم بیض الوجوه ثواقب الاحساب

ترجمہ: ''میں نے اس شہر میں ایسے گھر دیکھے ہیں جنہیں ایسے افراد سجاتے تھے جن کے چہرے روشن اور اخلاق عمدہ تھے۔''

فدع الدّیار و ذکل کل خریدةٍ بیضاءَ آنسةِ الحدیث کعاب

ترجمہ: ''مگر اب اس شہر کو خیر آباد کہہ دو ان عورتوں کا ذکر بھی چھوڑ دو جو ابھرے ہوئے سینے والیاں، خوش کلام گوری اور نازک اندام تھیں۔''

و اشكُ الهموم الی الاله وما تری من معشر ظلموا الرسول غضاب

ترجمہ: ''بلکہ تم رب تعالیٰ کی بارگاہ ناز میں اپنے غموں کی شکایت کرو، ان تکلیف دہ امور کی شکایت کرو جو تم نے اس غضبناک گروہ کے اندر دیکھے تھے۔ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ظلم کیا تھا۔''

ساروا بجمعهم الیه والّبوا اهل القری و بوادِی الاعراب

ترجمہ: ''وہ اپنی جمعیت کو لے کر آپ کی سمت آئے۔ انہوں نے شہریوں کو اور دیہاتوں کے لوگوں کو آپ کے خلاف جمع کیا تھا۔''

جیش عیینة و ابن حرب فیهم متخطمین بحلبة الاحزاب

ترجمہ: ''اس لشکر میں عیینہ اور ابوسفیان موجود تھے یہ اس میں ایسے متکبر لوگ تھے جن کے پاس مقابلہ کرنے والے گھوڑے تھے۔''

حتی اذا وردو المدینۃ وارتجوا قتل الرسول و مغنم الاسلاب

ترجمہ: ''جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے آپ کو شہید کرنے اور مال و اسباب لوٹنے کی امیدیں لگا لیں۔''

و غدوا علینا قادرین بایدیھم ردّوا بغیظھم علی الاعقاب

ترجمہ: ''اور اپنے بازو کی طاقت سے ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں ان کے غصے کے ساتھ ہی الٹے پاؤں لوٹا دیا گیا۔''

بھبوبٍ معصفۃٍ نفرّق جمعھم و جنود ربّك سیّد الارباب

ترجمہ: ''یہ لوٹنا ایسی سخت آندھی کے جھونکوں کے ساتھ تھا جو ان کی جمعیت کو منتشر کر رہی تھی۔ تمہارے رب کا شکر بھی انہیں واپس لوٹا رہا تھا جو سارے مالکوں کا رب ہے۔''

فکفی الالٰہُ المومنین قتالھم و اثابھم فی الاجر خیر ثواب

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ان کی جنگ میں کافی ہوگیا۔ اس نے اہلِ ایمان کو بہترین اجر و ثواب عطا فرمایا۔''

من بعد ما قنطوا ففرّق جمعھم تنزیل نصرٍ ملیکنا الوھّاب

ترجمہ: ''اس کے بعد کہ مسلمان مایوس ہو چکے تھے۔ مگر ہمارے مالک و وہاب رب تعالیٰ کی نصرت کے نزول نے کفار کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔''

و اقرّ عین محمّد و صحابہٖ و اذلّ کل مکذب مرتاب

ترجمہ: ''اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور ہر جھٹلانے والے اور شک کرنے والے کو رسوا کر دیا۔''

عاتی الفواد موقع ذی ریبۃٍ فی الکفر لیس بطاھر الاثواب

ترجمہ: ''ہر وہ شخص جس کا دل سرکش، شک کرنے والا اور تذبذب کا شکار تھا۔ وہ کفر میں اس حد تک گیا تھا کہ اس کے کپڑے بھی پاکیزہ نہ تھے۔''

علق الشقاءُ بقلبہ ففؤادُہ فی الکفر آخر ھذہ الاحقاب

ترجمہ: ''اس کے دل کے ساتھ بدبختی معلق ہوگئی۔ کفر میں اس کا دل اس زمانے کا آخری دل ہے۔''

حضرت کعب بن مالک اسے جواب دیتے ہیں:

ابقی لنا حدث الحروب بقیة　　　من خیر نحلة ربّنا الوهاب

ترجمہ: ''جنگوں کے ظہور پذیر ہونے نے ہمارے لیے ایسے بہترین عطیات چھوڑے ہیں یہ عنایات ہمارے اس پروردگار کی طرف سے تھیں جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔''

بیضاء مشرقة الذّری و معاطنا　　　حمّ الجذوع غزیرة الاحلاب

ترجمہ: ''یعنی سفید چوٹیوں والے بلند قلعے ایسے نخلستان جو پانی کے قریب اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کی طرح تھے اور دودھ دینے والی سیاہی مائل اونٹنیوں کی طرح درخت دیے۔''

کاللّوب یبذل جمّها و حفیلها　　　للجار و ابن العمّ والمنتاب

ترجمہ: ''یہ نخلستان سیاہ پتھروں والی زمین کی مانند ہیں جن کا اکٹھا کیا ہوا اکثر پھل پڑوسیوں، چچازادوں اور مہمانوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔''

و نزائعًا مثل السراج نمابها　　　علَف الشعیر و جزّة المقضاب

ترجمہ: ''ہمیں ایسے گھوڑے بھی ملے ہیں جو چراغ کی طرح ضوفشاں ہیں جس کے کھانے سے جو اور درانتی سے کاٹی ہوئی گھاس ختم ہو جاتی ہے۔''

عری الشوی عنها و اردف نحضها　　　جرد المتون و سائرُ الآراب

ترجمہ: ''ان کی ٹانگیں عریاں ہوگئیں تھیں ان کی کمر اور سارے جوڑوں پر کم بال ہونے کی وجہ سے ان پر گوشت چڑھ گیا تھا۔''

قودًا تراح الی الصیاح اذا غدت　　　فعل الضّراء تراح للکلاب

ترجمہ: ''یہ گھوڑے طویل قامت والے ہیں وہ وقتِ صبح اس طرح ہنہنا کر خوش ہوتے ہیں جیسے شکاری کتے شکاریوں کو دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں۔''

و تحوط سائمة الدیار و تارة　　　تزدی العداد تؤدب بالاسلاب

ترجمہ: ''یہ گھوڑے چرنے کے لیے سارے میدان میں گھومتے ہیں کبھی دشمن کو برباد کرتے ہیں اور کبھی مال غنیمت لے کر واپس آجاتے ہیں۔''

حوش الوحوش مطارةٌ عند الوغی　　　عبس اللقاء بینة الانجاب

ترجمہ: "یہ گھوڑے جنگی جانوروں سے بدکنے والے ہیں جنگ میں تیز رفتار مقابلہ کے وقت ترش رو اور معزز نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔"

علفت علی دعَةٍ فصارت بُدّنا — دخس البضيع خفيفة الاقصاب

ترجمہ: "انہیں آسائش سے چارہ دیا گیا ہے اس لیے وہ بہت موٹے تازے گوشت سے لبریز اور ہلکی آنتوں والے بن گئے ہیں۔"

يغدون بالزعف المضاعف شكه — و بمترصات فی الثقاف صياب

ترجمہ: "ان گھوڑوں کی پشتوں پر ایسے مجاہدین سوار ہیں۔ جنہوں نے دوہری زرہیں پہن رکھی ہیں وہ سیدھے اور ٹھوس نیزے لے کر صبح سویرے حملہ آور ہو رہے ہیں۔"

و صوارِمُ نزعَ الصياقل غلبها — و بكل اروع ماجد الانساب

ترجمہ: "وہ ایسی تلواریں لے کر حملہ آور ہو رہے ہیں جن کے رنگ اور سختی کو صیقل کرنے والے نے صاف کر دیا ہے۔ ان میں ہر سوار معزز اور دلکش تھا۔"

يصل اليمين بمارنٍ متقاربٍ — وكلت و قيعتهٔ الی خبابٍ

ترجمہ: "ان کے دائیں ہاتھ میں ایسے لچکدار نیزے تھے جنہیں بنانے کی ذمہ داری ایک لوہار کی سپرد کی گئی تھی۔"

و اغرّ ازرق فی القناةِ كانهٔ — فی طخية الظلماء ضوء شهابٍ

ترجمہ: "وہ ایسے شفاف نیزے کے ساتھ حملہ آور تھے گویا کہ وہ رات کی سخت ظلمت میں شہاب کی روشنی تھے۔"

و كتيبة ينفی القران قتيرها — و تردُّ حدَّ قواحز النشاب

ترجمہ: "وہ ایسا لشکر لے کر آئے جس کی زرہوں کی میخوں کے سر نیزوں کا انکار کر دیتے تھے وہ رانوں لگنے والے۔"

جاوی ململةٍ كان رماحها — فی كل مجمةٍ خريمة غاب

ترجمہ: "اس لشکر کے اژدہام کی ظلمت یوں تھی کہ ہر مجمع میں اس کے نیزے جھاڑی میں جلتی ہوئی لکڑی کی مانند تھے۔"

ياوی الی ظلِ اللّوَاء كانَهٔ — فی صعدة الخطّی فیء عقاب

ترجمہ: "وہ لشکر اپنے جھنڈے کی طرف پناہ گزیں ہو رہا تھا وہ یوں لگ رہا تھا گویا کہ سیدھے نیزوں میں شاہین کا سایہ ہو۔"

اعيت ابا كرب و اعيت تبعا — و ابت بسالتها علی الاعراب

ترجمہ: ''اس لشکر جرار نے یمن کے بادشاہ ابو کرب اور تبع کو بھی تھکا دیا۔ اور اس کی طاقت نے اعرابیوں کا منہ موڑ دیا۔''

و مواعظ من ربنا نهدی بها ۔۔۔ بلسان ازهر طيب الاثواب

ترجمہ: ''ہمیں اپنے رب کی طرف سے ایسی نصیحتیں ملیں جن سے ہم ہدایت پاتے ہیں یہ نصیحتیں ایسی ذات کی طرف سے آئیں تھیں جس کی زبان پاک اور کپڑے صاف تھے۔''

عرضت علينا فاشتهينا ذكرها ۔۔۔ من بعد ما عرضت على الاحزاب

ترجمہ: ''جب یہ مواعظ ہمیں پیش کیے گئے تو ہم نے شوق سے انہیں یاد کر لیا حالانکہ یہ اس سے پہلے گروہوں پر پیش کیے جا چکے تھے۔''

حكمًا يراها المشركون بزعمهم ۔۔۔ حرجًا و يفهمها ذو والالباب

ترجمہ: ''ہمیں حکمت سے لبریز ایسی باتیں ملیں جنہیں مشرک اپنے گمان کے مطابق حرج سمجھتے تھے لیکن دانا لوگ انہیں اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔''

جاء ت سخينة كى تغالت ربها ۔۔۔ فليغلبن مغالب الغلاب

ترجمہ: ''یہ قریش یہ گمان لے کر آئے تھے تا کہ اپنے رب تعالیٰ پر غالب آجائیں لیکن سب سے غالب ذات سے مقابلہ کرنے والا مغلوب ہو کر رہتا ہے۔''

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آخری شعر پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کعب! تمہاری اس بات کی رب تعالیٰ نے قدردانی کی ہے۔''

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار

من سرّه ضرب يرعبل بعضه ۔۔۔ بعضا كمعمعة الأباء المحرق

ترجمہ: ''جو شخص تلواروں کی ایسی جھنکار سننا چاہتا ہے جو تلواروں کے باہم ٹکرانے سے یوں پیدا ہوتی ہے جیسے جلتے ہوئے بانسوں سے آواز نکلتی ہے۔''

فلياتِ ماسدة تُسن سيوفها ۔۔۔ بين المذادِ و بين جزع الخندق

ترجمہ: ''تو وہ ان شہروں کے اس میدان جنگ میں آجائے جن کی تلوار مذاد اور خندق کے پہلو کے درمیان

تیز کی جا رہی ہیں۔"

دربوا بضرب المعلمین فاسلموا　　مهجات انفسهم لرب المشرق

ترجمہ: "انہوں نے ایسے افراد کی تلواریں مارنے کی طرح کی مہارت حاصل کی جو نشان لگا کر جنگ میں شرکت کرتے ہیں جنہوں نے اپنی جانیں مشرق کے رب کے حوالے کر دیں۔"

فی عصبة نصر الا له نبیهٔ　　بهم و کان بعبده ذا مرفق

ترجمہ: "اس مبارک جماعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی نصرت کی وہ رب تعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ پر بڑا مہربان ہے۔"

فی کل سابغة تخط فضولها　　کالنهی هبت ریحه المترقرق

ترجمہ: "اس گروہ کے ہر ہر فرد نے ایسی زرہ پہن رکھی ہے جس کا بقیہ گھسٹ کر زمین پر یوں خطوط بناتا ہے جیسے تالاب میں ہوا سے لہریں پیدا ہوتی ہیں۔"

بیضاء محکمة کانّ قتیرها　　حدق الجنادب ذات شك موثق

ترجمہ: "وہ سفید اور ایسی محکم زرہ ہے جس کی میخیں ٹڈی کی آنکھوں کی مانند چمکدار ہیں۔ اور اس کے جوڑ مضبوطی سے باندھے گئے ہیں۔"

جدلاء یحفزها نجاد مهنٍد　　صافی الحدیدة صارم ذی رونق

ترجمہ: "وہ ایسی قوی بندش والی زرہ ہے کہ ایک تاباں اور صاف اور قاطع تلوار کا پرتلہ اسے اٹھا کر سمیٹ لیتا ہے۔"

تلکم مع التقوی تکون لباسنا　　یوم الهیاج لکل ساعة مصدق

ترجمہ: "جنگ کے روز اور ہر سچائی کی گھڑی میں یہ زرہ تقویٰ کے لباس کے ساتھ ساتھ ہمارا لباس بنتی ہے۔"

نصل السیوف اذا قصرن بخطونا　　قدما و نلحقها اذا لم تلحق

ترجمہ: "جب تلواریں آگے بڑھنے میں کوتاہی کرتی ہیں تو ہم اپنے قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں ہم انہیں مل جاتے ہیں جبکہ وہ نہ مل رہی ہوں۔"

فتری الجماجم ضاحیًا هاماتها　　بله الا کفّ کانها لم تخلق

ترجمہ: "تم دھوپ میں دشمن کے سروں کی کھوپڑیاں صاف دیکھو گے ہتھیلیوں کا تذکرہ ہی چھوڑ دو گویا کہ

انہیں پیدا ہی نہیں کیا گیا۔"

نلقی العدوّ بفخمۃٍ ملمومۃٍ تنفی الجموع کفصد راس المشرق

ترجمہ: "ہم ایک ایسے متحد لشکر کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ جو لشکر کو جلاوطن کر دیتا ہے گویا کہ فصد کے لیے مشرق پہاڑ کی چوٹی کو کھول دیا گیا۔"

و نعدُّ للاعداء کلَّ مقلص و رد و محجول القوائم ابلق

ترجمہ: "ہم دشمن کے لیے ہمہ وقت ایسا گھوڑا تیار رکھتے ہیں جس کی رنگت گلابی، سفید ٹانگیں اور ابلق ہوتا ہے۔"

تردی بفرسان کان کماتھم عند الھیاج اسودُ طل ملثق

ترجمہ: "یہ گھوڑے اپنے شہ سوار کو سرعت سے لے جاتے ہیں گویا کہ ان کے جری لوگ جنگ کے وقت ہلکی بارش کے کیچڑ میں ایسے شیر ہوتے ہیں جن کی بھوک تیز ہوتی ہے۔"

صدق یعاطون الکماۃ حتوفھم تحت العمایۃ بالوشیح المزھق

ترجمہ: "یہ مجاہدین سچ کر دکھاتے ہیں وہ گرد وغبار کے نیچے اپنے جان لیوا نیزوں کے ساتھ مقابلہ کرنے والے بہادروں کی جانیں نکال دیتے ہیں۔"

امر الا لہ بربطھا لعدوہ فی الحرب ان اللہ خیر موفق

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ جنگ میں دشمن کے مقابلہ کے لیے گھوڑوں کو باندھ کر رکھیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہترین توفیق دینے والا ہے۔"

لتکون غیظا ملعدوٍ و حیطا للداران دلفت خیول النزق

ترجمہ: "تاکہ یہ دشمن کے لیے آتش غضب بن جائیں اور اپنے گھروں کے لیے سد سکندری بن جائیں۔ جب بداخلاق لوگوں کے گھوڑے ان کے قریب آئیں۔"

و یعیننا اللہ العزیز بقوۃٍ سنہ و صدق الصبر ساعۃ نلتقی

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جو عزیز ہے وہ اس وقت اپنی جناب سے قوت کے ساتھ ہماری مدد کرتا ہے جس وقت ہم دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ وہ صبر کی صداقت کے ساتھ مدد کرتا ہے۔"

و نطیع امر ربنا و نجیبہ و اذا دعا لکریھۃٍ لم نسبق

ترجمہ: "ہم اپنے رب کریم کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کرتے ہیں اس کی صدا پر لبیک کہتے ہیں جب وہ

ہمیں جہاد کے لیے بلاتا ہے تو کوئی ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔"

و متی ینادی للشدائد ناتہا   و متی نری الحومات فیہا نعنق

ترجمہ: "جب وہ مشکلات کی طرف دعوت دیتا ہے تو ہم فوراً وہاں حاضر ہو جاتے ہیں جب ہم بڑے بڑے معرکے دیکھتے ہیں تو ان میں شریک ہو جاتے ہیں۔"

من یتبع قول النبی فانہ   فینا مطاع الامر حق مصدق

ترجمہ: "جو حضور اکرم ﷺ کے فرمان کی پیروی کرتا ہے (تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے) بلاشبہ آپ ایسی ذات ہیں جس کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اور آپ مستحق ہیں کہ آپ کی تصدیق کی جاتی۔"

فبذاك ینصرنا و یظهر عزنا .   و یصیبنا من نیل ذاك بمرفق

ترجمہ: "اسی لیے آپ ہماری مدد کرتے ہیں اور عزت بڑھاتے ہیں اسی امر کے حصول کے لیے آپ ہم پر مہربانی فرماتے ہیں۔"

ان الذین یکذبون محمدًا   کفروا و ضلّوا عن سبیل المتقی

ترجمہ: "بلاشبہ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کو جھٹلایا انہوں نے کفر کیا اور وہ متقی کے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔"

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں:

لا ابلغ قریشا ان سلعا   وما بین العریض الی الصّماد

ترجمہ: "ارے! قریش تک یہ پیغام پہنچا دو کہ جو علاقہ کوہ سلع وادی عریض اور صماد پہاڑ کے مابین ہے۔"

نواضح فی الحروب مدربات   و خوض ثقبت من عهد عاد

ترجمہ: "وہ ایسے نخلستانوں پر مشتمل ہے جنہیں جنگ کے ایام میں اونٹوں کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے اور وہاں ایسے کنویں ہیں جنہیں عاد کے زمانہ میں کھودا گیا۔"

رواکد یزخر المرار فیہا   فلیست بالجمام ولا الثماد

ترجمہ: "یہ ایسے محکم ہیں جن میں مرار دریا کی موجیں اٹھتی ہیں ان کا پانی نہ تو بہت کثیر تھا اور نہ ہی بہت قلیل تھا۔"

کانّ الغاب والبردی فیہا   اجش اذا تبقع للحصاد

ترجمہ: "فصل کاٹنے کے لیے جب اس جگہ زرد رنگ کے ٹکڑے بنائے جاتے ہیں تو بانس کی جھاڑیاں اور بردی گھاس ان میں شور و غل پیدا کرتے ہیں۔"

ولم نجعل تجارتنا اشتراء ال حمیر لارض دوس او مراد

ترجمہ: ''ہم دوس اور مراد کے قبائل کی سرزمین کے لیے گدھوں کو خریدنے اور بیچنے کا کاروبار نہیں کرتے۔''

بلادٌ لم تثر الا لکیما نجالدان نشطتم للجلاد

ترجمہ: ''بلکہ ہمارے ایسے شہر ہیں جہاں صرف اس مقصود کے لیے کھیتی باڑی کی جاتی ہے کہ اگر تم جنگ کے لیے اچھلو کودو تو ہم بھرپور تمہارا مقابلہ کریں گے۔''

اثرنا سکۃ الانباط فیھا فلم تر مثلھا جلھات واد

ترجمہ: ''ہم نے ان شہروں میں کھجوروں کی قطاریں قوم انباط کے طریقوں پر لگائی ہیں تم نے ان وادیوں جیسے مناظر کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔''

قصرنا کل ذی حضر و طول علی الغایات مقتدر جواد

ترجمہ: ''ہم میں سے ہر ایک نے جنگ کے لیے ایک بہترین گھوڑا باندھ رکھا ہے جو اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کی پوری قوت رکھتا ہے۔''

اجیبونا الی ما نجتدیکم من القول المبین والسداد

ترجمہ: ''تم ہمیں اس بات کا جواب دو۔ جو ہم تم سے صاف، واضح تر اور سیدھی بات کا تقاضا کرتے ہیں۔''

و الا فاصبروا بجلاد یوم لکم منا الی شط المذاد

ترجمہ: ''ورنہ مذاد کی کسی طرف ہمارے ساتھ جنگ کے مصائب پر صبر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

نصبحکم بکل اخی حروب و کل مطھمٍ سلسِ القیادِ

ترجمہ: ''ہم تم پر ایسے جرار لشکر لے کر حملہ آور ہوں گے۔ جن میں سے ہر شخص جنگ میں ماہر ہوگا۔ ہر گھوڑا بھرپور جسم والا اور آسانی سے چلایا جانے والا ہوگا۔''

و کل طمرۃٍ خفقٍ حشاھا تدف دفیف صفراء الجراد

ترجمہ: ''ہر گھوڑا طویل ٹانگوں والا اور اچھل کر چلنے والا ایسا گھوڑا ہوگا جس کے اندرونی اعضاء متحرک ہوں گے اور وہ انڈے دینے والی ٹڈیوں کی طرح تیزی سے اڑنے والا ہوگا۔''

و کل مقلّص الآراب نھد تمیم الخلق من اخرٍ و ھادِی

ترجمہ: ''ہر گھوڑا ایسا ہوگا جس کے اعضاء موٹے ہوں گے۔ وہ موٹا اور آگے پیچھے سے مکمل تخلیق والا ہوگا۔''

خیولٌ لا تضاع اذا اضیعت   خیولُ النّاسِ فی السنة الجماد

ترجمہ: "جب قحط سالی کے موقع پر دیگر لوگوں کے گھوڑے ضائع ہو جاتے ہیں تو یہ ضائع نہیں ہوتے۔"

ینازعن الا عنة مصغیاتٍ   اذا نادٰی الی الفزع المنادی

ترجمہ: "جب نداد ینے والا جنگ کی صدا دیتا ہے تو یہ گھوڑے اسے توجہ سے سنتے ہیں وہ اپنی دموں سے لڑنے لگتے ہیں۔"

اذا قالت لنا النُذر استعدوا   توکلنا علی رب العباد

ترجمہ: "جب ڈرانے والے لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ تیار ہو جاؤ تو ہم سب بندوں کے پروردگار پر توکل کر لیتے ہیں۔"

و قلنا لن یفرّجَ ما لقینا   سوی ضرب القوانس والجھاد

ترجمہ: "ہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے جنگ میں شرکت کی تو یہ جنگ دشمن کے خودوں کو تلواروں سے کاٹنے اور جہاد کے بغیر ختم نہ ہوگی۔"

فلم نرء عصبةً فیمن لقینا   من الاقوامِ من قارٍ و بادٍ

ترجمہ: "جن لوگوں کے ساتھ ہم نبرد آزما ہوتے ہیں خواہ وہ لوگ دیہاتی ہوں یا شہری ہوں ان میں سے تم کوئی ایسا گروہ نہ دیکھو گے۔"

اشدَّ بسالةً منّا اذا ما   اردناہُ والین فی الوداد

ترجمہ: "جو اس وقت ہم سے زیادہ شجاع اور بہادر ہو جب ہم ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کریں اور باہمی محبت میں ہم سے زیادہ بااخلاق ہو۔"

اذا ما نحن اشرجنا علیھا   جیاد الجدل فی الازب الشداد

ترجمہ: "جب ہم اس گروہ کے جسم پر مضبوط بندش والی بہترین زر ہیں سخت گرہوں کے ساتھ باندھتے ہیں۔"

قذفنا فی السوابغ کل صقرٍ   کریم غیر معتلث الزناد

ترجمہ: "تو ہم ان زرہوں میں ایسا شریف النسل شکرا ڈالتے ہیں جو جنگ کے چقماق سے ان جان بن کر چنگاری نہیں نکالتا۔"

اشم کانه اسد عبوسٌ   غداة ندی ببطن الجزع غادی

ترجمہ: "وہ معزز ہے جب اس کے پاس دامن وادی میں وقت صبح کوئی فریاد لے کر آتا ہے گویا کہ اس وقت

وہ ترش رو شیر ہوتا ہے۔"

یغشی ھامة البطل المذکی صبی السیف مسترخی النجاد

ترجمہ: "وہ بہادر شخص تلوار کا درمیانی حصہ مار کر کھوپڑی کو چیر دیتا ہے جبکہ اس کی تلوار کا پرتلہ ڈھیلا ہوتا ہے۔"

لیظھر دینك اللھم انا بکفك فاھدنا سبل الرشاد

ترجمہ: "پروردگار! تاکہ ہم تیرے دین کو غالب کر دیں مولا! ہم تیرے دستِ تصرف میں ہیں ہمیں ہدایت کے رستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

تنبیہات

1. ابن اسحاق اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ غزوۂ خندق ماہِ شوال میں ہوا تھا۔ ابن سعد اور محمد بن عمر نے ماہ ذوالقعدہ کا ذکر کیا ہے۔ جمہور نے پانچ ہجری لکھا ہے۔ امام ذہبی اور ابن قیم نے اسے ہی صحیح لکھا ہے۔ حافظ نے اسی کو معتمد لکھا ہے۔ ابن عقبہ نے امام زہری سے اور امام احمد نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری کو رونما ہوا ہوگا۔

الحافظ وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب یہ ثابت ہو جائے پھر بھی اس میں کوئی حجت نہیں کہ یہ غزوہ ہجرت کے پانچویں سال رونما ہوا تھا۔ کیونکہ احتمال ہے غزوۂ احد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چودھویں سال میں داخل ہوئے ہوں اور غزوۂ خندق میں وہ پندرہ سال کے ہو گئے ہوں۔" امام بیہقی نے یہی جواب دیا ہے۔

ابن اسحاق کا یہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے" غزوۂ احد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا" آئندہ سال مقام بدر پر ملاقات ہوگی۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئندہ سال بدر تشریف لے گئے۔ ابوسفیان اس سال قحط سالی کا بہانہ بنا کر نہ آیا۔" دیگر سیرت نگاروں نے بھی ابن اسحاق کی موافقت کی ہے۔

امام بیہقی نے اس اختلاف کا سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض اسلاف عظام تاریخ کو اس محرم سے شمار کرتے تھے جو ہجرت کے بعد آیا تھا۔ وہ اس سے قبل ربیع الاول تک کے مہینے شمار نہیں کرتے تھے۔ حافظ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں یہی اجراء کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر پہلے سال میں، غزوۂ احد دوسرے سال اور غزوۂ خندق چوتھے سال رونما ہوئے تھے۔ اس بنیاد پر یہ عمل صحیح ہے لیکن یہ بنیاد درست نہیں جمہور کے خلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک غزوۂ بدر دوسرے سال غزوۂ احد تیسرے سال اور غزوۂ خندق پانچویں سال رونما ہوا تھا۔ یہ موقف معتمد ہے۔

- ❷ مشرکین نے کتنے روز تک خندق کا محاصرہ کیا اس میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سعید نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے ۲۴ راتوں تک محاصرہ کیے رکھا۔ امام زہری نے دس اور کچھ راتیں لکھی ہیں۔ محمد بن عمر نے حضرت جابر سے بیس دن روایت کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "صحیح قول یہ ہے کہ انہوں نے پندرہ روز تک محاصرہ کیے رکھا۔ ابن سعد، بلاذری اور امام نووی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

زاد المعاد میں ہے کہ انہوں نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ تقریباً بیس اور کچھ راتیں یعنی تقریباً مہینہ تک انہوں نے محاصرہ کیئے رکھا۔

- ❸ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خندق کے روز فرمایا: "مشرکین کی خبر کون لے کر آئے گا؟ حضرت زبیر نے کہا: "میں۔" آپ نے فرمایا: "ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔" العیون میں اسی طرح ہے۔ مشہور یہی ہے کہ جو صحابی مشرکین کی خبر لے کر آئے تھے وہ حضرت حذیفہ بن یمان تھے۔

الحافظ نے لکھا ہے "یہ حصر مردود ہے۔ حضرت زبیر کا قصہ اور ہے حضرت حذیفہ کی داستان اور ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے حالات معلوم کرنے گئے تھے کہ انہوں نے اس معاہدے کو توڑا ہے یا نہیں جو آپ کے اور ان کے مابین تھا۔ حضرت حذیفہ کی حکایت یہ ہے کہ جب غزوہ خندق میں مسلمانوں کا محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ گروہ حملہ کرنے آگئے پھر ان میں اختلاف رونما ہو گیا ہر گروہ دوسرے سے ڈرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا بھیج دی۔ آپ نے فرمایا: "کون ہے جو مشرکین کی خبر لے کر آئے؟" حضرت حذیفہ نے آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

- ❹ حضرت براء رضی اللہ عنہ کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جسم پر بہت سے بال تھے۔ آپ کے سینے پر بہت سے بال تھے۔ لیکن حقیقت اس طرح نہیں۔ بلکہ آپ کے اوصاف میں ہے کہ آپ کے سینہ اقدس سے لے کر شکم مبارک تک بالوں کی لائن تھی۔ ان روایات کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ یہ لائن باریک تھی۔ لیکن بال کثیر تھے۔ لیکن وہ منتشر نہ تھے۔ بلکہ طوالت میں تھے۔ یہ تفصیلی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

- ❺ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے۔ عروۃ سے صحیح سند سے اسی طرح روایت ہے۔ لیکن ابو عمر اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ جو کچھ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے وہ منقطع الاسناد ہے۔ اگر یہ وصف ان میں ہوتا تو ان کی ہجو بیان کی جاتی۔ یہ ضرار بن خطاب اور ابن زبعری وغیرہما کی ہجو کرتے تھے۔ وہ بھی ان کا جواب دیتے تھے۔ لیکن انہیں بزدلی کا طعنہ کسی نے نہ دیا۔ نہ ہی یہ عیب نکالا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کی یہ روایت ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عروہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا: ''میں پہلی خاتون ہوں جس نے مرد کو قتل کیا تھا۔ میں قلعہ فارغ میں تھی۔ حضرت حسان ہمارے پاس موجود تھے۔'' حضرت عروہ نے اپنی دادی جان کو پایا تھا۔ اس داستان کی سند جید اور قوی ہے۔''

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ شاید اس روز حضرت حسان بیمار ہوں۔ وہ کسی ایسی مرض میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے وہ قتال میں شرکت نہ کر سکے ہوں۔ یہی تاویل سب سے عمدہ ہے۔

امام کلبی نے لکھا ہے ''حضرت حسان شجاع اور بہادر تھے۔ انہیں ایک مرض لگا جس نے انہیں کمزوری میں مبتلا کر دیا۔ وہ نہ تو جنگ میں شرکت کرتے تھے نہ اسے دیکھ سکتے تھے۔'' ابن سراج نے لکھا ہے ''شعراء کا ان پر یہ عیب نہ لگانا آپ کی نبوت کی نشانی ہے کیونکہ حضرت حسان بارگاہِ رسالت مآب کے شاعر تھے۔''

❻ صحیح میں ہے کہ جن صحابہ کرام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر کھانا کھایا تھا ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ابونعیم نے یہ تعداد نو سو یا آٹھ سو لکھی ہے۔ اسماعیلی نے یہ تعداد یا آٹھ سو یا تین سو لکھی ہے۔ ابن زبیر نے یہ تعداد تین سو لکھی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے'' زائد پر حکم لگایا جائے گا کیونکہ اس میں زیادہ علم ہے کیونکہ یہ داستان ایک ہی ہے۔''

❼ صحیح روایت کے مطابق غزوۂ خندق میں صحابہ کرام کی تعداد تین ہزار تھی۔ زاد المعاد میں ابن اسحاق سے یہ تعداد سات سو رقم کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر کی روایت میں یہ دلیل نہیں کہ صحابہ کرام کی تعداد صرف ایک ہزار ہی تھی۔ کیونکہ انہوں نے ان صحابہ کرام کی تعداد بتائی ہے جنہوں نے وہ کھانا کھانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ انہوں نے یہ حصر بیان نہیں کیا تھا۔

❽ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو غطفان کو مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے ثلث کی پیش کش کی تھی۔ اس سے یہ علم ہوتا ہے کہ دشمن کو مال دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت اور تحفظ ہو۔

غبارِ راہِ حجاز

ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

بروز منگل 12-07-17

●●●●